

# انوار الالباب صحیح البخاری

مجموعۃ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

ودیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفۃ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بنجنوری

ادارۃ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملت ان پکستان  
(061-4540513-4519240)

# انوار الباری صحیح البخاری

جلد ۱۴-۱۵-۱۶

مجموعۂ افادات

امام العصر علیہ السلام سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفۂ تلمیذ علامہ کنسیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب مجنوری

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

پتہ: قوارہ ٹکٹان پاکستان

☎ 061-540513-519240





ترتیب و تزئین کے جملہ حقوق  
بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب..... انوار الباری جلد ۱۳-۱۵-۱۶  
تاریخ اشاعت..... جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ  
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان  
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان  
ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان  
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور  
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور  
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور  
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کونہ  
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی  
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور  
دارالاشاعت اردو بازار کراچی  
بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K  
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)  
119-121 HALLIWELL ROAD  
BOLTON BL3 3NE. (U.K.)

**ضروری وضاحت:** ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

## فہرست مضامین

۱	انوار الباری کی نشاۃ ثانیہ	۲۶	محدث عبدالرحمن بن مہدی م ۱۹۸ھ
۱	نوعیت کار کی تبدیلی	۲۷	محدث ابو بکر عبداللہ بن زبیر حمیدی م ۲۲۰ھ
۲	انوار الباری کا مقصد	۲۷	محدث طلیل حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ م ۲۳۵ھ
۳	باب الانتقاد	۲۷	محدث الشیخ بن راہویہ م ۲۳۸ھ
۴	باب عظة الامام الناس فی تمام الصلوة و ذکر القلبہ	۲۷	امام بخاری م ۲۵۶ھ
۴	تشریح، مناسبت ابواب و مطابقت ترجمہ الباب	۲۷	شیخ داؤد ظاہری م ۲۷۰ھ
۵	معتزلہ کے دلائل	۲۸	محدث ابن خزیمہ م ۳۱۱ھ
۶	نبی اکرم ﷺ اور خواص اہل جنت	۲۸	علامہ ابن حزم ظاہری م ۴۵۷ھ
۷	حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم	۲۸	علامہ تقی الدین بن تیمیم م ۷۲۸ھ
۱۱	مسک حق پر تنقید	۲۸	علامہ ابن القیم م ۷۵۷ھ
۱۳	دعوت مطالعہ	۲۸	مجدالدین فیروز آبادی م ۸۱۷ھ
۱۵	حرف آخر	۲۸	شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی م ۱۲۰۲ھ
۱۷	باب هل یقال مسجد بنی فلان؟	۲۹	علامہ شوکانی م ۱۲۵۰ھ
۱۷	باب القسمۃ و تعلیق القنوی فی المسجد	۲۹	نواب صدیق حسن خان م ۱۳۱۷ھ
۱۹	سخن ہائے گفتنی	۲۹	محدث نذیر حسین صاحب م ۱۳۲۰ھ
۲۳	شاہ ولی اللہ اور شیخ ابراہیم کردی	۲۹	محدث عبدالرحمن مبارکپوری م ۱۳۵۳ھ
۲۳	علامہ ابن تیمیہ پر نقد	۲۹	محدث عبید اللہ مبارکپوری دام فیضہم
۲۳	علامہ ابن تیمیہ اور شاہ عبدالعزیز	۳۰	باب من دعی ل طعام فی المسجد و من اجاب منه
۲۳	شاہ ولی اللہ اور علامہ ابن تیمیہ	۳۰	باب القضاء و العان فی المسجد بین الرجال و النساء
۲۴	سحر کے اثرات		باب اذا دخل بیتاً یصلی حیث شاء او حیث
۲۵	ارجاء کا الزام	۳۱	امر ولا یتجسس
۲۵	امام بخاری اور فقہ اربعہ	۳۲	باب المساجد فی البیوت
۲۵	حضرت امام اوزاعی م ۱۵۷ھ	۳۲	باب التیمن فی دخول المسجد
۲۵	حضرت سفیان ثوری م ۱۶۱ھ	۳۲	باب هل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ



۶۰	باب اصحاب الحراب فی المسجد	۳۶	مقصد نبوی
۶۱	باب ذکر البیع والشرآء علی المنبر فی المسجد	۳۷	مسجد بخوار صالحین
۶۲	باب التقاضی والملازمة فی المسجد	۳۹	افادۃ علیہمہ
۶۳	باب کنس المسجد والتقاط الخرق والقذی العیدان	۴۰	باب الصلوۃ فی مراض الغنم
۶۳	ابن رشد اور حنفیہ	۴۱	باب الصلوۃ فی مواضع الابل
۶۵	باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد	۴۱	باب من صلی وقدامہ تنور او ناز او شیء
۶۵	باب الخدم للمسجد وقال ابن عباس نذرت لک	۴۲	باب کراہیۃ الصلوۃ فی المقابر
۶۵	ما فی بطنی محرراً للمسجد یخدمہ	۴۳	باب الصلوۃ فی مواضع الخسف والعذاب
۶۵	باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد	۴۳	باب الصلوۃ فی البیعة وقال عمرؓ الا لا ندخل
۶۶	قوله لا ینبغی لاحد من بعدی	۴۳	باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض
۶۶	باب اغتسال اذا اسلم وربط	۴۴	مسجداً و طهوراً
۶۷	باب الخیمۃ فی المسجد للمرضی وغیرہم	۴۵	باب نوم المرأة فی المسجد
۶۸	ضروری و مخفی و ضاحق	۴۶	باب نوم الرجال فی المسجد وقال ابو قلابہ
۶۸	حرم مدینہ	۴۷	باب الصلوۃ اذا قدم من سفر
۶۸	مسجد نبوی	۴۷	باب اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع
۶۹	مسجد ذباب	۴۸	رکعتین قبل ان یجلس
۶۹	مسجد بنی قریظ	۴۸	باب الحدث فی المسجد
۶۹	مسجد الفصح	۴۹	باب بنیان المسجد
۶۹	مسجد قاطمہ	۵۲	باب التعاون فی بناء المسجد
۶۹	مسجد الجنازہ	۵۳	واقعہ شہادت حضرت عمارؓ
۶۹	بیوت امہات المؤمنینؓ	۵۵	اعتراض وجواب
۶۹	دار حضرت ابی ایوبؓ	۵۶	خلافت حضرت علیؓ
۶۹	دار حضرت ابوبکرؓ	۵۷	باب الاستعانة بالنجار والصناع فی احواد
۶۹	دار حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	۵۷	المنبر و المسجد
۶۹	دار حضرت عمرؓ وآل عمرؓ	۵۸	باب من بنی مسجداً
۶۹	دار حضرت عثمانؓ	۵۸	باب یاخذ بنصول النبل اذا مر فی المسجد
۶۹	دار حضرت علیؓ	۵۹	باب المرور فی المسجد
۶۹	دوسرے دیار و بیوت کبار صحابہ	۵۹	باب الشعر فی المسجد
			علی و اصولی

باب ادخال البعیر فی المسجد للعلۃ وقال	۹۸	باب قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترة	۹۸
ابن عباس طاف النبی ﷺ علی بعیره	۷۴	باب الصلوة الی الحرۃ	۹۸
باب الخوۃ والممر فی المسجد	۷۵	باب الصلوة الی العنۃ	۹۸
تحفۃ اثنا عشریہ وازالۃ الخفاء	۷۸	باب السترة بمکۃ وغیرہا	۹۸
باب الابواب والغلق للکعبۃ والمساجد	۷۹	امام احمد والبوداؤ دکی رائے امام بخاری کے خلاف	۹۸
باب دخول المشرک فی المسجد	۷۹	امام ابن ماجہ و نسائی کی رائے امام بخاری کے خلاف ہے	۱۰۰
باب رفع الصوت فی المسجد	۸۰	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۱۰۰
حیات انبیاء کرام	۸۱	امام طحاوی کا ارشاد	۱۰۱
قصۃ امام مالک و خلیفہ عباسی	۸۱	باب الصلوة فی الاسطوانۃ	۱۰۲
باب الحلی والجلوس فی المسجد	۸۲	قولہ عند المصحف اور حافظ و یحییٰ کی غلطی	۱۰۳
باب الاستلقاء فی المسجد	۸۳	ضروری امور کی اہم یادداشت	۱۰۵
باب المسجد یکون فی الطريق من غیر ضرر		باب الصلوة بین السواری فی غیر جماعۃ	۱۰۶
ربا الناس فیہ وبہ	۸۴	باب الصلوة الی الراحلة والبعیر والشجر والرحل	۱۰۷
باب الصلوة فی مسجد السوق وصلی	۸۴	باب الصلوة الی السریر	۱۰۷
باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ	۸۵	باب = لیرد المصلی من مر بین یدیه ورد	۱۰۸
باب المساجد التی علی طرق المدینۃ	۸۷	باب اثم المآر بین یدی المصلی	۱۱۰
المواضع التی صلے فیہا النبی ﷺ		باب استقبال الرجل الرجل وهو یصلی وکرہ	۱۱۱
ارشاد علامہ یحییٰ رحمہ اللہ	۸۷	باب الصلوة خلف النائم	۱۱۲
ارشاد حضرت گنگوہی	۹۰	باب التطوع خلف المرأة	۱۱۲
ارشاد حضرت شیخ الحدیث دام ظلہم	۹۱	باب من قال لا یقطع الصلوة شیء	۱۱۳
کچھ امام اہلب و ابن تیمیہ کے متعلق	۹۲	گذرنے کا گناہ کس پر ہے؟	۱۱۳
مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان راستہ کی مشہور مساجد	۹۲	باب اذا حمل جارية صغيرة علی عنقه فی الصلوة	۱۱۵
راہ مدینہ و مکہ کے مشہور کنوئیں	۹۳	باب اذا صلی الی فراش فیہ حائض	۱۱۵
باب سترة الامام سترة من خلفہ	۹۳	باب هل یغمر الرجل امرأته عند السجود لکی یسجد	۱۱۶
فیض الباری کی مسامحت	۹۳	باب المرأة تطرح عن المصلی شیئاً من الاذی	۱۱۷
علامہ بیہقی اور حافظ ابن حجر کی رائے	۹۴	<b>کتاب مواقیب الصلوة</b>	۱۱۸
حافظ کی دوسری مسامحت	۹۵	باب مواقیب الصلوة و فضلہا	۱۱۸
فرق نظر شارع و نظر فقہاء	۹۵	لامع الدراری کا تراجم	۱۲۰
تمثیل و تسہیل اور تحقیق مزید	۹۶	حدیث امامت جبریل مکیہ	۱۲۰

۱۲۱	حدیث امامہ نبویہ مدنیہ	۱۲۷	باب من ادرك ركعة من العصر قبل الغروب
۱۲۱	اوقات معینہ کی عقلی حکمت	۱۲۹	امام طحاوی وغیرہ کا مسلک
۱۲۲	اوقات نماز میں اختلاف	۱۵۰	ائمہ ثلاثہ کا مسلک
۱۲۳	باب قول الله عز وجل منيبين اليه واتقوه	۱۵۰	امام اعظم کا مسلک
۱۲۵	باب البيعة على اقام الصلوة	۱۵۱	بخاری کی حدیث الباب مہسوق کے لئے ہے
۱۲۵	باب الصلوة كفارة	۱۵۱	حضرت شاہ صاحب کا افادہ خصوصی
۱۲۸	باب فضل الصلوة لوقتها	۱۵۲	حدیث بیہقی کی تحقیق
۱۲۹	باب الصلوة الخمس كفارة للخطايا	۱۵۲	رکعتی الفجر کی دلیل
۱۲۹	ما لم يغش الكبائر	۱۵۲	ادراک رکعت سے ادراک جماعت کا حکم
۱۳۰	باب في تصييع الصلوة عن وقتها	۱۵۲	حقیقت ادراک
۱۳۱	باب المصلی یناجی ربہ	۱۵۳	عصر کا وقت مکروہ
۱۳۲	باب الابراد بالظهر في شدة الحر	۱۵۳	ائمہ اربعہ کا اتحاد
۱۳۳	شدت حر کے اسباب	۱۵۳	قول انما بقاء کم
۱۳۵	باب الابراد بالظهر في السفر	۱۵۳	مسلمانوں کے عروج کے پانچ سو ۵۰۰ سال
	باب الظهر عند الزوال وقال جابر كان النبي	۱۵۵	حاصل تشبیہیں
۱۳۶	ﷺ یصلی بالہاجرة	۱۵۶	ظہر وعصر کا وقت
۱۳۷	باب تاخير الظهر الى العصر		باب وقت المغرب وقال عطاء يجمع
۱۳۷	ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ	۱۵۷	المريض بين المغرب والعشاء.
۱۳۹	ارشاد حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ		(مغرب کے وقت کا بیان، عطاء نے کہا کہ بیمار مغرب
۱۳۹	باب وقت العصر	۱۵۷	اور عشاء کی نماز ساتھ پڑھ سکتا ہے)
۱۴۲	ساکنین عوالی کی نماز عصر	۱۵۷	باب من كره ان يقال للمغرب العشاء
۱۴۳	باب اثم من فاتته العصر		جلد ۱۵----
۱۴۳	باب اثم من ترك العصر	۱۶۹	قولہ فان رأس مائۃ سنة الخ
۱۴۴	باب فضل صلوة العصر	۱۶۹	حیات حضرت علیہ السلام
۱۴۵	تجلیات باری تعالیٰ	۱۶۹	باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس او تاخروا
۱۴۵	عورتوں کے لئے جنت میں دیدار خداوندی	۱۷۰	باب فضل العشاء
۱۴۵	نہار شرعی و عرفی	۱۷۲	باب ما يكره من النوم قبل العشاء
۱۴۵	اجتماع ملائکہ نہار دلیل	۱۷۲	باب النوم قبل العشاء لمن غلب
۱۴۶	فضیلت کس کے لئے ہے	۱۷۳	باب وقت العشاء الى نصف الليل



۱۷۵	انتظار صلوٰۃ کا مطلب	باب من نسی صلوٰۃ فليصل اذا ذكر ولا يعيد
۱۷۶	باب فضل صلوٰۃ الفجر والحديث	۱۹۴
۱۷۷	باب وقت الفجر	۱۹۵
۱۸۰	دلائل اسفار وحافظ ابن حجر	۱۹۶
۱۸۰	حديث ابن مسعود في بحث	۱۹۶
۱۸۱	قوله ان زيد بن ثابت	۱۹۶
۱۸۱	قوله كنت اتمح في اهل	۱۹۸
۱۸۱	قوله لا يعرف من احد من الغلس	۱۹۹
۱۸۱	معرفت سے کیا مراد ہے؟	۲۰۳
۱۸۲	باب من ادرك من الفجر ركعة	۲۰۳
۱۸۲	باب من ادرك من الصلوٰۃ ركعة	۲۰۴
۱۸۲	باب الصلوٰۃ بعد الفجر حتى ترتفع الشمس	۲۰۵
۱۸۳	شيخ ابن همام كما اعترض اور تحقيق الور	۲۰۶
۱۸۳	مسلك امام مالك وغيره	۲۰۶
۱۸۵	بعض سلف کا مسلک	۲۰۷
۱۸۵	امام بخاری کا مسلک	۲۰۷
۱۸۵	باب لا تتحرى الصلوٰۃ قبل غروب الشمس	۲۰۸
۱۸۶	باب من لم يكره الصلوٰۃ الا بعد العصر والفجر	۲۰۹
۱۸۹	راوی بخاری کا تسامح	۲۰۹
۱۸۹	امام دارمی کا عمل	۲۱۰
۱۸۹	احباب صحاح کا حال	۲۱۱
۱۹۰	باب التكبير بالصلوٰۃ في يوم غيم	۲۱۲
۱۹۰	يا رسول الله کے لئے افادۃ انور	۲۱۳
۱۹۱	باب الاذان بعد ذهاب الوقت	۲۱۳
۱۹۲	شرح قوله ان الله قبض ارواحكم	۲۱۵
۱۹۲	رد روح نبوی کا مطلب	۲۱۶
۱۹۲	روح اور نفس میں فرق	۲۱۷
۱۹۲	قوله فلما ارتفعت الخ	۲۱۷
۱۹۳	باب من صلى بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت	۲۱۸
		باب ما يحقن بالاذان من الدماء
		قوله وان قدمي لتمس قدم النبي عليه السلام
		باب ما يقول اذا سمع المنادي
		بدعت وسنت کا فرق
		فرض نمازوں کے بعد دعا کا مسئلہ
		اکابر امت حضرت شاہ صاحب کی نظر میں
		مندوب و مستنون کا فرق
		حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق مزید
		باب الدعاء عند النداء
		باب السهام في الاذان وبذكر ان قوماً اختلفوا في الاذان
		قوله الا ان يستهموا عليه
		باب الكلام في الاذان وتكلم سليمان بن صرد في اذانه
		باب اذان الاعمى اذا كان له من يخبره

۲۴۱	امام بخاری کے بدیہی المطلان دعاوی	۲۱۹	باب الاذان بعد الفجر
۲۴۱	بخاری کی حدیث الباب میں دو غلطیاں	۲۲۰	باب الاذان قبل الفجر
۲۴۲	عزم ہجرت اور قیام دیوبند	۲۲۱	امام محمدؒ، طحاویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ
۲۴۲	شان فانی العلم	۲۲۲	باب کم بین الاذان والاقامة
۲۴۳	امام بخاری اور رفیع یدین پر دعوائے اتفاق صحابہ	۲۲۳	باب من انتظر الاقامة
۲۴۳	صحیح ابن خزیمہ شائع ہوگئی	۲۲۴	باب بین کل اذانین صلوة لمن شاء
۲۴۵	صحیح ابن خزیمہ کا مرتبہ	۲۲۴	باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد
۲۴۵	کتاب التوحید لابن خزیمہ کا ذکر	۲۲۵	باب الاذان للمسافر اذا كانوا جماعة والاقامة
۲۴۷	باب حد المریض ان يشهد الجماعة		باب هل يتبع المؤذن فاه' ههنا و ههنا وهل يلتفت فی الاذان
۲۴۹	باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله	۲۲۷	باب قول الرجل فاتتنا الصلوة
	باب هل یصلی الامام بمن حضرو هل یخطب	۲۲۷	باب ما ادر کتم فصلوا وما فاتکم فاتموا قاله
۲۵۰	يوم الجمعة فی المطر	۲۲۸	باب متى یقوم الناس اذا راوا الامام عند الاقامة
	باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلوة وکان ابن عمر یبدأ بالعشاء	۲۲۹	باب لا یقوم الی الصلوة مستعجلاً
۲۵۱	باب اذا دعی الامام الصلوة وبيده ما یأکل	۲۲۹	باب هل ینخرج من المسجد لعلہ
۲۵۳	باب من کان فی حاجة اهله فالیقت الصلوة فخرج	۲۳۰	باب اذا قال الامام مکانکم حتی یرجع انتظروه
	باب من صلی بالناس و هو لا یرید الا ان یعلمهم	۲۳۰	باب قول الرجل ما صلینا
۲۵۳	صلوة النبی ﷺ و سنتہ	۲۳۱	باب الامام تعرض له' الحاجة بعد الاقامة
۲۵۳	قوله وکان الشیخ یجلس	۲۳۱	باب الکلام اذا اقيمت الصلوة
۲۵۵	باب اهل العلم والفضل احق بالامامة	۲۳۱	باب وجوب صلوة الجماعة
۲۵۸	باب من قام الی جنب الامام لعلہ	۲۳۲	باب فضل صلوة الجماعة
	باب من دخل لیوم الناس فجاء الامام الاول	۲۳۴	باب فضل صلوة الفجر فی جماعة
	فتاخر الاول اولم یتاخر جازت صلوة فیہ	۲۳۵	ترجمہ الباب سے احادیث کی غیر مطابقت
۲۵۹	عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۳۶	باب فضل التهجیر الی الظهر
۲۶۰	قوله فرغ ابو بکر یدیه	۲۳۷	باب احتساب الآثار
	قوله ما کان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی	۲۳۸	باب الثان وما فوقهما جماعة
۲۶۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۳۸	باب من جلس فی المسجد ينتظر الصلوة
۲۶۱	تقریر الحافظ والامام البخاری	۲۳۹	باب فضل من خرج الی المسجد ومن راح
۲۶۲	باب اذا استتوا فی القراءة فلیؤمهم اکبرهم	۲۴۰	باب اذا اقيمت الصلوة الا المكتوبة

باب اذا اراد الامام قوماً فامهم	۲۶۲	باب اذا صلى ثم ام قوماً	۲۸۸
باب انما جعل الامام	۲۶۳	باب من اسمع الناس تكبير الامام	۲۸۹
حضرت شاہ صاحب کے علوم کس طرح ضائع ہوئے؟	۲۶۷	باب الرجل ياتم بالامام و ياتم الناس بالماموم	۲۹۰
قوله وقال ابن مسعود الخ	۲۶۸	باب هل يأخذ الامام اذا شك بقول الناس	۲۹۲
قوله وقال الحسن الخ	۲۶۸	باب اذا بكى الامام في الصلوة	۲۹۳
قوله فارسل النبي ﷺ الخ	۲۶۸	باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها	۲۹۴
فجعل ابو بكر يصل وهو قائم بصلوة النبي عليه السلام	۲۶۸	باب اقبال الامام على الناس عند تسوية الصفوف	۲۹۵
قوله ان رسول الله ﷺ ركب فرسا	۲۶۸	باب الصف الاول	۲۹۶
قوله فصلينا وراءه فعودا	۲۶۹	باب اقامة الصف من تمام الصلوة	۲۹۷
قوله انما يؤخذ بالآخر فالآخر	۲۶۹	ابن حزم وشوكاني كاذب	۲۹۸
باب متى يسجد من خلف الامام	۲۶۹	باب اثم من لم يتم الصفوف	۲۹۸
باب اثم من رفع راسه قبل الامام	۲۷۱	باب الزايق المنكب بالمنكب	۳۰۰
باب امامة العبد والمولى	۲۷۲	باب اذا قام الرجل عن يسار الامام	۳۰۲
قوله وان استعمل حبشي	۲۷۲	باب المرأة وحدها تكون صفاً	۳۰۲
باب اذا لم يتم الامام و اثم من خلفه	۲۷۳	باب ميمنة المسجد والامام	۳۰۳
ايك اثم غلطى كا ازاله	۲۷۴	باب اذا كان بين الامام و بين القوم	۳۰۳
باب امامة المفتون والمبتدع	۲۷۵	باب صلوة الليل	۳۰۴
باب يقوم عن يمين الامام بحد أنه سوء اذا كانا اثنين	۲۷۶	باب ايجاب التكبير والافتتاح للصلوة	۳۰۶
باب اذا قام الرجل عن يسار الامام فحول	۲۷۷	باب رفع اليدين في التكبير الاولى مع الافتتاح سواء	۳۰۸
قوله فصل في ثلاث عشرة ركعة	۲۷۷	تكميل تحریر اور رفع یدین کا ساتھ	۳۰۸
باب اذا لم ينو الامام ان يؤم ثم جاء قوم فامهم	۲۷۷	باب رفع اليدين اذا كبروا اذ ركع واذ ارفع	۳۰۸
اميت تراجم ابواب البخاري	۲۷۹	رفع یدین کی حکمتیں	۳۱۰
باب اذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى	۲۸۰	باب الى اين يرفع يديه	۳۱۰
باب تخفيف الامام في القيام واتمام الركوع والحمد	۲۸۰	باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين	۳۱۱
باب اذا صلى نفسه فليطول ماشاء	۲۸۱	حافظ ابن حجر كالمكيه پرا اعتراض اور زرقاني كا جواب	۳۱۳
باب من شكى امامة اذا طول وقال ابو اسيد طولت بنيا بى	۲۸۲	حافظ كى دوسرى غلطی اور حضرت شاہ صاحب كا اعتناء	۳۱۳
مدارج الاجتهاد	۲۸۵	مالك كى كاتر ك رفع ك لئى تشدد	۳۱۴
باب الايجاز في الصلوة واكملها	۲۸۶	سلف میں تاركین رفع یدین	۳۱۵
باب من اخف الصلوة عند بكاء الصبي	۲۸۶	امام بخاري كا رفع ك لئى تشدد	۳۱۶



۳۵۲	محمد شین متقدمین اور مسئلہ قراءت خلف الامام	۳۱۶	ذکر امام بخاری کے رسالہ کا
۳۵۳	غیر مقلدین اور حنفیہ	۳۲۲	امام اعظم پر بے علمی کا طعنہ
۳۵۵	غیر مقلدین کا زعم باطل	۳۲۳	ترجیح ترک رفع یدین کی احادیث
۳۵۵	امام بخاری کا دعوے اور دلیل	۳۲۶	امام بخاری کا غیر معمولی تشدد
۳۵۶	احادیث جزء القراءۃ	۳۲۷	امام بخاری کا تشدد اور تشدد
۳۵۷	قراءۃ سے اعتذار	۳۲۹	ترجیح ترک رفع یدین کے آثار
۳۵۸	آخری محض سے روکنا	۳۳۰	کوفی کی مرکزیت
۳۵۸	عورتوں کی نماز جماعت میں شرکت	۳۳۱	حضرت استاذ الاساتذہ مولانا محمود حسن
۳۵۹	نماز اوقات مکروہہ	۳۳۲	افادات علامہ کشمیری رحمہ اللہ
۳۵۹	موجبن کی ایک تاویل	۳۳۳	افادات شیخ الحدیث دامت برکاتہم
۳۶۰	وجوب کی دوسری دلیل کا جواب		جلد -- ۱۶
۳۶۰	مثالوں سے وضاحت	۳۳۸	تذکار الحلیب
۳۶۱	موجبن کی بھول	۳۳۸	باب وضع الیمی علی الیسری فی الصلوۃ
۳۶۱	مقدمہ کے ذمہ بھی قراءت ہے	۳۳۸	(نماز میں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنے کا بیان)
۳۶۱	فقہ حنفی کے خدام کا برکت	۳۳۹	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تعصب
۳۶۱	موجودہ دور انحطاط	۳۴۰	باب الخشوع فی الصلوۃ
۳۶۲	تقیم و تخصیص نہیں ہے	۳۴۱	باب ما یقرأ بعد التکبیر
۳۶۳	امام بخاری و ابوداؤد کے دعوے	۳۴۲	تعاطل اور ناسناد
۳۶۳	اکابر محدثین اور فقہی اراء	۳۴۲	بسم اللہ جزو سورت نہیں
۳۶۳	زیادتی ثقہ معتبر ہے	۳۴۲	امام بیہقی کا غلط استدلال
۳۶۴	تصحیح حدیث انصاف	۳۴۴	تعدد رکوع نصیر نبوی
۳۶۴	تمام صحیح احادیث بخاری و مسلم میں نہیں ہیں	۳۴۴	نماز کسوف کا طریقہ
۳۶۴	امام بخاری کے تفردات	۳۴۴	باب رفع البصر الی الامام فی الصلوۃ وقالت عائشۃ
۳۶۵	غیر مقلدین زمانہ کا تشدد	۳۴۶	علامہ قرطبی و شاہ ولی اللہ کا ارشاد
۳۶۵	رکنیت فاتحہ کا مسئلہ	۳۴۶	باب رفع البصر الی السماء فی الصلوۃ
۳۶۵	طرق ثبوت فرض	۳۴۷	مطالعہ قاری اور جہت کا مسئلہ
۳۶۶	نزاع لفظی یا حقیقی	۳۴۸	باب الالتفات فی الصلوۃ
۳۶۶	ابن قیم کا اعتراض	۳۴۹	باب هل یلطف لامرینزل
۳۶۷	ائمہ خلاچہ درجہ وجوب کے قائل ہیں	۳۵۱	باب وجوب القراءۃ

۳۸۴	مرسل و منقطع کی بحث	۳۶۷	امام بخاری کے دلائل
۳۸۴	مرسل کی مقبولیت	۳۶۸	امام شافعی وجوب کے قائل نہ تھے
۳۸۵	امام احمد بھی وجوب کے قائل نہ تھے	۳۷۰	جواب امام بخاری
۳۸۵	غیر مقلدوں کا تشدد	۳۷۱	امام بخاری کے قیاسی و عقلی اعتراضات
۳۸۵	تکبیر تحریرہ کا اعتراض بخاری	۳۷۱	حضرت نانوتوی کے عقلی جوابات
۳۸۶	امام احمد اور نجدی علماء	۳۷۳	حضرت گنگوہی کے نقلی جوابات
۳۸۶	انزائی اعتراض کی حقیقت	۳۷۵	امام بخاری اور سکتات کی بحث
۳۸۶	تحکیم البرہان کا ذکر	۳۷۶	اثر عطاء کا جواب
۳۸۷	غیر مقلدین کے فتنے	۳۷۶	حدیث حضرت انس سے استدلال
۳۸۷	امام بخاری رحمہ اللہ کے دعویٰ و مباہلات	۳۷۷	اثر سعید بن جبیر کا جواب
۳۸۸	امام بخاری کے اعتراض کا جواب	۳۷۷	امام بخاری کے دلائل نمبر ۲ اور اعتراضات رسالہ جزاء القرآن میں
۳۸۸	صحابہ و تابعین کا مسلک	۳۷۸	امام بخاری وغیرہ کے خلاف امام احمد کا اہم فیصلہ
۳۹۰	تفریق مجموع و جمع مفرق کا اعتراض	۳۷۸	امام بخاری اور غیر مقلدین زمانہ
۳۹۰	فقہ حنفی شوریٰ و اجتماعی ہے	۳۷۸	مخالفین امام احمد کے لئے تنابلی کی سرپرستی
۳۹۱	مطالعن مذکورہ امام بخاری کا جواب	۳۷۸	مسئلہ طلاق ثلاث اور غیر مقلدین کا فتنہ
۳۹۳	شمزی و ابن عبید کا ذکر	۳۷۹	بغیر فاتحہ کے عدم جواز صلوٰۃ مقتدی
۳۹۴	امام بخاری و ابو داؤد کا فرق	۳۷۹	سری و سکتات میں جواز قرأت
۳۹۴	مناظرہ امام صاحب و جیم بن صفوان	۳۷۹	دعویٰ وجوب قرآنہ للمقتدی
۳۹۴	مسئلہ حقوق قرآن اور امام بخاری کا جواب	۳۸۰	استدلال امام بخاری کا جواب
۳۹۵	امام ابو حنیفہ کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ حنبلی کی رائے	۳۸۱	فارسی میں قرآنہ کا اعتراض و جواب
۳۹۵	امام ابو حنیفہ اور امام احمد	۳۸۱	امام صاحب کی طرف مسئلہ کی غلط نسبت
۳۹۵	امام ابو حنیفہ کے لئے علامہ طوطی حنبلی کا خراج عقیدت	۳۸۲	نماز بلا قرآنہ کا اعتراض
۳۹۶	حنفی و حنبلی مسائل کا تقارب	۳۸۲	عبداللہ بن مبارک کا ارشاد
۳۹۶	امام صاحب کی مدت رضاعت پر اعتراض کا جواب	۳۸۲	شاہرہ نے کاعتراض
۳۹۷	امت پر تلوار کا اعتراض و جواب	۳۸۳	سنت فجر کا اعتراض
۳۹۸	(۳) احادیث اتمام سے وجوب قرآنہ خلف الامام کا ثبوت	۳۸۳	طعن امام بخاری کی وجہ
۳۹۸	(۴) من ادرك ركعة سے استدلال بخاری	۳۸۳	امام اعظم رحمہ اللہ امام المحدثین و علمہم بالنسخ و المنسوخ
۳۹۹	(۱) ادراك ركوع سے ادراك ركعت کا مسئلہ اور امام بخاری کا جواب	۳۸۴	امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ
۴۰۰	حدیث ابی بکرہ بخاری	۳۸۴	امام بخاری کا دعویٰ

۴۲۰	حدیث بلا زیادہ زہری بھی حجت ہے	۴۰۰	اکابر صحابہ کا مسلک
۴۲۰	دلائل تاریکین قراءت خلف الامام ایک نظر میں	۴۰۰	دوسری مرفوع حدیث
۴۲۱	امام بخاریؒ وغیر مقلدین کا موقف؟	۴۰۰	ابن حزم کی تائید
۴۲۲	حافظ ابن القیم کا ارشاد	۴۰۱	امام بخاری کے دوسرے دلائل
۴۲۳	باب القراءة فی الظہر	۴۰۲	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد
۴۲۵	باب القراءة فی العصر	۴۰۲	نماز بوقت خطبہ کی بحث
۴۲۶	باب القراءة فی المغرب	۴۰۳	حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تعجب خیز رویہ
۴۲۷	صحیح بخاری میں مروان کی روایت	۴۰۳	شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شان تحقیق
۴۲۸	احادیث بخاری سب صحیح ہیں	۴۰۴	شرح سفر السعاده کا ذکر
۴۲۸	امام اعظم کی روایت کردہ احادیث اور شروط روایت	۴۰۵	اشیاء الملعونات اور لمعات الخ کا ذکر
۴۲۸	باب الجہر فی المغرب	۴۰۵	حدیث وحلیہ اور تقلیدائے کا ذکر
۴۲۸	باب الجہر فی العشاء	۴۰۵	نماز بوقت خطبہ
۴۳۰	باب القراءة فی العشاء بالسجدة	۴۰۶	امام دارقطنی کا نقد
۴۳۱	باب القراءة فی العشاء	۴۰۷	بوقت خطبہ عدم امر بالصلوة کے واقعات
۴۳۱	باب بطول فی الاولین ویحذف فی الاخرین	۴۰۹	حضرت علامہ عثمانی کے رحمان کا جواب
۴۳۱	باب القراءة فی الفجر وقالت ام سلمة قرأ	۴۱۰	احادیث ممانعت صلوٰۃ بوقت خطبہ
	النبي ﷺ بالطور	۴۰۱	علامہ ابن تیمیہ کا ارشاد
۴۳۳	باب الجہر بقراءة صلاة الفجر	۴۱۲	احادیث اتمام سے وجوب قراءۃ خلف الامام کا ثبوت
۴۳۳	سائنس جدید اور شاہ صاحب رحمہ اللہ	۴۱۲	من ادرك ركعة سے استدلال
۴۳۴	نظام شمسی اور کہکشاں	۴۱۲	خدا ج سے استدلال
۴۳۴	سائنس جدید اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ	۴۱۳	صلوٰۃ الی غیر القبۃ کا جواز؟
۴۳۵	علامہ عینی اور وجود جن کی تحقیق	۴۱۳	جہر مقتدی بالقراءۃ کی ممانعت؟
۴۳۷	محقق قاضی عیاض کی تحقیق	۴۱۳	منازعت کی وجہ سے اعادہ کا حکم نہیں ہوا
۴۳۸	(۶) حدیث الباب حضرت انسؓ	۴۱۳	سکنت امام کی بحث
۴۳۹	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نقد	۴۱۵	حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد
۴۳۹	تحقیق لفظ اجزاء وصحت	۴۱۶	آخری باب اور قراءت خلف الامام
۴۳۹	امام بخاری کے توسعات	۴۱۷	دلائل امام بخاری ایک نظر میں
۴۴۰	باب یقرأ فی الاخرین لفاتحة الكتاب	۴۲۰	یحییٰ و ابن عبد البر کا نقد
۴۴۰	باب من خافت القراءة فی الظہر والعصر	۴۲۰	علامہ ابن تیمیہ کا فیصلہ



باب اذا سمع الامام الایۃ	۴۴۱	اکابر امت پر جرح و تحقید	۴۶۱
باب يطول فی الركعة الاولى	۴۴۱	حافظ ابن تیمیہ وابن القیم کی جلالت قدر	۴۶۲
استدلال جہرا آئین پر نظر	۴۴۲	باب فضل اللہم ربنا ولك الحمد	۴۶۲
حضرت ابو ہریرہ کا اثر	۴۴۲	قولہ من وافق قولہ قول الملائکہ	۴۶۲
ایک ہزار برس کا اشکال اور جواب	۴۴۳	نقی علم غیب نبوی کی دلیل	۴۶۳
احادیث جہر کا جواب	۴۴۴	باب الطمانینۃ حین یرفع راسہ	۴۶۳
جمہور کا اخفاء آئین	۴۴۵	باب یموی بالتکبیر حین یسجد	۴۶۶
محقق امت حافظ ابو عمر ابن عبد البر کا ارشاد	۴۴۵	حدیث ابی ہریرہ و ترمذی	۴۶۸
حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد	۴۴۶	باب فضل السجود	۴۶۸
باب فضل التامین	۴۴۶	بے نمازی کا عذاب	۴۷۱
باب جہر الماموم بالتامین	۴۴۷	فتح الباری کی افلاط	۴۷۲
باب اذا رکع دون الصف	۴۴۸	تجلیات و رہائی قولہ فیاتہم اللہ	۴۷۲
باب اتمام التکبیر فی الركوع	۴۴۹	عبادات و معاصی کا دخول جنت و جہنم	۴۷۲
امام طحاوی کا ارشاد	۴۵۰	باب یمیدی ضبعہ و یجافی فی السجود	۴۷۲
باب اتمام التکبیر فی السجود	۴۵۱	باب یستقبل باطراف و جلہ القبلة قالہ	۴۷۳
باب التکبیر اذا قام من السجود	۴۵۲	باب اذا لم يتم سجودہ	۴۷۳
اذا قام من السجود تحقیق انیق	۴۵۳	باب السجود علی سبعة اعظم	۴۷۴
باب وضع الاکف علی الركب	۴۵۳	باب السجود علی الانف	۴۷۵
باب اذا لم يتم الركوع	۴۵۴	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد	۴۷۶
باب استواء الظهر فی الركوع	۴۵۴	باب السجود علی الانف فی الطین	۴۷۶
باب حدا تمام الركوع ولا اعتدال فیہ والطمانینۃ	۴۵۵	باب عقد الثیاب و شدھا ومن ضم	۴۷۷
باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا يتم رکوعہ بالاعادة	۴۵۵	باب لا یکف شعرا	۴۷۸
خفیہ کی ایک غلطی پر تنبیہ	۴۵۶	باب لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ	۴۷۸
حضرت کی وسعت نظر اور انصاف	۴۵۶	باب التسمیح والدعاء فی السجود	۴۷۹
باب الدعاء فی الركوع	۴۵۸	شیخ ابن الہمام اور شاہ صاحب کی مماثلت	۴۷۹
باب ما یقول الامام ومن خلفہ اذا رفع راسہ	۴۵۹	باب المکث بین السجدتین	۴۸۰
من الركوع	۴۶۱	باب لا یفتش ذراعیہ فی السجود	۴۸۱
اعلام الواقعین کا ذکر	۴۶۱	باب من استوی قاعدآ فی وتر من صلوتہ ثم نهض	۴۸۱
		تفصیل مذہب و تحقیق مزید	۴۸۲

۴۸۳	باب التّشہد فی الاوّلیٰ	۴۸۳	علامہ شوکانی کا استدلال وجواب
۴۸۵	باب التّشہد فی الاخرۃ	۴۸۳	صاحب عون المعبود کا استدلال وجواب
۴۹۶	شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی تحقیق	۴۸۳	صاحب تحفۃ الاحوذی کا نقد وجواب
۴۹۷	اختلاف مذاہب	۴۸۴	علامہ مبارکپوری کا ردِ یارک
۴۹۷	باب الدعاء قبل السلام	۴۸۵	صاحب مرعۃ کا غیر معمولی تعصب اور دراز لسانی
۴۹۸	تشدید کے بعد درود شریف اور امام بخاری	۴۸۵	بڑوں کا ادب واحترام
۴۹۸	امام مسلم وغیرہ اکابر محدثین کا طریقہ	۴۸۶	باب کیف یعمد علی الارض اذا قام من الركعة
۴۹۹	درود نماز کے بارے میں اقوال اکابر	۴۸۷	اجتہاد حضرت ابن عمرؓ اور افادۃ انور
۵۰۰	نماز کے علاوہ درود شریف کا حکم	۴۸۸	قوله واعتمد علی الارض
۵۰۰	ذکر باری پر تقدیس کا حکم	۴۸۸	باب یکبر وهو ینھض من المسجدین
۵۰۱	اکثر راستگاریا درود شریف	۴۸۹	باب سنة الجلوس فی التّشہد وکانت ام الدرداء
۵۰۱	درود میں لفظ سیدنا کا استعمال	۴۹۰	امام بخاری اور آثار صحابہ کی تجت
۵۰۲	سلطان عبدالعزیز اور حضرت مولانا خلیل احمد کا واقعہ	۴۹۱	عورت کا جلوس وغیرہ مرد کی طرح نہیں ہے
۵۰۲	حافظ ابن تیمیہ ابن القیم اور درود شریف کے ماثور الفاظ کی بحث	۴۹۳	بدایۃ المجتہد کا ذکر
۵۰۳	سلطان عبدالعزیز اور حضرت مولانا خلیل احمد کا واقعہ	۴۹۳	مسئلہ تعدیل ارکان اور علامہ ابن رشد کی غلطی
۵۰۴	حافظ ابن تیمیہ ابن القیم اور درود شریف کے ماثور الفاظ کی بحث	۴۹۴	باب من لم یر التّشہد الاول واجباً





انوار الباری

اردو شرح

صحیح البخاری

## تقدیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الشفیع الکریم اما بعد

## انوار الباری کی نشاۃ ثانیہ

راقم الحروف نے انوار الباری کے کام کی ابتداء نظر بہ فضل خداوندی صرف اپنے بھروسہ پر کی تھی اور محض اس کے ہی فضل و انعام سے ۳۱ حصوں تک اشاعت ہو گئی تھی، اس کے بعد یکا یک حالات کا رخ پلٹا، پاکستان کے لئے کتب و رسائل جانے پر پابندی لگ گئی، زیادہ تعداد خریداروں کی پاکستان میں تھی اور وہ بھی ایسے قدردان کہ پابندی لگنے پر بھی کچھ لوگ طلب کرتے رہے، ان پر انوار الباری منگانے کی وجہ سے مقدمے قائم ہوئے، جرمانے ہوئے، کتاب ضبط ہوئی، پھر بھی وہ جواز و کویت وغیرہ کے ذریعے منگاتے رہے، ادھر مالی حالات اور دوسرے موانع آئندہ تالیف و اشاعت کے کام میں سد راہ ہوئے کئی سال ہمت و حوصلہ کی شکستگی و رقتل کی نذر ہو گئے، اس کے بعد پھر فضل و رحمت ایزدی نے دیکھ کر کی اور افریقہ کے احباب و مخلصین مولانا اسماعیل گارڈی، مولانا قاسم محمد سیہ، مولانا احمد محمد گرداء، مولانا عبدالقادر ملکہ پوری، مولانا یوسف عمر وازی، مولانا عبدالحق عمر جی، الحاج ایم ایس ڈوکر ات، الحاج ایم موسی بوڈھانیہ، الحاج ابراہیم بھائی کوساڈیہ، مفتی برادر س وغیرہم نے خصوصی توجہ کی، راقم الحروف کو افریقہ بلایا اور کتب مذکور کی آئندہ تالیف، تکمیل و اشاعت کو ضروری سمجھتے ہوئے کام کو پھر سے جاری رکھنے کی تحریک و تجویز کی، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے اور مجھے توفیق بخشے کہ ان حضرات کی نیک توقعات کو پورا کر سکوں، آمین۔

## نوعیت کار کی تبدیلی

احباب افریقہ کی خواہش یہ بھی ہوئی کہ میں اس تالیف کو مختصر کر کے ۲۵ یا ۲۷ جلدوں میں مکمل کر دوں اور غلٹ کار کے خیال سے یہ بھی تجویز دی کہ میں اپنے ساتھ ایک دو معاون رکھ لوں اس پر میں نے کچھ عرصہ تک دو حضرات کو ساتھ رکھا، مگر افسوس کہ وہ میرے طریق کار کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس لئے پھر حسب سابق اس منزل کا تنہا سفر کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف صاحب، بنوری مرحوم کو اپنی بے پایاں جنتوں سے نوازے، ان کی خواہش تھی کہ میں کراچی جا کر ان سے پاس رہوں اور انوار الباری و معارف السنن کے کام کو ہم دونوں باہمی مشورے اور تعاون سے مکمل کریں، انوار الباری کی پاکستان میں توسیع اشاعت کے لئے بھی وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے، مگر آں قدح بشکست و آن ساقی نمائند۔

ہم دونوں نے جو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی صحبت و معیت اور استفادات کی بدولت ایک راہ اپنائی تھی کہ احقاق حق کا خوف ہومتہ لائم کرتے رہیں گے اور محققین اکابر امت کے تفردات پر بھی بحث و نظر اور تعقیبات و استدراکات کا سلسلہ درکل و برائین کی روشنی میں علی وجہ البصیرت جاری رکھیں گے، خدا کا شکر ہے کہ اس کو بڑی حد تک نباہا اور چلایا مگر اب میں اس راہ میں اکیلے رہ گیا ہوں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلاں

اس لئے اختصار کی صورت یہی ہوتی ہے کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف کی جگہ صرف ابواب بخاری کا حوالہ دیا جائے اور مکمل ترجمہ احادیث کی جگہ تشریح مطالب ضروریہ پر اکتفا کی جائے اور اہم مسائل میں اعیان و اکابر امت کی تحقیقات و آراء کے ساتھ ان کے تفردات کی نشاندہی کرتے ہوئے تعقیبات اور استدراکات درج کر دیئے جائیں۔ و التوفیق من اللہ تعالیٰ حل محددہ

## انوار الباری کا مقصد

جیسا کہ اب تک کی شائع شدہ جلدوں سے یہ بات پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ مؤلف کا مطمح نظر مسائل مبہمہ میں اکابر علماء کی تحقیقات کو پیش کرنا ہے اور چونکہ حضرت الاستاذ اعظم شاہ صاحب کی علمی و تحقیقی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی، آپ کے وسیع و عمیق مطالعہ نے علوم سلف و خلف کو آپ کے لئے کف دست کی طرح نمایاں کر دیا تھا اور بقول حضرت تھانویؒ کے آپ کسی معاملہ میں بھی ادنیٰ سی کجی یا غلطی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور یہی حقیقت بھی تھی، لہذا آپ کے افادات کو بھی پیش کرنا ہے۔

۱۳۳۵ھ میں حضرت نے دارالعلوم دیوبند میں آخری درس مکمل بخاری و ترمذی شریف کا دیا تھا، ہونہار، ذی استعداد و طلبہ حدیث سامنے تھے، ایک عالم رامپور کے جو پہلے سے فارغ التحصیل تھے اور حضرت کی خدمت میں تکمیل علم حدیث کے لئے حاضر ہونے تھے، وہ حریم شریفین میں بھی کافی عرصہ رہ چکے تھے اور علامہ ابن تیمیہ کے علم و فضل و عمر سے بہت زیادہ متاثر تھے، بلکہ ان کو درجہ اجتہاد پر فائق سمجھتے تھے، ایک روز درس میں ائمہ مجتہدین کے مراتب اجتہاد پر بحث تھی اور حضرت ائمہ اربعہ کے مراتب اجتہاد پر تقریر فرما رہے تھے، یہ عالم سوال کر بیٹھے کہ کیا علامہ ابن تیمیہ مجتہد نہیں تھے؟

حضرت نے فرمایا کیا آپ مجتہد کا وظیفہ جانتے ہیں؟ بتلائیں، وہ خاموش ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ مجتہد کا منصب یہ ہے کہ وہ کسی کلی



کو اس کی جزئیات پر منطبق کرے اور جزئیات کو ان کی کلی میں پہنچائے اگر وہ اپنے اس وظیفہ و منصب میں غلطی کرتا ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے، پھر حضرت نے متواتر تین روز تک مثالوں سے ثابت و واضح کیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے فلاں کلی کو دوسری کلی کے جزئیات پر منطبق کر کے غلطی کی اور فلاں جزئی کو بجائے اس کی اپنی کلی کے دوسری کلی میں پہنچا دیا، کیا اتنی کثرت سے غلطی کرنے والے کو آپ مجتہد کا درجہ دیں گے؟ ان عالم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے، میرے بے موقع سوال کی وجہ سے حضرت کو ابن تیمیہ کے بارے میں اتنی تفصیل کی ضرورت ہوئی۔

یہ ایک ادنیٰ مثال تھی کہ حضرت نے ایک فاضل طالب کے دلی شبہات کا اندازہ فرما کر اس کو پوری طرح مطمئن کرنے کی سعی فرمائی، ورنہ اکثریت تو ایسے ہی طلبہ کی ہوتی تھی جو حضرت کی اونچی تحقیقات نہ سمجھ سکتے تھے، حالانکہ اس دور کے طلبہ حدیث آج کل کے طلبہ حدیث کی نسبت سے بہ لحاظ فہم و ذکا، استعداد و مطالعہ کہیں اعلیٰ وارفع تھے۔

کاش! حضرت کے پورے درس حدیث میں حضرت علامہ عثمانیؒ یا مولانا مفتی سید مہدی حسنؒ ایسے فضلاء مخاطب ہوتے اور دورہ حدیث بجائے ایک سال کے دس سال میں پورا ہوتا اور یہ حضرات آپ کے مالی درس کو قلم بند کرتے، تو لوگ یقیناً علوم و افادات انور یہ کے انوار کی روشنی ماہتاب و آفتاب کی طرح مشاہدہ کر سکتے تھے۔

راقم الحروف نے دو سال پابندی سے جامعہ ذابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری شریف میں شرکت کی اور دونوں سال آپ کے درس افادات منضبط کئے، خارج اوقات میں بھی استفادہ کرتا رہا، اس وقت اس بات کا خیال و ہم بھی نہ تھا کہ انوار الباری ایسی کوئی تالیف مرتب کر کے شائع کی جائے گی ورنہ ممکن تھا کہ مہمت میں حضرت سے خارج میں اور زیادہ استفادات کرتا، کیونکہ خدا کے فضل سے حضرت حقیر سے بہت مانوس ہو گئے تھے اور ایک بار مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے جڑ جاتے تو ہم بہت کام کر لیتے“ اب خدا نے یہ چیز دل میں ڈال دی کہ جو کچھ اور جیسا بھی کچھ حاصل کیا تھا، وہ پیش کردوں بقول حضرت علامہ جانیؒ۔

بیا جامی رہا کن شرمساری نہ صاف و درویش آر آنچہ داری

کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ میری آخرت سنوارنے کا اسی کو بہانہ بنا دے۔

**باب الانتقاد:** مولانا بنوریؒ نے تلخیص العنبر ص ۱۸۲ میں لکھا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ علماء و سلف کا نہایت ادب و احترام فرماتے تھے اور ان پر نقد کرنے میں بہت ہی محتاط تھے، حتیٰ کہ جب پہلی بار حافظ ابن حجرؒ سے غزوہ ذات ارقاع کے بارے میں مناقشہ کا ارادہ فرمایا (کیونکہ انہوں نے وہی رائے اختیار کی ہے جو امام بخاریؒ کی ہے کہ وہ غزوہ خیر کے بعد ہوا ہے) تو چار ماہ تک متاثر رہے اور سوچتے رہے کہ میرے لئے ان پر تعقب کرنا درست ہے یا نہیں تاکہ آپ کا قلب اس کے لئے مطمئن ہو گیا اور اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میرے قلب میں تشویش تھی لہذا میں امام ربانیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور مراقبہ میں آپ کی روح انور کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے اس بارے میں اجازت حاصل ہو گئی، پھر میں نے کئی ورق میں ان پر تعقب کیا اور اس کے بعد میری یہ عادت ہو گئی کہ تمام ہی ادا عیان و اکابر امت کے تفردات پر استدراک و تعقب کرنے لگا، لیکن اس طرح دلائل و براہین کے ساتھ کہ اس کو ہر تسلیم الذوق و صحیح الوجدان قبول کر لے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ تفردات اکابر پر انتقاد و تعقب یا ان کی نشان دہی پورے ادب و احترام کے ساتھ مولانا مرحوم بنوریؒ کی تالیفات میں بھی

مے گی اور راقم الحروف بھی اس کا عادی ہے، جس کو کچھ لوگ تشدد کا نام دھرتے ہیں، یا اپنے کسی تعصب یا عقیدت کی وجہ سے ادھر بھی سمجھتے ہیں لیکن اپنا گمان یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت یا عقیدت کے تحت اس کو برائیا قابل شکایت سمجھنے کا مزاج بنتا رہا تو خدا نخواستہ وہ وقت دور نہیں ہوگا کہ حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے گا اور صرف وہ اہل قلم قابل پذیرائی رہیں گے جو ”مصلحت بین و کار آسان کن“ پر عمل پیرا ہوں گے۔

ایک زمانہ ہمارا وہ تھا کہ مولانا بنوریؒ نے مقدمہ مشکلات القرآن میں بعض مشاہیر پر نقد کیا تھا اور راقم الحروف نے حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ کی سیرۃ النبی کے کچھ تفردات و اغلاط پر تعجب کیا تھا، پھر خدا کے فضل و انعام سے وہ وقت بھی آیا کہ سید صاحب نے اپنی غلطیوں سے رجوع فرمایا (اگرچہ اس رجوع کو ادارہ المصنفین والوں نے نظر انداز کر دیا اور وہ رجوع شدہ غلطیاں ابھی تک چھپ رہی ہیں) اور بعد کو سید صاحب ہی نے جب کہ وہ حضرت تھانویؒ سے بیعت و منسلک ہو کر خود بھی پختہ دیوبندی مسلک اختیار کر چکے تھے راقم الحروف کو اپنے ایک مکتوب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ ”بڑے درد کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ دیوبند کدھر جا رہا ہے؟ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے بعض تفردات کی تائید بعض علماء دیوبند کی طرف ہوئی تھی اور سید صاحب کا فشاء یہ تھا کہ علماء دیوبند جو کبھی احقاق حق بلا خوف لومۃ لا تم کا فرض ادا کرنے میں ممتاز رہے ہیں اب کسی غلطی کی تائید و ہموائی میں پیش پیش کیوں ہیں؟ اور اس سے بھی یہ اندازہ لگائیے کہ دور سابق بد قریبی زمانہ میں ہی مکتب دیوبند کے ہارے میں صرف انہوں کے ہی نہیں دوسرے لوگوں کے خیالات کیا تھے اور اس کی کتنی زیادہ وقعت و سارکھ لوگوں کے دلوں میں تھی؟“

انوار الہاری کی اس پیش نظر جہد میں ص ۱۵۲ پر ”مع الدراری“ ص ۲۰۷ کا ایک تسامع نظر سے گزرے گا یہ ممکن تھا کہ اس عبارت کو ہی مرتب عالم مسودہ میں سے حذف کر دیتے کہ اس مسامحت کی نسبت حضرت مرتب کے والد علام یا حضرت اقدس گنگوہی کی طرف نہ ہو سکتی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس کو باقی رکھ کر اور تسامع کا اعتراف فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ غلطی سے مبرا اپنے اکابر بھی نہیں تھے اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام تھے اور بس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

آخر میں ناظرین کرام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہی میری غلطیوں پر مجھ کو بھی متنبہ فرما کر ممنون کریں میں آئندہ جہدوں میں ان کا استدراک کر دوں گا، ان شاء اللہ

وانا الاحقر

سید احمد رضا عفا اللہ عنہ

بجنور نومبر ۱۹۷۷ء

## باب عظة الامام الناس في اتمام الصلوة وذكر القبلة

(امام کی لوگوں کو نصیحت کہ نماز پوری طرح پڑھیں اور قبلہ کا ذکر)

(۴۰۴) حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن ابی الزماد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال هل ترون قبلي ههنا فوالله ما يخفى على حشوعكم ولا ركوعكم اني لاراكم من وراء ظهري.

(۴۰۵) حدثنا يحيى بن صالح قال نا فليح بن سليمان عن هلال بن علي عن انس ابن مالک قال صلي لنا النبي ﷺ صلوة ثم رقي المنبر فقال في الصلوة و في الركوع اني لاراكم من ورآني كما اراكم. ترجمہ ۴۰۴: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا رخ (نماز میں) قبلہ کی طرف ہے، خدا کی قسم مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھتا ہے نہ رکوع میں تمہیں اپنی پینچ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ ترجمہ ۴۰۵: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایک مرتبہ نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ نماز میں اور رکوع میں تمہیں اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں جیسے اب دیکھ رہا ہوں۔

## تشریح، مناسبت ابواب ومطابقت ترجمۃ الباب

پہلے باب میں ادب سکھایا تھا کہ حالت نماز میں تھوک ہنم کا غلبہ ہو تو اس کو دفع کرنے کے وقت سمت قبلہ کی عظمت و ادب کو ملحوظ رکھے، اس باب میں ارکان نماز کو پوری طرح ادا کرنے کا حکم بتلایا اور اس میں بھی سمت قبلہ کی طرف رخ کرنے کا ذکر ضمن آ گیا ہے، لہذا باب سابق سے مناسبت ظاہر ہے اور اسی توجیہ کو کلی طور سے محقق عینی نے اور جزوی طور پر حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے، ان دونوں اکابر کی توجیہ و مناسبت ابواب کو بعید و بعد قرار دے کر لامع الدراری کی اس توجیہ کو ہم اوجہ ماننے میں متردد ہیں کہ دونوں باب میں مسجد اور جماعت کے احکام پر متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ نہ باب سابق ”اذا بدوہ البزاق فليأخذ بطرف ثوبه“ میں مسجد و جماعت کا ذکر تھا اور نہ اس باب عظة الامام میں اتمام صلوٰۃ کا حکم مسجد و جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، اتمام صلوٰۃ تو ہر نماز میں ضروری ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا جماعت کے ساتھ اور مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو مصباح حجۃ اللہ میں ذکر کئے ہیں وہ بھی مسجد کے ساتھ خاص نہیں، مطلق جماعت کے لئے ہیں اور خود امام بخاریؒ نے بھی یہاں ابواب المساجد کا عنوان کہاں قائم کیا ہے؟ کتاب الصلوٰۃ کے تحت مساجد، غیر مساجد سب ہی کے احکام مختلف عنوانات قائم کر کے بیان کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری میں باب عظة الامام اور اس سے قبل کے بھی متعدد ابواب کا ذکر نہیں ہے۔

مطابقت ترجمہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں وعظ و تذکیر ہے اور ساتھ ہی تنبیہ ہے کہ حضور عید السلام سے توجہ قبلہ کے وقت بھی تمہارے افعال رکوع و سجود اور احوال خشوع و خضوع غفلت نہیں ہوتے کیونکہ وہ سامنے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔

## بحث ونظر

علامہ عینیؒ نے مزید افادہ کیا کہ یہاں علماء امت نے دو باتوں پر غور و فکر کیا ہے، ایک یہ کہ روایت سے کیا مراد ہے؟ کچھ حضرات نے کہا

کہ علم مراد ہے خواہ وہ بطریق وحی ہو کہ اس کے ذریعہ آپ کو مقتدی صیہ کی کیفیت افعال بتادی جاتی ہوگی یا بطریق الہام مگر یہ رائے درست نہیں کیونکہ اس سے پیچھے پیچھے دیکھنے کی قید ہے فائدہ ہو جاتی ہے، دوسرے حضرات نے کہا کہ حضور علیہ السلام دیکھیں بائیں کے لوگوں کو کسی قدر التفات نظر کے ساتھ دیکھ لیتے ہوں گے مگر یہ رائے بھی بے وزن ہے اور جمہور کی رائے جو صواب و صحیح بھی یہ ہے کہ سامنے کی طرح پیچھے بھی دیکھن حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھا اور وہی علم و ادراک کا حقیقی سبب تھا، جو بطریق خرق عادت کے آپ کو حاصل تھا اور سی سنے ام بخاری نے اس حدیث کو علامات نبوت میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث اشعرہ کے لئے دلیل بھی ہے جو روایت کے لئے مواجہت و مقابلہ کو شرط نہیں مانتے، بلکہ انہوں نے اس امر کو بھی جائز و ممکن کہا کہ چین میں بیٹھا ہوا ایک اندھ اندلس کے کھنل یا پسو کو دیکھ لے، میں کہت ہوں کہ اہل سنت کے نزدیک یہی حق ہے کہ روایت کے لئے عقل نہ کسی عضو خاص کی شرط ہے نہ مقابلہ و قرب کی اور اسی لئے انہوں دارت خرت میں جواز روایت خداوندی کا فیصلہ کیا ہے، بخلاف معتزلہ کے وہ سرے سے روایت ہی کے منکر ہو گئے اور مشبہ و کرامیہ نے کہا کہ روایت باری چونکہ بغیر مواجہہ و مکان کے نہیں ہو سکتی لہذا وہ جہت و مکان میں واقع ہوگی، ان دونوں فرقوں کے خلاف اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ روایت باری تعالیٰ بل جہت و مکان اور بل کیف ہوگی، اور اس کو عقلی و نقلی و باطل سے ثابت کیا ہے (عمدہ ۳۳۳ ج ۲)

## معتزلہ کے دلائل

انہوں نے آیات واحد و بیث میں تاویل کر کے روایت کو بمعنی علم ضروری قرار دیا، انکار روایت اس لئے کیا کہ اس کے واسطے مبصر و مرنی کا مقابل اور مکان و جہت میں ہونا ضروری ہے اور خدا مکان و جہت و مقدار سے منزہ ہے اور مرنی جسم ہوتا ہے حالانکہ باری تعالیٰ جسم نہیں ہے، نیز مرنی یا جوہر ہوتا ہے یعنی متحیر بالانتقاد یا عرض ہوتا ہے یعنی متحیر بالتبعیہ اور خدا تحیز سے منزہ ہے، مرنی یا کل ہوگا تو محدود ہو جائے گا، یا بعض تو متعوض ہوگا اور یہ سب امور خدا کے لئے محال ہیں، بہت سے معتزلہ نے یہ بھی کہا کہ خدا اپنے آپ کو یا دوسروں کو بھی نہیں دیکھتا کیونکہ دیکھنا حواس کے ذریعہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ حواس سے منزہ ہے، انہوں نے کہا کہ خدا کو حواس کے ذریعہ یا بغیر حواس کے دوسرے بھی نہیں دیکھ سکتے کچھ معتزلہ نے کہا کہ باری تعالیٰ اپنے آپ کو تو دیکھتا ہے مگر حادث مخلوق اس کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ اس کی روایت حواس اور شعاعوں کے اتصال پر موقوف ہے جن کے لئے مرنی کا جسم ہونا ضروری ہے۔ (ص ۶۷ و ۱۸۱ اکتب الارشاد و لام الحرمین الجونی)

مجموعہ: معتزلہ کے بالکل مقابل دوسرا گروہ مجسمہ کا ہے، جو روایت کو تو قائل ہیں مگر انہوں نے پوری طرح حق تعالیٰ کی تشبیہ و تجسیم کر دی ہے بلکہ بعض نے کہا کہ وہ گوشت پوست سے مرکب ہے، بعض نے تو بصورت انسان قرار دیا، بعض نے اس کو جہت فوق میں اور سطح اعلیٰ عرش کے ساتھ تماس بتلایا اور اس کے لئے حرکت و انتقال و تبدل جہات کو بھی جائز کہا اور کہا کہ اس کے بوجھ کے باعث عرش سے آواز نکلتی ہے اور وہ عرش سے بقدر چار انگل کے زندہ ہے وغیرہ یہ سب تفصیل عقائد و عقاید کے شرح علامہ دوانی کی ہے، پھر انہوں نے لکھا کہ اکثر مجسمہ ظاہری ہیں جو ظاہر کتاب و سنت کا اتباع کرتے ہیں، جن میں بہت سے محدثین بھی ہیں اور ابن تیمیہ اور ان کے صحابہ کا بھی بہت بڑا رجحان اثبات جہت کی طرف ہے ورنہ فنی جہت کرنے والوں پر سخت تنقید بھی کرتے ہیں اور ان کو اصحاب تعطیل قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی بعض تصانیف میں ہے کہ بجاہت عقل کے نزدیک یہ بات کہ وہ باری تعالیٰ معدوم ہے اور یہ بات کہ میں نے اس کو سب جگہ ڈھونڈا اور نہ پایا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے (ص ۶۶ علی العقائد العہدہ) علامہ داعی قاری نے ص ۱۶۶ ضواء المعانی شرح قصیدہ بداء الی میں لکھا -

”کرامیہ حق تعالیٰ کے لئے جہت مابغیر استقرار علی العرش کے ثابت کرتے ہیں اور مجسمہ حیثیہ استقرار علی العرش کے بھی قائل ہیں اور ظہر آیت (الرحمن علی العرش استوی) سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے استقرار پر استدلال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔“

علامہ موصوف نے ص ۳۳ شرح فقہا کبر میں لکھا: - باری تعالیٰ کسی مکان میں مستکن نہیں ہے نہ اوپر، نہ نیچے اور نہ کسی سمت میں، نہ اس پر زمانہ کا اجراء کرنا درست ہے جیسا کہ مشبہ، مجسمہ اور حلولیہ کرتے ہیں، اور ص ۷۹ میں لکھا: - "ابلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی رویت کسی جہت میں نہ ہوگی اور حدیث کما ترون القمر لیلۃ البدر میں تشبیہ رویت بالرویت فی العملہ ہے نہ کہ تشبیہ مرئی بالمرئی من جمیع الوجوہ اور اس بارے میں شرح عقیدہ طحاویہ سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے رویت بلا مقابلہ کو غیر معقول کہا۔"

شیخ محمد نووی شافعیؒ نے ص ۴۰ فتح المجید میں لکھا - حدیث مذکور میں تشبیہ رویت دربارہ عدم شک و خفا ہے، تشبیہ مرئی کے لئے نہیں ہے، لہذا رویت بلا انحصار فی جہت ہوگی، کہ وہ نہ فوق میں ہوگی، نہ یمن میں، نہ شمال میں نہ سامنے وغیرہ معتزلہ جو کہتے ہیں کہ رویت بلا مقابلہ نہیں ہو سکتی اگر باری تعالیٰ کے لئے رویت جائز قرار دیں تو اس سے اس کا جہت و مکان میں ہونا لازم آئے گا اور وہ محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب امور بطور عادت ہیں اور جائز ہیں کہ خدا بل مقابلہ ہی کے رویت کرادے، جس طرح نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت دنیا میں ہی عنایت کر دی تھی کہ آپ آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری شریف میں فرمایا - "امام احمدؒ نے کما دار اکم میں امامی کو نبی کریم ﷺ کا معجزہ قرار دیا ہے اور اب یورپ کی تحقیق ہے کہ تمام جلد انسانی میں قوت بصارت موجود ہے، معجزہ میں یہ ضروری نہیں کہ وہ امر مستحیل ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس وقت کسی سے نہ ہو سکے مقابلہ میں، خواہ بعد کو وہ ہوا کرے۔"

ص ۱۴ حاشیہ عقبہ وی علی عقیدۃ الشیخ احمد الدردیری میں ہے - معتزلہ مرئی کا مقابلہ رائی ہونا ضروری سمجھتے ہیں جو خدا کے لئے محال ہے، لیکن یہ شرط رویت حادث میں ہے، رویت قدیم میں نہیں ہے، لہذا بد کیف و انحصار ہو سکتی ہے، بد کیف اس لئے کہ خدا کے لئے جسم کا لا جسم عقیدہ یا جہت کا عقیدہ عند البعض کفر ہے اور عند البعض ابتداء ہے۔

حامد محمد ثپانی پٹی نے تفسیر مظہری ص ۱۴۲ ج ۱۰ میں لکھا - اہل سنت کے نزدیک رویت کا توقف صرف وجود مرئی پر ہے دوسری سب شرائط عادی ہیں اور غائب کو شہاد پر قیاس کرنا درست نہیں اور جب حق تعالیٰ اپنی مخلوقات مادی و مجردات کو بغیر مسافت و خروج شعاع کے دیکھتا ہے تو اسی کے مرئی ہونے کا انکار کیوں کیا جائے، ادھر سے بھی اس کی رویت بغیر عادی شرائط کے ہو سکتی ہے، اس موقع پر آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ قدس سرہ کی عجیب و غریب تحقیق مکتوب نمبر ۱۰۰ جلد سوم مکتوبات سے نقل کی کہ جنت میں رویت بد کیف کیوں کر ہوگی۔

تحقیق عینی نے دوسری احادیث الباب کے قولہ من ورائی کے ذیل میں لکھا - علامہ کرمانی نے کہا اس حدیث اور خاص طور ت لفظ حدیث سابق کا مقتضی تو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رویت درائی نماز وغیرہ سب ہی حالات میں تھی، لیکن سیاق حدیث سے حالت نماز کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے، علامہ عینی نے فرمایا کہ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ آپ کا یہ وصف تمام احوال میں تھا پھر قولہ کما اراکم کے تحت لکھا - حافظ حنفی بن مغلہ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جیسا روشنی میں دیکھتے تھے (عمد ص ۳۳۴ ج ۲)

۱۔ الامام شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن قس بن محمد القرطبی ص ۶۷۲، حافظ ابن ابی شیبہ کے نامور شاگرد اور صاحب مسند کبیر و تفسیر مجلیل تھے، جس کے بارے میں حافظ بن حزام نے کہا کہ اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی، آپ نے اپنا فیضان حدیث سے سارے اندلس کو سیراب کر دیا تھا، فرماتے تھے "میں نے اندلس میں ایسی مضبوط جزوں کے درخت لگا دیئے ہیں جو فروغ و جل سے پیسے نہ کھڑکیں گے، بڑے متواضع تھے، جنازوں پر حاضری کا التزام کرتے تھے، بعض اوقات مطالعہ کتب میں س قد رمنہمک ہو جاتے کہ کئی کئی روز تک صرف نرم کلا (ہری) پر گزارا کرتے، امام احمد کے خواص میں سے اور بخاری، مسلم و نسائی کے ہم پلہ تھے فرمایا کہ طلب علم کے لئے جس استاد کی خدمت میں گیا ہوں، پیدل ہی حاضر ہوا، مستجاب دعوات تھے، ہر روز تہجد کی تیرہ رکعت میں قرآن مجید فہم کرتے تھے، مسلسل روزے رکھتے اور ستر غزوات میں شرکت کی تھی (تذکرۃ الکملہ ص ۶۲۹ ج ۲)

۲۔ فتح الباری ص ۳۲۸ ج ۱ میں بھی شیخ حنفی کا قول مذکور نقل کیا گیا ہے کہ مکرر میں تقی بن مغلہ غصہ چھپ گیا ہے اور غلبا ہی سے فتح الملہم ص ۶۳ ج ۶ میں بھی مذکور نقل ہوا ہے (مؤلف)



## نبی اکرم ﷺ اور خواص اہل جنت

انبیاء کرام بنیدہ اہل جنت پر مخلوق ہوتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ وہ اس دنیا میں بھی خواص جنت سے سرفراز ہوتے ہیں اور غالباً اسی سے ہے کہ (۱) حضور علیہ السلام تمام اوقات و حالات میں آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھ سکتے تھے (۲) تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے (۳) نیند کی حالت میں آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا، اور خود ارشاد فرمایا کہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کا حال تھا (بخاری) (۴) نماز کسوف کی حالت میں اسی دنیا میں رہتے ہوئے آپ نے جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا (بخاری و مسلم) نیز (۵) شب معراج میں بھی ان دونوں کا مشاہدہ فرمایا ہے (۶) شب معراج میں حضور علیہ السلام دیدار الہی کی نعمت سے بھی مشرف ہوئے ہیں جیسا کہ پوری تحقیق انوار الباری میں گزر چکی ہے (۷) غزوہ موتہ کے وقت پورا جنگ کا میدان آپ کی نظروں کے سامنے تھا اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور کے حالات و واقعات صحابہ کرام کو بتلائے کہ اب ایسا ہو رہا ہے اور پھر وہ سب باتیں صحیح ثابت ہوئیں (۸) معراج معظم کی صبح کو مسجد اقصیٰ کے ستونوں کی تعداد وغیرہ برائی العین مشاہدہ فرما کر کفار مکہ کو بتلاتے رہے (۹) نبی کریم ﷺ فرشتوں کو دیکھتے اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے (کافی البخاری وغیرہ) (۱۰) حضور علیہ السلام عذاب قبر کی آواز سن لیتے تھے (کافی مسلم) (۱۱) حضور علیہ السلام کی آواز بطور خرق عادت و دراز جھبوں تک پہنچ جاتی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپ نے خطبہ میں لوگوں سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" یہ آواز عبداللہ بن رواحہ کے کانوں تک پہنچ گئی جو اپنے رپوڑ کے ساتھ دور جنگل میں تھے اور حضور کی آواز سنتے ہی بیٹھ گئے یہ بھی صحابہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے منیٰ میں خطبہ دیا تو اس کی آواز ہم سب نے اپنے اپنے مقامات و منازل میں اچھی طرح سنی (۱۲) انبیاء علیہم السلام چونکہ اپنی صفات میں اہل جنت کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں اس لئے ان کے جسم بعد موت بھی تغیر و فنا سے محفوظ رہتے ہیں (۱۳) انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں بھی عبادت نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں (۱۴) ان کو قبور میں رزق بھی دیا جاتا ہے (ابن ماجہ) (۱۵) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا درود و سلام دور سے مجھے فرشتے پہنچاتے ہیں اور قریب سے میں خود سن کر جواب دیتا ہوں (ابوداؤد) ان کے علاوہ بیسیوں خصائص نبویہ ہیں جن کی تفصیل خصائص کبریٰ (علامہ محدث امام سیوطی) وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے یہاں یہ دکھانا ہے کہ جس طرح یہاں دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت کے صفات و خصائص دیئے گئے، جنت میں سارے مومنوں کو وہ سب صفات حاصل ہو جائیں گی، لہذا وہ دیکھنے میں بھی جہت و سمت مقابل کے محتاج نہ ہوں گے نہ یہ کہ دنیا کی طرح صرف قریب کی چیز دیکھیں دور کی نہ دیکھ سکیں اور ان امور کا ثبوت نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں بلکہ آپ کے صدقہ میں صحابہ کرام اور اولیائے امت میں بھی حاصل ہو چکا ہے۔

پھر حدیث الباب تو بخاری و مسلم کی یعنی سب سے اوپنی حدیث ہے جس میں ہے کہ میں اپنے پیچھے بھی آگے کی طرح دیکھتا ہوں، مگر اس کے باوجود بعض حضرات نے یہ رائے قائم کر لی کہ جنت میں جو دیدار خداوندی ہو گا وہ صرف مقابل کی جہت سے ہو گا اور وہ بھی صرف اوپر کی جہت سے ہو گا۔

۱۔ خیال یوں بھی ہوتا ہے واللہ اعلم کہ دنیا میں دنیا کی چیزیں دیکھنے کے لئے چونکہ عادتاً مقابل و جہت وغیرہ ضروری ہوتی ہے، اسی لئے دنیا میں دیدار الہی عوام کے لئے ممنوع فقیر، لیکن انبیاء علیہم السلام چونکہ بنیدہ اہل جنت پر مخلوق ہوئے ہیں، اس لئے وہ اس حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہوں گے اور شاید اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنے لئے درخواست کی تھی (جبکہ قوم کا مطالبہ تو یہ تھا کہ ہمیں خدا کا دیدار کرا دیجئے!) پھر چونکہ حضور علیہ السلام کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بھی زیادہ فضائل و خصائص و امتیازات حاصل تھے اور وہ دنیا کی چیزوں کو بھی بلا مقابل و جہت کے دیکھ سکتے تھے اور اندھیرے میں بھی، چاہے کی طرح دیکھتے تھے، وغیرہ اس لئے کیا جب ہے کہ دیدار خداوندی کا شرف بھی اسی امتیاز کے سبب سے حاصل ہوا ہو، یہ تو جیسا کہ سوا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دیدار کا شرف شب معراج، اس عالم سے الگ ملاء اعلیٰ میں ہوا ہے، مگر ہمارے دل کو مذکورہ توجیہ زیادہ لگتی ہے یعنی جنت میں چونکہ سب ہی اہل جنت کو یہ وصف حاصل ہو جائے گا کہ وہ بلا مقابل و جہت کے تمام چیزوں کو دیکھیں گے اور ان کے لئے مقابل جہت و مسافت وغیرہ کی عادی شرائط باقی نہ رہیں گی، اس لئے ان کے لئے دیدار خداوندی بھی ممنوع نہ رہے گا اور حسب درجات وعدہ خداوندی اس سے مشرف بھی ہوتے رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم واکرم

## حافظ ابن تیمیہ وابن قیم

حافظ ابن قیمؒ نے اپنے قصیدہ عقیدہ لونیہ میں فرمایا: - والٹ عشر ہا اخبارہ انا نراہ فی الجنة وھل نراہ الا من فوقنا، اذ رویۃ لا فی مقابلہ من الرانی محال لیس فی الامکان - (تیر حوال عقیدہ یہ ہے کہ ہم خدا کو جنت میں دیکھیں گے، اور کیا ہم اس کو جزاؤ پر کی جہت دیکھ سکیں گے جبکہ کوئی رویت بھی بغیر مقابلہ رانی کے محال ہے اور اس کا امکان کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا) پھر یہی بات انھوں نے شفاء العلیل ص ۱۵۹ میں بڑے دعوے کے ساتھ کہی ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ ”الفتویٰ المحمویۃ الکبریٰ“ ص ۱۵۶ میں لکھا: - کل یراہ فوقہ قبل وجہہ، کما یری الشمس والقمر (ہر شخص اللہ تعالیٰ کو اوپر کی طرف اپنے سامنے سے دیکھے گا جس طرح سورج و چاند کو دیکھتا ہے) اس رسالہ میں موصوف نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر و متکبر ہونے کا بھی اثبات کیا ہے اور اس کے لئے جہت فوق متعین کرنے کی سعی بلیغ کی ہے جو اہل علم کے مطالعہ کی چیز ہے اس میں ص ۸۹ پر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ کتاب وسنت، کلام صحابہ و تابعین اور کلام سائر امت سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں سے اوپر ہے اور وہ آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے اور اس کے ثبوت میں حدیث اعدال بھی پیش کی، جو اکبر محمد شین کے نزدیک نہایت ضعیف، مضطرب، شاذ اور منکر ہے، ص ۱۱۸ میں ”باب الایمان بالکبریٰ“ کا عنوان قائم کر کے بحوالہ محمد بن عبداللہ نقل کیا کہ اہل سنت کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے ہے اور وہ موضع القدین ہے، (یعنی خدا کے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے) اور ابن عباس کا اثر ذکر کیا کہ جو کرسی آسمانوں اور زمین کو واسع ہے وہ موضع القدین ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے دوسرے رسالہ ”عقیدۃ واسطیہ“ میں ذیل عنوان ”آیۃ الکبریٰ“ لکھا: - اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال سے خبر دی ہے اور یہ بھی کہ کرسی جو اللہ تعالیٰ کے لئے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے، وہ آسمانوں، زمین اور مافیہا سے زیادہ وسیع ہے اور اسی نے ان دونوں کی حفاظت و زوال اور زلزل سے کی ہے، ... اور صحیح یہ ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے، ... پس اللہ سبحانہ کے لئے علو مطلق ہے تمام وجوہ سے، علو ذات بھی کیونکہ وہ تمام مخلوقات سے اوپر اور عرش پر مستوی ہے اور علو قدر بھی کہ اس کے لئے ہر صفت کمال کا اعلیٰ درجہ ہے، الخ (ص ۳۹، لکھناشف الجہیہ عن معانی الواسطیہ)

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ تذمریہ میں لکھا: - نص شرعی میں نہ لفظ جہت کا اثبات ہے اور نہ نفی ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں ہے، تو اس سے پوچھو کیا اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہے، اگر یہ مراد ہے بتلائے تو وہ حق پر ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت میں ہے تو حضور علیہ السلام کو رویت من وراء کیوں کر حاصل ہوگئی؟ کیا صحیح کی ک حدیث الباب سے حافظ ابن قیم واقف نہ تھے؟ یا ان کے نزدیک خوارق عادات محال و متعین ہونے کے باوجود انبیاء و اوصیاء سے ان کا صدور ہو جاتا ہے۔ مید ہے کہ حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے متبعین سلفی و جمعی و دہابی حضرات اس کا جواب دیں گے۔ (مؤلف)

۳۔ رسالہ حمویہ ص ۱۱۳ میں فقہ اکبر امام اعظمؒ کے حوالہ سے بھی چند عبارتیں اس طرح نقل کی ہیں کہ امام اعظمؒ بھی گویا جمعی المسلک تھے، حالانکہ یہ غلط ہے، علامہ نعمانی عم فیہم نے مقدمہ کتاب التعلیم ص ۱۸۸ میں اس مغالطہ کا دفع کیا ہے اور لکھا: - ”ابن تیمیہ نے فقہ کبر سے جو فتاویٰ حمویہ میں حق تعالیٰ کے لئے تعین مکان اعلیٰ علیین نقل کی ہے، وہ بے اصل ہے، کیونکہ امام اعظمؒ کے اصحاب و غیر اصحاب میں سے کسی بھی فقہ راوی نے اس کو نقل نہیں کیا ہے، اور حقیقت میں ایسی عبارت عبداللہ انصاری نے اپنی طرف سے بطور تعلیل کلام کے بڑھائی ہے جس سے ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کو دھوکہ ہوا ہے، علامہ مطاعلی قاری حنفیؒ نے لکھا: - ”شیخ ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب ”حل الرموز“ میں امام اعظمؒ سے نقل کیا کہ ”(جو شخص ایب کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا زمین میں تو وہ کافر ہے)“ کیونکہ اس قول سے ابہام ہوتا ہے کہ قائل مذکور خدا کے لئے مکان سمجھتا ہے، لہذا وہ شبہ ہے۔“ ظاہر ہے کہ ابن عبدالسلام بڑے جلیل القدر اور رفیع عالم تھے، لہذا ان کی نقل پر اعتماد ضروری ہے۔ علامہ کوثریؒ نے ”لفقہ الابط“ کی تعلیق میں، اس بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔“

رالم انخروف عرض کرتا ہے کہ مطاعلی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر ص ۳۶ میں امام اعظمؒ کا قول کتاب الوصیۃ سے نقل کیا اس میں بھی استواء بلا کیف کا اقرار اور استواء بمعنی استقرار کی صراحت نفی موجود ہے۔ انہوں نے کہ حافظ ابن تیمیہ کی نقول میں غلطیاں اور مغالطے بہت ملتے ہیں، علامہ سبکیؒ نے بھی امداد المصیبر ص ۱۸۶۱۵ میں نقل کی کئی غلطیاں درج کی ہیں۔ (مؤلف)

بتلائے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی چیز میں داخل ہے تو یہ باطل ہے (ص ۲۶) ائمہ سنت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے، اور اپنی مخلوق سے جدا ہے (۲۷) تمام نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علو فوقیت ہے تمام مخلوقات پر، اور اس کے لئے استواء بھی ہے عرش پر، پھر ایک وہم کرنے والا یوں وہم کرتا ہے کہ اس کا استواء بھی کشتی اور چوپایہ پر انسان کے استواء اور سوار ہونے کی طرح ہوگا اور وہ بھی انسان کی طرح عرش کا محتاج ہوگا، لہذا اس کا استواء قعود و استقرار کی صورت میں نہ ہونا چاہئے اور اس شخص نے یہ نہ سمجھا کہ احتیاج کے ساتھ تو خدا کے لئے صرف استواء کا اثبات بھی نہیں ہو سکتا، پھر استواء اور قعود و استقرار کے درمیان کیا فرق رہا، لہذا خدا کے لئے بلا احتیاج کے ان میں سے ہر چیز کو ثابت کر سکتے ہیں اور ایک کو ثابت کرنا، دوسرے کی نفی کرنا خلاف انصاف ہے اور عدم احتیاج کو کھینچنے کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی بہت سی مخلوقات اور نیچے پیدا کی ہیں لیکن پھر بھی اوپر والی نیچے والی کی محتاج نہیں ہے، جیسے ہوا زمین کے اوپر ہے مگر وہ زمین کی محتاج نہیں، اور بادل زمین کے اوپر ہیں، پر اس کے محتاج نہیں، آسمان زمین کے اوپر ہیں مگر انہیں ضرورت نہیں کہ زمین ان کو اٹھائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کو کھینچا جائے کہ وہ اس کو اٹھانے کا محتاج نہیں۔ (ص ۳۱، ۳۲)

اس طرح علامہ نے اس استہجاء کو گویا ختم کر دیا جو استواء بمعنی استقرار و قعود و جلوس ہو سکتا ہے اور گویا ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عرش و قعود و جلوس و استقرار ماننے سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم و چیز و مکان ماننا پڑتا ہے اور وہ جسم و چیز و مکان سے منزہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے خود ہی اپنے فتاویٰ ص ۵۴ میں لکھا: ”میرے مقابل علماء کا مجھ سے یہ مطالبہ ہے کہ میں اس امر کا اعتقاد کروں کہ اللہ تعالیٰ جہت و تحیز سے منزہ ہے اور اس سے ان کی نفی کرنی چاہئے اور میں کلام باری کے لئے یہ نہ کہوں کہ وہ حرف و صوت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، بلکہ معنی قائم بذاتہ تعالیٰ کا عقیدہ کروں اور یہ بھی کہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھنیوں کے حسی اشارہ نہیں کیا جاسکتا اور یہ مطالبہ بھی مجھ سے کرتے ہیں کہ میں عوام کے سامنے آیات صفات و احادیث صفات کی تشریح نہ کروں اور نہ ان کو لکھ کر دوسرے شہروں کو بھیجوں اور نہ ان سے متعلق فتویٰ دوں۔“ تو میں نے فوراً ہی جواب لکھا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے کلام میں کہیں بھی لفظ و جہت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے، کیونکہ میں اس لفظ کے اطلاق نفیاً و اثباتاً دونوں کو بدعت سمجھتا ہوں اور میں تو صرف وہی بات کہتا ہوں جو کتاب و سنت سے ثابت ہے اور اگر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں پر رب نہیں ہے اور نہ عرش کے اوپر خدا ہے اور نبی کریم ﷺ شب معراج میں اپنے رب کی طرف چڑھ کر نہیں گئے تھے اور عالم کے اوپر عدم محض ہے تو یہ سب امور باطل و مخالف اجماع امت ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوقات احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ مخلوقات کے اندر ہے تو یہ ضرور میرے کلام میں موجود ہے اور ایسی صورت میں مجھے بتایا جائے کہ اس کی تجدید کرانے سے کیا فائدہ ہے؟

فتاویٰ ابن تیمیہؒ کی پانچویں جلد میں ساری بحث عقائد ہی کی ہے اور تقریباً دو ثلث میں کلام باری کے حرف و صوت ہونے کا اثبات اور جمہور سلف و متقدمین کا رد ہے، متفرق مواضع میں تقریباً ستر صفحات مسند استواء و جہت سے متعلق ہیں اور تقریباً ۳۵ صفحات میں مسند روایت باری کی بحث ہے، ہر بحث میں ایسی ضعیف روایات و آثار ضرور ذکر کرتے ہیں، جن سے خدا کے لئے جسم و جہت ثابت ہونے کا ابہام ہوتا ہے، مثلاً ص ۸۷ میں طبرانی سے حضرت ابن عباسؓ کا اثر کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو اپنا کچھ حصہ زمین کے لئے ظاہر کرتا ہے اور اس وقت زلزلہ آجاتا ہے، دوسرا اثر ابن عباسؓ کہ خدا کی تجلی جبل کے لئے فقط ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے برابر ہوئی تھی جس سے پہاڑ منی کے برابر ہو گیا، تیسرا اثر مجاہد حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں، بیت وان له عندنا لؤلؤ فی و حسن مآب کی تفسیر میں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سے قریب کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ اس کے بعض کو مس بھی کر لیتے تھے، چوتھا اثر مجاہد غسی ان یسئک ربک مقاما محمودا میں مقام محمود کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس عرش پر بٹھا گا۔

## مسک حق پر تنقید

اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ حافظ ابن تیمیہ کے مقابل علماء جو جسم و لوازم جسم جہت و چیز و مکان وغیرہ کا خدا کے لئے انکار کرتے تھے ان کی اس بات کو حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے بلکہ اس کو اپنے زعم میں عقیدہ صحیح کے خلاف خیال کرتے تھے چنانچہ فتاویٰ مذکورہ کا ص ۳۱۰ سے ۳۱۵ تک (الوجہ فی مس عشارخ) مطالعہ کر لیجئے، ہماری یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ”سلف سے بہت سے مسائل میں معتزلہ کی موافقت ثابت ہے جبکہ تم نے ان مسائل میں بھی معتزلہ کی مخالفت کی ہے، مثلاً بعض سلف سے سماع موتی کا انکار منقول ہے اور بعض سلف نے معراج جسمانی کا بھی انکار کیا ہے وغیرہ مگر تم نے ان مسائل میں سلف کے خلاف بھی معتزلہ کی مخالفت کی، پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم نے ایسی باتوں میں معتزلہ کی موافقت کر لی جو سلف سے بھی منقول نہیں ہوئے مثلاً (۱) یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نہ داخل عالم ہے نہ خارج اور (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر نہیں اور (۳) تم جو خدا سے جسم و لوازم جسم کی نفی کرتے ہو، تمہاری ان امور میں موافقت معتزلہ کے لئے سلف میں سے کسی کی بھی تائید حاصل نہیں ہے“ (ص ۳۱۲)

”اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ تم نے بعض متفقہ امور سلف کا بھی انکار کر دیا، مثلاً یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا، حالانکہ یہ مسئلہ صحابہ میں نزاعی تھا، یا تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے خدا کا دیدار کیا حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں تھا پھر تم یہ بھی کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام معراج میں خدا کی طرف نہیں چڑھے، کیونکہ خدا (تمہارے نزدیک) آسمانوں پر نہیں ہے، لہذا تم سلف کی انتہائی اجماعی باتوں کا تو انکار کرتے ہو اور متنازع امور کو مانگتے ہو، اور ان باتوں کو جن کا قائل کوئی بھی نہیں ہوا ہے۔“

”معتزلہ نے روایت خداوندی کا انکار کر کے گمراہی اختیار کی، حالانکہ ان کے پاس کچھ ظاہری دلائل بھی موجود تھے، تم لوگوں نے اس مسئلہ میں تو معتزلہ کی مخالفت کی، مگر اس سے کہیں زیادہ بڑے مسائل میں معتزلہ کی موافقت کر لی، مثلاً خدا کے مخلوقات سے جدا ہونے اور اس کے عرش پر ہونے سے انکار کر دیا، حالانکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا بہ نسبت اس کی روایت کے کہیں زیادہ

۱۔ اس سے حافظ ابن تیمیہ یا اثر اللہ ہے جس کی قبور سے استفادہ وغیرہ کو خلاف بعض سلف ہونے کی وجہ سے ممنوع سمجھا جائے۔ (مؤلف)  
 ۲۔ ہم نے کئی جگہ پر تحقیق نقل کر دی ہے کہ سلف و مشہور امت کے نزدیک خدا کے لئے جسم و لوازم جسم، جہت، چیز و مکان وغیرہ کا اثبات کرتا درست نہیں ہے۔ (مؤلف)  
 ۳۔ ہم نے بعد از انوار الباری میں حدیث معراج کے تحت سلف کے دیدار خداوندی برویہ العین کا اثبات اچھی طرح کر دیا ہے، اس کو پڑھ کر مذکورہ دعویٰ کا کھوکھلا پن واضح ہوگا۔  
 ۴۔ یہ تعبیر غلط ہے، البتہ ہم امام، لکھنوی کی طرح معراج نبوی کے وقت حضور علیہ السلام کے سدرۃ المنتہی کے پاس ہونے اور حضرت پولس علیہ السلام کے یمن حوت و قعر بحر میں ہونے کی حالت کو برابر درجہ میں سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ کو دونوں صورتوں میں جہت سے منزہ یقین کرتے ہیں، امام، لکھنوی نے نفی جہت کے لئے حدیث نبی عن الفضل علی پولس علیہ السلام کو دلیل قرار دیا ہے اور قاضی عیاضؒ نے شافعی لکھا کہ جن حضرات نے اثبات جہت کو کفر قرار دیا ہے ان کی تعداد ائمہ امت میں سے بہت ہی زیادہ ہے، ملاحظہ ہو السیف العقیل ص ۳۶ لیکن حافظ تم نے بڑی جرات کر کے امام الحرمین کو اسی قول کو تحریف و التواء قرار دے دیا ہے، عقیدہ نونہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”هذا هو الاتحاد حقابل هو التحریف محضاً اور الہدایاں اور فرمایا امثال ذا التاویل الفساد هذه الادیان حین سری الی الادیان“

السیف العقیل میں قصیدہ نونہ کی اس قسم کی تحقیقات عالیہ کا مدلل رد کیا گیا ہے اور راقم الحروف کا ارادہ بھی اس پر اردو میں مستقل طور سے لکھنے کا ہے، بلکہ دوسرے حضرات اہل علم و تحقیق اس طرف توجہ کریں تو بہتر ہو، میرا تو آخری وقت ہے، اگر انوار الباری ہی مکمل ہو سکے تو خیریت ہے۔ (مؤلف)

۵۔ حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کے نزدیک سب سے زیادہ تعزیر شدہ مسئلہ حق تعالیٰ کے عرش عظیم پر مستقر و متمکن ہونے کا ہے، جس کو وہ ایمان و کفر کا مسئلہ سمجھتے تھے اور جو وہ عرش پر استقرار و تمکن یا خدا کے لئے جہت و مکان کے اثبات کی تعبیرات کو خلاف تہذیب یہ کہتے تھے، ان سب کو یہ دونوں بزرگ اور ان کے قسب میں آج بھی نفی الصفت کا لقب دیتے ہیں، یعنی ان کے علاوہ ساری امت کے علماء اور سواد اعظم معاذ اللہ خدا کی صفات کے منکر ہیں، کیونکہ سب سے بڑی صفت اللہ تعالیٰ کے سب سے اوپر اور، لکھنوی پر مستقر و متمکن ہونے اور اس پر بیٹھ کر دونوں پاؤں سرس پر رکھنے ہی کی جب نفی کر دی تو ہو یا ساری ہی صفات کی نفی کر دی گئی اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اسی بات کی رت سلفی، بھی دوہائی حضرات اس زمانہ میں بھی لگا رہے ہیں جب کہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واضح طور سے ثابت ہے اور اس انکار کی بنیاد صرف یہ وہم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ ہم زمین پر بسنے والوں کے لئے ملاء اظہی کے لحاظ سے نہ کوئی جہت فوق ہے نہ تحت ہے، دن کے وقت جو جہت ہمارے لئے فوق ہوتی ہے وہی رات کے وقت تحت ہوتی ہے اور اس کے دلوں کے لئے برعکس ہوتا رہتا ہے کیونکہ زمین اپنی چوری گردش ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دن و رات میں چوری کرتی ہے اور سورج کے مقابل ہونے نہ ہونے سے زمین پر دن و رات کا وجود ہوتا ہے، پھر دوسری گردش زمین کی سورج کے گرد ہوتی ہے، جو ساتھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک سال میں پوری ہوتی ہے، تیسری گردش زمین کی سورج اور اس کے دوسرے بڑے آٹھ سیاروں کے ساتھ اسی فضاء تحت السماء میں ہوتی رہتی ہے جس کی رفتار بیس ہزار میل فی گھنٹہ ہے، تو بھلا اس نئی تحقیق اور سرچ کے دور میں قرآن مجید سے ثابت شدہ سب سے بڑا مسئلہ فوق و تحت کے عقیدہ کا بایں کیا عقیدہ کی ہے اور کیا اس طرح کلمہ رب قرآن کی طرف دعوت دینا نہیں ہے؟ اور زمین کے گردی ہونے کا ثبوت کتاب و سنت کے تحت حافظ ابن تیمیہ سے بھی بہت پہلے سے ابن حزم کی الفصل ص ۹ ج ۲ میں موجود ہے۔

اس دور کے سنی حضرات نے تو حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کے متبع و امام دارمی جزی کی کتاب الفتح بھی شائع کر دی ہے جس میں ص ۱۰۰ پر ہے کہ ”تم میں سے کون ایسی غیر معقول بات کہہ سکتا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی خدا سے زیادہ قریب نہیں ہے؟ جبکہ مینارہ کا اوپر کا حصہ بھی یہ نسبت اصل کے خدا سے زیادہ اقرب ہے“ اور ص ۹۷ میں لکھ کہ ”حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے بہت ہی دور اپنے عرش پر ہے اور درمیان میں بہت بڑا فوجہ اور خلا ہے، یعنی ساتواں آسمان اس کے اور مخلوق، رسی کے درمیان حائل ہیں“ ساری کتاب ایسے ہی عجائب و غرائب سے بھری ہے اور جب اس کتاب پر اعتراضات ہوئے تو حرمین کے سنی حضرات نے اس کی اشاعت غیر ضروری قرار دی ہے، اسی لئے حرمین میں ملتی ہے اور دوسری کتب میں کتاب التوحید لابن خزیمرہ اور کتاب اسعد اللہ بن الامام احمد تو تلاش سے بھی نہیں ملتیں، چنانچہ ان تینوں کتابوں میں حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کے نظریات کی تائید ملتی ہے۔

شیخ دارمی جزی: حافظ ابن تیمیہ نے تو کئی قویہ کبریٰ ص ۹۷ میں اپنی متبع و امام دارمی مذکور کا تعارف کرایا کہ وہ احمد شاہیر میں سے امام بخاری کے زمانہ میں تھے اور لکھ کہ ”ان کی کتاب الفتح پڑھ کر عامل ذکی سلف کے علوم کی حقیقت تک رسائی حاصل کرے گا اور ان کے طریق استدلال کی قوت اور مخالفین کی ضعف و جہت معلوم کرے گا“ یہ باری جزی ص ۲۸۶ ہیں، وہ محدثہ کرامہ کا خلاصہ ص ۶۲۶ ج ۲ اور صاحب سنن و مسند علی حافظ حدیث، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ کے استاد محدث دارمی ص ۳۵۵ ج ۲ دوسرے ہیں اور وہ دارمی جزی سے حقدم ہیں جن کو ذہبی نے الامام شیخ الاسلام اور صاحب اسعد اعلیٰ لکھا اور بہت زیادہ تحریف کی ہے یہ بھی لکھ کہ وہ غیر معمولی عقل و سمجھ اور نہایت تفصیل و علم کے مالک تھے (تذکرہ ص ۵۳۳ ج ۲) صاحب الرسالۃ المصلح نے لکھا کہ ”ان کے یہاں اسانید عالیہ و دل ثبات ہیں بلکہ ان کی کلمات“ امام بخاری سے زیادہ ہیں“ بعض محدثین نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے (فتح المکرم ص ۹۵ ج ۱) دارمی جزی کی بھی مسند ہے مگر وہ عالی نہیں ہے تاہم حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب اجتماع الجہوش الاسلامیہ میں لکھا۔ ”شیخ دارمی کی کتاب الفتح“ اور کتاب ”الرد علی الجہمیہ“ سنت کے بارے میں تصنیف شدہ جلیل القدر و نافع کتابوں میں سے ہے ہر طالب سنت جو طریق صحیح و تابعین و ائمہ سے واقف ہوتا ہے اس کو ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان دونوں کتابوں کے بارے میں بہت زیادہ وصیت کیا کرتے تھے اور ان کی نہایت عظمت کرتے تھے اور ان میں توحید اور اسامی و صفات باری کی تحقیق و تفریب کی ہے کہ دوسری کتبوں میں نہ ملے گی، (ک مقدمہ کتاب الفتح)

ان دونوں شیعوں سلفین کی اتنی بلند باگ و حد و توصیف کے بعد کتاب الفتح کے مطبوعہ نسخہ میں سنی کیرنا شہر تاج محمد حامد الفقی ریس جماعت انصار راستہ الحمید یہ کی کتاب مذکور پر تنقیدات بھی ک مقدمہ ص ۲۰، ص ۲۳، ص ۲۵، ص ۱۸، اور ص ۱۶۲ میں پڑھ لی جائیں تو ”بحرم کل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا“ اور ”علامہ کوثری“ کی کس تنقیدات ”مقالات کوثری“ میں پڑھ لی جائیں تو واضح ہو جائے گا کہ کلام و عقائد پر دارمی جزی کو کتب مذکور لکھنے کا حق ہی نہ تھا، جس طرح محدث ابن خزیمرہ ص ۳۱۱ علم کلام سے عاری تھے اور اسی لئے ان کے کلامی اقوال کو محققین نے نظر انداز کیا ہے، ملاحظہ ہوا امام تیمیہ کی کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۰ اور مشکلات القرآن علامہ خیزی ص ۱۳۹ وغیرہ۔

انہوں نے کہ حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم نے اور ان کے اتباع میں اس دور کے سنی علماء نے بھی عقائد میں ان دونوں اور ان جیسے دوسرے سنی حضرات شیخ عبداللہ بن الامام احمد ص ۲۹۰، ابن حامد بغدادی ص ۳۰۳، قاضی ابوبکر علی ص ۲۵۸ اور زافونی ص ۱۶۵ کا اتباع کیا ہے حالانکہ محقق ابن جوزی ص ۵۹۷ نے ان سب کے غلط حرمات کا رد و انہی کو رد کیا تھا اور نہایت مدلل و مفصل طریق سے ثابت کر دیا تھا کہ ان کے عقائد جمہور امت و سلف اور امام احمد کے بھی خلاف ہیں اور یہ بھی کہ علم صرف وہ نہیں تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے، آپ شیخ عبداللہ بن تیمیہ اور ابن خزیمرہ کی کتاب التوحید کی طرح ہو کر سامنے آگئی ہیں جن میں جمہور امت و سلف کے خلاف عقائد موجود ہیں، واللہ المستعان علی ما یصلحون۔

یہاں حدیث ترمذی شریف بھی سامنے رہے ”انکم لو ولیم بحبل الی الارض السفلی لیسط علی اللہ ثم قرأ هو الاول والآخر والمظاہر والمباہن وهو بکل شیء علیم (رواہ احمد الترمذی) یعنی اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے حصے تک ڈالو گے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی کیونکہ اس کی ذات سب سے اول و قدیم ہے، جس کی ابتدا نہیں اور وہی آخر و باقی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور وہی ظاہر ہے و باہر صفات کے اور باطن ہے و باہر ذات کے، قال الترمذی و علی العرش کما وصف نفسه فی کتابہ، علامہ طبری نے لکھا۔ ”یعنی عرش پر اس کا استواء اسی طرح ہے جس طرح اس نے اپنی صفت اپنی کتاب میں بتلائی اور استواء کی پوری حقیقت و علم صرف خدا کے پاس ہیں، امام ترمذی کا مقصد یہ ہے کہ لہذا علی اللہ میں تاویل و تفسیر و وسطان کی کی جائے اور استواء علی العرش کا علم بھی خدا ہی کی طرف مفلوٹ کیا جائے اور اس کی تاویل نہ کی جائے جیسا پہلے گذر چکا کہ بعض خلاف ظاہر امور تاویل کے محتاج ہوتے ہیں اور بعض امور میں خود غرض کرنا چاہئے (مرقاۃ ص ۲۵۵ ج ۵) اس حدیث پر امام ربانی حضرت مجدد قدس سرہ نے مکتوب نمبر ۱۲۱ جلد سوم میں روشنی ڈالی ہے۔ (مؤلف)

ص ۵۳۱ ج ۵ میں لکھا:۔ "فضلاً اگر غور و تدبر کریں تو یہ بات روشن ہے کہ روایت کے مسئلہ میں جو تم معتزلہ کی مخالفت کی ہے وہ صرف ظاہری ہے اور حقیقت میں تم نے ان کی موافقت کی ہے، کیونکہ تم نے روایت کا اقرار ایسے طور سے کیا ہے، جو معتزلہ کے خلاف نہیں ہوتا" کیونکہ وہ توجہ و مکان سے بچتا چاہتے تھے، تم نے ان دونوں باتوں کا انکار کر کے بلا جہت کے روایت مان لی تو پھر کیا اختلاف باقی رہا؟

ص ۳۲۶ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا:۔ "بہت ہی اہم و عظیم بات اور نہایت بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ تم لوگ اور معتزلہ بھی بہت سے اصول دین و عقائد کو ضعیف و فاسد طریقوں سے ثابت کرتے ہو، جبکہ اس سے بہت سے دوسرے اصول دین و عقائد کی تکذیب و تغلیط بھی لازم آتی ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ علامہ موصوف اپنی بیماری دوسروں میں دیکھتے تھے، جس طرح یرقان کا مریض ہر چیز کو ہر ادیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، علامہ ابن جوزی ضلیٰ م ۵۹۷ کی کتاب "دفع شہیدہ التشیبہ والرد علی النجسہ" دیکھی جائے جس میں حافظ ابن تیمیہؒ کے مجددین و متبعین (ابن حاتم م ۴۰۳) و قاضی ابویعلیٰ ضلیٰ م ۳۵۸ و وزاغونی ضلیٰ م ۵۲۷ وغیرہ) کا رد کیا گیا ہے اور ساتھ احادیث کے مطالب و معانی واضح کئے ہیں، جن کے غلط مفہوم لے کر ان لوگوں نے مسلک جمہور و مذہب امام احمد کے خلاف الگ اپنا مذہب بنایا تھا ان احادیث میں سے شاذ و منکر اور ضعیف روایات کی بھی نشان دہی کر دی ہے اور حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم نے اپنے ان ہی متبعین کے اتباع میں ان کے دلائل کو پھر سے دہرا دیا ہے۔

### دعوت مطالعہ

علامہ ابن جوزی کی کتاب مذکور اور علامہ حسنی م ۸۲۹ کی کتاب "دفع شہ من شہد و تہر و نسب ذلک الی الامام الجلیل احمد" کا مطالعہ تمام علماء کو کرنا چاہئے، تاکہ وہ اس دور کے سلفی، تمیمی، و ہدائی فتنہ کو علی وجہ البصیرت سمجھ سکیں خاص طور سے میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تلامذہ و مسترشدین کو اس طرف توجہ دلا نا ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دور کی اہم ترین علمی و دینی ضرورت کا احساس کر کے ان دونوں حضرات نے تفردات ابن تیمیہ کے رد میں غیر معمولی توجہ صرف کی تھی۔

ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ معمولی و سلفی مطالعہ سے ہرگز کام نہ چلے گا، معقول و منقول کی پوری استعداد رکھنے کے ساتھ حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا اور جتنا لڑچکر رد میں آٹھویں صدی سے اب تک لکھا گیا ہے سب ہی کو سامنے رکھ کر حقائق واضح ہو سکیں گے، کیونکہ ان دونوں حضرات کی کتابوں میں بڑے بڑے گمراہ، پھراؤ، پیچاؤ اور تناقضات و اغلاط و مغالطات نقول بھی ہیں، ناقص الاستعداد اور کم مطالعہ والے دھوکہ کھا سکتے ہیں، ہمارے ان دونوں اکابر اور علامہ کوثریؒ کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کرے کہ اس فتنہ کی طرف توجہ دی اور دلائی، راقم الحروف کو ان تینوں حضرات سے تلمذ کے صدقہ میں کچھ لکھنے کی توفیق ملی ہے، لیکن فردست میری ساری توجہ شرح بخاری شریف کے کام کی طرف ہے، مجبوراً اور ضمناً کچھ لکھتا پڑتا ہے ضرورت ہے کہ صرف اس کام پر پوری توجہ صرف کر کے مستقل کتابیں کامل تحقیق کے ساتھ لکھی جائیں اور بڑے پیمانہ پر ان کی اشاعت کی جائے جس طرح سلفی حضرات کی طرف سے حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کی کتابوں کی اشاعت بڑے اہتمام کے ساتھ اور مفت کی جا رہی ہے اور ان کے عقائد و نظریات و تفردات کو بطور "دعوت" کے پیش کیا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ "علماء دیوبند" جن کا عظیم مقصد احقاق حق و ابطال باطل ہے اس دور کے بیشتر علمی فتنوں سے بڑی حد تک غافل ہیں ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔ (علامہ فرائیؒ کی تالیفات بھی پھر سے شائع کرنے کا منصوبہ لاکھوں روپے جمع کر کے بنایا جا رہا ہے، ان کی تفسیری غلطیوں کا نمونہ قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن و تفسیر القرآن مولانا مودودی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس طرح دوسری طرف حافظ ابن تیمیہ کو بھی التزام دے سکتے ہیں کہ آپ نے معتزلہ اور مجسمہ دونوں کی موافقت کر لی ہے اور اہل حق کی مخالفت، کیونکہ معتزلہ بغیر جہت کے روایت کو کمال سمجھتے تھے، آپ نے بھی یہی کیا اور پھر مجسمہ کا ساتھ دے دیا کہ جہت فوق تعین کر کے اللہ تعالیٰ کو اجسام کی طرح عرش پر مشرق، جالس اور قاعدہ بھی ثابت کیا، اہل حق تو جس طرح حضور علیہ السلام کی حدیث الباب والی روایت کو باشرط جہت و مقابہ یہاں درست مانتے ہیں، روایت خداوندی کو بھی مانتے ہیں۔ (مولف)



یہاں رویت باری کی بحث بخاری کی حدیث الباب کے تحت ضمناً آگئی اور حافظ ابن حجر و محقق عینی کی تشریحات کی وجہ سے آگئی، کیونکہ جب اہل حق کا مسلک واضح و مبین ہو چکا اور بخاری و مسلم کی ایسی احادیث صحیحہ قویہ کی روشنی میں تحقیق ہو گیا کہ رویت کے لئے نہ کوئی فاصلہ کی شرط ہے نہ تقابل (آمنے سامنے ہونے) کی اور حضور علیہ السلام کا بلا تقابل وجہت کے پیچھے والی چیزوں کو بھی آگے کی طرح دیکھ لینا، بلکہ اندھیرے میں بھی اچالے کی طرح دیکھنا وغیرہ امور ثابت ہو گئے تو آخرت میں دیدار خداوندی کیسے تقابل اور فاصلہ وجہت کی شرطیں کس لئے؟ اور حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کا رویت کو وجہت مقابل و فوق کے ساتھ لازم کرنا اور بلا تقابل کے رویت کو ناممکن و محال تک بتلادینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟!

”المصراع بین السلام الوثنية للقبصمی“ ص ۵۲۶ ج ۱ میں ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں بہت سی جگہ اور دوسری تالیفات میں بھی لکھا کہ: ”یہ کہنا صحیح نہیں کہ خدا کسی جہت میں ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ وہ جسم ہے یا جسم نہیں ہے، ہم ان سب کی نفی کر سکتے ہیں نہ اثبات، کیونکہ ان کا اثبات و نفی کتاب و سنت میں وارد نہیں ہوا اور نہ سلف امت سے منقول ہوا ہے۔“

اس بڑے دعوے کے مقابلے میں یہاں صرف اتنی سی مختصر بات عرض ہے کہ کتاب و سنت میں ہزاروں باتوں کی نفی خدائے برتر کی منزہ ذات سے نہیں کی گئی، تو کیا ان کے بارے میں بھی یہی چھوٹ دے دی جائے گی؟ اور کیا ایسے کھٹلہ شیء اور الرحمن یخلق کمن لا یخلق کی تصریح کے بعد ایسی کبھی بات کا دعوے درخود اٹھنا ہو بھی سکتا ہے؟ اور مرقاۃ مفہومہ ص ۱۳۷ ج ۲ میں بحوالہ حافظ عراقی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اشعری باقلائی سے نقل ہوا کہ ان سب کے نزدیک خدا کے لئے جہت کا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے۔ اور امام احمد سے نفی جہت و نفی تشبیہ و تمثیل کو محققانہ بحث علامہ ابن جوزی جنبل و علامہ حنی وغیرہ نے کر دی ہے جس کے بعد حافظ ابن تیمیہ کا دعویٰ

”لہ پھر لڑائی ص ۳۵ میں جہت فوق کو خدا کے لئے کیوں ثابت کیا ہے؟“ سلف حافظ ابن تیمیہ نے اپنے لڑائی ص ۲۳۰ ج ۵ میں لکھا: ”اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جس شخص نے رب کو جسم من جنس الخلوقات قرار دیا وہ ضلالت و گمراہی کے یل سے اعظم المبتدہ میں سے ہے یہاں جسم کے ساتھ قید کا کریمیری صورت نکال لی۔“ ص ۲۳۴ میں نقل کیا کہ حضرت امام مالک سے اہل بدعت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ”وہ ایسے لوگ ہیں جو باری تعالیٰ کے اسماء و صفات، کلام، علم و قدرت میں کلام کرتے ہیں اور ان باتوں کے کہنے سے نہیں رکھتے جن سے صحابہ و تابعین نے سکوت کیا تھا۔“ اس دور کے سلفی و حنبلی انصار السنہ نے شیخ عبداللہ بن الامام احمد کی کتاب السنہ بھی شائع کر دی ہے جس میں ص ۵ کیا استواء، بغیر جلوس کے ہو سکتا ہے؟ ص ۷۰ میں ہمارا رب کرسی پر بیٹھا ہے تو اس سے نئے کجاوے کی طرح آواز نکلتی ہے، ص ۷۱ دہ کرسی پر بیٹھا ہے تو اس سے صرف چار انگلی کی جگہ بچتی ہے، ص ۱۳۲ شروع دن میں رحمن کا بوجھ ماٹین عرش پر زیادہ بھری ہوتا ہے جب شرک عبادت کرتے ہیں، پھر جب مومنین عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے وغیرہ اور حافظ ابن تیمیہ کے کھردر نام داری تجزی کی کتاب انقض کے ص ۱۹۲ اور ص ۱۸۲ میں ہے کہ حدیث ابی ذؤب و ابی طیب عرش کا جوڑ کر ہے وہ خدا کے عرش پر بوجھ کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس کا بوجھ لوہے پتھروں کے نیلوں کی طرح ہے۔

سلف حافظ ابن قیم نے اپنے عقیدہ نوہیہ میں کہا: ”اللہ تعالیٰ عرش و کرسی پر ہے اور کرسی پر اس کے دونوں قدم ہیں اور وہ اوپر سے ہی مخلوق کو دیکھتا اور ان کی باتیں سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محمد ﷺ کو اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ عرش پر بیٹھے ہوئے دیکھے جائیں گے، کیا یہ یا کسی قسم کے اغاظ سلف امت سے منقول ہوئے ہیں؟ مینوا تو جروا (مؤلف)

سلف تفہیم القرآن ص ۴۰۰ آیت ۳۷۱ استمع من فی السماء کے ذیل میں لکھا: ”اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر رہتا ہے، ص ۵۷ ج ۱ میں خدا کے عرش پر بیٹھے ہوئے اور اس کے لئے جسم، جہت و مقام کی نفی کی ہے، ص ۳۰۹ ج ۶ میں مخلوقات سے تشبیہ دینے کے ہر پہ کو فاسد عقیدہ قرار دیا ہے، ص ۳۳۳ ج ۶ میں خدا کے لئے، یک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے عقیدہ کی نفی کی ہے۔“

طاعی قارئین نے لکھا: ”امام رازی کا قول کتنا اچھا ہے کہ خدا کو جسم ماننے والا کبھی بھی خدا کی عبادت نہیں کرتا، کیونکہ وہ تو اپنے غلط عقیدے کی وجہ سے ہر س چیز کی عبادت کرتا ہے جس کی صورت اس کے ذہن میں قائم ہے حالانکہ خدا ان سب مخلوقات کی تصورات سے منزہ ہے اور لکھا: ”حق تعالیٰ تمام اوصاف اجسام سے منزہ ہے اور نہ وہ کسی اور پر یا نیچے کے مکان میں متمکن ہے، نہ اس پر زمان کا اطلاق و اجراء ہو سکتا ہے، نہ وہ کسی چیز کے اندر محلول کرتا ہے یہ سب شبہ، مجسمہ اور صویہ کے ادہام ہیں۔“ (شرح فقہائے کبیر ص ۳۳) ص ۳۳۲ میں لکھا: ”الرحمن علی العرش استوی وغیرہ آیات میں صفات تشابہات بیان ہوئی ہیں، جن کی کیفیت مجہول ہے اور ان سب پر بلا کیف و تشبیہ وغیرہ کے ایمان لانا چاہئے۔“ (مؤلف)

نہ کو محض دعوے بلا دلیل رہ جاتا ہے اور کیا ان کے نزدیک ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر امت سلف امت میں داخل نہیں تھے؟ واضح ہو کہ یہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ و طیل القدر و محققانہ کتاب (ملا علی قاری حنفیؒ کی) ہے کہ اس کی محققانہ نقول پر سلفی و جمعی حضرات بھی اعتماد کرتے ہیں اور قریبی دور کے علامہ مبارکپوریؒ نے تو اپنی شرح ترمذی شریف ”تحفۃ الاحوذی“ میں سینکڑوں عبارتیں اس سے نقل کی ہیں اگرچہ بغیر حوالہ کی نقول بھی کثرت سے ہیں اور یہ بات علامہ مرحوم کے لئے مناسب نہ تھی۔

## حرف آخر

ائمہ اربعہ کے دور مبارک و میمون میں احادیث و آثار صحابہ و تابعین اور تعامل خیر القرون کو پوری طرح سامنے رکھ کر لاکھوں فروغی مسائل کے صحیح فیصلے مدون ہو چکے تھے اور تمام اسلامی ملکوں میں فقہ اسلامی کے احکام بھی جاری ہو چکے تھے اور امام بخاریؒ وغیرہ سے پہلے ایک سو ۱۰۰ کے قریب احادیث صحاح و آثار صحابہ و تابعین کے مجموعے تالیف ہو کر منظر عام پر آ گئے تھے کہ امام بخاریؒ نے اسحاق بن راہویہ کی تحریک پر صحیح مجرد کی تالیف کی اور آثار صحابہ و تابعین کو درمیان سے ہٹا دیا، جس کے نتیجہ میں عدم تقلید ائمہ اربعہ کا دروازہ کھل گیا اور صرف احادیث کو سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے اجتہاد سے فیصلے کرنے کا مستحق بن گیا، خواہ وہ علم رجال سے بھی واقف نہ ہو، حالانکہ فن حدیث کا نصف علم رجال کی واقعیت پر مبنی ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت کسی زمانہ میں بھی کم نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی، لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ انحطاط عظیم بھی دیکھ لیا کہ اب بہت سے شیوخ حدیث اور بڑے بڑے مدارس کے بخاری پڑھانے والے بھی علم رجال سے نااہل اور شروح و کتب حدیث کے مطالعہ سے عاری ہونے لگے، اس طرح بقول ایک علامہ حدیث کے ایسے اساتذہ بخاری شریف پڑھائیں گے تو ان کے تلامذہ غیر مقلد ہی نہیں گے الا ماشاء اللہ، یہ بات تو فروغی مسائل سے متعلق تھی، علم اصول و عقائد کی تاریخ یہ ہے کہ صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ و اصحاب ائمہ کے دور تک زیادہ ضرورت پیش نہ آنے کے باعث بہت کم مسائل کی تحقیق و تنقیح ہو سکی تھی، البتہ بعد کے حضرات نے حسب ضرورت و اہمیت زیادہ توجہ کی چنانچہ امام احمدؒ کے بعد علامہ محدث محمد بن یحییٰ ذہبی م ۲۵۹ھ (تلمیذ امام اعظمؒ بیک واسطہ) نے خلف قرآن کے مسئلہ پر نہایت زور دیا وہ ارباب صحاح کے استاذ تھے اس لئے اپنے تلمیذ امام بخاریؒ کی تلفظ بالقرآن والی مساحت بھی برداشت نہ کر سکے اور اعلان کر دیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والا بھی مبتدع ہے اس طرح استاذ محترم کی طرف سے اپنے وقت کے امام حدیث بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث کو ابتداء کا داغ لگ گیا کیونکہ باب عقائد میں ہال کی کھال نکالی جاتی ہے اور کسی کے ساتھ ادنیٰ رعایت بھی نہیں کی جاتی، امام ذہبیؒ کے بعد اکابرین سے امام طحاوی حنفی م ۳۲۱ھ نے عقائد پر مستقل تالیف کی عقیدہ الطحاوی اور کتاب فی النحل و احکامہا ۴۰ جزو۔ پھر ابوالحسن اشعریؒ م ۳۳۳ھ نے اول الایمانہ لکھی تھی بعد کو مقالات الاسلامیین، پھر علامہ ابو منصور ماتریدی م ۳۳۳ھ نے تمام مسائل اصول و عقائد پر عمدہ کتابیں لکھیں اور ان کے بعد مندرجہ ذیل حضرات کبار محدثین و متکلمین محققین امت کی خدمات سامنے آئیں۔ علامہ ابوالقاسم لاکانی م ۴۱۸ھ، شیخ ابوالحسن اسفرائینی م ۴۱۸ھ، علامہ ماوردی شافعی م ۴۵۰ھ، علامہ بیہقی م ۴۵۸ھ (جن کی کتاب الاسماء والصفات تعلیقات کوثری کے ساتھ بھی مصر سے شائع ہوئی ہے) علامہ ابن عبد البر م ۴۶۳ھ، علامہ قشیری م ۴۶۵ھ، علامہ ابوالمنظف اسفرائینی م ۴۶۵ھ (جن کی التبصیر فی الدین علامہ کوثری کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی اور نہایت مفید کتاب ہے) علامہ باجی م ۴۶۶ھ (استاذ امام الحرمین شافعی م ۴۶۸ھ، (استاذ امام غزالی) شیخ الاسلام ہروی م ۴۸۱ھ، امام غزالی م ۵۰۵ھ، علامہ کلوزانی م ۵۱۰ھ، علامہ ابن عقیل جنبل م ۵۱۳ھ، قاضی عیاض م ۵۴۴ھ، علامہ ابوبکر بن العربی م ۵۴۶ھ (صاحب عارضۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی، والعوامم و اقوالہم)، علامہ ابن الجوزی حنبلی م ۵۹۹ھ، علامہ موفق بن قدامہ حنبلی م ۶۲۰ھ، علامہ ابن نقطہ حنبلی م ۶۲۹ھ، علامہ عز الدین بن عبد السلام م ۶۶۰ھ (جنہوں نے متاخرین حنابلہ کے ابتداء

حرف وصوت کے خلاف احتقان حق کیا اور تاریخوں کے خلاف جہاد میں بھی داد شجاعت دی (علامہ فضل اللہ توریشی م ۶۶۱ھ، علامہ قرطبی ۶۶۵ھ، علامہ نووی م ۶۷۶ھ، علامہ نسفی ۶۸۶ھ وغیرہ۔

ان سب اکابر امت نے جن مسائل اصول و عقائد کے محققانہ فیصلے کر دیئے تھے، حافظ ابن تیمیہؒ نے آ کر ان سب کو الٹ پلٹ دیا اور بہت سے اہم معتقدات میں اپنی الگ رائے قائم کر لی اور اپنے تفرقات پر اس قدر سختی سے جم گئے کہ کسی کی نہ سنی، ہر تفرقہ کے ساتھ بڑے بڑے دعوئے کئے جو ثابت نہ ہو سکے، اپنی تائید میں بڑوں کے اقوال پیش کئے تو وہ صحیح نہ نکلے، اپنے نظریات خلاف جمہور کے لئے ضعیف اور شاذ و منکر احادیث کا سہارا لیا اور دوسروں کی حسن و ضعیف حدیثوں کو باطل قرار دیا جس کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت کافی ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے رد شیعہ کے زور میں آ کر احادیث زیادہ (عمدہ معتبر روایات) کو بھی رد کر دیا۔ لسان المیزان ص ۳۱۹ ج ۶، ساری احادیث زیارۃ و توسل کو موضوع و باطل کہہ دیا اور آج بھی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز چانسلمدینہ جیسے ذمہ دار اکابر حج و زیارت پر کتنا بچے لکھ کر مفت شائع کرتے ہیں تو ان میں بھی احادیث زیارۃ کو موضوع کہتے ہیں گویا ان حضرات کے دماغ حافظ ابن تیمیہ کے تفرقات کی طرف سے ایک انچ بھی ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اس جوہد و تصعب مفروضہ کے ساتھ مرکز اسلام حرمین شریفین کے بڑے بڑے علمی و دینی عہدوں پر فائز ہیں، والے اللہ اعلم بالصواب۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے امام الحرمین اور حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کی تکفیر کی بلکہ ان کے کفر کو یہود و نصاریٰ کے کفر سے زیادہ سخت بتلایا، تمام علماء مذہب اور سلاطین مصر و شام وغیرہ نے حافظ ابن تیمیہ سے متفقہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ آیات و احادیث صفات باری سے تعرض نہ کریں اور ان کے بارے میں اپنے متفرق نظریات لوگوں میں نہ پھیلائیں تو خود موصوف ہی کا بیان ہے کہ میں نے اس مطالبہ کے جواب میں کہہ دیا کہ قرآن و حدیث میں علم چھپانے پر سخت وعید وارد ہے، اس لئے کسی عالم کو ایسی بات کا حکم نہیں کیا جاسکتا، جس کے ارتکاب سے وہ خدا کی لعنت کا مستحق بنے، دونوں قاصد میرا جواب لے کر چلے گئے اور عرصہ تک نہ آئے پھر آئے تو کوئی کام کی بات لے کر نہ آئے اور صرف میرے بلانے اور حاضری کا مطالبہ کیا تو اس پر میں نے بہت سخت جواب دیا اور بلند آواز میں ان سے کہا: ”اے شریعت کو بدنے والو! اے شریعت سے ارتداد کرنے والو! اے زندیقو! اور اسی قسم کے بہت سے سخت جملے میں نے ان کو کہے، پھر میں کھڑا ہو گیا اور دروازہ کھلوا کر اپنی جگہ لوٹ گیا، ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۵ ج ۵، مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء۔

بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حافظ ابن تیمیہؒ کی زمانہ میں بڑے بڑے علماء شام و مصر و مغرب نے ان کے تفرقات کا رد کیا تھا اور ان کے تفرقات علماء اہل سنت کی نظر میں مردود تھے، تو ان کی مخالفت پر اب کیا رد و قدح کا موقع ہے؟ جب حافظ ابن تیمیہ کی نظر میں امام الحرمین و امام غزالی کے عقائد کفریہ تھے اور تمام علماء وقت کے متفقہ مطالبہ کو ٹھکرا کر ان سب کو بھی مرتد و زندیق بتلایا گیا تو کیا ہمارے واسطے اس امر کی کھوج لگانی ضروری نہیں ہو جاتی کہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے مقابل جمہور علماء متقدمین و متاخرین کے مابین اختلاف اتنا شدید کیسے ہوا اور بنیادی نقاط اختلاف کیا کیا ہیں؟ اور آج جو تفرقات حافظ ابن تیمیہ کی طرف دعوت عام بڑے وسیع پیمانے پر دی جا رہی ہے، اس سے جمہور امت کے مسلک پر کیا کچھ اثرات پڑیں گے، ظاہر ہے ان سے غفلت برتنا سخت مضر ہوگا۔ اللہ یو حمنا وایاہم

راقم الحروف نے طرفین کی کتابوں کا پورا مطالعہ کیا ہے اس لئے حسب ضرورت کچھ لکھنا پڑتا ہے ورنہ ضرورت اس کی ہے کہ جس طرح تفصیل سے ہم نے یہاں اور اس سے پہلی جلد میں زیارت و توسل پر لکھا ہے اس طرح الگ سے کتابیں لکھی جائیں اور ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے تاکہ اس دعوت عامہ کا تذکرہ و جواب ہو سکے، جو سلفی، تبعی و بابی حضرات کی طرف سے حافظ ابن تیمیہ کے تفرقات خلاف جمہور و سلف کی بڑے پیمانے پر اشاعت سے برپا ہو رہی ہے۔ واللہ الموفق وهو الہادی الی طریق مستقیم، نسأل اللہ

## باب هل يقال مسجد بنی فلان؟

(کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد فلاں لوگوں کی ہے؟)

۴۰۶. حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن نافع عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ سابق بين الخيل التي اضمزت من الحفيا و امدها ثنية الوداع وسابق بين الخيل التي لم لضمو من الغنية الى مسجد بنی زريق و ان عبد الله بن عمر كان لهما سابق بها.

ترجمہ: ہم سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا کہ ہمیں مالک نے نافع کے واسطے سے خبر پہنچائی وہ عبد اللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کی جنہیں (جہاد کیلئے) تیار کیا گیا مقام ہیاہ سے دوڑ کرائی اس دوڑ کی حد حنیۃ الوداع تھی اور جو گھوڑے ابھی تیار نہیں ہوئے تھے، ان کی دوڑ حنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک کرائی، عبد اللہ بن عمر نے بھی اس گھوڑ دوڑ میں شرکت کی تھی۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ آں حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کسی مسجد کی اس طرح نسبت کی جاتی تھی اگرچہ قرآن مجید میں ہے کہ مسجدیں خدا کی ہیں لیکن ان کی نسبت اس میں نماز پڑھنے والوں یا اس کے بنانے والوں کی طرف کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جس گھوڑ دوڑ کا حدیث میں ذکر ہے اس میں شریک ہونے والے دو گھوڑے تھے جنہیں جہاد کے لئے تیار کیا گیا تھا (اس سے متعلق مفصل احادیث اور ان پر بحث کتاب الجہاد میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ)

حافظ نے لکھا کہ جمہور کے نزدیک اس نسبت کا جواز ہی ہے، البتہ ابراہیم خفی اس کو مکروہ کہتے تھے لقولہ تعالیٰ وان المساجد لله، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت تمیز کے لئے ہے ملکیت جملانے کے لئے نہیں۔ (فتح الباری ص ۳۳۸ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حجاج بھی اپنے زمانہ میں اس نسبت کو ناپسند کرتا تھا اور یہی دلیل دیتا تھا وہ اس امت کا ظالم ترین شخص ہوا ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت اس کی تکفیر کی بھی ہے جیسا کہ انہوں نے یزید کی بھی تکفیر کی ہے، ترمذی میں ہے کہ اس نے صحابہ و تابعین میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد قتل کئے تھے۔ (فیض الباری ص ۳۸ ج ۲)

## باب القسمة و تعليق القنو فی المسجد

(مسجد میں) (کسی چیز کی) تقسیم اور خوشے کا لگانا

قال ابو عبد الله القنوا لعذق والاثنان قنوان والجماعة ايضاً قنوان مثل صنو و صنوان وقال ابراهيم يعني ابن طهمان عن عبد العزيز بن صهيب عن انس قال اتى النبي ﷺ بمال من البحرين فقال انشروه فى المسجد و كان اكثر مال اتى به رسول الله ﷺ فخرج رسول الله ﷺ الى الصلوة ولم يلمت اليه فلما قضى الصلوة جاء فجلس اليه لما كان يرمى احداً الا اعطاه اذ جاءه العباس فقال يا رسول الله اعطني فاني فاديت نفسي و فاديت عقيلاً فقال له رسول الله ﷺ خذ فحثا فى ثوبه ثم ذهب يقله، فلم يسطع فقال يا رسول الله! مر بعضهم يرفعه الى قال لا قال فارفعه انت على قال لا فشر منه ثم ذهب يقله، فقال يا رسول الله! مر بعضهم يرفعه الى قال لا قال فارفعه انت على قال لا فشر منه ثم احتمله فالفاه على كاهله ثم انطلق فما زال رسول الله ﷺ يتبعه بصره حتى خفى علينا عجباً من حرصه فما قام رسول الله ﷺ و ثمة منها درهم.

ترجمہ: ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا کہ قنوکے معنی مذق (خوفہ کھجور) کے ہیں، دو کے لئے قنوان آتا ہے اور جمع کے لئے بھی یہی لفظ آتا ہے جیسے صنواور صنوان، ابراہیم بن طہمان عبدالعزیز بن صہیب کے واسطے سے حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے یہاں بحرین کا مال آیا، آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو یہ ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جو اب تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آچکے تھے پھر نبی کریم ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، جب آپ نماز پوری کر چکے تو آکر مال کے قریب تشریف فرما ہوئے آپ اس وقت جیسے بھی دیکھتے اسے عطا فرماتے، اتنے میں حضرت عباسؓ تشریف لائے اور فرمایا یہ رسول اللہ مجھے بھی عطا کیجئے کیونکہ میں نے اپنا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی (یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں مسلمانوں کے قیدی تھے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لیجئے، انہوں نے اپنے کپڑے میں لیا، پھر اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھا سکے (وزن کی زیادتی کی وجہ سے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ کسی کو حکم فرمائیے کہ اٹھانے میں میری مدد کرے، آپ نے فرمایا، نہیں، انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اٹھا دیجئے، آپ نے اس پر بھی انکار کیا، اس لئے حضرت عباسؓ نے اس میں سے تھوڑا سا حصہ گرا دیا اور باقی، اندہ کو اٹھانے کی کوشش کی (لیکن اب بھی نہ اٹھا سکے) پھر فرمایا یا رسول اللہ کسی کو میری مدد کرنے کا حکم دیجئے، آپ نے انکار کیا تو انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اٹھا دیجئے، لیکن آپ نے اس سے بھی انکار کیا، اس لئے اس میں سے تھوڑا سا اور سامان گرا دیا، اب اسے اٹھا سکے اور اپنے کا ندھ پر لے لیا، رسول اللہ ﷺ کو ان کی حرص پر اتنا تعجب ہوا کہ آپ اس وقت تک ان کی طرف برابر دیکھتے رہے جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک ایک درہم بھی باقی رہا۔

**تشریح:** چونکہ احادیث میں مساجد کے اندر عبادت کے سوا دوسرے امور کی ممانعت آتی ہے، مثلاً ارشاد ہے کہ ان مساجد میں لوگوں کے لئے دوسرے کام مناسب نہیں، (المع ص ۱۶۰ ج ۱) اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر کے تلاش کرے تو اس سے کہنا چاہئے کہ خدا تیری چیز نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں، ایک حدیث سنن میں مساجد کے اندر خرید و فروخت کی ممانعت ہے اور اشعار پڑھنے کی بھی، بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے طائف کے دو شخصوں سے کہا: اگر تم شہری باشندے ہو تو میں تمہاری مرمت کرتا ہوں مسجد نبویؐ میں بلند آواز سے بول رہے ہو، ان کے علاوہ دوسری احادیث کنز العمال میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حتیٰ کہ یہ بھی وارد ہے کہ مسجد میں بٹنے سے قبر میں تاریکی ہوگی اور یہ کہ مسجد میں ہر کلام لغو ہے۔ بجز قرآن مجید و ذکر اللہ اور کسی خیر کے لین دین کے۔ (حاشیہ الماع ص ۱۶۰ ج ۱)

حافظ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی، شاید اس لئے کہ اس کی احادیث ان کی شرط کے مطابق نہ ہوگی، لہذا انسانی وغیرہ کی حدیث کی طرف اشارہ کر گئے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی اجازت سے لوگ صدقہ کے خرمائی خوشے مسجد نبویؐ میں لا کر لٹکا دیا کرتے تھے کہ جس طرح وہ مستحقین و محتاجین کے لئے ہوتے تھے، یہ بحرین سے آیا ہوا مال بھی ضرورت مند لوگوں کے لئے تھا۔ (فتح الباری ص ۳۳۸ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: (۱) امام بخاریؒ نے یہاں سے ان افعال کا ذکر شروع کیا جو جنس نماز و اذکار سے خارج ہیں، اور پھر بھی مسجد میں کئے گئے ہیں اور اس سے وہ اپنے وسیع مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس باب میں تقسیم ماں ثابت کی، جبکہ ہمارے فقہاء، مسجد کے اندر کلام و طعام وغیرہ کو مکروہ فرماتے ہیں اور تقسیم اموال وغیرہ کو بھی، کیونکہ مساجد ان کاموں کے لئے موزوں نہیں ہوتیں، امام بخاریؒ دور تک ایسی احادیث کا ذکر کریں گے، حالانکہ وہ سب خاص خاص واقعات تھے، جن کا انکار فقہاء کو بھی نہیں ہے اور وہ ان امور کو صرف بطور عادت اختیار کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اگر ایک دو بار ایسا ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے، لہذا امام بخاریؒ اگر ان جزوی واقعات سے مسجد کے احکام میں توسع پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو دوسرے افعال احیاناً ثابت ہوئے

ہیں، ظاہر ہے کہ مساجدان کے لئے نہیں بنائی گئیں، پھر جبکہ نفل نمازوں کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ گھروں میں پڑھی جائیں اور مساجد میں صرف فرائض ادا ہوں، تو دوسرے اعمال و افعال کے لئے مستقل طور سے گنجائش نکالنے کی سعی کا کیا موقع ہے؟! قطعاً خفیہ کے نزدیک مسجد میں بھی جائز ہے، کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں ہے، شافعیہ کے یہاں ممنوع ہے، تدریس میں بھی اختلاف ہے۔ خفیہ اس کو مسجد میں بلا اجرت جائز اور اجرت کے ساتھ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں نہ رہی)

(۲) حضرت نے مزید فرمایا کہ مجھے اس امر میں بھی تردد ہے کہ تقسیم اموال، بحرین وغیرہ معاملات مسجد کے اندر پیش آئے تھے، کیونکہ علامہ سمودئی نے ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کا قبلہ پہلے بیت المقدس کی طرف تھا پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو دوسری مقابل جانب میں ہو گیا اور وہ حصہ مشفق ہو گیا جبکہ پہلا حصہ صفہ کھلایا جانے لگا۔ کتب فقہ میں یہ بھی ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو بوقت ضرورت اس سے خارج بھی کر سکتے ہیں، لہذا یہ سب توسعات جو امام بخاریؒ نے ذکر کی ہیں، پہلے حصہ میں ہوئی ہوں گی جو بعد کو مسجد کے حکم میں داخل نہ ہاتھا، اگرچہ بعد کو بھی اس حصہ کو مسجد کہا جاتا رہا۔ راویوں نے بھی توسع کر کے اس کو مسجد ہی کہا اور عرفا اس کی گنجائش بھی تھی، علامہ ذہبی نے بھی لکھا ہے کہ صفہ اجزاء مسجد میں سے تھا پھر اس سے خارج کر دیا گیا تھا، اس تحقیق پر بھی امام بخاریؒ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور ان کے لئے یہ اجمالی جواب ہر جگہ جاری ہوگا۔

(۳) اس کے سوا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ بحرین کا مال (جو تقریباً ایک لاکھ درہم تھا) مسجد میں اس لئے بھی جمع کرنا پڑا تھا کہ اس وقت تک بیت المال نہیں بنا تھا اور اس کو کسی صحابی کے یہاں رکھنا بھی بدگمانیوں کا سبب بن سکتا تھا اور خود حضور علیہ السلام بھی اس متاع دنیوی کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

ان سب قرائن و شواہد کے موجود ہوتے ہوئے اگر حضور اکرم ﷺ نے وہ سب مال مسجد نبوی میں ڈھیر کر کر فرمایا تقسیم بھی کر دیا تو کیا یہ بات موزوں و مناسب قرار دی جاسکتی ہے کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنالیا جائے؟ نہیں بلکہ اس کو بطور ایک واقعہ جزئیہ خاصہ کے سمجھنا زیادہ بہتر ہے، اور ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا۔

فائدہ مہمہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ وضع تراجم ابواب کے بارے میں سابق غایات ہیں، یعنی ان کی یہ فضیلت و عزیت بے مثال ہے، مگر اس میں جہاں امت محمدیہ کے لئے غیر معمولی منافع و فوائد ہیں، وہاں ایک بڑی مضرت و نقصان بھی ہے، کیونکہ ایک حدیث کسی خاص حادثہ کے موقع پر وارد ہوتی ہے اور قرآن مجید بتلاتے ہیں کہ اس وقت آپ نے کیا حکم اور کس وجہ سے دیا تھا، مگر امام بخاری کے ترجمہ الباب اور توسع کی وجہ سے دوسرا شخص مغالطہ میں پڑ جاتا ہے اور اس حکم نبوی کو حکم مطرود عام سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا: حضرت عباسؓ نے زیادہ مال کی ضرورت فد یہ دینا بتلائی کیونکہ ایسے معاملات کے لئے کثیر رقوم کی ضرورت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ وہ اپنا افلاس و فقر بتلانا چاہتے تھے، جو بعض شارحین نے غلط طور سے سمجھا ہے کیونکہ وہ بعد تک اچھے مالدار صحابہ میں سے تھے، حضور علیہ السلام غریب مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان سے ان کے مال کی دود و سائل کی زکوٰۃ وصول کر لیا کرتے تھے وغیرہ۔ (لامع ص ۱۶۱ ج ۱)

حدیث الباب کے آخری جملوں پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حضرت عباسؓ کا بہت زیادہ لحاظ و احترام کرتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ اور ان کا جھگڑا ہوا اور حضور کے پاس آئے تو آپ نے فاروق اعظمؓ کو فرمایا کیا تم نہیں جانتے ”عم الرجل صنو ابیہ“ (بچا کا درجہ باپ کے برابر ہے) یہ بھی ثابت ہے کہ کچھ چھوٹا موٹا کام بھی آپ حضرت عباسؓ کے یہاں جا کر کر دیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

## سخن ہائے گفتنی

راقم الحروف کو یہاں بلا تمہید کچھ ضروری معروضات بطور حاصل مطالعہ و ذاتی تاثرات پیش کرنی ہیں، واللہ الموفق والمعين :- امانہ



بخاریؒ نے جن حالات و ماحول میں صحیح بخاری شریف تالیف کی تھی اور خود امام بخاری کے ضروری حالات و سوانح۔ ان کی تمام تالیفات کا تعارف وغیرہ مقدمہ انوار الباری جلد دوم میں مذکور ہیں اور ان کا اپنے اذہان میں حاضر رکھنا تمام ناظرین انوار الباری کے لئے نہایت ضروری ہے، ورنہ وہ اس تالیف سے پوری طرح استفادہ نہ کر سکیں گے، یہاں اتنی بات ضرور تازہ کر لیں کہ امام بخاریؒ نے شیخ اہلق بن راہویہ وغیرہ اپنے خصوصی اساتذہ و اصحاب کے مشورہ سے صحیح بخاری کی تالیف کا تہیہ کیا، جس میں صرف صحیح مجرد احادیث جمع کیں، گویا سابق طرز محدثین کے خلاف طریقہ اپنایا جو احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین بھی جمع کرتے تھے، مثلاً محدث ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ و محدث عبدالرزاق بن ہمام م ۲۱۱ھ) ان دونوں نے اپنے اپنے مصنف میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین بھی جمع کئے تھے جن سے سنن نبویہ اور حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال کی پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے، ان دونوں کے مصنف نے فقہائے محدثین اور ائمہ مجتہدین کے استنباطی مسائل اور مدارک اجتہاد تک رسائی حاصل کر لینا نہایت آسان کر دیا تھا اور اب کہ مصنف عبدالرزاق ۱۴ جلدوں میں ”مجلس علمی“ ذابھیل و کراچی سے شائع ہو گئی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ کی بھی چار جلدیں حیدرآباد سے شائع ہو گئی ہیں، ان سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے، مگر جیسا کہ اہلق بن راہویہ ”کہا کرتے تھے کہ امام بخاریؒ نے ”التاریخ النکبیر“ لکھ کر گویا سر کر دیا ہے، مجھے بھی یہ کہنے دیجئے کہ امام بخاریؒ نے ”صحیح بخاری شریف“ تالیف کر کے بھی محرکائی کام کیا تھا جس سے ان سے قبل کے تقریباً ایک سو اکابر محدثین کی حدیثی تالیفات اور پھر بعد کی کتب صحاح بھی محرز وہ سی ہو کر رہ گئیں، حالانکہ خود امام بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ میں نے حدیث کی ایک مختصر کتاب لکھی ہے جس میں صحیح روایات کا التزام کیا ہے، اور چھ لاکھ احادیث میں سے (ان ۲۵۱۳ غیر مکرر کا) انتخاب کیا ہے اور بہ کثرت احادیث صحاح کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے، اور یہ منتخب ذکر کردہ احادیث میرے لئے اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان محبت کا کام دیں گی (مقدمہ صحیح بخاری ص ۴) گویا بقول خود امام بخاریؒ کا ارادہ صرف اپنے فقہی مسلک کے مطابق احادیث سبجا کر کے پیش کرنا تھا تا کہ حق تعالیٰ کی جناب میں اپنے اختیار کردہ مسلک کے لئے حجت پیش کر سکیں، یہ مقصد نہ تھا کہ وہ دوسرے تمام فقہی مسلک کو حدیثی نقطہ نظر سے باطل قرار دیں، کیونکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ دوسرے مسلک کے لئے بھی صحیح احادیث اور آثار صحابہ و تابعین موجود ہیں، اسی لئے بڑا اعتراف فرماتے تھے کہ میں نے بہ کثرت صحیح احادیث بوجہ طوالت ترک کر دی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ایک طبقہ اسی وقت سے برابر اب تک ایسا بھی موجود رہا جو صحیح بخاری کی آڑ لے کر دوسرے فقہی مذاہب کی تقلید کرتا رہا اور ایک جماعت اہل ظاہر محدثین کی بھی ائمہ مجتہدین کے خلاف ریشہ و انیاں کرتی رہی۔

امام بخاریؒ کی مذکور مقصد کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ وہ صرف اپنے فقہی مسلک کے موافق احادیث پیش کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب ائمہ کی مستند احادیث پیش نہیں کرتے، برخلاف دوسرے محدثین صحاح امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد و امام نسائی وغیرہ کے کہ وہ سب ہی احادیث ماثورہ صحیح ذکر کر دیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی فقہی مذاہب کی مؤید ہوں اور ساتھ ہی آثار صحابہ و تابعین بھی لاتے ہیں اگرچہ محدث ابن ابی شیبہ و محدث عبدالرزاق کی طرح استقصاء نہیں کرتے، یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ امام بخاریؒ کا فقہی مسلک کسی دور میں بھی جاری نہ ہو سکا نہ اس کو تلقی یا بقول حاصل ہو سکی، حتیٰ کہ خود ان کے تلمیذ رشید امام ترمذی بھی جہاں دوسرے فقہی مذاہب یہ تفصیل ذکر کرتے ہیں، امام بخاریؒ کا مسلک ذکر نہیں کرتے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ امام اوزاعی وغیرہ ایسے جلیل القدر فقہاء کے فقہی مسلک بھی صرف تھوڑی مدت تک چل کر ختم ہو گئے تھے، جو مسلک شروع سے اب تک قائم ہیں، وہ صرف ائمہ اربعہ کے ہیں، ان میں سے امام اعظمؒ کے پیرو سب سے زیادہ (تقریباً دو تہائی افراد امت محمدیہ) رہے ہیں، پھر یہاں یہ بھی محفوظ کر لیجئے کہ چار ائمہ و مذاہب فقہیہ کو علمائے امت نے ”کاسرۃ واحده“ قرار دیا ہے، یعنی سب ایک خاندان کے فرد تھے، جنہوں نے اپنے اپنے علم و فہم اور بصیرت و اجتہاد کے موافق قرآن مجید، احادیث نبویہ اور آثار و تعامل صحابہ و تابعین کی روشنی میں مسائل غیر منصوصہ کے احکام مستنبط کئے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ، ان کے علاوہ

جو قسمی مسائل اہل ظاہر و سلفیوں کے وقفاً قفاً ظاہر ہوتے رہے ان کی بنیادیں نہایت کمزور ہیں۔

مذہب اربعہ کے تین چوتھائی مسائل میں کوئی اختلاف نہیں ہے، باقی ایک ربح میں بھی جواز عدم جواز یا حلت و حرمت کا اختلاف بہت تھوڑا ہے، زیادہ تر مسنون، غیر مسنون اور افضل غیر افضل کا ہے، جو زیادہ اہم نہیں ہے اور اس معمولی اختلاف کی وجہ سے باہم نزاعات کا سلسلہ ختم ہو جاتا چاہئے، ہر مذہب والے کو دوسرے کا احترام کرنا چاہئے اور نہایت فراخ دلی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر کی طرح رہنا چاہئے، خصوصاً اس لئے بھی کہ کچھ مدت سے اس دور کے اہل ظاہر و سلفی حضرات نے مقلدین مذہب خصوصاً مذہب حنفی کے خلاف سخت ناموزوں رویہ اور غلط پروپیگنڈے کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ مذہب اربعہ میں باہم کچھ فردی مسائل میں اختلاف تو ہے بھی، مگر اصول و عقائد میں سب متفق ایک زبان ہیں جبکہ اہل حدیث و غیر مقلدین کے اصول و عقائد بھی ان سے مختلف ہیں، مثلاً ائمہ اربعہ کے یہاں تقلید جائز اور ان کے یہاں وہ شرک ہے، تو سہل نبوی آئمہ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے نزدیک جائز ہے مگر اہل حدیث و غیر مقلدین کے یہاں وہ شرک و حرام ہے، یہ لوگ حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کی تقلید میں خدا کے لئے جہت و مکان اور استقرار علی العرش وغیرہ تجویز کرتے ہیں، جبکہ جمہور سلف و خلف و ائمہ اربعہ کے نزدیک ایسے عقائد باطل اور حق تعالیٰ کی تنزیہ کے خلاف ہیں، یہ لوگ منکر و شاذ احادیث سے عقائد کا اثبات کرتے ہیں جبکہ آئمہ اربعہ کے اصول سے منکر و شاذ روایات تو کچھ، ضعیف احادیث سے بھی عقائد و اصول کا اثبات درست نہیں، بلکہ ضعیف احادیث سے صرف فضائل اعمال ثابت ہو سکتے ہیں، شریعت کے احکام حلال و حرام تک بھی ان سے ثابت نہیں کئے جاسکتے، پھر یہ حضرات یہاں تو ہر تعظیم غیر اللہ کو بھی شرک قرار دیتے ہیں اور سفر زیارت نبویہ و دیگر زیارت قبور کو جائز کہنے والوں کو قبوری (قبر پرست) بتلاتے ہیں، جبکہ صرف اس فعل زیارت میں کوئی بھی شائبہ شرک یا عقیدہ کی خرابی نہیں مگر خود ایک ضعیف حدیث کی وجہ سے ”عسی ان یبعتک ربک مقاما محمودا“ (آیت اسراء) کی تفسیر میں مقام محمود سے مراد یہ بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ روز قیامت میں حضور علیہ السلام کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا اور عرش الہی میں تھوڑی سی جگہ حضور کو بٹھانے کے لائق خالی رکھی گئی ہے، کیا قیامت کی توحید یہاں سے مختلف ہوگی یا خدا کی تنزیہ جسم و مکان وغیرہ سے وہاں ختم ہو جائے گی، علامہ ابن تیمیہ کے تلمیذ خصوصی حافظ ابن کثیرؒ نے مقام محمود کی تفسیر میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں مگر اس روایت مجاہد کا کوئی ذکر نہیں کیا، جبکہ ان کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ اس کی تفسیر میں ابن تیمیہ و ابن قیم اس روایت کو قبول کر چکے ہیں اور اس پر علماء نے نکیر بھی کی ہے، البتہ علامہ آلوسی نے کچھ کوشش اس امر کی کر دی ہے کہ اس روایت کو بھی کوئی مقام ضرور مل جائے لیکن حیرت ہے کہ وہ اس ضمن میں حدیث طواف باری للارض کو بھی نقل کر گئے (جس کو علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر کیا ہے اور توثیق کی سہی کی ہے) جبکہ علماء محدثین نے اس حدیث کو منکر و شاذ قرار دیا ہے، اور ابن قیم پر سخت نکیر کی ہے، ایسی احادیث ضعیفہ منکرہ و شاذہ کو ضامن بھی ذکر کرنا اس امر کی بڑی دلیل بن سکتی ہے کہ یا تو جیسا کہا گیا ہے کہ تفسیر روح المعانی میں حذف و الحاق کر دیا گیا ہے یا صاحب روح المعانی فن حدیث و رجال میں کامل نہ تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحال عبادہ ولا نحب ان نقول الا ما یرضی بہ ربنا تبارک و تعالیٰ۔

(مزید تفصیل کے لئے اس مقام پر روح المعانی کا مطالعہ ضروری ہے ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ ای ۱۵) ہمارا خیال یہ بھی ہے کہ علامہ ابن کثیر نے باب عقائد میں اپنے استاد علامہ ابن تیمیہ کا زیادہ ساتھ نہیں دیا اور پوری طرح ہر باب میں ہم نوائی صرف علامہ ابن قیم ہی نے کی ہے۔ واللہ اعلم۔

عجیب بات ہے کہ یہ حضرات ”حوادث الاول لہا“ کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، یعنی ایسی احادیث و مخلوق بھی موجود مانتے ہیں جس کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کو خدا کے ساتھ ہمیشہ سے مانتے ہیں اور وہ حدیث بخاری سے استدلال کرتے ہیں، کتاب التوحید میں امام بخاری نے عمران سے یہ روایت کی ”کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء ثم خلق السموات والارض“ الخ جبکہ بدو الخلق میں

امام بخاری نے عمران بنی سے کان اللہ ولم یکن شیء وغیرہ و کان عرشہ علی الماء بھی روایت کی ہے۔ (ان کا استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قبل کوئی نہ تھا لہذا اس کے ساتھ ہو سکتا ہے) کتاب التوحید میں حافظ نے لکھا۔ پہلے امام بخاری نے بدء الخلق میں یہ روایت بلفظ ولم یکن شیء وغیرہ روایت کی ہے اور روایت ابی معاویہ میں کان اللہ قبل کل شیء وارد ہے جو بمعنی کان اللہ ولا شیء وغیرہ ہے اور وہ زیادہ صریح ہے ان کے رد میں جو روایت الباب سے ”حوادث لا اول لہا“ کے قائل و مثبت ہیں، اور یہ ان شنیع و قبیح مسائل میں سے ہے جو ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہیں، میں نے ان کے اس کلام کا مطالعہ کیا ہے جو اس پر انہوں نے کیا ہے اور اس باب کی روایت کو دوسری روایات پر ترجیح دی ہے، حالانکہ جمع بین الروایتین کے قاعدہ سے اس روایت کو بدء الخلق والی روایت پر محمول کرنا چاہئے تھا، نہ کہ برعکس جو انہوں نے کیا اور یوں بھی جمع کی صورت ترجیح پر بالاتفاق مقدم ہوتی ہے۔

آخر میں حافظ نے لکھا کہ ولم یکن شیء وغیرہ سے حدوث عالم پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے تو ہم معیت کی نفی کی گئی ہے، لہذا ہر شی سوائے خدا کے عالم وجود میں آئی ہے بعد اس کے کہ وہ موجود نہ تھی۔ (فتح الباری ص ۳۱۹ ج ۱۳)

اس سے قبل حافظ نے قولہ و کان عرشہ علی الماء و هو رب العرش العظیم پر لکھا کہ جس نے کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء سے یہ سمجھا کہ عرش ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا، اس کا مذہب باطل ہے اور ایسے ہی فلاسفہ کا قول بھی غلط تھا جو عرش کو خالق و صانع کہتے تھے، پھر لکھا کہ یہ بھی فرقہ جبریت کا قول باطل ہے کہ استواء کے معنی استقرار علی العرش کے ہیں، کیونکہ استقرار صفت اجسام کی ہے اور اس سے حلول و تنای خدا کے لئے لازم آتی ہے جو اس کی ذات اقدس کے لئے محال ہے، البتہ استواء بمعنی سلوک ہے اور وہی مذہب حق اور قول اہل سنت کا ہے، الخ (فتح الباری ص ۳۱۳)

واضح ہو کہ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے تبعین عرش کو قدیم بالونوع کہتے ہیں اور عرش پر حق تعالیٰ کا تمکن و استقرار بھی مانتے ہیں جو عقائد جمہور سلف و خلف کے خلاف ہے۔

حافظ نے لکھا کہ طائفہ کے صبح و شام نزول و عروج و سماوی اور حق تعالیٰ کے سوال عن العباد والی احادیث کے ظواہر کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حق تعالیٰ جہت علویں ہے، حالانکہ صحیح مراد علوم مرتبت ہے کیونکہ جہت علو دوسری جہات سے اشرف و افضل ہے اور وہی حق تعالیٰ کے شایان شان ہے (فتح الباری ص ۳۲۱ ج ۱۳ ص ۳۲۲ ج ۱۳)

حافظ نے بدء الخلق والی روایت بخاری کان اللہ ولم یکن شیء وغیرہ پر لکھا کہ روایت غیر بخاری میں ولم یکن شیء معہ مروی ہے اور قصداً ایک ہے، لہذا معلوم ہوا کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوانہ پانی تھا، نہ عرش اور نہ دوسری اشیاء کیونکہ یہ سب غیر اللہ ہیں اور و کان عرشہ علی الماء کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا پھر عرش کو پانی پر پیدا کیا۔

حفاظ نے تنبیہ کے عنوان سے یہ بھی لکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے روایت ”کان اللہ ولا شیء معہ و هو الآن علی ما علیہ کان“ کے بارے میں لکھا کہ یہ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، تو ان کا یہ ردیمارک صرف دوسرے جملے کیلئے صحیح ہے، کیونکہ لفظ ولا شیء معہ اور بخاری کی روایت کا لفظ ولا شیء غیرہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، پھر اس کی نفی کیسے ہو سکتی ہے؟!

پھر حافظ نے و کان عرشہ علی الماء پر لکھا کہ دوسری احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ عرش سے پہلے پانی پیدا کیا گیا اور یہ بھی وارد ہے کہ پانی سے قبل کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی، (فتح الباری ص ۱۸۱ ج ۶) گویا عرش کا قدیم اور ہمیشہ سے خدا کے ساتھ ہونا یوں بھی باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ بھی علامہ ابن تیمیہ سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے اور غالباً اسی سبب سے ان کا رجحان بھی قدم عالم اور حوادث لا اول لہا کی طرف ہو گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو فیض الباری ص ۴ ج ۳)

## شاہ ولی اللہ اور شیخ ابراہیم کردی

بظاہر صورت ایسی ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب موصوف جب ۱۱۴۳ھ میں ہندوستان سے حجاز شریف لے گئے تو وہاں مشائخ حرمین سے استفادہ فرمایا، ان مشائخ میں شیخ ابراہیم کردی بھی تھے جو ایک وسیع الحشر ب سلفی عقیدہ کے عالم تھے اور علامہ ابن تیمیہ کے زبردست حامی اور ہم خیال تھے، چنانچہ ابن آلوسی بغدادی نے بھی جلاء العینین ص ۲۶ میں ان کے متعلق لکھا کہ وہ ”سلفی العقیدہ اور ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے“

### علامہ ابن تیمیہ پر نقد

شاہ صاحب بھی ان کی صحبت میں رہ کر علامہ ابن تیمیہ کے گرویدہ ہو گئے تھے اور قہمات وغیرہ میں ان کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے، بلکہ جوش عقیدت میں آکر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ”جن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے ان کو ان کے علم کا دواں حصہ بھی نہیں ملا ہے“ حالانکہ ان کا رد کرنے والے خود ان کے دور کے بھی اکابر علماء امت کی بہت بڑی تعداد تھی اور اس وقت تک ان پر تنقید کرنے والے علماء کبار کی تعداد ۱۰۰۰ کے قریب پہنچ گئی ہے جو میرے پاس محفوظ ہے، پھر بقول حضرت علامہ کشمیریؒ کے شیخ تقی الدین سبکیؒ تو ان سے ہر علم میں برتر و افضل تھے اور یہاں ہم ابھی حافظ الدین ابن حجر کا نقد بھی فتح الباری سے نقل کر چکے ہیں اور حافظ نے فتح الباری میں متعدد جگہ ان کا رد کیا ہے اور اپنی دوسری تالیفات میں بھی سخت رد کرتے ہیں تو کیا کوئی بھی بالبعیرت و مقیظہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ابن تیمیہ حافظ الدین سے بھی بڑے عالم تھے، درحقیقت اصل قیمت تجر و وسعت علمی سے زیادہ ایک عالم کے صواب و ناصواب فیملوں سے معلوم ہوتی ہے اور جس عالم یا علامہ کے تفردات اور جمہور امت سے ہٹ کر الگ فیصلے زیادہ ہوں اس کو ہم زیادہ تقدم دے کر شریعت حق کی حمایت و نصرت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

### علامہ ابن تیمیہ اور شاہ عبدالعزیزؒ

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سامنے علامہ ابن تیمیہ کا معاملہ پیش کیا گیا اور رائے معلوم کی گئی تو آپ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ میں تو ان کی منہاج السنہ کا مطالعہ کر کے بہت ہی متوحش ہو گیا ہوں اور میں نے ان کی وہ کتابیں بھی مطالعہ کیں جو حضرت والد صاحبؒ کے مطالعہ میں نہیں آئی تھیں اس لئے میری ان سے خوش عقیدگی قائم نہ رہ سکی، پھر قریبی دور کے اکابر دیوبند میں سے حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے بھی علامہ موصوف کو مطبوعہ و مخطوط تالیفات کا مطالعہ کر کے جو کچھ نقد ان پر کیا ہے، وہ بھی ہم نے سپہ لکھ دیا ہے اور آئندہ بھی حسب موقع مسائل کے ذیل میں لکھتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔ علامہ کوثری، علامہ سبکی اور علامہ حسینیؒ وغیرہ کی تالیفات بھی اب شائع شدہ ہیں پھر بھی اگر کوئی آنکھیں بند کر کے صرف تعریفوں کے پل باندھتا رہے تو اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ اس کی ضرورت، اس علمی و ضروری نقد کے ساتھ علامہ کے فضل و تجر علمی اور خدمات جلیلہ عالیہ سے منکر ہم بھی نہیں ہیں، کاش! ان کے بارے میں مختلف ان خیال جید علماء ایک جگہ بیٹھ کر کوئی معتدل صحیح فیصلہ جلد کر لیتے!! تاکہ کم علم لوگ مغالطہ میں نہ پڑتے، واللہ الموفق۔

### شاہ ولی اللہ اور علامہ ابن تیمیہؒ

مدت ہوئی ”الفرقان“ کے شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۴ میں ”شاہ صاحب کا ایک علمی مأخذ“ کے عنوان سے مولانا محمد اویس صاحب نگرانی ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، اس میں لکھا تھا کہ ”شاہ ولی اللہ صاحب کی مصنفات میں جا بجا علامہ ابن تیمیہ کے خیالات ملتے ہیں اور بعض جگہ تو پوری کی پوری عبارت نقل فرمادی ہیں لیکن نام نہیں لیا ہے، اس کی وجہ غالباً اہل زہد کا تعصب ہے، مثلاً حجۃ اللہ الباقی ص ۱۶۴ مطبوعہ بریلی کی عبارت ”وقد کان فی الصحابة و من بعدهم من یقرأ البسملة و منهم من لا یقرأ و منهم من یجهر بہا و منهم

من لا یجربہا، تا فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک و سعید بن المسیب، بحینہ یہی عبارت تو کی ابن تیمیہ ص ۳۸۰ ج ۲ میں پائی جاتی ہے، وغیرہ۔ ان تصریحات کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ شاہ صاحب کے علمی انقلاب میں علامہ ابن تیمیہ کے خیالات کو ضرور دخل ہے تو شاید بے جا نہ ہو۔

بہت ممکن ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات و رجحانات پر شیخ کردی کا اثر سلفیت کا بھی پڑا ہو اور اسی لئے ان کا مزاج تقلید کے خلاف بھی بن چکا تھا، جس کو وہ خود بتلاتے ہیں، فیوض الحرمین ص ۶۴، ۶۵ میں ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے تین امور کا استفادہ کیا جو میرے رجحان و مزاج کے خلاف تھیں، ان میں سے دوسری یہ ہے کہ آپؐ نے مجھے مذاہب اربعہ کا پابند رہنے کے لئے وصیت فرمائی کہ میں ان سے باہر نہ ہوں، اسی فیوض الحرمین کے ص ۴۸ میں یہ بھی ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ نے مجھے سمجھایا کہ مذہب حنفی کے اندر ایسا صاف ستھرا راستہ موجود ہے جو دوسرے سب راستوں سے زیادہ سنت نبویہ کے ساتھ موافق و مطابق ہے، جس کی تدوین و تنقیح امام بخاری وغیرہ محدثین کے زمانہ میں ہوئی ہے۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن نبویہ کی تدوین و تنقیح حضور ﷺ کی نظر مبارک میں وہ پسندیدہ ہے جو نہ صرف امام بخاری بلکہ امام ترمذی وغیرہ سب محدثین کی جمع کردہ سنن کی روشنی میں حاصل ہوا اور غالباً ہمارے علامہ کشمیریؒ اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ کبھی ایک دو متن حدیث پر فیصلہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ ہر حدیث کے سارے طرق و متون کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے، ہمارے سلفی و اہل حدیث حضرات کے یہاں یہی کمی ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق امام بخاریؒ کی طرح صرف ایک دو متن کے اوپر فیصلہ کر لیتے ہیں اور جھنڈا اٹھا کر دوسروں کو مطعون کرنے لگتے ہیں، اگر وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے نقل کردہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مذکور پر عمل کریں تو بہت سے نزاعات و اختلافات یکدم ختم ہو سکتے ہیں ابھی اوپر گزرا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رجحان کے مطابق بخاری کی کتاب التوحید والے متن حدیث کو لے لیا اور بدء الخلق والے متن کو نظر انداز کر دیا اور نہ دوسرے محدثین کے روایت کردہ متون پر دھیان دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جمہور امت کے خلاف ایک الگ رائے قائم کر لی، جس پر حافظ الدین ابن حجرؒ نے بھی ان پر سخت نقد کیا اور بات بھی کوئی معمولی افضل غیر افضل یا جائز و ناجائز وغیرہ احکام کی نہ تھی بلکہ عقیدہ سے متعلق تھی، جس کے ثبوت کے لئے انفس قطعی (قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع صحابہ وغیرہ) کی ضرورت تھی یعنی ”حوادث لا اول لها“ کا عقیدہ کہ حق تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی حادث و مخلوق قدیم ہو سکتی ہے یا ہے جبکہ حدوث عالم کا عقیدہ سب جانتے ہیں کہ امت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے، بیشک علامہ ابن تیمیہ بڑے ہی جری و بہادر تھے کہ بقول حافظ ابن حجر و علامہ ذہبی وغیرہ ایسے ایسے بڑے فیصلے کر گئے، جن کے ادنیٰ ترین تصور سے بھی ساری امت مرحومہ کے اکابر علماء امت لرز جاتے تھے، اور کسی نے بھی آج تک ایسے جرات مندانہ فیصلے نہیں کئے تھے، اللہ رحم کرے، ہمیں اس سلسلہ میں کافی لکھنا پڑا اور بہت کچھ باقی ہے۔ وما ارید الا اصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

## سحر کے اثرات

”سحر“ کے کم سے کم اثرات یہ ہوتے ہیں کہ وہ کچھ وقفہ کے لئے بعض امور سے غفلت طاری کر دیتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ پر بھی ایسا ہی معمولی اثر ہوا تھا، ہمارے بعض اکابر امت کے اثرات بھی شاید سحر سے ہی کچھ ملتے جلتے ہوتے ہیں، جیسا کہ اہل حق بن راہویہ نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے بارے میں ”سحر“ کا ہی لفظ استعمال کیا تھا اور ہم اس سے یہی سمجھ سکے ہیں کہ جن شخصیتوں کو انہوں نے نمایاں کر دیا وہ سامنے آگئیں اور جن کو چاہا نوازیہ غول میں ڈال دیا تاکہ وہ پردے کے پیچھے چلی جائیں، نلاً امام اعظمؒ کے بارے میں لکھ دیا وہ ”مرجئی تھے اور لوگوں نے ان سے ان کی رائے سے اور ان کی بیٹ روایت کر۔ نے سے سکوت اختیار کیا۔“ (تاریخ کبیر)

یقیناً اس وقت بھی اور ایک مدت تک اس سحر نے اپنا کام کیا، مگر جب امام صاحب کی فقہ اور حدیث کی اشاعت عام ہوتی چلی گئی اور شرق سے غرب تک، شمال سے جنوب تک ان کے علوم کی روشنی پھیل گئی تو اس سحر کے اثرات بھی کم ہونے لگے۔

## ارجاء کا الزام

یہاں بات میں بات نکلتی چلی جا رہی ہے اور میں مختصر کرنا چاہتا ہوں اس لئے عرض کرتا یہ ہے کہ امام بخاری نے امام صاحب ”کومرجئی سمجھا تھا اور یہی باور کرانے کی سعی کی اور کتاب الایمان میں بھی روئے سخن ارجاء کا رد ہی ہے، جس میں تقریباً چالیس ابواب قائم کر کے حتی الامکان ہر عمل کو جزو ایمان بتلانے کی سعی کی ہے، تاکہ ارجاء کی جڑ تو کٹ ہی جائے، خواہ اس کو کانٹے میں اعتراض کی حدود میں سے بھی بادل ناخواستہ گزرنا پڑ جائے، یہاں اس سے بحث قطعاً نہیں کہ حقیقت کیا تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا نخواستہ امام صاحبؒ اور ان کے متبعی مرجئی تھے اور نہ امام بخاریؒ کسی درجہ میں معزلی تھے، بلکہ جو کچھ بھی افراط تفریط پیش آئی اس کے وجوہ و اسباب مقدمہ انوار الباری میں ذکر ہو چکے ہیں، وہاں دیکھ لئے جائیں۔

## امام بخاری اور فقہ اربعہ

یہاں امام بخاری نے چونکہ باب القسمة و تعلیق القنوی فی المسجد سے شروع کر کے باب المستورہ تک تقریباً پچاس ابواب قائم کر کے فقہاء اربعہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جو مساجد سے متعلق ہیں، کیونکہ فقہاء مجتہدین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی و امام احمدؒ کے نزدیک مساجد صرف عبادت کے لئے ہیں، دوسرے امور کی اجازت وقتی طور سے حسب ضرورت ہو سکتی ہے، جس کی گنجائش احادیث و آثار سے بھی ملتی ہے، مگر امام بخاریؒ چونکہ قیاس کی حجیت سے منکر ہیں اور فقہاء کے بہ کثرت مسائل مستعلیہ سے برہم ہیں، بلکہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ وہ اس بارے میں ظاہری جیسے ہیں (ملاحظہ ہو فیض الباری ۵/۵۰۷ ج ۴) اس لئے نہ صرف امام اعظمؒ بلکہ دوسرے فقہاء ثلاثہ کے مسائل کا بھی رد کر جاتے ہیں، بلکہ ان کی حدیثی روایات کو بھی اہم نہیں سمجھتے، چنانچہ امام صاحب سے تو بخاری میں روایت کرنے کا سوال ہی نہ تھا کہ امام صاحب اور ان کے اکثر تبعین کو غلط فہمی کی وجہ سے مرجئی سمجھتے تھے، اپنے شیخ و استاذ فن حدیث امام احمد ایسے محدث اعظم سے ساری بخاری میں صرف دو روایات لی ہیں (وہ بھی شاید کسی مجبوری سے لی ہوں گی) امام شافعیؒ سے کوئی ایک روایت بھی نہیں لی جبکہ وہ بھی امام بخاری کے شیخ الشیخ تھے، البتہ امام مالکؒ سے کچھ روایات لی ہیں۔

اب مجھے ایک بات اور ضروری عرض کرنی ہے، جو میرا حاصل مطالعہ ہے کہ امام اعظمؒ کی فقہ سب سے پہلے وجود میں آئی، مدون بھی ہو گئی اور بڑی ہی آن بان و شان سے آئی کہ اس کی روشنی و نورانیت سے بڑوں بڑوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور ایسی عظیم ترین کامیابی سے حاسد طعن کا اثر لینا بھی ضروری تھا، تو اس کے توڑ کے لئے ظاہرین و عدم تقلید ائمہ مجتہدین کے جراثیم بھی اسی وقت سے پیدا ہو گئے تھے اور میں بہت ہی مختصر کر کے اس دور سے لے کر اس وقت تک کی چند عظیم شخصیات کا ذکر یہاں کئے دیتا ہوں۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

## ۱۔ حضرت امام اوزاعیؒ م ۱۵۷ھ

آپ امام اعظمؒ اور ان کی فقہ کے ایک زمانہ تک سخت مخالف رہے مگر پھر جب غلط فہمیاں دور ہو گئیں تو نادم ہوئے اور اپنی رائے سے رجوع فرمایا تھا، حالانکہ وہ خود اپنی دور کے بہت بڑے فقیہ و محدث تھے اور ان کی فقہ کے تبعین بھی غالباً کئی صدی تک رہے ہیں۔

## ۲۔ حضرت سفیان ثوریؒ م ۱۶۱ھ

لے ہر باب میں ہم یہ بھی نشان دہی کریں گے کہ کس فقیہ کے خلاف وہ باب قائم کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھی امام صاحب کے معاصر اور جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، ایک عرصہ تک امام صاحب کے فقہی فیصلوں پر معترض رہے، مگر پھر انہوں نے رجوع فرمایا تھا اور امام صاحب کے بڑے مداحین میں سے ہو گئے تھے۔

### ۳۔ محدث عبدالرحمن بن مہدی م ۱۹۸ھ

حافظ نے لکھا کہ وہ امام مالک وغیرہ کے تلمیذ حدیث تھے اور عبداللہ بن مبارک و یحییٰ بن معین نے ان سے روایت کی، اگرچہ عبداللہ بن مبارک ان کے شیوخ میں سے تھے، فقہ میں وہ بعض مذاہب اہل الحدیث اور رائے مذہبین کو اختیار کرتے تھے (تہذیب ص ۹۷ ج ۶) یہاں اتنی بات تو محفوظ رہی لیکن کہ علامہ محدث ابن عبدالبر مالکی شافعی نے فرمایا تھا کہ اہل حدیث امام ابو حنیفہ کے دشمن ہیں اور اس وقت بحث بھی یہی چل رہی ہے کہ اہل حدیث و اصحاب ظاہر فقہاء کے مخالف ہوتے ہیں۔

یہ عبدالرحمن بن مہدی بھی امام صاحب کے سخت دشمن تھے اور اہل حق بن راہویہ کو بھی انہوں نے ہی خنثی سے ظاہری بنایا تھا، پھر اہل حق بن راہویہ نے امام بخاری پر اپنے اثرات ڈالے، اس کے لئے ایک واقعہ امام احمد کی کتاب الورع سے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے اہل حق بن راہویہ نے کہا کہ پہلے میں صاحب رائے تھا، جب حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب میں مطالعہ کیا اور ان میں سے امام ابو حنیفہ کی رائے کے موافق و مؤید احادیث نکالیں جو تقریباً تین سو تک پہنچ گئیں، میں نے اپنے دس میں کہا کہ ان کے بارے میں عبداللہ بن مبارک کے مشائخ سے سوال کروں گا جو حجاز و عراق میں ہیں اور میرا یقین یہ تھا کہ کوئی بھی امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی جرات نہ کرے گا جب میں بصرہ پہنچا تو عبدالرحمن بن مہدی سے ملا انہوں نے کہا، تم کہاں کے ہو؟ میں نے کہا اہل مرد سے، اس پر وہ عبداللہ بن مبارک کو یاد کر کے ان کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرنے لگے کہ ان کے ساتھ نہایت محبت کرتے تھے، پھر پوچھا کیا تمہیں کوئی مرثیہ بھی یاد ہے، جوان کے لئے کہا گیا ہو؟ میں کہنا یاد ہے، پھر میں نے ابوتیمیلہ شاعر کا مرثیہ شروع کر دیا وہ اشعار سنتے رہے اور روتے رہے اور میں برابر پڑھتا رہا، جب میں نے یہ شعر پڑھا: - وبراى النعمان كنت بصيرا، حين تبغى مقانس النعمان تو وہ فوراً بول پڑے کہ بس چپ ہو جاؤ تم نے تو سارا قصیدہ ہی خراب کر دیا، میں نے کہا اس کے بعد دوسرے اشعار بہت اچھے ہیں، کہنے لگے نہیں ان کو بھی چھوڑ دو، تذکرہ روایت عبداللہ عن ابی حنیفہ تو ان کے مناقب میں داخل ہو گیا جبکہ عراق کی سرزمین میں ان کی کوئی بھی لغزش اور خطا نظر روایت عن ابی حنیفہ کے نہیں ہے اور میری بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ ان سے روایت نہ کرتے پھر میں اس کے فدیہ میں اپنے مال و دولت کا بڑا حصہ قربان کر دیتا، (یہ عبدالرحمن بن مہدی بڑے صاحب ثروت و مال بھی تھے) میں نے کہا اے ابوسعید! آپ ابو حنیفہ سے اتنے برہم کیوں ہیں؟ کیا یہ سب صرف اس بات کی وجہ سے ہے کہ وہ رائے سے کلام کرتے تھے، اگر یہ بات ہے تو امام مالک، اوزاعی اور سفیان بھی رائے سے کلام کرتے تھے، کہا تم ابو حنیفہ کو ان لوگوں کے ساتھ ملاتے ہو؟ علم میں ابو حنیفہ کی مثال تو اس اکیلی انوثی جیسی ہے جو ایک الگ سرسبز وادی میں چرتی ہو اور دوسرے سب اونٹ دوسری وادی میں۔

اہل حق بن راہویہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے نظری تو دیکھا کہ لوگوں کے خیالات امام ابو حنیفہ کے بارے میں اس کے خلاف ہیں جو ہمارے خراسان میں تھے۔ (کتاب الورع عن الامام احمد بن حنبل ص ۷۵، ۷۶ طبع مصر)

۱۔ محققین امت نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ سارے احکام شرع کے ذخیرہ میں میں مسئلے بھی ایسے نہیں گئے جن میں امام اعظم متقدم ہوں یا ان کا کوئی قول یا امام ابو یوسف و محمد کا کوئی قول امام شافعی، امام مالک و امام احمد کے موافق موجود نہ ہو اور ہم اوپر یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ تین اربع مسائل فقہ میں چاروں ائمہ باہم متفق ہیں پھر یہ بات کتنی غلط اور بے بنیاد کہہ دی گئی کہ امام صاحب الگ وادی میں تھے اور باقی سب دوسری وادی میں، شاید بہت سے بڑے جو بڑے نہ بن سکے، اس کی وجہ ان کے ایسے ہی غلط نظریات و جنگ نظری ہوگی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

یہ حال عراق کا تھا جہاں امام اعظم اور ان کے ۴۰ شرکاء تہذیب و فقہ نے فقہی مسائل کا ایسا نادر روزگار مجموعہ تیار کیا تھا، جس کی نظیر نہ اسب عالم پیش کرنے سے عاجز ہیں اور جو دنیا کے اسلام کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے مکمل ترین قانونی نظام ہے، جہاں قدر کرنے والے اس عظیم ترین احسان کی صحیح قدر و قیمت پہنچاتے رہے اور تا قیامت پہنچائیں گے، خدا کی شان ہے کہ وہاں عبدالرحمن بن مہدی ایسے ناقد رہے بھی ہوئے ہیں اور اب بھی اہل حدیث غیر مقلدین و سلفی حضرات اس غلط راہ پر چل رہے ہیں اور ہمارا مقصد یہاں صرف ایسے ہی اہل حدیث یا اہل ظاہر کا ذکر ہے جو فقہاء اربعہ یا ان کی فقہ سے ہیر رکھتے ہیں یا کسی فقہی مکتب خیال کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بھی بڑے بڑے مسائل فروع و اصول میں ان کے الگ تفردات ہیں۔

### ۴۔ محدث ابو بکر عبداللہ بن زبیر حمیدی م ۲۲۰ھ

ان کے ہارے میں مقدمہ انوار الباری میں کافی لکھ چکا ہوں، افسوس ہے کہ امام بخاری کا ذہن فقہ حنفی اور امام اعظم وغیرہ کی طرف سے ہٹانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے ورنہ امام بخاری کا کارنامے آج ائمہ مجتہدین سے کم درجہ میں امت مرحومہ کے لئے مفید نہ ہوتے اور اب ہمیں امام بخاری کی جلالت قدر اور عظیم خدمات حدیث کی وجہ سے کوئی صحیح و ضروری نقد کرنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔

### ۵۔ محدث جلیل حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ م ۲۳۵ھ

آپ کی جلیل القدر حدیثی تالیف دنیائے حدیث کے لئے احسان عظیم ہے اور اگر یہ کتاب پہلے شائع ہو جاتی تو بہت سے نزاعات کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ آپ نے احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ و تابعین و تعامل امت کی روشنی بھی دکھادی تھی، اگرچہ امام اعظم کی فقہ پر آپ نے مستقل نقد بھی کر دیا ہے، جس کا بڑا حصہ غلط فہمیوں کے سبب سے ہے، تاہم اس کا جواب بھی کافی دشمنی شائع ہو چکا ہے خود بھی نقد کرتے ہیں اس لئے ہر نقد صحیح کو پسند کرتے ہیں۔

### ۶۔ محدث الحق بن راہویہ م ۲۳۸ھ

یہ خود پہلے صاحب رائے تھے، بلکہ غالباً حنفی بھی، جیسا کہ خود ان کے بیان سے مترشح ہوتا ہے، پھر اہل حدیث بن گئے اور امام بخاری کو بھی سبق پڑھایا کہ مجرد صحیح کا مجموعہ تیار کرو، امام بخاری جو آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے، یہ بھی ممکن ہے ان ہی کا اثر ہو، بہر حال امام بخاری نے ان کے مشورہ سے صحیح بخاری لکھی اور حدیث کے بعد صرف حدیث مجرد اور وہ بھی صرف اپنے مسلک کے مطابق والی لاتے ہیں دوسری کا ذکر فکر کچھ نہیں، البتہ اپنے خیال کے لئے مؤید اگر کوئی صحابی کا قول و فعل ہو تو اس کو ترجمہ الباب میں لے آتے ہیں۔

### ۷۔ امام بخاری م ۲۵۶ھ

آپ کا مفصل تذکرہ مقدمہ انوار الباری جلد دوم میں مع تعارف تالیفات ہو چکا ہے، انوار الباری کا مطالعہ کرنے والے اس کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیا کریں، تو فائدہ زیادہ ہوگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو علماء ظاہر سے اشد کہا ہے اور میرے پاس بھی اس کے قرائن ہیں، ممکن ہے پھر کہیں لکھنے کا موقعہ نکلے، باقی جن مسائل میں ظاہریت اختیار کی ہے یا فقہاء و مجتہدین کے خلاف امام بخاری نے رائے قائم کی ہے، ان کی جواب دہی ہم کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ و بہ نستعين۔

### ۸۔ شیخ داؤد ظاہری م ۲۷۰ھ



یہ مشہور ظاہری محدث گذرے ہیں جنہوں نے فقہ اربعہ کی مخالفت میں جھنڈے گاڑے تھے۔

### ۹۔ محدث ابن خزیمہ رحمہ اللہ

یہ بھی مشہور محدث تھے، علم کلام میں حدائق تودر کنار درک بھی نہیں تھا، اسی لئے اپنی کتاب التوحید میں بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں اور ہماری بد قسمتی کہ ان کے بہت سے اصول و عقائد کے مسائل میں علامہ ابن تیمیہ نے ان کو اپنا متبوع بنالیا ہے ان کی صحیح ابن خزیمہ ناوہ روزگار تھی اب ۲-۳ جلدیں شائع ہو گئی ہیں اور یہ بھی امام بخاریؒ کی طرح اپنے مسلک کی تائید اور دوسروں کی تردید کیلئے بڑے بڑے تراجم الابواب اور عنوانات قائم کرتے ہیں، دو جلدیں میرے پاس آچکی ہیں، اس لئے اب ان کا ذکر بھی مسائل کی بحث میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

### ۱۰۔ علامہ ابن حزم ظاہری م رحمہ اللہ

نہایت مشہور و معروف محدث تھے، مگر ظاہری یا اپنی اصطلاح میں سلفی ائمہ مجتہدین و کبار امت پر سخت تنقید کرنے والے بلکہ توہین کی حد تک ان کی زبان، حجاج کی تلوار کی طرح تیز تھی، پھر علامہ ابن تیمیہ کی طرح اپنی ہی کہتے ہیں دوسروں کی نہیں سنتے، ان کی ”محلی“ احادیث و آثار صحابہ و تابعین کا نہایت گراں قدر مجموعہ ہے جو جس بڑی جلدوں میں شائع شدہ ہے، کوئی محدث ان کی اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا، وغیرہ فوائد مع نقائص ظاہریت و سبب ائمہ۔

### ۱۱۔ علامہ تقی الدین بن تیمیہ رحمہ اللہ

نہایت جلیل القدر محدث اور علم و فضل کے بحرناپیداکنار، حتیٰ کہ بعض علماء امت نے تو یہ رائے بھی قائم کر دی کہ ان کا علم و مطالعہ ان کی عقل و فہم سے بھی کوسوں آگے بڑھ گیا تھا اور شاید اسی لئے تفردات کا ایک ڈھیر لگا گئے اور وہ بھی صرف فروغی مسائل تک نہیں رکے بلکہ عقائد و اصول میں بھی داخل ہو گئے، جیسے قدم عرش استقرار عرش، اثبات جہت اللہ تعالیٰ کے لئے وغیرہ، ان کے رد میں علامہ سبکی و حسنی وغیرہ کی تالیفات قابل مطالعہ ہیں بعد عقائد و اطلاق ملٹ وغیرہ مسائل میں انہوں نے امام احمد کی بھی مخالفت کی ہے، جو ان کے متبوع و مقلد بھی ہیں اور بہت سے مسائل میں ظاہریت اختیار کی ہے۔

### ۱۲۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ

آپ نے اپنے استاد محترم علامہ ابن تیمیہ کی تمام مسائل و عقائد میں مکمل پیروی کی ہے، جو اس کے علامہ ابن تیمیہ کا روپہ خفیہ اور فقہ حنفی کے ساتھ نرم ہے، بلکہ بہت سے مسائل میں تائید کا پہلو اختیار کیا ہے، لیکن ابن قیم نے خفیہ کی مخالفت میں کسر اٹھا نہیں رکھی، ملاحظہ ہو اعلام الموقعین، اگرچہ دوسرے مذاہب فقہ کی بھی مخالفت اور ظاہریت کے مظاہرے کئے ہیں، سلوک و قصوف کے مسائل میں اپنے استاد سے بہت نرم ہیں۔

### ۱۳۔ مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ

آپ کا میلان بھی ظاہریت کی طرف تھا اور اپنی کتاب ”سفر السعادة“ میں خفیہ کے خلاف ہنگامے برپا کئے ہیں، جن کے جوابات علامہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادة میں دیئے ہیں، تفصیل فوائد جامعہ شرح علامہ نافعہ (اردو) میں ہے اور اس میں شیخ موصوف اور شاہ ولی اللہ کے علوم و خدمات کا موازنہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

### ۱۴۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ

آپ کی خدمات جلیلہ در بارہ رد بدعت و شرک قابل مدح و ستائش ہیں، مگر اس کے ساتھ جو کچھ افراط و تفریط پیدا ہوئی اور علامہ ابن تیمیہ کی تقلید، نیز ظاہریت کی تائید و اشاعت وغیرہ وہ لائق نقد ہے، چونکہ اس وقت نجد و حجاز میں ان ہی کا سکہ رائج ہے، ضرورت ہے کہ اجتماع حج کے موقعہ پر علمائے اسلام جمع ہو کر حالات و مسائل کو اعتدال پر لانے کے لئے جدوجہد کیا کریں اور اتحاد و کلمہ کی راہ نکالیں، غلطی بجز انبیاء علیہم السلام کے ہر ایک سے ہو سکتی ہے اور ہم میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، واللہ الموفق لما يحب ويرضى۔

### ۱۵۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ

بڑے محدث و علامہ تھے، حدیثی خدمات بھی نہایت قابل قدر ہیں، مگر عدم تقلید و ظاہریت کے میلانات نے قدر و قیمت کم کر دی ہے بعض مسائل میں جرات کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے خلاف بھی لکھا ہے، ہمارے زمانہ کے اہل حدیث ان کا اتباع و تقلید کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

### ۱۶۔ نواب صدیق حسن خان م ۱۳۱۷ھ

یہ بھی اپنے زمانہ میں ظاہریت و عدم تقلید کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دے گئے ہیں، اگرچہ بعض مواقع میں جرات کے ساتھ اپنے حزب کے خلاف کلمہ حق بھی کہہ دیتے تھے جید عالم تھے، مفید علمی کتابیں شائع کیں، ایسے بااثر حضرت اگر اتحاد و کلمہ کے لئے سعی کرتے تو کامیابی ضرور ہوتی، مگر اللہ کی مشیت کہ ایسا نہ ہو سکا۔

### ۱۷۔ محدث نذیر حسین صاحب م ۱۳۲۰ھ

علامہ محدث نے مدتوں درس حدیث دیا اور علمی روشنی پھیلائی مگر ظاہریت و عدم تقلید پر ایسے جامد تھے کہ فقہاء کے لئے ناموزوں کلمات تک نکالنے سے بھی ہاک نہ تھا۔ عفا اللہ عنہ

### ۱۸۔ محدث عبد الرحمن مبارکپوری م ۱۳۵۳ھ

محدث جلیل صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، آپ بھی اہل حدیث کے بڑے عالم تھے، اور حدیثی خدمات قابل قدر انجام دیں، بعض اوقات مسائل متنازعہ کے اندر بحث و کلام میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، ملا علی قاری حنفی کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے بہ کثرت نقول ذکر کرتے ہیں، ہمارے اساتذہ و اکابر دیوبند کی تردید میں بڑی دلچسپی لی ہے اور خلیج اختلافات کو بڑھایا ہے۔

### ۱۹۔ محدث عبید اللہ مبارکپوری دام فیضہم

علامہ محدث، صاحب مرعاۃ شرح مشکوٰۃ بحث و نظر میں اچھی اچھی نقول ذکر کی ہیں اور شروع جلدوں کی نسبت بعد کی جلدوں میں اعتدال و سلامت روی کا رجحان زیادہ ہے جو قابل نیک ہے، ۶ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، خدا کرے کتاب مذکور با حسن اسلوب مکمل ہو کر شائع ہو اور اختلافات کی خلیج پانے کا سامان زیادہ سے زیادہ میسر ہو تبصیب و تنگ نظری سے دور ہو کر جو بھی حدیثی خدمت ہو وہ سب ہی اہل علم و عوام کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈ بن سکتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں سب ہی کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

امام بخاری کے ابواب المساجد اور خلاف فقہاء مہم کی تقریب سے مذکورہ بالا حضرات اہل ظاہر کا تذکرہ ہوا ہے اور امام بخاری اگرچہ بالکل معنی الکلمہ ظاہری نہیں تھے، تاہم اشبہ بالظاہر ہی ضرور تھے اور ایسے مواقع میں جہاں وہ کسی فقیہ کے خلاف مسئلہ کا اثبات کرتے ہیں یا

صرف اپنی ہی مؤید حدیثیں ذکر کرتے ہیں، مقابلہ چاہیے کہ نہیں، وہاں صحیح بخاری کے مدرس کو بہت ہی بڑے وسیع علم و مطالعہ کی ضرورت ہے جیسا کہ ہمارے دور میں علامہ کشمیری یا حضرت مدنی کا تھا، مگر اب تو بیشتر مدارس میں دورہ حدیث ہونے لگا ہے اور وہاں کا شیخ الحدیث جو صحیح معنی میں درس بخاری و ترمذی کا اہل نہیں ہوتا، صحیح بخاری و ترمذی کا درس دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیشتر فضلاء و فارغین نیم سلفی بن کر نکلتے ہیں اور وہ اپنے وطن جا کر سلفی عوام تک کی جواب دہی بھی پوری طرح نہیں کر سکتے۔ فیلاسف ولفریحہ علم الحدیث والی اللہ المستغنی۔

### باب من دعی لطعام فی المسجد و من اجاب منه

(جسے مسجد میں کھانے کے لئے بلایا جائے وہ اسے قبول کر لے)

(۴۰۷) حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن اسحق بن عبد الله انه سمع انسا قال و جدت النبی

ﷺ فی المسجد و معہ ناس فقامت فقال لی ارسلک ابو طلحة فقلت نعم قال لطعام قلت نعم فقال

لن حولہ قوموا فانطلقوا و الطلقت بین یدیهما۔

ترجمہ: حضرت انسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چند اصحاب کے ساتھ پایا، میں کھڑا ہو گیا تو آں حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے، میں نے کہا جی ہاں، آپ نے پوچھا کھانے کے لئے (بلایا ہے) میں نے عرض کی کہ جی ہاں (کھانے کے لئے بلایا ہے) آپ نے اپنے قریب موجود لوگوں سے فرمایا کہ چلو سب حضرات آنے لگے اور میں ان کے آگے چل رہا تھا۔  
تشریح: حسب تحقیق حضرت شاہ ولی اللہ اس باب کا مقصد مسجد میں کلام مباح کا جواز بتلانا ہے، کیونکہ مسجد میں عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور حدیث میں کلام دنیا کی ممانعت بھی وارد ہے، اس وہم کو دفع کیا گیا۔

### باب القضاء و العان فی المسجد بین الرجال و النساء

(مسجد میں مقدمات کے فیصلے کرنا اور مردوں اور عورتوں میں لعان کرنا)

(۴۰۸) حدثنا یحییٰ نا عبد الرزاق نا ابن جریج نا ابن شہاب عن سهل بن سعد ان رجلاً قال یا رسول

الله ارایت رجلاً و جد مع امراته رجلاً یقتله فتلاعنا فی المسجد و انا شاهد۔

ترجمہ: سهل بن سعد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ایسے شخص کو آپ کیا حکم دیں گے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو دیکھتا ہے کیا اسے قتل کر دینا چاہئے؟ پھر اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ مسجد میں لعان کیا اور اس وقت میں موجود تھا۔

تشریح: لعان اس کو کہتے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو ملوث دیکھے یا اس قسم کا کوئی یقین اسے ہو لیکن معقول شہادت اس سلسلے میں اس کے پاس کوئی نہ ہو تو شریعت نے خاص شوہر اور بیوی کے تعلقات کی رعایت سے اس کی اجازت دی کہ دونوں قاضی کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کریں اور ایک دوسرے پر جھوٹا ہونے کی صورت میں لعنت بھیجیں، تو پھر دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی، قضا مسجد میں عند الحنفیہ جائز ہے بلا کراہت اور یہی مذہب امام مالک و احمد کا ہے لیکن عند الشافعیہ مکروہ ہے۔ حافظ نے اس مسئلہ پر باب من قضی و لا عن فی المسجد (کتاب الاحکام) میں بحث و تفصیل کی ہے۔ جو فتح الباری کے ص ۱۲۵ ج ۱۳ پر ہے (اس باب میں امام بخاری نے شافعیہ کا رد کیا ہے)۔

## باب اذا دخل بیتاً یصلی حیث شاء او حیث امر ولا یتجسس

(جب کسی کے گھر جائے تو کیا جس جگہ اس کا جی چاہے وہاں نماز پڑھے یا جہاں اسے نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے وہاں پڑھے اور (اندر جا کر) تجسس نہ کرنا چاہئے)

(۴۰۹) حدثنا عبد الله بن مسلمة نا ابراهيم بن سعد عن ابن شهاب عن محمود بن الربيع عن عتبان بن مالک ان النبی ﷺ اتاه فی منزله فقال ابن تحب ان اصرلی لک من بیتک قال فاشرت له الی مکان فکبر النبی ﷺ و صلفنا خلفه فصلی رکعتین۔

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے آپ نے پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ تمہارے لئے نماز پڑھوں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا پھر نبی کریم ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شارحین بخاری نے دونوں صورتوں کو امام بخاری کا مقصد بتلایا ہے کہ جو چاہے اختیار کر لے مگر میں سمجھتا ہوں کہ مقصد ترجمہ تو حسب امر صاحب الداعی ہے، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ حکم شارح کو اسی پر منحصر نہ سمجھ لیا جائے دوسری صورت بھی ذکر کر دی، احقر عرض کرتا ہے کہ شاید اسی لئے تجسس کو منع کیا، کیوں کہ جہاں چاہے کسی کے گھر میں نماز پڑھنے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی جگہ پڑھنا چاہے جہاں جانا گھر والے کو پسند نہ ہو یا پردے و حجاب کے خلاف ہو یا اسی جگہ ایسا گھریو سامان ہو جس کو وہ اس پر غابہ نہ کرنا چاہتا ہو وغیرہ۔ البتہ اگر صاحب بیت ہی عام اجازت دے دے کے جہاں چاہے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یہ تو عام بات ہوئی لیکن اگر کوئی شخص کسی ولی بزرگ کو جا کر اپنے گھر کے کسی حصہ کو بابرکت بنانے کے لئے یا نماز خانگی کے لئے جگہ متعین کرانا چاہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ بزرگ جگہ دریافت کر لے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا، واللہ اعلم۔

اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کا ثبوت ہوا اور سلفی حضرات جو ان امور کو بے حیثیت گردانتے ہیں اس کا رد ہوا حرمین شریفین کے مآثر تبرک حتی کہ مولد نبوی اور بیت مبارک حضرت خدیجہؓ کو معطل و بے نشان کر دیا گیا ہے اور اس کو خالص تو حید کا نام دیا جاتا ہے، یعنی ان چند لوگوں کے سوا اور ساری دنیا سے اسلام کے کروڑوں مسلمان عوام اور علماء سب کی تو حید ان کے مقابلہ میں ”خالص“ ہے، مگر کیا یہی حدیث بخاری اس بات کا کمال ثبوت نہیں کہ حضور علیہ السلام کے کسی ایک جگہ پر صرف ایک نماز نفل پڑھ لینے سے صحابہ کرام اس مقام کو کتنا تبرک سمجھتے تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ کو حضرت عتبان بن مالک نے بت پرستوں کی طرح پرستش کی جگہ بنالیا تھا؟! پھر کیا وجہ ہے کہ جس بیت مبارک میں حضور علیہ السلام کی پیدائش ہوئی برسوں اس میں آپ نے عبادت کی، شب و روز گزارے اور بیت حضرت خدیجہؓ میں کتنی ہی بار وحی الہی نازل ہوئی ہوگی اور اس میں حضور نے نہ صرف سینکڑوں نوافل بلکہ فرائض بھی ادا کئے ہوئے پھر یہ کہ تیرہ سو برس تک ہر دور کے حجاج و زائرین ان مقامات تبرک کی زیارت کرتے رہے اور حضرت عتبانؓ کی طرح وہاں برکت حاصل کرنے کے لئے نفل نمازیں بھی پڑھتے رہے، چودھویں صدی میں آکر ان مقدس مقامات کو صرف اس خطرہ موبوم کو آڑ بنا کر کہ لوگ وہاں شرک کریں گے، ان کے آثار تک مٹا دیئے گئے، یا کچھ باقی ہیں تو ان کو مقلقل کر دیا گیا ہے، کیا وہاں بھی دیگر مساجد و مقامات مدینہ طیبہ وغیرہ کی طرح سپاہیوں کا پہرہ بٹھا کر موعوم شرک کی روک تھام نہ ہو سکتی تھی، دوسرے صحابہ کرام کے بیسیوں واقعات سے استہراک ثابت ہے، تو کیا ان سے بھی بڑھ کر یہ لوگ کسی

توحید خالص کے ماننے والے ہیں، میری عاجزانہ درخواست موجودہ علماء و امراء نجد سے ہے کہ وہ خلائی مافات کی طرف جلد توجہ فرمائیں، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد کے شروع ہی میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی حدیث مسلم شریف سے نقل کی ہے کہ انہوں نے جبہ مبارکہ نبویہ نکالا اور فرمایا کہ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آخر تک رہا ان کے انتقال کے بعد میرے پاس آیا، چونکہ نبی کریم ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے، اس لئے ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پانی پلاتے ہیں اور ان کو شفا ہوتی ہے اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ جن کے حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں سات ماہ تک مہمان رہے، حضرت ابوالیوب اور زوجہ محترمہ کا معمول رہا کہ دونوں وقت حضور علیہ السلام کے لئے کھانا پیش کرتے اور جو پختاؤ کھاتے، کوئی نجدی مزاج کہے گا کہ ایسا تو سب ہی کرتے ہیں مگر ابھی اور دیکھئے کہ حضرت ابوالیوبؓ برکت حاصل کرنے کے لئے وہیں انگلیاں ڈالتے ہیں جہاں حضور اکرم ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوا دیکھتے تھے (زر قانی، وفاء الوفا، حاکم و اصحابہ)

افسوس ہے کہ ہمارے نجدی بھائی اور ان کے ہم خیال ایسی باتوں کو مہمل خیال کرتے ہیں، حدیث سے جماعت نوافل کا بھی ثبوت ہوا، مگر جتنا ثبوت ہے، اتنا ہی رہنا چاہئے، کیونکہ نہ اس جماعت کے لئے کوئی تداعی یا اہتمام ہوا نہ اس کا بار بار تکرار ہوا، بلکہ مسجد نبویؐ میں تو تراویح و کسوف کے علاوہ دوسرے نوافل کی حضور علیہ السلام نے جماعت کرائی ہی نہیں، اس لئے فقہاء نے یہ استنباط بجا کیا کہ نوافل کی جماعت تراویح و اہتمام کے ساتھ خلاف سنت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تداعی و اہتمام کی صورت اصل مذہب میں متعین نہ تھی، بعد کے مشائخ نے وضاحت کر دی لہذا اب وہی معمول بہار ہے گی، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ نماز تہجد وغیرہ کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ تحریمی ہے اگر چار مقتدی ہوں خواہ خود جمع ہوں یا طلبہ آئیں، تین میں اختلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں کذا فی کتب الفقہ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۸۹ و ص ۲۹۹)

## باب المساجد فی البیوت و صلی البراء بن عازب فی مسجد فی دارہ جماعۃ

(گھروں کی مسجدیں اور براء بن عازبؓ نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی)

(۴۱۰) حدثنا سعید بن عمرو قال نا اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شہاب قال اخبرنی محمود بن الربیع الانصاری ان عتبان بن مالک و هو من اصحاب رسول اللہ ﷺ ممن شهد بدرًا من الانصار انه الی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ قد انکرت بصری و انا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی الذی بینی و بینہم لم استطع ان ائی مسجد ہم فاصلی بہم ووددت یا رسول اللہ انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی قال فقال له رسول اللہ ﷺ ما فعل ان شاء اللہ تعالیٰ قال عتبان فعدا علی رسول اللہ ﷺ و ابوبکر حین ارتفع النهار فاستاذن رسول اللہ ﷺ فادنت له فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال ابن یحب ان اصلی من بیتک قال فاشرت له الی ناحیة من البیت فقام رسول اللہ ﷺ فکبر فقمنا فصفنا فصلی رکعتین ثم سلم قال و حبسناء علی خزیرة صنعنا ہا له قال فتاب فی البیت رجال من اهل الدار ذوو عدد فاجتمعوا فقال قائل منهم ابن مالک بن الدخیشن فقال بعضهم ذلک منافق لا یحب اللہ و رسولہ فقال رسول اللہ ﷺ لا تقل ذلک الا تراه قد قال لا الہ الا اللہ یرید بذلک وجه اللہ قال اللہ و رسولہ اعلم قال فانا نری وجهہ و نصیحتہ الی المنافقین قال رسول اللہ ﷺ فان اللہ عزو جل قد حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یتضی بذلک و حہ اللہ قال ابن شہاب ثم سالت الحصین بن محمد الانصاری و هو احد بنی سالم و هو من سرائہم عن حدیث محمود بن الربیع فصدقہ بذلک.

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عثمان بن مالک انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور غزوہ بدر کے شرکاء میں تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میری بیٹائی میں کچھ فرق آگیا ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب موسم برسات آتا ہے تو میرے اور میری قوم کے درمیان جو نشیبی علاقہ ہے وہ بھر جاتا ہے اور میں انہیں نماز پڑھانے کے لئے مسجد تک جانے سے معذور ہو جاتا ہوں اور یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہاری اس خواہش کو پورا کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، عثمان نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ عند دوسرے دن جب دن چڑھا تو تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور میں نے اجازت دی، جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں بلکہ پوچھا کہ تم اپنے گھر کے کس حصہ میں مجھ سے نماز پڑھنے کی خواہش رکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے گھر میں ایک طرف اشارہ کیا، رسول اللہ ﷺ (اس جگہ) کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور صرف بستہ ہو گئے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیرا، کہا کہ ہم نے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے روکا اور آپ کی خدمت میں حریرہ پیش کیا جو آپ ہی کے لئے تیار کیا گیا تھا، عثمان نے کہا کہ محلہ والوں کا ایک مجمع گھر میں لگ گیا، مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ مالک بن دھین یا (یہ کہا) ابن دھن دکھائی نہیں دیتا، اس پر دوسرے نے نقد دیا کہ وہ تو منافق ہے جسے خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ نہ کہو، دیکھتے نہیں کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا ہے اور اس سے مقصود خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، منافقت کا الزام لگانے والے نے (یہ سن کر) کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، ہم تو اس کی توجہات اور ہمدردیاں منافقوں کے ساتھ دیکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے لا الہ الا اللہ کہنے والے پر اگر اس کا مقصد خدا کی خوشنودی ہو، دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے، ابن شہاب نے بیان کیا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو بنو سالم کے ایک فرد ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں محمود بن ربیع کی (اس حدیث) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

**تشریح:** یہاں مسجد سے مراد یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ مخصوص کر لی جائے، اس لئے اس پر عام مساجد کے احکام نافذ نہیں ہوں گے اور جس شخص کو یہ گھر وراثت میں ملے گا مسجد بھی اسی کے ساتھ ملے گی، مدیۃ المصنوع میں ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی مسجد میں جو گھر کے احاطہ میں اس نے بنائی ہے نماز باجماعت پڑھے تو وہ مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت سے محروم رہے گا مگر تارک جماعت نہ ہوگا، یہ مسند صرف اسی میں ہے اور گھروں میں نماز جماعت کا ثبوت امراء جور کے زمانہ میں اور دوسرے اعزاز کے وقت بھی ہوا ہے (فیض الباری ص ۴۱ ج ۶)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا اصابعی فی بصری بعض المشیء جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹائی بالکل نہیں جاتی رہی تھی، عثمان بن مالک کو آل حضور ﷺ نے جماعت چھوڑنے کی اجازت دی تھی لیکن ابن ام مکتوم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ یہ مادرزاد نابینا تھے، خزیرہ عرب کا ایک کھانا، گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرے جاتے تھے، پھر پانی ڈال کر انہیں پکایا جاتا تھا جب خوب پک جاتا تو اوپر سے آٹا چھڑک دیتے، اسے عرب خزیرہ کہتے تھے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ گوشت کو رات بھر کپا چھوڑ دیتے تھے، پھر صبح کو مذکورہ صورت سے پکاتے تھے۔

حاطب بن ابی بلتعہ مومن صادق تھے لیکن اپنی بیوی اور بچوں کی محبت میں آل حضور ﷺ کی لشکر کشی کی اطلاع مکہ کے مشرکوں کو دینے کی کوشش کی، یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی تھی لیکن اس سے ان کے ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں آیا، ممکن ہے کہ مالک بن دھن کی دنیاوی ہمدردیاں بھی منافقوں کے ساتھ اسی طرح کی ہوں اور عام صحابہ نے ان کی اس روش کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا ہو لیکن نبی کریم ﷺ کی اس تصریح کے بعد آپ کے مومن ہونے کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے، آپ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اور حضرت

ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے آپ کی منافقوں کے ساتھ ہمدردانہ روش پر شبہ کا اظہار کیا تو اس حضور ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ کیا غزوہ بدر میں وہ شریک نہیں تھے؟!

## باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ وکان ابن عمر یبداء

### برجلہ الیمنی فاذا خرج بدأ برجلہ الیسری

(مسجد میں داخل ہونے اور دوسرے کاموں میں رفتی طرف سے ابتداء کرنا! ابن عمرؓ مسجد میں داخل ہونے کے لئے داہنے پاؤں سے ابتداء کرتے تھے اور نکلنے کے لئے بائیں پاؤں سے)

(۴۱۱) حدثنا سلیمان بن حرب قال نا شعبة عن الا شعث بن سلیم عن ابیہ عن مسروق عن عائشة

قالت کان النبی ﷺ یحب التیمن ما استطاع فی شانه کله فی طهوره و ترجله وتعلہ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام کاموں میں جہاں تک ممکن ہوتا داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، طہارت کے وقت بھی، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔

تشریح: (۴۱۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے یہ افعال بطور عادت تھے، بطور عبادت کے نہیں جیسا کہ شارح وقایہ نے لکھا ورنہ حضور کی مواظبت و پیشگی سے یہ افعال مسنون ہو جاتے، کیونکہ تعبد و تعویذ میں فرق ہے، لہذا مستحب ہوں گے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تراجم میں لکھا۔

### باب هل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ یتخذ مکانہا مساجد لقول النبی ﷺ

لعن اللہ الیہود اتخذوا قبور انبیائہم مساجد و ما یکرہ من الصلوۃ فی القبور و رآی

عمر بن الخطابؓ انس بن مالک یصلی عند قبر فقال القبر القبر ولم یامر بالاعادة

(کیا دور جاہلیت میں مرے ہوئے مشرکوں کی قبروں کو کھود کر ان پر مساجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا نے یہودیوں پر لعنت بھیجی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور قبروں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت انس بن مالکؓ کو ایک قبر کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھ تو فرمایا کہ قبر سے بچو، لیکن آپ نے ان سے اعادہ کے لئے نہیں فرمایا)

(۴۱۲) حدثنا محمد بن المثنی قال نا یحیی عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة ان ام حبیبہ و ام

سلمہ ذکرنا کنیسة رایتہا بالحیة فیہا تصاویر لذلک للنبی ﷺ فقال ان اولئک اذا کان

فیہم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجداً و صورو فیہ تلک الصور فاولئک شرار الخلق

عند اللہ یوم القیمة.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے بتلایا کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ نے ایک کلیسا کا ذکر کیا جسے انہوں نے جہشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں، انہوں نے اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے بھی کیا، آپ نے فرمایا کہ ان کا یہ حال تھا کہ اگر ان کا کوئی نیکو کار صالح شخص فوت ہو جاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہی تصویریں بن دیتے، یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں قیامت کے دن بدترین مخلوق ہوں گے۔

تشریح: (۴۱۲) انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر نماز پڑھنے میں ایک طرح ان کی تعظیم و تکریم کا پہلو نکلتا ہے اور کفار اور یہود اسی طرح گمراہی

میں جتلا ہوئے اس لئے یہودیوں کے اس فعل پر لعنت ہے خدا کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں اور ان میں تصاویر بنا کر پرستش کی، لیکن مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ کر ان پر مسجد کی تعمیر میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کی تعظیم کا خیال ہی پیدا نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ مشرکوں کی قبروں کی اہانت جائز ہے، اس لئے آں حضور کی حدیث اور آپ کے عمل میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۴۱۳) حدثنا مسدد قال ثنا عبد الوارث عن ابی التیاح عن انس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدينة فنزل اعلیٰ المدينة فی حی یقال لہم بنو عمر و بن عوف فقام النبی ﷺ لہم اربعاً وعشرین لیلة ثم ارسل الی بنی النجار فجاء و متقلدین السیوف فکانی انظر الی النبی ﷺ علیہ راحلہ و ابو بکر رفہ و ملا بنی النجار حولہ حتی القی بفناء ابی ایوب و کان یحب ان یصلیٰ حیث یدرکھ الصلوۃ و یصلیٰ فی مرائب الغنم و انه امر ببناء المسجد فارسل الی ملاء بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحانطکم هذا قالوا لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ عز و جل قال انس فکان فیہ ما اقول لکم قبور المشرکین و فیہ غرب و فیہ تحل فامر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالغرب فسویت و بالنخل فقطع فصفو النخل قبلۃ المسجد وجعلوا اعضاء تہ الحجازہ وجعلوا ینقلون الصخر و ہم یرتجزون النبی ﷺ معهم و هو یقول اللہم لا خیر الا خیر الآخرہ فاغفر الانصار و المهاجرہ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے ہالائی علاقہ میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں (قبو میں) ٹھہرے نبی اکرم ﷺ نے یہاں چوبیس دن قیام فرمایا پھر آپ نے بنو نجار کو بد بھیجا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے، گویا میری نظروں کے سامنے یہ منظر ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما ہیں، ابو بکر صدیقؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور بنو نجار کی جماعت آپ کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں ابو ایوب کے گھر کے سامنے آپ نے اپنا سامان اتارا اور نبی کریم ﷺ یہ پسند کرتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے فوراً نماز ادا کر لیں، آپ بکریوں کے بازوؤں میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور آپ نے یہاں مسجد بنانے کے لئے فرمایا، چنانچہ آپ نے بنو نجار کے لوگوں کو بلوا کر فرمایا کہ اے بنو نجار! تم اپنے اس باغیچے کی قیمت لے لو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو صرف خداوند تعالیٰ سے اس کا اجر مانگتے ہیں۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں جیسا کہ تمہیں بتا رہا تھا یہاں مشرکین کی قبریں تھیں اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی اور کچھ کھجور کے درخت تھے نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو حکم دے کر اکھڑا دیا، ویرانہ کو صاف اور برابر کر دیا اور درختوں کو کٹوا دیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب نصب کر دیا اور پتھروں کے ذریعہ مسجد کی دونوں جانب کو مضبوط بنا دیا، صحابہ پتھر اٹھاتے ہوئے رجز پڑھتے تھے اور نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔

تشریح: جب عرب کسی بڑی شخصیت سے ملنے جاتے تو ان کی یہ ایک وضع تھی کہ تلوار گردن سے لٹکا لیتے تھے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ کھجور کے ان درختوں سے قبلہ کی دیوار بنائی گئی تھی اور کھڑا کر کے اینٹ اور گارے سے انہیں استوار کر دیا گیا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھت کا وہ حصہ جو قبلہ کی طرف تھا اس میں ان درختوں کا استعمال کیا گیا تھا، رجز شعر سے مختلف چیز ہے، یہ نام عرب جاہلیت کا رکھا ہوا ہے، اس کی صورت فقرہ بندی یا تک بندی کی سی ہوتی تھی۔

علامہ کرمانی نے لکھا کہ حدیث میں چونکہ لعنت کو قبور انبیاء علیہم السلام اکھاڑ کر مساجد بنانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، اس لئے جائز ہوگا کہ غیر انبیاء و صالحین کی قبور مسمار کر کے اس جگہ مساجد بنائی جائیں، جیسا کہ خود حضور صلیہ السلام نے مسجد نبوی کے لئے بھی کیا ہے، علامہ



تسطانی وحافظ نے لکھا کہ قبور مشرکین کے لئے چونکہ کوئی حرمت نہیں ہے اس لئے ان کو اکھاڑ کر مسجد بنانا جائز ہوا بخلاف قبور انبیاء اور ان کے اتباع کے کہ ان کی قبور کو اکھاڑنے میں ان کی اہانت ہے، لہذا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد و فعل میں کوئی تقاض نہیں ہے، البتہ علامہ نے مشرکین کے ساتھ لازماً لہم کی قید بڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ مشرکین کی قبور کو نہ اکھاڑا جائے، غالباً اس لئے کہ اہل ذمہ کے اموال و اعراض بھی اہل اسلام کی طرح قابل احترام ہوتے ہیں اور ان کی قبور کی اہانت درست نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے لعنت کی وجہ تشبیہ بعیدۃ الاوثان بتلائی، یعنی یہود و نصاریٰ اس لئے ملعون قرار پائے کہ پہلے انہوں نے بطور یادگار انبیاء و صالحین کی قبور پر مسجدیں بنائیں پھر ان میں تصاویر رکھ کر بت پرستوں کی طرح پوجا کرنے لگے تھے، گو یا لعنت کی وجہ یہ تھہ تھی، لہذا اگر مقابر مسلمین کی زمین ہموار کر کے مسجد بنالیں تب بھی جائز ہوگا، کیونکہ تھہ نہ ہوگا، البتہ قبور مشرکین کو اگر بغیر نبش کے یونہی زمین ہموار کر کے مساجد بنائیں گے تو وہ درست نہ ہوگا، کیونکہ وہ محل عذاب ہے بوجہ وجود اجسام مشرکین تحت الارض البتہ مسلمانوں کی قبور اگر نماز کے وقت قدموں کے نیچے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں (جیسا کہ حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مرقد ہے اور وہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ حاشیہ) پھر لکھا کہ اگر باوجود اس کے بھی مقابر میں نماز پڑھی جائے گی خواہ قبور صالحین کی ہوں یا دوسری، تو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگی (لامع الدراری ص ۱۶۵ ج ۱) اس آخری مسئلہ میں تامل ہے، کیونکہ جامع صغیر سے حضرت علامہ کشمیریؒ نے نقل کیا تھا کہ اگر قبر اور مصلیٰ کے درمیان سترہ ہو تو نماز بلا کراہت درست ہے اور اگر قبر کے سامنے نہ ہو بلکہ جوانب میں ہو تب بھی نماز میں کراہت نہ ہوگی، ممکن ہے حضرتؒ نے بلا سترہ والی نماز مراد لی ہو۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ علماء نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کہیں تقسیم میں مباحذ کی صورت نہ بن جائے اور لوگ عقیدہ ضعیف کر کے فتنہ میں نہ پڑ جائیں کہ پھر یہی چیز کفر و شرک تک پہنچا سکتی ہے، جیسا کہ پہلی امتوں میں ہو چکا ہے اور اسی لئے جب صحابہ کرام نے مسجد نبویؐ میں توسیع کی ضرورت محسوس کی تو قبر نبویؐ کو بڑی بڑی دیواروں کے ساتھ گھیر دیا تاکہ قبر مبارک ظاہر نہ رہے ورنہ عوام و جہال اسی کی طرف نماز پڑھنے لگتے، محقق امت علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ ممانعت نبویؐ کا مقصد قبور انبیاء پر بوجہ سے روکنا ہے اور بعض کے نزدیک قبلہ بنانے سے روکنا ہے کہ اس کی طرف نماز نہ پڑھیں، علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ سبب لعنت یا تو یہ ہے کہ یہود قبور انبیاء پر تعظیماً سجدہ کرتے تھے، جو شرک جلی تھا یا یہ تھا کہ وہ خدا کی نماز بھی مقابر انبیاء ہی میں ان کی قبور کی طرف توجہ کر کے پڑھتے تھے کہ عبادت خدا کی اور تعظیم مغرط انبیاء کی دونوں ایک ساتھ انجام دیں جو شرک خفی تھا، کیونکہ اس میں مخلوق کی تعظیم حدود اذن خداوندی سے تجاوز ہو گئی تھی اس کو ہمارے ائمہ میں سے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے (اوجز ص ۲۱۰ ج ۲) ہم نے زیادہ تفصیل یہاں اس لئے دیدی ہے کہ اکابر کے سب اقوال کی روشنی میں وجوہ ممانعت اچھی طرح واضح ہو جائیں اور پھر جو کچھ افراط و تفریط پہلے لوگوں سے ہو گئی ہے وہ بھی سمجھ لی جائے اور خاص طور سے یہ بات بھی ذہن نشین ہو جائے کہ ہر تعظیم غیر اللہ کو شرک قرار دیدیتا بھی کوئی دینی و علمی خدمت نہیں ہے، اب حال یہ ہے کہ ایک طرف تو ہر تعظیم شرک سے کم نہیں اور دوسری طرف وہ تعظیم بھی جائز مطلق جو حدود مالم یا ذن بہ اللہ میں داخل ہے، چونکہ ہمارے بعض اکابر متاخرین سے بھی کہیں بے جا تساہل اور کہیں بے جا تشدد ہو گیا ہے اور ان کی وجہ سے نزاعات کی خلیج بہت بڑھی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ متقدمین کے فیصلوں کو نظر انداز کرنے کی روش ختم ہو اور اسی دیکھ کے لئے راہیں ہموار ہوں۔ واللہ المیسر۔

مقصد نبویؐ: حضور اکرم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ میری قبر پر میلہ کی طرح اجتماع نہ ہو اور نہ میری قبر کی اتنی زیادہ تعظیم کی جائے کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں کے مشابہ ہو جائے جس کو صحابہ کرام نے بحذر ماصنعوا سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ غایت تعظیم کا درجہ ہی عبادت ہے، جو غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، لیکن اس درجہ سے نازل جتنے بھی درجات ہیں وہ سب درجہ بدرجہ شعائر اللہ انبیاء عظام و اولیاء کرام اور

مقامات مقدسہ کے لئے نہ صرف جائز بلکہ واجب و مستحب بھی ہیں، اس کے خلاف جو بھی فیصدہ کرے وہ افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔

### مسجد بجوار صالحین

یہاں یہ مسئلہ بھی لائق ذکر ہے کہ مقابر کے اندر یا قبور صالحین کے پاس مسجد بنانا کیسا ہے؟ نجدی حضرات نے تو حرمین شریفین کے پختہ مزارات صحابہ و تابعین کا انہدام کیا تھا تو جن مزارات کے ساتھ مساجد تھیں وہ بھی منہدم کرادی تھیں، حالانکہ اکابر اہل سنت نے اگرچہ مزارات پختہ بنانے کو ناجائز قرار دیا مگر جو بن گئے تھے ان کا انہدام بھی کبھی پسند نہیں کیا تھا، کیونکہ اس سے بھی مقبورین کی توہین ہوتی ہے، اور اس اہانت سے بچنا چاہئے تھا تاہم انہدام مساجد کی تو کوئی بھی شرعی معقولیت نہ تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علماء و عوام نے ان مساجد کو مقبرہ کی مساجد قرار دیا، حافظ نے لکھا کہ امام احمد و اہل ظاہر مقبرہ میں نماز کو ناجائز فرماتے ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مقبرہ حرام نماز کی جگہ نہیں ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کے ظاہر پر عمل کیا اور دوسرے اس کی علت نکال کر اس پر مدد رکھتے ہیں، مثلاً امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مقبرے میں اگر قبریں ٹوٹی پھوٹی یا ادھڑی پڑی ہوں اور مقبورین کے کلمہ و شتم خون و پیپ وہاں کی مٹی میں مل گیا ہو تو ایسے مقبرہ میں نماز نہ پڑھی جائے اور اگر پاک صاف جگہ ہو تو نماز جائز بلا کراہت ہے، امام مالک بھی مقبرے میں نماز بلا کراہت جائز فرماتے ہیں، امام ابو حنیفہ، ثوری و اوزاعی کراہت کے قائل ہیں، بوجہ نجاست وغیرہ۔

علامہ بیضاویؒ نے لکھا کہ یہود و نصاریٰ قبور انبیاء علیہم السلام کو سجدہ تعظیسی کرتے اور ان کو قبلہ بناتے تھے کہ نماز بھی ان ہی کی طرف کو پڑھتے تھے، اس لئے ان پر لعنت کی گئی لیکن اگر کسی صالح کے قرب میں محض برکت کے خیال سے مسجد بنائی جائے تو وعید میں داخل نہ ہوگی، غرض ممانعت صرف اس ڈر سے ہے کہ قبر کو دفن و بت نہ بنالیا جائے، لیکن اس سے امن و اطمینان ہو تو کوئی ممانعت نہ ہوگی، البتہ بعض لوگوں نے سد رائج کے طور پر روکا ہے تو یہ بھی معقول وجہ ہے (فتح الباری، بحوالہ فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲) علامہ ابن حزم نے پانچ صحابہ سے ممانعت صلوة عند القبر نقل کی ہے اور پھر یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس کے خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ علامہ خطابی نے معالم السنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رخصت صلوة فی المقبرہ نقل کی ہے اور حسن بھری نے بھی مقبرہ میں نماز پڑھی ہے (فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲) حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع سے پوچھا کہ ابن عمرؓ وسط قبور میں نماز کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے خود حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ بقیع کے قبرستان میں پڑھی ہے، حضرت ابو ہریرہ امام تھے اور مقتدی حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ تھے (اوزار ص ۲۱۱ ج ۱۲ از سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ طبریؒ نے فرمایا جو شخص کسی صالح کے جوار میں مسجد بنائے اس طرح کہ اس کی قبر مسجد سے باہر رہے اور مقصد اس کے قرب سے برکت حاصل کرنا ہو، اس کی تعظیم یا اس کی طرف رخ کرنا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے نفع کی بھی امید ہے۔ (فیض الباری ص ۴۲ ج ۲)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جس طرح دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبرہ میں مسجد ہے یا حضرت شاہ ولی اللہ کے قبور سے متصل مسجد ہے یا سرہند شریف و دیگر مقامات میں اولیاء و عظام کے قرب میں مساجد بنی ہوئی ہیں وہ سب جواز بلا کراہت کے تحت ہیں اور ان کے اندر نماز بھی بلا کراہت جائز ہے۔

کیونکہ جامع صغیر کے حوالہ سے سترہ کے ساتھ نماز میں عند الحفیہ کسی قسم کی بھی کراہت نہیں ہے چونکہ ایک زمانہ میں علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے تشددات کا اثر دور دور تک پھیلا تھا، تو خیال ہوتا ہے کہ اس کے اثرات ہندوستان میں بھی آئے تھے، اور بعض مسائل میں ہمارے

اکابر کا تشدد بھی شاید اسی کے تحت ہوا ہو، چنانچہ یہ بھی نقل ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مزار پر بنوائی ہے، اس کو شاہ اہلق صاحب اچھا نہ جانتے تھے، کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد نہیں بنوانا چاہئے اور استدلال میں یہی بخاری والی حدیث پیش کرتے تھے جس کی یہ تشریح چل رہی ہے اور اسی لئے شاہ اہلق صاحب اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے الا نادراً ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا تو فرمایا کہ نہ چاہئے، اس نے کہا کہ پھر آپ کے مانانے کیوں بنوائی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان سے پوچھو، میرا مسلک یہی ہے (ارواحِ ثلاثہ ص ۹۰)

ایسا ہی ایک واقعہ ص ۳۳ پر بھی ہے وغیرہ جس سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مسلک میں توسع اور اہلق صاحب کے مزاج میں تشدد ثابت ہوتا ہے اور حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کے مزاج میں بھی غیر معمولی تشدد تھا، حضرت شاہ اہلقؒ نے ”اربعین“ ”وما نہ مسائل“ میں بھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلاف رائے و تشدد مسئلہ استمداد قبور وغیرہ میں اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ کی رائے میں توسع اور عدم تشدد ان کے رسالہ ”تحلیل الذبايح فی حریم الضرائع“ سے ثابت ہے جو کشمیر سے شائع ہوا تھا اور احقر کے پاس ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن مسائل میں حنفی مسلک پر گنجائش نکل سکتی ہو، ان میں تشدد مناسب نہیں اور اس بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا اعتدال ہمارے لئے اسوہ بنے تو اچھا ہے۔ واللہ المسئول ان یوفقنا لما یحب یرضاه

ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ بھی بہ نسبت تشدد کے سہولت و توسع کو زیادہ پسند فرماتے تھے، ایک دفعہ امکان کذب کے بارے میں فرمایا کہ تعبیر اچھی نہیں، لوگ متحوش ہوں گے اور عوام اردو دان کیا سمجھیں گے کہ امکان ذاتی کیا ہے اور امتناع بالظہر کیا وہ تو یہی سمجھیں گے کہ خدا بھی ہماری طرح جھوٹ بول سکتا ہے اور اپنا عقیدہ خراب کر لیں گے، کچھ ایسا ہی حال مسئلہ امکان نظیر اور علم غیب کلی و جزئی وغیرہ کا بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ اربعہ و عشورین لیلۃ۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا اس بات سے ثابت ہوا کہ دیہات میں جمعہ چار نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے پہلا جمعہ بنی سالم (مدینہ منورہ) میں ادا فرمایا ہے، جس کو سب ہی مانتے ہیں، حالانکہ جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا، تو اگر جمعہ دیہات میں ہو سکتا تو آپؐ کے ۲۴ روزہ قیام میں ضرور ادا فرماتے۔ (لامع ص ۱۶۵) حدیث لامع ص ۸ ج ۲ میں ہے کہ حافظ ابن قیمؒ نے جو صرف چار روز قیام کی بات لکھی وہ روایات بخاری کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری میں باب مقدم النبی ﷺ مدینہ میں صرف ایک دوسری روایت ۱۳ رات کی ہے اور حافظ نے اس کی تصویب بھی کی ہے، پھر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میرے نزدیک اوفق بالروایات ۲۴ والی ہے کیونکہ اکثر روایات کی رو سے حضور علیہ السلام پیر کے دن قبل میں داخل ہوئے تھے اور جمعہ کے روز وہاں سے کوچ فرمایا، اس صورت میں دخول و خروج کا دن نکال دیں تو ۲۴ دن ہی بیٹھتے ہیں اور ۱۴ والی کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہوتی (الابواب والتراجم ص ۲۱۳ ج ۲) حافظ ابن حجر اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۴ والی روایت کی تصویب کی ہے شاید اس لئے کہ مسلم میں بھی ۱۴ کی روایت ہے (شرح المواہب ص ۳۵۲ ج ۱)

دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خوارزمی سے دخول قبل کا دن جمعرات کا منقول ہے، لہذا دخول و خروج کے دو دن نکال کر ۱۴ یوم قیام کی بات بھی درست ہوگی بلکہ نقل مذکور پر ۲۴ یوم کی صورت مرجوح ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر اور شاہ صاحب نے اس سبب سے بھی ۱۴

سے زاد العاد میں ۱۴ دن لکھے ہیں، پھر معلوم نہیں علامہ ابن قیمؒ کی طرف چار دن کی بات کیوں منسوب ہوئی، سیرۃ النبی ص ۵۷ ج ۲ میں تمام مورخین و ارباب سیر کی طرف چار دن کا قول منسوب کیا ہے، بظاہر یہ عمومی دعویٰ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محقق مورخ ابن جریر طبریؒ نے ذکر کیا کہ حضرت علیؑ حضور علیہ السلام کے بعد تین روز تک مکہ معظمہ میں ٹھہرے، پھر پیدل چل کر قہقہہ اور حضور علیہ السلام سے قربائی میں مل گئے اور حضرت اسامہؓ بھی آپؐ کی موجودگی قبل کے دوران مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر قبلہ پہنچ گئیں، بظاہر حضرت زبیرؓ نے مکہ معظمہ پہنچ کر ان کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ کیا ہوگا (جو حضور علیہ السلام سے شام سے واپسی میں تھے) اور کچھ وقت ان کو مکہ معظمہ پہنچنے میں بھی لگا ہوگا پھر یہ سب ۲۴ روز میں کیونکر ممکن تھا؟ اور شرح مواہب میں بھی جو سیرت کی اہم ترین کتاب ہے ۱۴ رات کا قیام قبل کا ذکر ہے، پھر اگر کسی تاریخ سیرت کی کتاب میں چار کا قول بھی دوسرے اقوال کے ساتھ نقل ہوا ہے تو یہ کہہ دینا کیا مناسبت ہے کہ تمام مورخین اور ارباب سیر نے چار دن لکھے ہیں۔

کی تصویب کی ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حضور علیہ السلام سیدھے مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اوپر کے حصے سے قبا کی طرف سے داخل ہوئے تھے اور دخول اعلیٰ المدینہ (قبا) کی صواب تر تاریخ ۸ ربیع الاول ۱ھ ہے جو ۲۴ جون ۶۲۲ء بروز جمعرات کے مطابق ہوتی ہے۔ اس طرح مکمل ۱۴ روز قیام کے بعد جمعہ ۲۳ ربیع الاول ۱ھ، جولائی ۶۲۲ء کو شہر مدینہ منورہ میں داخلہ صحیح ہوتا ہے، دخول قبا والادن جمعرات اور دخول مدینہ طیبہ کا دن جمعہ حساب میں نہ لگے گا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذی الدین مصری ہیئت جدیدہ و قدیم کا، ہر تھا، اس نے فرانسیسی میں کتاب لکھی ہے جس میں شمس تاریخوں کو قمری کے مطابق کیا ہے اور حضور علیہ السلام کے زمانہ کے کسوف کو بھی متعین کیا ہے اس کتاب کا عربی ترجمہ ”افادۃ الافہام“ کے نام سے ہوا ہے اور اچھی کتاب ہے۔ حضرتؒ نے اس مضمون میں یہ بھی فرمایا کہ میں صرف حرمین میں رہا ہوں، مصر نہیں گیا، فصیح عربی بولنے میں علماء حرمین کو میرے ساتھ تکلف ہوتا تھا، البتہ بغداد کے ایک عالم اور صاحب رسالہ حمید یہ کہ وہ میرے ساتھ ایک ماہ رہے مگر وہ بھی بعض اوقات تکلف سے اور سوچ سوچ کر میری باتوں کا جواب دیتے تھے، احقر عرض کرتا ہے کہ حرمین مصر وغیرہ کے علماء کا حال ہمارے زمانہ قیام حرمین و مصر میں بھی ایسا ہی تھا، کیونکہ وہ لوگ گفتگو میں وارجہ زبان کے عادی ہو گئے ہیں، اس لئے فصیح زبان میں ان کو تکلف ہوتا ہے، تاہم لکھنے کی زبان ان لوگوں کی بہت اعلیٰ ہے، دوسری وجہ حضرتؒ کے ساتھ تکلف کی یہ بھی ہوگی کہ حضرتؒ بجز العلوم تھے، ان کا ساتھ علماء عصر نہ دے سکتے تھے اور حضرت کے آخری جملہ سے بھی یہی بات نکلتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ حیات انور ص ۲۲۳ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم کے مضمون میں جو یہ چھپ گیا ہے کہ حضرتؒ مصر گئے تھے، وہ غلط ہے، کاش! وہ مصر، ترکی اور شام و عراق گئے ہوتے اور علامہ کوثری ایسے علماء عصر سے ملنے تو بات ہی کچھ اور ہوتی اور دنیا سے علم میں انقلاب عظیم آجاتا۔ واللہ غالب علی امرہ۔

افادۃ علمیہ مہمہ: قوله وهو يقول اللهم لا خير الاخير الاخرة پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: انخفش (امام نحو) کی رائے ہے کہ رجز، بحور اشعار میں سے نہیں ہے، دوسرے علماء نحو اسی میں سے مانتے ہیں مگر میرے نزدیک انخفش کی رائے دقیق و قوی ہے، رجز اردو کے فقرہ بندی و تک بندی کی طرح ہے اور شعور رجز کو مقابل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ تباع بین کے ہاں رجز بھی ہوتے تھے اور شاعر بھی اور تمام شعراء کے بعد رجز سنا تھا، لہذا رجز شعر کے علاوہ ہے پھر جو لوگ رجز کو شعر میں داخل مانتے ہیں وہ بھی اس میں قصد و ارادہ کو ضروری سمجھتے کہتے ہیں، تو حضور اکرم ﷺ سے انشاء شعر تو کسی طرح ثابت نہیں ہے یعنی آپ نے خود شاعری نہیں کی، نہ کوئی شعر بھی کہا کیونکہ آپ کی شان گرامی کے لئے مناسب و موزوں نہ تھا، البتہ دوسروں کے اشعار یا رجز پڑھنے میں بھی جان بوجھ کر وزن توڑ دیتے تھے جن پر حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا بھی دیا کرتے تھے کہ حضرت! اس طرح نہیں ہے، اور آپ جواب میں فرمادیتے تھے کہ میں شاعر نہیں ہوں، آپ سے یہ شعر بھی پڑھنا ثابت ہے، جس کے اسناد میں ائمہ نحو ہیں

بقال لشیء کا نا لا تحق

نساء ل بما تھوی یکن فلقلما

اصل شعر میں تحققات الف کے ساتھ تھا جس کو آپ نے توڑ دیا۔ العرف الشذی اور فیض الباری میں تحققات چھپا ہے جو غلط ہے کیونکہ سنن

۱۔ ”العرف الشذی“ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس ترمذی و یوہندی یادگار ہے، جو ایک طالب علم نے قلمبندی کی تھی، اس میں سینکڑوں غلطیاں ضبط و کتابت و طبع کی ہیں اور حضرت اس سے خوش نہ تھے مجلس علمی ذابھیل کے زمانہ میں حضرت کی زندگی میں ہی کئی بار یہی درس بخاری شریف کی اشاعت کے لئے بھی تحریک ہوئی مگر حضرت ”مطمئن نہ ہوئے پھر وفات کے بعد راقم اعروف نے حضرت مولانا محمد ہر عالم میرٹھی ثم مدنی سے یہ کام کرایا جس کو نصب الریہ کے ساتھ ہی فیض الباری کے نام سے مصر میں ہم لوگوں نے طبع کرایا تھا وہاں نصب الریہ کے سوادات پر نظر ثانی اور تصحیح و پروف کا کام احقر کے سپرد تھا اور فیض الباری کا ریفی محترم

تہی ص ۴۳ ج ۷ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضور علیہ السلام نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا، مگر ایک، اور پھر یہی مذکورہ بالا شعر ذکر کیا، اس کے بعد امام تہی نے فرمایا کہ رجز پڑھنے کا ثبوت حضور علیہ السلام سے ضرور ہوا ہے اور پھر سندوں کے ساتھ آپ کے پڑھے ہوئے بہت سے رجزوں کا ذکر کیا، پھر یہ اختلاف ہے کہ قرآن مجید سے شعر میں اقتباس جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً

ایہا الناس اتقوا ربکم - زلزلۃ الساعة شیء عظیم - ومن ینق اللہ یمجعل لہ - و یررقہ من حیث لا یحسب  
یہاں ایک ایک لفظ کم کر کے شعر بنا دیا ہے، اس طرح شافعیہ کے یہاں جائز ہے، مگر ہرے یہاں جائز نہیں ہے اور اس سے مجھے تو خوف ہی ہے، اگر بغیر کم کئے ہو جائے تو خیر!

### باب الصلوۃ فی مرائب الغنم

(بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا)

(۴۱۴) حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبۃ عن ابی التیاح عن انس بن مالک قال قال النبی

ﷺ یمصلی فی مرائب الغنم ثم سمعته بعد یقول کان یمصلی فی مرائب الغنم قبل ان یمسجد.

ترجمہ: حضرت ابو التیاح کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھتے تھے، پھر میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز مسجد کی تعمیر سے پہلے پڑھ کر تے تھے۔

تشریح: عرب بکریاں اور اونٹ پالتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، جہاں رات کے وقت انہیں لاکروہ باندھتے تھے ان میں ایک طرف اپنے اٹھنے بیٹھنے کی بھی جگہ بنالیا کرتے تھے جس کی صفائی کا بھی اترام رکھتے تھے، چونکہ مسجد کی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور نماز پڑھنے کے لئے اسلام میں کسی خاص جگہ کی قید نہیں تھی، اس لئے آں حضور ﷺ نے بھی اور صحابہؓ نے بھی بکریوں کے ان باڑوں میں نماز ادا فرمائی، پھر یہاں کی بھی کوئی تخصیص نہیں تھی، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا آپؐ فوراً ادا کریتے، جب مسجد کی تعمیر ہو گئی تو اب عام حالات میں نماز مسجد ہی میں پڑھنا بہتر قرار پایا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری سے متعلق تھا، موصوف نے مولانا موصوف کے علم و فضل اور تالیفی سن کے اعتراف کے ساتھ ہی، اس کی فروگزاشتوں کا بھی مقدمہ میں ذکر کر دیا تھا تاکہ العرف الہدیٰ کی طرح حضرت، موصوف نے خود نہ ہوں، اور جتنی اصلاحات وہ لکھتے وہ کرمی دی تھیں، لیکن لمس ہے کہ جو کچھ مقدمہ میں پڑھتے وہ اب بھی غلطیوں کو حضرت کی ہی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور حال ہی میں ایک مضمون بطور تبصرہ حضرت شاہ صاحب کی حیات و علمی کارناموں سے متعلق "اسلام اور عصر جدید" جامعہ عمری دہلی، (جولائی ۱۹۷۶ء) میں مولانا قاضی زین الدین صاحب مدظلہ کے کاشف ہوا ہے، اس میں ص ۱۰۹ پر آپ نے لکھا - کہ "آپ کے امالی میں فیض الباری جسے آپ کے ممتاز شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے آپ کی زندگی ہی میں آپ کی نظر ثانی کے بعد مرتب کیا ہے، علماء و فضلاء کا مرجع ہے۔" دوسری جگہ ص ۱۱۲ پر لکھا۔ "فیض الباری حضرت شاہ صاحب کی نظر سے گزری ہوگی ہے اس سے زیادہ مستند مجموعہ آپ کے مانی کا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔"

احقر (سابق مدیر مجلس علمی ڈابھیل) نے یہ تبصرہ حیرت سے پڑھا اور محترم قاضی صاحب کو لکھا کہ ان کی یہ دونوں باتیں بے سند اور خلاف واقعہ ہیں، نہ فیض الباری حضرت کی زندگی میں مرتب ہوئی تھی اور نہ حضرت کی نظر ثانی سے شرف ہو سکی، اگر ایسا ہوتا یا حضرت اپنے قلم سے بخاری و ترمذی پر کچھ لکھ جاتے تو حضرت کے علوم سے استفادہ کرنے والوں کی انتہائی خوش نصیبی ہوتی، مگر قاضی صاحب موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ اس بے سند بات کی تردید شائع کی، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوں گے اور اس کے تحت دفر و گزشتوں کو بھی جو ضبط الفاظ و فہم معنی کی کمی یا حوالوں کی عدم مراجعت کی وجہ سے ہو گئی ہیں حضرت کی طرف منسوب کریں گے، حالانکہ اس سے بچانے کیلئے مولانا بنوری نے مقدمہ لکھ لکھا۔

انوار الباری میں اب تک فیض الباری کے بیشتر تحت و فر و گزشتوں کی اصلاح اور حوالوں کی تصحیح ہو چکی ہے، جو صاحب دونوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کریں گے، وہ اس کو محسوس کر لیں گے، احقر کے نزدیک اس وقت حضرت کے امالی درس کے مجموعات میں سے ادویت کا شرف مولانا بنوری کی معارف اسٹن کو ہے، پھر انوار محمود کو کہ اس کا کچھ حصہ حضرت کے مطالعہ میں بھی آ گیا تھا اور مؤلف نے محنت بھی کافی کی تھی، ان کے بعد العرف الہدیٰ وغیرہ ہیں، پھر مجھے یہ بات حقیقت کا اظہار ہے کہ حضرت کی جامعیت علوم و فنون، پورے علوم سلف و خلف کے بے نظیر وسعت مطالعہ اور آپ کی اعلیٰ تحقیق و توفیق کا ادنیٰ ترین عکس بھی کسی امالی میں نہیں آ سکا ہے۔ واللہ اعلم الخ

## باب الصلوة فی مواضع الابل

(اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھنا)

(۴۱۵) حدثنا صدقة بن الفضل قال حدثنا سليمان بن حيان قال حدثنا عبيد الله عن نافع قال رايت

ابن عمر يصلون على بعيره وقال رايت النبي ﷺ يفعله.

ترجمہ: حضرت نافع نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اپنے اونٹ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح پڑھتے دیکھا تھا۔

تشریح: اس باب و حدیث سے امام بخاری کو یہ بتلانا ہے کہ اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت جن احادیث میں موجود ہے وہ دوسری وجہ سے ہے کہ بعض اونٹ شریعہ ہوتے ہیں، بدک جائیں تو نماز اطمینان سے پڑھنی مشکل ہو وغیرہ، ورنہ وہ اگر سدھائے ہوئے ہوں اور سواری کے ہوں جو اکثر بہت ہی زیادہ شریف مزاج ہوتے ہیں تو ان کے پاس نماز میں کوئی حرج نہیں ہے اور حدیث الباب سے یہی بات ثابت کی ہے کہ اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی گئی ہے، اگر ان کے قرب میں فی نفسہ کوئی خرابی نماز میں آسکتی تو حضور علیہ السلام خود کیوں نماز پڑھتے، لیکن امام احمدؒ نے یہاں فقہی وقت نظر سے کام نہ لے کر ظاہری ممانعت حدیث کی وجہ سے اونٹوں کے طویلہ میں نماز کو ناجائز قرار دیا ہے اور اسی کا رد امام بخاریؒ نے کیا ہے، حافظ نے یہاں لکھا کہ ممانعت والی احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہوں گی، اس لئے ان کو ذکر بھی نہیں کیا، مگر میں کہتا ہوں کہ امام بخاری دوسروں کے مسلک والی احادیث روایت کرنے کا التزام ہی کب کرتے ہیں تاویل مذکور کی جائے۔ واللہ اعلم۔

باب من صلی وقدامہ تنور او نار او شیء مما یبعد فارادہ وجہ اللہ عزو جل وقال

الزهری اخبرنی انس بن مالک قال قال النبی ﷺ عرضت علی النار انا اصلی

(جس نے نماز پڑھی اور اس کے سامنے تنور، آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کفر و مشرکین کے یہاں کی جاتی ہے اور نماز پڑھنے والے کا مقصد اس وقت صرف خدا کی عبادت ہو، زہری نے کہا کہ مجھے انس بن مالک نے خبر پہنچائی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے آگ (دوزخ کی) لائی گئی اور اس وقت میں نماز پڑھا تھا)

(۴۱۶) حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن عبد الله بن عباس

قال انخسفت الشمس فصلى رسول الله ﷺ ثم قال اريت النار فلم ار منظرا كاليوم قط افطع.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی اور آج کے منظر سے بھیا تک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ہر رے فقہاء حنفیہ اس حالت میں نماز کو مکروہ کہتے ہیں کہ جتنی ہوئی گ یا انگارے سامنے موجود ہوں کیونکہ مجوسی ان کو پوجتے ہیں لیکن اگر چراغ وغیرہ سامنے ہو تو حرج نہیں کیونکہ مجوسی ان کو نہیں پوجتے اور ممکن ہے امام بخاری نے حنفیہ کی طرف تعریض کی ہو، لیکن ان کا استدلال "عرضت علی النار" سے نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ عام غیب کی چیز تھی جو بحث سے خارج ہے، البتہ امام بخاری کی طرف سے یہ عذر کیا جا سکتا ہے کہ وہ چونکہ مسائل کا فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرتا چلتے ہیں اور احادیث کے اندر وہ متشدد ہیں تو لامحالہ اس قسم کی مناسبات بعیدہ سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں، پھر یہ کہ احادیث میں مسائل فقہیہ صراحتہ کہیں مل سکتے ہیں؟

حافظ نے لکھا کہ ابن سیرین کی طرف اشارہ ہوگا، جو تنور کی طرف نماز کو مکروہ کہتے ہیں، علامہ قسطلانی نے کہا کہ حنفیہ نے تشبیہ بالعبادۃ کی

وجہ سے مکروہ کہا ہے، شرح کبیر میں ہے کہ آگ کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام احمد نے بھی قبلہ کی جانب تنور ہو تو اس کی طرف نماز سے روکا ہے بلکہ چراغ و قندیل بھی سامنے ہو تو نماز ان کے نزدیک مکروہ ہے (حاشیہ لایع ۶۶۱ ج اول باب و التراجع شیخ الحدیث ۲۱۵) گویا امام بخاری نے اس باب سے حنفیہ امام احمد وغیرہ سب پر تقریض کی ہے، جبکہ استدلال کمزور ہے اور کوئی صریح حدیث بھی ان کے خلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

## باب کراهية الصلوة في المقابر

(مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت)

(۴۱۷) حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن عبيد الله بن عمر قال اخبرني نافع عن ابن عمر عن النبي

ﷺ قال اجعلوا في بيوتكم من صلوتكم ولا تتخذوها قبورا.

ترجمہ: حضرت نافع نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو اور انہیں بالکل قبریں نہ بنالو۔

تشریح: امام بخاری ترجمۃ الباب کے مطابق کوئی حدیث نہیں لائے، حافظ نے لکھا کہ امام بخاری نے گویا حدیث ترمذی و ابوداؤد کی طرف اشارہ کیا، جو ان کی شرط پر نہ ہوگی کہ ساری زمین نماز کی جگہ ہے سواء مقبرہ و حمام کے اور حدیث الباب کے جملہ "ولا تتخذوها قبورا" سے یہ استنباط کیا کہ قبریں محل عبادت نہیں ہیں، لہذا ان کے درمیان نماز مکروہ ہوگی۔

پہلے ذکر ہوا کہ امام احمد و اہل طہر مقبرہ میں نماز کو حرام قرار دیتے ہیں، امام مالک بلا کراہت جائز اور حنفیہ کراہت کے ساتھ ہذا سترہ کے اور سترہ ہو تو سامنے قبر میں بھی کراہت نہیں اور جانب قبلہ کے علاوہ قبور ہو تب بھی کراہت نہیں، پس اس باب سے بڑا رد تو امام مالک کا ہوتا ہے اور دلائل مذاہب کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

افادہ انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حدیث الباب کی شرح مختلف طور سے کی گئی ہے، ایک یہ کہ اپنی میتوں کو گھروں میں دفن نہ کرو مگر وہ یہاں مناسب نہیں کہ بیان نماز کا ہے، دفن کا نہیں ہے، دوسرے یہ کہ گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو، گھروں کو مقابر کی طرح مت کرو کہ ان میں بغیر سترہ کے نماز نہیں پڑھ سکتے، ان جیسے گھروں کو مت بنادو۔

تیسرے یہ کہ گھروں کو قبور کی طرح معطل نہ کرو، کہ جیسے اہل قبور قبروں میں نماز نہیں پڑھتے تم بھی گھروں میں نہ پڑھو اس صورت میں ترجمۃ الباب سے مناسبت نہ رہے گی کیونکہ اس شرح میں مقبرہ میں جواز عدم جواز نماز کی بات نہ لکھی گئی جبکہ امام بخاری نے فقہی کراہت کا ترجمہ و عنوان قائم کیا ہے، اگرچہ میرے نزدیک یہ شرح سب سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، دوسرے یہ شرح میری خاص تحقیق کے بھی خلاف ہے کیونکہ میرے نزدیک قبور میں تظلل نہیں ہے، بلکہ ان میں قراءۃ قرآن مجید، نماز، اذان وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا حج بھی ثابت ہے، شرح الصدر امام سیوطیؒ میں بھی تفصیل ہے اور اہل کشف بھی ان کے قائل ہیں، جو ہم سے زیادہ ان امور سے واقف ہوتے ہیں، لہذا ہم بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے الا یہ کہ شرع میں ان کی صراحت سے انکار وارد ہوتا۔ حضرت نے مزید فرمایا کہ اگرچہ قبور کے اندر اصل تو تظلل ہی ہے اور مذکورہ بالا واقعات بطور مستثنیات کے ہیں، گو مستثنیات کی بھی کمی نہیں ہے، تاہم عام طور سے بھی چونکہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہاں تظلل ہے، اس لئے حدیث کا ظاہر درست ہی رہے گا۔

پھر فرمایا: اگرچہ عالم دو ہیں (۱) عالم شہادۃ اور (۲) عالم غیب مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ (۳) شریعت عام لوگوں کے علم و احساس کو بھی واقعہ و نفس الامر کی طرح قرار دے دیتی ہے، جیسے آیت والشمس تجری لمستقر لہا میں بظہر عام ادراک و احساس کی رعایت کی

گئی ہے، پھر ہو سکتا ہے کہ نفس الامر واقعہ بھی ایسا ہی ہو یا فلک کا جریان مع اپنی جگہ ثبوت شمس کے ہو یا جیسے حدیث میں نیند کو اخ الموت کہا گیا، حالانکہ نیند میں آدمی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے یا اموات خدا کی مشیت کے ساتھ ہماری باتیں سنتے بھی ہیں (اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو بالاتفاق سنتے ہیں، ان کے بارے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں)

## باب الصلوة فی مواضع الخسف والعذاب

### ویذکر ان علیاً کرہ الصلوة بخسف بابل

(عذاب کی وجہ سے دھنسی ہوئے جنگبوں میں اور عذاب کے مقامات میں نماز کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بابل کی منسی ہوئی جگہ میں (عذاب کی وجہ سے) نماز کو ناپسند فرمایا)

(۴۱۸) حدثنا اسمعيل بن عبد الله قال حدثني مالك عن عبد الله بن دينار عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال لا تدخلوا علي هؤلاء المعذبين الا ان تكونوا باكين لان لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم ما اصابهم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان معذب قوموں کے آثار سے اگر تمہارا گزر ہو تو روتے ہوئے گزرو، اگر تم اس موقع پر نہ سکو تو ان سے گزرو بی نہ، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائے جس نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔  
تشریح: ان مقامات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگرچہ حدیث میں جو اس عنوان کے تحت دی گئی ہے نماز سے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں ہے، لیکن اس میں اس بات کو بتلایا گیا ہے کہ ایک مومن کے دل میں ان مقامات سے گزرتے ہوئے کس طرح کا تاثر ہونا چاہئے، اس سے پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ ایک سفر میں جب رات کے آخری حصہ میں آن حضور ﷺ نے صحابہ کے ساتھ پڑاؤ والا تو فجر کی نماز کا وقت گزر گیا اور آپ بیدار نہ ہوئے سورج نکلنے کے بعد جب آنکھ کھلی تو فوراً صحابہ سے فرمایا کہ یہاں سے نکل چلو کیونکہ یہاں شیطان کا اثر ہے اور تھوڑی دور جا کر آپ نے نماز ادا فرمائی اس لئے جن مقامات پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے وہاں بھی شیطانی اثرات ضرور ہوں گے۔

## باب الصلوة فی البیعة وقال عمر انا لا ندخل کنا نسکم من اجل التماثل

### التي فيها الصور وکان ابن عباس یصلی فی البیعة الا بیعة فیها التماثل

(کلیسا میں نماز، حضرت عمرؓ کلیسا میں نماز پڑھتے تھے، لیکن جن میں مجسمے رکھے ہوتے ان میں نہیں پڑھتے تھے)

(۴۱۹) حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان ام سلمة ذكرت لرسول الله ﷺ كنيسة راتها. رض الحبشة يقال لها مارية فذكرت له مارات فيها من الصور فقال رسول الله ﷺ اولئك قوم ادا مات فيهم العبد الصالح او الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا وصورو فيه تلك الصور اولئك شرار الخلق عند الله.

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک کلیسا کا ذکر کیا ہے جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اسے ماریہ کہتے تھے، انہوں نے ان مجسموں کا بھی ذکر کیا جنہیں اس میں دیکھا تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ تھے کہ اگر ان میں کوئی نیک (یا یہ فرمایا کہ) نیک شخص مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اسی طرح کے مجسمے رکھتے یہ لوگ خدا کی بدترین مخلوق ہیں۔



**تشریح:** حضرت نگویئے نے فرمایا کہ کینہ میں نماز بد کر اہت جائز ہے، بشرطیکہ وہاں تصاویر و تماثل نہ ہوں۔ (لامح ص ۷۰ ج ۱)

**باب: (۴۲۰)** حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني عبيد الله بن عتبة ان عائشة وعبد الله بن عباس قالوا لما نزل برسول الله ﷺ طفق يطرح خميصة له على وجهه فاذا اغتم به كشفها عن وجهه فقال وهو كذلك لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبورا للنبياهم مساجد يحذر ما صنعوا.

(۴۲۱) حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال قاتل الله اليهود واتخذوا قبور انبياءهم مساجد.

ترجمہ ۴۲۰: حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ مرض الوفا میں اپنی چادر کو بار بار چہرے پر ڈالتے تھے جب گھبراہٹ ہوتی یا دم گھٹتا تو چادر ہٹا دیتے آپؐ نے اس اضطراب و پریشانی کی حالت میں فرمایا خدا کی یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں یہود و نصاریٰ کی بدعات سے آپؐ لوگوں کو ڈرا رہے تھے۔

ترجمہ ۴۲۱: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالی ہیں۔  
**تشریح:** آپؐ نے اپنے مرض الوفا میں خاص طور سے یہود و نصاریٰ کی اس بدعت کا ذکر کیا اور ان پر لعنت بھیجی کیونکہ آپؐ بھی نبی تھے اور سابق میں انبیاء و صالحین کے ساتھ ایک معاملہ گزر چکا تھا، اس لئے آپؐ چاہتے تھے کہ اپنی امت کو اس بات پر خاص طور سے متنبہ کر دیں۔

### باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً

(نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ مجھے روئے زمین کے ہر حصہ پر نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے)

(۴۲۲) حدثنا محمد بن سنان قال حدثنا هشيم قال حدثنا سيار هو ابو الحكم قال حدثنا يزيد الفقير قال

حدثنا جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ اعطيت خمساً لم يعطهن احد من الانبياء قبلي

نصرت بالرعب مسيرة شهر و جعلت لي الارض مسجداً و طهوراً و ايمارجل من امتي ادركته الصلوة

فليصل و احلت لي الغنائم و كان النبي يعث الى قومه خاصة و بعث الى الناس كافة و اعطيت الشفاعة

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئی تھیں، میرا رب ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں پر پڑتا ہے اور میرے لئے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے، اس لئے میری امت کے جس فرد کی نماز کا وقت (جہاں بھی) آجائے اسے وہیں نماز پڑھ لینی چاہئے اور میرے لئے نعمت حلال کی گئی ہے، پہلے انبیاء اپنی خاص قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجے جاتے تھے لیکن مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی (قیامت تک) ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

**تشریح:** حافظ نے لکھا کہ شاید امام بخاری اس باب اور حدیث سے اس امر کی طرف اشارہ کر گئے کہ سابقہ ابواب میں کراہت تحریم کے لئے نہ تھی کیونکہ تمام زمین کو مسجد فرمادیا گیا۔ (فتح الباری ص ۳۵۹ ج ۱)

## باب نوم المرأة فی المسجد

(عورت کا مسجد میں سونا)

(۴۲۳) حدثنا عبد بن اسمعيل قال حدثنا ابو اسامة عن هشام عن ابيه عن عائشة ان وليدة كانت سوداء لحى من العرب فاعتقوها فكانت معهم قالت فخر جنت صبية لهم عليها و شاح احمر من سيور قالت فوضعتہ او وقع منها لهم بھی جدیاء وهو ملقى فحسبته لحما فخطفته قالت فالتمسوه فلم يجدوه قالت فاتهموني بھی قالت فطفقوا يفتشوني حتى فتشوا قبلها قالت والله اني لقائمة معهم اذ مرت الحدياء فالقته قالت فوقع بينهم قالت فقلت هذا الذي اتهمتموني به زعمتم وانا منه بريئة وهو ذا هو قالت وجاءت الى رسول الله ﷺ فاستمعت قالت عائشة فكانت لها خبا في المسجد او خفش قالت فكانت تاتيني فتحدث عندي قالت فلا تجلس عندي مجلسا الا قالت. ويوم الوشاح من تعاضيب ربنا الا انه من بلدة الكفر انجاني. قالت عائشة فقلت لها ماشانك لا تفعدين معي مقعدا الا قلت هذا قالت فحدثتني بهذا الحديث.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی کسی کالے یا سانوے رنگ کی باندی تھی، انہوں نے اسے آزاد کر دیا اور وہ ان ہی کے ساتھ رہتی تھی، اس نے بیان کیا کہ ان کی ایک لڑکی کہیں باہر گئی وہ تھے کا سرخ جڑاؤ پہنے ہوئے تھی اس باندی نے بتایا کہ یا تو لڑکی نے اسے خود کہیں چھوڑ دیا تھا یا اس سے گر گیا تھا پھر اس طرف سے ایک چیل گزری وہ سرخ جڑاؤ پڑا ہوا تھا، چیل اسے گوشت کچھ کر چھپٹ لے گئے بعد میں قبیلہ والوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن ملتا کہیں سے ان لوگوں نے اس کی تہمت مجھ پر لگا دی اور میری تلاشی لینی شروع کر دی، انہوں نے اس کی شرم گاہ تک کی تلاشی لی اس نے بیان کیا کہ واللہ میں ان کے ساتھ اسی حالت میں کھڑی تھی کہ وہی چیل آئی اور اس نے ان کا زیور گرا دیا وہ ان کے سامنے ہی گرا، میں نے (اسے دیکھ کر) کہا یہی تو تھا جس کی تم مجھ پر تہمت لگاتے تھے، تم لوگوں نے مجھ پر اس کا الزام لگایا تھا حالانکہ میں اس سے بری تھی، یہی تو وہ زیور ہے، اس نے کہا کہ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام لائی حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ اس کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگا دیا گیا (یا یہ کہا کہ) چھوٹا سا خیمہ لگا دیا گیا، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ وہ باندی میرے پاس آتی تھی اور مجھ سے باتیں کرتی تھی، جب بھی وہ میرے پاس آتی تو یہ ضرور کہتی، جڑاؤ کا دن ہمارے رب کی عجیب نشانیوں میں سے ایک ہے، اسی نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا، آخر بات کیا ہے، جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو یہ بات ضرور کہتی ہو، آپ نے بیان کیا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

تشریح: یہ ایک خاص واقعہ ہے اور زیادہ سے زیادہ رخصت کے درجہ میں، اس سے کوئی مسئلہ اخذ کیا جاسکتا ہے کیونکہ سوتے وقت مسجد کا جو واقعی احترام ہے وہ قائم نہیں رکھا جاسکتا حضرت عمرؓ کے عہد میں دو اجنبی بلند آواز سے گفتگو کر رہے تھے، آپ نے جب سنا تو انہیں بلا کر فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے باشندے ہو تو میں تمہیں اس کی سزا دینے بغیر نہ رہتا نبی کریم ﷺ کی مسجد میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو کرتے ہو! جب مسجد کی حرمت و عزت اس درجہ ملحوظ ہے تو عام حالات میں سونے کی اجازت کس طرح دی جاسکتی ہے اور وہ بھی عورتوں کے لئے؟ حنفیہ کے یہاں مسافروں کا اس سے استثناء ہے ورنہ مردوں کے لئے بھی مسجد میں سونا عام حالات میں ان کے نزدیک مکروہ ہے غالباً اس نو مسلم لونڈی کا خیمہ مسجد نبوی کے شمالی حصہ میں لگوا دیا گیا ہوگا، جو تحویل قبلہ کے بعد سے فقہی لحاظ سے داخل مسجد بھی نہ رہا تھا اور اس کا ایک حصہ اصحاب

صفہ کے لئے بھی تھا تو ایسے واقعات کو احکام مسجد ثابت کرنے کے لئے لانا ہی کیا ضروری تھا، دوسرے بقوس حضرت شاہ صاحبؒ امام بخاری نے ایسے خاص و قوی واقعات بجائے رخصت کے درجہ میں رکھنے کے عزیمت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور یہ فقہ البخاری ہے کہ جن امور کا احتمال اور نظر انداز کرنا مناسب تھا ان کو وسعت دے کر عمل کے لئے پیش کر رہے ہیں جس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ کم فہم لوگ ان امور کو بھی سنت سمجھ کر عمل کرنے لگیں گے، مثلاً امام بخاری ایک باب لائیں گے ص ۶۶ پر ادخال البعیر فی المسجد اور ص ۶۷ پر لائیں گے باب رفع الصوت فی المسجد تو بعض مسجد تو بعض لوگوں نے سنت سمجھ کر مسجد حرام میں بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیا تھا اور کہتے ہیں کہ مسجد نبویؐ میں گھوڑے بھی باندھے گئے اور ہاون دستہ بھی کوٹا اور کھڑکھڑایا گیا تھا اور ہمارے سلفی بھائی بھی کہا کرتے ہیں کہ یہاں کیا رکھا ہے (یعنی مسجد نبویؐ یا مزار اقدس میں) اور مواجہہ مقدسہ میں بیٹھنے کو برا سمجھتے ہیں اور اپنے زعم میں ان امور کو خالص توحید کے عقیدہ سے منافی سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک واقعہ جزئیہ امام بخاری نے رفع الصوت فی المسجد کے جواز کا پیش کر دیا تھا اگرچہ دوسرا واقعہ حضرت عمرؓ کی ممانعت کا بھی روایت کر دیا ہے یہ سب افراط و تفریط ہے۔ واللہ اعلم۔

**باب نوم الرجال فی المسجد وقال ابو قلابہ عن انس بن مالک قدم رھط من عکل علی**

**النبي ﷺ وكانو فی الصفہ وقال عبدالرحمن بن ابی بکر کان اصحاب الصفہ الفقراء**

(مسجد میں مردوں کا سونا) اور ابو قلابہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ عکل کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ

کی خدمت میں آئے اور صفہ میں ٹھہرے، عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ نے فرمایا کہ صفہ میں رہنے والے اصحاب فقراء تھے)

(۴۲۴) حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن عبيد الله قال حدثني نافع قال اخبرني عبد الله بن عمر انه

كان ينام وهو شاب اعزب لا اهل له في مسجد النبي ﷺ.

(۴۲۵) حدثنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا عبدالعزيز بن ابي حازم عن ابي حازم عن سهل بن سعد قال

حاء رسول الله ﷺ بيت فاطمة فلم يجد عليا في البيت فقال ابن ابي عمك كان بيني وبينه شيء

فماضني لخروج فلم يقل عندى فقال رسول الله ﷺ لانسان انظر ابن هو فجاء فقال يا رسول الله هو

في المسجد را قد فجاء رسول الله ﷺ وهو مضطجع قد سقط رداءه عن شقه و احابه تراب فجعل

رسول الله ﷺ يمسحه عند ويقول قم ابا تراب قم ابا تراب.

ترجمہ: حضرت عبداللہؐ نے فرمایا کہ وہ اپنی جوانی کے زمانے میں جب بیوی بچے نہیں تھے نبی کریم ﷺ کی مسجد میں سوتے تھے۔

**تشریح:** صفہ مسجد نبویؐ میں ایک طرف سایہ دار جگہ تھی جہاں فقراء و مساکین رہا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے اپنی جوانی کا جو واقعہ بیان

کیا ہے اسے مسجد میں سونے کی دلیل نہیں بتایا جاسکتا کیونکہ حضرت ابن عمرؓ اس دور میں مدینہ میں بے وطن تھے نہ گھر تھا نہ پاس لئے آپ مسجد

میں سوتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے خود فرمایا کہ میں نے چاہا کہ ایک جمہور نبویؐ ذال لوں مگر انہوں نے کسی نے میری مدد نہ

کی، لہذا وہ تو مسافر سے بھی زیادہ مسجد میں اقامت کے مستحق تھے اور مسافر کے لئے اجازت ہے۔

ترجمہ: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم نے بیان کیا حضرت بکیر بن سعدؓ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ حضرت علیؓ گھر میں موجود نہیں ہیں اس لئے آپ نے حضرت فاطمہؓ سے

دریافت کیا کہ تمہارے بچے کے لڑکے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری پیش آگئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں

باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ علیؑ کو تلاش کریں کہ وہ کہاں ہیں وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، حضرت علیؑ لینے ہوئے تھے، چادر آپ کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ جسم سے دھول جھاڑتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے، اٹھو ابو تراب اٹھو۔

**تشریح:** چونکہ آپ کے بدن پر مٹی زیادہ لگ گئی تھی اسی مناسبت سے آپ نے ابو تراب فرمایا، تراب کے معنی مٹی کے ہیں، حضرت علیؑ کو اگر بعد میں کوئی اس کنیت کے ساتھ خطاب کرتا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ جو ناگواری پیش آگئی ہے وہ دور ہو جائے اس واقعہ سے اسلام میں رفیعہ معاہرت میں مدارات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ رات کے وقت سونے اور دن کے وقت قیلولہ کے لئے لیٹ جانے میں بڑا فرق ہے اس لئے قیلولہ سے رات کے سونے کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔

(۴۲۶) حدثنا یوسف بن عیسیٰ قال حدثنا ابن فضیل عن ابیہ عن ابی حارم عن ابی ہریرۃ قال لقد

رایت سبعین من اصحاب المصفۃ ما منهم رجل علیہ رداء اما ازادو اما کساء قدر بطوا فی اعناقہم

فمنہا ما یبلغ نصف الساقین و منها ما یبلغ الکعبین فیجمعہ بیدہ کراہیۃ ان تری عورتہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے سترہ اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کے پاس چادر (رداء) ہو یا تہبند ہوتا تھا یا رات کو اوڑھنے کا کپڑا جنہیں یہ اصحاب اپنی گردنوں سے باندھ لیتے تھے یہ کپڑے کسی کی آدمی پنڈلی تک آتے اور کسی کے ٹخنوں تک، یہ حضرات ان کپڑوں کو اس خیال سے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اپنے ہاتھوں سے تھامے رہتے تھے۔

**تشریح:** رداء ایسی چادر کو کہتے تھے جسے تہبند کے اوپر کرتا پہننے کے بجائے اوڑھتے تھے، اس حدیث سے اصحاب صفہ کی غربت و فلاکت کا پتہ چلتا ہے۔

## باب الصلوۃ اذا قدم من سفر و قال کعب بن مالک

کان النبی ﷺ اذا قدم من سفر بداء بالمسجد فصلى فیہ

(سفر سے واپسی پر نماز، کعب بن مالک نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف

لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور نماز پڑھتے)

(۴۲۷) حدثنا حماد بن یحییٰ قال حدثنا مسعر قال حدثنا محارب بن دثار عن جابر بن عبد اللہ قال

اہت النبی ﷺ و هو فی المسجد قال مسعر اراه قال ضعی فقال صل رکعتین و کان لی علیہ دین

لقضائی و زاد لی۔

**ترجمہ:** حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، مسعر نے کہا میرا خیال ہے کہ محارب نے چاشت کا وقت بتایا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (پہلے) دو رکعت نماز پڑھ لو، میرا آن حضور ﷺ پر کچھ قرض تھا جسے آپ نے ادا کیا اور مزید بخشش کی۔

**تشریح:** حضرت جابرؓ سفر سے آئے تھے، مسجد نبوی میں پہنچے تو حضرت نے ان کو دو رکعت سنت مراجعت سفر کے لئے ارشاد

فرمایا اس حدیث جابرہؓ کو امام بخاری میں جگہ لائے ہیں اور مسائل اخذ کئے ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۶۱ ج ۱)

## باب اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس

(جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے)

(۴۲۸) حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن عمرو بن سليم الرورقي عن ابي قتاده السلمي ان رسول الله ﷺ قال اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس ترجمہ ۴۲۸: حضرت ابوقحیفہ سلمیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

تشریح: یہاں تحیہ المسجد کا بیان ہوا ہے اور یہ نفل حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے پڑھی جائیں اور فقہاء نے لکھا کہ اگر بیٹھنے سے پہلے سنتوں یا فرضوں میں مشغول ہو جائے تو ان کے ضمن میں نماز تحیہ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے، مگر جاہل لوگ اس کے خلاف مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھ جاتے ہیں، پھر نفل یا سنت وغیرہ پڑھتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اس نماز کو اہل ظاہر نے واجب کہا ہے اور بعض اہل ظاہر تہجد، چاشت و سنت فجر کو بھی واجب کہتے ہیں گویا اتنے فرض و واجب کا اضافہ ہو گیا پانچ نمازوں پر، مگر حنفیہ نے اُترتوں کو واجب کہہ دیا تو سارے سلفی و غیر سلفی طعن کرنے لگے کہ ایک نماز زیادہ کر دی ہے۔ واللہ المستعان۔

## باب الحدث فی المسجد

(مسجد میں ریاح خارج کرنا)

(۴۲۹) حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال ان الملائكة تصلي على احدكم ما دام في مصلاه الذي صلى فيه مالم يحدث تقول اللهم اغفر له اللهم ارحمه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے مصلے پر جہاں تم نے نماز پڑھی تھی رہو اور ریاح خارج نہ کرو تو ملائکہ تمہارے لئے برابر رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، کہتے ہیں اے اللہ اس کی مغفرت کی کیجئے اے اللہ اس پر رحم کیجئے۔ تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں اخراج ریاح مکروہ تحریمی ہے، دوسرا قول مکروہ تنزیہی کا ہے تاہم میرے نزدیک مشکلف اس حکم سے مستثنیٰ ہے، واللہ اعلم، حضرت نے مزید فرمایا کہ غالباً اخراج ریاح کی صورت میں اس پر بد دعا کرتے ہوں گے کیونکہ بد بوسے ان کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن یہ ضرر معنوی ہے جس طرح نوم جب بلا وضو یا تیمم کے یا وضو بلا تسبیح، یا طعام بلا تسبیح (کہ شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے) یا جماع بلا تسبیح وغیرہ مگر چونکہ ان سب کے لئے امر شرعی وارد نہیں ہوا اور نہ ترک پر وعید آئی، اس لئے ان سب جگہ صرف کراہت تنزیہی اور استحباب کا درجہ ہوگا، اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص تحقیق اور زیادہ تفصیل انوار الباری ص ۱۶۰ ج ۴ (باب التسمیۃ علی کل حال) میں آچکی ہے۔

افادہ: حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے اس باب سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو بے وضو آدمی کے لئے جنبی کی طرح دخول مسجد کو ممنوع کہتے ہیں، اس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے ایراد کیا کہ یہ غرض ہوتی تو امام بخاریؒ باب المحدث فی المسجد کا عنوان قائم کرتے اور ممکن ہے جواز حدث فی المسجد کا اثبات مقصود ہو کیونکہ وہ حدیث سے ثابت ہے، یا کراہت بتلانی ہو کیونکہ اس کی وجہ سے وہ شخص فرشتوں کی دعاء سے محروم ہو جاتا ہے۔

علامہ نووی نے شرح المذہب میں حدیث کو غیر ممنوع کہا، سروجی نے کہا کہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے، علامہ درودیر نے اس کو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع قرار دیا ابن عابدین نے بھی منع کیا، سلف میں بھی اختلاف رہا ہے، بعض نے کہا کوئی حرج نہیں، بعض نے کہا کہ ضرورت کے وقت جائز ہے ورنہ نکس اور یہی زیادہ صحیح ہے (الایوب ص ۲۱۸ ج ۲)

**باب بنیان المسجد وقال ابو سعید کان سقف المسجد من جرید النخل و امر عمر ببناء المسجد و قال اکن الناس من المطر و ایال ان تحمر او تصفر ففتن الناس و قال انس یتباہون بها ثم لا یعمرونها الا قلیلا و قال ابن عباس لتزخر فنها کما زخرت الیہود و النصارى**  
(مسجد کی عمارت، حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی چھت کجور کی شاخوں سے، ہموار کی گئی تھی، حضرت عمرؓ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو فرمایا کہ میں تمہیں بارش سے بچانا چاہتا ہوں، مسجدوں پر سرخ و زرد رنگ کروانے سے بچو کہ اس سے لوگ غافل ہو جائیں گے، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (اس طرح پختہ بنوانے سے) لوگ مساجد پر فخر و مباہات کرنے لگیں گے اور اس کو آباد کرنے کے لئے بہت کم لوگ رہ جائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی مساجد کی اسی طرح زیبائش کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے کی)

(۴۳۰) حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا یعقوب بن ابراہیم بن سعید قال لثناء ابی عن صالح بن کيسان لنا نافع ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان المسجد کان علی عہد رسول اللہ ﷺ مبنیاً باللبن وسقفہ الجرید و عمدہ خشب النخل فلم یزد فیہ ابو بکر شیناً و زاد فیہ عمرو بناء علی بنیانیہ فی عہد رسول اللہ ﷺ باللبن والجرید واعاد عمدہ خشباً ثم غیرہ عثمان فزاد فیہ زیادة کثیرة و بنی جدارہ بالحبارة المنقوشة والقصة وجعل عمدہ من حجارة منقوشة وسقفہ بالساج.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں مسجد کجی اینٹ سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کجور کی شاخوں کی تھی اور ستون اسی کے تھیں، حضرت ابو بکرؓ نے اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کی البتہ حضرت عمرؓ نے اسے بڑھایا اور اس کی تعمیر رسول اللہ ﷺ کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق کجی اینٹوں اور کجور کی شاخوں سے کی اور اس کے ستون بھی لکڑی ہی کے رکھے، پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی عمارت کو بدل دیا اور اس میں بہت سے تعمیرات کئے، اس کی دیواریں بھی نقش پتھروں اور گچھ سے بنوائیں، اس کے ستونوں کو بھی نقش پتھروں سے بنوایا اور چھت سا گوان کی کر دی۔

**تشریح:** ابن بطال نے کہا ہے کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ بات لوگوں کے غافل ہونے کی اس واقعہ سے سمجھی ہو جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوجہم کی دھاریدار چادر واپس کر دی تھی، پہلے اس میں آپ نے نماز پڑھی اور واپس کرتے وقت فرمایا کہ یہ چادر مجھے میری نماز سے غافل کر دیتی، حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی خاص علم رہا ہو کیونکہ ابن ماجہ میں ایک روایت میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی قوم میں جب بد عملی پھیل جاتی ہے تو وہ اپنی عبادت گاہوں کو بڑی زیب و زینت کے ساتھ سجاتے ہیں، متعدد صحیح احادیث میں بھی مساجد کے پختہ بنوانے کو قیامت کی علامت کہا گیا ہے، ان احادیث و آثار سے بظہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کو پختہ کروانا جائز ہی نہ ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو پختہ کرایا تو بعض صحابہ نے اس پر اعتراض کیا لیکن حضرت عثمانؓ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے زیادہ دین کے رموز سے واقف تھے، چنانچہ اس واقعہ کے بعد جب ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ شریف لائے اور آپ کو حالات کا علم ہوا تو آپ نے ایک حدیث سنائی جس میں بصر اُحت اس بات کی پیشین گوئی تھی کہ ایک دن آئے گا کہ میری اس مسجد کی تعمیر پختہ بنیادوں پر ہوگی، حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو اپنے دور خلافت میں ذاتی خرچ

سے پختہ کرایا تھا اور جب آپ کو یہ حدیث ابو ہریرہ نے سنائی تو خوش ہو کر اپنی جیب سے پانچ سو درہم آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیئے۔

اس کے علاوہ جب بعض صحابہ نے اعتراض کیا تو آپ نے یہ حدیث پیش کی تھی کہ جس نے ایک مسجد تعمیر کی خدا جنت میں اس کے لئے ویسا ہی مکان بنائے گا، گو یا آپ کے نزدیک کیفیت تعمیرات بھی اس اجر میں مراد ہے، مسجد کی پختگی اور ان کی زیب و زینت کے سلسلے میں جس طرح کی احادیث آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کا منصب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف سے بے توجہی اور حصول آخرت کی ترغیب دیں، مساجد اور اس سے متعلقہ چیزیں اگرچہ دین سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی ظاہری حسن و زیبائش عموماً بنانے والوں کے لئے دنیا میں فخر و مباہات کا سبب بن جاتی ہیں، پھر دین میں مطلوب عبادت، اس میں خشوع و خضوع ہے نہ کہ تعمیر و تزئین اسی لئے آں حضور ﷺ خاص طور سے اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ظاہری زیب و زینت پر اپنی ساری توجہ صرف کر کے اصل مقصد سے غافل نہ ہو جائیں اور ہوتا بھی یہی ہے کہ لوگ بعد میں روح اور تقویٰ سے زیادہ ظاہری شان و شوکت کو اہمیت دینے لگتے ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ بکثرت احادیث کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا جاتا کہ آں حضور ﷺ نے اس طرح کے مسائل پیدا ہو جانے والی دوسری صورتوں کی تردید بڑی شدت کے ساتھ کی ہے جو مقصود و مطلوب نہیں ہوتیں اور عام طور سے ان ہی کو مقصود و مطلوب بنا لیا جاتا ہے، یا جو اہم ہوتی ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ انہیں اہمیت نہیں دیتے، مساجد کی زیبائش اگر اس کی تعظیم کے پیش نظر کی جائے اور اس میں کوئی اپنا ذاتی روپیہ لگائے، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی رخصت ہے، ابن المہیر نے کہا ہے کہ جب لوگ اپنے ذاتی مکان پختہ بنوانے لگے اور اس کی زیبائش و آرائش پر روپیہ خرچ کرنے لگے تو اگر انہوں نے مسجد کی تعمیر میں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے تاکہ مسجد کی اہانت و استخفاف نہ ہونے پائے، اس لئے اصل تو یہی ہے کہ مساجد سادہ طریقہ پر تعمیر ہوں لیکن زمانہ بدل گیا تو پختہ بنوانے میں بھی حرج نہیں، لہذا اس طرح کے تمام مسائل میں بنیادی بات یہ ہے کہ ظاہری شہرت، روح، تقویٰ اور دلوں کی طہارت کے لئے سب سے زیادہ مہلک ہے اور ان تمام احادیث و آثار میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں یہی بنیادی مقصد پیش نظر ہے جب یہود و نصاریٰ اپنے مذہب کی روح سے غافل ہو گئے تو سارا زور چند ظاہری رسوم و رواج پر دینے لگے (عمدۃ القاری، فتح الباری و افادات انوری)

**افادہ:** مسجد نبویؐ آں حضور ﷺ کے عہد میں بھی دو مرتبہ تعمیر ہوئی تھی، پہلی مرتبہ اس کا طول و عرض ساٹھ ساٹھ ہاتھ تھا، دوبارہ آپ ہی کے عہد میں اس کی تعمیر غزوہ خیبر کے بعد ہوئی، اس مرتبہ اس کا طول و عرض سو سو ہاتھ رکھا گیا، حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس میں مزید اضافہ کرایا تھا، حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں طول و عرض بھی بڑھوایا تھا اور پختہ بنیادوں پر اس کی تعمیر کرائی بعض سلاطین نے ان تمام تعمیرات کو جو عہد نبویؐ میں ہوئے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں ہوئے نشانات لگا کر ممتاز کر دیا ہے اس کے بعد متعدد سلاطین نے بھی مسجد نبویؐ میں اضافہ کرایا، لیکن یہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر ممانعت عمری و فعل حضرت عثمانؓ کی توجہ کے ذیل میں غرض شارح کی مزید وضاحت فرمائی کہ احادیث میں پختہ مکانات بنانے کی بھی ناپسندیدگی آئی ہے تاکہ اسباب دنیا میں انہماک و غلو نہ ہو، جس کی وجہ سے اکثر آخرت کی طرف سے غفلت آ جاتی ہے، لیکن اگر یہ برائی پیدا نہ ہو تو علماء نے اجازت دی ہے اور اس کی طرف محقق ابن المہیر نے اشارہ کیا ہے کہ جب لوگ اپنے پختہ مکانات بنانے لگے تو مسجد ہی کو اس سے کیوں محروم کیا جائے لہذا اصل تو یہی ہے کہ مسجد بھی پختہ نہ بنائی جائے مگر زمانہ کے حالات اس کے متقاضی ہوں تو پھر اس کو احادیث کے خلاف نہ شمار کیا جائے گا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر سلاطین و امراء پہلے زمانہ میں مسجد علی شان اور پختہ نہ بنا جاتے تو آج مسجد کا خصوصاً بلاد کفر میں نام و نشان بھی نہ ہوتا (جامع قرطبہ و دیگر مساجد و آثار ائدلس اور اسی طرح مساجد و آثار ہنداس کی مثال ہیں، لہذا مساجد و مدارس و دیگر آثار اسلامیہ کے استحکام کو فوائد و مصالح سے خالی نہیں کہہ سکتے) معلوم ہوا کہ ممانعت نبویہ کا

مقصد اپنے موضوع نبوت و رسالت کے تحت اظہار ناپسندیدگی کے لئے تھا، پھر جیسے جیسے مصالح و منافع حضرات صحابہ و تابعین و متاخرین اکابر امت محمدیہ کے سامنے آتے گئے، ان کے مطابق عمل بھی اتباع سنت ہی قرار دیا جائے گا اور مصالح امت کی وجہ سے وہ کراہت و ناپسندیدگی ختم ہو جائے گی، اسی کے ساتھ مندرجہ ذیل امور بھی قابل لحاظ ہیں:-

(۱) اپنے رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے کی ممانعت بھی بیان حلت و حرمت شرعی کے لئے نہیں وارد ہوئی بلکہ یہ بتلانے کے لئے ہوئی کہ انسان کو دنیا میں مسافر کی طرح رہنا چاہئے لہذا اس کو عالی شان عمارتوں اور اسباب عیش و تہذیب کی طرف راغب نہ ہونا چاہئے۔

(۲) اس کی دوسری مثال مشکوٰۃ کی حدیث ہے کہ اپنے ظالم بادشاہوں پر بددعا نہ کرو، بلکہ اپنے اعمال کی اصلاح کرو کیونکہ جیسے تم ہو گے ایسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے، اس حدیث سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ بادشاہوں کو بددعا دینی جائز نہیں حالانکہ غرض حدیث صرف اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے، جس سے آدمی اکثر غافل رہتا ہے، اور ظالم کے لئے بددعا سے خود ہی کبھی غافل نہیں ہوتا، اس لئے اہم امر کی طرف توجہ دلائی، یہ غرض نہیں ہے کہ اس کو بددعا نہ دیں، اسی لئے وہ شرعاً بالکل جائز ہے۔

(۳) اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص تہجد پڑھ کر چھوڑ دے، اس کے لئے بہتر تھا کہ وہ پڑھتا ہی نہیں، شارحین حدیث نے اس میں بحث کی کہ کبھی کبھی تہجد پڑھنے والا اچھا ہے یا بالکل نہ پڑھنے والا؟ میں کہتا ہوں کہ پہلا ہی یقیناً افضل ہے اور جنہوں نے حدیث مذکور کی وجہ سے دوسرے کو افضل سمجھا وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ مراد نبویؐ کو نہ سمجھ سکے، آپ کا مقصد تو صرف ترغیب تھی مواظعت و مداومت کی اور ترک کے لئے ناپسندیدگی ظاہر کرنی تھی، کسی کے بھی تھوڑے یا بہت عمل خیر کو نظر انداز کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور وہ بھی شارع علیہ السلام کی طرف سے، غرض کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصود شارع علیہ السلام اس چیز میں ہوتا ہے جو آپ کی زبانی ارشاد میں نہیں آئی۔

(۴) حدیث بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے گھر میں عید کے روز لڑکیاں دف بجا رہی تھیں، حضور علیہ السلام چادر اوڑھ کر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے (یعنی رغبت نہ تھی، اجازت تھی) حضرت ابوبکرؓ آئے اور فرمایا کہ یہ شیطان کے مزامیر کیسے؟ حضور نے فرمایا کہ رہنے دو ابوبکر! عید کا دن ہے خوشی کا، پھر حضرت عمرؓ آئے تو لڑکیاں دف کو نیچے دبا کر بیٹھ گئیں اس پر حضور نے فرمایا کہ شیطان عمر سے بھاگتا ہے، اس سے میں کہتا ہوں کہ وہ چیز تو شیطان کی ہے لیکن تھوڑے کو شریعت جواز میں رکھے گی لیکن اگر زیادہ ہو جائے تو وہ بالکل شیطانی عمل بن جائے گا، باعتبار جنس تھوڑے کو بھی شیطانی کہہ سکتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے اور اسی کی طرف حضرت ابوبکرؓ نے اشارہ کیا تھا، مگر حضور علیہ السلام نے شرعی مقصد کی طرف رہنمائی فرمادی کہ تھوڑا ہوا اور عید جیسے دن ہو تو حد جواز میں رہے۔

(۵) مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک سائل آیا، آپ نے کچھ دے دیا، پھر مانگا پھر دیدیا، پھر مانگا پھر دیدیا اور جب چلا گیا تو فرمایا کہ آگ کے انگارے ہیں جو اس نے لئے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر کیوں دیئے؟ فرمایا کہ خدا کو پسند نہیں کہ میں بخیل بنوں، مقصد یہ کہ سائل کو نہ چاہئے تھا، اور میں تو دوں گا ہی۔

فائدہ: علامہ توربشتی حافظ حدیث حنفی المذہب ہیں، ان کی کتاب عقائد میں میرے پاس ہے، اس میں وعید کی احادیث لکھ کر چند سطریں لکھی ہیں، جن سے میں سمجھا کہ ان کو سبب نار بنایا ہے، خواہ پھر وہ اس پر مرتب ہوں یا نہ ہوں، یہ حقیقی علم ہے جو طول ممارست سے حاصل ہوتا ہے، اگر یہی مراد ہے تو احادیث وعید میں ایک نئی حقیقت کا انکشاف ہے جو مواضع عدیدہ میں کام آئے گی، فافہم ولا تغفل۔



## باب التعاون فی بناء المسجد و قول الله عزو جل بنا

### كان للمشرکین ان یعمروا مسجد الله الایة

(تعمیر مسجد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور خداوند تعالیٰ کا قول ہے ”مشرکین خدا کی مسجدوں کی تعمیر میں حصہ نہ لیں“ الایة)

حدثنا مسدد قال حدثنا عبد العزيز بن مختار قال حدثنا خالد الحذاء عن عكرمة قال قال لي ابن عباس ولا يسه علي انطلقا الي ابي سعيد فاسمعا من حديثه فانطلقنا فاذا هو في حائط يصلحه فاحذ ردائه فاحتبى ثم النشاء يحدثنا حتى اتى علي ذكر بناء المسجد فقال كنا نحمل لبنة و عمار لبنتين لبنتين فرآه النبي ﷺ فجعل ينقض التراب عنه ويقول ويح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الي الجنة ويدعوهم الي النار قال يقول عمار اعوذ بالله من الفتن .

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے اور اپنے صاحبزادے علی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان کی احادیث سنو۔ ہم چلے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کچھ دوستی کر رہے تھے۔ (جب ہم حاضر خدمت ہوئے) آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور اسے اوڑھ لیا۔ پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر آیا تو آپ نے بتایا کہ ہم تو (مسجد کی تعمیر میں حصہ لیتے وقت) ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے لیکن عمار دودوا بیٹس اٹھاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا افسوس عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی جسے عمار جنت کی دعوت دیں گے اور وہ جماعت عمار کو جہنم کی دعوت دے رہی ہوگی۔ ابوسعیدؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمار کہتے تھے کہ فتنوں سے خدا کی پناہ:

تشریح: مسجد کی تعمیر کے لئے مسلمانوں سے چندہ لینا جائز ہے، لیکن کفار و مشرکین سے نہیں۔ البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ کافر یا مشرک کسی مسلمان کو رقم بہہ کر دے۔ پھر وہ مسلمان بناء مسجد میں صرف کر دے۔ (افادۃ الشیخ الانور) حضرتؓ نے یہ بھی فرمایا کہ صاحب کنز نے بھی مسجد کے لئے کافر کے چندہ کو ناجائز کہا اور تملیک مسلم کے بعد جائز کہا۔ میں نے سنا کہ حضرت گنگوہی نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر میں ہمیشہ عدم جواز کا ہی فتوے دیتا ہوں اور دلیل قول تعالیٰ ما کان للمشرکین ان یعمروا معاجد اللہ الایہ ہے۔

لامع الدراری ص ۱۰۳ میں ہے کہ کافر و مشرک کے مال سے تیار شدہ مسجد میں نماز درست ہے، اور حاشیہ لامع میں ہے کہ یہ مولانا عبدالحی کے خلاف ہے کیونکہ انھوں نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ ہم نے اوپر حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی جواز کی خاص صورت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جواز نہیں ہے، اور ہم نے فتاویٰ رشیدیہ میں بھی احکام المساجد میں دیکھا کہ حضرت گنگوہی نے تحریر فرمایا ”جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے۔ اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا“ لہذا حضرتؓ نے جہاں مطلق جواب دیا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ خاص ہوگا، حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے یہ لکھا کہ ”حسب تصریح معتبرات، مال ہنود کا تعمیر معابد خاصہ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے“ اس کو نقل کر کے حضرت العلامة مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ مولانا نے معتبرات کی عبارات میں اور حوالے نہیں دیئے کہ ان میں دیکھا جاتا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔ ل کفار کا مسجد میں لگانا جواز مصرح ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا کہ اموال کفار (جزیہ، خراج، ہدیہ اور ترکہ ذمی وغیرہ) بیت المال میں جمع ہوتے تھے اور ان سے ہر قسم کے رفاه عام کے کام ہوتے تھے، سرحدوں کی حفاظت اور اسلامی فوج پر صرف ہوتے تھے، بل اور سرزمینیں بنتی تھیں وغیرہ نیز علامہ شامی نے لکھا کہ ایسے ہی بناء مسجد و حوض و باط وغیرہ پر بھی صرف ہوتا تھا۔ (فتاویٰ ص ۷۷ ج ۷)

حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مصارف کی پوری تفصیل دی ہے اور اسی پر ہندو کے اموال کو بھی قیاس کیا ہے حالانکہ بیت المال میں جمع ہو کر وہ اموال کفار مسلمانوں کی ملک میں داخل ہو کر پھر ان سب مصارف میں خرچ ہوتے تھے اور پھر خود بھی ایک دوسرے سوال بابتہ چندہ ہندو للمسجد کے جواب میں یہ تحریر فرمایا: ”تعمیر مسجد کے لئے غیر مسلموں سے چندہ طلب کرنا جائز نہیں اور اگر غیر مسلم خود چندہ دیں یعنی بغیر مالکے خوشی سے دیدیں تو اس صورت میں قبول کرنے میں مضائقہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تمذیک کر دیں اور مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں خرچ کر دیں، اسی طرح غیر مسلم (ہندو یا عیسائی) مسجد تعمیر کر کے مسلمانوں کو دے دیں، تو اس کے شرعاً مسجد ہونے کی صورت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی ملک کر دیں اور مسلمان اپنی طرف سے اس کو مسجد کے نام سے ناحد کر کے وقف کر دیں، غیر مسلم کا وقف اس صورت میں صحیح ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے وہ وقف کرتا ہے وہ کام اس کے مذہب اور اسلام کے نزدیک قربت ہو، ورنہ وقف صحیح نہیں ہوتا، یعنی قاضی اسلام ایسے وقف کی صحت کا حکم نہیں کرے گا جو واقف کے مذہب کے لحاظ سے قربت نہیں (جیسے ہندو کی بنائی ہوئی مسجد) یا اسلام کے نزدیک قربت نہیں (جیسے مسلمانوں کا بنایا ہوا بیت خانہ) واللہ اعلم (کفایت المفتی ص ۸۱ ج ۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان سب حضرات میں ہا ہم کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور تعمیر مساجد کی صفت خاصہ کا تعلق ہر حیثیت سے صرف ایمان والوں کے ساتھ ہے اور صرف اموال للمسجد میں بھی مومن وغیر مومن کا فرق شرعاً ناقابل انکار ہے۔ صحیح اور حق ہے ”السا بعمر مساجد اللہ من آمن باللہ“ اور ”ساکان للمشرکین ان بعمر و مساجد اللہ“ پھر اگر معتبرات میں یہ فرق نہ ہوتا تو شرطوں اور خاص صورتوں کی تعلیم کیوں ہوتی؟

حضرت تھانویؒ نے بھی لکھا: ”اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو (یعنی مسجد میں روپیہ لگانے یا مسجد بنانے کی قربت) (یعنی عمل موجب ثواب سمجھتا ہے تو اس قاعدہ و کلیہ کے اقتضاء سے اس کا چندہ مسجد کے لئے لینا جائز ہونا چاہئے“۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۱۱ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت فیوضہم نے مسجد و مدرسہ کے لئے امداد غیر مسلم کے سوال پر لکھا: ”مسجد و مدرسہ کی عمارت کو نقصان ہوا ہو تو امداد لینے کی گنجائش ہے، جماعت خانہ یہ نماز گاہ کے علاوہ بیت الخلاء یا غسل خانے وغیرہ بنانے اور مرمت کے لئے امداد لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۷ ج ۲)

حقیقت بظاہر یہ معلوم ہوئی کہ مساجد صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے ہیں اور جو موجد خالص نہیں ہیں یعنی مشرکین وہ صرف خدائے واحد کی عبادت کو عمدہ کام یقین کر کے مالی امداد کیسے کر سکتے ہیں؟ البتہ دوسری مصالح یا منافع دنیویہ کے خیال سے وہ ضرور مساجد بھی بنا سکتے ہیں اور مالی امداد بھی دے سکتے ہیں، لہذا ان کا حکم معلوم! واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہم تو ذکر آیت قرآنی سے امام بخاریؒ کا اشارہ بھی اسی طرف سمجھتے ہیں کہ مساجد کی تعمیر ظاہری میں مشرکین کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ وہ اپنے دلوں کے کفر سے خوب واقف ہیں اور اسی لئے ان کے سب اعمال اکارت ہوئے اور ہمیشہ کے لئے دوزخ کے مستحق بنے، پھر ایسے لوگوں کی امداد خدا کی مسجدوں کے لئے کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ چونکہ امام بخاریؒ کی شرط پر کوئی حدیث ممانعت نہ ہوگی، اس لئے ممانعت پر آیت سے استدلال فرمایا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

لہذا خدائے واحد کی خاص عبادت کے لئے قائم کی جانے والی مساجد کی تعمیر ظاہری و باطنی دونوں کا حق و استحقاق صرف مومنوں کا رہا، جن کے قلوب شہید خداوندی سے معمور و منور ہیں۔ واللہ و الحمد للہ اولاد و آخراً۔

### خلاصہ بحث

حضرت مولانا عبدالحی صاحب اور حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے اصوب ہے کہ مشرکین کی مالی امداد مسجد کی خاص جائے عبادت و نماز کے لئے قبول نہ کی جائے اور یہ کہ کوئی مسلمان اپنی ملک میں لے کر پھر اس رقم کو اپنی طرف سے مسجد میں لگائے اور فتاویٰ رشیدیہ نیز کفایت المفتی میں

جہاں مطلق اجازت تحریر ہوئی ہے وہ بھی مفید و مشروط پر محمول ہوگی۔ امداد الفتاویٰ ص ۱۱۱ ج ۲ میں مفسرین کی تفسیر کو ”لکل فن رجال“ کہہ کر فقہاء کے مقابلہ میں مرجوع یا ساقط گردانے کی بات بھی سمجھ میں نہ آسکی، پھر جبکہ فقہاء کا بھی وہ منشا نہیں جو سمجھ گیا، اس لئے ہمارے نزدیک اصل مسئلہ بالکل واضح ہے اور سب ہی کا متفقہ بھی ہے اور کبھی بھی کسی مشرک کی نیت قربت تعمیر مسجد کے لئے درست نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

### واقعہ شہادت حضرت عمارؓ

ترجمۃ الباب کے تحت جو بحث و تشریح ضروری تھی وہ گزر گئی، اب حدیث الباب پر بھی کچھ لکھنا ہے جو نہایت اہم و ضروری ہے، جس وقت حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تعمیر نبوی کر رہے تھے، تو دیکھا گیا کہ اور صحابہ تو ایک ایک اینٹ یا پتھر اٹھا کر لاتے ہیں اور حضرت عمارؓ دو دو اٹھاتے ہیں یہ بھی کتب سیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے تعمیر مسجد نبوی کے لئے مسجد کے قریب ہی کچی اینٹیں، گھواٹی تھیں (اور شاید وہ بڑی وزنی ہوں کہ عام طور سے آدمی ایک ہی اٹھا سکے، جیسی اب کراچی میں بنتی ہیں) حضور علیہ السلام بھی سب کے ساتھ اینٹیں ڈھو رہے تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں! ہم کافی ہیں، مگر آپ نے شرکت جاری رکھی، اسی دوران میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا کہ تم دو دو کیوں لا رہے ہو؟ جواب کئی نقل ہوئے، ایک یہ کہ حضور! میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے ثواب زیادہ ملے، دوسرا یہ کہ ایک اپنے حصہ کی لاتا ہوں اور دوسری آپ کے حصہ کی، اس پر رحمت عالم ﷺ نے مسرت و رنج کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ ”افسوس! عمار کی شہادت ایک باغی گروہ کے ہاتھوں سے ہوگی۔“ پھر ایسا ہی ہوا کہ سالہا سال کے بعد جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے، حضرت معاویہؓ کے حامی لشکر کے ہاتھوں سے آپ کی شہادت ہو گئی، چونکہ حضرت عمارؓ کے بارے میں حضور علیہ السلام کا مذکورہ بالا ارشاد سارے صحابہ میں مشہور و معروف تھا، جس کی روایت بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد و مسند احمد وغیرہ میں بھی ہے، اور متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ میں مذہب تھے، حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت بھی قرار دے دیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے؟ اور باطل پر کون؟ حافظ نے الاصابہ ص ۵۰۲ ج ۲ میں لکھا کہ قتل عمارؓ کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس بات پر متفق ہو گئے در انحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا اور الاصابہ ص ۵۰۶ ج ۲ نیز تہذیب الاحادیث ص ۳۱۰ ج ۷ میں لکھا کہ متواتر روایات و آثار سے یہ بات منقول ہے کہ حضرت عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور الاستیعاب ص ۴۲۴ ج ۲ میں علامہ محقق ابن عبدالبرؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی البدایہ ص ۲۷۰ ج ۷ میں لکھا کہ حضرت عمارؓ کی شہادت سے اس حدیث کا راز کھل گیا کہ حضرت عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باغی اور ص ۲۴۱ ج ۷ میں یہ بھی لکھا کہ جنگ جمل سے حضرت زبیرؓ کے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی کریم ﷺ کا ارشاد بابہ حضرت عمارؓ یاد تھا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ہیں۔ مگر جب جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے والد اور حضرت معاویہؓ دونوں کو حضور علیہ السلام کا

صلیہ واضح ہو کہ حافظ ابن حجرؒ کے سامنے وہ نسخہ بخاری کا تھا جس میں جملہ تفسیرات الفتنۃ الباغیہ نہیں تھیں، اسی لئے اس کی مفصل وجہ بھی ان کو لکھنی پڑی اور پھر فائدہ کا عنوان دے کر یہ بھی لکھا کہ قتل عمارؓ والے جملہ کی حدیث کو ایک جماعت صحابہ نے روایت کیا ہے اور ان میں سے اکثر طریقے صحیح یا حسن ہیں اور اس حدیث میں ایک پیش گوئی ہے جو اعلام نبوت میں سے ہے کہ اس کا ظہور بعینہ ارشاد نبوی کے مطابق ہوا اور اس میں حضرت علیؓ و حضرت عمارؓ کی ملکی ہوئی تفسیلت بھی ہے اور نواصب کا رد بھی ہے، جن کا زعم یہ ہے کہ حضرت علیؓ اپنی جنگوں میں حق پر نہیں تھے (فتح الباری ص ۳۶۵ ج ۵ و عمدۃ القاری ص ۳۹۳ ج ۲)

اس وقت جو بخاری کا مطبوعہ نسخہ ہمارے پاس ہے، اس میں یہاں بھی یہ مذکورہ جملہ موجود ہے اور کتاب الجہاد باب مسح البیادر عن الراس ص ۳۹۴ میں موجود ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے حضرت عمارؓ کے سر سے گرد و غبار بھی جھاڑا تھا واضح ہو کہ علامہ یحییٰ کے سامنے بھی یہی نسخہ ہے۔ (مؤلف)

ارشاد دیا دلایا تو حضرت معاویہؓ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا (طبری ص ۲۹ ج ۳، ابن الاثیر ص ۵۸ ج ۳، ہدایہ ص ۲۶۸ ج ۷) علامہ ابن کثیر نے اس تاویل کو بہت مستبعد قرار دیا۔

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا کہ حضرت علیؓ کو جب حضرت معاویہؓ کی یہ تاویل پہنچی تو فرمایا: ”اس طرح کی تاویل سے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قتل خود نبی اکرم ﷺ تھے۔“ (والعیاذ باللہ)

صاحب تاریخ الخیس نے خلاصۃ الوفا سے اس طرح نقل کیا، حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کے وزیر تھے، جب حضرت عمارؓ شہید کر دیئے گئے تو آپ جنگ سے رک گئے اور ایک بڑی تعداد بھی آپ کے اتباع میں رک گئی، اس پر حضرت معاویہؓ نے پوچھا کہ تم کیوں رک گئے؟ تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا، اور میں نے خود رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ انکو باغیوں کا گردہ قتل کرے گا، حضرت معاویہؓ نے کہا چپ ہو جاؤ کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کو تو اس نے قتل کیا جس نے ان کو ہم سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے، پھر جب یہ بات حضرت علیؓ کو پہنچی تو فرمایا کہ اگر میں نے ان کو قتل کیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت حمزہؓ کو قتل کیا ہوگا کیونکہ آپ نے ہی ان کو قتل کفار کے لئے بھیجا تھا، مختصر (الابواب والترجم لشیخ الحدیث دام ظلہم ص ۲۱۹ ج ۳)

## اعتراض و جواب

یہاں حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ ”حضرت عمارؓ ان کو جنت کی طرف بلا تے تھے اور وہ لوگ ان کو دوزخ کی طرف بلا تے تھے۔“ تو اشکال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بھی کچھ صحابہ تھے، تو اتنی بات تو درست ہو سکتی ہے کہ وہ باغیوں کے گردہ میں تھے اور اجتہادی غلطیوں کا صدور جس طرح صحابی رسول حضرت معاویہؓ سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ سے قاتلین حضرت عثمانؓ کے مطالبہ قصاص کو وجہ نزاع و قتال قرار دیا تھا، اسی طرح ان کا ساتھ دینے والے صحابہ سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی ہوگی، مگر یہ بات تو نہیں ہو سکتی کہ ان صحابہ نے حضرت عمارؓ کو نار جنہم کی طرف بلایا ہو، تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ ان کو خوش فہمی اور گمان تو یہی تھا کہ اس طرح حضرت علیؓ کو مجبور کر کے قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص لیں گے اور یہ فعل دخول جنت کا مستحق بنادے گا، پھر یہ کہ اگرچہ خلیفہ وقت حضرت علیؓ کی مخالفت اور ان سے قتال و جنگ سبب دخول تار تھا، مگر وہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے عند اللہ معذور ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا دوسرا جواب جو مجھے زیادہ پسند ہے یہ ہے کہ فتنہ باغیہ تک کلام حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں ہے کہ صاحب ہدایہ نے بھی کتاب القضاء میں تصریح کی ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بغاوت کی تھی پھر یدعو ہم الی الجنة سے حضرت عمارؓ کی منقبت اور مکی زندگی کا حال بیان ہوا ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ قریش کو جنت کی طرف بلا تے تھے اور وہ ان کو طرح طرح کے عذاب دے کر حالت کفر کی طرف لوٹنے کی فکر و سعی کرتے تھے، ایک جواب یہ بھی ہے کہ مراد صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عمارؓ کو قتل کیا وہ اہل شام تھے (فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی حکم یا اعتبار جنس کے ہوتا ہے اگرچہ اس کا تحقق بعض انواع میں نہ ہوتا ہو، لہذا مطلب یہ ہوگا کہ اس قسم کی دعوت جو حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے دی گئی اگرچہ وہ سبب تاریخی مکررہ حضرات صحابہ کے حق میں سبب نار نہ بن سکی کیونکہ وہ لوگ مجتہد تھے اور ان کی نیت حق و صواب ہی کی تھی، جس طرح علامہ توریشی نے اپنی کتاب عقائد میں لکھا کہ بہت سی احادیث میں معاصی پر وعید نازل آئی ہے لیکن وہ معاصی سبب نار ہو کر بھی ترتیب سبب سے خالی ہو سکتے ہیں کیونکہ مسببات کا ترتیب دوسرے امور ارتقاء موانع و وجوہ شرائط وغیرہ پر بھی متوقف ہوتا ہے اور بسا اوقات غیر ظاہری و مخفی ہوتا ہے اور شریعت کسی امر حسی پر نار کا حکم کر دیتی ہے۔ واللہ اعلم۔

## خلافت حضرت علیؓ

اس حدیث بخاری سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چوتھے نمبر پر خلافت برحق ان ہی کی تھی اور ان کی مخالفت بغاوت تھی، اگرچہ امر اجتہادی ہونے کی وجہ سے حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی مآخوذ نہ ہوں، اس کے لئے ہدایہ کا حوالہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد میں گذر چکا ہے اور فتح القدیر و شرح فقہ اکبر و احکام القرآن ابن عربی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے اور عملاً بھی ایک شام کے صوبے کو چھوڑ کر جزیرۃ العرب اور اس کے علاوہ تمام اسلامی مقبوضات کے مسلمانوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو مان لیا تھا اور مدینہ طیبہ میں تو دوسرے خلفاء سابقین کی طرح اکابر مہاجرین و انصار نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت کر لی تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ مروان کو برا کہنا خصوصاً اس سلوک کی وجہ سے جو اس نے حضرت حسینؓ و دیگر اہل بیت کے ساتھ روا رکھا، اس سے دل بیزاری رکھنا لوازم سنت و محبت اہل بیت سے ہے، جو فرائض ایمان کا متعلق ہے، لیکن حضرت معاویہؓ ایک صحابی تھے، ان کے حق میں بعض احادیث بھی وارد ہیں اور علماء اہلسنت ان کے بارے میں مختلف ہیں، علماء ماوراءالنہر اور مفسرین و فقہاء ان کی تمام حرکات جنگ و جدال کو جو حضرت علیؓ سے کیں، خطا و اجتہادی پر محمول کرتے ہیں اور محققین اہل حدیث نے تتبع روایات صحیحہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ حرکات شاہہ نفسانی اور تعصب امویت و قریشیت سے خالی نہ تھیں، پس ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی ہوں گے جس سے فسق لازم ہوا، مگر فاسق پر لعنت جائز نہیں، لہذا ان کے لئے دعاء مغفرت و شفاعت کریں تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۷۷ ج ۱)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ اس حدیث رسول ﷺ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت امام وقت پر بغاوت کرنے کے بعد منعقد ہوگی (ازالۃ الخفاء ۵۲۹ ج ۱) اور لکھا کہ حضرت معاویہؓ خود کہتے تھے کہ میرے دل میں خلافت کی خواہش اس وقت سے ہے کہ حضور علیہ السلام سے میں نے یہ سنا تھا کہ اے معاویہ! اگر تم بادشاہ ہو جاؤ تو لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ بادشاہان اسلام کا پہلا بادشاہ ہوں اور جب تم میرے بعد بادشاہوں کا تجربہ کرو گے تو اس وقت میری قدر جانو گے، الخ (ازالۃ الخفاء ص ۳۳۵ ج ۱) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں گذرا جس نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم نہ کیا ہو یا ان کی بیعت کے صحیح ہونے میں شک کیا ہو، بلکہ علماء حنفیہ نے تو ان کی خلافت کے اقرار کو عقائد اہل سنت میں سے ایک عقیدہ قرار دیا ہے، اور یہ بھی سب ہی نے تسلیم کیا ہے کہ ان کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئیں ان سب میں حق ان ہی کے ساتھ تھا، البتہ اس سلسلہ میں بھی علامہ ابن تیمیہؒ کا تفرع معلوم ہوتا ہے جیسا کہ منہاج السنہ کی بعد عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے، ملاحظہ ہو ترجمہ عبادات منہاج السنہ کے لئے کتاب ”امام ابن تیمیہ“ افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری مدراسی ص ۵۰ و ۵۰۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب الاستعانة بالنجار والصناع في اعواد المنبر و المسجد

(بڑھائی اور کاریگر سے مسجد اور منبر کے تختوں کو بنوانے میں تعاون حاصل کرنا)

۴۳۲. حدثنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا عبد العزيز عن ابي حازم عن سهل قال بعث رسول الله ﷺ الى امرأة مري غلامك النجار يعمل لي اعوادا اجلس عليهن.

۴۳۳. حدثنا خلاد بن يحيى قال حدثنا عبد الواحد ايمن عن ابيه عن جابر ابن عبد الله ان امرأة قالت يا رسول الله الا اجعل لك شيئا تقعد عليه فان لي غلاماً نجاراً قال ان شئت فعملت المنبر.

ترجمہ ۴۳۲: حضرت اہلؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کے یہاں آدی بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی غلام سے کہیں کہ میرے لئے (منبر) لکڑیوں کے تختوں سے بنادے جس پر میں بیٹھا کروں۔

ترجمہ ۴۳۳: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دوں جس پر آپ بیٹھا کریں میری ملکیت میں ایک بڑھئی غلام بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو منبر بنوادو، تب انہوں نے منبر بنوادیا۔  
تشریح: دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی کار خیر میں دوسروں کی مدد حاصل کرنا مطابق سنت ہے، جس طرح یہاں حضور علیہ السلام نے ایک عورت سے مدد لی کہ وہ اپنے غلام سے منبر بنوادے، پھر یہ کہ بظاہر اس عورت نے ہی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کش کی ہوگی کہ منبر بنوادوں گی، پھر جب بنوانے میں تاخیر محسوس کی تو حضور علیہ السلام نے یاد دہانی کی ہوگی جس کو راویوں نے اپنے اپنے طریقہ سے روایت کر دیا، لہذا دونوں احادیث میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری و عمدہ)  
(نوٹ) امام بخاری اگر ترتیب بدل دیتے تو یہ صورت زیادہ واضح ہو جاتی۔

## باب من بنى مسجداً

(جس نے مسجد بنوائی)

۴۳۴. حدثنا يحيى بن سليمان حدثنا ابن وهب قال اخبرني عمر و ان بكيرا حدثه ان عاصم بن عمر بن قتادة حدثه انه سمع عبيد الله الخولاني انه سمع عثمان بن عفان يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجداً رسول الله ﷺ انكم اكثرتم واني سمعت رسول الله ﷺ يقول من بنى مسجداً قال بكير حسبته انه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة.

ترجمہ: حضرت عبيد اللہ خولانی نے حضرت عثمان بن عفان سے سنا کہ آپ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی (اپنے ذاتی خرچ سے) تعمیر کے متعلق لوگوں کے اعتراضات کو سن کر فرمایا کہ تم لوگ بہت زیادہ تنقید کرنے لگے، حالانکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ جس نے مسجد بنوائی (بکیر راوی) نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مقصود خداوند تعالیٰ کی رضا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی ایک مکان جنت میں اس کے لئے بنائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں مسجد بنانے کی فضیلت بیان ہوئی اور علامہ عینیؒ نے ۲۳ صحابہ سے دوسری احادیث فضیلت بھی اس موقع پر نقل کی ہیں، ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسجد بنانے والے کو بطور اجر و ثواب کے جنت میں یا قوت اور موتیوں سے مرصع کھریٹے گا، رہا یہ

اشکال کہ اور سب اعمال خیر کا تو دس گنا اجر ملے گا، اس کا صرف مثل یا برابر کیوں ہوگا تو اہل تشیع سے زیادہ کی نفی نہیں ہوتی اور بہتر جواب یہ ہے کہ ہر عمل کے اجر میں برابری تو عدل ہے اور کم و کیف میں زیادتی حق تعالیٰ کا محض فضل و انعام ہے۔ (عمدہ ص ۳۹۹)

حافظ نے لکھا کہ ایک بہتر جواب یہ بھی ہے کہ اس کی جزا میں گھر تو جنت میں ایک ہی ملے گا مگر کیفیت میں اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ دنیا میں بھی ایک گھر ایک سو گھروں سے بھی زیادہ شاندار ہوتا ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس ایک گھر کی فضیلت بیوت جنت پر ایسی ہوگی جیسی یہاں مسجد کی بیوت دنیا پر ہے (فتح ص ۳۶۷) (کیونکہ حدیث امام احمد سے مروی ہے کہ یہاں جو مسجد بنائے گا اس کو جنت میں اس سے افضل گھر ملے گا)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا کی مسجدیں اسی طرح جنت میں اٹھ لی جائیں گی، غالباً یہ کسی حدیث کا مضمون ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

### باب یاخذ بنصول النبل اذا مر فی المسجد (جب مسجد سے گزرے تو اپنے تیر کے پھل کو تھامے رکھے)

۴۳۵. حدثنا قتیبہ بن سعید قال حدثنا سفیان قال قلت لعمر و اسمعت جابر ابن عبد اللہ یقول مر رجلاً فی المسجد ومعہ سهام فقال له رسول اللہ ﷺ امسأب بنصالہا.

ترجمہ: حضرت سفیان نے بیان کیا کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ تم نے جابر بن عبد اللہ سے سنا ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی سے گزرا وہ تیر لئے ہوئے تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس کے پھل کو تھامے رکھو۔

تشریح: تیروں کو تھامنے اور سنبھالنے کا حکم اس لئے دیا کہ کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچ جائے، یوں ضرورۃً اسلحہ کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جانے کا جواز بھی معلوم ہو گیا، امام بخاری نے تاریخ اوسط میں حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے مساجد کو بچوں سے، پاگلوں سے، بیخ و شعراء سے، جھگڑوں سے، بیخ و پکار سے، اقامت حدود سے اور تلواریں میان سے باہر نکالنے اور اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ مساجد کے دروازوں کے قریب وضو خانے اور غسل خانے بنائے جائیں اور جمعہ کے روز مساجد میں خوشبو کی دھونی بھی دی جائے (عمدہ ص ۴۰۰ ج ۲)

### باب المرور فی المسجد (مسجد سے گزرنا)

۴۳۶. حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا ابو بردہ ابن عبد اللہ قال سمعت ابا بردہ عن ابیہ عن النبی ﷺ قال من مر فی شیء من مساجدنا او اسکوا اتنا بنبل فلیأخذ علی نصالہا لا یعقر بکفہ مسلماً.

ترجمہ ۴۳۶: حضرت ابو بردہ ابن عبد اللہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہماری مساجد یا ہمارے بازاروں سے تیر لئے ہوئے گزرے تو اسے اس کے پھل کو تھامے رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس سے کسی مسلمان کو زخمی کر دے۔

تشریح: یہاں بازاروں کے لئے بھی وہی حکم مساجد والا بیان ہوا ہے۔

## باب الشعر فی المسجد

(مسجد میں اشعار پڑھنا)

۴۳۷۔ حدثنا ابو الحسن الحکم بن نافع قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني ابو سلمة ابن عبد الرحمن بن عوف انه سمع حسان بن ثابت ن الانصاري يستشهد ابا هريرة انشدك الله هل سمعت النبي ﷺ يقول يا حسان اجب عن رسول الله اللهم ايده بروح القدس قال ابو هريرة نعم.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمن بن عوف نے حضرت حسان بن ثابت انصاری سے سنا کہ وہ ابو ہریرہؓ کو اس بات پر گواہ بنا رہے تھے کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے حسان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (مشروکوں کو اشعار میں) جواب دو، اے اللہ حسان کی روح القدس (جبریل علیہ السلام) کے ذریعے مدد کیجئے، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہاں (میں گواہ ہوں)

متعلق حدیث: حدیث بخاری میں اگرچہ مسجد کا ذکر نہیں ہے مگر بخاری بد الخلق میں حدیث لائیں گے، وہاں مسجد میں حضرت حسانؓ کے شعر پڑھنے کا ذکر ہے، مگر جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اس سے امام بخاری عام طور سے مسجد میں اشعار پڑھنے کیلئے تو استدلال نہیں کر سکتے، یہاں تو خود حضور علیہ السلام کے حکم سے شرعی ضرورت سے پڑھوائے گئے تھے، جس سے وہ اس وقت عبادت کے حکم میں ہو گئے تھے، لہذا اس سے توسیع کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا (یہ حدیث بدء الخلق باب ذکر الملائکہ میں ص ۳۵۶ پر، یہاں امام بخاری نے مسجد میں اشعار پڑھنے کے جواز کے لئے باب الشعر فی المسجد قائم کیا ہے اور حدیث الباب سے مطابقت نہیں ہے۔ (مؤلف)

تشریح: مشرکین عرب آں حضور ﷺ کی بھوکیا کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ خاص طور سے ان کا جواب دیتے تھے۔ آپ دربار نبوی کے بلند پایہ شاعر تھے اور مشروکوں کو خوب جواب دیتے تھے۔ آپ کے اس سلسلے میں واقعات بکثرت منقول ہیں۔ آں حضور ﷺ آپ کے جواب سے محفوظ ہوتے اور دعا کیں دیتے۔ مسجد نبوی میں آپ کے لئے خاص طور سے منبر رکھ دیا جاتا اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر صحابہ کے مجمع میں اشعار سناتے جس میں خود نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما ہوتے۔ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسجد میں اشعار پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کی حدود سے باہر نہ ہوں۔ کیونکہ خود آنحضور علیہ السلام حضرت حسان کے ذریعے مشرکین کا عرب کے خاص مزاج کے پیش نظر جواب دلواتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام طحاویؒ نے اس پر باب باندھا ہے اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر مسجد میں آواز زیادہ بلند نہ ہو اور اشعار میں مطالب بھی درست ہوں تو پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ حضرت حسانؓ کو شاہد بنائے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی وجہ سے سزا دی چاہی تھی، اس پر انھوں نے حدیث سے مدد لی۔ یہاں محقق یحییٰ نے لفظ تعدد انشد کی لغوی بحث بہت عمدہ کی، اور بتایا کہ اس کا استعمال نشد تک اللہ لازمی ہی صحیح ہے اور یہ معنی متعدی ہے لیکن فعل متعدی انشد تک باللہ کہنا غلط ہوگا۔ (عمدہ ص ۳۰۳ ج ۲) (اس سے متعلق ایک شذرہ ص ۵۷ پر درج ہو گیا ہے)

## علمی و اصولی (فائدہ)

اسی مناسبت سے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فرمایا حق تعالیٰ کے لئے فعل لازم جیسے استوی، نزل وغیرہ آتا ہے تو ان کے مابعد متعلقات حلفہ خداوندی ہوتے ہیں مثلاً قول باری تعالیٰ ”استوی علی العرش“ میں معنی یہ ہوگا کہ صفت استواء کا تعلق عرش کے ساتھ ہوا اور اگر فعل متعدی ہو تو اس کا مابعد مفعول یہ ہوگا جیسے خلق السموات والارض میں ہے۔



اس سے معلوم ہوا کہ استواء و نزول کو ذات خداوندی سے متعلق سمجھنا صحیح نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے (مثل ابن تیمیہ) ان کو ذات سے متعلق کر کے استواء کو بمعنی استقرار و تمکن و جلوس علی العرش مراد لیا یا نزول مثل اجسام سمجھا ہے، اس کی پوری بحث بخاری کی کتاب التوحید میں آئے گی، ان شاء اللہ۔ والا مریبید اللہ (علامہ ابن تیمیہ کے تفردات جلد سابق میں بھی بیان ہوئے ہیں)

## باب اصحاب الحراب فی المسجد

(نیزے والے مسجد میں)

۴۳۸. حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن صالح ابن کیسان عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ قالت لقد رايت رسول اللہ ﷺ يوماً علی باب حجرنی و الحبشۃ یلعبون فی المسجد و رسول اللہ ﷺ لیسترونی برءالہ انظر الی لعہم زاد ابراہیم بن المنذر قال حدثنا ابن وہب قال اخبرنی یونس عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ قالت رايت النبی ﷺ و سلم و الحبشۃ یلعبون بحر اہم.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازے پر دیکھا اس وقت حبشہ کے لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے، رسول ﷺ اپنی چادر سے مجھے چھپا رہے تھے، تاکہ میں ان کے کھیل کو دیکھ سکوں، ابراہیم بن منذر سے حدیث میں یہ زیادتی منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہم سے ابن وہب نے بیان کیا مجھے یونس نے ابن شہاب کے واسطے سے خبر پہنچائی وہ عروہ سے وہ عائشہؓ سے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جبکہ حبشہ کے لوگ چھوٹے نیزوں (حراب) سے مسجد میں کھیل رہے تھے۔

تشریح: بعض مالکیہ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ مسجد میں نہیں کھیل رہے تھے بلکہ مسجد سے باہر ان کا کھیل ہو رہا تھا حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ یہ بات امام مالکؒ سے ثابت نہیں ہے اور ان کی تصریحات کے خلاف ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے اس کھیل پر ناگواری کا اظہار کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نیزوں سے کھیلنا صرف کھیل کود کے درجے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس سے جنگی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں جو دشمن کے مقابلے کے وقت کام آئیں گی۔

مہلبؒ نے فرمایا ہے کہ مسجد چونکہ دین کے اجتماعی کاموں کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے وہ تمام کام جن سے دین کی اور مسلمانوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں مسجد میں کرنا درست ہیں اگرچہ بعض اسلاف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد میں اس طرح کے کھیل قرآن و سنت سے منسوخ ہو گئے ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ کس درجہ حسن معاشرت کا لحاظ رکھتے تھے۔

علامہ یحییٰ نے یہ بھی لکھا کہ اس سے مباح کھیل کے دیکھنے کا جواز نکلتا ہے اور عورتوں پر مردوں سے پردہ کا وجوب بھی معلوم ہوا (عمدہ ص ۴۰۶ ج ۲) اس حدیث سے عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنے کا جواز اس لئے صریح نہیں کہ مقصد کھیل و دیکھنا تھا، نہ مردوں کو دیکھنا کہ وہ مجھتا تھا، پھر یہ کہ فتنہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے میں نسبتاً زیادہ ہے کہ وہ جلد متاثر ہوتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حراب کا کھیل ایسا تھا جیسے ہمارے یہاں گد کا کھیلے ہیں، پھر فرمایا کہ میرے پاس امام مالکؒ سے تصریح موجود ہے کہ یہ کھیل مسجد سے باہر حصہ میں تھا اور حضرت عائشہؓ مسجد میں تھیں اور امام مالکؒ مدینہ کے واقعات جاننے میں امام بخاری سے آگے ہیں، لہذا امام بخاری کا اس سے توسیع نکالنا درست نہیں۔

## باب ذکر البیع والشرآء علی المنبر فی المسجد

(مسجد کے منبر پر خرید و فروخت کا ذکر)

(۳۳۹) حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا سفین عن یحییٰ عن عمرۃ عن عائشۃ قالت اتھا بریرۃ تسألھا فی کتابھا فقالت ان شئت اعطیت اهلك ویکون الولاء لی وقال اهلها ان شئت اعطیتھا ما بقی وقال سفین مرة ان شئت اعطیتھا ویکون الولاء لنا فلما جاء رسول اللہ ﷺ ذکرته ذلک فقال ابتاعیہا فاعطیتھا فانما الولاء لمن اعتق ثم قام رسول اللہ ﷺ علی المنبر وقال سفین مرة فصعد رسول اللہ ﷺ علی المنبر فقال ما بال اقوام یشترون شرو طالیس فی کتاب اللہ من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ وان اشترط مائۃ مرة ورواہ مالک عن یحییٰ عن عمرۃ ان بریرۃ ولم یذکر صعد المنبر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت بریرہؓ ان سے کتابت کے بارے میں مشورہ لینے آئیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے آقاؤں کو (تمہاری قیمت) دے دوں (اور تمہیں آزاد کر دوں) اور تمہارا دلاہ کا تعلق مجھ سے قائم ہو اور بریرہ کے آقاؤں نے کہا (حضرت عائشہؓ سے) کہ اگر آپ چاہیں تو جو قیمت باقی رہ گئی ہے وہ دیدیں اور دلاہ کا تعلق ہم سے قائم رہے رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو میں نے ان سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو اور دلاہ کا تعلق تو اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو آزاد کر دے پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، سفیان نے (اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے) ایک مرتبہ کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ایسی شرائط کرتے ہیں جن کا کوئی تعلق کتاب اللہ سے نہیں ہے، جو شخص بھی کوئی ایسی شرط کرے گا جو کتاب اللہ میں ذکر شدہ شرائط کے مناسب نہیں ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی چاہے سو مرتبہ کرے اس حدیث کی روایت مالک نے صحیح کے واسطے سے کی وہ عمرہ سے کہ بریرہ اور انہوں نے منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے الخ۔

تشریح: کوئی غلام اپنے آقا سے طے کر لے کہ ایک متعین مدت میں اتنا روپیہ یا کوئی اور چیز وہ اپنے آقا کو دے گا اگر وہ اس مدت میں وعدہ کے مطابق روپیہ آقا کے حوالہ کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا اسی کو کتابت یا مکاتبہ کہتے ہیں، غلام کی آزادی کے بعد بھی آقا اور غلام میں ایک تعلق شریعت نے باقی رکھا ہے، جسے ولاء کہتے ہیں اور اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک مسجد میں خرید و فروخت کے لئے بھاء طے کرنا اور ایجاب و قبول جبکہ وہ سامان مسجد میں نہ ہو، محکف کے لئے جائز ہے اور حدیث الباب ہمارے مخالف نہیں ہے، کیونکہ یہاں صرف مسئلہ بیان ہوا ہے نہ بیع ہوئی نہ شراء اور حدیث ابی داؤد وغیرہ میں عقد بیع و شراء فی المسجد کی ممانعت موجود ہے۔

مکاتب کی بیع ہمارے یہاں جائز نہیں، دوسروں کے نزدیک جائز ہے مگر ہمارے یہاں مکاتب کے بدل کتابت سے عاجز ہونے کی شکل میں جائز ہے اور یہاں جو حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو خرید کر آزاد کر دو تو بظاہر عمرہ ہی کی صورت میں خریدنے کو فرمایا ہوگا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اشترطی لہم الولاء کہ تم ان کے لئے ولا کی شرط کر لو تو اس پر اشکال ہوا کہ جب شرط بیکار ہے اور ہر صورت ولا حضرت عائشہؓ کے لئے ہوتا تو پھر ایسی بے فائدہ شرط کرنے کو کیوں فرمایا، دوسرے یہ کہ اس میں خلف وعدہ بھی لازم ہوا کہ شرط کر کے پھر بھی ولاء کا حق ان کو نہیں دے سکتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری میں ہی دوسرے طریق سے دعیہم لیشترطوا آیا ہے کہ ان کو شرط کرنے دو، ولا تو اسی کا ہوگا جو آزاد کرے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ

نے اس موقع پر ایک تحقیق شروط ملائمہ وغیر ملائمہ کی ذکر فرمائی جو میرے امالی درس میں بھی ہے اور فیض الباری ص ۵۶ ج ۲ میں بھی ہے، وہاں دیکھ لی جائے، بخوف طوالت ترک کرتا ہوں، عمدۃ القاری ص ۴۱۳ ج ۲ میں بھی اس کی اچھی تفصیل و تحقیق ہے، قابل مطالعہ اور حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ ہدایہ میں کفالتہ و بیع فاسد کے بیان میں بھی ملائمہ وغیر ملائمہ کی قدرے تفصیل ہے۔

## باب التقاضی والملازمة فی المسجد

(قرض کا تقاضا کرنا اور مسجد میں بھی قرضدار کا پیچھا کرنا)

(۴۴۰) حدثنا عبد الله بن محمد قال حدثنا عثمان بن عمر قال احبرني يونس عن الزهري عن عبد الله بن كعب بن مالك عن كعب انه تقاضى ابن ابي حنيفة دينا كان له عليه في المسجد فارتفعت اصواتهما حتى سمعها رسول الله ﷺ وهو في بيته فخرج اليهما حتى كشف سجف حجرته فنادى يا كعب قال ليبيك يا رسول الله قال ضع من دينك هذا واوما اليه اى الشطر قال لقد فعلت يا رسول الله قال قم فاقضه.

ترجمہ: حضرت کعب سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں ابن ابی حنرفہ سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا (اسی دوران میں) دونوں کی گفتگو تیز ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے حجرہ شریفہ سے سن لیا، آپ پردہ ہٹا کر باہر تشریف لائے اور پکارا کعب! کعب! بولے لیکن یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے قرض میں سے اتنا کم کر دو، آپ کا اشارہ تھا کہ آدھا کم کر دیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے کر دیا، پھر آپ نے ابی حنرفہ سے فرمایا اچھا اب اٹھو اور ادا کر دو۔

تشریح: یہاں تو صرف قرض کے تقاضے کا ذکر ہے، ملازمت کا نہیں، مگر باب الصلح میں امام بخاری اس حدیث کو پھر لائیں گے اور وہاں فلعیہ فلزمہ ہے کہ قرض دار سے طے اور پھر اس کو چھوڑا نہیں، اس طرح آدھا موضع ترجمہ یہاں ہے اور آدھا وہاں ہے اس کو امام بخاری کے کلمات سے گنا گیا ہے کہ حدیث کے تمام طرق و متون میں ذہن گھومتا رہا ہے اور یہی فن حدیث میں کمال کی نشانی ہے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کے تمام متون و طرق روایت پر نظر نہ ہو، پوری طرح کسی مسئلہ کی تنقیح نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ امام اعظم پر ہزاراں ہزار رحمتیں بھیجے کہ انہوں نے تدوین فقہ کے وقت اس امر کی بہت ہی زیادہ رعایت رکھی تھی اور یہ بھی کہ گیا ہے کہ احادیث ناخجہ و منسوخہ کا بھی ان کے پاس بہت بڑا علم تھا۔

قولہ وہونی بیتہ: کہ آپ اس جھگڑے کے وقت اپنے گھر میں تھے، آگے ہے کہ آپ ان کی آواز سن کر حجرہ شریفہ سے نکلے اور حجرہ شریفہ کا پردہ ہٹایا (جب اس پردہ کو کہتے ہیں جس کے دو حصے ہوں گے دو کواڑوں کی طرح، کذا فی البعدہ ص ۴۱۶ ج ۲ غالباً جس طرح آج کل بھی کمرہ کے دروازوں پر پردے ڈالتے ہیں، جو دائیں بائیں سمت کر کھل جاتے ہیں) دوسری شرح بعض شارحین نے یہی کہ ہے کہ حضور علیہ السلام اس وقت گھر میں نہیں بلکہ مسجد میں مشغول تھے، جو بور یوں سے بنایا گیا تھا، حافظ حنفی نے یہاں کچھ وضاحت نہیں کی، مگر بیت اور جب کے الفاظ پہلی شرح کو ترجیح دے رہے ہیں کہ بور یوں کے مشغول کی یہ شان نہیں ہوتی، یوں راویوں کے بیان میں بھی فرق ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے اسی جھگڑے کی وجہ سے اس سال کی لیلۃ القدر کی تعیین کا علم ذہن مبارک نبویؐ سے نکل گیا ہو، یا وہ کوئی اور جھگڑا ہوگا۔ واللہ اعلم

قولہ فاقضه: حضرتؐ نے فرمایا کہ بعض امور کا تعلق مروءۃ و حسن معاملہ سے ہوتا ہے، مگر بعض علماء ان کو فقہی جواز عدم جواز کی طرف کھینچ لیتے ہیں، یہ اچھا نہیں اور ایک بیدار مغز عالم کو حقیقت سے کام لینا چاہئے۔

نیز فرمایا کہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدر میں کلام فی المسجد کے لئے لکھ دیا کہ وہ نیکوں کو کھاتا ہے، حالانکہ بحر میں قید لگائی ہے کہ اگر مسجد میں ہاتھ کرنے کے ارادے سے جائے اور ہاتھ کرے تو مکروہ ہے، ورنہ اگر گیا تو نماز ہی کے لئے تھا اور وہاں سے کسی سے ہاتھ کیس تو گناہ نہیں ہے۔

## باب کنس المسجد والتقاط الخرق والقذی العیدان

(مسجد میں جھاڑو دینا اور مسجد سے چھترے، کوڑے کرکٹ اور لکڑیوں کو چن لینا)

(۴۴۱) حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زيد عن ثابت عن ابي رافع عن ابي هريرة ان

رجلاً اسود او امرأة سوداء كان يقيم المسجد فسال النبي ﷺ عنه فقالوا مات فقال افلا كنتم اذ

نتموني به دلوني على قبره او قال قبرها فاني قبرها فصلى عليها.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھی ایک دن اس کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی آپؐ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا اچھا اس کی قبر تک مجھے لے چلو، پھر آپؐ قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری اپنی عادت کے موافق بہت سی ان جزئیات پر بھی ابواب و تراجم کو پھیلا دیتے ہیں جن کا ذکر احادیث میں آگیا ہے اگرچہ ان پر مسائل و احکام کا دار و مدار بھی نہیں ہوتا، چنانچہ یہاں مسجد میں جھاڑو دینے پر باب قائم کر دیا جبکہ وہ نہ کوئی خاص مسئلہ ہے نہ کسی کو اس سے اختلاف، صرف فضیلت مقصد بن سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کوڑے کرکٹ کو مسجد سے باہر کرنے کو مسجد کی کنکریاں باہر نکالنے کے حکم سے الگ سمجھا جائے کیونکہ ابوداؤد میں باب فی حصی المسجد کو باب فی کنس المسجد سے الگ باندھا ہے اور اس میں ہے کہ اگر کنکریوں کو کوئی باہر نکالے تو وہ اس کو قسم دیتی ہیں کہ مجھے خدا کے واسطے مسجد میں رہنے دے، تاکہ ان کو مسجد ایسی مبروک و مبارک جگہ میں رہنے کا شرف و فضل حاصل رہے یا اس لئے کہ نمازیوں کو ان سے آرام ملے گا۔ (بذل ص ۲۶۵ ج ۱)

حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر ان کا مسجد میں رہنا صفائی کی خلاف ہو یا بے ضرورت ہوں تو نکالنا ہی افضل ہوگا، اگرچہ وہ اپنے فضل و شرف کے لئے قسم دیتی رہیں گی، لیکن جس طرح مسجد حرام یا مسجد نبویؐ میں کنکریاں پھینکی رہتی ہیں، ان کے متعدد فوائد ہیں، اس لئے ان کو نہ نکالنا ہی افضل ہوگا (کہ ان کی وجہ سے فرش گرم نہیں ہوتا اور بارش ہو جائے تو وہ جگہ پھر بھی نماز کے لائق رہتی ہے وغیرہ ابتداء اسلام میں اسی لئے مسجد نبویؐ میں کنکریاں ڈالی گئی تھیں۔ واللہ اعلم)

قولہ فصل علیہا: حضور علیہ السلام نے اس عورت کی قبر پر تشریف لے جا کر نماز پڑھی اور آپؐ کے ساتھ دوسرے صحابہ نے بھی پڑھی (کہ انی موافق امام مالکؒ) اس بارے میں اختلاف مذاہب اس طرح ہے: امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ فقط ولیؑ پڑھ سکتا ہے اور وہ دوسری اموات کی بھی پڑھ سکتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ دوسروں نے بھی پڑھی ہو اور اس کو امام ابو یوسفؒ نے تین روز تک جائز بتلایا ہے، امام شافعیؒ، احمدؒ، داؤد ظاہری اور ایک جماعت کہتی ہے کہ قبر پر ہر شخص نماز پڑھ سکتا ہے جس کی بھی رو گئی ہو، ابن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے کہا آپ اس حدیث مذکور کا کیا جواب دیتے ہیں؟ تو فرمایا یہ حدیث تو صحیح ہے مگر اس پر عمل نہیں ہے (امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث چھ طرق

۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے بعض مشائخ سے اس امر کا بھی جواز منقول ہے کہ ولیؑ کے ساتھ دوسرے بھی جو رہ گئے ہوں نماز پڑھ سکتے ہیں، یہاں بھی عورت کی نماز میں دوسرے صحابہ شریک ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ولیؑ حضرت صدیق اکبرؓ سے اور آپؐ نے خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے آخر میں حضور کی نماز پڑھی ہے اور یہ بھی روایت میں نے دیکھی ہے کہ آپؐ کے ساتھ بھی بعض صحابہ نے نماز پڑھی تھی۔

حسان سے ثابت ہے، علامہ ابن عبد البر نے کہا بلکہ نو وجہ حسان سے اور پھر تمہید میں وہ تمام طرق ذکر کئے علامہ زرقانی نے ایک کا اضافہ کیا، کل دس ہوئے) پھر علامہ ابن رشد نے لکھا کہ امام ابو حنیفہ نے غالباً ان احادیث پر اپنے قاعدہ کے موافق اخبار آحاد ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ ایسی اخبار آحاد جو باوجود عموم بلوئی کے بھی مشہور و منتشر نہ ہوئی ہوں اور نہ ان پر عام طور سے عمل کیا گیا ہو، یہ ان کے ضعف کی دلیل ہے اور اس لئے ان کے صدق کا غلبہ ظن نہیں ہوتا بلکہ منسوخ ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے۔

### ابن رشد اور حنفیہ

علامہ نے اس کے بعد یہ بھی لکھا کہ ہم مالکیہ کا اصول تعامل و عدم تعامل اہل مدینہ سے استدلال کا پہلے بتا چکے ہیں اور اس نوع استدلال کا نام حنفیہ نے عموم بلوئی رکھا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں جنس واحد سے ہیں۔ (بدلیۃ المجتہد ص ۲۰۳ ج ۱)  
حنفیہ پر رد اخبار آحاد کا بڑا اعتراض ہوا ہے، یہاں علامہ ابن رشد نے بڑے کام کی بات کہی ہے اس لئے اس کو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور مذاہب کے بارے میں بھی ان کی تنقیح عمدہ اور مستند ہوتی ہے، اس لئے ذکر کی گئی۔

**افادات انور:** حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں بھی حنفیہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام ساری امت کے ولی تھے، لہذا آپؐ نے بھی آخر میں قبر پر جا کر پڑھی، جبکہ اس کی نماز پہلے پڑھی جا چکی تھی اور خصائص کبریٰ سیوطی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی شرکت ممکن ہوتے ہوئے بغیر آپؐ کے کسی کی نماز جنازہ درست ہی نہ تھی یہ رائے جن حضرات کی تھی، میرے نزدیک بہت ہی حق و صواب تھی اور یہ بات تتبع آثار سے بھی ثابت معلوم ہوتی ہے کہ نماز خواہ وہ وہی تھی یا نماز جنازہ کی وہ بدون حضور کے صحیح نہ تھی اور غالباً حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جب مرض وفات نبویؐ میں حضور نے اپنی جگہ امامت کے لئے فرمایا کہ ابن ابی قحافہؓ کی کیا مجال ہے کہ آپؐ کے سامنے آگے بڑھے، مقصد یہ تھا کہ غیر نبیؐ کو نبی کا امام بننے کا حق نہیں ہے، لیکن یہ بھی مسند احمد میں ہے کہ کسی نبیؐ کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی امتی اس کا امام نہ بنے اور گویا یہی قرب وفات نبویؐ کی نشانی ہوتی ہے کیونکہ دین مکمل ہو چکا اور امت اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن گئی، حتیٰ کہ ایک امتی اپنے نبیؐ کا امام بھی بننے کے لائق ہو گیا، اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے نزول کے وقت حضرت مہدیؑ علیہ السلام کیونکر امامت کریں گے جبکہ غیر نبیؐ، نبی کا امام نہیں ہو سکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف پہلی نماز پڑھیں گے اور وہ بھی باجائز حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام ہوگی اور اس لئے بھی کہ امامت ہو چکی ہوگی، حضرت مہدیؑ مصلائے امامت پر پہنچ چکے ہوں گے صرف تحریمہ باقی ہوگی کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام دفعۃً اتر کر شرکت نماز فرمائیں گے اور اس وقت حضرت مہدیؑ کو مصلائے امامت سے پیچھے بنانا اس لئے بھی مناسب نہ ہوگا کہ اس سے عدم اہلیت امامت کا شبہ ہوگا اور اسی لئے بعض روایات میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ فرمانا بھی منقول ہوا ہے کہ ”اٹھا لک اقیمت“ (اقامت آپؐ ہی کے لئے کہی گئی ہے) اور شاید یہ الفاظ حضرت مہدیؑ کے ارادہ تاخری کو دیکھ کر آپؐ فرمائیں گے تاکہ پیچھے نہ بنیں، پھر پہلی نماز کے بعد حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام ہی مستقل طور سے امام رہیں گے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کی وجہ سے علوۃ علی القبر کا عدم جواز اس لئے بھی نہیں ثابت ہوتا کہ حضور علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ ان قبور کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور حق تعالیٰ میری نماز کی وجہ سے اہل قبور کے لئے نور عطا فرمادیتے ہیں (مسلم شریف) تو اس سے حضور کی خصوصیت معلوم ہوئی جو دوسروں کے لئے ثابت نہیں ہے اگر امام شافعی وغیرہ قائلین جواز صلوٰۃ علی القبر اس کا ثبوت دیں تو دوسری بات ہے، ایسے ہی امام محمدؒ نے غالباً نماز کے بارے میں بھی خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ دوسرے حضور علیہ السلام کی طرح نہیں ہیں۔

## باب تحریم تجارت الخمر فی المسجد

(مسجد میں شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان)

۴۴۲. حدثنا عبد ان عن ابی حمزة عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن عائشة قالت لما انزلت الايات من سورة البقرة فی الربوا خرج النبی ﷺ الى المسجد فقد اهن علی السنائم حرم بجارة الخمر. ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب سورہ بقرہ کی رو سے متعلق آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان آیات کی لوگوں کے سامنے تلاوت کی، پھر شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

تشریح: یعنی شراب جیسی حرام و ضعیف چیز کی حرمت کا مسئلہ مسجد کے اندر بیان کیا جاسکتا ہے، شراب اور ربوا کا حکم ساتھ اس لئے بیان کیا کہ سود کھانے والے اور شراب پینے والے یکساں طور سے شیطان کے زیر اثر ہوتے ہیں، حرمت ربوا کی تاریخ امام طحاوی کی مشکل الآثار میں دیکھی جائے یہ بھی اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خفیہ کے اصول سے دار الحرب میں ربوا حلال ہے یعنی مسلم کو کافر سے لینا (کیونکہ اموال کفار دار الحرب کے لئے عصمت موشہ حاصل نہیں ہے، التفصیل باقی فی محمد، ان شاء اللہ)

## باب الخدم للمسجد وقال ابن عباس نذرت لك

ما فی بطنی محرراً للمسجد ینخدمه

(مسجد کے لئے خادم) حضرت ابن عباسؓ نے (قرآن کی اس آیت) ”جو اولاد میرے بطن میں ہے اسے تیرے لئے آزاد چھوڑنے کی میں نے نذر مانی ہے“ کے متعلق فرمایا کہ مسجد کے لئے چھوڑ دینے کی نذر مانی تھی کہ اس کی ایک خدمت کیا کریگا)

۴۴۳. حدثنا احمد بن واقد حدثنا حماد عن ثابت عن ابی رافع عن ابی هريرة ان امرأة او رجالا كانت تقم المسجد ولا اراه الا امرأة فذكر حديث النبی ﷺ انه صلی علی قبرها.

ترجمہ ۴۴۳: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، ثابت نے کہا میرا خیال ہے کہ وہ عورت ہے پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث نقل کی کہ آپ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

تشریح: یہ حضرت عمران کی بیوی اور حضرت مریم کی والدہ کا واقعہ ہے اور آپ نے نذر مانی تھی کہ میرا جو بچہ پیدا ہوگا اسے مسجد کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی، امام بخاریؒ نے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گذشتہ امتوں میں بھی مساجد کی تعظیم کے پیش نظر اپنی خدمات اس کے لئے پیش کی تھیں اور وہ اس میں اس حد تک آگے تھے کہ اپنی اولاد کو مسجد کی خدمت کے لئے وقف بھی کر دیا کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان امتوں میں اولاد کو نذر کر دینا صحیح تھا، چونکہ لوگوں کی نذر یہ لوگ کیا کرتے تھے اور امراء عمران کے لڑکی پیدا ہوئی، اس لئے آپ نے اپنے رب سے معذرت کی کہ ”میرے رب میرے تو لڑکی پیدا ہوئی، الایہ۔“

## باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد

۴۴۴. حدثنا اسحاق بن ابراهیم قال انا روح و محمد بن جعفر عن شعبة عن محمد ابن زیاد عن ابی

هريرة عن النبی ﷺ قال ان عفريتاً من الجن تفلت علی البارحة او كلمة نحوها ليقطع علی الصلوة

فامکنی اللہ منه و اردت ان اربطه الی سارية من سوارى المسجد حتی تصبحو وتظرو الیہ کلکم

فذكرت قول اخي سليمان رب هب لی ملكاً لا ینفخی لاحد من بعدی قال روح فردہ خاسئاً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ گذشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس

آیا، یا اسی طرح کی کوئی بات آپ نے فرمائی وہ میری نماز میں غفل انداز ہونا چاہتا تھا، لیکن خداوند تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی اور میں نے سوچا کہ مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ صبح کو تم سب بھی اسے دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعایا د آگئی ”اے رب مجھے ایسا ملک عطا کیجئے جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو“ راوی حدیث روح نے بیان کیا کہ آں حضور نے اس شیطان کو نامراد واپس کر دیا۔

**تشریح:** عہد نبوت میں جیل خانہ نہ تھا، بلکہ مسجد میں بٹھلا دیتے تھے اور وہاں سے کہیں کو جانے نہ دیتے تھے، پہلا جیل خانہ حضرت عمرؓ نے مکہ معظمہ میں ایک گھر خرید کر بنایا تھا (افادہ اشیح الانور)

عفریت:- سرکش، طاغی، بغض علی:- منصف عبدالرزاق میں ہے کہ جن یا شیطان ملی کی شکل میں آیا تھا اور کتاب الاسماء والصفات بتاوتی میں ہے کہ وہ آپ کی طرف آگ کا شعلہ لے کر بڑھاتا کہ آپ گھبرا کر نماز توڑ دیں۔

### قولہ لا ینفی لاحد من بعدی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس دعاء سلیمانی کو ظاہر و عموم پر رکھا، ورنہ اس ایک واقعہ سے اس دعا کی حقیقی مراد پر کوئی اثر نہ پڑتا، پھر فرمایا کہ دعاؤں اور نذروں کے الفاظ و ظاہر پر ہی حکم ہوتا ہے، غرض و معنی پر نہیں، جیسا کہ مسند احمد میں ہے، ایک دفعہ حضور علیہ السلام حضرت عائشہؓ کے پاس تھے، کسی بات پر آپ نے ان کو فرمادیا، مالک قطع اللہ یدیک (تمہیں کیا ہوا، اللہ تمہارے ہاتھ کاٹے) پھر باہر تشریف لے گئے، واپس آئے تو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے خون نکل رہا تھا، فرمایا، یہ کیا؟ کہا کہ دعا آپ کی! پھر آپ نے دعا فرمائی تو اچھا ہو گیا اور اسی لئے حدیث مشکوٰۃ میں ہے کہ اولاد کو بددعا نہ دو! ممکن ہے کہ وقت قبولیت ہی کا ہو، حضور نے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، مگر تکوین الہی آپ کے الفاظ ہی پر جاری ہوگئی۔

### باب اغتسال اذا اسلم و ربط الا سیر ایضاً فی المسجد و کان

#### شربح یا امر الغریم ان یحبس الی ساریۃ المسجد

(اسلام لانے کے وقت غسل کرنا اور قیدی کو مسجد میں باندھنا، قاضی شریحؒ قرظدار کے متعلق حکم دیا کرتے تھے

کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے)

۴۴۵. حدثنا عبد الله بن يوسف قال حدثنا الليث قال حدثني سعيد بن ابی سعيد انه سمع ابا هريرة

قال بعث النبي ﷺ خيلاً قبل نجد فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن الال فربطوه بسارية

من سوارى المسجد فخرج اليه النبي ﷺ فقال اطلقوا ثمامة فانطلق الي نخل قريب من المسجد

فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے چند سوار نجد کی طرف بھیجے، یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن الال تھا پکڑ لائے، انہوں نے قیدی کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو (رہائی کے بعد) ثمامہ مسجد نبوی سے قریب ایک باغ تک گئے اور غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا اشہدان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ۔

**تشریح:** حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اسلام لانے کے لئے غسل مستحب ہے اور غسل جنابت بعد الاسلام کے لئے شرح وقایہ سے تفصیل دیکھی جائے یعنی جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے والا اجنبی نہ ہو تو اسلام لانے کے لئے غسل واجب نہیں ہے، البتہ امام احمد واجب کہتے ہیں، لامع الداری ص ۱۸۰ ج ۱ میں بھی اچھی تفصیل ہے۔

## باب الخیمة فی المسجد للمرضى و غیرہم

(مسجد میں مریضوں وغیرہ کے لئے خیمہ)

۳۴۶. حدثنا زکریا بن یحییٰ قال حدثنا عبداللہ بن نمیر قال حدثنا هشام عن ابیہ عن عائشة قالت اصیب سعد یوم الخندق فی الاکحل فضرب النبی ﷺ خیمۃ فی المسجد ليعوده من قریب فلم یرعہم و فی المسجد خیمۃ من بنی غفار الا الدم یسمل الیہم فقالو یاہل الخیمۃ ما ہذا الذی یأتینا من قبلکم فاذا سعد یغزو جرحہ دما فہیات منہا.

ترجمہ: حضرت عائشہ نے فرمایا کہ غزوہ خندق میں سعدؓ کے ہازو کی ایک رگ (اکل) میں زخم آیا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کر دیا تھا تاکہ آپ قریب رہ کر ان کی دیکھ بھال کیا کریں، مسجد ہی میں بنی غفار کے لوگوں کا بھی ایک خیمہ تھا، سعدؓ کے زخم کا خون (جو رگ سے بکثرت نکل رہا تھا) بہہ کر جب ان کے خیمہ تک پہنچا تو وہ گھبرا گئے، انہوں نے کہا خیمہ والو! تمہاری طرف سے یہ کیا خون ہمارے خیمہ تک آتا ہے، پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خون سعدؓ کے زخم سے بہا ہے، حضرت سعدؓ کا انتقال اسی زخم کی وجہ سے ہوا۔

تشریح: امام بخاریؒ مسجد کے احکام میں بڑی توسع کا مسلک رکھتے ہیں، اس حدیث سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مریضوں اور مریضوں وغیرہ کو بھی مسجد میں رکھا جاسکتا ہے بلا کسی خاص مجبوری کے، حدیث میں جو واقعہ ذکر ہوا ہے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبویؐ سے اس کا تعلق ہے، لیکن سیرت ابن اسحاق میں یہی واقعہ جس طرح بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد نبویؐ کا نہیں بلکہ کسی اور مسجد سے اس کا تعلق ہے پھر یہاں خاص طور پر قائل ذکر بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غزوات وغیرہ میں تشریف لے جاتے تو نماز پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ منتخب فرمالیتے اور چاروں طرف سے کسی چیز کے ذریعہ اسے گھیر دیتے تھے، اصحاب سیر ہمیشہ اس کا ذکر مسجد کے لفظ سے کرتے ہیں حالانکہ فقہی اصول کی بناء پر مسجد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا اور نہ مسجد کے احکام کے تحت ایسی مساجد آتی ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قیام بھی اسی طرح کی مسجد میں تھا، کیونکہ غزوہ خندق سے فراغت کے فوراً بعد آں حضور ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ غزوہ خندق میں رخصتی ہوئے تھے، اس لئے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب فوراً ہی بعد آپ بنو قریظہ کے محاصرہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ کو اپنے قریب رکھ کر ان کی دیکھ بھال کے لئے آپ نے اسی مسجد میں انہیں ٹھہرایا ہوگا جو بنو قریظہ کے محاصرہ کے وقت آپ نے وقتی طور پر نماز پڑھنے کے لئے بنائی ہوگی، نماز پڑھنے کے لئے ایسی کوئی جگہ جسے اصحاب سیر مسجد لکھا کرتے ہیں، مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور زخمی یا مریض کو بلا کسی خاص ضرورت کے ایسی مسجد میں ٹھہرانا درست ہے، مسجد نبویؐ بنی قریظہ سے فاصلہ پر واقع ہے اس لئے جس وقت آپ بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اگر حضرت سعدؓ کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا ہوتا تو پھر انہیں قریب رکھ کر عبادت کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

امام بخاریؒ کے ”باب الخیمۃ فی المسجد“ سے بظاہر یہی متبادر ہے کہ وہ خیمہ حضرت سعدؓ کو بھی مسجد نبویؐ سمجھے ہیں اور حافظہ کار جان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے مگر حضور اکرم ﷺ کا یہ حکم کہ حضرت سعدؓ کا خیمہ مسجد میں لگا دیا جائے تاکہ قریب سے ان کی دیکھ بھال فرما سکیں، بنی قریظہ سے کئی میل کے فاصلہ پر کس طرح ہو سکتا تھا، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کا الگ سے چھوٹا خیمہ آپ نے بنی قریظہ والی مسجد میں نصب کرایا ہوگا جہاں آپ غزوہ خندق سے فارغ ہوتے ہی تشریف لے گئے تھے کہ گھر آ کر پوری طرح غسل بھی نہ کر پائے تھے اور حضرت جبریلؑ حضرت وحیدؑ کی صورت میں گھوڑے پر سوار باب جبریلؑ پر آگئے اور فرمایا کہ ہم فرشتوں کی فوج نے ابھی تک اٹھیا نہیں کھولے اور حکم ربی ہے کہ فوراً بنی قریظہ کا محاصرہ کیا جائے، اس وقت حضرت جبریلؑ کے چہرہ وغیرہ پر غزوہ خندق کا گرد و غبار بھی موجود تھا، چنانچہ حضور علیہ السلام



نے حضرت علیؓ کو ایک دستہ فوج صحابہؓ کیساتھ تو فوراً ہی روانہ فرما دیا اور حکم دیا کہ ہر شخص بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز عصر پڑھے لیکن وہ حضرات بعد مغرب تک ہی پہنچ سکے کیونکہ فاصلہ تقریباً چار میل کا تھا مسجد قبا دو میل ہے مسجد نبویؐ سے اور اتنا ہی فاصلہ وہاں سے بنو قریظہ تک اور ہے جیسا کہ نقشہ سے معلوم ہوگا پھر راستوں کے بیچ خیمہ لگ رہے کہ اس سے بھی میل سو اسیل کا اضافہ ہوا ہوگا۔

اب رہا یہ کہ بظاہر رفیدہ کا خیمہ تو مسجد نبویؐ میں ہی رہا ہوگا تو حضرت سعدؓ کے خیمہ سے ان کے خیمہ تک خون کیونکر بہا ہوگا؟ اور اسی اشکال کی وجہ سے غالباً حافظ کا مذکورہ بالا رجحان ہوگا، مگر دوسری بات کے قرائن زیادہ ہیں مثلاً حضور علیہ السلام کا محاصرہ بنی قریظہ جو تقریباً ایک ماہ رہا، ظاہر ہے کہ ۵، ۴ کلومیٹر کا فاصلہ یعودہ من قریب کے منافی ہے، دوسرے علامہ یعنی نے لکھا جو بلند پایہ مورخ بھی ہیں کہ حضرت سعدؓ کی وفات غزوہ خندق سے ایک ماہ بعد اور بنو قریظہ کے لئے فیصد دینے سے چند شب بعد ہوئی ہے (عمدہ ۴۲۸، ۴۵۸) تو بظاہر یہی ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہؓ نے بھی فیصلہ کے بعد بنو قریظہ کے محملہ سے کوچ فرمایا ہوگا اور مسجد نبویؐ میں آگئے ہوں گے پھر ایک دو شب حضرت سعدؓ کا خیمہ رفیدہ کے خیمہ سے قریب لگا ہوگا اور چونکہ اتنی مدت تک آپؐ کے بازو کی رگ سے خون نکلتا بند تھا، اس لئے مسجد کی تلویح کا بھی احتمال نہ رہا تھا، لیکن دوسری طرف حضرت سعدؓ کی دعا بھی قبول ہو چکی تھی کہ ”ہا رہا اہا! اگر اس کے بعد بھی کوئی غزوہ قریش سے کرنا باقی ہے تو مجھے بھی باقی رکھ لے ورنہ اپنے پاس بلا لے“ چنانچہ یہ دعا فوراً ہی قبول ہو گئی اور وہ خون کی رگ جس کو خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے داغ دے کر بند کر دیا تھا، وہ پھر سے کھل گئی اور حضرت سعدؓ جاں بر نہ ہو سکے۔ ع ”بنا کر دند خوش رہے بخاک و خون غلطیدن“

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ لامع الدرداری ص ۱۸۰ ج ۱ میں ایک احتمال یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سعدؓ کا خیمہ جس مسجد میں تھا وہ مسجد نبویؐ اور مسجد بنی قریظہ کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے جو غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ السلام کی مسجد تھی اور اس احتمال کو غیر بعید بھی فرما دیا حالانکہ یہ البعد بعید ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جانب شمال کے غزوہ خندق سے فارغ ہو کر مسجد نبویؐ پہنچ کر جانب جنوب کے بنی قریظہ کیلئے ایک ماہ کے محاصرہ کے واسطے تشریف لے جا چکے ہیں اور یہ جگہ، دور ہو جاتی ہے تو قریب سے عبادت کا کیا مطلب بنے گا جو بخاری ہی کی اسی حدیث اباب میں مذکور ہے، دوسرے یہ کہ مسجد ذباب سے یا وہاں کے جنگل غیر آباد سے اب تعلق ہی کیا رہ گیا تھا کہ حضرت سعدؓ کا خیمہ وہاں باقی رہتا یا لگایا جاتا۔

چونکہ ایسے احتمالات بعیدہ کا منشاء پوری طرح پر دور نبوت کا نقشہ ذہن میں نہ ہوتا ہے اس لئے ہم نے کوشش کر کے مدینہ طیبہ کا اور مسجد نبویؐ کا بھی اسی دور کا پیش کرنے کی سعی کی ہے، جس سے بہت سے دوسرے مقامات بھی سمجھنے میں آسانی ہوگی، ان شاء اللہ

## ضروری و مختصر وضاحتیں

(اس کے ساتھ دونوں نقشے ملاحظہ کریں)

حرم مدینہ: مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں، مدینہ کے دونوں لابیوں کے درمیان حرم ہے، اس میں شکار نہ کیا جائے اور اس کے کانٹے دار درخت بھی نہ کاٹنے جائیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ کے عینہ وہی احکام ہیں جو حرم مکہ کے ہیں یا فرق ہے، اس کی بحث بخاری باب حرم المدینہ ص ۲۵۱ میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

مسجد نبویؐ: ہم نے صرف اس حصہ کا نقشہ دیدیا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسجد تھی، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد نبویؐ کے صرف تین دروازے تھے ایک جنوب کی طرف۔ دوسرا بجانب غرب جو باب الرحمہ کے مجازی تھا، تیسرا بجانب شرق جو پہلے باب آل عثمان کہلاتا تھا اور اب باب جبریل نام ہے، تھوڑے قبلہ کے بعد جنوبی دروازہ بند کر کے اس کے مقابل شمال میں دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ حضرت

عمرؓ نے اضافہ مسجد نبوی کے وقت تین دروازوں کا اضافہ کر دیا تھا، ایک باب السلام، دوسرا باب النساء اور تیسرا موجودہ باب مجیدی کے مقابل پھر مہدی عباسی کے اضافہ کے وقت ۳۴ دروازے ہو گئے تھے۔

**مسجد ذباب:** جبل احد کے راستہ میں جبل ذباب کے قریب ہے جہاں غزوہ خندق میں خیمہ نبویہ نصب ہوا تھا۔ تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا تھا۔  
**مسجد بنی قریظہ:** ایام محاصرہ یہودی قریظہ حضور علیہ السلام نے یہاں تقریباً ایک ماہ نمازیں پڑھی تھیں۔

**مسجد اسح:** عوالی کے شرق میں بلندی پر واقع ہے، یہودی بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت حضور علیہ السلام نے یہاں ۶ دن نمازیں پڑھی ہیں۔  
**مسجد فاطمہ:** بقیع کے اندر ہے، کل مساجد و مشاہد تبرکہ مدینہ طیبہ اور عوالی مدینہ کی تعداد فتح و غیرہ میں تیس ۳۰ بتلائی گئی ہے۔  
**مصلی الجناز:** مسجد نبوی کے باہر باب جبریل سے مسجد نبوی کے مشرقی جنوبی گوشہ تک ہے۔ یہ جگہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کے دور میں نماز جنازہ کے لئے تھی۔

**بیوت امہات المومنین:** تعمیر مسجد نبوی کے ساتھ ہی دو حجرے بھی تعمیر ہوئے تھے، ایک حضرت سودہ کے لئے دوسرا حضرت عائشہ کے واسطے جواب بھی اپنی جگہ پر ہے اور حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکر و عمرؓ استراحت فرما چیں اور ایک قبر کی جگہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے چھوٹی ہوئی ہے یہ قرب قیامت میں نزول فرما کر اپنے کارہائے مغلوضہ انجام دے کر وصال فرمائیں گے اور اس جگہ دفن ہوں گے۔

دوسری امہات المومنین کے بیوت مبارکہ باقی حصہ مشرقی مسجد نبوی اور جانب شمال و جنوب میں تھے جو توسیع مسجد نبوی کے وقت سے مسجد نبوی کا جزو بن گئے تھے، البتہ حضرت فاطمہ کے بیت مبارک کی جگہ اب بھی بیت حضرت عائشہ کے شمال میں محفوظ ہے۔  
**دار حضرت ابی ایوب:** جس میں سات ماہ حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا تھا، مسجد نبوی کے شرق و جنوب میں تھا۔  
**دار حضرت ابوبکر:** مسجد نبوی کے غربی حصہ میں موجودہ باب السلام کے قریب شمال میں تھا۔ جس کیلئے بطور علامت اب بھی خوشکا کتبہ موجود ہے۔  
**دار حضرت عبدالرحمن بن عوف:** حضرت ابوبکر کے بیت مبارک سے شمال میں تھا یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔  
**دار حضرت عمرؓ و آل عمر:** حجرہ مبارکہ حضرت حفصہ (واقع سمت جنوب مسجد نبوی) سے متصل حضرت عمرؓ کا مکان تھا جس پر دیوارال عمر لکھا ہوا ہے اور دار عشرہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

**دار حضرت عثمان:** آپ کا بڑا مکان مسجد نبوی کے قریب دار ابی ایوب سے شمال میں تھا اور چھوٹا اس سے شرق میں تھا جس کے قریب حضرت ابوبکرؓ کا دوسرا مکان تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا تیسرا مکان عوالی مدینہ کے مقام نخ میں بھی تھا، جس میں آپ وقت وفات نبوی تشریف رکھتے تھے۔  
**دار حضرت علی:** آپ کا ایک مکان بقیع کے پاس بھی تھا اور دوسرا یہی حضرت فاطمہ کا تھا۔

دوسرے دیار و بیوت کبار صحابہ: حضرت ابو ایوب کے بیت مبارک کے قریب ہی حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد ابن عبادہ، حضرت عمارہ بن حزم وغیرہ کے مکانات تھے، اور یوں تو سارا مدینہ طیبہ ہی حضرات صحابہ سے آباد تھا اور زائرین طیبہ کے لئے انتہائی شرف میسر ہوتا ہے کہ وہ قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں کسی نہ کسی صحابی رسول ﷺ کے بیت مبارک و مقدس کی جگہ شب و روز گزارتے ہیں۔ قبائل مہاجرین کے منازل کی تفصیل و فاء الوفا جلد اول کی آخری فصل میں ہے۔

۱۔ اس بارے میں مکمل و مدلل تحقیق حضرت مولانا عبد اللہ خان صاحب (تلمیذ رشید حضرت علامہ کشمیری) نے مستقل رسالہ میں درج کر دی ہے جو شائع ہو گیا ہے اور مکتبہ نعیمیہ دیوبند، الجمعۃ بکد پو دہلی اور مکتبہ ناشر العلوم بخنور سے مل سکے گا۔ ان شاء اللہ

[illegible]

الحائزين

جیل احمد

وادی قنات

یثرب

خازن کفایت

تحریر

مازلہ عید

من زلیخا

### منازل بنی قریظہ

مسجد بنی قریظہ مسجد نصیب

عزول بن مغیر

[illegible]

وادی ہمزبور (غادی)

2010

3

و در صورتی که

لاٹا کی چٹائیں

ج

وادی بھٹان

□  
مکمل

10

مسجد

دارسہ بن فخر

دارالکتاب

جستجو

ادراپیہ

U

۱۰

2

U

U

11

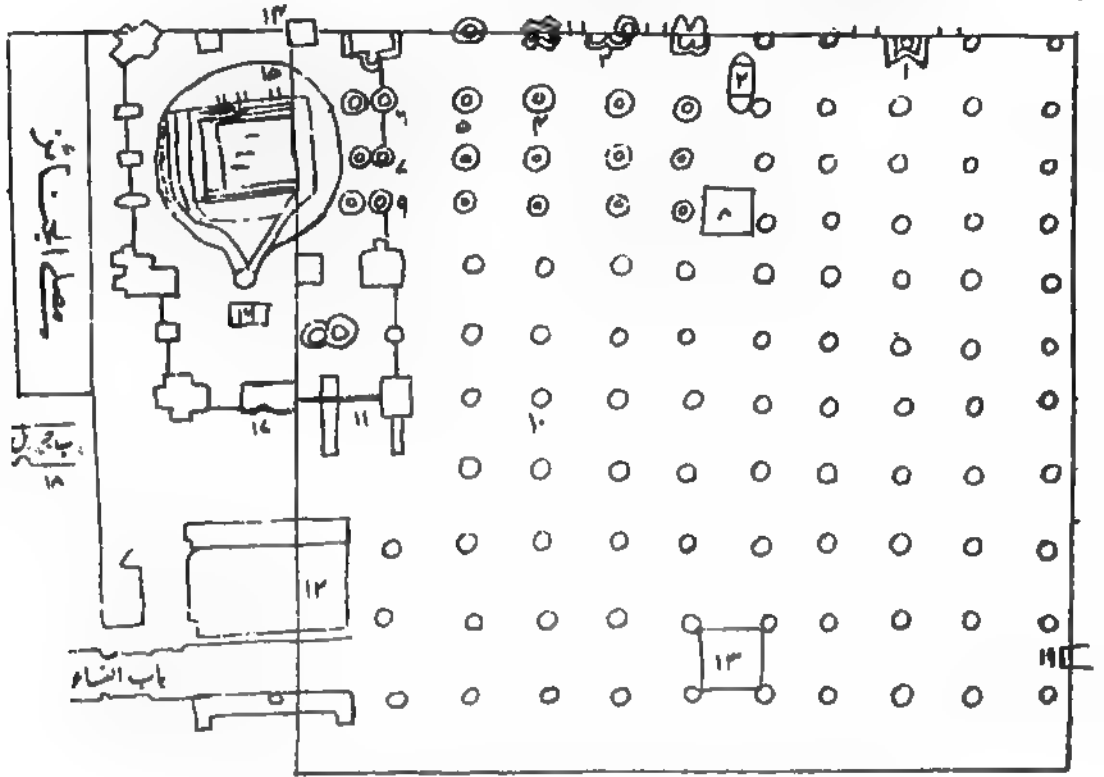
نام و فخری کارم

بست بہت  
آداب

7

U

## مسجد نبوی دور رسالت مقدسہ کا سطحی نقشہ (سمت قبلہ جانب جنوب)



## مسجد نبوی دور رسالت مقدسہ کا سطحی نقشہ (سمت قبلہ جانب جنوب)

- (۱) محراب سلیمانی (۲) منبر نبوی (۳) محراب نبوی (۴) اسطوانہ حضرت عائشہ (۵) اسطوانہ ابوالبابہ (۶) اسطوانہ سریر نبوی (۷) اسطوانہ حسن (۸) منکبرہ (۹) اسطوانہ وفود (۱۰) مقام محراب نبوی بزمانہ قبلہ بیت المقدس (۱۱) باب شامی (۱۲) محل اصحاب الصفہ (۱۳) منکبرہ (۱۴) موابہ شریفہ (۱۵) روضہ مقدسہ نبویہ و حضرت سیدنا صدیق و حضرت سید فاروقؓ (۱۶) قبر سیدتنا فاطمہؓ (۱۷) محراب تہجد نبوی (۱۸) باب حضرت جبریل علیہ السلام (۱۹) باب الرحمۃ۔

یہ نشان عام ستون کا ہے اور ① کا روضہ جنت کے ستونوں کا ہے (نوٹ) مسجد نبوی پہلی ہجرت کے پہلے سال بنی تھی جس کا طول جنوب مشرق میں تقریباً ستر ذراع تھا اور عرض شرق وغرب میں ساٹھ ذراع تھا پھر غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں دوبارہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے تعمیر کی تو دونوں جانب بڑھا کر ایک سو ذراع مربع کر دی تھی ذراع ایک ہاتھ یا دو بالشت کا یعنی ذیڑھ فٹ ۱-۲/۱ ہوتا ہے ہم نے یہاں صرف دور نبوت کی مسجد نبوی دکھائی اور اسی دور کے دوسرے آثار حبر کہ بھی نمایاں کئے ہیں، دوسرے نبوت کے بعد کے اضافات نہیں دکھائے ہیں اور ان کے نقشے الگ سے مل بھی جاتے ہیں، جس طرح مدینہ طیبہ کی آبادی کا نقشہ بھی ہم نے صرف اسی دور نبوت کا دکھانے کی سعی کی ہے تاکہ قرآن مجید، احادیث و سیر میں ذکر شدہ چیزوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ واللہ الحمد والمنة۔

بئر الریس: مسجد قبا سے غربی سمت تقریباً دو سو گز فاصلہ پر ہے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام اس کی من پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت صدیقؓ، حضرت فاروقؓ و حضرت عثمانؓ آپ کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے تو آپ کے اتباع میں پاؤں لٹکا کر ساتھ بیٹھے تھے، اس کو بئر خاتم بھی کہتے ہیں اور اس میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے مہربوی کے گرنے اور پھر نہ مٹنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

بئر عروہ: مدینہ کے غرب میں حضرت عروہ ابن زبیر کا مملوک تھا، اتنا شیریں، ہاضم اور ہلکا تھا کہ بطور تحفہ ہارون رشید کے لئے بغداد بھیج دیا جاتا تھا۔ بئر بضاعہ: اس کے پانی کے بارے میں حدیث میں سوال اور جواب نبوی مشہور ہے۔ بہت بڑا کنواں ہے کہ اس کا پانی سب جاری کے حکم میں ہے۔ بئر انا: محاصرہ بنی قریظہ کے وقت خیمہ نبویہ اس سے متصل تھا، اب یہ کنواں معدوم ہو گیا ہے۔ (سب ابیار مطہرہ ۱۸، ۲۰ ہیں)

بئر ذروان: اس کنویں میں بید بن اعصم یہودی نے حضور علیہ السلام کے بالوں پر سحر کر کے کنگھے میں باندھ کر دفن کئے تھے، اور حضور نے معوذتین کی گیارہ آیات پڑھ کر ایک ایک آیت سے ایک ایک گرہ کھول دی تھی۔ جس سے سحر کا اثر ختم ہو گیا تھا، جو ایک سال تک رہا تھا، لیکن اس سے معمولات نبوی پر کوئی اثر نہ تھا، صرف معمولی اثر دوسرا ہوا تھا (الروض ص ۲۴، ۲۵) یہ کنواں محمد نخیلہ کے قریب تھا، اب بند پڑا ہے۔ بخاری ص ۴۶۳ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حکم سے ہی اس کو پھوایا گیا تھا۔ نیز دیکھو بئی ص ۸۵۸، ۸۵۷۔

باغات: مدینہ منورہ کے ارد گرد بہ کثرت باغات تھے اور اب بھی ہیں۔ کچھ نقشہ میں بھی دکھائے گئے ہیں۔

مقابر: سب سے بڑی زیارت گاہ خلائق تو مزار اقدس نبوی ہے، جس کی زیارت کا شرف اعظم حاصل کرنے کے لئے ابتداء اسلام سے اب تک ساری دنیا کے مسلمان سفر کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ پھر حنیہ البقیع کی قبور مقدسہ مطہرہ ہیں۔ اس کے بعد مزارات سیدنا حضرت حمزہ و شہدائے احد وغیرہ ہیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ: اسی جگہ (وفات نبوی کے بعد) حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی تھی۔

خندق: غزوہ خندق یا غزوہ احزاب کے موقع پر یہ خندق قوی شکل میں مدینہ طیبہ کے تمام شمالی حصہ کو محفوظ کرنے کے لئے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے کھودی تھی۔ کیونکہ باقی اطراف قدرتی طور سے محفوظ تھے۔

جبال مدینہ: مدینہ طیبہ کے شمال میں سب سے بڑا پہاڑ جبل احد ہے جس کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ چھ ہزار میٹر (پونے چار میل) لمبا ہے، اسی کے عقب میں جبل ثور ہے، جو حرم مدینہ کی شمالی حد ہے۔ ایک پہاڑ سلع ہے کہ اس کو پشت پر رکھ کر اور خندق کو سامنے کر کے دس ہزار کفار قریش و بنی غطفان کی کامیاب مدافعت نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کی تھی۔

لابتان: یہ مدینہ طیبہ کے دائیں بائیں (شرق و غرب) میں لاوہ کی دو پتھریلی چٹانیں ہیں، جو حرم مدینہ کے شرقی و غربی حد بھی ہیں اور تیسرے لائنہ جنوبی کے ساتھ مل کر اس کی قدرتی محافظ ہیں۔ راتھان کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔

وادیاں: مدینہ طیبہ کے گرد وادیاں ہیں جن میں پہاڑوں کا بارانی پانی بہہ کر زغابہ کی طرف چل جاتا ہے اور شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

زغابہ: مدینہ کے شمال غرب میں بڑا وسیع لیشی میدان ہے، جہاں نواح مدینہ کی تمام وادیوں کا سیلابی پانی جمع ہوتا ہے اسی میدان میں غزوہ خندق میں کفار قریش نے چھاؤنی ڈالی تھی اور تیر اندازی کی تھی۔

غابہ: یہ بہت بڑا طویل و عریض بن اور جنگل زغابہ سے گئے شمال میں ہے۔

منازل قبائل: مدینہ طیبہ کے مشرق میں پہلے یہودیوں کے قبائل آباد تھے وہ بھی نقشہ میں دکھائے گئے ہیں۔

ثنیۃ الوداع: حرہ و برہ کے جنوبی کنارے پر وہ مقام ہے جہاں قادمین کا استقبال اور تودیع کی جاتی تھی، دوسرا ثنیۃ شمالی سرے پر ہے۔

مناخہ: مدینہ منورہ کا وہ میدان جس کو حضور علیہ السلام نے بطور بازار کے تجویز کیا تھا، وہاں اونٹ پر بندہ وغیرہ لاتے تھے اور بیٹھتے تھے، اسی لئے اس جگہ کا نام مناخہ پڑ گیا۔  
 یثرب: مدینہ کے شہل میں یہودی قدیم ہستی تھی ان کے شرقی جانب نخل ہونے کے بعد وہاں بنو حارث آباد ہوئے تھے پھر سہ ماہی یثرب کہلایا جانے لگا تھا۔  
 محلہ قباء: مدینہ منورہ کی جنوبی سمت ہے جہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا اور ان کی درخواست پر حضور علیہ السلام نے پہلے وہاں ہی قیام فرمایا تھا، حضرت کلثوم بن ہدم کا گھر حضور کی قیام گاہ تھی جہاں اب بیضوی قہ ہے، مسجد قباء کے جنوب میں تقریباً ۴۰ فٹ پر، وہ اب مقام العمرہ کہلاتا ہے اور اس سے متصل ہی مسجد کی طرف دوسرا قہ جواب بیت فاطمہؑ کہلاتا ہے سعد بن خثیمہ کا گھر تھا وہ حضور کی مردانہ نشست گاہ تھی اور مسجد قباء کے صحن میں جو قہ مبرک نافہ کہلاتا ہے وہاں آپ کی اونٹنی مکہ سے آ کر بیٹھی تھی، مسجد قباء کی فضیلت اور دوسرے حالات مشہور ہیں۔

### باب ادخال البعیر فی المسجد للعلۃ وقال ابن عباس طاف النبی ﷺ علی بعیرہ

(کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد میں اونٹ لے جانا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا تھا)

۴۴۷. حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال انا مالک عن محمد بن عبد الرحمن ابن نوفل عن عروۃ بن الزبیر عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت شکوت الی رسول اللہ ﷺ انی اشتکی قال طوفی من وراء الناس وانت راکبۃ فطفت ورسول اللہ ﷺ یصلی الی جنب البیت یقرأ بالطور و کتاب مسطور.  
 ترجمہ ۴۴۷: حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حجۃ الوداع میں اپنی بیماری کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کر لو پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت بیت اللہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، آپ آیت والطور و کتاب مسطور کی تلاوت کر رہے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ بیت اللہ مسجد حرام میں ہے اس لئے اس کا طواف سوار ہو کر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کی بناء پر مسجد میں اونٹ وغیرہ لے جانا جائز ہے لیکن عہد نبویؐ میں بیت اللہ کے علاوہ اور کوئی عمارت وہاں نہیں تھی صرف ارد گرد مکانات تھے بعد میں حضرت عمرؓ نے ایک احاطہ کھنچوا دیا تھا، اس لئے حضرت ام سلمہؓ کا اونٹ مسجد میں کہاں داخل ہوا؟ حضرت ام سلمہؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آنحضورؐ کے سامنے سے گزری تھیں کیونکہ وہ بھی طواف کر رہی تھی اور طواف نماز کے حکم میں ہے۔

باب : ۴۴۸. حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا معاذ بن ہشام قال حدثنی ابی عن قتادۃ قال حدثنا

الس ان رجلین من اصحاب النبی ﷺ خر جا من عند النبی ﷺ احدهما عبد بن بشر و احبہ الثانی

اسید ابن حضیر فی لیلۃ مظلمۃ و معہما مثل المصباحین یضیان بین یدیهما فلما اترقا صار مع کل

واحد منهما واحد حتی اتی اہلہ

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ دو شخص نبی کریم ﷺ کی مسجد سے نکلے ایک عباد بن بشر اور دوسرے صاحب کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ اسید بن خضیر تھے، رات تاریک تھی اور دونوں اصحاب کے پاس منور چراغ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے آگے روشنی پھیل رہی تھی، وہ دونوں اصحاب جب ایک دوسرے سے (راستے میں) جدا ہوئے تو دونوں کے ساتھ اسی طرح کی ایک ایک روشنی تھی آخر وہ اسی طرح اپنے گھر پہنچ گئے۔

تشریح: یہ دونوں اصحاب رضوان اللہ علیہما نماز عشاء کے بعد دیر تک مسجد نبویؐ میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے پھر جب یہ باہر تشریف لائے تو رات اندھیری تھی اور محبت نبویؐ کی برکت سے راستہ منور کر دیا گیا تھا، حافظ نے لکھا کہ یہ باب امام بخاریؒ نے بلا ترجمہ و عنوان کے باعدھا ہے اور علامہ ابن رشید کی یہ بات بھی یہاں نہیں چل سکتی کہ امام بخاریؒ کا باب بلا ترجمہ پہلے ہی باب کے تحت مثل فصل کے ہوا کرتا ہے، کیونکہ یہاں کوئی بھی مناسبت پہلے باب ادخال البعیر فی المسجد سے نہیں ہے، البتہ ابواب مساجد سے اتنا تعلق ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں صحابی حضور علیہ السلام کے ساتھ دیر تک انتظار صلوة کے لئے مسجد میں رہے تھے اور رات اندھیری تھی، واپسی مسجد میں بلانور کے پریشانی

تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صحابی کے لئے یہ کرامت عطا کی، یہ حدیث انس کتاب المناقب میں بھی آئے گی اور دوسرا ان دونوں صحابی کے نام اسید بن حفیر اور عباد بن بشرؓ کو رہیں (فتح الباری ۴/۳۷۲ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: من عند النبی ﷺ سے مراد چونکہ آپ کی مسجد سے نکلتا ہے تو یہی مناسبت ہوگی اور حدیث الباب سے کرامت کا ثبوت ہے جس کا ابن حزم نے ”مطل و محل“ میں انکار کیا ہے کہ اس سے کرامت و معجزہ میں فرق نہیں رہتا۔ پھر ابن حزم باوجود انکار کرامت کے قبولیت دعا کے قائل ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر دعاء خارق عادت امر کے لئے ہو تو پھر بھی فرق نہ رہے گا درحقیقہ راہ شرح عقائد میں ہے کہ کرامت و معجزہ دونوں کا تعلق ہر چیز سے ہو سکتا ہے، لہذا ہر خارق عادت امر جب وہ نبی کے ذریعہ صادر ہو وہ معجزہ کہلائے گا اور وہی اگر ولی سے ہو تو کرامت کہلائے گا، لیکن صاحب رسالہ قشیر یہ علامہ ابوالقاسم کی رائے یہ ہے کہ بعض چیزیں معجزہ کے ساتھ خاص بھی ہوتی ہیں جو ولی سے نہیں ہو سکتیں، اور میری بھی یہی رائے ہے کیونکہ علامہ موصوف خود بھی صاحب کرامات تھے، لہذا ان کی رائے زیادہ وقیع ہے، کرامت و معجزہ میں فرق مقدمہ ابن خلدون اور شیخ اکبر کی تالیفات میں دیکھا جائے۔

پھر فرمایا کہ ولی میت کو زندہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ مجھے اس میں عرصہ تک تردد رہا پھر قائل ہو گیا کہ کرامت سے زندہ ہو سکتا ہے اور عارف جائی کا واقعہ دیکھا جو شیخ عبدالغنی تلمی خفی نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ان کے لئے کسی مالدار نے آزمائش کے لئے دعوت میں مردار مرغ بکوا کر سامنے رکھ دیا، عارف جائی نے اس کو تم باذن اللہ کہا تو وہ مرغ زندہ ہو گیا، اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلیؒ کا واقعہ احیاء میت کا ذکر کرتے ہیں، واللہ اعلم سند کس درجہ کی ہے، بخور میں بھی ایک شخص کو دیکھا تھا کہ لوگوں کے سامنے کیوتر کی گردن کاٹ دیتا تھا اور پھر ملا کر زندہ کر دیتا تھا، میں نے اس سے دریافت کیا تو بتلایا کہ ہم صرف تھوڑی دیر کے لئے ایسا کر سکتے ہیں، اگر زیادہ وقت گزر جائے تو پھر زندہ نہیں کر سکتے۔

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب ”المعلو والعرش“ میں لکھا کہ شیخ عبدالقادر جیلیؒ کی کرامات بارش کے قطروں کی طرح بہ کثرت و تواتر ثابت ہیں۔ محقق عینی نے بھی کرامات اولیاء کا اثبات کیا ہے اور ایک واقعہ بھی شیخ حسام الدین رہاویؒ کا لکھا ہے (عمدہ ۴/۳۳۱ ج ۲)

## باب الخوخة والممر فی المسجد

(مسجد میں کھڑکی اور راستہ)

۳۴۹. حدثنا محمد بن سنان قال نا فلیح قال نا ابو النضر عن عبيد بن حنين عن يسر بن سعيد عن ابي سعيد الخدري قال خطب النبي ﷺ فقال ان الله سبحانه خيرا عبدا بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عند الله فبكى ابو بكر فقلت في نفسي ما يبكي هذا الشيخ ان يكن الله خيرا عبدا بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عند الله عز وجل فكان رسول الله ﷺ هو العبد وكان ابو بكر اعلمنا فقال يا ابا بكر لا تبك ان امن الناس علي في صحبته وماله ابو بكر ولو كنت متخذا من امتي خلیلاً لا اتخذت ابا بكر ولكن اخوة الاسلام ومودته لا یقین فی المسجد باب الاسد الاباب ابی بکر.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ یا خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا کہ وہ جس کو چاہے (اختیار کرے) بندہ نے آخرت کو پسند کیا، اس پر ابو بکرؓ نے گلے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر خدا نے اپنے کسی بندہ کو دنیا و آخرت میں سے کسی کو اختیار کرنے کے لئے کہا اور بندہ نے آخرت اپنے لئے پسند کر لی تو اس میں ان بزرگ (حضرت ابو بکر) کے رونے کی کیا بات ہے لیکن بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندہ تھے اور ابو بکرؓ ہم سے زیادہ جاننے والے تھے، آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا، ابو بکر آپ رویئے مت، اپنی محبت اور اپنی دولت کے ذریعہ تمام لوگوں سے زیادہ

مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اور اگر میں کسی کو ظلیل بناتا تو ابوبکر کو بنانا لیکن اس کے بدلے میں اسلام کی اخوت و مودت کافی ہے، مسجد میں ابوبکر کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔

۴۵۰. حدثنا عبد الله بن محمد الجعفی قال نا وهب بن جریر قال نا ابی قال سمعت یعلی بن حکیم عن عکرمه عن ابن عباس قال خرج رسول الله ﷺ فی مرضه الذی مات فیہ عاصباً راسه بخرقه فقعده علی المنبر فحمد الله و النبی علیہ ثم قال انه لیس من الناس احد امن علی فی نفسه و ماله من ابی بکر بن ابی قحافه ولو کنت متخذاً من الناس خلیلاً لا اتخذت ابا بکر خلیلاً ولكن خلة السلام الفضل سدو عنی کل خو خه فی هذا المسجد غیر خو خه ابی بکر.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وقات میں باہر تشریف لائے سر سے پٹی بندھی ہوئی تھی آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس نے ابوبکر بن ابی قحافہ سے زیادہ مجھ پر اپنی جان و مال کے ذریعہ احسان کیا ہو اور اگر میں کسی کو انسانوں میں ظلیل بناتا تو ابوبکر کو بنانا لیکن اسلام کا تعلق افضل ہے ابوبکر کی طرف کی کھڑکی کو چھوڑ کر اس مسجد کی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔

تشریح: آں حضور ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اگر میں کسی کو ظلیل بناتا تو ابوبکر کو بنانا اس پر علماء نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں کہ ظلیل کا مفہوم کیا ہے اور حبیب اور ظلیل میں کیا فرق ہے وغیرہ، اگر ان تمام بحثوں کا اختصار کیا جائے تو آخر کار یہ بات آکر ٹھہرتی ہے کہ یہاں خلت سے مراد وہ تعلق ہے جو صرف خداوند تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے آں حضور نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق اور آپ کے درمیان یہ تعلق ممکن ہی نہیں البتہ اسلامی اخوت و محبت کا اعلیٰ سے اعلیٰ جو درجہ ہو سکتا ہے وہ ابوبکر صدیق اور آپ کے درمیان قائم ہے۔

جب مسجد نبوی کی ابتدائی تعمیر ہوئی تو قبلہ بہ سمت شمالی بیت المقدس تھا، پھر قبلہ بیت الحرام قرار پایا جو مدینہ سے جنوب میں تھا، اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ شمال کی طرف کر دیا گیا تھا چونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات مسجد کے چاروں طرف تھے اور مسجد میں صحابہ کے آنے جانے کے لئے بہت سی کھڑکیاں اور دروازے تھے، آپ نے ان کے خصوصی دروازوں کو بند کر دینے کا حکم دیا اور شمال کی طرح ایک عام دروازہ مشرق کی طرف جو باب جبریل کہلایا اور ایک عام دروازہ جو باب الرحمۃ کہلایا غرب کی طرف رہنے دیا، البتہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف ایک کھڑکی رہنے دی تھی اور اس سے آپ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ جب آپ امام ہوں تو آنے جانے کی سہولت پوری طرح رہے۔

بحث و نظر: یہاں چند حقائق کا ذکر اور حدیثی بحث بھی آئے گی، فیض الباری ص ۶۲ ج ۲ میں جو مساحت ضبط و تحریر میں ہو گئی ہے، وہ بھی صاف ہو جائے گی، ان شاء اللہ، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی دربارہ سد الابواب غیر باب علی قوی سند سے ثابت ہے، لیکن محدث ابن الجوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے جس کا حافظ ابن حجرؒ نے رد وافر کیا ہے اور امام طحاویؒ کی مشکل الآثار سے بھی اپنے مدعا کو قوت پہنچائی ہے (اس جگہ تم امر بسد باب علی الیفاء کی نسبت امام طحاویؒ کی طرف غلط ہو گئی کیونکہ مرتب نے ایسے مقامات میں حوالوں کی طرف رجوع نہیں فرمایا) پھر فرمایا کہ امام طحاویؒ و حافظ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ باب حضرت علیؓ کا استثناء پہلے ہو چکا تھا جو ان کی خاص منقبت تھی کیونکہ ان کے گھر کا دروازہ حضور علیہ السلام ہی کی طرح مسجد نبوی کی طرف تھا ان کو حضور علیہ السلام کی طرح مسجد میں بحالت جنابت بھی گزرنا جائز تھا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کے لئے بعض احکام مشترک تھے، اور حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے علی! تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔



دوسری بار حضور علیہ السلام نے مرض وفات میں حکم فرمایا کہ سب دروازے بدستور بند ہی رہیں گے بجز باب حضرت ابو بکرؓ کے (کہ وہ باب یا کھڑکی کی صورت میں کھلا رہے گا) کیونکہ وہ امامت و خلافت کے ذمہ دار ہوں گے اور فصل خصوصیات و امامت وغیرہ کیلئے مسجد نبویؐ میں زیادہ آمد و رفت رکھنی پڑے گی، حضرت نے فرمایا کہ اسی لئے علماء نے مرض وفات کے اس حکم کو خلافت کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔

یہاں ایک دوسری مساحت یہ بھی ہوئی کہ مسجد نبویؐ کا صرف ایک دروازہ شمالی دکھایا گیا، حالانکہ اہل سیر نے حضور علیہ السلام کے زمانے کے تین دروازے لکھے ہیں، یعنی شرق و غرب میں بھی دروازے عام آنے جانے والوں کے لئے تھے۔ حضور علیہ السلام کے دونوں حکموں کا تعلق ان دروازوں سے تھا جو مسجد نبویؐ کے اطراف میں سکونت کرنے والے خاص خاص گھرانوں اور افراد نے اپنے اپنے آنے جانے کی سہولت کے لئے بنائے تھے، کیونکہ ایسی صورت نہ صرف مسجد نبویؐ بلکہ کسی اور مسجد کے لئے بھی موزوں نہیں ہے، البتہ عام راستے حسب ضرورت کم و بیش ہو سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ مسجد سے جنبی کا گزرنہ ممنوع ہے، اس لحاظ سے بھی سب مخصوص دروازوں کا بند کرنا ضروری تھا اور اس حکم سے صرف حضور علیہ السلام اور حضرت علیؓ کا استثناء تھا، حضرت ابو بکر وغیرہ کے لئے بھی وہی حکم تھا جو دوسرے صحابہ کے لئے تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ کی توفیق بین المحدثین کو پسند کیا اور ساتھ ہی یہ بھی اضافہ کیا کہ اس توجیہ کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ پہلے حکم سد ابواب میں باب حقیقی مراد ہوا اور دوسرے میں مجازی یعنی باب بمعنی خوضہ (کھڑکی) ہو جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس لفظ کی صراحت بھی ہے، گویا جب ان لوگوں کو دروازے بند کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے دروازے بند کر کے کھڑکیاں کھول لی تھیں، جو مسجد میں داخل ہونے کا قریبی راستہ تھیں، پھر اس کے بعد جب دوسرا حکم آیا تو وہ سب بھی بند کرادی گئیں، بجز خوضہ سیدنا ابی بکرؓ کے (فتح ص ۱۲۷) حافظ نے امام طحاویؒ کی مشکل الآثار کے ٹکٹ آخر کے اوائل کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ حیدرآباد سے جو چار جلدیں شائع ہوئی ہیں، ان میں یہ مقام نہیں ہے، کیونکہ تقریباً آدھی کتاب نا بود ہونے کی وجہ سے طباعت سے رہ گئی، البتہ ایسے مواقع میں اس کے مختصر قسمی ”المختصر من المختصر من مشکل الآثار“ سے کام چل جاتا ہے، علامہ قاضی ابوالولید بائیؒ م ۴۳۷ھ نے یہ ایسا عجیب و غریب اختصار کیا تھا کہ اصل کتاب نہ ملنے کا غم غلط ہو جاتا ہے، جزاء اللہ خیر الجزاء اس کے ص ۳۳۲ و ص ۳۳۳ ج ۲ میں پوری بات مل گئی ہے اور علامہ طحاویؒ نے دوسرے صحابہ کی مثالیں دے کر لکھا کہ جس طرح ان کو الگ الگ خاص خاص مہکتیں عطا کی گئی تھیں، اسی طرح حضرت علیؓ و حضرت ابو بکرؓ کو یہ مقبضات سد ابواب والی مرحمت ہوئی تھی، لہذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دوسرے حکم سے حضرت علیؓ کا باب بند نہیں ہوا تھا، ورنہ پھر خصوصیت ہی کیا رہتی۔

ابن جوزیؒ کا رد: حافظ نے لکھا کہ ابن الجوزیؒ نے حدیث سد ابواب الابواب علی کو موضع قرار دیا ہے، بوجہ اعلال بعض رواۃ کے اور حدیث صحیح سد ابواب الابواب ابی بکر کے مخالف ہونے کی وجہ سے بھی اور انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اس حدیث کو روافض نے گھڑ لیا ہے حالانکہ یہ ان کی خطا شنیع ہے، کیونکہ اس طرح انہوں نے ”احادیث صحیحہ“ کو رد کر دینے والوں کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

۱۵۔ افسوس کہ ایسی غلطیاں دوسرے اکابر امت سے بھی ہو گئی ہیں کہ کسی ایک مجروح راوی کی وجہ سے حدیث صحیح یا حسن کو گرد یا جبکہ وہ حدیث دوسرے ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے یا کسی کو متن کے اضطراب کی وجہ سے گرد یا، جبکہ وہ معنی کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے یا کسی مخالف کی حدیث کو گرد یا تاکہ وہ اپنے نئے استدلال نہ کر سکے، یاد ہوگا کہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ ابنی حنفیہ نے جرجہ عقدا فی نے علامہ ابن تیمیہؒ پر بھی نقد کیا تھا کہ روافض کے رد میں اتنا زور دکھایا کہ ان کی نقل کردہ صحیح احادیث کو بھی گرد یا یہ بات انصاف سے بعید ہے، درحقیقت راہ اعتدال ہی صراط مستقیم ہے، علامہ ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر اور ان کی گراں قدر علمی خدمات کا ہمیں ہزار بار اعتراف ہے، مگر بعض اہم اصولی و فروعی مسائل مجہد میں ان کی افراط و تفریط موجب تاسف ہے، یا جب وہ نہایت غیظ و غضب میں اکابر امت کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں تو براؤ کہہ جاتا ہے، الحمد للہ حنفیہ پر بھی کچھ دے دیے گئے ہیں اور امام محمدؒ سے بہت ہی ناراض معصوم ہوتے ہیں اور شاید اسی لئے ان سے امام شافعیؒ کے تلمذ کا انکار فرمادیا ہو۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸ پر)

## تحفہ اثنا عشریہ وازالہ الخفاء

تحفہ میں جہاں دوسری بارہ احادیث کا جواب دیا ہے جن سے روافض حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت کرتے ہیں اس حدیث سد الابواب الباب علی کا ذکر نہیں فرمایا، البتہ ازالہ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جہاں حضرت علیؑ کے منقب ذکر کئے ہیں، اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو (ص ۲۵۰۸ ج ۲ و ص ۲۵۰۹ ج ۲)

حدیث ترمذی: امام ترمذی نے باب مناقب علیؑ میں حدیث ”یا علی! لا یحل لا حد ان یجنب فی هذا المسجد غیر ی و غیر ی“ نقل کر کے لکھا: ”لا نعرفه الا من هذا الوجه“ پھر لکھا کہ امام بخاری کو میں نے یہ حدیث سنائی تو انہوں نے بھی اس کو غریب قرار دیا اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا: ”ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا اور کہا کہ اس کا ایک راوی کثیر النواء ہے جو غالی شیعی تھا، علامہ سیوطی نے اپنی تعقیبات میں اس کا رد کیا اور لکھا کہ اسی حدیث کو ترمذی و بیہقی نے بجائے کثیر کے سالم کے واسطے سے روایت کیا ہے، لہذا کثیر والی تہمت ختم ہوئی پھر لکھا کہ امام ترمذی نے اس کو شاہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے اور لکھا کہ یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی مروی ہے، مسند بزار میں اور حضرت عمرؓ سے بھی مسند ابی یعلیٰ میں، حضرت ام سلمہؓ سے بیہقی کی سنن میں، حضرت عائشہؓ سے تاریخ بخاری میں، حضرت جابر سے تاریخ ابن عساکر میں، (تحفۃ الاحوذی ص ۳۳۰ ج ۳)

سیرۃ ابن ہشام اور الروض السلسلی میں وفات نبوی کے حالات بہت سی اچھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں، افسوس ہے کہ ان کا عشر عشر بھی اردو سیرت کی کتابوں میں نقل نہیں کیا گیا۔ والامریب اللہ

علامہ بیہقی: آپ نے بھی وہی تحقیق لکھی جو حافظ نے لکھی ہے اور باب علیؑ والی روایت کی اسناد قوی بتلائی، علامہ طحاوی کی مشکل الآثار کا بھی حوالہ دیا ہے اس سے یہ بھی نقل کیا کہ بیت حضرت صدیق کا دروازہ خارج مسجد کو تھا اور خوضہ مسجد کی طرف، بیت حضرت علیؑ کا دروازہ صرف مسجد ہی طرف کو تھا، باہر کو نہ تھا، میں کہتا ہوں کہ شاید اسی لئے حضور علیہ السلام نے ان کو اجازت دی اور دوسروں کو نہیں دیں (عہد ۶۷۷ ج ۱۶)

علامہ طحاوی نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ صحابہ کے سوال پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نہ میں نے اپنی طرف سے کوئی دروازہ بند کروایا نہ کھلوا یا اور دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے تم لوگوں کی چہ گویاں پہنچیں، واللہ! میں نے اپنی طرف سے بند کرنے یا کھولنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ مجھے جس طرح حکم خداوندی ملا، اس کو نافذ کر دیا ہے (المختصر ص ۳۳۲ ج ۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمد وغیرہ نے جو یہ تفصیل کر دی ہے کہ اجرت ممنوعہ اگر شرط ہو تو ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے تو اس پر ابن تیمیہ نے بڑی غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے اور امام محمدؒ کے رد کے لئے اپنے فتویٰ میں مستقل جز لکھا ہے کہ ہم نہیں سمجھ سکتے اس قید کا خارج میں شرع کیا ہے، جبکہ وہ اجرت قبول کرے حالانکہ حدیث میں اس کی منہخت ہے اور اس نے حدیث کی کھلی غلطی کی ہے، میں نے کہا کہ ابن تیمیہ کا علم ہم کو معلوم ہے اور وہ اپنے غصہ کو اپنے پاس ہی رکھیں، یہاں امام بخاریؒ نے (ص ۳۰۴ میں) علامہ شعبی کا قول نقل کیا کہ معلم اگر شرط نہ کرے اور اس کو کچھ دیا جائے تو بیجا جائز ہے اور ترمذی میں حدیث صحیح ہے کہ حضور نے عصب الفضل کی ممانعت فرماد یا اور اس کی اجرت ہمارے یہاں بھی حرام ہے، تاہم حدیث میں یہ بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہمیں اگر ناوہدیت کچھ دیا جاتا ہے تو اس کی آپ نے اجازت دی۔

پس جب ایک اصل اور جس حضور علیہ السلام کے ہی ارشاد سے ثابت ہوگئی تو اس کے تحت آنے والی جزئیات پر نگہ کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟ غرض فقہ حنفی میں بہت سے جزئیات تعامل و توارث کی وجہ سے جائز قرار دیئے گئے ہیں جن پر دوسرے لوگ نکتہ چینی کیا کرتے ہیں ورنہ یہاں شان علم و تحقیق اور انصاف سے ہیجہ ہے۔

## باب الابواب والغلق للکعبة والمساجد قال ابو عبد الله قال لی عبد الله بن

محمد حدثنا سفین عن ابن جریج قال قال لی ابن ابی ملیکة

یا عبد الملک لورایت مساجد ابن عباس وابق ابها

(کعبہ اور مساجد میں دروازے اور چٹخی یا قفل ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا کہ مجھ سے عبد اللہ بن محمد نے کہا کہ

ہم سے سفیان نے ابن جریج کے واسطے سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اے

عبد الملک کاش تم ابن عباس کی مساجد اور ان کے دروازوں کو دیکھتے۔

۴۵۱۔ حدثنا ابو النعمان و قتیبة بن سعید قال ناحما بن زید عن ایوب عن نافع عن ابن عمران النبی

ﷺ قدم مكة فدعا عثمان بن طلحة لفتح الباب فدخل النبی ﷺ و بلال و اسامة بن زید و عثمان بن

طلحة لم اغلق الباب فلبث فيه ساعة ثم خرجوا قال ابن عمر فهدرت فسانت بلال لا فقال صلے فيه

فلقت فی ای فقال بین الا سطوا اتین قال ابن عمر فلذهب علی ان اساله کم صلے.

ترجمہ ۴۵۱: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کہ تشریف لائے تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا انہوں نے

(کعبہ کا) دروازہ کھولا تو نبی کریم ﷺ، بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اندر تشریف لے گئے، پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور وہاں تھوڑی دیر

تک ٹھہر کر باہر آئے، حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلال سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضرتؐ نے اندر نماز پڑھی تھی،

میں نے پوچھا کہ کس جگہ کہا کہ دونوں ستونوں کے درمیان حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ یہ پوچھنا مجھے یاد نہ ہا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔

تشریح: مسجدوں میں دروازے اور قفل لگانا چونکہ ظاہر میں اچھا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کو تو عبادت و نماز کے لئے کھلا ہی رہنا چاہئے تو اس

خیال کا دفعہ کیا کہ مسجدوں کی حفاظت بھی ضروری ہے تاکہ اس کا سامان ضائع نہ ہو اور کتے وغیرہ بھی داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

## باب دخول المشرک فی المسجد

(مشرک کا مسجد میں داخل ہونا)

۴۵۲۔ حدثنا قتیبة قال نا اللیث عن سعید بن ابی سعید الہ سمع ابا هريرة يقول بعث رسول الله ﷺ

خیلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفة یقال له لعمامة بن اثال فربطوه بسارية من سواری المسجد.

ترجمہ ۴۵۲: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند سواروں کو نجد کی طرف بھیجا وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص شامہ

بن اثال نامی کو پکڑ لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔

تشریح: کسی مشرک یا غیر مسلم کے مسجد میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے گویا امام بخاری نے مسلک

حنفیہ کی موافقت کی، دخول مسجد للمشرک میں اکابر امت کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جواز ہے، مالکیہ کے یہاں مطلقاً عدم جواز،

شافعیہ تفصیل کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں ممنوع دوسری مساجد میں ناجائز (عمدہ) امام محمدؒ کے نزدیک بھی شافعیہ کی طرح مسجد حرام میں دخول

مشرک ناجائز ہے (کافی المسیر الکبیر والاشامی) امام احمدؒ سے دو روایات ہیں ایک یہ کہ مطلقاً ہر مسجد میں ناجائز، دوسری یہ کہ باذن الامام

جائز، لیکن حرم میں داخلہ کسی حال میں درست نہیں (کافی المغنی) لہذا حد و حرم کی تمام مساجد میں بھی داخلہ جائز نہ ہوگا اور اسی پر اس وقت

حکومت سعودیہ کا عمل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کا مذہب ہی اختیار کرنا چاہئے جو قرآن مجید کے ساتھ زیادہ موافق اور دوسرے ائمہ سے زیادہ اقرب ہے، پھر حضرتؒ نے اصول و قواعد کے تحت بھی اس مسلک کی تائید کی اور وہ گراں قدر علمی تحقیق ہے۔ جس کو ہم بوجہ طوالت ترک کرتے ہیں، فیض الباری ص ۶۴ ج ۲ میں دیکھ لی جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک خاص شان تحقیق یہ بھی تھی کہ ائمہ حنفیہ میں سے اگر وہ کسی کی رائے کو اپنی نظر میں کتاب و سنت سے زیادہ قریب اور دوسرے مذاہب ائمہ مجتہدین سے وافق دیکھتے تھے تو اسی کو ترجیح دیا کرتے تھے، خواہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہی ہو، جس طرح مسئلہ یربخت میں کیا اور دوسری شان بہت سے اختلافی مسائل میں یہ بھی تھی کہ امام صاحبؒ کی رائے کو ہی ارنج قرار دیتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کا بھی مقولہ نقل ہوا ہے کہ جس مسئلہ میں امام صاحبؒ دوسروں سے الگ اور منفرد ہوتے ہیں وہاں ان کی رائے سب سے زیادہ وزنی اور قیسی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب رفع الصوت فی المسجد

(مسجد میں آواز اونچی کرنا)

۳۵۳. حدثنا علی بن عبد اللہ بن جعفر بن لجیع المدنی قال نا یحیی بن سعید القطان قال نا لجمید بن عبد الرحمن قال حدثنی یزید بن خصیفہ عن السائب ابن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فعضنی رجل فسطرت الیہ فاذا عمر بن الخطاب فقال اذهب فانی بہلین فجتہ بہما فقال ممن انتما او من این انتما قالوا من اهل الطائف قال لو کتتما من اهل البلد لا وجعتكما ترفعان اصواتكما فی مسجد رسول اللہ ﷺ.

۳۵۴. حدثنا احمد بن صالح قال نا ابن وہب قال اخبرنی یونس بن یزید عن ابن شہاب قال حدثنی عبد اللہ بن کعب بن مالک ان کعب بن مالک اخبرہ انه تقاضی ابن ابی حنیرہ دینا کان لہ علیہ فی عہد رسول اللہ ﷺ فی المسجد فارفعت اصواتہما حتی سمعہا رسول اللہ ﷺ وهو فی بیتہ فخرج الیہما رسول اللہ ﷺ حتی کشف مسجف حجرته و نادى کعب ابن مالک فقال یا کعب فقال لیک یا رسول اللہ فاشار بیہدہ ان ضیع الشطر من دینک قال کعب قد فعلت یا رسول اللہ قال رسول اللہ ﷺ فاقضہ.

ترجمہ ۳۵۳: حضرت سائب بن یزید نے بیان کیا کہ میں مسجد نبویؐ میں کھڑا تھا، کسی نے میری طرف ٹکری بھینگی میں نے جو نظر اٹھائی تو حضرت عمر بن خطابؓ سامنے تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ سامنے جو دو شخص ہیں، انہیں میرے پاس بلا لاؤ میں بلا لاؤں آپ نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے اور کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دینے بغیر نہ رہتا، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز اونچی کرتے ہو۔

ترجمہ ۳۵۴: حضرت کعب بن مالک نے خبر دی کہ انہوں نے ابن ابی حنیرہ سے اپنے ایک قرض کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد نبویؐ کے اندر تقاضہ کیا، دونوں کی آواز (باہمی جواب و سوال کے وقت اونچی ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے گھر میں سے سنا، آپ اٹھے اور حجرے پر پڑے ہوئے پردہ کو ہٹایا اور کعب بن مالک کو آواز دی یا کعب! کعب بولے، لیک یا رسول اللہ، آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ وہ اپنا آدھا قرض معاف کر دیں، کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی حنیرہ سے فرمایا اچھا اب قرض ادا کر دو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: - مرقاۃ میں ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر اللہ بھی جائز نہیں، کہ اس سے دوسرے

ذاکرین اور نماز و وظیفہ پڑھنے والوں کی تشویش خاطر ہوتی ہے، اور رسول اکرم ﷺ کی مسجد میں تو رفع صوت اس لئے بھی مناسب نہیں کہ یہ سوء ادب بھی ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام بعد وفات بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور امام بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اس روایت کی تصحیح حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری جلد سادس میں کی ہے۔

## حیات انبیاء کرام

حضرت شاہ صاحب نے بطور تحقیق مزید فرمایا:۔ روح تو کسی کی بھی فنا نہیں ہوتی نہ کافر کی نہ مومن کی البتہ مرنے کے بعد افعال معطل ہو جاتے ہیں (کیونکہ اجسام کی شکست و ریخت ہو جاتی ہے لیکن انبیاء کرام کے اجسام بھی پوری طرح محفوظ رہتے ہیں) پس انبیاء کرام کے بارے میں جو احادیث میں ان کی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے وہ روح سے متعلق نہیں ہے بلکہ اجسام ہی سے متعلق ہے یعنی وہ وہاں بھی معطل نہیں ہوتے، بلکہ مشغول ہوتے ہیں، جس طرح دنیا کی زندگی میں تھے، لہذا وہ نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، زائرین کے صلوة و سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں، وغیرہ افعال احیاء۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل حیات افعال ہیں اور موت کی حقیقت تقطیل ہے اور اس سے حدیث ابی داؤد کا بھی حل ہو جاتا ہے جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام پر جب سلام عرض کیا جاتا ہے تو آپ کی روح اس کو سنتے اور جواب دینے کے لئے لوٹا دی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو اس وقت روح لوٹا کر زندہ کیا جاتا ہے بلکہ آپ کی روح مبارک چونکہ ہر وقت و ہر آن حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ رہتی ہے، اس لئے سلام زائر کے وقت اس کی توجہ ادھر سے ادھر کو ہو جاتی ہے، پس یہی رد روح کا مطلب ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، پھر فرمایا کہ حیات کے مراتب لاتعداد و لامتناہی ہیں اور انبیاء کرام کی حیات سب سے اعلیٰ ارفع، اتم و اکمل و اقویٰ ہے، پھر حیات صحبہ کرام، پھر اولیاء عظام اور اسی طرح درجہ بدرجہ، بخلاف کافر و مشرک کے کہ اس کے لئے مرنے کے بعد تعطل محض ہے، یعنی اعمال خیر سے، اسی لئے اس کا درجہ ”لا یموت فیہا ولا یحییٰ“ قرار دیا گیا کہ نہ مردوں میں نہ زندوں میں، باقی جو تصرفات ارواح خبیثہ کے بصورت افعال خبیثہ ظاہر ہوتے ہیں وہ نظر شارع میں افعال حیاتہ نہیں ہیں کیونکہ وہ تو صرف افعال خیر و اعمال بر و صلاح ہیں، اعمال فسق و فجور افعال حیاتہ نہیں ہیں (ندان سے دنیا کا فائدہ نہ آخرت کا)

## قصہ امام مالک و خلیفہ عباسی

امام مالکؒ خاص طور سے مسجد نبوی میں رفع صوت کو حضور اکرم ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے بھی منع فرماتے تھے، اور خلیفہ عباسی ۱۶۲ھ کذا فی فیض الباری ص ۲۲ ج ۲ ولم اجدہ فی اللع لی الا ان، والدہ ام ولد اتم، عدا مہ سیوطیؒ نے لکھا کہ حیاتہ انبیاء علیہم السلام پر بڑی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نہ پڑھنا ہے کیونکہ نہ جسم کی سلامتی و زندگی چاہتی ہے (حیوۃ الانبیاء سیوطی ۱۵) مغاہر حق شرع مشکوٰۃ ص ۳۷۷ ج ۳ میں ہے انبیاء کرام کے قبور میں زندہ ہونے کا مسئلہ متفق علیہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ وہ ان کی حیات حقیقی جسمانی دنیا کی ہے نہ حیات معنوی روحانی جو شہداء و ائمہ بھی حاصل ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لغات شرح مشکوٰۃ میں لکھا کہ حیاتہ انبیاء کرام متفق علیہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات جسمانی دنیا کی حقیقی ہے نہ کہ معنوی روحانی۔ علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے ایک مدلل مبسوط بحث کے بعد لکھا:۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جو حیاتہ انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے وہ ایسی حیات ہے جس سے وہ اپنی قبور میں عبادت کرتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور کھانے پینے سے فرشتوں کی طرح مستغنی ہیں، اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اور علامہ محدث بیہقی نے اس بارے میں مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور یہ بات ابو داؤد و نسائی، ابن ماجہ، دارمی، صحیح ابن حبان، حاکم صحیح ابن خزیمہ سے بھی ثابت ہے۔ (مرقاۃ ص ۲۰۹ ج ۲۱) شیخ نور الحق دہلوی شارح بخاری نے لکھا:۔ حضور علیہ السلام کا انبیاء کرام کو کھانا اور ان سے کلام فرمانا نقل رہا ہے کہ آپ نے ان کو ان کی ذوات و اجسام کے ساتھ دیکھا ہے اور یہ عقیدہ جمہور علماء امت کا مختار ہے کہ انبیاء کرام بعد از اقامت موت، زندہ و حیات دنیا کی ہیں (تیسرے القاری شرح بخاری ص ۲۲ ج ۳) نسیم الریاض ۱۳۹۹ ج ۱۳ اور مکاتیب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ص ۱۳۰ ج ۱ میں بھی اسی طرح ہے۔

ابو جعفر منصور کو بھی تنبیہ فرمائی تھی وہ واقعہ مشہور ہے اور ہم نے اس کو انوار الباری جلد یازدہم میں تفصیل سے نقل کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ کے نظریات پر بھی کافی روشنی ڈالی تھی، وہاں دیکھا جائے۔

## باب الحلی والجلوس فی المسجد

(مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا)

۳۵۵. حدثنا مسدد قال نا بشر بن المفضل عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال سال رجل النبي ﷺ وهو على المنبر ما ترى في صلوة الليل قال مثني مثني فاذا خشي احدكم الصبح صلى واحدة فاوتر له ما صلى و انه كان يقول اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وترأ فان النبي ﷺ امر به.

۲۵۶. حدثنا ابو النعمان حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر ان رجلا جاء الى النبي ﷺ وهو يخطب فقال كيف صلوة الليل فقال مثني فاذا خشيت الصبح فاوتر به واحدة تؤتره لك ما قد صليت و قال الو ليد بن كثير حدثني عبيد الله بن عبد الله ان ابن عمر حدثهم ان رجلا نادى النبي ﷺ وهو في المسجد.

۳۵۷. حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن اسحاق بن عبد الله بن ابي طلحة ان ابا مرة مولى عقيل بن ابي طالب اخبره عن ابي و اقد الليثي قال بينما رسول الله ﷺ في المسجد فاقبل نفر ثلاثة فاقبل الثامن الى رسول الله ﷺ وذهب واحد فاما احدهما فرأى فرجة في الحلقة فجلس و اما الآخر فجلس خلفهم و اما الآخر فادبر و اهاباً فلما فرغ رسول الله ﷺ قال الا اخبركم عن النفر الثلاثة اما احدهم فاوى الى الله فاواه الله و اما الآخر فاستحى فاستحى الله منه و اما الآخر فاعرض فاعرض الله عنه.

ترجمہ ۳۵۵: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اس وقت آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ رات کی نماز کس طرح پڑھنے کے لئے آپ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ دو رکعت کر کے اور جب طلوع صبح صادق قریب ہونے لگے تو ایک رکعت اور اس میں طاعت پڑھنے یا ایک رکعت اس کی نماز کو وتر بنادے گی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ رات کی آخری نماز کو طاق رکھا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ ۳۵۶: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے، آنے والے نے پوچھا، رات کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا دو رکعت کر کے، پھر جب طلوع صبح صادق کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت اور طاعت پڑھ کر تم نے جو نماز پڑھی ہے اسے یہ ایک رکعت وتر بنادے اور ولید بن کثیر نے کہا کہ مجھ سے عید اللہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو آواز دی جبکہ آپ مسجد میں تھے۔

ترجمہ ۳۵۷: حضرت واقد لیثی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ تین آدمی باہر سے آئے دو تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری کی غرض سے آگے بڑھے لیکن تیسرا چلا گیا، ان دو میں سے ایک نے درمیان میں خالی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھ گیا، دوسرا شخص سب سے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا تو واپس ہی جا چکا تھا، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان تینوں کے متعلق نہ بتاؤں، ایک شخص تو خدا کی طرف بڑھا اور حلقہ میں بیٹھ کر حضور علیہ السلام کے قریب بیٹھا تو خدا نے اسے اپنے سایہ

عاطفت میں لے لیا ہا دوسرا تو اس نے خدا سے حیا کی اسلئے خدا نے بھی اس سے یہی معاملہ کیا، تیسرے نے روگردانی کی اس لئے خدا نے بھی اس کی طرف سے اپنی رحمت کا رخ موڑ دیا۔

**تشریح:** تینوں حدیثوں میں حضرات صحابہ کرام کا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر مسجد ہو کر آپ کی مجلس سے استفادہ کرنا مذکور ہے اور اس طرح کسی عالم سے استفادہ چونکہ اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھنے سے ہی ہوا کرتا ہے لہذا امام بخاری کا عنوان درست ہو گیا اور چونکہ یہ تینوں استفادے مسجد نبوی میں واقع ہوئے تھے اس لئے اس باب کا تعلق احکام مساجد سے بھی صحیح ہو گیا، ذکرہ العینی عن ابن بطل (عمدہ ۴۳۱ ج ۲)

امام بخاری نے یہ آخری حدیث کتاب العلم ۲۳ میں بھی بعنوان "باب من قعد حیث ینتہی بہ المجلس ومن رأى فرحة فی الحلقة فجلس فیہا" ذکر کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں جمعہ کے روز جو حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو گزرنے میں دقت ہوگی اور اگر مسجد میں وسعت ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

## باب الاستلقاء فی المسجد

(مسجد میں چٹ لیٹنا)

۴۵۸. حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابن شهاب عن عباد بن تميم عن عمه انه رأى رسول

الله ﷺ مستلقيا في المسجد واضعا إحدى رجليه على الأخرى و عن ابن شهاب عن سعيد بن

المسيب كان عمرو عثمان يفعلان ذلك.

**ترجمہ ۴۵۸:** حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید بن عامر، زنی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چٹ لیٹے ہوئے دیکھا آپ اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھے ہوئے تھے ابن شہاب سے مروی ہے وہ سعید بن مسیب سے کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس طرح لیٹتے تھے۔

**تشریح:** چٹ لیٹ کر ایک پاؤں دوسرے پر رکھنے کی احادیث میں ممانعت بھی آئی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ خود اسی طرح لیٹے اور حضرت عمر و عثمانؓ بھی اس طرح لیٹا کرتے تھے، اس لئے ممانعت کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ اس صورت میں ہے جب ستر عورت کا پوری طرح اہتمام نہ ہو سکے، لیکن اگر پورا اہتمام اس کا کوئی شخص کرتا ہے پھر اس طرح چٹ بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضور ﷺ عام لوگوں کی موجودگی میں اس طرح نہیں بیٹھتے تھے بلکہ خاص استراحت کے وقت آپؐ بھی اس طرح لیٹے ہوں گے جبکہ دوسرے لوگ وہاں موجود نہیں رہے ہونگے ورنہ عام مجموعوں میں آپؐ جس وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے اس کی تفصیلات بھی احادیث میں موجود ہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس دور میں عام عرب اور خود آنحضور ﷺ تہہ باندھتے تھے جس میں سست کھل جانے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے، پاجاموں میں اس کا خطرہ نہیں۔

## باب المسجد یكون فی الطريق من غیر ضرر با

### الناس فیہ وبہ قال الحسن وایوب مالک

(عام گذرگاہ پر مسجد بنانا جبکہ کسی کو اس سے نقصان نہ پہنچے (جائز ہے) اور حسن (بصری) اور ایوب مالک رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے)

۴۵۹. حدثنا یحییٰ بن بکیر قال نا للیث عن عقیل عن ابن شہاب قال أخبرنی عروة بن الزبیر ان عائشة زوج النبی ﷺ قالت لم اعقل ابوی الا وهما یدینان الدین ولم یمر علینا یوم الا یأتینا فیہ رسول اللہ ﷺ طر فی النہار بکرة و عشية ثم بدالابی بکر فابتنی مسجدا بفناء دارہ فکان یصلی فیہ و یقرؤ القرآن فیقف علیہ لساء المشرکین و ابناءہم یعجبون منه وینظرون الیہ و کان ابو بکر رجلا بکاء ولا یملک عینہ اذا قرأ القرآن فافزع ذلک اشراق قریش من المشرکین.

ترجمہ ۴۵۹: حضرت عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا قبیح پایا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس میں رسول اللہ ﷺ صبح و شام دونوں وقت ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں پھر حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں ایک صورت آئی اور انہوں نے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی آپ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تعجب سے کھڑے ہو جاتے اور آپ کی طرف دیکھتے رہتے، حضرت ابوبکرؓ بڑے رونے والے شخص تھے، جب قرآن مجید پڑھتے تو آنسوؤں پر قابو نہ رہتا قریش کے مشرک سردار اس صورت حال سے گھبرا گئے (حدیث مفصل آئندہ آگے آئے گی)۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: فقہاء نے اس بارے میں سختی کی ہے اور لکھا کہ راستوں پر باوجود عدم ضرر و تکلیف کے بھی اذن والی یا قاضی ضروری ہے، مثل احیاء موات کے، لیکن میرے نزدیک یہ اس جگہ کے لوگوں پر موقوف ہے اگر وہ باہمی مسامحت و مروت والے ہوں تو اذن پر موقوف نہ رکھا جائے گا، اگر لڑائی جھگڑے والے ہوں تو اذن ضروری ہوگا۔

## باب الصلوة فی مسجد السوق وصلی

### ابن عون فی مسجد فی دار یغلط علیم الباب

(بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا ابن عون نے ایک ایسے گھر میں نماز پڑھی جس کے دروازے عام لوگوں پر بند تھے)

۴۶۰. حدثنا مسدد قال نا ابو معاویة عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ قال صلوة الجميع تزيد علی صلوتہ فی بیتہ و صلوتہ فی سوقہ خمساً و عشرين درجة فان احکم اذا تروءاء فاحسن الوضوء واتی المسجد لا یزید الا الصلوة لم یخط خطوة الا رفعہ اللہ درجة و حط عنہ بہا خطیة حتی یدخل المسجد وذا دخل المسجد کان فی صلوة ما کانت تحبہ و تصلی الملائکة علیہ مادام فی مجلسہ الذی یصلی فیہ اللہم اغفر لہ اللہم ارحمہ ما لم یؤذ یحدث فیہ.

ترجمہ ۴۶۰: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں گھر کے اندر یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ثواب ملتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اس کے تمام آداب کا لحاظ رکھے پھر مسجد میں صرف نماز کی



غرض سے آئے تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ اس کا بلند فرماتا ہے اور ایک گناہ اس سے ساقط کرتا ہے اس طرح وہ مسجد کے اندر آئے گا اور مسجد میں آنے کے بعد جب تک نماز کے انتظار میں رہے گا اسے نماز ہی کی حالت میں شمار کیا جائے گا اور جب تک اس جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت خداوندی کی دعائیں کرتے ہیں ”اے اللہ اسکی مغفرت کیجئے اے اللہ اس پر رحم کیجئے“ بشرطیکہ ریاح خارج کر کے تکلیف نہ دے۔

**تشریح:** اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ باجماعت نماز میں بہ نسبت تنہا یا بازار میں نماز میں پڑھنے کے پچیس ۲۵ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے درحقیقت یہاں تنہا اور باجماعت نماز کے ثواب کے تفاوت کو بیان کرنا مقصود ہے، چونکہ عہد نبوی میں بازار محلوں سے علیحدہ تھے اور بازار میں مساجد نہیں تھیں اس لئے اگر کوئی شخص وہاں نماز پڑھتا تو ظاہر ہے کہ تنہا ہی پڑھتا اس لئے اسی حیثیت سے حدیث کا یہ حکم بھی ہوگا اس زمانہ میں بازار آبادی کے اندر لگتے ہیں اور اگر بازار میں مسلمان آباد ہوں تو مساجد کا بھی اہتمام ہوتا ہے، اس لئے بازار میں مساجد کے اندر اگر کوئی نماز پڑھے تو پورے ثواب کا مستحق ہوگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حدیث میں ہے بازار شر البقاع (بدر مقامات) ہیں اور مساجد خیر البقاع (بدر مقامات) تو شبہ ہو سکتا تھا کہ بازار میں مسجد بنائی جائے تو کیا وہ حصہ خیر البقاع بن جائے گا اور کیا اس میں بھی نماز و جماعت کا ثواب دوسری جگہوں کی مساجد جیسا ہوگا، اس شبہ کو رفع کیا گیا، حضرتؒ نے شرح المہیہ (ص ۴۰۲) کے حوالہ سے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو وہ نظر شارع میں تارک جماعت نہ ہوگا، مگر اس کو مسجد کی جماعت کا ثواب نہ ملے گا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور وہاں تکثیر جماعت اور اظہار شعار اسلام کا ثواب بھی ملے گا۔

(اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بلا عذر و مجبوری کے عیدین کی نماز بجائے عید گاہ کے بستی کی مساجد میں پڑھتے ہیں وہ بھی عید گاہ کے ثواب تکثیر جماعت کے ثواب، اتباع سنت نبوی کے ثواب اور اظہار شعار اسلام کے ثواب چاروں ثوابوں سے محروم رہتے ہیں کیونکہ جس طرح گھر سے نکل کر مسجد میں جانا اظہار شعار ہے اسی طرح بستی سے نکل کر عید گاہ جانا بھی اظہار شعار اسلام ہے، واللہ اعلم)

## باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ

(مسجد وغیرہ میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا)

۴۶۱. حدثنا حامد بن عمر عن بشرنا عاصم ناؤاقد عن ابیہ عن ابن عمر او ابن عمر وقال شبک النبی ﷺ اصابعہ وقال عاصم بن محمد قال سمعت هذا الحديث من ابی فلم احفظه فقومہ بی واقد عن ابیہ قال سمعت ابی وهو يقول قال عبد اللہ بن عمر و قال رسول اللہ یا عبد اللہ بن عمر و کیف بک اذا بقیت فی حثالة من الناس بهذا.

ترجمہ ۴۶۱: حضرت ابن عمر یا ابن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور عاصم بن علی نے کہا کہ ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا لیکن مجھے حدیث یاد نہیں رہی تھی، پھر والد نے اپنے والد کے واسطے سے نقل کر کے مجھے بتایا، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ عبد اللہ بن عمرو سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ بن عمرو تمہارا کیا حال ہوگا جب تم برے لوگوں میں رہ جاؤ گے اس طرح (یعنی آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں کر کے صورت واضح کی)۔

**تشریح:** اس سے روکنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ایک بری ہیئت اور لغو حرکت ہے لیکن اگر تمثیل یا اسی طرح کے کسی صحیح مقصد کے پیش

نظر انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بعض چیزوں کی مثال بیان کرتے ہوئے انگلیاں کو اس طرح ایک دوسرے میں داخل کیا تھا لیکن بغیر کسی ضرورت و مقصد کے مسجد سے باہر بھی یہ ناپسندیدہ ہے۔

۴۶۲. حدثنا خلاد بن یحییٰ قال نا سفین عن ابی بردة بن عبد اللہ بن ابی بردة عن جدہ عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ انه قال ان المؤمن من کالبنیان یشد بعضہ بعضا و شبک اصابعہ.

۴۶۳. حدثنا اسحق قال نا ابن شعیب قال نا ابن عون عن ابی سیرین عن ابی ہریرۃ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ احدی صلوٰتی العشی قال ابن سیرین قد سماها ابو ہریرۃ و لکن نسبت انا قال فصلی بنا رکعتین ثم سلم فقام الی خشبة معروضة فی المسجد فاتکا علیہا کانه غضبان و وضع یدہ الیمنی علی الیسری و شبک بین اصابعہ و وضع خدہ الا یمن علی ظہر کفہ الیسری و خرجت السرعان من ابواب المسجد فقالو قصرت الصلوٰة و فی القوم ابو بکر و عمر فہا باہ ان یکلماہ و فی القوم رجل فی یدہ طول یقال لہ ذوالیدین قال یا رسول اللہ انسیت ام قصرت الصلوٰة قال لم انس ولم تقصر فقال اکما یقول ذوالیدین فقالو نعم فقدم فصلی ما ترک ثم سلم ثم کبر و مسجد مثل سجودہ او اطول ثم رفع راسہ و کبر ثم کبر و مسجد مثل سجودہ او اطول ثم رفع راسہ و کبر فربما سالوہ ثم سلم فیقول بنبت ان عمران بن حصین قال ثم سلم.

ترجمہ ۴۶۲: ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان نے ابی بردہ بن عبد اللہ بن ابی بردہ کے واسطے سے بیان کیا وہ اپنے دادا حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ نے (تمثیلاً) ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

ترجمہ ۴۶۳: حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی ابن سیرین نے کہا کہ ابو ہریرہؓ نے اس کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا، ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا، اس کے بعد ایک لکڑی کے لٹھے سے جو مسجد میں رکھا ہوا تھا ٹک لگا کر کھڑے ہو گئے، آپ اس کا اس طرح سہارا لئے ہوئے تھے جیسے آپ بہت ہی غصہ میں ہوں اور آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور آپ نے اپنے داہنے رخسار مبارک کو بائیں ہاتھ کی پشت سے سہارا دیا جو لوگ مسجد سے جلدی نکل جایا کرتا تھے وہ دروازوں سے باہر جا چکے تھے، لوگ کہنے لگے کہ نماز (کی رکعتیں) کم کر دی گئیں ہیں؟ حاضرین میں ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے لیکن انہیں بھی بولنے کی ہمت نہ ہوئی، ان ہی میں ایک شخص تھے جن کے ہاتھ لپے تھے اور انہیں ذوالیدین کہا جاتا تھا، انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز (کی رکعتیں) کم کر دی گئیں آں حضور نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کی رکعتوں میں کوئی کمی ہوئی ہے پھر آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہے ہیں، حاضرین بولے کہ جی ہاں، آخر آپ آگے بڑھے اور باقی رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا، تکبیر کی اور سجدہ کیا، معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل سجدہ پھر سر اٹھایا اور تکبیر کی، پھر تکبیر کی اور سجدہ کیا معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل پھر سر اٹھایا اور تکبیر کی، علامہ ابن سیرین سے پوچھتے کہ کیا پھر سلام پھیرا تو وہ جواب دیتے کہ مجھے معلوم ہے کہ عمران بن حصین کہتے تھے کہ پھر سلام پھیرا۔

تشریح: یہ حدیث ”حدیث ذوالیدین“ کے نام سے مشہور ہے اور احناف و شوافع کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، تفصیلی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

## باب المساجد التي على طرق المدينة الموضع التي صلى فيها النبي ﷺ (مدینہ کے راستے میں وہ مساجد اور جگہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی)

۴۶۴. حدثنا محمد بن ابی بکر المقدمی قال ثنا فضیل بن سلیمان قال ثنا موسى بن عقبة قال رایت سالم بن عبد الله يتحرى اماكن من الطريق فيصلی فیها و يحدث ان اباه كان یصلی فیها وانه رأى النبی ﷺ یصلی فی تلك الامكنة قال وحدثنی نافع عن ابن عمر انه كان یصلی فی تلك الامكنة و سألت سالما فلا اعلمه الا و الحق نافعا فی الامكنة كلها الا انهما اختلفا فی مسجد بشرف الروحاء.

۴۶۵. حدثنا ابراهيم بن المنذر الحرامی قال نا انس بن عیاض قال نا موسى بن عقبة عن نافع ان عبد الله ابن عمر اخبره ان رسول الله ﷺ كان بذی الحلیفة حين یعمرو و فی حجة حین حج تحت سمره فی موضع المسجد الذی بذی الحلیفة و كان اذا رجع من غزوة و كان فی تلك الطريق او حج او عمرة هبط بطن واد فاذا ظهر من بطن واد اناخ بالبطحا التي علی شفير الوادی الشرقية فعرس ثم حتی یصبح لیس عند المسجد الذی بحجارة ولا علی الاكمة التي علیها المسجد كان ثم خلیج یصلی عبد الله عنده فی بطنه كتب كان رسول الله ﷺ ثم یصلی فدحا فی السبل بالبطحاء حتی دفن ذلك المكان الذی كان عبد الله یصلی فیہ وان عبد الله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ صلی فی المسجد الصغیر الذی دون المسجد الذی بشرف الروحاء و قد كان عبد الله یعلم المكان الذی كان صلی فیہ النبی ﷺ یقول ثم عن یمینک حین تقوم فی المسجد تصلی و ذلك المسجد علی حافة الطريق الیمنی وانت ذاهب الی مكة بیته و بین المسجد الاکبر رمية بحجر او نحو ذلك و ان ابن عمر کان یصلی الی العرق الذی عند منصرف الروحاء و ذلك العرق انتهى طرفه علی حافة الطريق دون المسجد الذی بیته و بین المنصرف و انت ذاهب الی مكة و قد ابتنی ثم مسجد فلم یکن عبد الله بن عمر یصلی فی ذلك المسجد کان یتركه عن یساره ووراء و یصلی امامه الی العرق نفسه و کان عبد الله یروح من الروحاء فلا یصلی الظهر حتی یأتی ذلك المكان فیصلی فیہ الظهر و اذا اقبل من مكة فان مر به قبل الصبح بساعة او من آخر السحر عرس حتی یصلی بها الصبح و ان عبد الله حدثه ان النبی ﷺ کان یزل تحت سرحه ضخمة دون الرویة عن یمین الطريق ووجه الطريق فی مكان بطح سهل حتی یفرض من اكمة دوین برید الرویة بملین و قد انکسر اعلاها فانی فی حوفها و هی قائمة علی ساق و فی ساقها كتب كثيرة و ان عبد الله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ صلی فی طرف تلعة من وراء العرج و انت ذاهب الی هضبة عند ذالك المسجد قبران او ثلاثة علی القبور رضم من حجارة عن یمین الطريق عند سلمات الطريق بین اولئك السلمات کان عبد الله یروح من العرج بعد ان تمیل الشمس بالهاجرة فیصلی الظهر فی ذلك المسجد و ان عبد الله بن عمر حدثه ان رسول الله ﷺ نزل عند سرحات عن یسار الطريق فی مسیل دون هر شی ذلك المسیل لا صق بکراع هر

شی بینہ و بین الطريق قريب من غلوة و كان عبدالله بن عمر يصلى الى سرحة هي اقرب السرحات الى الطريق وهي اطولهن وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ كان ينزل في المسيل الذي في ادنى مر الظهران قبل المدينة حين يهبط من الصفروا تنزل في بطن ذلك المسيل عن يسار الطريق وانت ذاهب الى مكة ليس بين منزل رسول الله ﷺ وبين الطريق ارامية بحجرو ان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ كان ينزل بدى طوى و بيت حتى يصبح يصلى الصبح حين يقدم مكة و مصلى رسول الله ﷺ ذلك على اكمة غليظة ليس في المسجد الذي بنى لمة ولكن اسفل من ذلك على اكمة غليظة وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ استقبل فرضي الجبل الذي بينه و بين الجبل الطويل نحو الكعبة فجعل المسجد الذي بنى ثم يسار المسجد بطرف الاكمة و مصلى النبي ﷺ اسفل منه على الاكمة السوداء تدع من الاكمة عشرة اذرع او نحوها تصلى مستقبل الفرضين من الجبل الذي بينك و بين الكعبة.

ترجمہ ۴۶۴: حضرت موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (مدینہ سے مکہ تک) راستے میں بعض مخصوص جگہوں کو تلاش کر کے وہاں نماز پڑھتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمرؓ) بھی ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان میں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ مجھے سے نافع نے ابن عمر کے متعلق بیان کیا کہ وہ ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور میں نے سالم سے پوچھا تو مجھے خوب یاد ہے کہ انہوں نے بھی نافع کی حدیث کے مطابق ہی تمام مقامات کا ذکر کیا البتہ مقام شرف روحاء کی مسجد کے متعلق دونوں کا بیان مختلف تھا۔

ترجمہ ۴۶۵: حضرت عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور حج کے موقع پر جب حج کے ارادہ سے نکلے تو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا، ذوالحلیفہ کی مسجد سے متصل ایک بول کے درخت کے نیچے اور جب آپ کسی غزوے سے واپس ہو رہے ہوتے اور راستہ ذوالحلیفہ سے ہو کر گزرتا یا حج یا عمرہ سے واپسی ہو رہی ہوتی تو وادی عتیق کے نشیبی علاقہ میں اترتے پھر جب وادی کے نشیب سے اوپر آتے تو وادی کے بالائی کنارے کے اس مشرقی حصہ پر پڑاؤ ہوتا جہاں کنکریوں اور ریت کا کشادہ تالا ہے، یہاں آپ رات کو صبح تک آرام فرماتے تھے، اس وقت آپ اس مسجد کے قریب نہیں ہوتے تھے جو پتھروں کی ہے، آپ اس نیلے پر بھی نہیں ہوتے تھے جس پر مسجد بنی ہوئی ہے، وہاں ایک گہری وادی تھی، حضرت عبداللہ وہیں نماز پڑھتے تھے، اس کے نشیب میں ریت کے نیلے تھے اور رسول اللہ ﷺ یہیں نماز پڑھتے تھے، کنکریوں اور ریت کے کشادہ نالہ کی طرف سیلاب نے آکر اس جگہ کے آثار و نشانات کو مٹا دیا جہاں حضرت عبداللہ بن عمر نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں اب شرف روحاء والی مسجد کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اس جگہ کی نشاندہی کرتے تھے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی کہتے تھے کہ یہاں تمہاری وادی طرف جب تم مسجد میں (قبلہ) نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہو، جب تم مکہ جاؤ (مدینہ سے) تو یہ چھوٹی مسجد راستے کے دائیں جانب پڑتی ہے اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان پھینکے ہوئے بہت سے پتھر یا اس جیسی کچھ چیزیں پڑی ہوئی ہیں اور حضرت ابن عمر (مشہور و معروف وادی) عرق العصبیہ میں نماز پڑھتے تھے جو مقام روحاء کے آخر میں ہے، اور اس وادی عرق العصبیہ کا کنارہ اس راستے پر جا کر ختم ہوتا ہے جو مسجد سے قریب ہے، مسجد اور روحاء کے آخری حصہ کے درمیان مکہ جاتے ہوئے اب یہاں ایک مسجد کی تعمیر ہو گئی، حضرت عبداللہ بن عمر اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کو اپنے بائیں طرف مقابل میں چھوڑ دیتے اور آگے بڑھ کر خاص وادی عرق العصبیہ میں نماز

پڑھتے تھے، عبداللہ بن عمر روحاء سے چلتے تو ظہر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک اس مقام پر نہ پہنچ جائیں، جب یہاں آجاتے پھر ظہر پڑھتے اور اگر مکہ سے آتے ہوئے صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے یاسر کے آخر میں وہاں سے گذرتے تو صبح کی نماز تک وہیں آرام کرتے اور فجر کی نماز پڑھتے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ راستے کے دونوں طرف مقابل میں ایک گھنے درخت کے نیچے وسیع اور نرم علاقے میں قیام فرماتے تھے جو قریہ روہہ کے قریب تھا پھر آپ اس ٹیلہ سے جو روہہ کے راستے سے قریب دو میل کے ہے چلتے تھے، اب اس کے اوپر کا حصہ ٹوٹ کر درمیان میں انک گیا ہے، درخت کا تاباں بھی کھڑا ہے اور اس کے ارد گرد ریت کے تودے بکثرت پھیلے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے قریہ عرج کے قریب اس نالے کے کنارے نماز پڑھی جو پہاڑ کی طرف جاتے ہوئے پڑتا ہے اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں ان قبروں پر پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں، راستے کے دونوں جانب درختوں کے پاس ان کے درمیان میں ہو کر نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن عمر قریہ عرج سے سورج ڈھلنے کے بعد چلتے اور ظہر اسی مسجد میں آکر پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے راستے کے بائیں طرف ان گھنے درختوں کے پاس قیام فرمایا جو ہر شام پہاڑ کے قریب شیب میں ہیں، یہ ڈھلوان جگہ ہر شام کے ایک کنارے سے ملی ہوئی ہے، یہاں سے عام راستہ تک پہنچنے کے لئے تقریباً تین فرلانگ کا فاصلہ پڑتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اس گھنے درخت کے پاس نماز پڑھتے تھے جو ان تمام درختوں میں راستے سے سب سے زیادہ قریب ہے اور سب سے لمبا درخت بھی یہی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اس نشیبی جگہ میں اترتے تھے جو وادی مر الظہر ان کے قریب ہے، مدینہ کے مقابل جبکہ مقام مفردات سے اتراجائے، نبی کریم ﷺ اس ڈھلوان کے بالکل شیب میں قیام کرتے تھے، یہ راستے کے بائیں جانب پڑتا ہے، جب کوئی شخص مکہ جا رہا ہو، راستے اور رسول اللہ ﷺ کی منزل کے درمیان صرف پتھر کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مقامی ذی طویٰ میں قیام فرماتے تھے، رات یہیں گزارتے اور صبح ہوتی تو نماز فجر یہیں پڑھتے، مکہ جاتے ہوئے یہاں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ایک بڑے ٹیلے پر تھی، اس مسجد میں نہیں جواب وہاں بنی ہوئی ہے بلکہ اس سے نیچے ایک بڑا ٹیلا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے پہاڑ کی ان دو گھاٹیوں کا رخ کیا جو آپ کے اور جبل طویل کے درمیان کعبہ کی سمت تھیں آپ اس مسجد کو جواب وہاں تعمیر ہوئی ہے، اپنی بائیں طرف کر لیتے تھے، ٹیلے کے کنارے اور نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھی، ٹیلے سے تقریباً دس ہاتھ چھوڑ کر اس پہاڑ کی دونوں گھاٹیوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

**تشریح:** اس طویل حدیث میں جن مقامات میں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے تقریباً اکثر کے آثار و نشانات اب مٹ چکے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اب ان میں صرف مسجد ذی الخلیفہ اور روحاء کی مساجد جن کی اس اطراف کے لوگ تعین کر سکتے ہیں باقی رہ گئی ہیں اس کے علاوہ اس حدیث میں جن سفر کی نمازوں کا ذکر ہے وہ سات دنوں تک جاری رہا تھا اور آپ نے پینتیس ۳۵ نمازیں راستے میں پڑھی ہوں گی لیکن راویان حدیث نے اکثر کا ذکر نہیں کیا ہے، حدیث میں ہے کہ وادی روحاء میں آنحضور ﷺ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہاں سترہ ۱۷ انبیاء نے نمازیں پڑھی ہیں، حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی وہاں پہنچ کر نماز کے لئے خاص طور سے اہتمام کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، ویسے بھی حضرت ابن عمرؓ کی اتباع سنت میں انتہائی شدت مشہور ہے لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ کا طرز عمل ہے کہ اپنے کسی سفر میں انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک خاص جگہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نبی

کریم ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کی نماز کا وقت ہو گیا ہے تو پڑھ لے ورنہ آگے چلے، اہل کتاب اس لئے ہلاک ہو گئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو تلاش کر کے ان پر عبادت گا دیں بنائیں، حافظ ابن حجر نے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ان عام لوگوں کی زیارت سے متعلق ہے جو ان مقامات کی بغیر نماز کے زیارت کو ناپسندیدہ خیال کرتے تھے، انہیں یہ خوف تھا کہ ایسے افراد کہیں ان مقامات پر نماز پڑھنا واجب نہ سمجھ بیٹھیں، حضرت ابن عمرؓ جیسے افراد سے اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا، اس کے علاوہ اس سے پہلے حضرت عثمان کی حدیث گزری چکی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ان کے گھر ایک جگہ اس لئے نماز پڑھی تھی تاکہ عثمان وہاں نماز پڑھا کریں۔ (فتح ۹۳۷ ج ۲)

تنبیہات حافظ: آخر میں حافظؒ نے بعنوان ”تنبیہات“ لکھا:۔ (۱) امام بخاریؒ نے یہاں نو حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، جن میں آخر کی وہ دو حدیث بھی ہیں جو امام مسلم نے کتاب الحج میں نقل کی ہیں (۲) اب ان مساجد میں سے صرف مسجد ذی الخلیفہ اور روحاء کی مساجد رہ گئی ہیں جن کو وہاں کے لوگ پہچانتے ہیں، اور ترمذی میں حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے وادی روحاء میں نماز پڑھی اور فرمایا کہ اس مسجد میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے (۳) حضرت ابن عمرؓ کا تعامل یہاں بتلایا گیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے آثار و افعال کا کس قدر تتبع کرتے تھے اور ان مقامات صلوٰۃ نبویہ کو کس درجہ حبرک خیال کرتے تھے، علامہ بغوی شافعیؒ نے فرمایا کہ جن مساجد میں نبی کریم ﷺ سے نماز ثابت ہوئی ہے، ان میں سے اگر کسی مسجد کی بھی نماز پڑھنے کی نذر کر لی جائے تو وہ بھی مساجد ثلاثہ کی طرح عمل کے لئے متعین ہو جائے گی یعنی اسی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔

علامہ بغوی کے اس قول سے ان سب مساجد نبویہ کی عظمت و جلالت قدر واضح ہوتی ہے، اگرچہ علاوہ مساجد ثلاثہ کے یہ نذر کا مسئلہ دوسرے اکابر مذہب کے یہاں مسلم نہیں ہے (۴) امام بخاری نے احادیث مساجد مدینہ کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ وہ ان کی شرط پر نہ ہوں گی، مگر علامہ عمر بن شہب نے اخبار مدینہ میں تمام مساجد و مقامات صلوٰۃ نبویہ کو بالاستیعاب ذکر کیا ہے کہ وہ مشہور مساجد ہیں، پھر حافظ نے ان کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ان کو پہچاننے کا فائدہ بھی وہی ہے جو علامہ بغوی نے ذکر کیا (فتح ص ۳۵۱ ج ۲)

### ارشاد علامہ عینی رحمہ اللہ

آپ نے لکھا:۔ (۱) حدیث الباب کی مناسبت سے یہ امر بھی بحوالہ مراسل ابی داؤد و ترمذی ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے ساتھ نو مساجد مدینہ طیبہ میں دوسری بھی تھیں، جن میں وہاں کے نمازی حضرت بلالؓ کی اذان سن کر اپنی اپنی مساجد میں نمازیں پڑھا کرتے تھے، پھر علامہ نے دوسری مساجد کی بھی تفصیل کی اور آخر میں لکھا کہ اب مسجد قبا، مسجد الفصح، مسجد بنی قریظہ وغیرہ باقی ہیں (۲) حدیث الباب سے حضرت ابن عمرؓ کا حضور علیہ السلام کے آثار و افعال کے تتبع کو محبوب سمجھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا بھی معلوم ہوا اور مواضع صالحین سے ہمیشہ ہی لوگ برکت حاصل کرتے رہے ہیں (۳) اس سلسلہ میں اشہب کی رائے بھی نقل کی گئی ہے کہ ان سے مقامات صلوٰۃ نبویہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ مجھے تو یہ بات پسند نہیں آتی بجز مسجد قبا کے کیونکہ حضور علیہ السلام وہاں سوار و پیادہ جایا کرتے تھے اور آپ نے دوسرے مقامات کے لئے ایسا نہیں کیا (۴) علامہ بغوی کی رائے ذکر کی جو اوپر حافظ سے نقل ہو چکی ہے (عمدہ ۳۶۸ ج ۲)

### ارشاد حضرت گنگوہیؒ

آپ نے فرمایا:۔ امام بخاری کا مقصد اس باب سے حضور اکرم ﷺ کے سفر حج کے مواضع نزول کا ذکر ہے تاکہ لوگ ان مقامات میں نماز پڑھ کر برکت حاصل کریں اور دعائیں کریں (لامع ص ۱۹۱ ج ۱)

## ارشاد حضرت شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے لکھا: میرے نزدیک امام بخاری کی غرض مشاہد انبیاء عہم السلام وصالہین سے برکت حاصل کرنے کا جواز ثابت کرنا ہے تاکہ اس وہم کا دفعیہ ہو جائے جو حضرت عمرؓ کے کلام سے عدم جواز کا ہو سکتا ہے، اور اسی کی طرف حضرت گنگوہیؒ نے بھی اپنے ارشاد ”لیتبرک بالصلوة والدعاء فیہا“ سے اشارہ فرمایا ہے، یعنی ان مقامات میں حاضر ہو کر نماز و دعائیں کوئی شرعی محذور نہیں ہے بلکہ نماز کی مزید برکت اور دعا کی قبولیت متوقع ہے، پھر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس کے لئے حافظ ابن حجر سے تائید پیش کی، جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی توجیہ میں لکھی ہے اور یہ بھی لکھا کہ حضرت عتبہؓ کا حضور علیہ السلام سے اپنے گھر میں نماز پڑھوانے کا سواں اور حضور کا ان کی درخواست کو قبول فرمنا اس امر کی واضح دلیل و حجت ہے کہ تبرک آثار الصالحین جائز ہے (فتح ص ۳۷۹ ج ۲)

علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ و حضرت ابن عمرؓ کے اختلاف سے ہمیں دین کی بڑی اصل مل گئی کہ جہاں ایک طرف حضرت ابن عمرؓ سے یہ سبق مد کہ حضور اکرم ﷺ کے آثار و افعال کا تتبع و اتباع مظہر تعظیم نبوی اور موجب حصول برکات ہے، وہاں حضرت عمرؓ کی احتیاطی تنبیہ نے یہ سبق دیا کہ اتباع کو ابتداء کی حدود میں داخل نہ ہونا چاہئے۔

قاضی عیاضؒ لکھی نے شفاء میں لکھا: حضور علیہ السلام کی تعظیم و اجلال شان ہی سے یہ بھی ہے کہ آپ کے تمام اسباب کو معظم جانے، آپ کے تمام املکنہ مکہ و مدینہ و مشاہد و معابد اکرام کرے، بلکہ ان چیزوں کا بھی جن کو دست مبارک نبوی نے لمس کیا ہے، حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو محمد و روضہ مبارک کے سامنے کے بال نہ منڈواتے تھے پوچھا گیا تو فرمایا: ان کو کس دل سے الگ کرادوں، جبکہ ان کو دست مبارک نبوی نے لمس کیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ اپنا ہاتھ منبر نبوی کی جاہ نشست پر رکھتے اور اس کو اپنے چہرے سے ملتے تھے (وغیرہ وغیرہ شفاء عیاض میں دیکھو)

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے وضوء کا پانی بھی صحابہ کرام زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور جن کے ہاتھ بھی جو قطرے لگ جاتے تھے وہ ان کو اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتے تھے، جیسا کہ بخاری میں بھی قصہ حدیبیہ میں آئے گا اور حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں اپنے بال مبارک صحابہ کرام میں تقسیم فرمائے تھے، نیز بخاری میں حضرت ابن سیرین سے گزر چکا ہے کہ انہوں نے حضرت عبیدہ سے فرمایا کہ ہمیں حضرت انسؓ کے ذریعہ حضور علیہ السلام کے پاس حاصل ہوئے ہیں تو عبیدہ نے فرمایا کہ مجھے تو ایک بال بھی میسر ہو جائے تو وہ دنیا اور فیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوگا، حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی حضور علیہ السلام کے بال مبارک تھے، جب کسی کو نظر لگ جاتی یا دوسری تکلیف ہوتی تو ان کے پاس پانی بھیجا جاتا تھا، آپ اس پانی میں ہلکا کر ڈال کر نکال دیتے اور وہ پانی لوگوں کے لئے شفا و صحت بن جاتا تھا، جیسا کہ بخاری باب الشیبہ میں آئے گا اور روایت مصنف مشہور ہے اور حضور علیہ السلام سے صحابہ کرام اور بعد کے حضرات کے تبرکات سے واقعات جدا حصۃ و شمار سے زیادہ ہیں، (حشیدہ مع الدرراری از شیخ الحدیث دامت برکاتہم ص ۱۹۱ و الیٰ ابواب والتراجم ص ۳۲۹ ج ۲)

افادۃ النور: حضرتؒ نے فرمایا کہ اس مقام پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے جو امور اتفاق طور پر صادر ہوئے ہیں، ان کی تحریر و تتبع کا کیا حکم ہے؟ علامہ ابن تیمیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں شدت و تنگی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایسے ہی حضور کی حرف اتفاقاً کر لے تو حرج نہیں، لیکن تحریر و تلاش کر کے اتباع کرنا اچھا نہیں ہے، لیکن میرے نزدیک اتفاقیات میں بھی تحریر و اتباع موجب اجر و

۱۔ یہ فیصد نہایت صحیح و معتدل ہے، جن لوگوں نے ہر تعظیم کو شرک بتایا ہے وہ اپنے فیصد پر نظر ثانی کریں واللہ الموفق (مؤلف)

۲۔ فتح الملہم ص ۱۰۳ و ۱۰۹ ج ۱ اور نووی ص ۲۳۳ ج ۱ میں بھی تبرک آثار الصالحین اور مذمومات صوات نبویہ کا ثبوت ملے گا اور مشکوٰۃ ص ۳۷۴ کتاب المہاس میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مسم شریف بھی لائق ذکر ہے کہ میں حضور علیہ السلام کے جبہ مبارک کو دھو کر پانی مریضوں کو دیتی تھی اور اس سے ان کو شفا ہوتی تھی۔ (مؤلف)

ثواب ہے، جو حضرت ابن عمرؓ کے تعامل سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کے طریقہ سے فائدہ اٹھانا اس لئے مناسب نہ ہوگا کہ ان کے رخص اور تسامحات مشہور ہیں، مثلاً وہ نزول محصب کو بھی مسنون نہ مانتے تھے اور طواف میں رمل کو بھی حذف کرتے تھے، حالانکہ ان کے علاوہ سب صحابہ کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں مسنون ہیں، البتہ بعض علماء نے جو بعض غیر مسنون چیزوں کو بھی مسنون کا درجہ دے دیا ہے وہ افراط و تفریط ہے۔

### کچھ امام اشہب و ابن تیمیہ کے متعلق

علامہ یعنی نے اشہب کا قول نقل کیا کہ انہوں نے بھی نماز مواضع صلوات نبویہ کو پسند نہ کیا یہ بھی علامہ ابن تیمیہؒ کے مزاج کے ہوں گے، خیال ہے کہ جس طرح بعض حضرات نے حضرت ابن عباسؓ کے طریقہ سے اپنے لئے خیالی تائید حاصل کی ہوگی، اشہب کے قول مذکور سے بھی استناد کیا ہوگا، حالانکہ ان کی دلیل نہایت کمزور ہے وہ کہتے ہیں کہ بجز قبہ کے کسی مسجد میں بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں کیونکہ صرف قبہ کے لئے آپ کا سوار و پیدل جانا ثابت ہے اور کسی مسجد کے لئے ایسا ثابت نہیں ہوا، کوئی علامہ سے دریافت کرتا کہ صحابی حضرت عتبہؓ کے یہاں حضور علیہ السلام نے کتنی بار سوار و پیدل جا کر نماز پڑھی تھی اور انہوں نے حضور کی ایک ہی بار نماز پڑھنے سے اس مقام کو کیوں متبرک سمجھ کر اپنے لئے نماز کی جگہ تجویز کر لی اور حضور علیہ السلام نے بھی ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا، کیا اشہب کی پسند حضور علیہ السلام اور صحابی سے بھی بڑھ کر ہے اور کیا حضرت ابن عمرؓ بی جلیل القدر کے تعامل و پسندیدگی سے بھی اشہب کی پسند کا مرتبہ زیادہ ہو سکتا ہے؟ جبکہ حافظ ابن حجر ایسے محدث و محقق نے بھی حضرت عمرؓ کے قول میں توجیہ کر کے حضرت ابن عمرؓ کے تعامل کو ترجیح دی اور حضرت عتبہؓ کے فعل کو استبراک بآثار الصالحین کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی اپنے حافظ میں تازہ کر لیں کہ یہ اشہب مالکی فقیہ مصری ۲۰۴ھ وہی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں ایک غلط بے تحقیق بات منسوب کی تھی جس سے علامہ شبلی و علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی غلطی میں پڑ گئے تھے اور اس کو سیرۃ النعمان اور حیات امام مالکؒ میں لکھ دیا تھا حالانکہ اس کی تردید حافظ ابن حجر وغیرہ سے ثابت ہو چکی تھی (تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابن ماجہ اور عم ص ۱۶۱، ۱۶۲)

(نوٹ) اس سلسلہ میں اس وقت تک ہمارے علم میں اشہب مالکی اور علامہ ابن تیمیہ کے اقوال مخالفت کے آئے تھے جن کے جوابات کی طرف اشارہ کر دیا گیا، مزید بحث و تحقیق آئندہ، ان شاء اللہ۔

### مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان راستہ کی مشہور مساجد

چونکہ امام بخاریؒ نے بڑے اہتمام سے مساجد طرق مدینہ کا ذکر کیا ہے اور ان کا مسلک بھی جمہور سلف و خلف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ کی مساجد مواضع صلوة و قیام نبوی کی پیروی میں نماز و قیام کا اہتمام کیا جائے اس لئے ہم الگ سے بھی ان مساجد و مواضع کی نشان دہی کئے دیتے ہیں لہذا اس مبارک سفر زیارتہ نبویہ میں زائرین کرام ان مقامات میں حسب سہولت قیام و نماز فرض و نفل کا اہتمام کریں اور راقم الحروف کو بھی دعاؤں میں یاد کریں۔ ولہم الشکر والحمد

(۱) مسجد ذی الحلیفہ: اس کو کبر علیؓ بھی کہتے ہیں، مدینہ منورہ سے احرام حج کی میقات ہے، مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل ہے۔

(۲) مسجد معرس: اس جگہ رسول اکرم ﷺ نے آخر شب میں قیام فرمایا تھا، مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل ہے۔

(۳) مسجد عرق الظہیر: اس مقام پر حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی، روحاء سے دو میل آگے ہے، اس جگہ متروک نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔

(۴) مسجد الغزالہ: وادی روحاء کے آخر میں ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے۔

(۵) مسجد الصفراء: مدینہ طیبہ سے تین روز (اونٹ کے ذریعہ سفر سے) اور بس یا کار سے چند گھنٹوں کی مسافت ہے۔



(۶) مسجد بدر: جہاں مشہور غزوہ بدر ہوا تھا، وہاں شہداء بدر کی زیارت بھی کی جاتی ہے۔

(۷) مسجد جھہ: وہاں تین مسجدیں ہیں، ایک جھہ کے شروع میں، دوسری آخر میں میقات کے نشانوں کے پاس اور تیسری تین میل کے بعد راستہ سے بائیں جانب ہے۔

(۸) مسجد مرا ظہران: مکہ معظمہ سے قریب ایک منزل پر ہے، راستہ سے بائیں جانب، اس کو مسجد فتح بھی کہتے ہیں۔

(۹) مسجد سرف: یہاں حضرت یونسؑ کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا تھا اور وہیں ان کا دفن بھی ہے یہ مسجد وادی فاطمہ سے تین

میل جانب شمال ہے۔

(۱۰) مسجد معجم: جس کو مسجد عائشہؓ بھی کہتے ہیں، وہاں سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں، مکہ معظمہ سے تین میل جانب شمال ہے۔

(۱۱) مسجد ذی طوی: چاہ طوی کے قریب ہے، جہاں حضور علیہ السلام نے مکہ معظمہ جاتے وقت قیام فرمایا تھا۔

### راہ مدینہ و مکہ کے مشہور کنوئیں

بئر لعلیں، بئر قضمیر، بئر مستورہ، بئر شیخ، بئر غار، بئر ردحاء، بئر حسانی، بئر الاشہب، بئر ماشی۔

### باب سترة الامام سترة من خلفه

(امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے)

۳۶۶. حدثنا عبد الله بن يوسف قال نا مالك عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ان عبد الله بن عباس قال اقبلت راكباً على حمار اتان و انا يومئذ قل نا هزت الاحتلام و رسول الله ﷺ يصلي بالناس بمنى الى غير جدار ففورت بين يدي بعض الصف فنزلت و ارسلت الاتان ترفع و دخلت في الصف فلم ينكر ذلك علي احد.

۳۶۷. حدثنا اسحق قال نا عبد الله بن نمير قال نا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا خرج يوم العيد امر بالحربة فتوضع بين يديه يصلي اليها و الناس و رآه و كان يفعل ذلك في السفر فمن ثم اتخذها الامراء.

۳۶۸. حدثنا ابو الوليد قال نا شعبة عن عون بن ابي حنيفة قال سمعت ابي يقول ان النبي ﷺ صلى بهم بالبطحاء و بين يديه عنزة الظهر ركعتين و العصر ركعتين تمر بين يديه المرأة و الحمار.

ترجمہ ۳۶۶: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا، اس زمانہ میں قریب البلوغ تھا، رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے سوا کسی اور چیز کا سترہ کر کے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے صف کے بعض حصے سے گزر کر میں سواری سے اترا، گدھی کو میں نے چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں آکر شریک (نماز) ہو گیا، کسی نے اس کی وجہ سے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔

ترجمہ ۳۶۷: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن (مدینہ سے) باہر تشریف لے جاتے تو چھوٹے نیزہ (حربہ) کو گاڑنے کا حکم دیتے وہ جب گڑ جاتا تو آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے، یہی آپ سفر میں بھی کیا کرتے تھے، اسی لئے (مسلمانوں کے) خلفاء نے بھی اس طرز عمل کو اختیار کر لیا ہے۔

ترجمہ ۴۶۸: حضرت عون بن ابی جحیفہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو بظاہر میں نماز پڑھائی، آپ کے سامنے صخرہ (ڈنڈا جس کے نیچے پھل لگا ہوا ہو) گاڑ دیا گیا تھا، ظہر کی دو رکعت اور عصر کی دو رکعت پڑھیں (مسافر ہونے کی وجہ سے) آپ کے سامنے سے عورتیں اور گدھے اس وقت گزر رہے تھے۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ کالے کتے، گدھے یا عورتیں اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذریں تو نماز میں غلط پڑتا ہے اور اسی وجہ سے راوی نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا کہ عورتیں اور گدھے پر سوار لوگ نمازیوں کے سامنے سے گذر رہے تھے، حدیث میں ایک ساتھ مختلف چیزوں کو جمع کر کے بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز میں غلط پڑتا ہے، اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ وجہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ سامنے سے گذریں تو توجہ ہٹتی ہے اور ذہن میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں، حدیث میں عورتوں کو گدھوں کے برابر نہیں بتایا گیا بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اس صنف میں مردوں کے لئے جو کشش ہے نمازی کے سامنے سے گذرتے وقت اس کی وجہ سے نماز میں غلط پڑ سکتا ہے جو نماز کے لئے مضر ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں بلکہ صرف ان کی وجہ سے نماز میں غلط کو بتانا مقصود ہے۔

یہاں کئی اہم فوائد و اباحت لائق ذکر ہیں، فیض الباری ص ۶۷ ج ۲ میں درج ہے کہ ترجمۃ الباب ”سترة الامام سترة من خلفه“ یہ الفاظ حدیث ابن ماجہ کے ہیں، جس کی اسناد ساقط ہے، اسی لئے امام بخاری نے اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا اور ترجمۃ الباب کا جو مفہوم ہے وہی جمہور کا مذہب ہے، امام مالک کا مذہب دوسرا یہ ہے کہ امام کے آگے کا ستروہ صرف امام کے لئے ہے اور مقتدیوں کے لئے ستروہ خود امام ہے لہذا اگر کوئی امام و ستروہ کے درمیان سے گذرے گا تو وہ ان کے نزدیک مقتدیوں کے سامنے سے گذرنے والا سمجھا جائے گا، کیونکہ ان کا ستروہ امام ہے، اور گذرنے والا، مقتدیوں اور امام کے درمیان سے نہیں گذر رہا ہے۔

### فیض الباری کی مساحت

یہاں ضبط اطباء کے وقت تسماع ہو گیا اور مراجعت کتب کے ذریعہ بھی صحیح نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے غلطی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہو گئی (غسوس ہے کہ ایسی مساحات بہ کثرت ہوئی ہیں غلیجہ ل) حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے بجائے ابن ماجہ کے طبرانی فرمایا تھا، اور وہی صحیح بھی ہے، عمدہ ۴۷۰ ج ۲ میں مبنی نے اور فتح الباری ص ۳۸۲ ج ۱ میں حافظ نے بھی طبرانی من اس کا حوالہ دیا ہے اور الجامع الخیر ص ۳۲ ج ۳ میں علامہ سیوطی نے اور کنوز الحقائق ص ۱۴۳ ج ۱ میں علامہ محدث متاوی نے بھی طبرانی کا ہی حوالہ دیا ہے، ابن ماجہ کی طرف سے اس حدیث کو کسی نے منسوب نہیں کیا اور احقر نے بھی مراجعت کی تو اس میں یہ موجود نہیں ہے، حافظ نے سوید راوی کی وجہ سے صنف کی صراحت کی ہے۔ واللہ اعلم۔

### علامہ بیہقی اور حافظ ابن حجر کی رائے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حضرت ابن عباسؓ والی حدیث الباب سے امام بخاری نے تو ستروہ کو ثابت کیا لیکن امام بیہقی نے اس سے ستروہ کی نفی کی، اسی لئے انہوں نے باب من صلی المی غیو مسترة قائم کیا اور حافظ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، میں بخاری کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔

علامہ بیہقی کا لفظ: علامہ بیہقی نے بھی امام بیہقی و حافظ پر نقد کیا اور لکھا کہ حافظ و بیہقی دونوں نے وقت نظر سے کام نہیں لیا اسی لئے وہ اس نکتہ کو نہ سمجھے جو امام بخاری کے پیش نظر تھا، حضرت ابن عباسؓ نے جو فرمایا کہ حضور علیہ السلام منی میں غیر جدار کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، تو غیر کا لفظ ہمیشہ کسی سابق کی صفت ہوا کرتا ہے، یعنی حضور علیہ السلام جدار کے سوا کسی دوسری چیز کو ستروہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے مثلاً ڈنڈا ہوگا، نیزہ ہوگا

وغیرہ، کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کی تھی، یہی نہیں اور اسی وجہ سے امام بخاری اس حدیث کو اثبات سترہ کے لئے یہاں لائے ہیں (عمدة ص ۷۰، ج ۳) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نفی جدار کا فائدہ بھی جب ہی ہوگا کہ دوسری چیز سترہ ہو ورنہ یہ نفی لغو ٹھہرے گی۔

### حافظ کی دوسری مساحت

ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں کہ امام بخاری کی ذکر کردہ تین حدیثوں میں سے حدیث اول کی مناسبت ترجمہ اسباب سے نہیں ہے، اور یہ بھی لکھا کہ اس حدیث اول سے امام بخاری کا استدلال محل نظر ہے، بڑی حیرت ہے کہ حافظ ابن حجرؒ امام بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت اور صحت استدلال کے لئے بڑی کاوش کیا کرتے ہیں اور مناسبت بعیدہ تک نکال کرتے ہیں اور یہاں چوک گئے، شاید امام بیہقی سے متاثر ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

**نطق النور:** حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ شیخ ابن الہمام کی رائے ہے کہ سترہ ربط خیال کے لئے ہے کہ نمازی کا دھیان محصور رہے اور خیالات دور دور تک نہ جائیں، اداء ارکان صلوٰۃ کی طرف ہی پوری توجہ ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ سترہ کی غرض وصلہ مناجات کی حفاظت ہے کہ وہ قطع نہ ہو، کیونکہ نمازی خدا کے روبرو ہو کر اس سے مناجات کرتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ جب کوئی نماز پڑھے تو سترہ سے قریب ہوتا کہ شیطان اسکی نماز قطع نہ کرادے (ابوداؤد ص ۱۰۱، باب من ستر)۔

پس معلوم ہوا کہ نماز کے وقت نمازی اور قبلہ کے درمیان مناجات و مواجہہ قائم رہتا ہے، کیونکہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اسی لئے شریعت نے بتایا کہ نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرنے والا شیطان ہوتا ہے وہ عہد و مولیٰ کے درمیان آیا۔

ہذا شریعت نے اس مواجہہ کو سترہ کے ذریعہ محدود و محصور کرنا چاہا تا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والوں کو وقت و پریشانی بھی نہ ہو، ان کو حکم کیا کہ سترہ کے آگے سے گزریں، اندر سے نہ گزریں اور اس کے بارے میں سخت تنبیہات کیں اور نمازی کو حکم کیا کہ راستوں سے بچ کر نماز پڑھیں، پھر اگر اتنی تنبیہات و تاکیدات کے بعد بھی حدود شریعت کی نگہداشت نہ ہو تو گناہ و خود اپنے وصلہ خداوندی کو قطع کرنے کا موجب ہوگا اور اپنی نماز کے جر و ثواب و روحانیت میں کمی کرائے گا، حدیث ابوداؤد میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ کوشش کرنی چاہئے کہ نماز اپنے اور قبلہ کے درمیان کسی کو در انداز نہ ہونے دے، حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ تفصیل کر کے فرمایا کہ میں اسی توجہ کی وجہ سے احادیث قطع میں کوئی تاویل نہیں کرتا اور ان کو ظاہر پر رکھتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ عورت، حمار و کلب کے بارے میں بھی سب احادیث اپنے ظاہر پر ہیں کہ وہ سب وصلہ مناجات کو قطع کرتی ہیں، جس طرح تم دو آدمی کسی خاص غی معاملہ میں سرگوشی اور مشورہ کرتے ہو اور کوئی تیسرا غیر متعلق آدمی درمیان میں آکر بیٹھ جائے تو یہی کہو گے کہ ہماری بات کاٹ دی یا ختم کر دی، اسی طرح یہاں سمجھو، ہذا میرے نزدیک ان احادیث میں بھی کوئی استعاذ نہیں نہ تاویل کی ضرورت۔

### فرق نظر شارع و نظر فقہاء

شریعت نے ہمیں بہت سے غائب امور کی خبر دی ہے، جن کو وہ دیکھتی ہے اور ہم نہیں دیکھتے، اسی طرح وجود و قیام و صلہ کی خبر دی ہے اور مرور کے وقت اس کے قطع ہونے کی بھی خبر دی ہے، پھر ہمیں انکار تاویل کی کیا ضرورت ہے۔

ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قطع بہ نظر شارع ہے، بہ نظر فقہاء نہیں ہے اور اس لئے وہ مرد کو قاطع صلوٰۃ نہیں کہتے، کیونکہ ان کے احکام کا تعلق عالم شہادت سے ہے اور اس وصلہ کا تعلق عالم غیب سے ہے اور میرے نزدیک استواء علی العرش، معیت و قرب خداوندی وغیرہ بھی اسی باب سے ہیں کہ ہم ان کی کیفیات و حقائق کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان کے قائل ہیں بجا تاویل کے، اسی طرح میرے نزدیک یہ مواجہہ اور

وصلہ بھی ہے، بلکہ میری تحقیق میں یہ سب حق تعالیٰ کی تجلیات، تجلی کی بحث مکمل و متصل اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## تمثیل و تسہیل اور تحقیق مزید

جس طرح یہاں وصلہ علم غیب سے ہے اور اس کا قطع بھی فیہی وغیرہ محسوس ہوتا ہے، اسی طرح حدیث ”افطر الحاجم والمحجوم“ میں میرے نزدیک نظر شرع میں حقیقت صوم ختم ہوگئی بلا تاویل، اگرچہ نظر فقہ میں روزہ فی سد نہیں ہوا کیونکہ طہارت اگرچہ شرط صحت صوم نہیں ہے، لیکن اس کے مرغوب و مطلوب ہونے میں شک نہیں، لہذا خون نکلنے سے طہارت ختم ہونے اور ناقص کے ساتھ روزہ بھی نقص و نقص کا مورد ہو گیا اور فی الجملہ نظر شرع میں بھی افطار کا تحقق ہو گیا گو حکم افطار نہ ہو سکے، خصوصاً جبکہ روزہ کا مقصد بھی تحصیل تقویٰ و تشہہ بالمالانکہ سے اور وہ خون بہانے سے سخت نفرت کرتے ہیں، اسلئے ویسلفک الدماء سے بنی آدم کی بہت بڑی برائی اور منقصت یہی ظاہر کی گئی، مگر نظر فقہی کے لئے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے بھی ایک بار بحالت صوم احتجاج کیا۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص حالت جنابت میں صبح کرے گا، اس کا روزہ نہیں، اس سے بتلایا کہ جنابت نے اس کے روزے میں خلل و نقص ڈال دیا اور فرشتے بھی اس گھر میں نہیں آتے جس میں جنبی ہوتا ہے، یہ نظر شرعی ہے، مگر دوسری طرف نظر فقہی کے لئے بھی گنجائش اس سے مل گئی کہ حضور علیہ السلام سے بھی ایک بار بحالت جنابت روزے میں صبح کرنا منقوس ہوا ہے، احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ عورت کے سامنے سے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے، یہ بھی نظر شرعی ہے (کیونکہ نماز کی حقیقت خشوع و خضوع اور توجہ الی الحق سبحانہ ہے اس میں ضرور نقص واقع ہوگا) مگر نظر فقہی کے لئے یہ بھی حدیث ہی میں وارد ہے کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی رہتی تھیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ کالے کتے کے سامنے سے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ شیطان ہے اور شاید اس لئے ہے کہ وہ زیادہ موذی ہوتا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ جن اس کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اسی لئے امام احمدؒ نے تو قطعی یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ اس سے نماز فاسد و باطل ہو جاتی ہے مگر دوسرے ائمہ اور جمہور کی رائے اور نظر فقہی ایسی نہیں ہے۔

امام احمد نے اتنا تشدد گدھے کے بارے میں نہیں کیا، شاید اس لئے کہ حدیث ابن عباس وغیرہ میں گدھے پر سوار اور ویسے بھی گدھے کا نماز کے سامنے سے گزرنے پر ماری ہو جاتی ہے اور نماز بدستور ہوتی رہتی ہے، ایسے ہی عورت کے بارے میں بھی امام احمد نے بوجہ حضرت عائشہؓ وغیرہ تشدد نہیں کیا ہوگا، حالانکہ حکم تینوں کے لئے بظاہر یکساں تھا اور حدیث درمثور میں ہے کہ یہ تینوں تسبیح و ذکر سے غافل ہوتے ہیں، لہذا غافلون کا ذکر ان (نمازیوں) کے سامنے آ جانا ذکر و نماز کے منافی و قاطع قرار دیا گیا ہے۔

علامہ عینی نے لکھا۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو جائز ہے اور نماز قطع نہیں ہوتی، مگر بعض علماء نے حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کیلئے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ عورت سامنے ہو تو اس کی طرف نظر کرنے سے فتنہ کا خوف اور قلب کے اوپر مشغول ہونے کا احتمال غالب ہے، پھر نماز کیا ہوگی؟ اور حضور علیہ السلام پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ آپ ان سب برائیوں سے منزہ تھے، پھر وہ رات کے نوافل کا موقع تھا، جبکہ اس وقت گھروں میں چراغ بھی نہ ہوتے تھے، یہ بھی لکھ کر اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اس طرح نماز ہو جاتی ہے اور عورت کے سامنے سے گزرنے سے بھی نماز قطع نہیں ہوتی، لیکن ظاہر ہے کہ عورت کا سامنے لینے ہوئے ہونا، اس کے سامنے سے گزرنے کے اعتبار سے کہیں زیادہ شدید ہے (عمدہ بحوالہ اوجز ص ۳۰۴ ج ۱) علامہ عینیؒ کی مذکورہ بالاتیقیت نہایت اہم و قابل قدر ہیں اور صورت مسئلہ کون ان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم۔ (مؤلف)

اس بارے میں علامہ محدث زرقانیؒ نے بھی اچھی بحث کی ہے اور حدیث حضرت عائشہؓ کے جوابات نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ (۱) حضرت عائشہؓ و میمونہؓ ازہ وج مطہرات میں سے تھیں، لہذا احیاء کے لئے خوف فتنہ وغیرہ کی بات مانع رہے گی، (۲) وہ رات کے واقعات تھے، اور اس زمانہ میں چراغ وغیرہ نہ تھے (اب بھی کا دور ہے کہ بدن کی طرح روشنی دیتی ہے۔ (۳) وہ ایک وقتی واقعہ کا ذکر ہے جس میں بہت سے احتمالات نکل سکتے ہیں، بخلاف حدیث ابی ذرؓ کے اس سے عام شرعی قاعدہ بیان ہوا ہے۔ (۴) علامہ ابن بطالؒ نے حضرت عائشہؓ کے واقعہ کو خاصاً نبویؐ میں شمار کیا ہے اور حضور علیہ السلام کی طرح کون اپنے جذبہ پر کنٹرول کر سکتا ہے؟ (۵) بعض متابعین نے کہا کہ احادیث ابی ذر وغیرہ احادیث صحیحہ صریحہ ہیں ان کا مقابلہ احادیث صحیحہ صریحہ یا صریحہ صحیحہ نہیں کر سکتیں (شرح ابن قانی ص ۳۱۷)

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں اس امر کو بھی اپنے ذہنوں میں تازہ کرلو، جس کو پہلے بتا چکا ہوں کہ بہت سی احادیث بظاہر آپس میں متعارض معلوم ہوتی ہیں کہ ایک کا مضمون دوسری سے ٹکراتا ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ شارع کا مقصد مراتب احکام کا بیان ہوتا ہے اور کبھی اختلاف از منہ و اکمنہ و انظار کی طرف تنبیہ ہوتی ہے اور کبھی کچھ احادیث میں حکم اشیاء عالم غیب کی نسبت سے بتلایا گیا ہے اور کچھ میں عالم شہادۃ کے لحاظ سے اور یہ ضروری نہیں کہ دونوں عالموں کے احکام میں توافق ہو۔

سترہ کا مسئلہ فرمایا: سترہ قائم کرنا مذہب شافعی میں واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے مگر ترک سترہ کی وعید اور دوسری تاکیدات شرع پر نظر کرتے ہوئے میری رائے ہے کہ حنفی اس حکم کو احتیاج سے اوپر رکھتے تو اچھا ہوتا، مسئلہ سترہ بحضور کو بہ معظمہ آگے آئے گا، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے فرمایا: ”قبرستان میں نماز پڑھو تو امام مقتدی کے واسطے سترہ کی ضرورت ہے سترہ امام کا مقتدی کو کافی ہوتا مگر دوسریوں و انسان کے لئے ہے اور قیود کا حضور مشابہہ شرک و بت پرستی ہے اس میں کافی نہیں ہے اس لئے ہر نمازی کے سامنے سترہ پڑھنا واجب ہے“ (مدنی شیعہ ص ۸۸)

فائدہ قیمہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شریعت نے نماز جماعت کو نماز مفرد سے الگ نوع قرار دیا ہے اور ہر ایک کے کچھ احکام الگ بھی ہیں، اس لئے ایک نوع کے احکام کو دوسری نوع پر جاری نہیں کر سکتے، جس طرح شریعت نے غیر موجود کی بیع کو ممنوع قرار دیا لیکن بیع کی ہی ایک قسم مسلم بھی ہے، جس کو جائز قرار دیا حالانکہ وہ بھی بیع غیر موجود کی ایک نوع ہے، اسی طرح نماز جماعت کا باب و نوع بھی الگ اور مستقل ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ امام کی اقتداء ضروری ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ نماز کا اہم رکن ہے اور اس سے بہت کم درجہ کی چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو، لیکن جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات جم چکی ہے کہ نماز بغیر فاتحہ کے قائم نہیں ہو سکتی وہ اس عام بات پر جمود کر لیتے ہیں اور مقتدی کے خاص حکم کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اس طرح وہ دونوں کے احکام کو باہم خلط کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شافعیہ کی نماز بنی اسرائیل کی طرح ہو گئی ہے کہ وہ بھی باوجود اجتماع کے مفرد رہتے ہیں اور ان میں باہم ربط و تقصیم نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث میں امام کو ضامن فرمایا گیا ہے، جو باہمی ربط و تقصیم کو متفقہ ہے اور حضور علیہ السلام نے حدیث ابی داؤد میں لفظ اعجنسی ان تكون صلوۃ المؤمنین واحداً فرمایا ہے (مجھے مسلمانوں کی نماز جماعت بہت ہی پسند ہے کہ وہ مجموعی اکائی ہے) تو حنفیہ نے اس ارشاد کی حقیقت کو سمجھا اور اپنی خوشی کو حضور علیہ السلام کی خوشی سے وابستہ کر دیا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں بخاری کی احادیث الباب سے بھی یہی ثابت ہوا کہ نماز جماعت واحد بالحد یعنی مجموعی اکائی ہے، اس لئے سب کے لئے ایک ہی سترہ کافی ہوا، اگر ان سب کی نمازیں الگ الگ ہوتیں تو ظاہر ہے کہ سترہ بھی الگ الگ ہوتا۔

شافعیہ اگر لا صلوۃ الا بفاتحہ الكتاب کے عموم سے استدلال کرتے ہیں تو حدیث میں لا صلوۃ الا بخطبہ بھی ہے اس کے عموم سے نماز جمعہ کے لئے ہر شخص کے ذمہ خطبہ کیوں لازم نہیں کرتے؟ اگر وہاں نہیں کرتے تو یہاں بھی لازم نہ کرنا چاہئے، نیز فرمایا کہ اس سے کچھ پہلے ہی حدیث بخاری ص ۶۹ میں صلوۃ الجمع تزیید علی صلوۃ فی بیتہ الخ بھی گزرا ہے اس سے بھی یہی استفادہ ہوا کہ نماز جماعت نظر شارع میں ”صلوۃ الجمع“ (سب کی ایک نماز) ہے، وہ ”صلوۃ الجمع“ (سب کی بہت سی نمازیں) نہیں ہیں، ایسے ہی قرآن مجید میں بھی ”اذنودی للصلوۃ من یوم الجمعہ“ ہے، وہاں جمعہ کی نماز کو بھی ایک مجموعی نماز فرمایا گیا ہے۔

شافعیہ سمجھتے ہیں کہ نماز جماعت میں بہت سی نمازیں لوگوں کی ہیں جو اگرچہ ایک محل میں جمع ہیں مگر ہر ایک کی نماز الگ الگ ہے اور وہ سب اپنے اپنے امیر خود ہیں، امام کا اتباع صرف افعال میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر امام کی نماز فاسد بھی ہو جائے، تب بھی مقتدی کی درست رہتی ہے اور اسی لئے ان کے یہاں ہر مقتدی کو فاتحہ بھی پڑھنی پڑتی ہے کہ بغیر اس کے نماز نہیں، ہم کہتے ہیں یہ تسلیم مگر نماز جماعت چونکہ صلوۃ واحد ہے، اس لئے فاتحہ واحدہ اس کے لئے کافی ہے جو امام پڑھتا ہے۔

## باب قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترة

(مصلی اور سترہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے)

۳۶۹. حدثنا عمرو بن زرارۃ قالنا عبد العزیز بن ابی حازم عن ابیہ عن سهل بن سعد قال کان بین مصلی رسول اللہ ﷺ و بین الجدار ممرا الشاة.

۳۷۰. حدثنا المکی بن ابراہیم قال نا یزید بن ابی عبید عن سلمۃ قال کان جدار المسجد عند المنبر ما کادت الشاة تجوزها.

ترجمہ ۳۶۹: حضرت اہل بن سعد نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گذر سکنے کا فاصلہ تھا۔

ترجمہ ۳۷۰: حضرت سلمہ نے فرمایا کہ مسجد کی دیوار اور منبر کے درمیان بکری کے گذر سکنے کا فاصلہ تھا۔

تشریح: مسجد نبوی میں اس وقت محراب نہیں تھی اور آپ منبر کی بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، لہذا منبر اور دیوار کا فاصلہ بعینہ وہی تھا جو آپ کے اور دیوار کے درمیان ہو سکتا تھا۔

## باب الصلوة الى الحربة

(چھوٹے نیزہ (حربہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۳۷۱. حدثنا مسدد قال نا یحییٰ عن عبید اللہ قال اخبرنی نافع عن عبد اللہ بن عمر ان النبی ﷺ کان یرکز له الحربة فیصلی الیہا.

## باب الصلوة الى العنزة

(عنزہ (وہ ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۳۷۲. حدثنا ادم قال نا شعبۃ قال ناعون بن ابی حنیفۃ قال سمعت ابی قال خرج علینا النبی بالہاجرۃ فاتی بوضوء فتوضا فصلی بنا الظهر و العصر و بین یدیه عنزۃ والمرأۃ الحمار یمران من وراءہا.

۳۷۳. حدثنا محمد بن حاتم بن بزیع قال نا شاذان عن شعبۃ عن عطاء ابن ابی میمونۃ قال سمعت انس بن مالک قال کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجتہ تبعہ انا و غلام و معنا عکازۃ او عصا او عنزۃ و معنا ادواۃ فاذا فرغ من حاجۃ نا و لناہ الاداۃ.

## باب السترة بمكة وغيرها

(مکہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات میں سترہ)

۳۷۴. حدثنا سلیمان بن حرب قال نا شعبۃ عن الحکم عن ابی حنیفۃ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ بالہاجرۃ فصلی الظهر و العصر و کعتین و نصب بین یدیه عنزۃ و توضأ فجعل الناس یتمسحون بوضوءہ.

ترجمہ ۳۷۴: حضرت عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کے لئے حربہ گاڑ دیا جاتا تھا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۴۷۲: حضرت عون بن ابی جحیفہ نے اپنے والد سے سنا کہ نبی کریم ﷺ دو پہر کے وقت تشریف لائے آپ کی خدمت میں وضو کا پانی پیش کیا گیا جس سے آپ نے وضو کیا، پھر ہمیں آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر کی بھی، آپ کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا، اور عورتیں اور گدھے اس کے پیچھے سے گزر رہے تھے۔

ترجمہ ۴۷۳: حضرت عطاء بن ابی میمونہ نے حضرت انس بن مالک سے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب رفع ۱۱ جت کے لئے تشریف لے جاتے، میں اور ایک لڑکا آپ کے پیچھے پیچھے جاتے تھے، ہمارے ساتھ عکا زہ (ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا تھا) یا چھڑی یا عنزہ ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک برتن بھی ہوتا تھا جب آنحضور ﷺ ۱۱ جت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ کو وہ برتن دیتے تھے۔

ترجمہ ۴۷۴: حضرت ابو جحیفہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس دو پہر کے وقت تشریف لائے اور آپ نے بظاہر میں ظہر اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں، آپ کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا اور جب آپ نے وضو کیا تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے بدن پر لگانے لگے۔ تشریح: امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سترہ کے مسئلہ میں مکہ اور دوسرے مقامات میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ خاص بیت اللہ کے سامنے نماز اگر کوئی شخص پڑھ رہا ہے اور طواف کرنے والے اس کے سامنے سے آ جا رہے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز کے حکم میں ہے، یہ مسئلہ امام طحاوی نے اپنی مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے، مسئلہ حج و زیارت کی کتابوں میں یہ بھی دیکھا کہ چونکہ بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھنے میں وصل قوی تر ہوتا ہے اس لئے وہاں کسی کے مرور سے وصل قطع نہیں ہوتا لہذا بغیر سترہ کے وہاں نماز درست ہے اور نماز کی حالت میں سامنے سے گزر سکتا ہے اور یہ مسئلہ صرف مسجد حرام کیلئے ہے۔

مقصد امام بخاری: حافظ نے لکھا: علامہ ابن المنیر نے کہا کہ ”امام بخاری نے خاص طور سے مکہ کا ذکر کیا مغالطہ رفع کرنے کے لئے کیا ہے کہ سترہ بمنزلہ قبلہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ من سب نہیں کہ مکہ کے لئے بجز کعبہ معظمہ کے کوئی اور قبلہ ہو، لہذا مکہ کے اندر سترہ کی ضرورت نہیں“ پھر حافظ نے لکھا کہ میرے نزدیک تو امام بخاری نے محدث عبدالرزاق پر تفریض کی ہے جنہوں نے اپنے مصنف میں باب لا یقطع الصلوۃ بمکہ شئیء قائم کر کے حدیث ابن جریج نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کوئی سترہ آپ کے سامنے نہیں تھا اور لوگ آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے، دوسرے اصحاب السنن نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس کے رجال رواۃ ثقہ ہیں، تاہم یہ روایت معلول ہے، لہذا امام بخاری نے اس کے ضعف پر تنبیہ کی ہے اور اپنی یہ رائے بتلانی چاہی ہے کہ مشروعیت سترہ کے مسئلہ میں مکہ اور غیر مکہ کا کوئی فرق نہیں ہے اور اپنے استدلال میں حدیث ابی جحیفہ پیش کی ہے، شافعیہ کا بھی یہی مسلک مشہور ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا مکہ اور غیر مکہ سب جگہ یکساں طور پر ممنوع ہے، البتہ بعض فقہاء نے بوجہ ضرورت طائفین کے لئے مرور کے گناہ کو مبرا منقطعت کہا ہے، دوسروں کے لئے یہ بھی نہیں، بعض حنابلہ نے مرد و کو تمام مکہ میں جائز قرار دیا ہے (فتح ص ۳۸۴ ج ۱)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ حنابلہ کے یہاں یہی رائج قول ہے بلکہ تمام حرم کا حکم یہی ہے کہ کافی الٹنی اور ابن تیمیہ نے المنہج میں باب الرخصة للطائفین بالیت قائم کیا ہے، علامہ شامی نے بعض حنفیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے (الابواب والتراجم ص ۲۳۱ ج ۲)

موفق نے کہا کہ ”مکہ معظمہ میں بلا سترہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، امام احمد نے فرمایا کہ مکہ معظمہ دوسرے شہروں کی طرح نہیں ہے اس کا حکم الگ ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے حرم میں نماز پڑھی ہے اور لوگ سامنے سے گزرتے رہتے تھے، محترم نے کہا کہ میں نے طاؤس سے سنا کہ ایک شخص مکہ میں نماز پڑھتا ہے اور اس کے سامنے سے مرد عورتیں گزرتے رہتے ہیں، جواب دیا کہ کیا حرم میں نماز پڑھتے ہوئے لوگ ایک دوسرے کو آٹنے سامنے نہیں دیکھتے رہتے ہیں؟ جی ہاں شہر کا حال دوسرے شہروں جیسا نہیں ہے اور تمام حرم کا حکم اس بارے میں مکہ کا ہی ہے کیونکہ سارے حرم میں مشاعر و مناسک ادا کئے جاتے ہیں“ علامہ شامی نے بعض حنفیہ کا قول نقل کیا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے

والے کو چاہئے کہ اپنے سامنے سے گزرنے والوں کو نہ روکے اور ان سے مراد طواف کرنے والے ہیں کیونکہ طواف بحکم صلوٰۃ ہے تو یہ ایسا ہوگا جیسے کہ ایک صف کے نماز پڑھنے والوں کے سامنے آگے کی صف والے ہوتے ہیں اور علامہ عز الدین نے امام طحاوی کی مشکل الاثار سے نقل کیا ہے کہ بحقرۃ کعبہ معظمہ نمازی کے سامنے سے گزرتا جائز ہے، علامہ شامی نے اس کو نقل کر کے لکھا کہ یہ جزئیہ نادر و غریب ہے، اس کو یاد کر لینا چاہئے (حاشیہ لامع الدراری ص ۱۹۷ ج ۱)

### امام احمد و ابوداؤد کی رائے امام بخاری کے خلاف

یہ حدیث مطلب مسند احمد بھی ہے اور ابوداؤد نے ”باب فی مکہ“ میں امام احمد سے ہی روایت کی ہے اور ان دونوں میں کثیر کی روایت اپنے وادام مطلب سے بعض افراد خاندان کے ذریعہ ہے، صاحب الفتح الربانی نے لکھا کہ مطلب اور ان کے والد صحابی تھے، مکہ فتح ہونے پر اسلام لائے تھے، مسند احمد میں ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے حضور علیہ السلام کے بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کی مروی ہے، صاحب الفتح الربانی نے لکھا کہ حدیث الباب سے جمہور نے عدم وجوب سترہ پر استدلال کیا ہے لیکن شوکانی نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا فعل، آپ کے قول کا معارض نہیں ہو سکتا، لہذا وہ وجوب سترہ کے قائل رہے (الفتح الربانی ص ۱۳۵ ج ۳)

یہ عجیب بات ہے کہ اس جگہ مکہ میں سترہ کی بات بھی لانی تھی، جبکہ صرف مطلق وجوب سترہ کا ذکر ہوا، اسی طرح بذل المجہود ص ۱۹۶ ج ۳ میں بھی مطلق سترہ کے احکام بیان ہوئے، جبکہ امام ابوداؤد نے خاص باب مکہ کے بارے میں باندھا تھا اور مطلق سترہ کی احادیث کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کر چکے تھے، اور مطلب کی روایت ذکر کی تھی اور یہ بھی ظاہر تھا کہ امام بخاری مستقل باب قائم کر کے سترہ کے باب میں مکہ اور غیر مکہ کو برابر قرار دے چکے ہیں اس بارے میں لکھنا ضروری تھا کیونکہ بظاہر ابوداؤد امام بخاری کے خلاف گئے ہیں اور وہ بھی مکہ میں بلا سترہ نماز کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### امام ابن ماجہ و نسائی کی رائے امام بخاری کے خلاف ہے

سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے مگر کثیر نے وہاں اپنے بعض اہل سے نہیں بلکہ اپنے باپ کثیر کے واسطے سے اپنے وادام مطلب سے روایت کی ہے۔ محدث ابن ماجہ نے مطلق سترہ کے احکام کی احادیث کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کی ہیں، اور ابوداؤد کی طرح کتاب الحج میں باب الرکعتین بعد الطواف قائم کر کے یہ حدیث مطلب ذکر کی ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کر دی کہ یہ حکم بلا سترہ نماز کا صرف مکہ کے لئے ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مسلک بھی امام بخاری کے خلاف ہے اور جمہور کے موافقت میں ہیں کہ مکہ اور غیر مکہ کا اس بارے میں فرق ہے، امام نسائی نے کتاب القبلة کے تحت باب التعمید فی المرور بین یدی المصلیٰ و بین السترۃ قائم کر کے وہ احادیث ذکر کیں، جن سے ممانعت مرور ثابت ہے، پھر دوسرا باب ”الخصۃ فی ذلک“ کا قائم کر کے یہی حدیث مطلب (عن ابیہ عن جدہ) ذکر کی ہے (نسائی ص ۱۳۳)

اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی بھی امام بخاری کے ہم رائے نہیں ہیں لامع الدراری ص ۱۹۷ ج ۱ میں ابویعلیٰ و دیگر محدثین سے بھی اس روایت مطلب کا ثبوت دیا گیا ہے، آگے امام طحاوی کی مشکل الاثار سے بھی ہم پوری نقل لانے والے ہیں کہ بظاہر ان کی وجہ سے حنفیہ نے جمہور کا ساتھ دیا ہے، ان سب کبار محدثین نے مطلب والی روایت کو معتبر ٹھہرایا ہے اور بعض اہل کی وجہ سے جہالت راوی کی علت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام نسائی و ابن ماجہ نے تو عن ابیہ عن جدہ کو راجح سمجھا ہے، اب رسی یہ بات کہ کثیر نے خود کہا کہ میں نے اپنے باپ سے نہیں بلکہ اہل سے سنا ہے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ پہلے انہوں نے بعض اہل سے ہی سنا ہوا اور پھر عن ابیہ عن جدہ سن کر بھی اسی طرح روایت کرتے ہوں، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت یزید بن ہارون وغیرہ بھی جہال محدثین میں سے تھے اور اصحاب صحاح ستہ کے اساتذہ میں تھے، انہوں



نے اطمینان کر کے ہی عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے روایت کی ہوگی مگر ہوا تو یہ کہ امام بخاری کا حرایب آیا کہ اس سے بڑے بڑے معمر ہو گئے، پھر یہ کہ جمہور نے جو مسلک نماز حرم میں بلا سترہ کا اختیار کیا تو کیا وہ بالکل ہی بے دلیل کر لیا تھا، ان کو سترہ کی ضرورت شدت و اہمیت معلوم نہ تھی، اور بلا سترہ نماز پڑھنے پر گزرنے والوں کے ساتھ خود نمازی کے گنہگار ہونے کی بات کیا ان سے بالکل ہی نظر انداز ہو گئے تھے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑا مارے اور رونے بھی نہ دے، امام بخاری وغیرہ کا یہی حال ہے وہ اپنی ذاتی فقہی رائے قائم کر کے آگے کو ایسا بڑا بند لگا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی عبور نہ کر سکے اور اوپر ذکر کیا گیا کہ امام احمدؒ جو امام بخاری کے استاذ حدیث بھی تھے اس کے قائل ہیں کہ نہ صرف مسجد حرام میں اور نہ صرف مکہ معظمہ میں بلکہ سارے حرم کے طویل و عریض علاقے میں بلا سترہ نماز جائز بلا کراہت ہے نہ نمازی کو سترہ کا اہتمام کرنے کی ضرورت اور نہ سامنے سے گزرنے والوں پر کوئی گناہ، کوئی کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا اقدام امام احمدؒ ایسی عظیم اور جلیل شخصیت بلا دلیل کر سکتی تھی اور خاص کعبہ معظمہ کے گرد مسجد حرام کے اندر تو امام طحاویؒ بھی جواز صلوة بلا سترہ کا فیصلہ حدیث مطلب ہی کی وجہ سے کر گئے ہیں۔

### حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

آپ نے فرمایا کہ ایسی بات ہمارے فقہاء و محدثین حنفیہ میں سے کسی اور نے نہیں لکھی اور یہی بات شامی نے کہی کہ یہ تا در جزئیہ ہے اس کو محفوظ کر لینا چاہئے لیکن فیض الباری کی عبارت سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے علاوہ مذاہب اربعہ میں سے بھی کسی نے ایسی بات نہیں کہی یہ بات حضرتؒ کی طرف غلط منسوب ہوگئی، دوسری غلطی یہ ہوئی کہ امام طحاوی کا منسحب صرف طائفین کے لئے بتلایا گیا حالانکہ طائفین کے لئے تو بعض فقہاء شافعیہ نے بھی اجازت ضرورت کے تحت دیدی ہے، امام طحاوی تو کعبہ کی موجودگی کی وجہ سے مطلق مردہ کی اجازت سب کے لئے دے گئے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے اب یہ کہنا جاسکتا ہے کہ جو توجہ و وجہ امام طحاوی نے فرمائی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی اور اس سے امام موصوف کی غیر معمولی دقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

### امام طحاوی کا ارشاد

آپ نے عنوان باب قائم کیا ”نمازی کے سامنے گزرنے کا نیت حرام کی موجودگی میں اس کی غیبت میں“ پھر سب سے پہلے کئی طرق سے حدیث مطلب ہی کی روایت فرمائی اور فرمایا کہ اس حدیث سے طائفین کیلئے نمازی کے سامنے سے گزرنے کی اجازت حاصل ہوئی، پھر دوسری احادیث ممانعت مردہ کی ذکر کیں، آگے لکھا کہ کسی نے اعتراض کیا کہ یہ احادیث تو مطلب والی کی ضد ہیں، تو ہم نے اس کا جواب خدا کی توفیق سے یہ دیا کہ مطلب والی حدیث کا محل وہ ہے کہ بیت اللہ کے معاند و مشہود کی صورت میں نماز پڑھ رہا ہو اور دوسری احادیث ممانعت والی اس کے لئے ہیں، جو مسجد حرام سے باہر کسی حصہ میں تحری قبلہ کے ذریعہ نماز پڑھتے ہوں۔

ہذا دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ کعبہ کے گرد نماز پڑھنے والوں کے چہرے تو ایک دوسرے کے مقابل بھی ہوتے ہیں اور اس میں ہاں کوئی کراہت بھی نہیں ہے، لیکن وہاں کے علاوہ جہاں بھی دنیا میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور کعبہ سامنے نہیں ہوتا تو اس طرح مقابل ہو کر نماز بھی درست نہیں ہوتی اور ممنوع ہے، اس سے ہم سمجھ کہ پہلا حکم کعبہ معظمہ کی موجودگی کے ساتھ مخصوص

۱۔ ابو نعیم نے حضرت عمرؓ سے یہ روایت کی ہے کہ اگر نمازی یہ جان لے کہ کسی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے اس کی نماز میں کتنا نقصان آجائے تو وہ کبھی بلا سترہ کے نماز نہ پڑھے، (بستان الاحباب مختصر نیل الوطاء رشوکا فی ص ۳۸۳) اور گزرنے والوں کے لئے جتنی سخت و عیدیں وارد ہوئی ہیں وہ تو مشہور ہیں۔ (مؤلف) ۲۔ یہاں لفظ طائفین سے تخصیص کا شبہ نہ ہو کیونکہ حرم محترم میں سب طائفین ہی ہوتے ہیں، دوسرا وہاں کون ہوتا ہے اور حکم مردہ کا جواز بحالت طواف وغیر طواف ہر طرح ہے جیسا کہ آگے امام طحاوی کی توجہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے (مؤلف)

ہے اور جب ایک دوسرے کے مقابل آئے سامنے ہو کر نماز کی اجازت بیت اللہ کے ارد گرد جائز بلا کراہت ہوگی تو اس امر کی گنجائش بھی نکل آئی کہ بیت اللہ کی طرف اس کی موجودگی میں رخ کر کے نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے لوگ گزر بھی سکیں، برخلاف اس کے بیت اللہ کی غیر موجودگی میں چونکہ ایک دوسرے کے مقابل ہو کر نماز جائز نہیں تو گزرنے والوں کے لئے بھی تنگی و شدت ہی قائم رہے گی۔

اس تفصیل سے صاف طور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں اور دو جگہوں کے لئے حکم الگ الگ ہے، کعبہ معظمہ کے سامنے حکم الگ اور باقی سب جگہوں کا حکم الگ۔ واللہ نسلہ التوفیق (مشکل الآثار ص ۲۳۹ تا ص ۲۵۲ ج ۳) بعض حضرات نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ کعبہ معظمہ کے سامنے نماز ادا کرنے کی حالت میں توجہ الی اللہ اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ سامنے سے کسی کے گزرنے کا احساس و خیال بھی نہیں ہوتا، اس لئے مرور مہتر نہیں اور بعض نے کہا کہ حضور بیت اللہ کی حالت میں وصلہ اتنا قوی ہوتا ہے کہ وہ کسی کے گزرنے سے قطع نہیں ہوتا، اس لئے سترہ کی ضرورت نہیں نہ مرور کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

### باب الصلوة فی الاسطوانة وقال عمر المصلون احق باسواری من المتحدثین

الیہا وراى ابن عمر رجلا یصلی بین السطوانتین فادناه الی ساریة فقال صل الیہا

(ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھنا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والے ستونوں کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق

ہیں جو اس پر ٹیک لگا کر باتیں کریں اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو

اسے ایک ستون کے قریب کر دیا اور فرمایا کہ اس کو سامنے کر کے نماز پڑھو (تا کہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو)

۴۷۵۔ حدثنا المکی بن ابراهیم قال نا یزید بن ابی عبید قال کنت ائی مع سلمة بن الاکوع فیصلی

عند الاسطوانة التی عند المصحف فقلت یا ابا مسلم اذا تحری الصلوة عن هذه الاسطوانة قال فانی

رايت النبی ﷺ یتحرى الصلوة عندها.

۴۷۶۔ حدثنا قبیصة قال حدثنا سفیان عن عمرو بن عمرو عن انس بن مالک قال لقد ادرکت کبار اصحاب

النبی ﷺ یتسرون السواری عند المغرب و زاد شعبه عن عمرو عن انس حتی ینزع النبی ﷺ.

ترجمہ ۴۷۵: حضرت یزید بن ابی عبید نے بیان کیا کہ میں سلمہ بن اکوع کے ساتھ (مسجد نبوی میں) حاضر ہوا کرتا تھا سلمہ ہمیشہ اس ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے تھے جو مصحف کے پاس تھا میں نے ان سے کہا کہ اے ابو مسلم میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے ہیں، انہوں نے اس پر فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خاص طور سے اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

ترجمہ ۴۷۶: حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے کبار اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ وہ مغرب کی اذان کے وقت ستونوں کے سامنے جلدی سے پہنچ جاتے تھے، شعبہ نے عمرو سے وہ انسؓ سے (اس حدیث میں) یہ زیادتی کی ہے ”یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لاتے۔“

تشریح: مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان ہلکی پھلکی دو رکعتیں ابتداء اسلام میں پڑھ لی جاتی تھیں لیکن پھر اس پر عمل ترک کر دیا گیا کیونکہ شریعت کو مغرب کی اذان اور نماز میں زیادہ سے زیادہ اتصال مطلوب ہے، شوافع کے نزدیک یہ دو رکعتیں مستحب ہیں اور احناف اور مالکیہ کے یہاں صرف مباح ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں امام ابو حنیفہ کا مسلک نقل کیا کہ منفرد دو ستونوں کے درمیان نماز

پڑھے تو جائز بلا کراہت ہے، لیکن مقتدی ایک یاد دہوں تو مکروہ ہے، زیادہ ہوں تو مکروہ نہیں کیونکہ وہ صف کے حکم میں ہوں گے، حضرت نے فرمایا اس میں فقہی وجہ شاید یہ ہوگی کہ وہ دو صف کا جز ہوتے ہیں، ان کو صف سے الگ کھڑا نہ ہونا چاہئے اور تین یا زیادہ خود مستقل صف کا حکم رکھتے ہیں اس لئے مکروہ نہ ہوگا فرمایا کہ مجھے یہ مسئلہ کتب فقہ میں نہیں ملا، اور شوکانی نے حوالہ بھی نہیں دیا، تاہم میرا وجدان کہتا ہے کہ مسئلہ اسی طرح ہوگا، پھر فرمایا کہ میرا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ شوکانی کے پاس حنفی مذہب کا پورا علم نہیں تھا، اس لئے میں نقل مذہب میں ان پر اعتماد نہیں کرتا، حضرت کی امام بخاریؒ کے بارے میں یہی رائے تھی کہ ان کے پاس پوری طرح مسلک حنفی کا علم نہ تھا، اور محدث ابن ابی شیبہؒ نے بھی بہت سے اعتراضات حنفی مسلک پر عدم علم کی وجہ سے کئے ہیں، ایسے اور حضرات بھی ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جان بوجھ کر مغالطے میں ڈالتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

### قولہ عند المصحف اور حافظ وعینی کی غلطی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا حافظ الدین ابن حجرؒ سے غلطی ہوگئی کہ اس اسطوانہ کو جو مصحف کے پاس تھا، اسطوانہ مہاجرین سمجھے، شاید مخلطہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ لگا ہوگا، علامہ سہودیؒ نے بھی اس بارے میں اپنے استاذ حافظ ابن حجرؒ کا رد کیا ہے اور کہا کہ وہ دوسرا تھا، اسطوانہ مہاجرین نہیں تھا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سہودی کا قول اس بارے میں زیادہ معتبر ہے اب اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے، حافظ نے فتح الباری ص ۳۸۵ ج ۱ میں اس طرح لکھا: ”مصحف شریف کے لئے ایک صندوق تھا جس میں وہ (حضرت عثمانؓ کے وقت سے) رکھا جاتا تھا، چونکہ اس کی ایک جگہ مقرر تھی تو اس سے اسطوانہ کی تعیین کی گئی اور اس اسطوانہ کے بارے میں ہمارے بعض مشائخ نے ہمیں تحقیقی طور سے بتلایا ہے کہ وہ روضہ مکرمہ کے درمیان میں ہے اور وہ اسطوانہ مہاجرین کے نام سے مشہور ہے، کہا کہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں اگر لوگ اس کو پہچان لیتے تو قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا قرب ڈھونڈتے اور آپؐ نے حضرت ابن زبیرؓ کو راز کے طور پر بتلادیا تھا تو وہ اس کے قریب بہ کثرت نمازیں پڑھا کرتے تھے، پھر میں نے ابن التجار کی تاریخ مدینہ میں بھی یہی بات دیکھی، اس میں یہ بھی ہے کہ مہاجرین قریش اس اسطوانہ کے پاس جمع ہوا کرتے تھے اور اس سے قبل محمد بن الحسن نے بھی اخبار المدینہ میں ایسا ہی درج کیا ہے (فتح)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہی غلطی علامہ عینی سے بھی ہوگئی ہے، انہوں نے بھی اسطوانہ مہاجرین ہی سمجھا ہے اور فیض الباری میں جو یہ درج ہو گیا کہ حافظ نے اس کو اسطوانہ مخلطہ قرار دیا، یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نام سے کوئی خاص اسطوانہ نہیں ہے، بلکہ جن ستونوں پر بھی خلوق (ایک خوشبو) لگائی جاتی تھی وہ سب ہی مخلطہ کہے جاتے تھے، چنانچہ اس لحاظ سے اسطوانہ حضرت عائشہؓ بھی مخلطہ تھا اور اسطوانہ علم المصلیٰ شریف بھی اور یہاں حدیث بخاری میں جو مصحف شریف کے قریب والے اسطوانہ کا ذکر ہوا ہے وہ اسطوانہ علم المصلیٰ ہی تھا، جس کی پوری تحقیق علامہ سہودیؒ نے ص ۲۶۲ ج ۱ سے شروع کر کے اسطوانوں کی آخر بحث ص ۳۲۱ ج ۱ تک متعدد جگہ کی ہے اور ص ۲۶۳ میں اپنے استاذ محترم حافظ ابن حجرؒ کی غلطی اور وجہ اشتباہ بیان کر کے تصحیح کا حق ادا کیا ہے جس کی طرف استاذی و سیدی و سندی حضرت علامہ کشمیریؒ نے اشارہ فرمایا ہے، علامہ سہودیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ نے جو محمد بن الحسن بن زیاد اور ابن التجار کا حوالہ دیا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ ان دونوں کے کلام سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسطوانہ عند المصحف سے مراد اسطوانہ مہاجرین تھا، البتہ چونکہ دونوں کو مخلطہ کہا جاتا تھا، اس سے حافظ کو دھوکہ لگ گیا ہے۔ ص ۳۱۲ ج ۱ میں بخاری کی اسی حدیث الباب سلمہ والی کو ذکر کر کے بھی یہی تعیین کی کہ اس سے مراد وہ اسطوانہ ہے جو قریب و محاذات کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے مصلیٰ (اور محراب) کی علامت تھا، اس کے بعد دوسرے اسطوانہ قرعہ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ وہ اسطوانہ عائشہؓ، اسطوانہ مخلطہ اور اسطوانہ مہاجرین کے نام سے بھی مشہور تھا۔

چونکہ اسطوانات مسجد نبوی کے بارے میں اشتباہ ہوتا رہا ہے اور امام بخاری و مسلم و ابن ماجہ کے سوا اور کتب صحاح ستہ میں اس حدیث سلسلہ نہیں یہ گیا اور صرف حضرت شاہ صاحبؒ نے تاریخی و علمی بحث کو اٹھایا ہے اور حافظ یعنی ایسے اکابر امت کو بھی مغالطہ لگ چکا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اوپر تفصیلی بحث دینی پڑی، اس لئے ہم یہاں اسطوانات کی تفصیل و تشریح پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں، اس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ زائرین روضہ مقدسہ نبویہ ان کی صحیح دینی اہمیت سمجھ کر وہاں کی برکات سے بھی متمتع ہو سکیں گے۔ واللہ الموفق:-

یہ تفصیل ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاریؒ سے نقل کی جاتی ہے:- ”مسجد نبوی میں نمازوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ روضہ مقدسہ نبویہ پر بہ کثرت حاضری دینا اور سلام عرض کرتا رہے، غنومعاصی کے لئے شفاعت کی درخواست پیش کرتا رہے اور اساطین فاضلہ و دیگر مشاہد مقدسہ مثلاً محراب نبوی، منبر نبوی وغیرہ اور قبر نبوی کے قریب سنن و نوافل بہ کثرت پڑھتا رہے، ساتھ ہی اپنی نماز، تلاوت و ذکر و درود شریف وغیرہ کے لئے مسجد اول یعنی حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک والی مسجد کی حدود و پچوں کر اس کے حصول کو اختیار کرتے“ (ہم نے مسجد اول کا نقشہ پہلے دیدیا ہے خدا کا لاکھوں لاکھ شکر ہے کہ یہ سب یادگاریں اب تک محفوظ چلی آتی ہیں اور خدا کرے کہ مکہ معظمہ کی زمانہ نبوت کی یادگاریں بھی پھر سے زندہ کر دی جائیں کہ ان سب ہی سے ایمانوں کو قوت ملتی ہے۔ مؤلف

(۱) اسطوانہ علم مصطفیٰ نبوی: یہ اسطوانہ حضرت عائشہؓ سے متصل جانب غرب میں ہے اور امام بخاری کی حدیث الباب میں اسی کا ذکر ہے، حضرت سلمہؓ کی تلاش کر کے اس کے پاس نمازیں پڑھا کرتے تھے (یہ حضرات صحابہ ہی کے دور مبارک میں حضور علیہ السلام کی نمازوں کی جگہ کیوں تلاش کی جارہی ہے، اس میں امکان و اشخاص کی عظمت و اہمیت بظاہر کچھ زیادہ ہی مذہبی معلوم ہو رہی ہے اور ممکن ہے کسی ذکی الحس کو اس میں سے بوئے شرک بھی محسوس ہوئی ہو، کیونکہ آج کل کے دور جہالت میں ہر تعظیم کو شرک کے خانوں میں فٹ کرنے کی وبا بھی چلی ہوئی ہے اور امام بخاری کو دیکھئے کہ وہ بھی ایسے غیر معمولی عقائد محدث ہونے کے باوجود اس حدیث کی روایت کر گئے، پھر اور بھی دیکھئے کہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ جب حضرت سلمہؓ سے وجہ دریافت کی گئی کہ آپ اسی جگہ کی تلاش کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو بھی اس جگہ کو تلاش کرتے اور اس جگہ نماز پڑھتے دیکھا ہے، آگے محدثین نے یہ بھی کھوج نکالنے کی سعی کی ہے کہ آخر حضور علیہ السلام کیوں اس جگہ کی کھوج فرماتے تھے، مگر ساری باتوں کا صحیح علم حاصل ہو جانا بھی تو ضروری نہیں، کوئی بہت ہی برکت و عظمت اس جگہ میں ہوگی کہ وہاں حضور علیہ السلام نے بجز چند ایام کے اسی جگہ کو اپنا مصلیٰ بنایا تھا، البتہ خیر جاری میں اتنا اور لکھا ہے کہ شاید مصحف شریف کو حضور کے بعد اسی لئے اسی جگہ رکھا گیا کہ اس مقام متبرک کی حضور علیہ السلام تخری فرماتے تھے اور عجب نہیں کہ وہ جگہ اسی لئے تخری نبوی کی مستحق ہوئی ہو کہ کلام سراپا عظمت کا مقام بننے والی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مؤلف)

(۲) اسطوانہ حضرت عائشہؓ: یہ روضہ مطہرہ کے درمیان میں ہے، نقشہ میں دیکھا جائے، اس پر سنہرے حروف سے نام بھی لکھا ہوا ہے اور اسی کو اسطوانہ مہاجرین، اسطوانہ قرعہ اور اسطوانہ مختلفہ بھی کہتے ہیں، حضور علیہ السلام نے تحویل قبلہ کے بعد چند روز تک اس کے پاس نماز پڑھائی تھی، پھر اپنے مصلیٰ پر آخر تک نماز پڑھاتے رہے، آپ اس سے ٹیک لگا کر شمال کو رخ کر کے بیٹھا کرتے تھے (عالباصحی بہ کرام کے افادہ و افادہ کے لئے) حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام سے ارشاد نقل کیا کہ میری اس مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو بغیر قرعہ ڈالے وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے اور حضرت عائشہؓ نے اسی اسطوانہ کی طرف اشارہ فرمایا، اسی لئے اس کا نام اسطوانہ عائشہ ہوا یہ بھی روایت ہے کہ اس کے پاس دعا قبول ہوتی ہے، لہذا حضور علیہ السلام کے اتباع میں اس کے پاس نمازیں بھی پڑھی جائیں اور اس سے پیٹھ لگا کر بیٹھا بھی جائے۔

(۳) اسطوانہ توبہ: اسطوانہ عائشہؓ سے مشرق میں ہے نام لکھا ہوا ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور اعتکاف کرنا اور برعکس سابق اس سے پیٹھ لگا کر قبلہ رو بیٹھنا ثابت ہے، اس اسطوانہ سے حضرت ابوبہؓ نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا اور جب تک ان کی معافی

نازل نہ ہوئی اور خود حضور علیہ السلام نے ہی نہ کھولا، کم و بیش ایک ہفتہ تک بندھے رہے، خود ہی اپنے اختیار سے کھانا پینا بھی بند رکھا تھا، اسی سے اس کو اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہتے ہیں اور علماء نے لکھا ہے کہ روضہ مقدسہ پر سلام و زیارت اور دعاؤں سے فارغ ہو کر پہلے اسی اسطوانہ پر حاضر ہو کر توبہ و استغفار کرے، تاکہ حضرت ابولبابہ کی طرح توبہ قبول ہو۔

(۴) اسطوانہ سریر: اسطوانہ توبہ سے شرق میں شباک حجرہ نبوی سے ملا ہوا، اس پر بھی نام ہے، اس کے قریب بھی اعتکاف فرمایا ہے اور اس کے پاس آپ کا سریر بچھایا جاتا تھا۔

(۵) اسطوانہ علی: اس کو اسطوانہ محرس بھی کہتے ہیں اور یہی اس پر لکھا ہوا ہے، اسطوانہ سریر پر سے متصل شمال میں ہے، حضرت علیؓ اس کے پاس بیٹھے، پاسبانی فرماتے اور نمازیں پڑھتے تھے، یہ اس کھڑکی کے مقابل تھا، جس سے حضور علیہ السلام نکل کر حجرہ شریفہ سے روضہ میں تشریف لاتے تھے۔

(۶) اسطوانہ وفود: حضور علیہ السلام اس کے پاس صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھتے تھے اور وفود سے بھی یہیں ملاقات فرماتے تھے اس کے اور اسطوانہ علی کے درمیان میں جو دروازہ حضور کی آمد و رفت روضہ کا تھا، وہ اب بند ہے۔

(۷) اسطوانہ تہجد: یہ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے متصل شمال میں ہے، یہاں محراب بھی ہے، جس میں قبلہ رو کھڑا ہو تو اس سے بائیں جانب باب جبریل ہے۔

(۸) اسطوانہ مربعہ القبر: اس کو مقام جبریل علیہ السلام کہتے ہیں اب وہ حجرہ شریفہ کے احاطہ میں اندر ہو گیا ہے، اس لئے عام لوگ اس کی زیارت و برکت سے محروم ہو گئے ہیں اور صرف خواص و کبار ہی اندر جاسکتے ہیں۔

آخر میں لکھا: ”مسجد نبوی کے دوسرے تمام اسطوانات کے قریب بھی نمازیں پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ وہ مواضع حضور علیہ السلام کی نظروں میں اور صحابہ کی نمازوں سے مشرف ہو چکے ہیں (ارشاد الساری ص ۳۴۲ تا ۳۴۳ طبع مصر)

### ضروری امور کی اہم یادداشت

(۱) نقشہ مسجد نبوی میں محراب نبوی کی جگہ دی گئی ہے یہاں حضور علیہ السلام کا مصلیٰ تھا، محراب کوئی نہ تھی اور عہد خلفاء میں بھی محراب نہ تھی، بعد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے پہلی دفعہ بنائی۔ (وفاء للکسہودی ص ۲۶۳ ج ۱)

حضور علیہ السلام کا مصلیٰ پہلی بار مسجد نبوی کے شمال میں تھا جبکہ آپ نے ۱۶، ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف کو نماز پڑھائی تھی، دوسرا مصلیٰ اسطوانہ عائشہ کے پاس تھا، جہاں آپ نے تحویل قبلہ کے بعد چند روز تک نماز پڑھائی، تیسرا مصلیٰ اسطوانہ عائشہ سے متصل غرب کے جانب اسطوانہ علم مصلیٰ کے پاس ہوا جو آخر عمر تک رہا (منبر نبوی اور اس مصلیٰ و مقام نبوی کے درمیان فاصلہ ۱۴ ذراع اور ایک بالشت کا ہے (وفاء ۲۶۷ ج ۱) اس سے بھی صحیح جگہ متعین ہو سکتی ہے۔

(۲) مصحف کبیر جس صندوق میں رکھا گیا تھا اور حدیث الباب بخاری میں بھی اس کا ذکر ہے اسطوانہ علم مصلیٰ سے دائیں جانب میں تھا۔ (وفاء ۲۶۳ ج ۱)

(۳) مصلیٰ نبوی کے محاذ میں ہی آگے قبلہ کی طرف محراب عثمانی ہے اور یہ دونوں ٹھیک وسط مسجد نبوی میں نہیں ہیں، دائیں طرف فاصد زیادہ ہے البتہ حضور علیہ السلام نے جو چند روز اسطوانہ عائشہ کی طرف میں پڑھی تھی وہ روضہ نبویہ کے وسط میں تھا پھر آپ کچھ دائیں جانب اسطوانہ علم مصلیٰ کے پاس پڑھنے لگے، جس سے حضور کی مسجد کا تقریباً وسط ہو گیا تھا اور شاید زیادہ اور بالکل وسط صحیح کی طرف اسی لئے نہ

بڑھے ہوں کہ یہاں قرب محلِ محفّ شریف تھا، جس کی عظمت خاص کی وجہ سے حضور علیہ السلام اس کی تحرّی فرماتے تھے اور شاید اس لئے بھی شرقی حصّہ کی طرف میلان کرایا گیا ہو کہ روضہ جنت اور روضہ مقدسہ اور حجرات شریفہ (منازل و بیوت نبویہ بیت سیدہ طاہرہ) مقام جبریل و مواضع نزول وحی وغیرہ سب اسی بائیں جانب میں تھے اور شاید اسی لئے محراب عثمان بھی بائیں جانب رکھی گئی جبکہ غرب کی طرف توسیع ہو جانے کی وجہ سے صف کی دائیں جانب میں نمایاں طور سے جگہ زیادہ ہو گئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہم نے یہ اس لئے لکھا کہ فقہی مسئلہ ہے کہ امام کا مصلیٰ یا محراب وسط مسجد میں ہی ہونی چاہئے تاکہ امام کے دائیں اور بائیں دونوں طرف مقتدی برابر ہوں، پھر زائرین کرام مسجد نبوی میں اس کے خلاف دیکھتے تو اس کے اسباب و وجوہ کی طرف اشارہ ضروری ہو گیا۔

## باب الصلوٰۃ بین السواری فی غیر جماعۃ

(نماز دوستوں کے درمیان جب کہ تہا پڑھ رہا ہو)

۴۷۷. حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال نا جویریۃ عن نافع عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت و اسامہ بن زید و عثمان بن طلحہ و بلال فاطال ثم خرج و کنت اول الناس دخل علی الثرہ فسالت بلال لا این صلی فقال بین العمودین المقدمین.

۴۷۸. حدثنا عبداللہ بن یوسف قال انا مالک بن انس عن نافع عن عبداللہ ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ دخل الکعبۃ و اسامہ بن زید و بلال و عثمان بن طلحہ الحبشی فاغلقها علیہ و مکث فیہا و سالت بلال لا حین خرج ما منع النبی ﷺ قال جعل عمودا عن یسارہ عمودا عن یمینہ و لثلثہ اعمدۃ و رآہ و کان البیت یومئذ علی ستۃ اعمدۃ ثم صلی و قال لنا اسمعیل حدثنی مالک فقال عمودین عن یمینہ. باب: ۴۷۹. حدثنا ابراہیم ابن المنذر قال نا ابو ضمرۃ قال نا موسیٰ ابن عقبہ عن نافع ان عبداللہ کان اذا دخل الکعبۃ مشی قبل وجہہ حین یدخل و جعل الباب قبل ظہرہ فمشی حتی یکون بینہ و بین الجدار الذی قبل وجہہ قریباً من لثلثہ اذرع صلی یتوخی المکان الذی اخبرہ بلال ان النبی ﷺ صلی فیہ قال و لیس علی احدنا باس ان صلی فی ای نواحی البیت شاء.

ترجمہ ۴۷۷: حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ اور بلال بھی آپ کے ساتھ تھے، آپ دیر تک اندر رہے پھر باہر آئے اور میں پہلا شخص تھا جو آپ کے بعد داخل ہوا میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تھی انہوں نے بتایا کہ سامنے والے دوستوں کے درمیان۔

ترجمہ ۴۷۸: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور اسامہ، ابن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ بھی، پھر دروازہ بند کر دیا اور اس میں ٹھہرے رہے جب بلال باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اندر کیا کیا تھا، انہوں نے کہا کہ آپ نے ایک ستون کو تو بائیں طرف چھوڑا اور ایک کو دائیں طرف اور تین کو پیچھے اور اس زمانہ میں بیت اللہ میں چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور ہم سے استئذان لے کر کہا کہ مجھ سے مالک نے بیان کیا کہ دائیں طرف دوستوں چھوڑے تھے۔

ترجمہ ۴۷۹: حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کعبہ میں داخل ہوتے تو چند قدم آگے کی طرف بڑھتے، دروازہ پشت کی طرف ہوتا اور آپ آگے بڑھتے جب ان کے اور ان کے سامنے کی دیوار کا فاصلہ تقریباً تین ہاتھ رہ جاتا تو نماز پڑھتے اس طرح آپ اس جگہ نماز پڑھنا

چاہتے تھے جس کے متعلق حضرت بلالؓ نے آپ کو بتایا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے یہیں نماز پڑھی تھی، آپ فرماتے تھے کہ بیت اللہ میں جس جگہ بھی ہم چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

**تشریح:** یہاں حضرت ابن عمرؓ نے خود ہی وضاحت فرمادی کہ میں اس قسم کا تتبع واجب و ضروری سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ مستحب و پسندیدہ خیال کر کے کرتا ہوں اور یہی حضرت عمرؓ کی رائے بھی تھی کہ ان امور کو لازمی و واجب سمجھ کر نہ کیا جائے، باقی رہا استحباب و پسندیدگی کا درجہ اس کے خلاف جس نے کہا غلطی کی، واللہ اعلم۔

## باب الصلوة الی الراحلة والبعیر والشجر والرحل

(سواری، اونٹ، درخت اور کچاوہ کو سامنے کر کے نماز پڑھنا)

۳۸۰. حدثنا محمد بن ابی بکر المقدمی البصری قال نا معتمر بن سلیمان عن عبد اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه کان یعرض راحلته فیصلی الیہا قلت الم یأخذ الرکاب قال کان یاخذ الرحل فیعدله فیصلی الی آخرته او قال موخره وکان ابن عمر یفعله.

## باب الصلوة الی السریر

(چارپائی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۳۸۱. حدثنا عثمان بن ابی شیبہ قال نا جریر عن منصور عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت اعد لئمونا بالکلب والحمار لقد رایتنی مضطجعة علی السریر فیجئ النبی ﷺ فیتوسط السریر فیصلی فاکبره ان اسبحة فانسل من قبل رجلی السریر حتی انسل من لحافی.

ترجمہ ۳۸۰: حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری کو سامنے کر کے عرض میں کر لیتے تھے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے عبد اللہ بن عمرؓ نے نافع سے پوچھا کہ جب سواری اچھلنے کودنے لگتی تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے (آنحضور ﷺ اس وقت کیا کرتے تھے) نافع نے جواب دیا کہ آپ اس وقت کچاوے کو اپنے سامنے کر لیتے تھے اور اس کے آخری حصہ کی طرف (جس پر سوار فیک لگاتا ہے ایک کھڑی سی لکڑی) رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

ترجمہ ۳۸۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے برابر بنا دیا، حالانکہ میں چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی اور خود نبی کریم ﷺ تشریف لاتے اور چارپائی کو اپنے سامنے کر کے نماز ادا فرماتے تھے مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میرا جسم سامنے آجائے یا میں آڑے آجاؤں، اس لئے میں چارپائی کے پایوں کی طرف سے آہستہ سے نکل کر اپنے لحاف سے باہر آ جاتی تھی۔

**تشریح:** عرب میں چارپائی کھجور کی پتلی شاخوں اور ری سے بنتے تھے، یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ چارپائی کو بطور سترہ استعمال کرتے تھے، حضرت عائشہؓ چارپائی پر لیٹی ہوتی تھیں اور نبی کریم ﷺ ان کے لیٹے رہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں فرماتے تھے، امام بخاریؒ ہی کی ایک حدیث میں ہے جو چند ابواب کے بعد آئے گی کہ عورت، کتے اور گدھے کے گزرنے سے نماز نوٹ جاتی ہے، یہ حدیث کے ظاہری الفاظ ہیں اور حضرت عائشہؓ اس حدیث کے ظاہر سے پیدا شدہ غلطی کی تصحیح اپنے مخاطبوں سے فرما رہی ہیں۔

یہاں ترجمہ الباب کی رعایت سے حدیث کا ترجمہ لکھا گیا ہے، ورنہ حدیث الباب میں سترہ کی شکل نہیں بنتی کیونکہ فیتوسط کا ٹھیک ترجمہ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام تخت پر درمیان میں ہوتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی ہوتی تھیں، البتہ آگے دوسری روایت مسروق عن

عائشہ آرہی ہے، وہاں یہ ہے کہ آپ کے اوقبلہ کے درمیان تخت یا چارپائی ہوتی تھی اس لئے بہتر یہ ہوتا کہ یہ ترجمہ اس حدیث پر ہوتا یا وہ حدیث یہاں پر ہوتی، علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ یہاں ترجمہ میں اسے بمعنی علی ہے اور علامہ عینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر اس طرح حدیث الباب اور ترجمہ کی مطابقت ہو جائے گی تو ابواب سترہ سے تعلق نہ رہے گا، اس لئے حافظ کا جواب کارآمد ہوگا کہ فیتوسط کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیچے کھڑے ہو کر تخت کو درمیان میں کر لیتے تھے بطور سترہ کے۔

علامہ عینی نے کہا کہ فیتوسط کا اصل معنی یہی ہے کہ خود کو وسط سر پر کر دیا جائے اور دوسری حدیث مسروق عن عائشہ کی وجہ سے یہاں معنی بدلنا مناسب نہیں، کیونکہ دونوں عبارتوں کے معنی الگ الگ ہیں، ایک کو دوسرے کے معنی میں کرنا درست نہیں، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ واقعات دو ہوں (عمرہ ص ۲۸۲ ج ۲)

بظاہر تعداد واقعات و حالات کی بات زیادہ دل کو لگتی ہے کیونکہ مسروق والی روایت بالکل صاف ہے کہ آپ نے نیچے فرش پر نماز پڑھی ہے اور تخت آپ کے اوقبلہ کے درمیان تھا، جس پر حضرت عائشہ استراحت فرماتھیں، دوسری بعض روایات میں یہ بھی ہے حضرت عائشہ ہی فرماتی ہیں کہ میں سامنے لیٹی ہوتی تھی اور حضور نوافل تہجد میں مشغول ہوتے تھے سجدہ کے وقت حضور میرے پاؤں چھوتے تو میں متنبہ ہو کر اپنے پاؤں کی طرف لپکتی تھی تاکہ آپ اطمینان سے سجدہ فرمائیں یہ صورت تخت پر ہی نماز کی ہو سکتی ہے، اس لئے محقق عینی کی رائے اصوب معلوم ہوئی ہے اور حافظ کے مختار پر علامہ عینی کا نقد اصولی طور سے بالکل درست ہے کہ دو مختلف عبارتوں کو ایک معنی پر کیونکر محمول کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ حافظ کا مختار صحیح مان کر بھی دو حائیس تو ضروری مانتی پڑیں گی، اس لئے بھی محقق عینی کی رائے زیادہ محققانہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(نوٹ) تعداد حالات کی جو بات علامہ عینی نے یہاں لکھی ہے، اس کا اعتراف حافظ کو بھی آگے باب الطولع خلف المرأة میں کرنا پڑا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نماز کے سامنے سے گزرنے کا مسئلہ تو کتابوں میں ملتا ہے مگر یہ نہیں کہ سامنے بیٹھا ہو اور پیچھے کوئی نماز پڑھنے لگے تو کیا کرے، سامنے سے دائیں بائیں کو کھٹک جائے یا نہیں؟ تو سامنے سے کھٹک کر ہٹ جانے کا ثبوت حضرت عائشہ کے انسال (کھٹک جانے) سے ملتا ہے، صحرا میں نماز پڑھنے والے کے موضع جود یا موضع نظر کے آگے سے گزرتا درست ہے، مسجد کبیر کا حکم بھی صحرا کا ہے، چھوٹی مسجد میں سامنے کی دیوار یا ستون تک گزرتا ممنوع ہے، مسجد کبیر میرے نزدیک چالیس ذراع یا زیادہ والی ہے، حاشیہ عنایہ میں ہے کہ اگر کوئی چھت میں سے کوئی چیز لٹکا دی تو وہ بھی سترہ بن سکتی ہے، اس لئے میرے نزدیک اگر کسی کو سامنے سے گزرتا ضروری ہی ہو جائے تو اپنا رومال وغیرہ نمازی کے سامنے لٹکا کر نکل جائے امید ہے کہ گزرنے کے گناہ سے بچ جائے گا۔

ضروری فائدہ: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاری حضرت عائشہؓ کی حدیث گیارہ جگہ لائے ہیں، ان میں سے سات حدیثوں سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تخت یا چارپائی پر بستر نبویؐ پر استراحت فرماتیں اور نبی اکرم ﷺ تخت کے نیچے فرش پر نوافل ادا فرما رہے ہیں اس طرح حضرت عائشہ صبح تخت و بستر استراحت کے آپ کے اوقبلہ کے درمیان ہیں، یہ احادیث بخاری ص ۲۷۳ سودن عائشہ ص ۳۷ مسروق عن عائشہ ص ۳۷۳ سودن عائشہ ص ۳۷۳ عروہ عن عائشہ ص ۴۲ قاسم عن عائشہ ص ۱۱۳۶ ابو ہشام عن عائشہ ص ۲۲۸ پر مسروق عن عائشہ والی ہیں اور ان سب میں ایک حالت کا بیان ہے۔

باقی چار احادیث جن میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے بستر پر استراحت کرتی اور حضور شب میں اٹھ کر مشغول نوافل ہوتے تو جس وقت آپ سجدہ میں جاتے تھے تو میرے پیروں کو اشارہ دیتے، میں ان کو سکڑھیتی کہ آپ سجدہ کر لیں پھر جب اٹھ جاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی تھی، یہ دوسری حالت ہے اور یقیناً ایک ہی جگہ تخت یا فرش پر بیٹھ آئی ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تخت پر ہوتیں اور



حضورِ نچے فرش پر نماز پڑھتے ہوئے آپ کے پاؤں پر اشارہ دیتے نہ اس کی ضرورت تھی۔

یہ احادیث بخاری ص ۵۶ عبد الرحمن عن عائشہ ص ۳ عبد الرحمن عن عائشہ ص ۴ قاسم عن عائشہ اور ص ۶۱ ابوسلمہ عن عائشہ والی ہیں یہ صرف بخاری کے ہیں دوسری کتب حدیث کے مرویہ الفاظ بھی قابل ملاحظہ ہیں، واضح ہو کہ حافظ نے مسروق عن عائشہ والی حدیث کے لئے جو اشارہ کیجی، (عن قریب آنے والی) سے کیا ہے وہ غالباً ص ۳۷ والی باب استقلال الرجل الرجل والی ہے اور علامہ عینی نے کتاب الاستیذان والی مسروق عن عائشہ والی ۹۲۸ کی حدیث کا جواب دیا ہے۔

محدثانہ شان: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کیسی ضروری کام کی بات فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کے سارے طرق روایت اور سارے الفاظ و کلمات ماثورہ سامنے نہ ہوں صحیح اور چھٹا فیصلہ نہیں ہو سکتا مگر یہ در دوسری کون کرے اور کیسے کرے کہ اس کے لئے اسباب بھی مہیا نہیں ہیں، یورپ کے مستشرقین نے لاکھوں کروڑوں روپے صرف کر کے ایسی فہرٹیں تیار کر دیں کہ ایک لفظ حدیث کا یاد ہو تو فوراً معلوم کر سکتے ہیں کہ کس حدیث کی کتاب میں کس جگہ ہے، مگر وہ تیار شدہ مطبوعہ فہرٹیں بھی ہمیں میسر نہیں، لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری کام جو محدثین اسلام ہی کر سکتے ہیں باقی ہے کہ ایک ایک حدیث کے سارے طرق و متون یکجا کر دیئے جائیں، یہ کام آسان نہیں تو بہت زیادہ دشوار بھی نہیں کیونکہ عرب و اسلامی حکومتوں کے لئے حق تعالیٰ نے زرد جوہر کی نہریں بہادی ہیں اگر اس دولت کو یورپ و امریکہ کی سیر و تفریح اور ذاتی غیر معمولی تیشات پر صرف کرنے کی جگہ علوم حدیث و فقہ و کلام کی خدمت پر صرف کیا جائے تو وہ کام جو چودہ سو سال میں نہ ہو سکا، چودہ ماہ میں انجام پاسکتا ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز، وهو الموفق۔

### باب = لیرد المصلی من مربین یدیدہ ورد ابن عمر

### فی التہجد وفي الکعبۃ وقال ان ابی الا ان یقاتلہ قاتلہ

(نماز پڑھنے والا اپنے سامنے سے گزرنے والے کو روک دے حضرت ابن عمرؓ نے کعبہ میں جبکہ آپ

تہجد کے لئے بیٹھے ہوئے تھے روک دیا تھا اور کہا کہ اگر لڑائی پراتر آئے تو اس سے لڑنا بھی چاہئے)

۴۸۲. حدثنا ابو معمر قال انا عبد الوارث قال نا یونس عن حمید بن ہلال عن ابی صالح ان ابا سعید قال قال النبی ﷺ وحدثنا دم بن ابی ایاس نا سلیمان بن المغیرۃ قال نا حمید بن ہلال نا العدوی قال نا ابو صالح السمان قال رأیت ابا سعید الخدری فی یوم جمعة یصلی الی شیء یسترہ من الناس فاراد شباب من ابی معیط ان یجتازین یدیدہ فدفع ابو سعید فی صدرہ فنظر الشاب فلم یجد مساعا الا بین یدیدہ فعاد لیجتاز فدفعه ابو سعید اشد من الولی فنال من ابی سعید ثم دخل علی مروان فشکا الیہ ما لقی من ابی سعید و دخل ابو سعید خلفہ علی مروان فقال مالک ولا بن اخیمک یا ابا سعید قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا صلی احدکم الی شیء یسترہ من الناس فاراد احد ان یتجاوز بین یدیدہ فلیدفعہ فان ابی فلیقاتلہ فانما هو شیطان۔

ترجمہ: حضرت ابوصالحؒ سامان نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو جمعہ کے دن نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ کسی چیز کی طرف رخ کئے ہوئے لوگوں کے لئے اسے سترہ بنائے ہوئے تھے، ابو معیط کے خاندان کے ایک جوان نے چاہا کہ آپ کے سامنے سے ہو کر گزر جائے، ابوسعیدؓ نے اس کے سینہ پر دھکا دے کر باز رکھا چاہا جوان نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی راستہ سوائے سامنے سے

گزرنے کے نہ ملا اس لئے وہ پھر اسی طرف سے نکلنے کے لئے لوٹا، اب ابوسعیدؓ نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھکا دیا، اے ابوسعیدؓ سے شکایت ہوئی اور وہ اپنی یہ شکایت مروان کے پاس لے گیا، اس کے بعد ابوسعیدؓ بھی تشریف لے گئے، مروان نے کہا، اے ابوسعیدؓ! آپ میں اور آپ کے بھائی کے بیچ میں کیا معاملہ پیش آیا، آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا تھا کہ جب کوئی شخص نماز کسی چیز کی طرف رخ کر کے پڑھے اور اس چیز کو سترہ بار پھر بھی اگر کوئی سامنے سے (سترہ کے اندر سے گزرتا چاہے تو اسے دھکا دے دینا چاہئے، اگر پھر بھی اصرار ہو تو اس سے لڑنا چاہئے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

**تشریح:** حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر جہری نماز پڑھ رہا ہو تو ذرا اور اونچی آواز کر کے گزرنے والے کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر سری نماز ہے تو اس میں مشائخ کے مختلف اقوال ہیں، بہتر یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک آیت کو زور سے پڑھ دے تاکہ گزرنے والا متنبہ ہو جائے، حضرت ابن عمرؓ نے گزرنے والے سے لڑائی (مقال) کے متعلق جو فرمایا ہے اسے حنفیہ مبالغہ پر محمول کرتے ہیں یعنی نماز کی حالت میں گزرنے والے سے مزاحمت کی اجازت نہیں دیتے، لیکن شوافع اس کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر پھر بھی نہ مانے تو لڑنا چاہئے اس سے مقصد دل میں اس فعل کی قباحیت اور ناگواری کو راسخ کرنا ہے، نماز کی حالت میں لڑنے کا حکم نہیں ہے، گزرنے والے کو شیطان اس لئے کہا کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ وصلہ خداوندی کو قطع کرے جو شیطان کا کام ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ محدثین نے یہ بھی مراد لی ہے کہ اس گزرنے والے انسان پر شیطان سوار ہے کیونکہ شیطان عالم ارواح سے ہے، یعنی اس کے لئے بدن مثالی ہے جو اجسام میں تصرف کرتا ہے، جیسے جن مسخر کر کے انسانوں کی زبان میں بولتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان لوگوں کو نماز کے سامنے سے گزرنے کے لئے دل میں وسوسہ و ضرورتیں ڈال کر آمادہ کرتا ہے تاکہ گنہگار ہو، مزید وضاحت و تفصیل فیض الباری ص ۸۴ ج ۲ میں ہے۔

## باب اثم المآر بین یدی المصلی

(نمازی کے سامنے سے گزرنے پر گناہ)

۴۸۳. حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن ابی النضر مولیٰ عمر بن عبد الله عن یسر بن سعید

ان زید بن خالد ارسله الی ابی جهم یمسأله ماذا سمع من رسول الله ﷺ فی المآر بین یدی المصلی

فقال ابو جهم قال رسول الله ﷺ لو یعلم المآر بین یدی المصلی ماذا علیه لکان ان یقف اربعین

خیرا له من ان یمر بین یدیہ قال ابو النضر لا ادری قال اربعین یوما او شهر او سنة.

ترجمہ: حضرت بسر بن سعید نے کہا کہ زید بن خالد نے انہیں ابو جہم کی خدمت میں پوچھنے کے لئے بھیجا کہ انہوں نے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے والے کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کیا سنا ہے، یہ ابو جہمؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا! اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جانتا کہ اس کا گناہ کتنا بڑا ہے تو اس کے سامنے سے گزرنے پر چالیس تک وہیں کھڑے رہنے کو ترجیح دیتا، ابو النضر نے کہا مجھے یاد نہیں کہ راوی نے چالیس دن کہا یا مہینہ یا سال۔

**تشریح:** حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسند بزار میں چالیس سال کی روایت یقین کے ساتھ ہے اور ایک دوسری حدیث میں ایک سو سال بھی آیا ہے، زیادہ تفصیل روایات فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔

## باب استقبال الرجل الرجل وهو يصلي وكره عثمان ان يستقبل الرجل وهو يصلي وهذا اذا شغل به فاما اذا لم يشغل به فقد قال زيد ابن ثابت ما باليت ان الرجل لا يقطع صلوة الرجل

(نماز پڑھتے میں ایک مصلی کا دوسرے شخص کی طرف رخ کرنا، حضرت عثمانؓ نے نماز پڑھنے والے کی طرف رخ کرنے کو ناپسند فرمایا اور یہ جب ہے کہ نماز کی توجہ سامنے والے کی طرف ہو جائے لیکن اگر اس کی طرف کوئی توجہ نہ ہو تو زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، ایک شخص دوسرے کی نماز کو نہیں توڑ سکتا)

۳۸۴. حدثنا اسمعيل بن خليل قال انا على بن مسهر عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن عائشة ان ذكر عندها ما يقطع الصلوة فقالوا يقطعها الكلب والحصار والمرأة فقالت لقد جعلتمونا كلا بالنقد رايته النبي ﷺ يصلي والى لبينه وبين القبلة والنا مضطجعة على السرير فتكون لى الحاجة واكره ان استقبله فالنسل السك لا و عن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة نحوه.

ترجمہ: حضرت عائشہ کے سامنے تذکرہ چلا کہ نماز کو کیا چیزیں توڑ دیتی ہیں، لوگوں نے کہا کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے ہمیں کتوں کے برابر بنادیا، حالانکہ میں جانتی ہوں نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے میں آپ کے اور آپ کے قبلہ کے درمیان (سامنے چار پائی پر لیٹی ہوتی تھی مجھے ضرورت پیش آتی تھی اور یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ خود کو آپ کے سامنے پیش کر دوں اس لئے میں آہستہ سے نکل آتی تھی، اعمش نے ابراہیم سے بھی انہوں نے اسود سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اسی طرح حدیث بیان کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کی رائے چونکہ یہ ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کر سکتی، اس لئے یہاں احتیال کی قید ذکر کی، مگر حنفیہ کے نزدیک قید نہیں ہے، یعنی نماز کے سامنے اگر کوئی شخص اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے یا کھڑا ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور یہاں حضرت عائشہؓ بھی صراحت کے ساتھ فرماتی ہیں کہ مجھے استقبال ناپسند ہوا (حالانکہ حضور علیہ السلام کے لئے احتیال کا احتمال بہ نسبت دوسروں کے تقریباً معدوم تھا اور فتح الباری ص ۳۹۲ ج ۱ میں غزنوی فی الصلوۃ پر لکھا کہ حضور علیہ السلام کا احتیال بہا آپ کے حق میں، مومن تھا، معلوم ہوا کہ احتیال کی قید ضروری نہیں ہے) امام بخاریؒ اپنے مذکورہ خیال کو اور زیادہ مضبوطی سے مستقل باب قائم کر کے بھی پیش کریں گے اور کہیں بھی وہ احادیث ذکر نہیں کریں گے جو قطع صلوۃ سے متعلق وارد ہیں، ان کے بارے میں تفصیلی بحث اسی باب میں ذکر ہوگی، ان شاء اللہ

محقق عینی نے لکھا: - صاحب توضیح نے فرمایا کہ انما هذا الخ امام بخاری کا کلام ہے، جس سے انہوں نے اپنا مذہب ظاہر کیا ہے (یعنی حضرت عثمانؓ سے یہ تفصیل وارد نہیں ہے جو امام بخاریؒ نے خود کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ اس صورت کو مطلقاً ناپسند کرتے تھے، امام بخاریؒ کی طرح ان کے نزدیک قید و تفصیل نہ تھی) پھر علامہ عینی نے حضرت عمرؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت ابن مسعودؓ و امام مالکؓ سے بھی مطلقاً کراہت کو ذکر کیا اور لکھا کہ اکثر علماء کراہت استقبال کے ہی قائل ہیں (عمدہ ص ۳۹۱ ج ۲)

حافظ نے لکھا: - میں نے مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کا اثر تو دیکھا کہ وہ اس صورت استقبال پر زجر و تنبیہ فرمایا کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کا اثر مجھے نہیں ملا، بلکہ حضرت عثمانؓ سے ایک قول عدم کراہت کا ملا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اصل میں حضرت عمرؓ کی جگہ (غلطی سے) حضرت عثمانؓ ہو گیا ہو۔ (فتح الباری ص ۳۹۱ ج ۱)

## باب الصلوة خلف النائم

(سوئے ہوئے شخص کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا)

۴۸۵. حدثنا مسدد قال نا يحيى قال نا هشام قال حدثني ابي عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يصلي وانا اقلدة معتزة على فراشه فاذا اراد ان يوتر ايقظني فاوترت.

ترجمہ ۴۸۵: حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں سامنے اپنے بستر پر سوئی رہتی، جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگا دیتے اور میں بھی وتر پڑھ لیتی تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سونے والے کے سامنے نماز بھی عندنا مکروہ ہے، ممکن ہے وہ کچھ حرکتیں سوتے میں یا اٹھ کر کرنے لگے جس سے نمازی کا خشوع و خضوع خراب ہو، البتہ اس سے اسن ہو تو حرج نہیں اور غالباً یہاں بھی اسن ہی ہوگا، لہذا کراہت نہ ہوئی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صلوٰۃ اللیل اور نماز وتر میں فرق کرتی تھیں، بخلاف حضرت ابن عمرؓ کے کہ وہ سب کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں اور حدیث سے وروں کا تا کہ بھی صلوٰۃ اللیل سے زیادہ ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ کو وتر کے لئے اٹھایا، تبھ کیلئے نہیں، لہذا حنفیہ کا وتر کے لئے قائل و جوب و تاکہ ہونا درست ہے۔

## باب التطوع خلف المرأة

(نفل نماز عورت کے سامنے ہوتے ہوئے پڑھنا)

۴۸۶. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالك عن ابي النضر مولى عمر بن عبيد الله عن ابي سلمة بن عبد الرحمن عن عائشة زوج النبي ﷺ انها قالت كنت انام بين يدي رسول الله ﷺ ورجلاي في قبليته فاذا سجد عمنزني فقبضت رجلي فاذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح.

ترجمہ ۴۸۶: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوئی تھی، میرے پاؤں آپ کے سامنے (پھیلے ہوئے) ہوتے تھے پس جب آپ سجدہ کرتے تو پاؤں کو جھکے سے دبا دیتے اور میں انہیں سیکڑ لیتی پھر جب قیام فرماتے تو میں انہیں پھیلا لیتی تھی اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ نہیں تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا: - علامہ کرمائی نے اعتراض نقل کیا کہ لفظ ترجمۃ الباب تو چاہتا ہے کہ عورت کی پیچھے نمازی کی طرف ہو، مگر لفظ حدیث عام ہے پھر جواب دیا کہ سنت سونے کے لئے قبلہ کا رخ ہے اور حضرت عائشہؓ بھی غالباً اسی پر عمل فرماتی ہوں گی، لہذا ترجمہ ثابت ہوا اس پر حافظ نے لکھا کہ اس جواب میں تکلف ہے کیونکہ سنت تو ابتداء نوم کی ہے، دوام کی نہیں اور سونے میں آدمی بلا شعور و احساس کے کروٹ بدل لیتا ہے اس لئے میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ ترجمہ میں خلف المرأة ہے، خلف ظہر المرأة نہیں ہے، لہذا عورت کا سامنے ہونا کافی ہے خواہ وہ کسی حالت سے بھی لیٹی یا سوئی ہوئی ہو۔ (فتح ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فاذا سجد غزنی کی تاویل شافعیہ یہ کرتے ہیں کہ وہ غز پکڑے کے اوپر تھا، بلا حائل کے نہ تھا، اس لئے باقبض وضوء و مظل صلوٰۃ نہ ہوا، حنفیہ جو کہتے ہیں کہ عورت کا بدن چھونے سے وضو ختم نہیں ہوتا (اگر بلا شہوت ہو) وہ اسی حدیث الباب کو پیش کرتے ہیں، کیونکہ حائل کی قید موجود نہیں ہے اور روایت نسائی کے الفاظ سے صراحت بھی مل جاتی ہے کہ وہاں حائل نہیں تھا، (مؤلف عرض کرتا ہے کہ اسی لئے امام نسائی نے باب "ترك الوضوء من مس الرجل امرأة من غير شهوة" قائم کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے

متحد روایات درج کی ہیں، ملاحظہ ہونائی ص ۳۸ ج ۱)

## باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیء

(جس نے یہ کہا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی)

۳۸۷. حدثنا عمر بن حفص بن غیاث ثنا ابی قال نا الاعمش قال نا ابراهیم عن الاسود عن عائشة ح قال الاعمش وحدثنی مسلم عن مسروق عن عائشة ذکر عندها ما یقطع الصلوۃ الکلب والحمار والمرأة فقالت شبهتمونا بالحمیر والکلاب واللہ لقد رأیت النبی ﷺ یصلی وانی علی السریر بینہ و بین القبلة مضطجعة فتبدولی الحاجة فاکره ان اجلس واودى النبی ﷺ فالتسل عن عند رجلہ.

۳۸۸. حدثنا اسحق بن ابراهیم قال انا یعقوب بن ابراهیم قال نا ابن اخی ابن شہاب انه سال عمہ عن الصلوۃ یقطعها شیء قال لا یقطعها شیء اخبرنی عروة بن الزبیر ان عائشة زوج النبی ﷺ قالت لقد کان رسول اللہ ﷺ یقوم فیصلی من اللیل وانی لمعتضة بینہ و بین القبلة علی فراش اہلہ.

ترجمہ ۳۸۷: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے ان چیزوں کا ذکر چلا جو نماز کو توڑ دیتی ہیں یعنی کتا، گدھا اور عورت اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں گدھوں اور کتوں کی طرح بنا دیا حالانکہ خود نبی کریم ﷺ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں چار پائی پر آپ کے اور قبلہ کے درمیان (سامنے) لیٹی رہتی تھی مجھے کوئی ضرورت پیش آتی اور چونکہ یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ کے سامنے (جب کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوں) بیٹھوں اس طرح آپ کو تکلیف ہو، اس لئے میں پاؤں کی طرف سے خاموشی کے ساتھ نکل جاتی تھی۔

ترجمہ ۳۸۸: ابن شہاب نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے چچا سے پوچھا کیا نماز کو کوئی چیز توڑتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں اسے کوئی چیز نہیں توڑتی، مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے گھر کے بستر پر لیٹی رہتی تھی۔

تشریح: امام بخاری اس حدیث کا جواب دینا چاہتے ہیں جس میں ہے کہ کتے، گدھے اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہیں، یہ بھی صحیح حدیث ہے لیکن اس سے مقصد یہ بتانا تھا کہ ان کے سامنے سے گزرنے سے نماز کے خشوع و خضوع میں فرق پڑتا ہے، یہ مقصد نہیں تھا کہ واقعی ان کا سامنے سے گزرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: امام بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ دوسرے کے کسی عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی، مثلاً کوئی سامنے سے گزر جائے یا کوئی حرکت منافی صلوٰۃ کرے تو اس نماز کی کا کوئی نقصان نہیں، یہ مقصد نہیں کہ خود نمازی بھی کوئی حرکت منافی صلوٰۃ کرے تو اس سے بھی نماز قطع نہ ہوگی حضرت نے فرمایا کہ حضرت عائشہ کے ارشاد ”والی علی السریر“ کو امام بخاری نے مرور کی جس سے قرار دیا اور جب اس نوع مرور سے بھی نماز قطع نہ ہوئی تو فیصلہ کر دیا کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کر سکتی اور یہ امام بخاری کی خاص عادت ہے کہ جب کسی ایک جانب رائے قائم کر لیتے ہیں تو دوسری جانب کو بالکل گردا دیتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے قطع نہ کرنے والی احادیث کو بہت جمع کر دی ہیں اور جگہ جگہ لائے ہیں، مگر قطع کرنے والی ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، سب کو اڑا دیا ہے حالانکہ اصحاب صحیح ستہ میں سے (۱) امام مسلم نے حضرت ابو ذرؓ سے مرفوع حدیث نقل کی نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا قطع کر دیتے ہیں، (۲) نسائی میں بھی حضرت ابو ذرؓ کی یہ حدیث مروری ہے (نسائی ص ۱۲۲ ج ۱ باب ذکر ما یقطع الصلوۃ و ما لا یقطع) (۳) ابو داؤد میں بھی ہے کہ حمار، عورت اور کلب نماز قطع کر دیتے ہیں،

(۳) ترمذی میں بھی باب ماجائز انه لا یقطع الصلوۃ الا الکلب و الحمار و المرأة ہے، (۵) ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز کو کلب اسود اور حائض عورت قطع کر دیتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یقطع الصلوۃ المرأة و الکلب و الحمار مرفوعاً مروی ہے اور عبدالقدیر بن مفضلؒ سے بھی ایسی ہی روایت مرفوعاً ہے، اور ان صحاح کے علاوہ بھی سارے محدثین کبار روایت کرتے ہیں، پھر کوئی ایک روایت بھی اس کے برخلاف ایسی کہیں نہیں کہ یہ تینوں نماز نہیں قطع کرتے، ایسی صورت میں اپنے خیال کے خلاف ساری حدیثوں کا ذکر بھی حذف کر دینا یہ امام بخاری ہی ایسے بڑے کر سکتے ہیں، چھوٹوں کی کیا مجال ہے؟! حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ ایسے ہی مواقع پر میں کہہ کرتا ہوں کہ امام بخاریؒ ”فاعل مختار“ ہیں اور جس فاعل مختار کے متعلق معقولی مختلف ہیں وہ یہاں موجود ہے کہ بخاری جس حدیث کو چاہیں چھوڑ دیتے ہیں، ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دیں سچ یہ ہے کہ خدا کسی کو چھوٹا نہ کرے، ہم چھوٹے ہیں اس لئے مجبور ہیں، اور امام بخاری جیسے جو چاہیں کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ ایسے مواقع میں مختلف طریقوں پر کچھ جملے فرما دیا کرتے تھے، کبھی مزاح فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری بہت بڑے اور جلیل القدر محدث ہیں اور بڑے کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ مارے اور رونے نہ دے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فقہی نظریے تو قطعاً ہم بھی نہیں، نئے، مگر یہ کہ کسی قسم کا نقصان نہیں آتا، اس کے ہم قائل نہیں اور قطع و وصل کی بات پہلے گزر چکی ہے، علامہ یعنی نے لکھا کہ ابو نعیم نے کتاب الصلوۃ میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر نماز کو معلوم ہو کہ اس کی نماز میں کتنا نقصان آجاتا ہے تو وہ کبھی بلا سترہ کے نماز نہ پڑھے اور محدث ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا کہ نماز کے سامنے سے گزرنا نماز کی آدمی نماز کو قطع کر دیتا ہے (عمدہ ۴۸۶ ج ۲) یہ دونوں اثر موقوف ہیں مگر بحکم مرفوع، کیونکہ ایسی بات کوئی صحابی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم

### گزرنے کا گناہ کس پر ہے؟

علامہ ابن رشدؒ نے لکھا:۔ اس امر پر جمہور کا اتفاق ہے کہ نماز کے سامنے سے گزرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس پر وعید ہے اور تمام کتب شافعیہ میں ضروری حرمت مصرح ہے اور کتب حنفیہ و مالکیہ میں بھی گزرنے والے کے گناہ گار ہونے کی تصریح ہے، لیکن اس کی چار صورتیں ہیں (۱) نماز سترہ کی طرف نماز پڑھے اور گزرنے والا سترہ کے اندر سے گزرنے پر مجبور نہ ہو، پھر بھی گزرے تو صرف وہ گناہ گار ہوگا (۲) کسی گزرگاہ پر بلا سترہ کے نماز پڑھے اور گزرنے والا سامنے سے جانے پر مجبور ہو تو صرف نماز گناہ گار ہوگا (۳) کسی گزرگاہ کے سامنے بلا سترہ کے نماز پڑھے لیکن گزرنے والا سامنے سے گزرنے پر مجبور نہ ہو، پھر بھی گزرے تو دونوں گناہ گار ہوں گے (۴) سترہ کے سامنے نماز پڑھے، لیکن گزرنے والا سترہ کے اندر سے گزرنے پر مجبور ہو تو دونوں گناہ گار نہ ہوں گے، حاشیہ زیلعی علی الکفر میں اسی طرح ہے، شامی میں کچھ فرق ہے۔ (ادب ج ۹۹ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں حفص بن غیاثؓ بھی ہیں جو امام اعظمؒ کے اصحاب کبار اور مستفیدین ام ابو یوسفؒ میں سے ہیں، امام طحاویؒ ناقل ہیں کہ ام صاحب نے بارہ آدمیوں کے لئے کہا تھا کہ یہ قاضی بننے کے لائق ہیں، چنانچہ سب قاضی ہوئے اور یہ بھی ان میں سے ہیں، بہت بڑے عالم اور قاضی ہوئے ہیں (ان کا شمار کا متروکین فقہ میں بھی ہے اور مقدمہ انوار ابی ص ۲۵۵ ج ۱ میں بھی ان کا ذکر ہے، ان کے صاحبزادے عمر بن حفصؒ بھی بڑے محدث تھے، جن سے امام بخاریؒ نے یہاں روایت لی ہے، اپنے والد ماجد سے حدیث پڑھی تھی۔

قولہ من عند رجلہ: حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد کہ ”میں آپ کے پاؤں کی طرف سے خاموشی سے نکل جاتی تھی“ اس سے بظاہر مراد متعین ہے کہ وہ تخت یا چار پائی کی پائنتی کی جانب سے اتر کر چلی جاتی تھیں، لہذا یہاں من کو ابتداً یہ قرار دے کر سر پر کے سر ہانے کی جانب سے نکل جانے کی بات ہماری ناقص رائے میں نہ آسکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلوة

(نماز میں اگر کوئی اپنی گردن پر کسی چھوٹی بچی کو اٹھالے)

۳۸۹. حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن عمر بن سليم الزرقی عن ابي قتادة الانصاری ان رسول الله ﷺ كان يصلي وهو حامل امامة بنت زينب بنت رسول الله ﷺ ولابي العاص بن ربيعة بن عبد شمس فاذا سجد وضعها واذا قام حملها.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے وقت اٹھائے رکھتے تھے، ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی حدیث میں ہے کہ جب وہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔  
تشریح: امامہ بنت زینب خود آنحضور ﷺ کے اوپر چڑھ جاتی تھیں اور جب آنحضور ﷺ سجدہ میں جاتے تو صرف اشارہ کر دیتے اور آپ چونکہ باشعور تھیں اس لئے اشارہ پاتے ہی اتر جاتی تھیں، راوی نے اسی کو "صلی" (وہ حامل لہا) سے تعبیر کیا ہے اور یہ عمل قلیل ہے جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، آنحضور ﷺ نے یہ عمل بھی صرف امت کی تعلیم کے لئے کیا تھا، عمل کے ذریعہ کسی بات کی تعلیم فطرت کو اپیل کرتی ہے اور جس طرح بچے زندگی کے طور طریقے ماں باپ کے عمل سے سیکھتے ہیں، امت بھی اپنے نبی کے عمل سے دین کے طور و طریقہ سیکھتی ہے۔  
علامہ ابن بطال نے کہا کہ امام بخاری نے یہ ثابت کیا کہ جب ایک بچی کے نماز کی حالت میں اترنے چڑھنے سے نماز میں کوئی خلل نہ آیا تو عورت کے سامنے سے گزرنے کا بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ تو اس سے کم درجہ کی چیز ہے (فتح ۳۹۳ ج ۱) لیکن اس میں بچی کا ذکر ہے، بڑی کے لئے قیاس کیونکر درست ہوگا؟

## باب اذا صلى الى فراش فيه حائض

(ایسے بستر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جس پر حائضہ عورت ہو)

۳۹۰. حدثنا عمرو بن زارة قال نا هشيم عن الشيباني عن عبد الله بن شداد بن الهاد قال اخبرني ميمونة بنت الحارث قالت كان فراشي حياض مصلی النبی ﷺ فر بما وقع ثوبه علی وانا علی فراشی.

۳۹۱. حدثنا ابو النعمان قال نا عبد الواحد بن زیاد قال نا الشيباني سليمان قال نا عبد الله بن شداد بن الهاد قال سمعت ميمونة تقول كان النبی ﷺ يصلي وانا الى جنبه نائمة فاذا سجد اصابعي ثوبه وانا حائض.

ترجمہ ۳۹۰: حضرت عبد اللہ بن شداد بن ہاد نے کہا کہ مجھے میری خالہ میمونہ بنت الحارث نے خبر دی کہ میرا بستر نبی کریم ﷺ کے برابر میں ہوتا تھا اور اکثر آپ کا کپڑا (نماز پڑھتے میں) میرے اوپر آ جاتا تھا، میں اپنے بستر پر رہی ہوتی تھی۔  
ترجمہ ۳۹۱: حضرت میمونہ غرقانی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے ہوئے اور میں آپ کے برابر میں سوتی رہتی، جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ کا کپڑا مجھے چھو جاتا، حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح: علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ یہ حدیث اور سابقہ احادیث سے بھی صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ عورت سامنے ہو یا برابر وغیرہ تو قاطع نہیں، مگر اس کا سامنے سے گزرنے کو کسی سے بھی ثابت نہیں ہوتا حالانکہ امام بخاری کا مقصد مرد کا غیر قاطع صلوٰۃ ہونا ہے، حافظ نے لکھا کہ سامنے ہونے کی احادیث تو پہلے گزر چکیں، یہاں تو امام بخاری عورت کے برابر میں ہونے کی صورت میں نماز کی صحت کا مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں (فتح ص ۳۹۵ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ محاذۃ کا مشہور اختلافی مسئلہ سامنے لانا ہے، جس سے حافظ نے بھی دلچسپی لی ہے اور وہ حنفیہ کے اس مسئلہ پر بہت معترض بھی ہیں، اس کی پوری بحث تو اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ، یہاں اتنا عرض کرنا ہے کہ ان دونوں حدیث سے یہ ثابت نہیں

ہوتا کہ حضرت میمونہ نماز پڑھ رہی تھیں یا آپ کے ساتھ شریک نماز تھیں اور حنفیہ صرف اس صورت میں فسادِ صلوٰۃ کا حکم بتلاتے ہیں کہ عورت و مرد دونوں کسی ایک نماز میں کسی امام کے مقتدی ہوں اور دونوں مل کر کھڑے ہوں تو اگر امام نے عورت کی بھی نیت امامت کی ہے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی کہ وہ خلافِ حکمِ شرع اس کے ساتھ غلط جگہ کھڑا ہو گیا کیونکہ نماز جماعت میں اس کا مقام آگے اور عورت کا پیچھے ہے اور نیت نہیں کی تو عورت کی فاسد ہوگی کہ وہ شریک جماعت ہی نہیں بنی اور مرد کی نماز جماعت والی ہے، دونوں کی نمازیں الگ ہو گئیں اس لئے مرد کی درست ہو جائے گی، بقول علامہ یعنی چونکہ دوسرے ائمہ حنفیہ کی اس وقت نظر کو نہ پاسکے، اس لئے مخالفت کی ہے، واللہ الموفق

حنفیہ کے نزدیک عورتوں کے لئے نیت امامت بھی اسی لئے ضروری ہے کہ جہاں امام کو اطمینان ہوگا کہ عورتوں کے لئے پیچھے الگ کھڑے ہونے کا انتظام ہے وہاں وہ نیت کرے گا اور جہاں ایسا نہ ہو سکے وہ نہیں کرے گا تا کہ عورتیں مردوں میں مل کر جماعت میں شریک ہوں تو مردوں کی نماز فاسد نہ کریں یہ تو اختلافِ فسادِ صلوٰۃ کا ہے، باقی عورتوں کے مردوں کے ساتھ پہلو پہ پہلو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا موجبِ کراہت سب کے نزدیک ہے کہ یہ خشوع و خضوعِ صلوٰۃ میں خلل تو یقیناً ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آج کل حرمین شریفین میں بہتر انتظام عورتوں کے لئے الگ نماز پڑھنے کا مسجد نبوی میں ہے، اگرچہ وہاں بھی سب مردوں کی صفوں سے پیچھے نہیں ہے تاہم اختلاف کی نوبت نہیں آتی، مسجد حرام مکہ معظمہ میں انتظام بہتر نہیں ہے، خصوصاً حج کے ایام میں بوجہ اجتماع کثیر و عظیم عورتوں کی صفیں آگے اور مردوں کی پیچھے بھی ہو جاتی ہیں اور اوپر کے درجوں میں بھی دیکھا کہ مصری عورتیں مردوں کے آگے یا برابر کھڑی ہو جاتی ہیں اور ان کو رد کا جاتا ہے تو ناراض ہو جاتی ہیں، شاید اس لئے کہ مذہبِ شافعی وغیرہ میں عورت و مرد برابر کھڑے ہو کر نماز جماعت پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے اس بارے میں حنفیہ کا مسلک نماز بھی اہم عبادت کے لئے سب سے بہتر و احوط ہے ورنہ ظاہر کہ نماز کا سکون، خشوع و خضوع اور دل جمعی وغیرہ جو نماز کے لئے نہایت ضروری ہیں صنفِ نازک کے پہلو میں کہاں میسر ہو سکتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں ایک راوی عبدالواحد بن زیاد ہیں یہ بھی امامِ اعظمؒ سے تلمذ و استفادہ کا علاقہ رکھتے تھے، دارقطنی میں ہے کہ انہوں نے امام صاحب سے تصدیق مالِ غبیثہ کے بارے میں سوال کیا اور یہ کہ اس کا جواز انہوں نے کہاں سے اخذ کیا تو فرمایا کہ حدیثِ عامم بن کلیب سے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو ایک جگہ کھانے کی دعوت دی گئی اور کھانے میں بکری کا گوشت تھا جو بغیر اجازت مالک کے ذبح کی گئی تھی تو آپ نے حکم دیا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دیا جائے (اس بارے میں متعدد احادیث اور سوال مذکور دارقطنی ص ۲۸۶ ج ۴ طبع قاہرہ ۱۹۶۶ء میں ہے)

## باب هل یغمر الرجل امرأته عند السجود لکی یسجد

(کیا سجدہ کے لئے جگہ کرنے کو مرد اپنی بیوی کو چھو سکتا ہے)

۴۹۲. حدثنا عمرو بن علی قال نا یحییٰ قال نا عبید اللہ قال نا القاسم عن عائشة قالت بنسما

عدلتمونا بالکلب والحمار لقد رايتنی و رسول اللہ ﷺ یصلی وانا مضطجعة بینہ و بین القبلة فاذا

اراد ان یسجد غمز رجلی فقبضتهما.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا، ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر بنا کر تم نے برا کیا، خود نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے میں آپ کے سامنے لیٹی ہوئی تھی جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو چھو دیتے تھے اور میں انہیں سکیڑ لیتی تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ممکن ہے امام بخاری نے اس سے مسِ مرأۃ کے غیر ناقض وضو ہونے کا اشارہ کیا ہو جو حنفیہ کی تائید ہے، مقصد یہاں بھی عورت کے غیر قاطعِ صلوٰۃ ہونے کا اثبات ہے۔



## باب المرأة تطرح عن المصلي شيئاً من الاذى

(عورت جو نماز پڑھنے والے سے گندگی کو ہٹا دے)

۴۹۳. حدثنا احمد بن اسحاق اسور ماری قال نا عبيد الله بن موسى قال نا اسرائيل عن ابي اسحاق عن عمرو بن ميمون عن عبد الله قال بينما رسول الله ﷺ قائم يصلي عند الكعبة وجمع قریش في مجالسهم اذ قال قائل منهم الا تنظرون الى هذا المرأة الي ايكم يقوم الي جزور ال فلان فيبعد الي فرشها ودمها وسلاها فلجى به ثم يممه حتى اذا سجد وضعه بين كتفيه فانبعث اشقاها فلما سجد رسول الله وضعه بين كتفيه وثبت النبي ﷺ ساجدا فضحكوا حتى مال بعضهم على بعض من الضحك فانطلق منطلق الي فاطمة وهي جويرية فاقلت تسعي وثبت النبي ﷺ ساجدا حتى القته عنه واقبلت عليهم تسبهم فلما قضى رسول الله ﷺ الصلوة قال اللهم عليك بقریش اللهم عليك بقریش اللهم عليك بقریش ثم سمي اللهم عليك بعمر و بن هشام و عتبة بن ربيعة و شيبة بن ربيعة والوليد بن عتبة وامية بن خلف وعقبة بن ابي معيط و عمارة بن وليد قال عبد الله فولله لقد رأيتهم صرعى يوم بدر ثم سحوا الى القلب قلب بدر ثم قال رسول الله ﷺ و اتبع اصحاب القلب لعنة .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، قریش اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک قریشی بولا اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ کیا کوئی ہے جو بنی فلاں کے ذبح کئے ہوئے اونٹ تک جانے کے لئے تیار ہو اور وہاں سے گوبر و خون سے بھری ہوئی اوجھاٹھالائے پھر یہاں انتظار کرے، جب یہ (آنحضور ﷺ) سجدہ میں جائیں تو گردن پر رکھ دے (اس کام کو انجام دینے کے لئے) ان میں کاسب سے زیادہ بد بخت شخص اٹھا اور رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گئے تو اس نے آپ کی گردن مبارک پر یہ غلاطیں ڈال دیں، ان کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سجدہ ہی کی حالت میں سر کو کئے رہے، مشرکین (یہ دیکھ کر) منے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر لوٹنے پوٹنے لگے، ایک شخص (عائبا بن مسعودؓ) حضرت فاطمہؓ کے پاس آیا آپ ابھی بچی تھیں، آپ دوڑتی ہوئی تشریف لائیں حضور اکرم ﷺ اب بھی سجدہ ہی میں تھے پھر ان غلاطیوں کو آپ کے اوپر سے ہٹایا اور مشرکین کو مخاطب کر کے انہیں برا بھلا کہا، پھر جب آنحضور ﷺ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا ”خدا یا قریش پر عذاب نازل کر، خدا یا قریش پر عذاب نازل کر، خدا یا قریش پر عذاب نازل کر“ پھر نام لے کر کہا، خدا یا عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عتبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو ہلاک کر دے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، خدا گواہ ہے میں نے ان سب کو بدر کی لڑائی میں خاک و خون میں پایا، پھر انہیں گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کنوئیں والے خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ دمیاطیؒ نے لکھا کہ یہ حضور علیہ السلام کی کفار کے حق میں سب سے پہلی بددعا تھی جو قبول ہدایت سے قطعاً مایوسی کے بعد فرمائی ہوگی، حافظؒ نے لکھا کہ عمارہ بن الولید کو یہاں قلب بدر والوں میں شمار کرنا وجہ اشکال بنا ہے، کیونکہ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ اس کی موت حبشہ میں ہوئی تھی، جبکہ نجاشیؒ نے اس کی غلط روش پر تنبیہ کرنے کے لئے ایک جادوگر سے اس پر سحر کرایا، جس سے وہ وحشی بہائم کی طرح ہو گیا تھا اور اسی حالت میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مرا ہے، جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ان اشارات قریش میں سے اکثر کو قلب بدر میں دیکھا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
**کتاب مواقیت الصلوٰۃ**  
 (نماز کے اوقات کا بیان)

**باب مواقيت الصلوة وفضلها وقوله تعالى ان الصلوة**

كانت على المؤمنين كتباً موقوتاً وقته عليهم.

(نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ بے شک مسلمانوں پر نماز اوقات کے ساتھ فرض کی گئی ہے یعنی اس کا وقت ان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے)

٣٩٢. حدثنا عبد الله بن مسleme قال قرات على مالك عن ابن شهاب ان عمر بن عبد العزيز اخر الصلوة يوما فدخل عليه عروة بن الزبير فاخبره ان المغيرة عن شعبة اخر الصلوة يوما وهو بالعراق فدخل عليه ابو مسعود الانصاري فقال ما هذا يا مغيرة اليس قد علمت ان جبريل عليه السلام نزل فصلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم قال بهذا امرت فقال عمر بعروة اعلم ما تحدث به و ان جبريل هو اقام لرسول الله ﷺ وقت الصلوة قال عروة كذلك كان بشير بن ابي مسعود يحدث عن ابيه قال عروة ولقد حدثني عائشة ان رسول الله ﷺ كان يصلي العصر والشمس في حجرتها قبل ان تظهر.

[illegible]

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قصہ اور اس کے ضمن میں حدیث امامت جبریل علیہ

السلام کا بیان ہوا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک روز نماز میں تاخیر ہوگئی تھی، یہاں اگرچہ نماز کی تعیین نہیں ہے، کہ کون سی تھی مگر بخاری باب بدء الخلق (ص ۴۵۷) میں نماز عصر کی تعیین ہے اور بخاری ص ۵۷۱ میں بھی اسی حدیث کا ایک کلمہ ہے جس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عروہ ابن زبیرؓ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو ان کی امارت کے زمانہ میں حضرت مغیرہ کی تاخیر عصر کا واقعہ سنایا تھا، لہذا فیض الباری ص ۸۸ ج ۲ میں ”ولم یکن اذا ذاک امیر المومنین“ سبقت قلم ہے، ابو داؤد میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر بیٹھے تھے اور عصر کی نماز میں تاخیر کر دی تھی تب حضرت عروہ نے اعتراض کیا (بذل ص ۳۲۸ ج ۱) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ امارت کا قصہ ہے، نیز دور بنی امیہ میں چونکہ نمازوں کی تاخیر عام طور سے امراء کرنے لگے تھے، اس لئے بھی حضرت عروہ نے معمولی تاخیر کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے لئے ناپسند کیا ہوگا پھر اس پر بھی بحث ہوئی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے حضرت عروہ کو یہ کیوں فرمایا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، سوچ کچھ کہہ دو تو بذل وغیرہ میں کئی جواب ہیں، بہتر یہ ہے کہ حدیث رسول اکرم ﷺ کو بے سند کے بیان نہ کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی تنبیہ پر حضرت عروہ نے پھر اس کی سند پیش کی کہ اسی طرح بشیر بن ابی مسعود اپنے والد ماجد سے روایت کیا کرتے تھے، باقی دوسری توجیہات مرجوع معلوم ہوتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اس حدیث امامت جبریل علیہ السلام سے واقف ہی نہ تھے یا اس وقت بھول گئے تھے، یا امامت جبریل کو حضور علیہ السلام کی شان کے مناسبت نہ جانتے تھے، وغیرہ۔

۱۔ حضرت ملا علی قاری کا فرد: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے حضرات اکابر میں سے ملا علی قاری خلی کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ امامت جبریل کی کوئی حقیقت واقعی نہ تھی بلکہ وہ نسبت مجزی ہے کیونکہ حضرت جبریل اشہر سے بتاتے ہوں گے اور حضور اس کے مطابق صحابہ کرام کو دونوں دن نماز پڑھاتے رہے ہوں گے، گویا امام نماز حضرت جبریل نہ ہوتے تھے، کما اقل فی الاود جز ص ۳۱ وغیرہ، معلوم نہیں ملا علی قاری نے اس میں کوئی استبعاد سمجھا یا اور کسی وجہ سے امامت جبریل سے انکار کیا، بہر حال جس وجہ سے بھی ہو، یہ ان کا فرد معلوم ہوتا ہے، والحق الحق ان بقال کیونکہ نہائی میں امامت جبریل کا قیسی ذکر وہ جلد ہے پہلے آخر وقت ظہر کے بیان میں ص ۸۷ ج ۱ پر حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جو دوسری کتب ابو داؤد وغیرہ میں بھی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے، اس کے بعد بیان آخر وقت عصر میں ص ۸۹ ج ۱ پر حضرت جابرؓ کی روایت لائے ہیں، جس میں تفصیل زیادہ ہے، اور اس کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی دیا ہے، ملاحظہ ہو فیض الباری ص ۹۹ ج ۲، اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس مواقیت صوۃ سکھانے کے واسطے تشریف لائے، پھر وہ آگے بڑھے اور رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے صف بستہ ہوئے اور ظہر کی نماز زوال پر پڑھائی، پھر حضرت جبریل سایہ شمس خض ہوا جانے پر تشریف لائے اور پہلے کی طرح کیا کہ حضرت جبریل خود آگے ہوئے اور حضور علیہ السلام آپ کے پیچھے اور آپ کے پیچھے صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز عصر پڑھی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام غروب شمس پر تشریف لائے اور آگے بڑھے حضور علیہ السلام ان کے پیچھے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز مغرب ادا کی، پھر شفق غائب ہونے پر حضرت جبریل تشریف لائے اور آگے ہوئے، حضور علیہ السلام ان کے پیچھے اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور عشا کی نماز پڑھی، پھر صبح ہوتے ہی حضرت جبریل تشریف لائے اور ادا پر کی طرح نماز پڑھائی، پھر پہلے دن کی طرح دہر وقت کے لئے تشریف لا کر دوسرے دن کی سب نمازیں اور تیسرے دن کی صبح پڑھائی، پھر فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان نمازوں کا وقت ہے، تعجب ہے کہ اتنی تفصیل وصراحت کے بعد بھی ملا علی قاری نے ایسا خیال کیا، اگر صرف قوی تعلیم مقصود تھی تو وہ کام تو پانچ منٹ کا تھا، اس کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو دن روز تک دس بار ملا واسطے سے اترنے کی کیا ضرورت تھی، بعض لوگوں کو یہ بات ٹھکتی ہے کہ میں کسی بڑے پر نقد کیوں کرتا ہوں یا ان کی کسی مساحت غلطی کو کیوں نمایاں کرتا ہوں حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں بھی دوسروں کی طرح انہوں کی یاد دہانی کے بڑوں کی مساحتوں پر متنبہ نہ کروں اور معاملہ کو گول کرتا جاؤں تو انوار الباری کا فائدہ ناقص رہے گا، پھر لوگ یہ بھی تو دیکھیں کہ میں سب ہی اکابر کا کتنا احترام کرتا ہوں اور ان کے عموم و تحقیقات کی کھلے دل سے داد دیتا ہوں اور ان کو نقل کرتا ہوں پھر اگر ان سے کوئی مساحت بھی ہوگئی ہے کہ وہ معصوم ہیں، تھے تو س کی شان نبی میں حرج کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ اس کے لئے دلائل بھی پیش کرتا ہوں اب یہاں حضرت ملا علی قاری کی کوئی جگہ، کیا خدا نخواستہ میں ان سے کسی ادنیٰ درجہ میں بھی مخرف ہوں؟ پھر جب ان کی جلالت قدر اور گرانقدر تحقیقات اور علمی خدمات کا سوا ہر اعتراف کرتا ہوں تو کیا کسی ایک دوسرا محتوی پر مجھے متنبہ کرنے کا حق نہیں ہے؟!

میں نے تو اپنے استاد ذہنی علامہ کشمیریؒ اور ان کے بھی بیشتر اکابر کی علمی شان دیکھی ہے کہ غلطی پر ضرور متنبہ کرتے تھے خواہ وہ کسی بھی بڑے سے ہوئی ہو اور اس سے مستثنیٰ صرف انبیاء علیہم السلام تھے یا ان کے صحابہ کرام، ان کے بعد محسن رجال و ہم رجال والحقین علی سبیل سجال غلطیوں اور مساحتوں سے توبہ و توبہ تھے نہ ہم ہیں۔ واللہ یوفقنا کما یحب و یرضاه۔

حضرتؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ اوقات نماز کی تعیین جس طرح حنفیہ نے کی ہے وہ احادیث و آثار صحابہ کی روشنی میں زیادہ اصوب و واضح ہے اور جن گہرائیوں تک وہ گئے ہیں دوسرے اہل مذاہب کی نظریں وہاں تک نہیں جاسکیں اور حدیث امامت جبریل ہمارے لئے سب سے زیادہ مفید ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں اوقات مستحب کے اندر نماز پڑھائی ہے، اس لئے کہ مثلاً عصر کا کچھ وقت مکروہ بھی تو ہے اور مغرب میں اشتاب نجوم تک تاخیر کر دینا بھی عند الشرح مکروہ ہے، خواہ اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا تنزیہی، اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے مکروہ عند الحنفیہ والے اوقات میں نماز نہیں پڑھائی، یہ بھی فرمایا کہ امامت جبریل علیہ السلام والی حدیث ساری احادیث اوقات کی اصل و اساس ہے، جو پوری تفصیل کے ساتھ ابوداؤد میں ہے اور بخاری و مسلم نے ان کی تخریج نہیں کی، موطا امام مالک میں بھی اسی طرح ذکر کی ہے جس طرح امام بخاری نے پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ہے، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم نے ٹھیک حدیث جبریل پر عمل کیا ہے، علامہ نووی وغیرہ تاویل کیا کریں اور پھر تاویل بھی ایسی کہ صریح حدیث جبریل کے خلاف ہے۔

### لامع الدراری کا تسامح

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ لامع الدراری ص ۳۰ ج ۱ میں جو حضرت گنگوہیؒ کی طرف نسبت ہوگئی ہے وہ سبقت قلم ہے جس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی حاشیہ میں تنبیہ فرمادی ہے کہ تفصیل اوقات موطا مالک میں نہیں ہے، بلکہ اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے اس دوسرے جملہ کو ہم نہ سمجھ سکے کیونکہ تفصیل اوقات کی دوسری روایت موطا امام مالک میں موجود ہے اور جس طرح امام بخاری نے حدیث امامت جبریل کی طرف نزول فصلی و صلی رسول اللہ ﷺ الخ سے اشارہ کیا ہے اسی طرح موطا میں بھی نزول فصلی فصلی رسول اللہ ﷺ الخ سے اشارہ موجود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاریؒ نے تو کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہی اوقات نماز کی بحث کر دی ہے اور ابوداؤد ترمذی میں بھی اسی طرح ہے، نہ کی ابتدا کتاب الصلوٰۃ میں امامت جبریل والی حدیث لائے ہیں، ابن ماجہ نے اولاً حضور علیہ السلام کی مدینہ طیبہ کی امامت نبویہ کا ذکر کیا، پھر امامت جبریل مکیہ کو لائے ہیں، امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں پہلے نماز کی ساری کیفیت و ارکان کا ذکر کرنے کے بعد اوقات کی احادیث ذکر کی ہیں اور موطا امام مالک میں سب سے الگ راہ اختیار ہوئی کہ اوقات نماز کی احادیث کو کتاب الطہارۃ وغیرہ سے بھی مقدم کر دیا، یعنی کتاب اسی سے شروع ہوئی ہے، کیونکہ نماز تو ایمان لاتے ہی یا بلوغ کے بعد ہی فوراً فرض ہوگئی جو اسلام کا سب سے اہم و اقدم عملی فریضہ ہے، اب اس کے لئے طہارت بدن و ثوب و موضع صلوٰۃ اور وضو و غسل وغیرہ کا درجہ بعد کا ہو گیا، کہ ان کے اوپر نماز کی صحت موقوف ہے۔

### حدیث امامت جبریل مکیہ

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہوا بخاری و مسلم کے علاوہ تقریباً سب ہی کتابوں میں اس کی روایت نمایاں طور سے اہتمام کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، حاکم، ابن حبان ابن خزیمہ، سلطی میں، اور دونوں تک حضرت جبریل عبیدہ السلام نے بیت اللہ کے پاس نماز پڑھائی وہ امام تھے اور حضور علیہ السلام مع دوسرے مسلمانان مکہ کے مقتدی اور آخر میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نمازوں کا وقت ان دونوں دنوں کی نماز کے اوقات کے درمیان ہے، یہ بھی واضح ہو کہ جس شب میں حضور علیہ السلام کو معراج کا شرف عظیم و جلیل حاصل ہوا علماء محققین نے لکھا ہے کہ جانے کے وقت جو نماز حضور اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں پڑھی تھی وہ نفل تھی اور واپسی میں جو نماز آپ نے وہاں تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ امام ہو کر پڑھی وہ صبح کی نماز تھی اور اسی روز حضرت جبریل علیہ السلام نے ملاء اعلیٰ سے اتر کر سب سے پہلی نماز کعبہ معظمہ کے پاس ظہر کی پڑھائی اور اس سے ابتداء اس لئے کی کہ حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز جماعت انبیاء کے ساتھ بیت المقدس

میں ادا فرما چکے تھے، پھر آپ نے تیسرے دن کی صبح کو نماز فجر پڑھا کر دس نمازیں پوری کی ہیں، کیونکہ بحکم خداوندی دس نمازوں کے اول و آخر وقت کی تعلیم مقصود تھی، اس پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل کی نماز تو نفل ہوگی، ان کے پیچھے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی فرض نماز کیسے ادا ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس وقت مکلف و مامور بآداء الصلوٰۃ تھے، اس لئے ان کی نماز بھی فرض ہی تھی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں پر ہماری طرح نماز بحیثیت جمعی فرض نہیں ہے، بلکہ وہ دوسری طرح، مورد مشغول و عبادت ہوتے ہیں، مثلاً کچھ قیام کی حالت میں تو ہمیشہ اسی حالت یک رکعتی عبادت میں وقت گزارتے ہیں، کچھ سجود میں ہیں، کچھ ذکر میں ہیں، کچھ دوسرے اعمال کے مامور ہیں، یہ نماز کی مکمل صورت مبارکہ طیبہ اور جماعت کے ساتھ یہ امت محمدیہ کے جن و انس کے ساتھ خاص ہے اور یہ نعمت عظیمہ حضور اکرم ﷺ کی معراج کمال کی یادگار ہے، اور اس کی ابتداء بیت اقدس کی جماعت انبیاء علیہم السلام سے ہوئی ہے کیونکہ اس سے پہلی امتوں پر جماعت کی نماز مشروع نہ تھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

### حدیث امامت بنو یہ مدنیہ

ایک شخص مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور نماز کے اوقات کا سوال کیا، آپ نے حکم فرمایا کہ نمازوں میں شرکت کرو، پھر حضرت بدل کو حکم دیا کہ سب نمازوں کے لئے اول وقت اذان دو، (اور اول وقتوں میں نماز پڑھاؤ) دوسرے دن حکم دیا کہ سب نمازوں کے لئے آخر وقت میں اذان دو (اور نمازیں پڑھاؤ) پھر فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے، نمازوں کا وقت ان دونوں کے درمیان ہے، اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنی کتاب الاثار میں ذکر کیا اور صحیح مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے۔

### اوقات معینہ کی عقلی حکمت

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ راجع الدراری اور الابواب میں اس بارے میں نہایت عمدہ بحث فرمائی ہے اور اہم رازی، شارح منہاج اور حضرت تھانوی کی المصالح العقلیہ کی تحقیقات کا حوالہ دے کر اپنی طرف سے جو تحقیق درج فرمائی ہے وہ بہت قابل قدر ہے، ہم یہاں طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کر سکتے، خلاصہ یہ ہے کہ جب مقصد پیدائش جن و انس ہی عبادت و ذکر الہی ہے تو چاہئے تو یہی تھ کہ سارے اوقات پر فرشتوں کی طرح ہمارے بھی مصروف عبادت ہوں، مگر چونکہ ہمارے ساتھ علاقہ دینی بھی لگے ہوئے ہیں اور زندگی گزارنے کے لئے فکر معاش اور اس کے دیگر لوازم بھی ضروری ہو گئے، اس لئے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و انعام سے ہماری تھوڑی سی عبادت کو پورے اوقات کی عبادت کے برابر قرار دے دیا، پھر یہ سوال کہ تقسیم اوقات صلوٰۃ میں توازن و تناسب کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ صبح سے ظہر تک کا طویل وقت خالی ہے، پھر ظہر سے عشاء تک مسلسل نمازیں ہیں، پھر رات کا طویل وقت خالی ہے، اور صرف صبح کو نماز رکھی گئی ہے، اس کا جواب حضرت دام ظلم نے یہ دیا تھا کہ دن کا آدھا حصہ حوائج ضروریہ کے لئے خالی کر دیا گیا اور آدھا نمازوں میں مصروف کر دیا گیا ہے، اسی طرح رات کا نصف حصہ راحت و حوائج کے لئے اور عشاء تک نماز کا حصہ تھا، پھر صبح کو نماز آگئی، اس لئے بظہر عدم توازن و تناسب بل مصحت و خلاف عقل نہیں ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک توجیہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دن رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں ایک ٹکٹ تقریباً ۸ گھنٹے معاشی ضروریات کے لئے ہوئے، دوسری ٹکٹ عشاء تک نمازوں کے لئے، پھر باقی ٹکٹ راحت و اکرام کے لئے، پہلا ٹکٹ ضرورت کے لئے کہ قضاء، حوائج کے امر خداوندی ہے، دوسرا عبادت کے لئے تیسرا حق تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام راحت و آرام کے لئے ”واٹکٹ کثیر“ یعنی تہائی کو شریعت نے اکثر احکام میں کل کے برابر قرار دیا ہے، اس لئے گویا پورا وقت عبادت کا بھی ہوا اور پورا ہی معاشی ضرورتوں کا ہوا اور پورا ہی راحت، آرام و سکون کا بھی اسی لئے ان میں کی بیشی نظر انداز ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یا خدا قربان احسان شوم ایں چہ احسان است قربانت شوم  
وان تعدو النعمة الله لا تحصوها والحمد لله رب العالمین

### اوقات نماز میں اختلاف

مذہب اربعہ کا فجر کے اول و آخر وقت میں اتفاق ہے کہ صبح صادق سے شروع ہو کر طلوع تک ہے، ظہر کے اول وقت میں سب متفق ہیں کہ زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، آخر میں اختلاف ہے اور حضرت شاہ حب فرمایا کرتے تھے کہ بڑا اختلاف اس میں اور اول عصر میں ہی ہے، باقی اوقات میں معمولی ہے، آخر ظہر میں اختلاف کی نوعیت ہمارے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس طرح لکھی ہے۔ امام مالک اور ایک حاکمہ کے نزدیک ایک مثل ہونے پر عصر کا وقت تو شروع ہو جاتا ہے مگر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں بقدر چار رکعت کے ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں ظہر و عصر دونوں ادا ہو سکتی ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھی جبکہ پہلے دن اسی وقت پر عصر کی پڑھی تھی، جمہور کی رائے یہ ہے کہ نہ کوئی وقت مشترک ہے نہ دونوں کے وقت میں فاصلہ ہے اور بعض شافعیہ و دوافطہ ہری کے نزدیک ادنیٰ فاصلہ ہوتا ہے جس کو روایت مسلم سے رد کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ظہر کا وقت عصر کے وقت کے آنے تک ہے، پھر جمہور اور امام ابو یوسف و امام محمد کی رائے ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل سایہ ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا شروع ہو جاتا ہے اور امام اعظم سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی ہے اور ان سے ظاہر روایت یہ ہے کہ سایہ دو مثل ہونے تک نہ ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے نہ عصر کا داخل ہوتا ہے۔ (ابو جزیص ج ۱)

حضرت شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت مشہور تو ہو گئی مگر اس کو مصنف ظاہر روایت قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ روایت نہ جامع صغیر میں ہے نہ کبیر میں، نہ زیادات میں ہے نہ مبسوط میں اور سیر کبیر میں بھی نہیں ہے، اور امام محمد نے آخر وقت ظہر سے کہیں تعرض ہی نہیں کیا، بلکہ بدائع میں تو اس امر کی صراحت بھی ہے کہ آخر ظہر کا ذکر ”ظاہر روایت“ میں نہیں ہے، پھر معلوم نہیں کہ ظاہر روایت کی بات کس طرح چلا دی گئی؟ حضرت نے فرمایا کہ امام صاحب سے رائے جمہور و صاحبین کی طرف رجوع بھی ثابت ہے، جیسا کہ سید احمد و صلابی شافعی نے خزائن المفتاحین و فتاویٰ ظہیر سے نقل کیا ہے، یہ دونوں معتبر کتابیں ہیں، لیکن خزائن الروایات میرے نزدیک معتد نہیں ہے، باقی ہاری اکثر کتب حنفیہ میں بھی حسن بن زیاد عن الامام ابی حنفیہ نقل ہے، جس کو مبسوط سرخسی میں امام محمد سے منسوب کیا گیا ہے اور اسی قول مرجوع الیہ پر صاحب درمختار نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شامی نے اس کو خلاف ظاہر روایت بتلا کر رد کیا اور غیر مفتی بہ قرار دیا، مگر میرے نزدیک مختار صاحب درمختار ہی زیادہ رائج ہے۔

ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ دو مثل سے کچھ کم پر ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے اور پورے دو مثل پر عصر کا شروع ہوتا ہے، مکانی عمدۃ القاری، چوٹی روایت یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک ہے، دوسری مثل مہمل اور تیسری پر وقت عصر ہوگا، یہ روایت اسد بن عمرو عن ابی حنفیہ ہے۔ خلاصہ بحث: حضرت نے فرمایا میرے نزدیک ساری تفصیل مذکور کا، حاصل یہ ہے کہ مثل اول ظہر کے ساتھ خاص ہے، تیسری عصر کے لئے خاص ہے اور دوسری میں دونوں ادا ہو سکتی ہیں، البتہ عمل میں فاصلہ ہونا چاہئے کہ اگر ظہر جلدی مثلاً بعد زوال فوراً پڑھے تو عصر بھی جلد یعنی مثل اول پر پڑھے، اور اگر ظہر کو مؤخر کرے، مثلاً مثل پر پڑھے تو عصر کو مثل دوم پر پڑھے، جس طرح حدیث امامت جبریل اور حدیث امامت نبویہ مدنیہ سے بھی ثابت ہے، کیونکہ حدیث امامت جبریل میں اشتراک مثل دوم کی صراحت ہے کہ اگلے دن حضرت جبریل نے اسی وقت نماز ظہر پڑھی، جس وقت پہلے دن نماز عصر پڑھی تھی، اور ترمذی میں بھی تصریح ہے کہ حضرت جبریل نے اگلے دن ظہر کی نماز گذشتہ دن کے عصر کے وقت پڑھی ہے جبکہ سایہ ایک مثل ہو گیا تھا۔

(دوسری حدیث میں جس میں بعد کو مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کے دو روز تک نمازوں کے اوقات بتلانے کا ذکر ہے اسکو اکثر کتب حدیث میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے، البتہ ابوداؤد میں وہ بھی مفصل ذکر ہوئی ہے اور اس میں اور بھی زیادہ صراحت ہے کہ حضور علیہ السلام نے دوسرے

دن ظہر کو پہلے دن کی عصر کے وقت میں قائم کیا (بذل الحجو ص ۲۳۱ ج ۱) اس موقع پر شارح علام صاحب بذل الحجو نے لکھا یہ حدیث ظہر وعصر کے اشتراک وقت پر دلالت کرتی ہے کہ آخر وقت ظہر واول وقت ظہر مشترک ہے، مگر ہم کہیں گے کہ ممکن ہے حضور صلیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کو جس وقت پورا کیا، اس سے متصل پہلے دن عصر کو شروع کیا ہوگا اور چونکہ دونوں وقت متصل تھے، اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ دوسرے دن ظہر کو پہلے دن عصر کے وقت پڑھا گیا ہے لہذا اشتراک لازم نہ آیا، لیکن بعینہ یہی تاویل تو شافعیہ نے کی ہے، انہوں نے کہا کہ دوسرے دن حضرت جبریل ایک مثل ہونے پر نماز سے فارغ ہو گئے تھے اور پہلے دن ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز شروع کی تھی۔ (کما اول النووی، مؤلف)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ احادیث مذکورہ کی وجہ سے اشتراک ماننا پڑے گا اور اسی لئے امام مالک بھی اشتراک کے قائل ہوئے ہیں، البتہ یہ احادیث امام شافعی کے مخالف ہیں کیونکہ وہ مثل اول پر ظہر کو بالکل ختم کر دیتے ہیں اسی لئے علامہ نووی نے ان میں تاویل کی ہے لیکن نسائی کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مثل اول ہو جانے پر اترے ہیں، تو ظاہر ہے کہ نماز ظہر مثل اول کے بعد پڑھی ہوگی جو شافعیہ کے نزدیک عصر کا وقت ہے لہذا نووی کی تاویل نہیں چل سکتی۔

پھر فرمایا کہ دوسرے دن نماز عصر دو مثل کے بعد پڑھی ہے، جو ختم مثل ثالث سے قبل کسی وقت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کسور کو حذف کر دیا کرتے ہیں، لہذا حاصل یہ ہوا کہ ظہر ایک دفعہ تو مثل کے اندر پڑھی جو اس کا وقت مخصوص ہے اور دوسری مرتبہ دوسرے مثل میں جو اس کے لئے وقت صاع ہے، اور اسی طرح عصر کی نماز ایک بار مثل اول کے بعد پڑھی ہے جو اسکے لئے وقت صاع ہے، دوسری مرتبہ مثل ثانی کے بعد اور ختم مثل ثالث سے قبل، جو اس کا وقت مخصوص ہے، اس کے ساتھ دونوں دنوں کی طرح فاصلہ کی رعایت بھی رکھنی چاہئے اور یہی ہمارا مذہب ہے، البتہ یہ فاصلہ کی قید سرفرو مرض کی مجبوری سے رفع ہو سکتی ہے، لہذا مسافر مثل ثانی کے اندر جمع کر سکتا ہے اور مستحاضہ ظہر و عصر کو ایک غسل سے جمع کر سکتی ہے۔

حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ عرضی نے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ ظہر کا وقت صاحبین کے نزدیک فقط مثل تک نہیں ہے بلکہ کچھ بعد تک رہتا ہے، لہذا مشہور بات درست نہیں کہ ان کے نزدیک ایک مثل پر وقت ظہر ختم ہو گیا اور وقت عصر داخل ہو گیا، اس سے غالباً حضرت کا اشارہ اس طرف ہے کہ صاحبین بھی مثل ثانی کے اندر فی الجملہ اشتراک کے قائل ہیں، اور اس طرح حدیث جبریل کا صحیح ترین مصداق مذہب حنفیہ ہے، کیونکہ اس میں اول دن ہر وقت میں تقییل اور دوسرے دن ہر وقت میں تاخیر ہے اور فاصلہ کی بھی رعایت ہے۔

حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اشتراک کے قول کو زیادہ تعجب کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے کیونکہ اس کی طرف سلف کی ایک جماعت گئی ہے جیسا کہ طحاوی میں ہے کہ یہی مذہب امام مالک کا ہے اور ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے جس کا ثبوت ان کے بعض مسائل سے بھی ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اگر عورت آخر وقت عصر میں حیض سے پاک ہو تو اس پر نماز ظہر کی بھی قضا ہے اور آخر وقت عشاء میں ہو تو مغرب کی بھی قضا ہے، اگر اشتراک نہ مانتے تو ایسا حکم کیوں کرتے اور حافظ نے حضرت ابن عباس و عبد الرحمنؓ سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اشتراک کا وجود تمام مذاہب میں ہے اور حدیث مسلم میں جو وقت ظہر کو وقت عصر آنے تک بیان کیا ہے وہ بھی اشتراک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ مراد

۱۔ اشتراک کی بحث علامہ ابن رشد نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے، جس کا حوالہ حاشیہ لامع ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے، وہ بھی اساتذہ و طلبہ حدیث کے لئے قابل مطالعہ ہے اس میں درج ہے کہ اوقات ضرورت میں امام شافعی وہ ملک و امام احمد کا اتفاق ہے کہ ظہر وعصر میں اشتراک ہے اور مغرب وعشاء میں بھی (معارف السنن للبیہقی ص ۱۴ ج ۱ بحوالہ بدلیہ المجلد ص ۷۷ ج ۸) اور حضرت شاہ صاحب کی تحقیق سے حنفیہ کے یہاں بھی اشتراک کا ثبوت موجود ہے لیکن اس کو جس طرح حضرت نے نمایاں کر کے اور دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے کسی نے نہیں کیا، حضرت شاہ صاحب کی رائے یہ بھی تھی کہ بیض کا وقت مشترک ہے، بین المغرب والعشاء یعنی اس سے قبل مخصوص وقت مغرب ہے اور بعد میں مخصوص وقت عشاء ہے، الا یہ کہ مرض یا سفر ہو تاہم فاصلہ رکھنا ضروری ہے، (احقر نے درس بخاری میں حضرت میں یہی کلمات نوٹ کئے تھے مورخہ ۳۱ مئی ۱۳۲۲ م ۲۴ محرم ۱۳۵۱ھ) حضرت علامہ مولانا محمد یوسف ابنوری دام فہم نے بھی اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کے اقادات قیمہ معارف السنن جلد دوم کے ابتداء میں باحسن السلوب جمع کر دیے ہیں، جزا اہم اللہ فیرا الجزاء (مؤلف)

وقت ظہر مجموع ہے جس میں وقت مخصوص اور غیر مخصوص دونوں شامل ہیں، اور اگر اشتراک کی بات کسی بھی آیت یا حدیث کے خلاف ہوتی تو صحابہ اور ائمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ ہو سکتا تھا۔

آخر وقت ظہر اور اول وقت عصر میں چونکہ بڑا اختلاف تھا، اس میں تفصیل کی گئی، اس کے علاوہ دوسرے مسائل و فتویہ میں بقول حضرت شاہ صاحب معمولی اختلاف استحباب وغیرہ کا ہے، مثلاً ایراد ظہر یا اسفار فجر وغیرہ تو ان پر امام بخاریؒ نے آگے مستقل عنوانات قائم کئے ہیں، لہذا ان پر وہیں بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

## باب قول الله عز وجل منيبين اليه واتقوه

### واقموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين

(اللہ تعالیٰ کا قول کے خدا کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرتے رہو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ)

۴۹۵. حدثنا قتيبة بن سعيد قال نا عباد وهو ابن عباد عن ابی حمرة عن ابن عباس قال قدم وفد عبد القيس على رسول الله فقالوا انا من هذا الحي من ربيعة والسنا نصل اليك الا في الشهر الحرام فمرنا بشيء نأخذك عنك وندعو اليه من وراءنا فقال امركم بربع وانها لكم عن اربع الايمان بالله ثم لفسرها لهم شهادة ان لا اله الا الله والى رسول الله واقام الصلوة ابتاء الزكوة وان تودوا الى خمس ما غنمتم وانها لكم عن الدنيا والحنتم والمقبر والنقيير.

ترجمہ ۴۹۵: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ عبد القیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہیں اور ہم آپ سے صرف حرام کے مہینے میں مل سکتے ہیں، اس لئے آپ ہمیں ایسی بات بتائیے جس پر ہم عمل کریں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کو اس کی طرف بلائیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اسکی تفسیر بیان کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا دینا، اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دینا اور میں تمہیں دہاء، حنتم، مقبر اور نقيير کے استعمال سے روکتا ہوں۔

تشریح: تحقق یعنی نے لکھا کہ حدیث کی مناسبت ترجمہ الباب کی آیت مبارکہ میں نفی شرک کو اقلۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور حدیث الباب میں بھی توحید کو اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا ہے (نفی شرک اور توحید ہم معنی ہیں) (عمدہ ص ۵۱۰ ج ۲)

حافظ نے بھی یہی مناسبت درج کی ہے، لیکن حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آیت میں ترک صلوٰۃ کو اشتراک کے درجہ میں کیا ہے اور حدیث میں نماز کو جزو ایمان کہا گیا ہے، یہ مناسبت ہوئی، جس پر حاشیہ لایا کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ توجیہ حافظ عینی کی توجیہ سے بہتر ہے (لامع ص ۲۰۸ ج ۱) لیکن اس پر یہ ایراد ہو سکتا ہے کہ حدیث میں، مورچہ چیزیں الگ الگ بیان کی گئیں، جن میں نمبر اول پر ایمان کو رکھا اور اس کی تشریح بھی شہادت توحید و رسالت سے فرمادی، نمبر دو پر اقامت صلوٰۃ کو رکھا پھر نمبر تین پر اداء زکوٰۃ کو اور چوتھے پر اداء خمس کو، پھر اس کے بعد چار ممنوعہ اشیاء بیان فرمائیں تو اس طور سے تو اقامت صلوٰۃ وغیرہ کی جزئیت کی نفی نکل رہی ہے، نہ کہ اثبات، اور شاید اسی لئے علامہ عینیؒ و حافظ نے اس توجیہ کو ذکر نہیں فرمایا، بلکہ یہاں سے یہ بات بھی صاف حاصل ہو رہی ہے کہ ایمان کا تعلق فعل قلب و لسان سے ہے اور نماز وغیرہ کا تعلق افعال جوارح سے اور اگرچہ آیت میں اقتران شرک و ترک صلوٰۃ سے غایت درجہ کی اہمیت و عظمت و فضیلت نماز کی نکلتی ہے، مگر حدیث نے یہ بتلادیا کہ فرض اولین ایمان کی تفسیر صرف شہادت قلب و لسان ہی ہے، باقی اشیاء سب



مامورہ ومنہیہ کا درجہ دوسرے نمبر پر ہے اور وہ ایمان کا جز نہیں ہیں، اسی لئے تارک صلوٰۃ کی تکفیر محققین سلف وخلف نے نہیں کی ہے اور دوسری مشہور حدیث میں تو رک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر کی مراد بھی یہی متعین کی ہے کہ ایسے شخص نے کافر جیسی صورت اپنائی، یہ نہیں کہ وہ حقیقہ کافر ہو گیا یا ایمان قلبی کے باوجود وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا آیت الباب میں صنائع بدیع میں سے صنعت طرور عکس ہے اور شاہ عبدالقادرؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ ترک عبادت اگر خواہش نفسانی کے تحت ہو تو وہ بھی ایک نوع شرک ہے، اسی لئے آیت میں ولا تسکونوا من المشرکین فرمایا گیا ہے، علامہ عینیؒ نے دہاء غیر کی لغوی تحقیق بھی فرمائی:-(۱) دہاء سوکھا کدو کہ اس میں نیبہ بناتے ہیں، (۲) عظم، ہیز رنگ کی ٹھلیا اس میں نیبہ و شراب بناتے تھے، (۳) مقیر، روغن قارل کر نیبہ و شراب بنانے کا برتن تیار کرتے تھے، (۴) نقیر کھجور کی جڑ کھود کر اس میں نیبہ بناتے تھے، چونکہ وفد عبدالقیس اور ان کی قوم کے لوگ شراب کے بہت عادی تھے اور یہ سب ظروف ان کے یہاں استعمال ہوتے تھے، اس لئے شراب اور اس کے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا اور ان لوگوں سے مال غنیمت میں خیانت کا بھی خطرہ تھا، اس لئے اس کی ممانعت بھی خاص طور سے ان کو فرمادی (عمدہ ص ۵۱۰ ج ۲)

اس حدیث کی مزید تشریح و بحث انوار الباری ص ۹ ج ۳، لغایہ ص ۱۴ ج ۳ میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری کی روایت میں صیام رمضان کا بھی ذکر ہے، اس لئے وہاں چار اور پانچ کا اشکال و جواب بھی گزرا ہے اور ہم نے اوپر واضح کیا کہ یہاں حدیث الباب میں چار ہی کا ذکر ہے، جس سے اعمال کے جزو ایمان ہونے کی نفی پہ صراحت اور بلا کسی اشکال کے ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب البیعة علی اقام الصلوٰۃ

(نماز کے قائم رکھنے پر بیعت کا بیان)

۴۹۶. حدثنا محمد بن المنذر قال ثنا يحيى قال حدثنا اسمعيل قال ثنا قيس عن جريو بن عبد الله قال

بايعت النبي ﷺ على اقام الصلوٰۃ و ايتاء الزكوة والنصح لكل مسلم.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔

تشریح: یہ بیعت بطور معاہدہ ہوئی تھی تاکہ اسلام میں ان امور مذکورہ کی عظمت و تاکید واضح ہو اور ان کا غیر معمولی طریقہ پر التزام و اہتمام کیا جائے اسی لئے جہاں اسلام پر بیعت لی جاتی تھی، امور جزئیہ نماز وغیرہ پر بھی ہوئی ہے۔

## باب الصلوٰۃ کفارة

(نماز گناہوں کا کفارہ ہے)

۴۹۷. حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن الاعمش قال حدثني شقيق قال سمعت حذيفة قال كنا

جلوسا عند عمرؓ وقال ايكم يحفظ قول رسول الله ﷺ في الفتنه قلت انا كما قاله قال انك عليه او

عليها بحري قلت فتنه الرجل في اهله و ماله و ولده و جاره تكفرها الصلوٰۃ و انصوا و المصدقة

والامر و النهي قال ليس هذا اريد و لكن الفتنه التي تموج كما يموج البحر قال ليس عليك منها باس

يا امير المؤمنين ان بينك وبيننا لبابا مغلقا قال ايكرام يفتح قال يكسر قال اذا لا يعلق ابدا قلنا

اكان عمر يعلم الباب قال نعم كما ان دون الغد الليلة اني حدثته بحد يث ليس بالا غاليط فهبنا ان

نسال حذیفۃ فامرنا مسروقاً فساله فقال الباب عمر

۴۹۸۔ حدثنا قتیبۃ قال حدثنا یزید بن زریع عن سلیمان التیمی عن ابی عثمان النهدی عن ابن مسعود

ان رجلاً اصاب من امرأة قبلۃ لآلئ النبی ﷺ فاخبره فانزل الله عز وجل اقم الصلوة طرفی النهار وزلفاً

من الیل ان الحسنۃ یدھبن السیات فقال الرجل یا رسول الله الیٰ هذا قال لجمیع امتی کلھم

ترجمہ ۴۹۸: حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ فرمانے لگے کہ فتنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث تم میں سے کسی کو یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے بالکل اسی طرح یاد ہے جیسا آپ نے فرمایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سے اس جرأت کی امید بے شک ہو سکتی ہے، میں نے کہا کہ آدمی کا وہ فتنہ جو اس کی بی بی اور اس کے مال اور اولاد میں ہوتا ہے، اس کو نماز اور روزہ صدقہ اور امر (معروف) و نہی (منکر) منادیتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا، بلکہ وہ فتنہ جو دریا کی طرح جوش زن ہوگا، حذیفہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اس فتنہ سے آپ کو کچھ خوف نہیں کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان میں بند دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے کہا اچھا وہ دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حذیفہ نے کہا، توڑ ڈالا جائے گا، حضرت عمرؓ نے کہا، تو پھر کبھی بند نہ ہوگا، ہم لوگوں نے (حذیفہ سے کہا) کیا عمرؓ دروازہ کو جانتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں (اسی طرح جانتے تھے) جیسے (تم) کل سے پہلے رات ہونے کو جانتے ہو، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی، جو غلط نہ تھی (دروازہ کے متعلق) ہم لوگوں کو تو حضرت حذیفہ سے دریافت کرنے میں ان کا رعب مانع ہوا لیکن مسروق نے کہا تو انہوں نے حذیفہ سے پوچھا (کہ دروازہ کون تھا) حذیفہ نے کہا کہ دروازہ حضرت عمرؓ تھے۔

ترجمہ ۴۹۸: حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی (اجنبی) عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بیان کیا تو اللہ بزرگ و برتر نے نازل فرمایا نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور کچھ رات گئے قائم کر (ویشک نیکیاں برائیوں کو منادیتی ہیں) وہ شخص بولا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ میرے ہی لئے ہے، آپ نے فرمایا، میری تمام امت کے لئے ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فتنہ آزمائش و امتحان کو کہتے ہیں کہ اس سے نکھار ہوتا ہے اور حق و باطل والے ممتاز ہو جاتے ہیں، پہلی امتوں پر کبار معاصی اور شرک و کفر کی وجہ سے عذاب الہی آ جاتے تھے لیکن اس امت کو حضور علیہ السلام کی برکت سے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا اور موقع دیا گیا کہ وہ کبار معاصی و شرک وغیرہ سے باز آئیں تو اس امت میں فتنے، کثرت سے ہوں گے، جن سے اہل حق و باطل کو الگ کیا جائے گا اور شریعت حق کی روشنی میں حق کی طرف لوٹنے کی مہلتیں ملتی رہیں گی، یہاں تک کہ خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بہت سے منافق تھے جو ظاہر میں مسلمان تھے اور نماز بھی سب کے ساتھ پڑھتے تھے، مگر اندر سے کافر تھے اور ان سے ابتداء اسلام کے دور میں بڑے بڑے نقصانات بھی پہنچے، مگر زمان پر عذاب آیا کہ یک دم ختم کر دیئے جاتے نہ کوئی دوسری عام مصیبت بیماری وغیرہ اور حضور علیہ السلام ان کو جانتے بھی تھے، بلکہ صحابہ مثلاً حضرت حذیفہؓ کو آپ نے بتلا بھی دیا تھا اور وہ صاحب السر کہے جاتے تھے، جو اس حدیث الباب کے راوی بھی ہیں، اور بڑے بڑے صحابہ خدا کے خوف اور غایت ورع کی وجہ سے ان سے دریافت بھی کر لیا کرتے تھے کہ خدا خواستہ میں تو منافق نہیں ہوں۔

یہاں حضرت عمرؓ نے ان ہی صاحب السر المہمؤں سے فتنہ کا کچھ حال دریافت کیا ہے، اور پہلے آپ نے ایک عام فتنہ کا حال بیان کیا جو تقریباً ہر گھر میں ہر مسلمان مرد و عورت کو آپسی نزاعات اور دوسری خواہشات نفسانی کے تحت ایک دوسرے کی حق تلفی ایذا، ایاداء حقوق میں کتابعی وغیرہ کی شکل میں پیش آیا کرتا ہے جس کی طرف آیت قرآنی لئما اھواکم و اولادکم لئسا، سے بھی اشارہ کیا گیا ہے، کہ تمہاری آزمائش اموال و اولاد کے ذریعہ ہوگی۔ کفارہ کی حقیقت: حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اہل و اولاد کے فتنوں میں جو کو تاہیاں شرعی نقطہ نظر سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کی معافی تو حق تعالیٰ نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کے ذریعہ فرماتے رہتے ہیں تاکہ مومن کے چھوٹے گناہ طاعات یومیہ کی برکت سے ہی ختم

ہوتے رہیں اور وہ گناہوں کے بوجھ سے زیادہ زہر بار نہ ہو جائے، اسی لئے علماء اسلام نے احادیث و آثار کی روشنی میں یہ تفصیل بھی کی ہے کہ بہت چھوٹے گناہ تو وضو میں ہی دھل جاتے ہیں، ان سے بڑے مسجد کی طرف جانے کی برکت سے ختم ہو جاتے ہیں، پھر ان سے بھی بڑے نماز سے اگر وہ رعایت احکام اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جائے اور ان سے بھی بڑے ہوں تو روزہ سے اور ان سے بھی بڑے ہوں تو حج و جہاد سے حتیٰ کہ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ حج مبرور کے ذریعہ حقوق العباد بھی ختم کر دیئے جاتے ہیں، بشرطیکہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا ہو اور توبہ بھی کرے، مثلاً حدیث ابن ماجہ و بیہقی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ کی شام میں دعا فرمائی اپنی امت کی مغفرت کے لئے، وہاں اس وقت وہ دعا مظالم و حقوق العباد کے علاوہ سب معاصی کے بارے میں قبول ہو گئی، آپ نے عرض کیا کہ بارالہ! آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت کے ذریعہ خوش کر کے اور اس کے حقوق سے دستبردار کرنا اگر خال کی مغفرت فرما سکتے ہیں، ایسی رحمت کی نظر ہو جائے! مگر دعا کا یہ جزو اس وقت قبول نہ ہوا، آپ نے مزدلفہ کی صبح کو پھر یہی دعا فرمائی اور وہاں حق تعالیٰ نے اس کو کامل و مکمل طور سے قبولیت سے نوازا دیا، جس پر رحمت عالم ﷺ کو ہنسی آ گئی، حضرت ابو بکر و عمرؓ نے سوال کیا کہ حضرت! اس وقت جناب والا کی ہنسی کی کوئی خاص وجہ ہے؟ فرمایا کہ ابھی جبکہ میری دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا تو ابلیس کو بڑی مایوسی ہوئی وہ بے تاب ہو کر اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا اور بری طرح واہلدا کرنے لگا، اس کے جزع فزع کی عجیب حالت دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی (مشکوٰۃ ص ۲۳۹)

علامہ محدث شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث پر لکھا کہ ”امت سے مراد نفعت حج سے سرفراز ہونے والے ہیں جو وادی عرفات و مزدلفہ کی حاضری سے مشرف ہوتے ہیں اور اس حدیث کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حج سے حقوق العباد کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے، تاہم بعض علماء نے یہ قید لگائی ہے کہ ان سے مراد وہ حقوق ہیں جن کو ادا کرنے سے عاجز ہو اور توبہ بھی کرے۔“

عاجز مؤلف عرض کرتا ہے کہ اکثر اکابر امت کی رائے یہی ہے کہ کبار و حقوق العباد کی مغفرت توبہ اور اداء حقوق پر موقوف ہے اور حتمی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بغیر توبہ و ادائیگی حقوق کے عذاب سے نجات ہو سکتی ہے، برخلاف مرجع فرقہ کے کہ ان کے نزدیک کبار و حقوق کا کفارہ یا ازالہ بھی عبادت سے ہو جاتا ہے۔

حافظ نے لکھا کہ مرجع نے اس باب کی دونوں حدیثوں کے ظاہر سے یہ استدلال کیا ہے کہ افعال خیر کبار و صغائر سب معاصی کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں، لیکن جمہور اہل سنت کی رائے ہے کہ ان سے صرف صغائر محو ہوتے ہیں، کیونکہ یہاں اگرچہ احادیث میں اطلاق و عموم ہے مگر دوسری احادیث سے قید معلوم ہوتی ہے، مثلاً حدیث مسلم میں ہے کہ پانچ نمازیں ان کے درمیان گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں اگر کبار سے اجتناب کیا جائے وغیرہ مفصل تحقیق کے لئے دیکھیں فتح الباری ص ۸ ج ۲ و عمدہ وغیرہ۔

مرجع کے مقابلہ میں جمہور اہل سنت کی رائے اور اصول یقیناً رائج ہے لیکن ان احادیث صحیحہ کو بھی ضرور سامنے رکھنا ہے جن میں صراحت کے ساتھ بعض عبادات و طاعات کی فضیلت خاصہ بیان ہوئی ہے، مثلاً حج مبرور کے لئے مذکورہ بالا حدیث ابن ماجہ و بیہقی، یا جہاد کی احادیث فضیلت خاصہ، یا حدیث معمر بن بردایت مسم شریف کی یہ صراحت کہ ان مبارک ساعات میں حضور علیہ السلام کو پانچ نمازیں، خواتیم سورہ بقرہ اور ہر امتی کے لئے مقدمات کی مغفرت عطا ہوئی بشرطیکہ وہ شرک کی ہر ہر چیز سے مجتنب رہے، مقدمات کی تفسیر تباہ و ہلاک کر دینے والے معاصی و ذنوب سے کی گئی ہے جو کبار ہیں اور دوسری حدیث معراج میں فیم خصم الملاء الاعلیٰ کے تحت بھی کفارات کا ذکر آیا ہے، یعنی وہ اعمال جن کی وجہ سے گناہ بغیر توبہ کے معاف ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے صوم کے کفارہ ہونے کے سلسلہ میں نہایت اہم تحقیق ارشاد فرمائی جس کو ہم کتاب الصوم میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## باب فضل الصلوٰۃ لوقتہا

(نماز اس کے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۴۹۹. حدثنا ابو الولید هشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبۃ قال الولید ابن العیزار اخبرنی قال سمعت ابا عمرو الشیبانی یقول حدثنا صاحب هذه الدار و اشار الی دار عبد الله قال سالت النبی ﷺ ای العمل احب الی الله قال الصلوٰۃ علی وقتهما قال ثم ای قال ثم بر الوالدین قال ثم ای قال الجهاد فی سبیل الله قال حدثنی بہن ولوا استزدته لزا دنی

ترجمہ ۴۹۹: حضرت ابو عمرو شیبانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے اس گھر کے مالک نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا اپنے وقت پر نماز پڑھنا، ابن مسعودؓ نے کہا کہ اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد والدین کی اطاعت کرنا، ابن مسعودؓ نے کہا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے اسی قدر بیان فرمایا اور اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو (امید تھی کہ) آپ زیادہ بیان فرماتے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ”اس ترجمہ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد نماز جلد پڑھنا یا اول وقت میں پڑھنا نہیں ہے کیونکہ نماز وقت پر پڑھنے میں توسع ہے، لہذا مقصد یہ ہے کہ وقت کے اندر پڑھ لی جائے، قضاء نہ کر دی جائے اسی کو حافظؒ نے بھی واضح کیا ہے“ حافظؒ نے لکھا: ”امام بخاریؒ نے یہاں ترجمہ لوقتها سے قائم کیا اور حدیث لائے علی وقتهما والی، لیکن کتاب التوحید ص ۱۲۲ میں حدیث لوقتها والی ذکر کریں گے“ بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۰ اور کتاب الادب ۸۸۶ میں علی میقاتہا اور علی وقتهما مروی ہے

حافظؒ نے یہ بھی لکھا کہ بعض روایات میں جوئی اول وقتہا آیا ہے وہ ضعیف و ساقط ہے اور بہت سے راویوں نے دونوں کا معنی ایک سمجھ کر بھی اس طرح روایت کی ہے اور بعض نے لد لوک الخفس کی طرح لوقتها میں لام کو ابتداء کے لئے سمجھ لیا ہے مگر یہ سب کمزور باتیں ہیں (فتح الباری ص ۲۷)

حضرت شاہ صاحبؒ نے درس ترمذی شریف میں باب ما جاء فی الوقت الاول میں الفضل من حدیث الصلوٰۃ لا ول وقتہا پر فرمایا کہ امام احمد، بیہقی، نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہم نے اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور ایسی ہی ”اول الوقت رضوان اللہ“ والی سب احادیث ضعیف ہیں، تفصیل زیلعی و تخفیف میں ہے اور فرمایا کہ شافعیہ کے نزدیک اول وقت میں نماز مستحب ہے، البتہ نماز عشا کی تاخیر اکثر متبعین امام شافعی کے یہاں مستحب ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی جن اوقات میں نماز کی عادت مبارک تھی وہی اوقات مستحب ہیں، مثلاً تغیل مغرب تا خیر عشا وغیرہ۔

احادیث بخاری و مسلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں اپنے اوقات کے اندر پڑھی جائیں اور اوقات نبویہ کی احادیث سے استحباب ثابت ہوتا ہے البتہ ایک حدیث صحیح متدرک حاکم سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے آخر وقت تک کبھی کسی نماز کو آخر وقت میں نہیں پڑھا تو آخر وقت میں حنفیہ بھی نمازوں کو مستحب نہیں کہتے، بلکہ نماز ظہر عصر و فجر میں جو حنفیہ فی الجملہ تاخیر کے قائل ہیں وہ بھی احادیث صحیحہ منصوصہ کے سبب ہے، عصر کی زیادہ تاخیر کو کمرہ ترمذی و ترمذی تک کہتے ہیں۔ (معارف السنن ص ۸۲ ج ۲)

فائدہ علمیہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ حافظؒ نے یہاں لفظ ”الصلوٰۃ اول وقتہا“ کو باوجود اس کے راوی کے ثقہ ہونے کے ساقط کر دیا ہے کیونکہ وہ اکثر الفاظ مرویہ کے مخالف ہے حالانکہ مشہور یوں ہے کہ زیادتی ثقہ معتبر ہوتی ہے، میں کہتا ہوں کہ زیادتی ثقہ کو ایک

جماعت نے تو بالاطلاق معتبر کہا ہے، دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ بحث و تنقیح کے بعد قبول کی جائے گی، اگر اس کا کسی مقام میں صحیح ہونا محقق ہو جائے تو قبول کر لیں گے ورنہ نہیں لہذا حکم کل نہیں ہے کہیں مقبول ہوگی اور کہیں نہیں، میرے نزدیک یہی دوسری رائے حق ہے اور اسی کو امام احمد، ابن معین، امام بخاری وغیرہ ماذہبین عہاء اصول الحدیث نے اختیار کیا ہے، مگر ذکرہ الزیلعی فی بحث آئین

لیکن حضرت الاستاذ مولانا شیخ الہند بالاطلاق قبول کرتے تھے، میری ایک بار گفتگو ہوئی تو مولانا خفا ہو گئے، اس کے بعد میں نے نہیں پوچھا، کیونکہ میرے نزدیک یہ قبول بالاطلاق غلط کے قریب ہے اور قاعدہ کلی کوئی بھی نہیں ہے، یہاں حافظ نے بھی زیادتی ثقہ کو ساقط کر دیا ہے۔

## باب الصلوة الخمس كفارة للخطايا اذا صلاهن لوقتھن فی الجماعة وغیرھا

(جب کہ پانچوں نمازوں کو ان کے وقت میں جماعت سے یا تنہا پڑھے، تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں)

۵۰۰. حدثني ابراهيم بن حمزة قال حدثنا ابن ابي حازم والدرارودي عن يزيد بن عبد الله عن محمد

بن ابراهيم عن ابي سلمة بن عبد الرحمن عن ابي هريرة انه سمع رسول الله ﷺ يقول ارايتم لو ان

نهر ابياب احدكم يفتسل فيه كل يوم خمسا ما تقول ذالك يبقى من وره قالوا لا يبقى من درنه شيئا

قال فذالك مثل الصلوات الخمس يمحوا الله بها الخطايا.

ترجمہ ۵۰۰: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کے دروازہ پر کوئی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ (نہانا) اس کے گناہوں کو باقی رکھے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے جسم پر بالکل بھی میل نہ رہے گا، آپ نے فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی بھی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اگر امام بخاری وغیرہا کا لفظ نہ لاتے تو اچھا تھا، کیونکہ اس سے نماز جماعت میں توسع نکلتی ہے یعنی تاکید جماعت کا حکم کمزور پڑتا ہے، یا ممکن ہے کہ جماعت کے مسئلہ میں ان کا مسلک امام شافعی والا ہو، عاجز مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہاں حدیث الباب میں بھی جماعت کی قید نہیں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ غرض صغائر کی فضیلت تو مطلق نماز ہی کے لئے ہے اور جماعت کی نماز کے ذریعہ ان سے بڑے گناہوں کی معافی ہوتی رہے گی اور تاکید جماعت کے لئے بھی دوسری احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادۃ النور: حضرت کے خصوصی ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ فضائل اعمل کے سلسلہ میں وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے کفارہ ذنوب ہونے کا ثبوت احادیث کثیرہ صحیحہ سے ہو چکا ہے، سلف کا طریقہ تفویض کا تھا کہ حق تعالیٰ کی مشیت پر ہے، جن اعمل کو چاہے جن سیئات کے لئے کفارہ بنادے، پھر متاخرین نے تمام ہی احادیث کا ثبوت کو مغفرت صغائر کے ساتھ مقید کر دیا اور کہا کہ کوئی مشقی قرار دیا، میری رائے یہ ہے کہ جہاں قید وارد ہوئی ہے، وہاں مقید کریں گے، باقی کو اطلاق پر رکھیں گے، اور الفاظ حدیث کو بھی سامنے رکھیں گے، کیونکہ ذنوب، خطایا معاصی وغیرہ الفاظ مترادف نہیں ہیں، ان کے معانی میں بھی فروق ہیں۔ (العرف النجدی ص ۱۰۵ و معارف السنن ص ۲۵۹ ج ۲)

راقم الحروف نے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا، حضرت کے ارشادات خصوصی کی روشنی میں بھی حج و جہاد وغیرہ اعمل کے کفارہ ذنوب و معاصی و حقوق العباد ہونے پر پھر سے غور و فکر کی گنجائش ہے، اور سب کے لئے ایک ہی فیصلہ کافی نہیں ہے کیونکہ جہاں اطلاق ہے وہاں اطلاق ہی رہنا چاہئے اور جہاں مثلاً حقوق و مظالم تک کے لئے کفارہ ہو جانے کا ذکر احادیث صحیحہ میں آچکا ہے وہاں کے لئے تحقیق اور فیصد کا رخ دوسری طرح ہونا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مالم يغش الكبائر: پانچ نمازوں کے درمیان اور جمعوں کے مابین جو گناہوں کے کفارہ ہونے کی حدیث ترمذی وغیرہ میں ہے،

اور اس میں یہ قید بھی ہے کہ اگر تمام شرعی رعایتوں کے ساتھ ان نمازوں کو ادا کرتا رہے گا تو جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے، اس کے سارے گناہ ختم ہوتے رہیں گے اور ایسا ہمیشہ ہی ہوتا رہے گا، اس میں اگر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ہر نماز کے وقت مومن کی شان یہ ہے کہ سارے ہی کبیرہ و صغیرہ گناہوں سے نادم و تائب ہو اور مغفرت طلب کرے تو ان لوازم کے ساتھ نماز کی ادائیگی سے بین الصلاتین کے سارے ہی محاصی محو ہوتے رہنے کی بات درست ہو جاتی ہے۔

## باب فی تصیيع الصلوة عن وقتها

(نماز کے بے وقت پڑھنے کا بیان)

۵۰۱۔ حدثنا موسى بن اسمعيل قال حدثنا مهدي عن غيلان عن انس قال حدثنا مهدي عن غيلان عن انس قال ما عرف شيئا مما كان على عهد النبي ﷺ قبل الصلوة قال اليس صنعتم ما صنعتم فيها.

۵۰۲۔ حدثنا عمر بن زرارۃ قال حبرنا عبد الواحد بن واصل ابو عبيدة الحداد عن عثمان بن ابی رواد اخي عبد العزيز قال سمعت الزهري يقول دخلت على انس بن مالك بدمشق وهو يكي فقلت ما يبكيك فقال لا اعرف شيئا مما ادركت الا هذه الصلوة وهذه الصلوة قد ضيعت وقال بكر بن خلف

حدثنا محمد بن بكر البرساني قال اخبرنا عثمان بن ابی رواد نحوه.

ترجمہ ۵۰۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جو باتیں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھیں ان میں سے اب کوئی بات نہیں پاتا، کسی نے کہا کہ نماز تو (ویسے ہی) باقی ہے، حضرت انسؓ نے کہا کہ (یہ تمہارا خیال ہے) کیا نماز میں جو کچھ تم نے کیا ہے وہ تم کو معلوم نہیں (کہ اس کے اوقات میں تم کس قدر بے پروائی کرتے ہو)

ترجمہ ۵۰۲: حضرت زہری روایت کرتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا وہ رورہے تھے میں نے کہا (خیر ہے) آپ کیوں رورہے ہیں فرمایا کہ جو باتیں میں نے رسول خدا کے زمانہ میں دیکھی ہیں، اب ان میں سے کوئی بات نہیں پاتا، صرف ایک نماز ہے (لیکن اگر دیکھا جائے) تو وہ ضائع ہو چکی ہے اور بکر بن خلف نے کہا کہ مجھ سے محمد بن بکر برسانی نے بیان کیا کہ مجھ سے عثمان بن ابی داؤد نے اسی طرح بیان کیا۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ نے دمشق جا کر حجاج کی تاخیر نماز والی بات کی شکایت ولید بن عبد الملک سے بھی کی تھی جو اس وقت خیفہ تھے، مگر اس نے بھی کوئی تدارک نہ کیا تاہم حضرت انسؓ نے صبر کیا، کیونکہ صحابہ کرام کی شان یہی تھی کہ آپس میں رحیم و شفیع تھے اور کفار کے مقابلہ میں شدید و جری تھے، ارشاد باری ہے ”اذلة على المؤمنين اعزة على الكافرين“ اسی لئے قیصر و کسری کی قوتوں کو پامال کیا اور جب مسلمانوں کی طرف سے اذیتیں اٹھائی پڑیں تو صبر کیا۔

## باب المصلیٰ یناجی ربہ

(نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے)

۵۰۳. حدثنا مسلم بن ابراہیم قال حدثنا هشام عن قتادة عن انس قال قال النبی ﷺ ان احدکم اذا صلی یناجی ربہ فلا یفعلن عن یمینہ ولكن تحت قدمہ اليسری.

۵۰۴. حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا یزید بن ابراہیم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی ﷺ انه قال اعتدلو فی السجود ولا یسبط احدکم ذراعہ کالکلب واذا بزق فلا یبرقن بین یدیه ولا عن یمینہ لانه یناجی ربہ وقال سعید عن قتادة لا یفعلن قدمہ او بین یدیه ولكن عن یمینہ او تحت قدمہ وقال شعبہ لا یزق بین یدیه ولا عن یمینہ ولكن عن یمینہ او تحت قدمہ وقال حمید عن انس عن النبی ﷺ لا یزق فی القبلة ولا عن یمینہ ولكن عن یمینہ او تحت قدمہ.

ترجمہ ۵۰۳: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے دائمی جانب نہ تھو کے، بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھو کے۔

ترجمہ ۵۰۴: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مجھوں میں اعتدال کرو اور تم سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ کتے کی طرح نہ بچھا دے اور جب تھو کے تو نہ اپنے آگے تھو کے اور نہ اپنے دائیں جانب، اس لئے کہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اپنے آگے یا اپنے سامنے نہ تھو کے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے، اور شعبہ نے کہا ہے کہ نہ اپنے سامنے تھو کے اور نہ اپنی دائمی جانب لیکن اپنی بائیں جانب یا قدم کے نیچے اور حمید نے انس سے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ قبلہ (کی جانب) میں نہ تھو کے اور نہ اپنے دائمی جانب، بلکہ اپنے بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھو کے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: - شافعیہ اگر کہیں کہ مناجات کے لئے موزوں یہ ہے کہ فاتحہ پڑھی جائے، استماع اور خاموشی مناسب نہیں تو جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا کی نماز کا بیان ہے کیونکہ ان حد کم اذا صلی فرمایا ہے اور اس میں بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، دوسرے یہ کہ نماز جماعت بھی شریعت میں واحدہ بالعدد ہے، لہذا امام پڑے گا تو وہ سب ہی کی طرف سے ہے، تیسرے یہ کہ نماز جماعت میں ہر شخص کے لئے مناجات بن لیں تو وہ بھی صرف سری نماز میں درست ہو سکتی ہے، کیونکہ جہری نماز میں تو وہ منازعت بن جائے گی اور حکم انصاف و استماع کے بھی خلاف ہوگی باقی سری نماز میں گنجائش ہے اور اس کا معاملہ ہونے کے کیونکہ مجھے امام صاحب سے کوئی نقل نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ سری قرأت ان کے نزدیک ناجائز ہے، ان سے صرف عدم قراءت مروی ہے اور محقق میرے نزدیک یہ ہے کہ جہریہ میں امام صاحب کے نزدیک ناجائز ہے، اور سریہ میں ناپسندیدہ ہے (پوری بحث اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ)

سمت قبلہ کی طرف تھوکنے کے مسائل و تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور دائمی طرف کی ممانعت فرشتے کی وجہ سے بھی ہے اور مناجات خداوندی کے لحاظ سے بھی بے محل ہے، اور بائیں طرف یا قدم کے نیچے کی اجازت بھی بوجہ ضرورت و مجبوری ہے، حضرت نے یہ توجیہ بھی فرمائی ہے کہ نمازی کو بحالت نماز سب سے اچھی حالت و ہیئت میں ہونا چاہئے، اس لئے اقعاء الکلب، افتراش ثعلب، بروک اتحل اور خفص راس کالحمار وغیرہ کی بھی ممانعت کی گئی ہے، اس طرح تھوکنے، سکنے، بے ضرورت کھانسنے، کھنکھارنے سے بھی روک دیا گیا ہے، غرض نماز میں ہر لحاظ سے سکون، شائستگی، ادب، خشوع و خضوع، حسن لباس و ہیئت وغیرہ مطلوب ہیں۔

## باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر

(گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا وقت کر کے پڑھنے کا بیان)

۵۰۵. حدثنا ایوب بن سلیمان قال حدثنا ابو بکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان حدثنا الاعرج عبد الرحمن وغيره عن ابی ہریرۃ و نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر عن عبد اللہ بن عمر الہما حدثا عن رسول اللہ ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم.

۵۰۶. حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر حدثنا شعبۃ عن المهاجر ابی الحسن سمع زید بن وہب عن ابی ذر قال اذن مؤذن النبی ﷺ الظہر فقال ابرد ابرد او قال انتظر انتظر وقال شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوۃ حتی رابنا فی التلوی.

۵۰۷. حدثنا علی بن عبد اللہ المدینی قال حدثنا سفیان قال حفظناہ من الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم واشتکت النار الی ربہا فقالت یا رب اکل بعضی بعضا فاذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء و نفس فی الصيف وهو اشد ما تجدون من الحر وهو اشد ما تجدون من الزمہر.

۵۰۸. حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا اولی قال حدثنا الاعمش قال حدثنا ابو صالح عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ابردوا بالظہر فان شدۃ الحر من فیح جہنم تابعہ سفیان و یحییٰ و ابو عوانۃ عن الاعمش.

ترجمہ ۵۰۵: اعرج عبد الرحمن وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے اور عبد اللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع نے عبد اللہ بن عمرؓ سے اور دونوں (ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ) نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

ترجمہ ۵۰۶: حضرت ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ گرمی میں) نبی کریم ﷺ کے مؤذن (بلال) نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ہو جانے دو، ٹھنڈا ہو جانے دو یا یہ فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ، پھر فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے لہذا جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، اس وقت تک ٹھہرو کہ ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگے۔

ترجمہ ۵۰۷: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب گرمی زیادہ بڑھ جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے (ہوتی) ہے اور آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی، عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھالیا ہے، اللہ نے اسے دوسرے سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس کی جاڑوں میں اور ایک سانس کی گرمی میں اور وہی سخت گرمی ہے جس کو تم محسوس کرتے ہو، اور سخت سردی ہے جو تم کو معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ ۵۰۸: حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے اوقات ظہر بیان کرتے ہوئے، سب سے پہلے ابراد کی حدیث ذکر فرمائی اگلے باب میں سفر کی حالت میں



بھی ابراہ کی حدیث لائے، پھر اگلے باب میں وقت ظہر بتلایا اور چوتھے باب میں تاخیر ظہر کا ذکر کیا ہے اس کے بعد کتاب الاذان میں باب الاستہام فی الاذان حدیث ص ۵۸۵ لائیں گے جس میں ضمناً آیا ہے کہ نمازوں کو وقت کے اندر تجلّت کے ساتھ ادا کر لینا چاہئے اور اسی حدیث کو باب فضل التجبیر میں نمبر ۶۲۰ پر لائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے بھی حنفیہ کے موافق ابراہ کو ترجیح دی ہے، جس طرح امام ترمذیؒ نے باوجود شافعی المسلک ہونے کے ابراہ کو اختیار کیا اور حدیث ابراہی السمرکی وجہ سے مسلک شافعیہ کو مرجوح قرار دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ عینیؒ نے لکھا کہ باب فضل التجبیر کو ابراہ کے خلاف نہ سمجھا جائے کیونکہ علامہ ہرویؒ نے اس سے مراد سب نمازوں میں تجلّت کرنے کی فضیلت لی ہے اور اس عام حکم کو حضور علیہ السلام کے ارشاد ابراہ و اسفار کی وجہ سے خاص کرنا پڑے گا ورنہ وہ ارشادات متروک العمل ہونگے، اور اگر تجبیر ظہر کی مراد لی جائے تو لفظ ہاجرہ کا اطلاق پورے وقت ظہر تا قریب عصر پر ہوتا ہے۔ (عمدہ ص ۶۴۴ ج ۲)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ موطا امام مالکؒ ابواب مواقیث میں ایک باب نہی عن الصلوٰۃ فی الهاجرہ بھی ہے، جس سے ہاجرہ اور گرمی کے وقت میں ممانعت نماز والی بھی بخاری کی حدیث الباب روایت کی گئی ہے (او جز ص ۳۰ ج ۱)

ابراہ جمعہ: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نماز جمعہ کے لئے بھی ابراہ کا حکم ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، علامہ بیہقیؒ نے تو یہ اختیار کیا کہ ابراہ صرف نماز ظہر کے لئے ہے، جمعہ کے واسطے نہیں، لیکن صاب البحر الرائقؒ نے فرمایا کہ جمعہ کے لئے بھی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ جمعہ کے لئے عدم ابراہ کی تھی (العرف الحدیث ص ۲۳۰)

المغنی لابن قدامہ ص ۱۴۴ ج ۲ میں ہے کہ استحباب جمعہ کے لئے بعد زوال کے شدت گرمی وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ لوگ جمعہ کے لئے جمع ہوں گے، اگر ابراہ کا انتظار کیا جائے تو وہ ان پر شاق ہوگا۔ (معارف السنن ص ۳۵۸ ج ۴)

حافظؒ نے لکھا: ظہر کے لئے حکم ابراہ سے ابراہ جمعہ کے لئے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے اور بعض شافعیہ اس کے قائل بھی ہوئے ہیں اور امام بخاریؒ کے طریقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو انہوں نے باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة میں اختیار کیا ہے، وہاں حدیث اذا اشتد الحر یکر بالصلوٰۃ کے آگے یعنی الجمعہ کا اضافہ کیا ہے اس پر علامہ زین بن العسیرؒ نے بھی فرمایا کہ امام بخاریؒ کا رجحان ابراہ جمعہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ (ص ۱۳ اوص ۲۶۴ ج ۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض شافعیہ بھی ابراہ جمعہ کے قائل ہوئے ہیں، جبکہ جمہور حنفیہ وغیرہم بھی جمعہ کو ابراہ سے مستثنیٰ کر رہے ہیں، پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بعض شافعیہ صرف جمعہ کے لئے ہی ابراہ کے قائل ہوئے ہیں، یا ظہر کے بھی، بظہر تو یہی ہے کہ امام بخاریؒ کی طرح وہ بھی ابراہ ظہر و جمعہ دونوں کے قائل ہوں گے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابراہ کا مسئلہ احادیث و آثار کی روشنی میں بہت قوی ہے جس طرح سفہ فخر کا مسئلہ بھی اسی لحاظ سے نہایت قوی ہے، اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔

یہاں سے یہ بات بھی روشنی میں آجاتی ہے کہ بہت سے مسائل جو مذاہب اربعہ کے اختلاف کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا دیا گیا ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے اور بقول علامہ کوثریؒ کے چاروں مذاہب کی حیثیت اور صحیح ترین پوزیشن ایک ہی کنبہ و قبیلہ کے افراد کی ہے اور تقریباً تین چوتھائی مسائل میں تو بالکل اتفاق ہے، باقی میں زیادہ تر معمولی اختلافات ہیں۔

البتہ اہل ظاہر اور غیر متقدمین کے ساتھ مذاہب فقہیہ کا اختلاف نہ صرف فروعی مسائل میں ہے بلکہ اصول و عقائد کے اندر بھی ہے چونکہ عام طور سے اہل علم بھی متنبہ نہیں ہیں اس لئے اس کو ہم یہ تکرار کہتے ہیں۔ واللہ موافق

## شدت حر کے اسباب

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا: - حکم ابراہیمؑ کی علت بتائی گئی ہے کہ ٹھیک دوپہر کے موسم گرما میں جہنم کی حدت و گرمی کا اثر سورج کے اندر نمایاں ہوتا ہے جس سے دھوپ میں بھی شدت و حرارت بڑھ جاتی ہے، پھر اس سے نماز پڑھنے والوں کی تکلیف و مشقت کا لحاظ کیا گیا ہے، یہ جہنم کی حرارت کے اثرات سورج میں آجانے کو حق تعالیٰ کے غضب و غصہ کی علامت سمجھ کر نماز کو موخر کیا گیا ہے تاکہ رافت و رحمت کا وقت آجائے، جس کی علامت ابراہیمؑ اور یہ ایسا ہے کہ جس طرح حدیث شفاءؒ روز قیامت میں وارد ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اپنی لغزشوں کی وجہ سے اور حق تعالیٰ کے غیر معمولی غضب و غصہ کی وجہ سے بھی، مگر چونکہ وہاں نماز ظہر کی طرح مؤخر کرنے کی بات بھی نہ ہو سکے گی کہ تمام لوگ تاخیر حساب سے بھی سخت پریشان ہوں گے، اس لئے حضور اکرم ﷺ کی شان رافت و رحمت اور آپ کے لئے حق تعالیٰ کے خصوصی فضل و انعام کے تحت اجازت شفاعت کام آئے گی اور آپ کی پہلی شفاعت پر حساب شروع ہو جائے گا، پھر دوسرے مراحل شفاعت بھی آگے آئیں گے۔

ایک وجہ شدت حر کے وقت کراہت صلوٰۃ کی یہ بھی علماء نے بیان کی ہے کہ اس وقت نماز میں خشوع و خضوع کا حصول بھی دشوار ہوتا ہے، یعنی اگر سخت گرمی و تپش کی تکلیف اٹھ کر نماز کی جگہ تک پہنچ بھی جائیں تو ادائیگی نماز کے وقت بھی دل کی یکسوئی اور مناجات کی برتری میسر نہ ہوگی، حافظؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ گرمی کی شدت کو جو جہنم کی لپٹوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یہ بات حقیقت پر بھی محمول ہو سکتی ہے، جیسا کہ جہنم کے شکوہ کرنے کی بات بھی حدیث سے ثابت ہے، اور مجاز تشبیہ پر بھی محمول کر سکتے ہیں کہ اس وقت کی سخت گرمی و تپش کو جہنم کی سی گرمی بتلایا گیا ہے، اسی طرح جہنم کی شکایت پر بھی صماء کے مختلف اقوال ہیں، علامہ ابن عبدالبر، قاضی عیاض، علامہ قرطبی، علامہ نووی، محقق طوربشتی اور علامہ زین بن المصیر نے حقیقت پر محمول کیا ہے اور علامہ بیضاویؒ نے مجازی معنی کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۲ ج ۱)

افادۃ النور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: یہاں ایک عقلی سوال ہے کہ شدت حرارت و ضعف حرارت کا سبب تو سورج کا قرب و بعد ہے، اسی لئے مثلاً ہمارے ملک میں موسم گرما میں قرب شمس کی وجہ سے گرمی اور موسم سرما میں بعد شمس کی وجہ سے سردی ہوتی ہے اور جنوبی افریقہ میں مثلاً اس کا برعکس ہوتا ہے، یونانی فلاسفہ تو کہتے تھے کہ اجرام اشیر یہ میں حرارت و برودت کچھ بھی نہیں ہے، مگر جدید سائنس والے کہتے ہیں کہ تمام اجرام عالم سے زیادہ حرارت سورج میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اشیاء عالم کے ظاہری اسباب ہیں اسی طرح ان کے لئے باطنی اسباب بھی ہیں، شریعت ان ہی کو ذکر کرتی ہے اور ظاہری اسباب کی نفی نہیں کرتی، پس شریعت نے باطنی سبب بتلادیا کہ سورج میں گرمی جہنم سے آتی ہے جو حرارت اور مہالک و شرور کا معدن ہے جو بات ہمیں ظاہر میں نظر نہیں آتی وہ بتلادی ہے اور یہی جواب رد و برق و مطہر اور نہر جیحان و سیمان کے بارے میں بھی ہے، پھر علامہ یحییٰ کے نزدیک مدار حرارت پر ہے اور یہی رائے اوفق باللہ حدیث ہے، صاحب بحر نے مدار موسم گرما پر رکھا ہے اسی طرح تبکسیر جمعہ میں بھی دو قول ہیں۔

یہ بھی حدیث میں ہے کہ دوپہر کے وقت جہنم کو تاپا جاتا ہے اور جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی ایسا حضرت رب کے غضب کے باعث ہے لہذا تاخیر ہونی چاہئے نماز کی تاکہ اس کے رحم کے وقت حاضر ہوں۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر میں ابراہیمؑ اس وقت ہے کہ کسی مسجد میں لوگ دور سے آکر نماز پڑھتے ہوں، منفرد اور اس شخص کے لئے نہیں ہے جو قریب کی مسجد میں پڑھے، لیکن ترمذیؒ باوجود شافعی ہونے کے اس تاویل کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ حنفیہ کی رائے زیادہ بہتر اور اتباع سنت پر مبنی ہے، کیونکہ حضرت ابو ذرؓ کی حدیث بتلاتی ہے کہ حضور علیہ السلام صحابہ کرام کے ساتھ سفر میں تھے اور ایک جگہ تھے،

پھر بھی آپ نے حضرت بلالؓ کو ابراہاد کا حکم فرمایا تھا۔

امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے کہ پہلے ظہر میں قیام ہی تھی، پھر منسوخ ہو گئی، حدیث حضرت مغیرہؓ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، التخصیر الجبر میں ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے حدیث مغیرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے صحیح کی، حضرت ابن مسعودؓ حضرت انسؓ سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام موسم سرما میں قیام ظہر کرتے تھے اور موسم گرما میں ابراہاد فرماتے تھے۔

## باب الابراہاد بالظہر فی السفر

(سفر میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان)

۵۰۹. حدثنا ادم قال حدثنا شعبۃ قال حدثنا مہاجر ابو الحسن مولیٰ لبنی تیم اللہ قال سمعت زید بن وہب عن ابی ذر الغفاری قال کنا رسول اللہ ﷺ فی سفر فاراد المودن ان یوذن للظہر فقال النبی ﷺ ابرء ثم اراد ان یوذن فقال لہ ابرء حتی راینما فی التلول فقال النبی ﷺ ان شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فارءو بالصلوۃ وقال ابن عباس یضیو یتمیل۔

ترجمہ ۵۰۹: حضرت ابو ذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا کے ہمراہ کسی سفر میں تھے، مودن نے چاہا کہ ظہر کی اذان دے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈا ہو جانے دو، اس نے پھر چاہا کہ اذان دے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ٹھنڈا ہو جانے دو یہاں تک کہ ہم کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے، لہذا جب گرمی کی شدت ہو تو (ظہر کی نماز) ٹھنڈ میں پڑھا اور ابن عباسؓ نے ”یظلی“ کی تفسیر ”تتمیل“ بیان کی یعنی ہٹ جائے۔

تشریح: حضرت شاد صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کتاب الاذان میں ”حتی مساوی فی التلول“ بھی لائیں گے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت دوشل تک رہتا ہے، علامہ نووی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس سے غیر معمولی تاخیر نکلتی ہے اور انہوں نے اس کو جمع سفر پر محمول کیا ہے حالانکہ حدیث میں کہیں بھی سفر کا ذکر نہیں ہے، اگرچہ میرے نزدیک مساوات فی التلول سے حنفیہ کو بھی استدلال نہ کرنا چاہئے کیونکہ بظاہر راوی کا ارادہ حقیقی مساوات کا نہ ہوگا اور نہ مثل و مثلیں کا مسئلہ ثابت کرنا تھا، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض علماء کے اشعار سے استدلال کر کے بعد جاہلوں نے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی مان لیا ہے، حالانکہ ان اشعار میں بطور مبالغہ اوصاف کے بیان میں زیادتی ہو گئی ہے، ان علماء کا قصد تعظیم علم نبویؐ کا نہ تھا، جاہلوں نے عقیدہ اور باب مدح میں فرق نہ کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ احقر نے مولوی احمد رضا خان صاحب کی بعض تصانیف میں دیکھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی کی نفی کی ہے اور علم ذاتی کی بھی، بلکہ اپنے مخالفوں پر یہ طعن بھی کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ذاتی علم غیب و کلی ہم بھی نہیں مانتے اور ہمارے مخالفین بھی اور ہم دونوں ہی علم جزئی کے قائل ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ علم جزئی ایسا مانتے ہیں جس سے حضور علیہ السلام کی تحقیر ہوتی ہے اور ہم ایسا علم جزئی مانتے ہیں جس سے آپ کی تعظیم ہوتی ہے، اور حق یہ ہے کہ کچھ تعبیراتی مسائیں ہو گئیں ہیں ”والحق قد یعتبرہ سوء تعبیر“ ان سے احتراز کرنا چاہئے تھا وللتفصیل محل آخر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نکتہ و قیقہ علمیہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ ابراہاد بالظہر میں باصلہ کی ہے جو مفعول بہ پروا دل ہوئی ہے جس سے فعل میں تاکید و مبالغہ مفہوم ہوتا ہے جیسے اخذت یالجم اور اوسوا برؤسکم میں ہے اور زختری نے آیت کریمہ وھزی الیک بعجدع النخلۃ کے تحت بھی تفسیر اسی طرح کی ہے، یعنی اچھی طرح کھجور کی شاخوں کو ہلاؤ تاکہ کھجوریں اچھی طرح گریں، اسی طرح ترجمہ یہ ہوگا کہ سروں کا مسح اچھی طرح کرو

اور میں نے گھوڑے کا لگام اچھی طرح مضبوطی سے پکڑا، لہذا یہاں بھی ترجمہ یہ ہوگا کہ ظہر کی نماز کے لئے اچھی طرح ٹھنڈا وقت ہو جانے دو۔

## باب الظهر عند الزوال وقال جابر كان النبي ﷺ يصلي بالهاجرة

(ظہر کا وقت زوال کے وقت ہے، جابر کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ دو پہر کو نماز پڑھتے تھے)

۵۱۰. حدثنا ابو اليمان قال حدثنا شعيب عن الهري قال اخبرني انس بن مالك ان رسول الله ﷺ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر فقام على المنبر فذكر الساعة وذكر ان فيها امورا عظاما ثم قال من احب ان يستل عن شيء فليستل فلا تسالوني عن شيء الا اخبركم مادمت في مقامى هذا فاكسر النساء في البكاء واكثر ان يقول سلوني فقام عبدالله بن حذافة السهمي فقال من ابى قال ابو ك حذافة ثم اكثر ان يقول سلوني فبرك عمر على ركبته فقال رضينا بالله ربنا وبالا سلام ديننا وبمحمد نبيا فسكت ثم قال عرضت على الجنة والنار انما في عرض هذا الحائط فلم اركا الخير والشر.

۵۱۱. حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبة عن ابى المنهال عن ابى برزة قال كان النبي ﷺ يصلي الصبح واحدنا يعرف جلسه ويقرا فيها مان بين الستين الى المائة ويصلي الظهر اذا زالت الشمس والعصر واحدنا يذهب الى اقصى المدينة رجوع والشمس حية ونسيت ما قال في المغرب ولا يبالي بتاخير العشاء الى ثلث الليل ثم قال الى شطر الليل وقال معاذ قال شعبة ثم لقيته مرة فقال او ثلث الليل.

۵۱۲. حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال حدثنا خالد بن عبدالرحمن قال حدثني غائب بن القطان عن بكر بن عبدالله المزني عن انس بن مالك قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ وسلم بالظهار سجدنا على ثيابنا اتقاء الخثر.

ترجمہ ۵۱۰: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول خدا ﷺ جب آفتاب ڈھل گیا ہر تشریف لائے اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور آپ نے قیامت کا ذکر شروع کیا، فرمایا کہ اس میں بڑے بڑے حوادث ہوں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو شخص کچھ پوچھنا چاہے وہ پوچھے جب تک کہ اپنے اس مقام میں ہوں، جو شخص مجھ سے کچھ پوچھنا چاہے گا میں اسے بتاؤں گا، لوگوں نے کثرت سے رونا شروع کیا اور آپ نے اس قول کی کثرت فرمائی کہ ”سلونی“ پھر عبداللہ بن حذافہ بھی کھڑے ہو گئے، انہوں نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ حذافہ ہے، آپ پھر بار بار فرمانے لگے کہ ”سلونی“ تب عمر اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اللہ سے راضی ہیں جو (ہمارا) پروردگار ہے اور اسلام سے جو (ہمارا) دین ہے اور محمد ﷺ سے جو (ہمارے) نبی ہیں، اس وقت آپ ساکت ہو گئے اس کے بعد فرمایا کہ جنت اور دوزخ میرے سامنے ابھی اس دیوار کے گوشے میں پیش کی گئی ہے، ایسی عمدہ چیز (جیسی جنت ہے) اور ایسی بری چیز (جیسی دوزخ ہے) کبھی نہیں دیکھنے میں آئی۔

ترجمہ ۵۱۱: حضرت ابو المنہال حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا، اس میں ساٹھ ۶۰ آیتوں اور سو ۱۰۰ آیتوں کے درمیان میں قراءت کرتے تھے، ظہر کی نماز جب آفتاب ڈھل جاتا تھا، پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ ہم میں سے کوئی لوٹ کر مدینہ کے کنارہ تک چلا جاتا تھا اور آفتاب مغیر نہ ہوا ہوتا تھا (ابو المنہال کہتے ہیں) اور مغرب کے بارے میں جو کچھ ابو ہریرہ نے کہا تھا، میں بھول گیا اور عشا کی تاخیر میں تہائی رات تک آپ

کچھ پروا نہ کرتے تھے، بعد اس کے ابو ہریرہؓ نے کہا کہ نصف شب تک اور معاذ کہتے ہیں کہ شعبہ نے بیان کیا کہ اسکے بعد ایک مرتبہ میں نے منہال سے ملاقات کی، تو انہوں نے کہا یا تمہاری شب تک۔

ترجمہ ۵۱۲: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

تشریح: سابقہ احادیث جن میں گرمی کی شدت کے موقع پر ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس حدیث میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے، لیکن چونکہ ہماری نظر کے سامنے ان احادیث کا موقع اور محل یا ماحول نہیں اس سے الجھن واقع ہوتی ہے بظاہر ایسا ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کا یہی عمل ہوگا کہ زوال ہوتے ہی نماز ادا فرماتے ہوں گے، پھر جب آپ کو صحابہ کی تکلیف اور دشواری کا احساس ہوا ہوگا تو آپ نے حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اس طرح یہ حدیث مقدم ہوئی اور سابقہ متاخر اور قابل عمل حدیث متاخر ہوتی ہے، یہی مسلک حنفیہ کا ہے، نیز احادیث اولیٰ اور ثانی علیٰ ہیں، قویٰ حدیث علیٰ سے تعیل میں مقدم ہوتی ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلی حدیث الباب میں حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ جب تک میں یہاں ہوں، تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا، معلوم ہوا کہ یہ ایک وقتی چیز تھی، لہذا اس سے آپ کے علم غیب کلی کے لئے استدلال نہیں ہو سکتا کہ یہ صفت صرف حق تعالیٰ کی ہے، دوسری حدیث الباب میں ”واحدنا يعرف جلیسہ“ سے ثابت ہوا کہ نماز فجر اسفار میں ختم ہوتی تھی کہ ایک دوسرے کو پہچان لیتا تھا، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے ائمہ تغلیس کو افضل بتلاتے ہیں یعنی اندھیرے میں پڑھنے کو مفصل دلائل آگے آئیں گے، ان شاء اللہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہی حدیث ان ہی راویوں سے ابوداؤد میں بہ لفظ ”وما يعرف احدنا جلیسہ“ مروی ہے حالانکہ وہ اس حدیث بخاری اور حدیث مسلم کے بھی خلاف ہے، لہذا یہ لفظ صرف ابوداؤد میں ہیں، پھر یا تو کسی راوی کا وہم ہے یا کتاب کی غلطی ہے، بذل المجمود ص ۲۲۴ ج ۱ میں لکھا: ”نسخہ دہلویہ و کانپوریہ میں تو اسی طرح مافیہ کے ساتھ ہے مگر مصری نسخہ میں بغیر ما کے ہے اور اسی کو صاحب عون المعبود نے لیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہی صواب ہے کہ بخاری و مسلم کے موافق ہے۔“

قولہ ”واحدنا فیذہبان لی اقصیٰ المدینہ“ پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ آخر مدینہ تک جا کر پھر مسجد نبویؐ کو لوٹ کر آنا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز عصر پڑھ کر لوٹنا تو آخر مدینہ میں اپنے گھر پہنچ جاتا تھا، اس حالت میں کہ ابھی سورج کی روشنی میں جان باقی رہتی تھی، چنانچہ آگے باب وقت العصر میں بخاری میں ہی سیار کی حدیث (نمبر ۵۱) آرہی ہے، اس میں یہی بات صاف طور سے بتلائی گئی ہے، غرض معلوم ہوا کہ یہ صرف ایک طرف کی مسافت کا بیان ہے اور اس سے تعیل نہیں بلکہ تاخیر ثابت ہوتی ہے جس کو امام طحاویؒ نے بھی کہا ہے دوسروں نے اس سے تعیل سمجھی ہے تاہم یہ اختلاف صرف الفضلیت و استحباب کا ہے، جیسا کہ ظہر میں بھی تعیل و تاخیر کا ہے یا صبح میں اسفار و تغلیس کا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ تیسری حدیث الباب میں ہے کہ ہم نے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ اپنے ملبوس کپڑوں کے کناروں پر سجدہ کر سکتے ہیں، شافعیہ کے نزدیک نہیں کر سکتے، لہذا وہ یہاں بھی جدا کپڑوں کی تاویل کریں گے، جبکہ ظاہر ان کے خلاف ہے (کیونکہ کپڑوں کا لفظ عام ہے، بلکہ اپنے کپڑوں سے اشارہ مبہوسہ کپڑوں کی طرف ہی نکل سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔)

## باب تاخیر الظهر الی العصر

(ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک موخر کرنے کا بیان)

۵۱۳۔ حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زید عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس ان النبی ﷺ صلیٰ بالمدینۃ سبعا و ثمانیا الظهر والعصر المغرب والعشاء فقال ایوب لعلہ فی لیلۃ مطیرۃ قال عسی۔ ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب و عشاء کی سات رکعتیں (ایک ساتھ) پڑھیں تو ایوب نے (جابر سے) کہا کہ شاید بارش والی رات میں ہوا ہوگا، جابر نے کہا کہ شاید۔ تشریح: امام بخاریؒ کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے، جمع تقدیم جائز نہیں، اسی لئے یہاں تاخیر کا لفظ استعمال کیا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع حقیقی کسی عذر کے ساتھ جائز ہے، مثلاً سفر، مرض اور بارش کی وجہ سے، امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے یہاں جمع حقیقی جائز نہیں کہ ایک کے وقت میں دوسرے وقت کی نماز پڑھی جائے، کیونکہ نمازوں کے اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور محافظہ صلوٰات کا بھی حکم ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں نہیں پڑھا۔ بجز عرفہ و مزدلفہ کے حج کے دن میں، لہذا تشریع عام یہی ہے اور جن احادیث میں جزئی واقعات اس کے خلاف وارد ہیں ان میں احتمال جمع صوری کا ہے، یعنی ایک نماز اس کے آخر میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھا گیا، جس سے اوقات مستحبہ کے خلاف تو کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا، باقی جواز کے اندر ہی وہ صورتیں بھی پیش آئی ہوں گی، چنانچہ آگے حدیث نمبر ۵۱۹ آ رہی ہے جس کے تحت حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھا کرتے ہوں گے اور حضرت انسؓ نے عصر کی اول وقت میں پڑھی ہوگی، اسی لئے حضرت ابوامامہؓ کو حضرت انسؓ کی نماز میں شک پڑا کہ انہوں نے اس وقت ظہر کی پڑھی ہے یا عصر کی، لہذا جمع کی حدیثوں کو جمع وقتی حقیقی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اور حنفیہ کی رائے اس بارے میں نہایت درست ہے اور اصول و قواعد شرع سے وافق بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ

آپ نے ”شرح تراجم ابواب البخاری“ میں لکھا کہ امام بخاری کی غرض اس باب میں یہ بتلانا ہے کہ حضور علیہ السلام کا دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے اور بحالت اقامت ہستی کے اندر جمع کرنا حقیقی طور سے نہ تھا، بلکہ ایک نماز کو مؤخر کر کے آخر وقت میں اور دوسری کو مقدم کر کے اول وقت میں پڑھا تھا، اس طرح یہ جمع بین الصلواتین صرف صورتہ و فعلاً تھی، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی لکھا کہ اس حدیث میں صلے بالمذنبۃ وہم راوی ہے، کیونکہ یہ واقعہ مدینہ کا نہیں بلکہ تبوک کا ہے، راوی نے کہا تھا کہ یہ بغیر سفر کا قصہ ہے، یعنی حالت سیر کا نہیں اقامت کا ہے، دوسرے راوی نے اس کو حضر کا واقعہ سمجھ لیا، پھر بعض نے اس کی تعبیر مدینہ سے کر دی، لیکن اس پر اعتراض ہوا کہ اس طرح تو ثقہ راویوں پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا، حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اس کا کوئی جواب نہ دیا، مگر شیخ الحدیث نے یہ جواب دیا کہ واقعہ مدینہ کا ہی ہوگا، جمع صوری ہوئی ہوگی، جس کو محققین شافعیہ و مالکیہ نے بھی راجح قرار دیا ہے، جیسے حافظ ابن حجر، قرطبی، امام احرار میں، ابن ماجہ اور ابن سیدانس وغیرہ نے دوسرے یہ کہ اگر قصہ سفر کا ہوتا تو نماز قصر پڑھی جاتی، یعنی چار ظہر و عصر کی اور پانچ مغرب و عشاء کی نہ کہ آٹھ و سات، علامہ عینی نے بھی لکھا کہ سب سے بہتر تاویل جمع صوری والی ہے الخ (لا مع ص ۲۱۴ ج ۱)

## ارشاد حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ

فرمایا کہ بخاری کے اس ترجمہ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جمع بین الصلواتین کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے، اور ابو داؤد نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، اگرچہ بعض ائمہ پھر بھی اس کے قائل ہیں، نیز فرمایا کہ مدینہ منورہ کی یہ جمع بین الصلواتین نہ سفر کی وجہ سے ہوئی نہ بارش کی وجہ سے، پھر بجز جمع فعلی و صوری کے اور کیا تھی؟ اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے تلمیذ حدیث جابر بن زید نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے حضور علیہ السلام ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعیل فرمائی ہوگی اور مغرب و عشاء کو موخر فرمایا ہوگا، اس پر حضرت عباسؓ نے جواب یا کہ میرا بھی یہی گمان ہے اور حدیث نسائی میں بھی تصریح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ میں آٹھ ایک ساتھ اور سات ایک ساتھ پڑھیں، آپ نے ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم فرمایا اور مغرب کو مؤخر عشاء کو تعیل کیا۔

حضرتؓ نے فرمایا کہ علامہ نووی نے اس حدیث کی جمع بین الصلواتین کو مرض کے سبب سے قرار دیا ہے، لیکن اگر یہ مان بھی لیں کہ حضور علیہ السلام نے مرض کی وجہ سے ایسا کیا تو کیا سارے مقتدی صحابہ کرام بھی مریض تھے اور حافظ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ جمع نظر حنفیہ کے مطابق ہے۔

راوی نے جو یہ کہا کہ شاید وہ رات بارش والی تھی، غالباً یہ احتمال کسی نیچے کے راوی نے بیان کیا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اور ان کے تلمیذ بلا واسطہ نے جمع صوری بھی تھی جو حنفیہ کا مذہب ہے اور اس کے لئے کسی عذر کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ بعض رواۃ کا یہ کہنا بھی کہ جمع بلا سفر و خوف ہوا، اسی طرف مشیر ہے کہ کسی قسم کا عذر نہیں تھا، اور بعض راویوں نے تو بارش کی بھی نفی کی ہے۔

حضرتؓ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے لفظ جمع کو ترجمہ الباب میں اختیار نہیں کیا، اس سے بھی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں، مثل حنفیہ کے۔

حضرت ابن عباسؓ کے اس فرمانے سے بھی کہ حضور علیہ السلام نے جمع اس واسطے کیا کہ امت پر تنگی و دشواری نہ ہو، مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ترک مستحب کی گنجائش ہے، کوئی ان کو لازم نہ سمجھ لے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب وقت العصر

(وقت عصر کا بیان)

۵۱۴۔ حدثنا ابراہیم بن المنذر حدثنا انس بن عیاض عن هشام عن ابیہ انا عائشة قالت کان النبی ﷺ یصلی العصر والشمس لم تخرج من حجرتها۔

۵۱۵۔ حدثنا قتیبہ قال حدثنا اللیث عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ صلے العصر والشمس فی حجرتها لم یظہر الفی بن حجر تھا۔

۵۱۶۔ حدثنا ابو نعیم قال حدثنا ابن عیینہ عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ قالت کان النبی ﷺ یصلی صلوۃ العصر الشمس طالعة فی حجرتی ولم یظہر الفیء بعد قال ابو عبد اللہ وقال مالک ویحیی بن سعید و شعب و ابن ابی حفصۃ والشمس قبل ان تظہر۔

۵۱۷۔ حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبد اللہ قال اخبرنا عوف عن سیار بن سلامۃ قال دخلت انا وابی علی ابی برزۃ الاسلمی فقال لہ ابی کیف کان رسول اللہ ﷺ یصلی المكتوبۃ فقال کان یصلی

الہجیر الی تدعونہا الاولیٰ حین تدحض الشمس ویصلی العصر ثم یرجع احدنا الی رحلہ فی اقصى المدينة والشمس حية ونسیت ما قال فی المغرب وکان يستحب ان یوخر من العشاء الی تدعونہا العتمة وکان یکرہ النوم قبلہا والحديث بعدها وکان ینفلت من صلوۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلسہ و یقرأ بالستین الی المائة.

۵۱۸. حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالک عن اسحاق بن عبد الله بن ابی طلحة عن انس بن مالک قال کنا نصلی العصر ثم یخرج الانسان الی بنی عمر و بن عوف لیجدهم یصلون العصر.

۵۱۹. حدثنا ابن مقاتل قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا ابو بکر بن عثمان ابن سهل بن حنیف قال سمعت ابا امامة یقول صلینا مع عمر بن عبد العزيز الظهر ثم خرجنا حتی دخلنا علی انس بن مالک فوجدناه یصلی العصر فقلت یا عم ما هذه الصلوۃ الی صلیت قال العصر وهذه صلوۃ رسول الله ﷺ الی کنا تصل معہ.

۵۲۰. حدثنا عبد الله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شہاب عن انس ابن مالک قال کنا نصلی العصر ثم یدھب الذاہب منا الی قباء فیاتہم والشمس مرتفعة.

۵۲۱. حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعب بن الزہری قال حدثنی انس بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی العصر والشمس مرتفعة حية فیذہب الذاہب الی العوالی فیاتہم والشمس مرتفعة وبعض العوالی من المدينة علی اربعہ امیال او نحوہ.

ترجمہ ۵۱۴: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب ان کے حجرے سے باہر نہ نکلا ہوتا تھا۔

ترجمہ ۵۱۵: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب ان کے حجرے میں تھا اور سایہ ان کے حجرے سے بلند نہ ہوا تھا۔

ترجمہ ۵۱۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرتے تھے کہ آفتاب میرے حجرے میں ہوتا تھا اور ہنوز سایہ نہ بلند ہوا ہوتا تھا، امام بخاریؒ نے کہا کہ مالک، یحییٰ بن سعید، شعب اور ابن ابی حفصہ نے یہ اس لفظ روایت کیا والشمس قبل ان تظھر (سورج اس وقت تک حجرہ سے باہر نہ ہوتا تھا)

ترجمہ ۵۱۷: حضرت سیار بن سلام روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو ہریرہؓ سلمی کے پاس گئے ان سے میرے والد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کی طرح پڑھتے تھے، انہوں نے ہجیر (یعنی ظہر) جس کو تم اولی کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے، جب آفتاب ڈھل جاتا اور عصر (ایسے وقت) پڑھتے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی اپنی اقامت گاہ میں جمہینہ کے حاشیہ پر ہوتی تھی، واپس پہنچ جاتا اور آفتاب میں حیات ہوتی تھی (سیار کہتے ہیں) اور میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں ابو ہریرہؓ نے کیا کہا اور آپ کو یہ پسند تھا کہ عشاء جس کو تم عتمہ کہتے ہو، دیر کے پڑھیں اور اس سے پہلے سوئے کو اور اس کے بعد بات کرنے کو برا جانتے تھے، اور صبح کی نماز (فراغت پاکر) ایسے وقت لوٹتے تھے کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا، اور (صبح کی نماز میں) آپ ساتھ سے سو تک آتیں پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۱۸: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکے ہوتے تھے اس کے بعد آدمی بنی عمر بن عوف



(کے قیلے) تک جاتا تو انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پاتا۔

ترجمہ ۵۱۹: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عمر بن عبد العزیز کے ہمراہ ظہر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے اور انس بن مالک کے پاس گئے، تو انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پایا، میں نے کہا کہ اے میرے چچا، یہ کون سی نماز آپ نے پڑھی، انہوں نے کہا عصر، یہی رسول خدا ﷺ کی نماز کا وقت ہے، جو ہم آپ کے ہمراہ پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ ۵۲۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے، اس کے بعد ہم میں سے جانے والا (مقام) قبا تک جاتا اور اس کے پاس ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب بلند ہوتا تھا۔

ترجمہ ۵۲۱: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند ہوتا تھا، عوالی کے بعض مقامات مدینہ سے چار میل پر یا اس کے قریب تھے۔

تشریح: وقت عصر کے اول میں جو اہم اختلاف تھا وہ پہلے ذکر ہوا، اب وقت مستحب کا بیان ہو رہا ہے، حنفیہ کے نزدیک تاخیر مستحب ہے، دوسرے حضرات تعیل کو مستحب کہتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ظاہر قرآن مجید سے تاخیر عصر نکلتی ہے کیونکہ صبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب وارد ہے اور قبل طلوع وغروب سے طلوع وغروب سے قریب تر ہی زمانہ مراد ہوا کرتا ہے، مثلاً آپ کسی سے وعدہ کریں کہ قبل الغروب آؤں گا تو وہ آپ کا انتظار غروب سے کچھ قبل ہی کرے گا، اسی طرح نماز عصر بھی حنفیہ گھنٹہ سوا گھنٹہ غروب سے قبل افضل بتلاتے ہیں، مگر شافعیہ وغیرہم کے مسلک پر ایک مثل پر وقت ہو جانے کے بعد تعیل عصر کریں گے، تو کئی گھنٹے قبل نماز افضل ٹھیرے گی، جو قبلیت قریب سے بعید تر ہوگی۔

دوسرے فقہی نقطہ نظر سے بھی حنفیہ کا مسلک ارجح ہے، کیونکہ شریعت نے بعد عصر سے غروب تک نوافل سے روک دیا ہے، اگر عصر کو چند گھنٹے قبل غروب کے پڑھ لیں گے تو نوافل کے لئے وقت تنگ ہو جائے گا۔

امام طحاویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عصر کے لغوی معنی نچوڑنے کے ہیں اور عصر کا وقت بھی دن کے نچوڑ کا وقت ہوتا ہے جو آخری تھوڑا حصہ ہوتا چاہئے۔ امام بخاریؒ پہلی حدیث الباب میں لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسے وقت عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے کہ سورج حجرہ مبارکہ سے نہ نکلتا تھا۔ یعنی اس کی دھوپ یاروشنی ابھی حجرہ مبارکہ کے اندر ہوتی تھی، امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حجرہ مبارکہ چھوٹا تھا، اس لئے دھوپ غروب شمس کے قریب تک رہتی تھی، کیونکہ حجرہ مبارکہ کا دروازہ غربی جانب تھا۔

دوسری احادیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز عصر ایسے وقت ہوتی تھی کہ سورج میں حیات ہوتی تھی، جس کے لئے ابو داؤد میں حضرت ضیفہ سے نقل ہوا کہ حیات سے مراد یہ کہ اس میں حرارت باقی ہوتی تھی، یہ بات بھی غروب کے قریب تر ہی ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ اس وقت نماز عصر نہ پڑھتے تھے جب تک ہم سورج کو مدینہ کے سب سے اونچے پہاڑ پر نہ دیکھ لیتے تھے، اور یہی وقت حنفیہ کا ہے۔

آخری حدیث الباب میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر ایک شخص عوالی تک پہنچ جاتا تھا اور ابھی سورج بلند ہوتا تھا، عوالی کے بعض حصے تقریباً چار میل دور تھے، اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ صورت بھی مختار حنفیہ پر منطبق ہو سکتی ہے، لہذا مخالف نہیں ہے، موطا امام مالکؒ میں سیر راکب کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں سیر عشق بھی وارد ہے، یعنی نماز پڑھ کر سوار تیز رفتاری کے ساتھ ۲-۳ فرسخ تک غروب سے قبل پہنچ سکتا تھا، یہ حنفیہ کے خلاف نہیں کیونکہ جب دن بڑا ہوتا ہے تو تقریباً دو گھنٹے قبل عصر حنفیہ ہوتی ہے اور تیز رفتاری و اتنی مسافت آسانی سے طے کر سکتی ہے۔

ترمذی شریف میں مستقل باب تاخیر صلوٰۃ العصر قائم کر کے صرف یہ حدیث ذکر کی کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ تمہاری نسبت سے ظہر کی نماز جلد پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز حضور علیہ السلام کے وقت سے پہلے پڑھتے ہو، اس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

## ساکنین عوالی کی نماز عصر

حدیث نمبر ۵۱۸ میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبویؐ کی نماز عصر پڑھ کر بعض لوگ قبیہ بنی عمرو بن عوف میں پہنچ کر دیکھتے تھے کہ وہاں کے حضرات نماز عصر میں ہوتے تھے، علامہ یحییٰ نے لکھا کہ اس سے بھی تاخیر عصر پر دلالت ہے کہ قبا و عوالی کے رہنے والے صحابہ کرام اتنی دیر سے پڑھتے تھے کہ آدمی دو تین میل مسجد نبویؐ سے چل کر بھی وہاں ان کی عصر کے وقت پہنچ جاتا تھا (عمرہ ۵۳۲ ج ۲) چونکہ اطراف مدینہ کے صحابہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں وقت گزارتے تھے، ممکن ہے ان کی رعایت سے بھی آپؐ کچھ عجلت فرماتے ہوں کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے اطراف مدینہ کے گھروں میں شام سے پہلے پہنچ جائیں جس کی طرف اشارہ حدیث نمبر ۵۲۰ میں ۵۲۱ میں بھی آئے گا، اور وہاں کے رہنے والے حضور علیہ السلام کے منشا، مبارک کو جان کر زیادہ تاخیر سے نماز عصر پڑھتے ہوں گے اس کے سوا اور بہتر وجہ ان کی تاخیر کی کیا ہو سکتی ہے؟ نمبر ۵۱۹ میں حضرت انسؓ کی تغیل عصر کی وجہ یہ تھی کہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں آخر وقت مکروہ میں منافقوں کی طرح ان کی نماز عصر نہ ہو جائے، جس سے حدیث میں ڈرایا گیا تھا یہ ان کی خاص اور غیر معمولی احتیاط تھی (اور سی لئے حضرت ابوبکرؓ نے حیرت سے ثابت کی وجہ دریافت کی) اور نہ ابھی اوپر کی حدیث میں ساکنین قبا و عوالی کا معمول کتنی تاخیر سے پڑھنے کا معصوم ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا:۔ بدائع میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کی دیواریں چھوٹی تھیں، اس لئے سورج ان میں تغیر نشی تک رہتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ تو جب ہے کہ اندر کی روشنی مراد ہو اور اگر دروازہ سے داخل ہونے والی روشنی مراد ہو تو ان کے حجرہ مبارکہ کا دروازہ غرب کی طرف تھا، اس میں قرب غروب تک روشنی زیادہ ہی ہوتی رہتی ہوگی، اور بالکل اسی سے غروب کے قریب ہی ختم ہوتی ہوگی، لہذا حدیث حضرت عائشہؓ اور بھی زیادہ تاخیر عصر پر دلیل بن جاتی ہے، نیز حدیث ترمذی، بروایت الحذری بھی مشیر ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کی نماز ہمیشہ غروب کے قریب پڑھتے تھے، جیسا کہ وہ آیت قبل طلوع الشمس و قبل الغروب کا بھی مقتضی ہے اور امام محمدؒ نے حضرت ابراہیم نخعی سے کتاب الحج میں نقل کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز آخر وقت میں پڑھا کرتے تھے اور روایات تاخیر عصر کی بہ نسبت تغیل کے زیادہ ماثور ہیں۔ (اوجز ص ۱۵ ج ۱)

تدعونہا الا ولی: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اولیٰ ظہر کی نماز کو اس لئے کہتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے وہی نماز پڑھائی تھی اور اسی لئے امام محمدؒ نے کتاب المواعیت کو نماز ظہر سے شروع کیا، متاخرین کے طریقہ کے خلاف کہ وہ فجر سے شروع کرتے ہیں۔

عوالی: بقول زہری مدینہ منورہ سے ۲-۳ میل پر ہیں (عمرہ ص ۵۳۳ ج ۲) یہ وہ علاقہ کہلاتا تھا جہاں مشرقی جانب صحابہ کرام کے مکانات تھے، اسی کے مقابل غربی جانب کے سوانل تھے۔

وکان یکرہ النوم: نماز عشاء سے قبل سونے کی کراہت اس باب نماز نفل ہونے کا خطرہ ہے، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

والحدیث بعدہا: شریعت چاہتی ہے کہ فاتحہ و ختمہ خیر پر ہو، اسی لئے صبح کو بھی نماز کے بعد ہر کام کرنا ہے اور رات کو نماز عشاء پر ختم

کر دینا ہے، کہ نماز پڑھ کر سو جائے۔

درمقی ر میں ہے کہ عشاء کے بعد کلام مباح مکروہ ہے اس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ غیر مباح کلام مطلقاً جائز ہے اور کلام خیر، ذکر و علم وغیرہ ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، علامہ زبیدی نے فرمایا کہ بعد عشاء باتوں کی کراہت اس لئے ہے کہ بسا اوقات لغو تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور نماز صبح بھی فوت ہو سکتی ہے یا تجدد کے مادی کی نماز تجدد فوت ہو جائے گی، لہذا اگر کوئی ہم ضرورت پیش آئے تو کوئی حرج نہیں، ایسے ہی قراءت، ذکر، حکایات صالحین، فقہ اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنا بھی جائز بلکہ کراہت میں ہیں، برہان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے

فرمایا بعد نماز عشاء کے کوئی بات نہ کرے مگر دو آدمیوں کو اجازت ہے، نمازی یا مسافر اور ایک روایت عرس کے لئے بھی ہے۔ کذا فی الشامی (لامع ص ۲۲۲ ج ۱)

امام ترمذیؒ نے رخصت سفر بعد العشاء کے لئے باب قائم کیا اور اس میں حضرت عمرؓ کی روایت نقل کی کہ رسول اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بعد عشاء کسی امر میں امور مسلمین میں سے باتیں کیا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔  
حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ سر ممنوع نہ تھی اور اس کو درحقیقت سر ہی کہنا صحیح نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ بہت امور کی نوعیت نیتوں کے بدلنے سے مختلف ہو جاتی ہے، چنانچہ فتح القدیر میں تحصیل نعت عربیہ کی نیت سے اشعار غزل و تہلیل پڑھنے کی اجازت لکھی ہے، بشرطیکہ جس عورت یا مرد کی تہلیل ہو وہ موجود نہ ہو اور علامہ شامی نے خواہ وقت و حساب وغیرہ کی تحصیل کو فرض کفایہ لکھا ہے، (معارف السنن ص ۸۱ ج ۲)

## باب اثم من فاتته العصر

(اس شخص کو کتنا گناہ ہے جس کی نماز عصر جاتی رہے)

۵۲۲. حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال الذي تغوته صلاة العصر فكانما وتر اهله وماله قال ابو عبد الله يتركم وترت الرجل اذا قتلت له قتيلا او اخذت ماله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جس شخص کی نماز عصر جاتی رہی، ایسا ہے کہ گویا اس کے اہل و مال ضائع ہو گئے، امام بخاری کہتے ہیں بترکم، وترت الرجل سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں، جب تم کسی عزیز کو قتل کر دو یا اس کا مال لوٹ لو۔

تشریح: نماز عصر کے فوت ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ بعض حضرات کی رائے ہے کہ جماعت کا فوت ہونا مراد ہے اور امام اوزاعیؒ کی تفسیر ابو داؤد میں یہ ہے کہ سورج کی دھوپ میں زردی آجائے، یعنی وقت مختار و مستحب فوت ہو جائے، علامہ بیہقی اور حافظ نے کہا کہ بلا کسی عذر مجبوری کے وقت جواز نکل جائے، اور امام بخاری کی مراد اس باب میں بغیر قصد و ارادہ کے فوت ہو جانا معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگلے باب میں ترک کرنے کا لفظ لائے ہیں، جو عمدہ ترک کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، آپ نے فرمایا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ پہلی امتوں نے بھی نماز عصر میں کوتاہی کی تھی (شاید اس لئے کہ کاروبار وغیرہ میں مشغولیت کا وقت ہوتا ہے اور اسی لئے غفلت و سستی کرنے پر وعید آئی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب اثم من ترک العصر

(اس شخص کا گناہ جو نماز عصر کو چھوڑ دے)

۵۲۳. حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا هشام قال اخبرنا يحيى بن ابي كثير عن ابي قلابه عن ابي السليح قال كنا مع بريدة في غزوة في يوم ذي غيم فقال بكر وبصلوة العصر فان النبي ﷺ قال من ترك صلاة العصر فقد حبط عمله.

ترجمہ: حضرت ابویلیحؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم کسی غزوہ میں ابر کے دن بریدہ کے ہمراہ تھے، تو انہوں نے کہا کہ عصر کی نماز سویرے پڑھ لو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عصر کی نماز چھوڑ دے، تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

**تشریح:** پہلے باب کی حدیث میں نماز عصر یہ غفلت و لاپرواہی فوت ہو جانے پر وعید تھی، یہاں عدا ترک کرنے کا بیان ہے اور صحابہ کرام کی غایت احتیاط بتلائی ہے کہ ابرو باد کے موقع پر نماز عصر میں جلدی کرتے تھے، مبادا وقت مکروہ آجائے یا غروب ہی ہو جائے اور پتہ نہ چلے، حقیقت یہ ہے کہ غفلت و لاپرواہی اور عدا ترک کرنے میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے، اس حدیث الباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابرو بارش کے دن صحابہ کے جلدی کرنے کی وجہ ظلمت و اندھیرا ہو جاتا تھی، ورنہ وہ عام دنوں میں تاخیر ہی سے پڑھتے تھے، اور اکثر احادیث میں جو سورج کی حرارت باقی تھی وہ بلند تھا وغیرہ الفاظ آتے ہیں وہ بھی یہی بتلاتے ہیں کہ تاخیر کرتے تھے، مگر ایسی بھی نہیں کہ مکروہ وقت داخل ہو جائے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب فضل صلوٰۃ العصر

(نماز عصر کی فضیلت کا بیان)

۵۲۴. حدثنا الحمیدی قال حدثنا مروان بن معاوية قال حدثنا اسماعیل عن قیس عن جریر بن عبد اللہ قال کنا عند النبی ﷺ فنظر الی القمر لیلۃ فقال انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لا تضامون فی روبۃ فان استطعتم ان لا تغلبو علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا ثم قرأ فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب قال اسماعیل افعلوا لا تفوتکم۔

۵۲۵. حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال یتعاقبون فیک ملئکۃ باللیل وملئکۃ بالنهار ویجتمعون فی صلوٰۃ الفجر و صلوٰۃ العصر ثم یمرج الذین باتوا فیکم فیسا لهم ربهم وهو اعلم بهم کیف ترکتم عبادی فیقولون ترکناهم وهم یصلون اتیناہم وهم یصلون۔

ترجمہ ۵۲۴: حضرت جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو یقیناً اس طرح دیکھو گے، جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے، لہذا اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے کی نماز میں (شیطان پر غالب آکر) ادا کر لیا کرو تو (ضرور) کرو، پھر آپ نے فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب تلاوت فرمائی۔

ترجمہ ۵۲۵: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب و روز میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں او یہ سب فجر اور عصر کی نماز میں مجتمع ہوتے ہیں، جو فرشتے رات کو تمہارے پاس رہے ہیں (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود اپنے بندوں سے خوب واقف ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے (تب بھی) وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

**تشریح:** حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اکثر حضرات نے نماز عصر کو افضل الصلوٰۃ قرار دیا ہے، مگر امام بخاری نے صرف فضیلت بتلائی، شاید وہ دوسرے حضرات کے ممانع نہیں ہیں۔

قولہ لا تضامون پر فرمایا کہ یہ ضم سے بھی مشتق ہو سکتا ہے کہ تم از دعاء ناظرین کی وجہ سے رویت باری تعالیٰ سے محروم نہ ہو گے اور ضم سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی رویت کے وقت کوئی کسی پر ظلم کر کے اس سے محروم نہ کر سکے گا۔

## تجلیات باری تعالیٰ

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر تجلی خداوندی کا بھی تفصیل سے ذکر کیا، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ میرے نزدیک یہاں رویت سے مراد رویت تجلی ہے، رویت ذات نہیں ہے، جیسا کہ شیخ اکبرؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کی تقسیم رویت شمسہ و قمریہ سے کی ہے، (حدیث میں رویت قمری و شمس دونوں سے تشبیہ وارد ہے) پھر یہ ہے کہ رویت تجلی ہی کو رویت ذات بھی کہا جاتا ہے، مثلاً تم خواب میں حق تعالیٰ کا دیکھ بیان کرو تو مراد اس کی تجلی ہی ہوتی ہے، تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر حضرت حق تعالیٰ کی تجلی ہوئی تھی، ایسے ہی محشر میں بندوں کے لئے ہوگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت ذات باری کی درخواست کی تھی جو تجلی دکھلا کر پوری کر دی گئی کیونکہ رویت ذات تجلی کے ذریعہ ہو سکتی ہے اور اسی کے ضمن میں انکشاف ذات بھی ماحیط بشا نہ ہو سکتا ہے اور ان تجلیات کے مراتب غیر متناہی ہیں، یہ تو شیخ اکبرؒ کی تحقیق ہے، پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اس بارے میں بہت عمدہ تحقیق فرمائی ہے نیز تجلیات اور وجہ وید وغیرہ میں بھی فرق ہے کہ یہ مبدیٰ صفات اور تعلقات ذات ہیں، اسی لئے اس سے منفصل نہیں ہے، تجلیات صور مخلوقہ و آثار افعال میں جو ذات حق سے منفصل اور جدا ہیں، امام بخاریؒ نے ان کا نام شؤن رکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عورتوں کے لئے جنت میں دیدار خداوندی

حضرتؒ نے فرمایا:- اس سے معلوم ہوا کہ ان نمازوں کے اہتمام کی وجہ سے ہی رویت باری کا شرف نمازی مومنوں کو جنت میں حاصل ہوگا، اور شاید دار قطنی کی روایت میں جو ہے کہ عورتوں کو جنت میں عیدین کے دنوں میں رویت حاصل ہوا کرے گی وہ اس لئے ہے کہ ان کو عیدین میں حاضر ہونے کی اجازت دی گئی تھی (جو فتنوں کے خوف سے قابل عمل نہ رہی، مگر چونکہ وہ خود اس میں معذور ہیں، اس لئے وہ شرف ان کو ضرور حاصل ہوگا جس طرح مجبوری، بیماری یا سفر کی وجہ سے نوافل داوراد نہ ہو سکیں تو اجر و ثواب ضرور ملتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم) قولہ یتعالمون لیکم پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث مختصر ہے، نسائی اور صحیح ابن خزیمہ میں زیادہ تفصیل ہے، فتح الباری میں بھی حدیث کے مزید کلمات کی تخریج حافظ نے کی ہے۔

نہار شرعی و عرفی: حضرتؒ نے فرمایا کہ نہار شرعی و عرفی ہونے کا لحاظ مختلف طریقوں پر ہوا ہے، مثلاً روزہ کے لئے نہار شرعی صبح صادق سے غروب تک ہے اور نماز کے حق میں صبح سے عصر تک ہے، اسی لئے نماز عصر کے بعد لٹل مکروہ ہوئے کہ دن کا دفتر بند ہو چکا۔

## اجتماع ملائکہ نہار دلیل

حافظؒ اور یحییٰ نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر و عصر دونوں میں دن و رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں جب نماز فجر میں جمع ہوتے ہیں تو رات کے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں اور دن کے رہ جاتے ہیں، پھر عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں تو دن کے اوپر جاتے ہیں اور رات کے ٹھہر جاتے ہیں، حق تعالیٰ صبح و شام اوپر جانے والے فرشتوں سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو، احدیث۔ علامہ یحییٰ نے فرمایا کہ اس میں تصریح ہے کہ ہر گروہ سے سوال فرماتے ہیں (عمدہ ۵۵۳ ج ۲، بحوالہ خزیمہ و مسند السراج عن ابی ہریرہ) پھر یہ سوال کے وہ فرشتے انسان کے محافظ فرشتے ہیں یا دوسرے ہیں، علامہ یحییٰ نے لکھا کہ اکثر علما کے نزدیک وہ محافظ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال پر نگران ہیں اور لکھنے کے لئے بھی مامور ہیں، قاضی عیاض نے غیر محافظ فرشتوں کا احتمال ذکر کیا، اس طرح کہ حق تعالیٰ ان سے بطور توبخ کے سوال کرے گا کیونکہ فرشتوں نے "اتجعل فیہا من یفسد فیہا" کہا تھا، قرطبی نے فرمایا کہ یہی حکمت

دونوں وقت فرشتوں کے اجتماع کی بھی ہو سکتی ہے، کہ وہ دونوں وقت اس دنیا میں آکر مسلمانوں کو نمازوں میں مشغول دیکھیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو کر نمازوں کی شہادت دیں، اور یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت و شفقت بندوں کے حال پر ہے کہ ان فرشتوں کو ان کی دن و رات کی برائیوں اور معاصی پر مطلع نہ ہونے دیا اور نمازوں کے اوقات میں جمع ہونے کا حکم دیا، علامہ عینی نے لکھا کہ اس مذکورہ حکمت و توجیہ کی بناء پر تو دوسرے پر محافظ فرشتوں ہی کی بات ٹھیک ہوتی ہے کیونکہ محافظ فرشتوں پر تو انسانوں کے سارے ہی احوال منکشف رہتے ہیں ان سے صرف دو خاص وقتوں کا حال دریافت فرمانا کیسے مناسب ہوگا، دوسرے یہ کہ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب بندہ مرجا تا ہے تو اس کے اعمال لکھنے والے دونوں کا تہا فرشتے اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر استغفار کرتے ہیں اور قیامت تک اس کے لئے رحمت الہی کی درخواست کرتے رہتے ہیں، لہذا ظاہر یہی ہے کہ وہ نمازوں کے وقت جمع ہونے والے غیر محافظ اور غیر کا تب فرشتے ہی ہوں گے۔

### فضیلت کس کے لئے ہے

علامہ عینی نے لکھا کہ جب ان دونوں نمازوں کی بہت ہی بڑی فضیلت اجتماع ملائکہ اور رفع اعمال کی ثابت ہوگئی، تو مناسب ہوا کہ جو بندے ان دونوں نمازوں پر مداومت و محافظت کریں ان کو افضل عطا یعنی رؤیت باری جل ذکرہ سے سرفراز کیا جائے، حافظہ عینی نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ حدیث کے الفاظ تو مطلق ہیں مگر یہ فضیلت بظاہر ان مومنوں کے لئے ہے جو ان دونوں وقتوں کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ (عمدہ ۲ ج ۵۵۳)

حکمت سوال: علامہ عینی نے لکھا کہ حکمت فرشتوں سے خیر کی شہادت لینی ہے، بنی آدم کے لئے اور استعطاف بھی ہے تاکہ وہ ان پر مہربان ہوں، یا ان کی اتجمل والی بات کا جواب دینا ہے اور بتلاتا ہے کہ صرف تم ہی تقدیس باری کرنے والے نہیں ہو، بنی آدم میں بھی تم جیسے اور تمہاری ہی شہادت سے تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ سوال بطریقہ تعدد ہے، جس طرح ان فرشتوں کو اعمال بنی آدم لکھنے کا حکم ہوا، حالانکہ حق تعالیٰ سب باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (عمدہ ص ۲ ج ۵۵۴)

فوائد: علامہ عینی نے بہت سے فوائد حدیث الباب کے لکھے ہیں مثلاً (۱) نماز اعلیٰ و افضل عبادت ہے کیونکہ اس کے بارے میں سوال و جواب وارد ہوا ہے (۲) نماز فجر عصر دونوں اعظم ترین نمازیں ہیں (۳) ان دونوں وقتوں کا خصوصی شرف بھی معلوم ہوا، اور حدیث میں ہے کہ نماز صبح کے بعد رزق تقسیم ہوتا ہے اور اعمال دن کے آخری حصہ میں اوپر اٹھائے جاتے ہیں، لہذا جو ان اوقات میں مشغول عبادت ہوگا اس کے رزق و عمل میں خیر و برکت ہوگی۔ (۴) اس امت کا شرف دوسری امتوں پر ثابت ہوا (۵) فرشتے بھی اس امت سے محبت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال خیر کو خدا کے یہاں لے جا کر پیش کر کے اس کا تقرب تلاش کرتے ہیں (۶) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں (۷) نماز عصر کو خاص طور سے اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ وہ مشغولیت کے وقت ہوتی ہے (عمدہ ۲ ج ۵۵۵)

۱۵ کتنی عظیم و جلیل نعمت و رحمت خداوندی ہے کہ جو لوگ ہر قسم کے شرک سے محتجب رہے اور ایمان اور یقین پر ان کا حسن خاتمہ ہو جائے تو دوسرے معاصی کی مغفرت اگر زندگی میں میسر نہ بھی ہو سکے تو عالم قبر میں ان کی مغفرت کا سامان مہیا کر دیا گیا تاکہ قبر سے اٹھے تو بخشنا بخشایا، صاف سترا ہوا اور یہ مغفرت کا سامان بھی ان فرشتوں کے ذریعہ کرایا گیا، جو اس بندہ کی پوری زندگی کے معاصی اور بد اعمالیوں سے نہ صرف پوری طرح واقف رہے، بلکہ اس کو اس بندہ کے نامہ اعمال میں سخر دم تک لکھ کر اس کا ریکارڈ تیار کرتے رہے، اب چونکہ انہوں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے اس کے لئے حسن خاتمہ مقدر فرما کر احسان عظیم فرمادیا ہے تو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مزید سامان مہیا کرنے کے لئے استغفار میں مشغول ہو گئے۔ (مؤلف)

۱۶ حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ فضیلت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے، منفرد کے لئے نہیں (مؤلف)

قولہ ”تو کنہام و ہم یصلون“ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے اس میں تردد ہے کہ فرشتے بھی جماعت فجر و عصر میں شریک ہو کر اقتدا کرتے ہیں یا نہیں؟ موطا امام مالکؒ میں حضرت سعید بن المسیبؒ سے نقل ہے کہ جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں دو فرشتے بھی نماز پڑھتے ہیں اور اگر وہ اذان دے کر نماز قائم کرے تو اس کے پیچھے فرشتے پہاڑوں کی برابر کثرت سے اقتدا کرتے ہیں تو جب ایک نماز میں اقتدا ثابت ہوگئی تو سب نمازوں میں ثابت ہو جائے گی اور آیت ”ان قرآن الفجر کان مشہوداً“ سے اقتدا ثابت نہ ہوگی، کیونکہ مشہود بغیر اقتدا کے بھی ہو سکتا ہے جیسے بشہدون دعوة المسلمین وغیرہ ہیں، لہذا اگر مشہود کا اطلاق حضور پر ہو تو معنی ظاہر ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے چھوڑا ہے اور اگر اقتدا ادا ہو تو باعتبار جنس کے مطلب یہ ہوگا کہ جن کی مذہم نے نہیں کی ان کو نماز پڑھتے چھوڑا ہے، وہ مراد نہ ہوں گے جن کی اقتدا میں وہ فرشتے خود نماز پڑھ کر گئے ہیں کہ ان کے ساتھ تو نماز ختم کر کے اوپر گئے ہیں، یا سبوق وغیرہ مراد ہوں گے کہ ان کو نماز پوری کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے امام بخاری کے اس طریقہ میں بھی اشکال ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو صرف فضیلت عصر کے لئے خاص کر لیا جبکہ حدیث میں فجر کی بھی فضیلت موجود ہے، پھر جب فجر کی فضیلت کا باب قائم کیا تو وہاں بھی اس حدیث کو نہیں لائے اور صرف آیت ان قرآن الفجر کان مشہوداً کو ذکر کیا پس ہو سکتا ہے کہ حدیث مذکور کو صرف فضیلت عصر پر محمول کیا ہو اور فجر میں ملائکہ کو طرف نہار پر محمول کیا ہو بخلاف عصر کہ اس میں حضور ملائکہ کو خود اس کی ذاتی فضیلت پر جتنی سمجھا طرف نہار کی وجہ سے نہیں کہ طرف حسی مغرب ہے اگر طرف ہونے کی وجہ سے حاضر ہوتے تو مغرب کے وقت آتے نہ کہ عصر کے وقت ایک اشکال یہ بھی ہے کہ جب فرشتوں کی آمد دونوں وقت ہوئی ہے تو آیت میں صرف فجر کی تخصیص کیوں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ اس میں قراءت جہری ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے حضور و شہود کا ذکر زیادہ اہم ہو گیا، کیونکہ ان میں قرآن مجید سننے کا اشتیاق و شغف بہت ہی زیادہ ہے۔

## باب من ادرك ركعة من العصر قبل الغروب

(اس شخص کا بیان، جو غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائے)

۵۲۶. حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شبان عن یحییٰ عن ابی سلمة عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ادرك احدکم سجدة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلوته واذا ادرك سجدة من صلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلوته.

۵۲۷. حدثنا عبدالعزيز بن عبد الله قال حدثني ابراهيم عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه انه اخبره انه سمع رسول الله ﷺ يقول لما بقاؤكم فيما سلف قبلکم من الامم كما بین صلوة العصر الى غروب الشمس اوتی اهل التوراة ليعملوا حتى اذا انتصف النهار عجزوا فاعطوا قيراطاً قيراطاً ثم اوتی اهل الانجيل ليعملوا الى صلوة العصر ثم عجزوا فاعطوا قيراطاً و قيراطاً ثم اوتينا القرآن فاعطينا قيراطين قيراطين فقال اهل الكتابين ای ربنا اعطيت هؤلاء قيراطين قيراطين واعطيتنا قيراطاً قيراطاً ونحن كنا اكثر عملاً قال الله عز وجل هل ظلمتکم من اجرکم من شيء قالوا لا قال وهو فضلي اوتيه من اشاء

۱۔ یہ اثر موطا امام مالک میں موقوف فاروی ہے مگر مرفوع ہے، کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی اور موصولاً بھی بروایت حضرت سلمان فارسیؒ بالسنن نسائی میں ہے، یعنی واہن ابی شیبہ وغیرہا کے یہاں حضرت سلمانؒ ہی سے موقوف فاروی ہے۔ (ادب ج ۱۹۵)

۵۲۸۔ حدثنا ابو کریب حدثنا ابو اسامة عن بريد عن ابی بردة عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال مثل المسلمین والیهود والنصارى کمثل رجل ن الساجر قوما یعملون له عملا الی اللیل فعملوا الی نصف النهار فقالو لاحاجة لنا الی اجرک فاستاجر اخرین فقال اکملو بقية یومکم ولکم الذی شرطت فعملوا حتی اذا کان حین صلوة العصر قالو لک ما عملنا فاستاجر قوما فعملو بقية یومهم حتی غایت الشمس فاستكملوا اجرا لفریقین۔

ترجمہ ۵۲۶: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز عصر کی ایک رکعت آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مل گئی تو باقی نماز پوری کر لینی چاہئے اور جب نماز فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے مل گئی تو باقی نماز پوری کر لینی چاہئے۔

ترجمہ ۵۲۷: حضرت سالم بن عبداللہ (ابن عمرؓ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہاری بھان امیوں کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسی ہے، جیسے نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک، کہ تورات والوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے (اس پر) عمل کیا، یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آ گیا تو وہ تھک گئے اور انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا، اس کے بعد انجیل والوں کو انجیل دی گئی اور انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا پھر وہ تھک گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا اس کے بعد ہم لوگوں کو قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو، دو قیراط دیئے گئے، اس پر دونوں اہل کتاب نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو، دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ہی قیراط دیا، حالانکہ ہم کام کے اعتبار سے زیادہ ہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ کم کیا، وہ بولے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں زیادہ دیتا ہوں۔

ترجمہ ۵۲۸: حضرت ابو موسیٰؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، مسلمانوں کی اور یہود و نصاریٰ کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر لیا ہو، تا کہ رات تک اس کا کام کریں چنانچہ انہوں نے دوپہر تک کام کیا اور کہا کہ ہمیں تیری مزدوری کی کچھ حاجت نہیں، لہذا اس نے دوسروں کو مزدوری پر لگالیا اور (ان سے) کہا کہ باقی دن اپنا پورا کر دو اور جو کچھ میں نے مزدوری مقرر کی ہے، تمہیں دوں گا، لہذا انہوں نے کام کیا، یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا، ان لوگوں نے کہا کہ جو کچھ ہم نے کام کیا، وہ تیرے لئے اتنا ہی ہے، پھر اس نے دوسرے لوگوں کو مزدوری پر لگایا تو انہوں نے بقیہ دن کام کیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ان لوگوں نے دونوں فریق کی (برابر) مزدوری پوری حاصل کر لی۔

تشریح: امام بخاری اس باب میں تین حدیثیں لائے ہیں پہلی سے بتلایا کہ کسی کام کے آخری حصہ میں شریک ہو جانے سے بھی اس میں پوری شرکت سمجھی جاتی ہے، جس طرح نماز عصر وغیرہ کو اگر آخر وقت میں پالیا تو گویا پوری نماز کو پالیا یا جس طرح حق تعالیٰ کی مقررہ اجرت عمل کو پہلی امیوں نے شروع اور درمیانی دن کے حصہ میں عمل کر کے پایا تو آخر دن میں عمل کرنے والے بھی اس کے مستحق بن گئے، امام بخاری پہلی حدیث کو چند ابواب کے بعد آگے لائیں گے (نمبر ۵۳۹ و ۵۵۰) اور دوسری حدیث کو بھی اجرت وغیرہ کے ابواب میں لائیں گے۔

یہاں یہ بحث نہایت اہم اور دقیق چھڑ گئی ہے کہ حدیث اول کا اصل مطلب کیا ہے، ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر طلوع وغروب آفتاب سے قبل نماز کے ایک سجدہ یا رکعت کا وقت پالیا تو اس نماز کو پورا کرنا ضروری ہے، اس کے شروع کرنے سے نماز پڑھنے والوں میں اس کا شمار ہو گیا مگر چونکہ عمل پورا نہیں ہوا اس لئے اس کی تکمیل کرے گا، پھر چونکہ طلوع وغروب کے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہو سکتی جیسا کہ بخاری کی حدیث نمبر ۵۵۳ میں آئے گا کہ جب سورج نکلنا شروع ہو جائے یا ڈوبنے لگے تو نماز کو مؤخر کر دو، تو امام طحاوی تو کہتے ہیں کہ جتنی



پڑھ چکا ہے وہ باطل ہوگئی، پھر سے طلوع وغروب کے بعد پوری پڑھے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صبح کی ہو تو یہی حکم ہے، غروب کے قریب والی ہو تو پوری کر لے، وہ جائز و درست ہوگی، امام ابو یوسف سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ صبح کی نماز کی اگر ایک رکعت پڑھی تھی اور سورج طلوع ہونے لگا تو اتنی دیر تو قف کرے کہ سورج اچھی طرح نکل آئے اور کراہت کا وقت نہ رہے تو باقی رکعت پوری کر لے، اس کے فرض ادا ہو جائیں گے، امام اعظمؒ کے نزدیک ایسا کرنے سے وہ نماز نفل ہوگی، فرض پھر سے پڑھے گا، دوسری روایت امام ابو یوسف سے بھی اس کے مطابق ہے امام محمدؒ کی رائے ہے کہ ایسی نماز نہ فرض ہوگی نہ نفل، سرے سے باطل ہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی، احمد) فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز بھی عصر کی طرح درست ہو جاتی ہے اور بخاری کی یہ حدیث اور آگے والی دو حدیثیں نمبر ۵۳۹ و ۵۵۰ بظاہر ان ائمہ ثلاثہ کی موافقت کر رہی ہیں مگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے اور احادیث و آثار کے پورے ذخیرے پر نظر کی جائے تو امام اعظمؒ کی رائے عالیٰ ہی زیادہ صائب ثابت ہوگی، وجہ یہ ہے کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کہ حدیث الباب میں اشارہ وقت کی طرف ہے مگر یہ بات قطعی نہیں کیونکہ دوسری احادیث مسلم و ابوداؤد وغیرہ یہ بتلاتی ہیں کہ اس نوع کی احادیث وقت سے متعلق نہیں بلکہ مسبوق یا معذور سے متعلق رکھتی ہیں اور خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود شافعی ہونے کے حدیث نمبر ۵۳۹ کے تحت لکھا: ”ادراک کے معنی پالینے کے ہیں“ تو بظاہر جو مطلب اس سے نکلتا ہے کہ جس نے ایک رکعت فجر کی پالی تو فجر کی نماز پالی اور نماز فرض کا مطالبہ ایک ہی رکعت پڑھنے سے ختم ہو گیا، یہ مطلب تو بالا جماع غلط ہے، پھر دوسرا مطلب یہ محتمل ہے کہ ایک رکعت پالینے سے اس کو وقت مل گیا، لہذا دوسری رکعت بھی پڑھے گا تو نماز کامل ہو جائے گی، اس ثانوی احتمال کو جہور نے اختیار کیا ہے، جس کی تائید یحییٰ وغیرہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے الخ۔ پھر حافظ نے حدیث نمبر ۵۵۰ پر پہلے تو محدث کرمانی شارح بخاری کا کلام ذکر کر کے اس کے تضاد کی طرف اشارہ کیا، پھر عدلہ تمیمی (شرح بخاری) کا قول ذکر کیا کہ امام بخاری کی حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی تو اس کو جماعت کی فضیلت مل گئی اور لکھ کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز سے مراد جمعہ کی نماز ہے کہ اس کی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالی تو جمعہ کی نماز پوری مل گئی اور لکھ کہ دوسرے اقوال بھی ہیں اس بارے میں منقول ہیں، پھر لکھا کہ یہ بات تو واضح ہے کہ ”فقد ادرک بالصلوۃ“ (کہ ایک رکعت مل جانے سے پوری نماز مل گئی) یہ بات اپنے ظاہری مطلب کے لحاظ سے بالا جماع غیر صحیح ہے جتنی کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے لہذا اس کا مطلب درست کرنے کے لئے کچھ مقدار ماننا پڑے گا، مثلاً یہ کہ جس کو ایک رکعت مل گئی اس نے نماز کا وقت پالیا، یا حکم نماز کا پایا وغیرہ اور اس کو باقی نماز کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ (فتح ۳۸ ج ۲)

### امام طحاویؒ وغیرہ کا مسلک

اس سے معلوم ہوا کہ من ادرک رکعة فقد ادرک الصلوۃ کے مطلب میں کئی احتمال ہیں اسی لئے، ائمہ مجتہدین و محدثین کے اظہار و آراء بھی مختلف ہو گئی، امام طحاویؒ جو بظاہر سب سے الگ معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ بھی بہت سے اہل علم ہیں جیسا کہ محدث ابن وہب کا بیان ہے ملاحظہ ہو مدونہ ۹۳، ان سب کی رائے یہ ہے کہ اس نوع کی تمام احادیث کا کٹھنہ عورت، نانم یا نو مسلم یا مریض وغیرہ کے لئے ہیں، یعنی عورت آخر وقت میں پاک ہوئی کہ صرف ایک رکعت کا وقت پایا، یا سونے والا ایسے آخر وقت میں بیدار ہوا، یا ایک غیر مسلم ایسے آخر وقت میں اسلام لایا، یا کوئی مریض بے ہوش تھا اور نماز کے آخرت پر ہوش میں آیا تو ان سب پر اس وقت کی نماز لازم ہو گئی، اور حدیث میں صرف طلوع وغروب سے قبل والی دو نمازوں کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ ان وقتوں کے ختم ہونے کو ہر عامی و جاہل بھی جان بیتا ہے، اس لئے حکم سب نمازوں کے آخر وقت کا ایک ہی ہے، غرض امام طحاویؒ اور ان کے ہم خیال سب دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ ان احادیث سے خاص طلوع وغروب کے وقت نماز درست ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے تو دوسری احادیث متواترہ اس کے

جواز کو منسوخ کر دیتی ہیں، جن میں طلوع وغروب کے وقت میں نماز کی صریح ممانعت آگئی ہے، لہذا اگر نماز پوری ہونے سے قبل طلوع وغروب ہونے لگے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

### ائمہ ثلاثہ کا مسلک

یہ دوسرا مسلک ہے کہ طلوع وغروب ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر ایک رکعت پہلے پڑھ لی ہے تو دوسری بعد طلوع یا بعد غروب کے پڑھ لے تو اس کی نماز ادا قرار پائے گی امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلی رکعت ادا اور دوسری قضا شمار ہوگی، غرض ان سب حضرات نے بجائے وقت نظر کے ظاہریت کی شان دکھلائی ہے اور احتمال والی احادیث کی وجہ سے صریح و صاف احادیث سے صرف نظر کی ہے، جیسا کہ ہم اس بات کو دلائل کے ساتھ واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ و بہ نستعین

### امام اعظم کا مسلک

بظاہر امام صاحب کی رائے اس مسئلہ میں سب سے الگ ہے کہ وہ نماز عصر میں تو ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں، مگر نماز فجر میں الگ ہو گئے، اگرچہ ہم یہ بھی بتلائیں گے کہ نماز عصر کے بارے میں بھی جو ان کا مسلک بعض حنفیہ نے سمجھا ہے وہ نہیں بلکہ حضرت شاہ صاحب کی تحقیق میں دوسرا ہے، امید ہے کہ حضرت کی اس تحقیق و تدقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

حضرت شاہ صاحب نے مسلک امام کی توضیح تو اس طرح فرمائی کہ عام کتب متون حنفیہ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر عصر کی نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھی تھی اور جو سورج غروب ہونے لگا تو اس کو بعد غروب کے پورا کر لے، یہ ترجمانی صحیح نہیں بلکہ جس طرح امام محمدؒ نے اپنے موطا میں لکھا ہے وہ صحیح ہے، آپ نے باب الرجل ينسى الصلوة میں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے یلئہ التعلیس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور فرمایا: جو شخص نماز بھول جائے تو جب یاد آئے تو پڑھ لے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قائم کرو نماز میری یاد کے لئے، امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی پر عمل کرتے ہیں، الا یہ کہ کوئی ان ساعات میں یاد کرے، جن میں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے جبکہ سورج طلوع ہو بلند اور روشن ہونے تک، نصف النہار کے وقت زوال ہونے تک اور شام کو جب سورج کی دھوپ لال پھیلی ہو جائے، اس کے غروب ہونے تک، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھ لے گا اگرچہ آفتاب زرد ہو جائے غروب سے پہلے تک اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑی عجیب بات ہے کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کے اس صریح ارشاد کی طرف توجہ نہ کی، پھر فرمایا کہ درمختار میں تقیہ سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص غروب سے پہلے نماز شروع کرے پھر غروب تک اس کو طویل کر لے تو ہمارے نزدیک مکروہ نہ ہوگا اور یہی روایت امام شافعی سے ہے، اس کتاب کا مصنف فقہ میں تو حنفی ہے مگر اعتقاد میں معتزلی ہے، اس لئے ہم اس کے تفردات کو قبول نہ کریں گے، مگر پھر میں نے اس مسئلہ کو فخر الاسلام کی اصول البرہدوی میں بھی دیکھا تو انکار کی گنجائش نہ رہی مگر تردد باقی رہا اور صاحب التوضیح نے جو اعتذار خشوع و خضوع کا پیش کیا اس سے بھی نفی نہ ہوئی، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ فخر الاسلام نے قول مرجوع پر تفریع کی ہے، کیونکہ صورت مذکورہ میں فقہاء حنفیہ نے اختلاف کیا ہے، بحر میں ہے کہ ایسی طوالت کا فتنہ مکروہ ہے، نماز میں کراہت نہیں آتی، دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ ایسا فعل اور نماز دونوں مکروہ ہیں، اور یہی قول ارنجی ہے، فخر الاسلام نے بھی عدم کراہت صلوٰۃ والامرجوع قول اختیار کر لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کا مسلک وہی ہے جو امام محمدؒ نے بھی لکھا ہے کہ اس دن کی نماز عصر بھی صرف اصفرائش کے وقت پڑھی جاسکتی ہے جو غروب سے پہلے ختم ہو جائے تاکہ پوری نماز غروب سے قبل ہو جائے، حضرت نے مزید وضاحت فرمائی کہ غروب دو ہیں ایک شرعی، دوسرا حسی اور حنفیہ کے یہاں جو اسی دن کی عصر ادا ہو سکتی ہے وہ غروب شرعی (اصفرائش) تک ہے، دوسرے ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اگر

غروب حقیقی وحسی سے قبل بھی صرف ایک رکعت پڑھ سکے تو پڑھ لے اور غروب کے بعد باقی پڑھ لے، لہذا حدیث نبوی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک رکعت نماز عصر کی امام کے ساتھ اصرار شمس سے پہلے پالے اس کو نماز عصر مل گئی اور یہ کہ اصرار کے بعد غروب تک وقت منافع کا ہے، یہ حصہ تعلیم نبوی میں داخل ہونے کے لائق نہ تھا، اس لئے متروک ہوا، پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی بھی دلیل، اس کے لئے نہیں ہے کہ اگر ایک شخص غروب سے قبل ایک رکعت پالے تو غروب کے بعد اس کو پورا کر لے اور وہ اس نماز کا مدرک ہو جائے گا۔

### بخاری کی حدیث الباب مسبوق کے لئے ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ نوویؒ نے حدیث من ادرك رکعة من العصر کے بارے میں کہا کہ یہ اس کے لئے صریح دلیل ہے کہ جو شخص ایک رکعت صبح یا عصر کی پڑھ لے، پھر وقت نکل جائے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اس کو پورا کر لے گا اور وہ صحیح ہوگی اور یہ مسئلہ عصر کے بارے میں مجمع علیہ ہے، لیکن مجمع میں اس کے قائل ائمہ ثلاثہ اور سارے ہی علماء امت ہیں، بجز امام ابو حنیفہؒ انہوں نے فرمایا کہ صبح کی نماز طلوع شمس سے باطل ہو جائے گی، کیونکہ ممانعت صلوٰۃ کا وقت داخل ہو گیا، بخلاف غروب شمس کے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

### حضرت شاہ صاحب کا افادہ خصوصی

حضرتؒ نے فرمایا کہ بخاری کی اس حدیث الباب کو علماء حنفیہ نے بھی مواقیت پر محمول کیا ہے، جس کا مفاد یہ ہوگا کہ دوسری رکعت طلوع یا غروب کے بعد پڑھی جاسکتی ہے اور اس طرح اسی مسئلہ میں حنفیہ کا باہم اختلاف ہوگا، جو اوپر ذکر کیا گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ حدیث بھی دوسری احادیث کی طرح مسبوق کے حق میں ہے اور مواقیت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے، لہذا باہمی اختلاف کی صورت میں یہاں سامنے آئے گی اور دلیل میری یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ والی چند جگہ اور آئی ہے اور سارے ہی حنفیہ متفق ہیں کہ وہ سب حدیثیں مسبوق کے بارے میں ہیں۔

(۱) مسلم شریف وغیرہ کی حدیث من ادرك رکعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة، اس میں اور بخاری کی حدیث الباب میں کوئی فرق نہیں، بجز اس کے کہ یہ سب نمازوں کے لئے عام ہے اور حدیث الباب صرف فجر وعصر کے لئے ہے اور ان کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ وہ دونوں بعض اوصاف میں مشترک ہیں، مثلاً دونوں کے التزام و اہتمام پر روایت باری کا وعدہ ہے اور حدیث من صلے البردین دخل الجنة بھی ہے اور قرآن مجید کی بھی بہت سی آیات میں ایک ساتھ ذکر ہوئی جیسے وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب اور تمام حنفیہ متفق ہیں کہ حدیث عام قطعاً بحق مسبوق ہے، کیونکہ مسلم شریف میں دوسرے طریق سے من ادرك رکعة من الصلوة مع الامام نقد ادرك وارد ہے، اس میں تصریح مسبوق کی ہے، جبکہ ان دونوں کی سند واحد ہے، لہذا دونوں کے اتحاد کا دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ کبھی راوی نے تعیم کر دی اور کبھی تخصیص اور اس کو باب اختلاف رواۃ یا اختلاف راوی میں سے بھی قرار دے سکتے ہیں، پس ایک کی قید کو دوسری میں ثابت کر سکتے ہیں اور دونوں کو مسبوق یا نصاب محمول کر سکتے ہیں، تاہم میں نے ان دو کو حدیث مان کر ہی دونوں کو بحق مسبوق قرار دیا ہے۔

(۲) (راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری میں بھی حدیث نمبر ۵۵ مسلم شریف کی مندرجہ بالا عام حدیث کی طرح ہے بحینہ)

(۳) نسائی شریف باب من ادرك رکعة من الصلوة میں حضرت سالمؓ سے حدیث من ادرك رکعة من صلوٰۃ من الصلوات فقد ادركھا الا انہ یقضی ما فاتہ، دوسری حدیث حضرت سالمؓ انبیہ سے ہے من ادرك رکعة من الجمعة او غیرھا فقد تمت صلوٰۃ، یہ دونوں بحق مسبوق ہیں۔

(۴) ابوداؤد شریف باب الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع میں بھی حدیث ابی ہریرہؓ ہے: - اذا جئتم الی

الصلوة ونحن سجودنا سجد واولا تعدوها شينا ومن ادرك ركعة فقد ادرك الصلوة.

(۵) علامہ عینی نے دارقطنی سے حدیث نقل کی من ادرك صلوۃ ركعة قبل ان يقيم الامام صلبه فقد ادركها، یہ بھی صریح حکم مسبوق ہے اور حدیث ابوداؤد پر امام بخاری نے کچھ نقد بھی کیا ہے، مگر یہ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں یہ تو دعوے نہیں کرتا کہ حدیث ایک ہی ہے، البتہ یہ کہتا ہوں کہ احادیث ماثورہ میں اختلاف لفظی ہے جو راویوں کی طرف سے آیا ہے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس متعدد احادیث نبویہ ہوں جو ان کو مختلف اوقات میں حاصل ہوئی ہوں گی اور حضور علیہ السلام نے ان کو مختلف اوقات میں مختلف ارشادات کئے ہوں، مگر سب کا مفاد و حکم ایک ہی ہے، جو باوجود اختلاف تعبیرات کے بدل نہیں سکتا۔

### حدیث بیہقی کی تحقیق

حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث کے الفاظ فقد ادرك الصلوة یا فلیصل الیہا ركعة اخرى یا فلیضف یا فلیتم صلوۃ وغیرہ کو بلا کسی تکلیف کے مسبوق کے حق میں شمار کر سکتے ہیں لیکن حدیث بیہقی کے یہ الفاظ من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس و ركعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادرك الصلوة بتلاتے ہیں کہ حدیث وقت و وقت کے بارے میں ہے، مسبوق کے بارے میں نہیں اور یہ کہ رکعت طلوع شمس کے بعد پڑھی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ سے سہو ہو گیا کہ اس حدیث کو باب موافقت میں لے آئے حالانکہ وہ فجر کی سنتوں کے بارے میں ہے اور حدیث مشار الیہ زیادہ صحیح طور پر ترمذی شریف میں ہے مرفوعاً حضرت ابو ہریرہؓ سے کہ جو شخص صبح کی دو رکعت (سنت) نہ پڑھے تو ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھ لے، علامہ ذہبی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے تو اصل حدیث تو یہ تھی، اس کو راویوں نے بدل دیا اور یہ حدیث میرے پاس اکیس طریقوں سے موجود ہے، ان سب کا مدار حضرت قتادہ پر ہے اور راوی صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں پھر بعض نے تو مسئلہ اداء سنن فجر بعد الطلوع کی صراحت کردی اور بعض نے مبہم طور سے ایسے الفاظ روایت کر دیئے جو حافظ نے نقل کئے ہیں، حالانکہ ان کی مراد بھی رکعت سے نماز ہی تھی اور رکعت قبل طلوع سے نماز صبح کے فرض مراد لئے تھے اور رکعت بعد الطلوع سے سنت فجر کا ارادہ کیا تھا، اور اس قسم کی تخیل راویوں سے بہت ہوتی رہتی ہے، جس کو فن حدیث و رجال کے واقف جان لیتے ہیں۔

### رکعتی الفجر کی دلیل

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دلیل رکعتی الفجر کے ہونے کی یہ بھی ہے کہ ان طرق میں کسی طریق میں عصر کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر یہ بھی اسی حدیث عام (زیر بحث) کے زمرے سے ہوتی تو اس میں بھی عصر کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

### ادراک رکعت سے ادراک جماعت کا حکم

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے لئے پورے غور و فکر اور کثیر مطالعہ کے بعد یہ بات منہج ہو گئی ہے کہ حدیث من ادرك ركعة والی باب اجتماع و جماعت میں وارد ہوئی ہے تاکہ اس امر کی تعلیم دے کہ کتنا حصہ پالینے سے جماعت کی نماز پانے والا قرار پائے گا اور شریعت نے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے اور بتلایا کہ کم سے کم ایک رکعت امام کے ساتھ پالے تو مدرک جماعت ہوگا اور اس سے کم میں نہ ہوگا اگرچہ فضیلت جماعت حاصل ہو جائے گی۔

حقیقت ادراک: یہ ہے کہ کوئی چیز فوت ہونے کے قریب ہو اور اسے کوشش کر کے پالیا جائے، جیسے دوڑ میں کوئی آگے نکل جائے تو کوشش کر کے اس کو پکڑ لیا جائے، یہی حال مدرک صلوۃ امام کا ہے کہ امام کئی رکعت پڑھ کر آگے بڑھ گیا ہے اور اس نے آخری رکعت میں

شریک ہو کر اس کو پاب، شریعت نے اس کی کوشش کی وجہ سے اس کو پوری نماز میں شرکت کرنے والوں کے ساتھ شامل کر دیا، جس طرح رکوع میں شامل ہو جانے والے کو پوری رکعت پڑھنے والوں کے برابر کر دیا، اور فاتحہ بھی اس سے ساقط کر دی، پس تکبیر تحریمہ تو مقام سبقت ہے، موضع آمین مقام جمع ہے، جو نقطہ مرکز دائرہ بھی اور مجتمع الملائکہ والناس بھی ہے، رکوع مقام احتساب ہے، پھر اگر آمین کا مقام فوت ہو جائے تو موضع تحمید سے تلائی ہوگی کہ اس میں بھی فرشتے شرکت کرتے ہیں۔

ابتداء سمع اللہ لمن حمدہ: حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ سے پہنچے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوئے، پھر رکوع سے اٹھتے ہوئے تحمید کی، گویا نماز کا خلاصہ پیش کیا، نماز سے فارغ ہو کر حضور علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ خدا نے حمد کرنے والے کی آوازیں لی اور اس کے بعد سے ہی سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کا حکم ہو گیا، جبکہ پہلے رکوع سے سرائٹھاتے ہوئے بھی تکبیر ہی کہی جاتی تھی۔

عصر کا وقت مکروہ: اوپر کی تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اصفرار شمس سے غروب شمس تک وقت نماز عصر کے لئے وقت مکروہ اور حضور علیہ السلام نے جو دوسرے دن آخری وقتوں میں نماز عصر پڑھ کر بتلائی تھیں، تو عصر کی نماز ختم ہوتے ہی صبح کا کہنا ہے کہ سورج میں سرخی سگنی تھی اور اسی لئے حنفیہ کا رائج مسلک وہ ہے جو امام محمدؒ نے بتلایا کہ اصفرار شمس سے قبل عصر پڑھ لی جائے اور جن حضرات حنفیہ نے غروب تک کی عصر کی نماز کو بھی مکروہ قرار نہیں دیا وہ مرجوح ہے بلکہ اس کو مسلک حنفی نہ کہا جائے تو بہتر ہے اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کہ کچھ حنفیہ نے امام محمدؒ کی تصریح کو نظر انداز کر دیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ عصر میں زیادہ تاخیر کرتے ہیں وہ بھی مسلک حنفی کی صحیح رعایت نہیں کرتے، حضرت شاہ صاحبؒ نے مسجد دارالعلوم دیوبند کی نماز عصر کی زیادہ تاخیر کو بھی ناپسند کیا تھا۔

ائمہ اربعہ کا اتحاد: یہاں غالباً اس امر کا اظہار بھی ہے محل نہ ہوگا کہ جن حضرات نے امام اعظمؒ کا مسلک نماز عصر کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ متحد بتلایا ہے وہ ان کی مسامحت ہے کیونکہ اوپر کی تفصیل سے یہ بات نکھر جاتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک جواز عصر یومیہ وقت مکروہ (اصفرار) میں شروع اور اسی پر ختم ہے نہ کہ وہ کچھ نماز عصر غروب سے قبل اور کچھ بعد میں جو دوسرے ائمہ کا مسلک ہے، لہذا اگر عصر کی نماز ختم کرنے سے قبل بھی غروب شروع ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی جس طرح صبح کا حکم ہے، یعنی طوع و غروب حقیقی کے وقت شارع عدیہ السلام کی ممانعت نماز کی وجہ سے صبح و عصر دونوں نمازوں کا حکم ایک ہے، البتہ غروب شرعی (اصفرار) مبطل صلوٰۃ یومیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ انما بقاء کم: بخاری کی پہلی حدیث الباب پر کلام گذرا، اب دوسری و تیسری بات ہے اور دونوں کا مضمون تقریباً مشترک ہے، تفسیر و بحث سے قبل مختصر مطلب کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گذشتہ امتوں کی نسبت سے تمہاری دنیا میں بقاء و رہائش اتنی ہے جتنی کہ عصر سے مغرب تک مدت ہوتی ہے، اہل توراۃ کو عمل کے لئے حکم ہوا تو دو پہر تک کام کر کے عاجز ہو گئے، لہذا مقررہ اجرت ایک ایک قیراط دے دی گئی، پھر اہل انجیل کو کام سپرد کیا تو انہوں نے عصر کے وقت کام چھوڑ دیا اور پورا نہ کیا، ان کو بھی ایک ایک قیراط دے کر رخصت کر دیا گیا تب ہمیں قرآن مجید دیا گیا کہ اس پر عمل کریں، اور ہم نے غروب تک عمل میں مشغول رہ کر دن پورا کر دیا، لہذا حق تعالیٰ نے کام کی تکمیل سے خوش ہو کر ہمیں دو دو قیراط عطا فرما دیئے، دونوں اہل کتاب نے شکایت کی کہ بارالہا! ہم نے تو زیادہ عمل کیا تھا (اجرت میں کمی کیوں ہوئی؟) حق تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہاری مقررہ اجرت سے کچھ کم کیا (حالانکہ تم نے پورے دن کام بھی نہ کیا) وہ بولے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر یہ تو میرا فضل و انعام ہے، جس کو چاہوں زیادہ دیدوں (یعنی کمی پر تو اعتراض کی گنجائش ہے، زیادہ پر نہیں)

دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کو صبح سے رات کے سنے کام پر لگایا لیکن انہوں نے دو پہر تک کام کر کے کہا کہ اب ہمیں کام نہیں کرنا نہ تمہاری اجرت کی ضرورت ہے، اس شخص نے دوسروں کو کام پر رکھ کر باقی دن کام کرو تمہیں بھی مقررہ اجرت دوں گا، نماز عصر تک کام کر کے انہوں نے بھی چھوڑ دیا تو اس نے دوسرے لوگوں سے کام پورا کرنا

چاہا، انہوں نے آخر دن تک جم کر کم کیا اور پورا کر دیا، اس شخص نے خوش ہو کر ان کو ذیل اجرت دے دی، اب سوال یہ ہے کہ تشبیہ کا مقصد کیا ہے، بعض نے کہا کہ پہلی امتوں کو مدت زیادہ ملی اور اس امت کو کم، پہلی امتوں کے لوگوں کی عمریں بڑی تھیں، ان کی تھوڑی ہیں، بعض نے کہا کہ مجموعی لحاظ سے زمانہ اور عمروں کی کمی بیشی مراد ہے اور یہی خبر ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ساری دنیا کو سالوں، مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک دن مان لیا جائے تو اس امت کا وقت مثل وقت عصر تا غروب ہوگا، یعنی بہ نسبت گذشتہ مدت مدید کے دنیا کی عمر بہت کم رہ گئی ہے، پھر فرمایا کہ اس امت کی ترقی کا دور ایک ہزار سال رہا، جیسا کہ شیخ اکبر، حضرت مجدد صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور قاضی ثناء اللہ صاحب کی رائے ہے اور اس کی تائید حدیث ابوداؤد سے بھی ہوتی ہے کہ میری امت کے لئے آدھا دن ہے اگر وہ مستقیم رہے تو باقی دن بھی استقامت کے ساتھ گزار لیں گے، ورنہ پہلوں کی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔

### مسلمانوں کے عروج کے پانچ سو ۵۰۰ سال

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابوداؤد باب قیام الساعة میں حدیث ہے کہ حق تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کے عروج سے عاجز یا محروم نہ کرے گا، دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ میری امت حق تعالیٰ کی جناب میں اتنی وجاہت ماننے سے عاجز نہ رہے گی۔ ۱۲۵ ج ۲ میں سبقت قلم سے حوالہ ابن ماجہ کا غلط اندراج ہو گیا، میری یادداشت میں ابوداؤد کا حوالہ ہے اور وہی صحیح ہے اگر مؤلف فیض الباری مراجعت کر لیتے تو یہ غلطی نہ ہوتی اور افسوس ہے کہ اس قسم کی غلطیوں کو ہی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کچھ کچھ حضرت کے فضل و کرم کے بارے میں غلط فہمی ہوئی اور ایسی اغلاط حضرت کے تمام امالی مطبوعہ میں بہ کثرت ہیں، بجز معارف السنن لمبوری کے کہ وہ پوری تحقیق و مراجعت فرماتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حضرت کی طرف غلط انتسابات نہ ہوں، ان کے بعد راقم الحروف بھی قلیل بضاعت کے موافق سعی کرتا ہے، وائد المعین، حال ہی میں ”الانوار“ کے نام سے محترم جناب مولانا عبدالرحمن صاحب کوئٹہ (کشمیری) نے حضرت شاہ صاحب کے حالات پر کتاب تالیف کی ہے جو ندوۃ المصنفین سے نہایت عمدگی کے ساتھ شائع بھی ہوئی ہے، اس میں جو مضمون مولانا عبدالعلیم چشتی کراچی کا شائع ہوا ہے وہ نہایت اہم اور تحقیقی ہے، انہوں نے یہ بات بہت ہی صحیح لکھی ہے کہ حضرت کے امالی درس حدیث جن حضرات نے قلمبند کئے ہیں، وہ حضرت کے علوم کی گہرائی تک پہنچنے سے قاصر تھے، حتیٰ کہ مولانا گیلانی بھی جو دو اپنے وسیع و عمیق علم و فضل کے اور میں کہتا ہوں کہ حضرت کے امالی قلمبند کرنے کے لئے جتنے وسیع علم و مطالعہ کی ضرورت تھی کہ ایک من علم کے لئے دس من عقل کی ضرورت تو مسلم ہی ہے، اس کے ساتھ جس من مطالعہ کی بھی ضرورت ہے، اس کے بغیر حضرت شاہ صاحب ایسے فرید عصر، نگار روزگار و محدث محقق کے علوم کو ضبط فرمیں لانا جوئے شیر لانے کے مرادف تھا، یہ بات بہت لمبی ہے اور حضرت کے علوم عاید ضائع ہونے کے کیا کیا اسباب ہوئے، کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستان اس کی۔“

ایک بڑی وجہ فیض الباری میں غلطیوں کی یہ بھی ہوئی ہے کہ حضرت کے ”خری دوسروں میں احقر اور مولانا بدر عالم صاحب دونوں دروس بخاری شریف میں حاضر ہوتے تھے اور دونوں ہی حضرت کے ارشادات نوٹ کرتے تھے، مگر بعد میں حضرت کی اردو تقریر کے لفظ بعینہ ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا اور وہ ان کی عربی بنا کر لکھتے تھے، اور سنا کہ یہی طریقہ صاحب ”العرف اللطیف“ نے بھی اپنا یا تھا۔

حضرت چونکہ تیزی روانی کے ساتھ اردو بولتے تھے، اس لئے یہ یک وقت ضبط کرنے اور عربی بنانے کی ذیل ذمہ داری کو پورا کرنا نہایت دشوار تھا، اور میں نہ صرف درس کے بلکہ حضرت کے مجلسی ارشادات بھی قلمبند کرنے کا عادی ہو گیا تھا، پھر یہ کہ مولانا موصوف بعد کو مراجعت کتب بھی اپنے درس وغیرہ کی مشغولی کے باعث نہ کر سکے ورنہ ضبط امالی میں جو غلطیاں حوالوں کی ہو گئی ہیں وہ تو صحیح کر دی جاسکتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے علوم و تحقیقات و عایدہ کو پیش کرنا تو بڑی بات ہے، جو کتابیں آپ کی سوانح حیات پر لکھی گئی ہیں ان میں بھی غلطیاں کم نہیں ہیں، بجز نفع النعمان للنبوری کے، مثلاً کسی نے لکھ دیا کہ حضرت نبأ سید تھے، حالانکہ آپ کا شجرہ نسب ام اَعْظَم کے خاندان سے متعلق ہے، کسی نے لکھ دیا کہ آپ مصروف شام گئے تھے، حالانکہ آپ صرف حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے اور کانی قیام فرما کر وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ فرمایا تھا، ہمیں تو بڑا افسوس ہے کہ اگر دارالعلوم وائے حضرت کو مصروف شام و ترک بھیج دیتے اور آپ سے صحاح ستہ کی شرح لکھوا لیتے تو آج علم کی دنیا ہی دوسری ہوتی۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میری علمی یادداشتوں سے تین بکس بھرے ہوئے گھر ہیں، مگر وہ سب کیوں ہوئے؟ ہمیں تو کچھ بھی نہ ملا حضرت نے انوار کتب خریدنے پر بڑی رقم صرف کی تھیں اور ان پر حواشی درج کئے تھے، مگر وہ بھی حضرت کے انتقال کے بعد میں نزل سکیں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ فروخت کی گئی ہیں تو جو کچھ بچی تھیں جس عیسیٰ امیل کے لئے خریدیں، وہ کراچی میں موجود ہیں مگر بہت بڑا اور گراں قدر حصہ بہت پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون (مؤلف)

نہیں ہے کہ وہ آدمی دن تک ان کو سر بلندی کا موقع میسر کرے، راوی حدیث حضرت سعد بن وقاصؓ سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پانچ سوسال، حاشیہ میں صاحب فتح اللہ ودود نے محدث سہیل کا قول نقل کیا کہ اس حدیث میں زیادہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ اگر میری امت کے احوال اچھے رہے تو اس کے عروج کا بقاء آخرت کے ایک دن کے برابر ہوگا ورنہ آدمی دن کے برابر رہے گا، لمعات میں ہے کہ عدم عجز کفایہ ہے حق تعالیٰ کے یہاں قرب و منزلت حاصل کرنے سے، یعنی اس کی وجہ سے امت کو پانچ سو سال تک سر بلند رہنے کا موقع میسر ہوتا رہے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سب علماء پر اس امر پر اتفاق ہے کہ دن سے مراد آخرت کا دن ہے، جو قرآن مجید کی رو سے ایک ہزار سال کا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ بڑا وہیہ اور فتنہ عظیمہ تاروالا پانچ سوسال کے بعد پیش آیا تھا جس سے دین کی بنیادیں ہل گئی تھیں، مگر حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ ایک ہزار سال کی مدت پوری فرمادی، اس مدت میں اسلام سارے ادویان و ملل پر شرق و غرب میں غالب رہا، اور اس کی شان و شوکت باقی رہی، کسی حکومت کو سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی، یہی دور غلبہ امت محمدیہ کا تھا، اسکے بعد عالم اسلام پر یورپ کا تسلط ہوا اور زوال شروع ہو گیا، سر میور نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ گیارہویں صدی کے پہلے سال میں انگریزوں نے بلاد اسلام کا رخ کیا ہے، شیخ اکبر کا بھی کشف یہی تھا کہ ایک ہزار سال تک اسلام کا دبدبہ رہا، غالباً شیخ محمد، شاہ عبدالعزیز اور قاضی شاہ اللہ نے بھی شیخ سے ہی لیا ہوگا۔

حاصل تشبیہیں: حدیث ابن عمرؓ اور حدیث ابی موسیٰؓ دونوں کی تشبیہوں کا حاصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اعتبار مجموعہ اور خاتمہ کا ہے، جو شخص آخر دن میں داخل ہوگا وہ اول دن میں داخل ہونے والے کے برابر اس دن کا اجر پائے گا اور باپ اجتماع میں یہی اصول چلتا ہے، کیونکہ جن امور میں شرکت کے لئے بہت سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے ان میں سب کی شرکت یک دم ممکن نہیں، لہذا آگے پیچھے ہی داخل ہوتے ہیں، نفس و خول میں سب برابر سمجھے جاتے ہیں اگرچہ اجراء انعام میں متفاوت ہوں، اس کو یوں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس میں ایک ضیافت کا اہتمام فرمایا اور سب کو دعوت دی، پھر کسی نے اجابت کی، کسی نے اعراض کیا اور ہم نے آخر میں داخل ہو کر پورے دن کا اجر موعود حاصل کیا، پس ساری دنیا خدا کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے اور اس میں آنے والوں کے ذمہ آخر دن کا کام بتلا دیا گیا ہے، جو عاجز و درماندہ ہو کر بیٹھ گیا، اس کا اجر کم ہو گیا اور جو کام میں نگار ہوا وہ پورے اجر کا مستحق ہو گیا، آخر دن تک کام کرنے والوں کے لئے دو قیراط ازل سے لکھے ہوئے تھے، اور اتفاق سے ہمیں آخر دن میں بلا کر کام پر لگایا اور ہم نے کام آخر رات تک پورا کر دیا تو ہمیں پورے دو قیراط مل گئے، کیونکہ خدا کے یہاں تو مجموعہ عمل اور خاتموں کا اعتبار تھا، اس پوری تفصیل سے ان دونوں حدیثوں کی ترجمہ الباب سے مناسبت بھی معلوم ہوگئی کہ نظر شارع میں رکوع کا مدرک رکعت کا مدرک ہوتا ہے اور رکعت کا مدرک نماز کا مدرک ہوتا ہے جس طرح ایک شخص آخر دن میں شریک عمل ہونے والا ہے، اول دن میں شریک عمل ہونے والے کی طرح ہوتا ہے۔

اس تحقیق کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ایک بحث اور باقی رہی کہ پہلی امتوں نے کیا کی چھوڑی تھی اور ہم نے کس چیز کو مکمل کیا، اگر شریعت مراد ہو تو اس کی اطاعت میں کمی و تقصیر ہم سے بھی ہوئی ہے جیسے پہلوں سے ہوئی تھی، کہ ہم میں بھی عاصی و مطیع ہیں، پھر اگر مقابلہ اس امت کے افاضل کا سابقین کے افاضل ہو تو یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس امت کے افاضل و خیار اور برگزیدہ حضرات کی تعداد بہ نسبت سابقین افاضل کے ضرور زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور اگر مقابلہ کمتر و ازل سے کیا جائے تو برابر ہی معلوم ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ برائیوں میں پہلوں کا بھر پورا اتباع کر دے تو بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس امت کا مقابلہ پہلی امتوں سے بحیثیت مجموعی کیا جائے کہ ان میں ان سے زیادہ بہتر قسم کے لوگوں میں ہیں، کیونکہ اتباع والی حدیث میں بھی قلت و کثرت کا کوئی ذکر نہیں ہے، غرض کم و کیف دونوں لحاظ سے یہ امت پہلی امتوں پر خیر میں بڑھ گئی ہے۔

**ظہر وعصر کا وقت:** آخر میں حضرتؑ نے فرمایا کہ قاضی ابوزید و یوسفؒ جو اذکیاء امت میں سے تھے، اور سب سے پہلے انہوں نے علم الخلاف کو مدون کیا ہے (یہ فقہ سے اعم اور اصول فقہ سے نیچے ہے یعنی دونوں کے درمیان ہے) آپ نے حدیث مذکور انما اجلکم سے وقت ظہر کے دو مثل تک رہنے پر استدلال کیا ہے اور کہا کہ اگر ظہر کو صرف ایک مثل تک مانیں اس کے بعد عصر کا شروع کر دیں تو ظہر وعصر کا وقت برابر ہو جائے گا، جبکہ حدیث جلالا چاہتی ہے کہ نصاریٰ کا وقت بھی اس امت کے زیادہ تھا اور اس امت کا کم ہے، کیونکہ دونوں اہل کتاب نے کہا کہ ہمارا کام زیادہ وقت کا ہے (وہن اکثر علما) اس استدلال پر ابن حزم نے سخت تکت چینی کی ہے اور کہا کہ پہلے ہی مثل میں اتنا وقت گزر جائے گا کہ عصر کا کم رہ جائے گا، کیونکہ سایہ ناپنا چلتا ہیوتا ہے، اسی لئے پہلا مثل زیادہ وقت کا ہے، پھر دوسرا اس سے سریع اور تیسرا اس سے زیادہ سریع گذرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اعتراض درست ہے مگر اس سرعت کو ریاض دان ہی سمجھ سکتے ہیں، تشبیہ کا موقع ہر شخص کے سمجھنے کا ہوتا ہے اس لئے ایک مثل جب کچھ زیادتی ہی مانیں گے تو وقت ظہر کی زیادتی اور عصر کی کمی محسوس ہو سکے گی، اور مثل سے کچھ اوپر تک وقت ظہر امام محمدؒ بھی کہتے ہیں اور حنفیہ کا تاخیر عصر کے لئے استدلال بھی درست ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے، باقی علامہ دہلوی نے اس تاخیر کو قیامت میں ڈال دیا یہ ان کی اپنی رائے ہے۔

**آخری فیصلہ:** حضرتؑ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ دو حدیثوں میں الگ الگ مضمون بیان ہوئے ہیں، پہلی میں انما اجلکم یا انما بقاء کم سے اس امت کے لئے کی وقت کا بیان ہوا ہے، بہ نسبت اہم سابقہ کے، اور اس کو دوسری احادیث میں بھی بقدر توازن بیان کیا گیا کہ اس امت کا وقت بہت کم ہے چنانچہ فرمایا گیا بعثت انا والساعہ کھالیس، یعنی اپنی بعثت اور قرب قیامت کو دو انگلیوں کے قرب سے متماثل فرمایا، چنانچہ علماء نے اس امت کے زمانہ کا اندازہ دن کے سوس سے کیا (جیسا کہ علامہ شامی نے اہل بلغاریہ کے مسئلہ میں ذکر کیا) یا بقدر خمس کے جیسا کہ فتح ۳۰۲ ج ۱ طبع قدیم میں ہے (فیض ص ۱۲۸ ج ۲) لہذا اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال صحیح ہے اور بلا شک وقت ظہر کو ایک مثل سے زیادہ ماننا پڑے گا تا کہ وقت عصر کم رہے جو حدیث کا مقتضی ہے، دوسری سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

جس میں اہل کتاب اور مسلمانوں کی مثال بحیثیت قبول وعدم قبول ہدایت بیان ہوئی ہے کہ دوسرے اجروں نے کہا لا حاجۃ لانا الی اجرک اور لک ما عملنا (ہمیں تمہارے اجر کی ضرورت نہیں یا کرو یا تمہارا کام جتنا کرتا تھا) اس مثال سے یہود و نصاریٰ کے اعراض وعدم قبول حق کی طرف اشارہ ہے اور پھر مسلمانوں کے قبول حق اور کام پورا کرنے کا حال ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں کے الگ الگ دو قصے اور جدا جدا مضمون ہونے کو ان کے تحت تشریح میں حافظؒ نے بھی فتح الباری ص ۲۷۷ ج ۲ میں ذکر کیا ہے، بلکہ حافظؒ نے یہ بھی لکھا کہ جس نے ان دونوں کے مضمون کو ایک قرار دینے کی سعی کی، اس نے غلطی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۔ بخاری کتاب الاجارہ ص ۳۰۲ میں باب الاجارۃ الی نصف التہار اور باب الاجارۃ الی الصلوۃ العصر اور باب الاجارۃ من العصر الی اللیل میں تین حدیثیں بیان ہوئیں، پہلی دونوں حضرت عمرؓ اور تیسری حضرت موسیٰؓ سے اس آخری میں یہ بھی ہے کہ دوسرے اجروں نے جب عصر تک کام کر کے چھوڑ دیا تو ان سے کہا گیا کہ اب تو دن کا حصہ تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے اس کو پورا کرو پھر بھی انہوں نے انکار کر دیا، تب عصر سے مغرب تک کام لینے کے لئے نئے اجروں کو لینا پڑا، وہ آخری امت کی مثال ہے، اس سے بھی امت محمدیہ کے لئے وقت کم اور اجرت زیادہ کی بات ثابت ہوئی اور عصر سے مغرب تک وقت کم ہونا بھی ثابت ہوا، پھر حدیث میں لیل الکی مثلکم و مثل ما قبلوا من هذا النور سے اشارہ قبول وعدم قبول ہدایت کی طرف واضح ہے، حافظ اور بخاری نے کتاب المواعیت میں بھی اور یہاں بھی کچھ لکھا ہے دیکھ لیا جائے۔ (مؤلف)



## باب وقت المغرب وقال عطاء يجمع المريض بين المغرب والعشاء.

(مغرب کے وقت کا بیان، عطاء نے کہا کہ بیمار مغرب اور عشاء کی نماز ساتھ پڑھ سکتا ہے)

۵۲۹. حدثنا محمد بن مهران قال حدثنا الوليد قال حدثنا الاوزاعي قال حدثني ابو الجاشي اسمه عطاء بن صهيب مولى رافع بن خديج قال سمعت رافع بن خديج يقول كنا نصلی المغرب مع النبی ﷺ فینصرف احدنا وانه لیبصر مواقع نبله.

۵۳۰. حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبه عن سعد عن محمد بن عمرو بن الحزین علی قال قدم الحجاج فسالنا جابر بن عبد الله فقال كان النبی ﷺ یصلی الظهر بالهاجرة والعصر الشمس نقیة والمغرب اذا وجبت والعشاء احيانا و احيانا اذا راھم اجتمعوا عجل واذا راھم ابطاوا اخری الصبح كانوا او كان النبی ﷺ یصلیها بغلس.

۵۳۱. حدثنا المکی بن ابراهیم قال حدثنا یزید بن ابی عبید عن سلمة قال كنا نصلی مع النبی ﷺ المغرب اذا تورأت بالحجاب.

۵۳۲. حدثنا ادم قال حدثنا شعبه قال حدثنا عمرو بن دینار قال سمعت جابر بن زید عن ابن عباس قال صلے النبی ﷺ سبعا جمیعا و ثمانیا جمیعا.

ترجمہ ۵۲۹: حضرت عطاء (حضرت رافع بن خدیج کے آزاد کردہ غلام) روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک (نماز پڑھ کے) ایسے وقت لوٹ آتا تھا کہ وہ اپنے تیر کے گرنے کے مقام کو دیکھ سکتا تھا۔

ترجمہ ۵۳۰: حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی (ابن ابی طالب) روایت کرتے ہیں کہ حجاج نماز میں بہت تاخیر کر دیتا تھا ہم نے جابر بن عبد اللہ سے (اس کی بابت) پوچھا، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز دو پہر کو پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا تھا اور مغرب کی جب آفتاب غروب ہو جاتا، اور عشاء کی کبھی کسی وقت، کبھی کسی وقت، جب آپ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں، جلد پڑھ لیتے اور جب آپ دیکھتے کہ لوگوں نے دیر کی، تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز وہ لوگ، یا یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۳۱: حضرت سلمہ (ابن اکوع) روایت کرتے ہیں کہ آفتاب غروب ہوتے ہی ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔

ترجمہ ۵۳۲: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (مغرب اور عشاء کی) سات رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں، اور (ظہر و عصر) کی آٹھ رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: نماز مغرب کا وقت اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، اس لئے اس کا وقت بتلانے کی ضرورت نہ ہوئی، امام بخاری نے قال عطاء سے مریض کے لئے جواز جمع بین الصلاتین ثابت کیا، اور آخری حدیث الباب بھی اس کیلئے لائے ہیں مگر ہم اس کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، قولہ اذا راھم سے بتلایا کہ مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے اور یہی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، پھر جب دیکھتے کہ لوگ جمع نہیں ہوئے تو بیٹھ جاتے تھے اور ابو داؤد دہاب الصلوۃ تقام میں بھی ہے، کہ حضور علیہ

السلام اقامت نماز کے وقت اگر دیکھتے کہ لوگ کم ہیں تو بیٹھ جاتے تھے، نماز شروع نہ کرتے تھے اور جب دیکھتے کہ سب آگئے تو پڑھاتے تھے۔

## باب من کرہ ان یقال للمغرب العشاء

(اس شخص کا بیان جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ مغرب کو عشاء کہا جائے)

۵۳۳. حدثنا ابو معمر هو عبد الله بن عمرو قال حدثنا عبد الوارث عن الحسين قال حدثنا عبد الله بن

بريدة قال حدثني عبد الله المزني ان النبي ﷺ قال لا يهلبنكم الاعراب على اسم صلواتكم المغرب قال

ويقول الاعراب هي العشاء.

ترجمہ ۵۳۳: حضرت عبداللہ مزنٰی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اعراب مغرب کی نماز کو عشاء کہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر (اس اصطلاح) میں غالب آجائیں (لہذا تم غروب آفتاب کے بعد والی نماز کو مغرب اور اس کے بعد والی کو عشاء کہا کرو) تشریح: حافظؒ نے علامہ ابن المنیر سے نقل کیا کہ امام بخاری نے یہاں بساب من کرہ ان یقال لکھ اور باب کرہیۃ ان یقال جزم کے ساتھ نہ کہا، شاید اس لئے کہ حدیث الباب کو مطلق نبی کے لئے نہ سمجھا ہو، حالانکہ اس میں غلبہ اعراب سے نبی صاف موجود ہے، پھر بھی امام بخاری نے اس کو ممانعت کے لئے کافی نہ سمجھا (فتح ص ۳۰ ج ۲) دے ہوئے الفاظ میں یہ ابن المنیر کا نقد امام بخاری کے ترجمہ الباب پر ہے اور حافظ کا اس کو نقل کرنا بھی اہم ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممانعت یہاں اس لئے بھی ہے کہ اعراب نام رکھنے میں برعکس طریقہ اختیار کرتے تھے، مثلاً یہاں مغرب کو عشاء کہتے تھے، جبکہ مغرب سے غروب کا اول وقت مراد ہوتا ہے اور عشاء کا اطلاق شفق غائب ہونے کے وقت پر ہوتا ہے، یعنی اول وقت کو آخر وقت کا نام دینا بڑے مغالطہ میں ڈال دیتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کی اصلاح کی اور چونکہ اس کے برعکس نام رکھنے کے طریقہ کو جزم کے ساتھ ممنوع فرما دیا گیا ہے، اسی لئے حضور صلیہ السلام سے مغرب پر عشاء کا اطلاق کسی حدیث میں نہیں ہے، (لہذا امام بخاری کو بھی جزم کے ساتھ اس کی کراہت کو بیان کرنا تھا، نہ کہ اس کو کمزور کر کے جوہر طور سے وہ باب من کرہ کیا کرتے ہیں)۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ عشاء کا لفظ مغرب پر اطلاق کرنے سے منظور شرعی قوی یہ ہے کہ دونوں کے احکام میں التباس ہوگا، حالانکہ دونوں کے احکام بالکل، الگ الگ ہیں برخلاف عتمة وعشاء کے کہ وہاں ایسا منظور شرعی لازم نہ آئے گا، کیونکہ عتمة بھی عشاء ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور حضور علیہ السلام سے بھی اس کا اطلاق ثبوت ہوا ہے۔ (حاشیہ لامع ص ۲۲۱ ج ۱)

(تنبیہ): فیض الباری ص ۱۲۹ میں یسمن العشاء العتمة غلط ہے، صحیح یسمن المغرب العشاء ہے، پھر واعم سے والا مر بعد اہل تک کا کلمہ باب ذکر العشاء والعتمة سے متعلق ہے، یہاں بے محل جزم کیا ہے وکم فیہ مثل هذه المسامحات ہم نے اب تک فیض الباری کی اغلاط کی نشاندہی ضروری نہ سمجھی تھی، مگر کچھ لوگوں نے مغالطہ دیا ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے امالی میں سے سب سے زیادہ معتمد ہے اور حضرتؒ کے مطالعہ سے گزر چکی ہے، جبکہ دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں اور اس مغالطہ کی وجہ سے اس کی اغلاط و مسامحات حضرتؒ کی طرف منسوب ہوں گی۔ اس کا تدارک ضروری معلوم ہوا۔ واللہ المعین۔



انوار الہادی

ازد و شرح

صحیح البخاری

## تقدیم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

انوار الباری کی پندرہویں قسط پیش ہے۔ اس میں آخری بحث ”رفع یدین“ پر ہے، جو اختلافی مسائل میں سے معرکہ الآراء مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے اس پر اکابر امت نے مستقل رسائل بھی لکھے ہیں، ہم نے امام بخاری اور حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دی ہیں۔

قسط نمبر ۱۵۱۴۔ کافی تاخیر سے شائع ہو رہی ہے، اس کا سبب دوسرے نامساعد حالات کے علاوہ اپنی علالت وغیرہ بھی ہوئی، اب خدا کا شکر ہے تازہ دم ہو کر پھر سے کمر ہمت باندھی ہے، اور احباب افریقہ نے بھی حوصلہ افزائی کی ہے قسط نمبر ۱۶، ۱۷ کا بھی کافی مواد مہیا ہو چکا ہے۔ اور توقع ہے کہ اس موسم سرما میں ان دونوں کے مسودات بھی مرتب ہو کر کتابت کے مراحل طے کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھی خیال ہوا تھا کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف اور ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے، بلکہ صرف حدیثی مباحث اور اکابر امت کی تحقیقات عالیہ ہی پیش کر دی جائیں تاکہ مزید ۱۲۱۰ جلدوں میں شرح پوری ہو جائے مگر احباب افریقہ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا لہذا شرح بدستور متن بخاری و ترجمہ کے ساتھ ہی چلے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہی مستقیم۔

## فضل الباری کا خیر مقدم

ہمارے اکابر دیوبند میں سے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ بھی بڑے پایہ کے مفسر و محدث تھے، ان کے مشہور و معروف تفسیری فوائد اور فتح اللملم شرح صحیح مسلم عرصہ سے شائع شدہ ہیں۔ اب خدا کا شکر ہے ان کے زمانہ قیام ڈاکھیل کے ادلی درس بخاری شریف کا بھی ایک مجموعہ ”فضل الباری“ کے نام سے ادارہ علوم شرعیہ کراچی نے شائع کرنا شروع کیا ہے اور اس کی دو جلدیں ہمارے پاس بھی آچکی ہیں، اس کے مرتب فاضل جلیل مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب فاضل دیوبند مستحق مبارکباد ہیں کہ اتنے بڑے کام کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔ اور ان کی مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے۔ صفحہ نمبر ۴۹/۱ تا صفحہ نمبر ۳۷/۱ میں جو انہوں نے سوانح امام بخاری ذکر کئے ہیں، ان کے بارے میں ہماری کچھ معروضات ہیں، خاص طور سے تعداد احادیث بخاری پر بھی کچھ لکھنا ہے واللہ الموفق۔

## تعداد احادیث بخاری

مکررات و معلقات وغیرہ سب کی مجموعی تعداد نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) لکھی ہے۔ حالانکہ حسب تحقیق حافظ صحیح تعداد ۹۰۷۰ (نو ہزار اناسی) ہے اس طرح کہ کل تعالیق ۱۳۴۱ اور متابعت ۷۰۳۴ باقی ۷۳۹۷ موصول ہیں۔

حافظ ابن حجر نے پہلے مقدمہ کی ترتیب و تالیف ۸۱۳ھ میں کی تھی، پھر تیس سال میں شرح لکھ کر ۸۴۲ھ میں ختم کی تھی۔ حافظ نے مقدمہ میں لکھا کہ ابن صلاح و نووی وغیرہ نے کل تعداد مع مکررات وغیرہ کے ۷۲۷۵ اور بغیر مکررات کے چار ہزار لکھی ہے، یہ غلط ہے، پھر حافظ نے ہر

باب کی احادیث صحیح طور سے شمار کر کے تین صفحات میں رد و اصلاح کی اور ۲۷۵ کے عدد پر ۱۲۲ کا اضافہ کیا۔ لہذا کل ۷۳۹۷ ہو گئیں، پھر ہر باب کی تعالیق و متابعات کو بھی نہایت احتیاط سے شمار کیا اور ۲ صفحات میں رد و قدح کر کے کل تعالیق کی تعداد ۱۱۳۳۱ اور متابعات کی تعداد ۳۳۱ منضبط کی۔ تینوں میزانوں کا مجموعہ ۹۰۷۹ ہوتا ہے، مگر حافظ سے یہ چوک ہو گئی کہ دو جگہ مقدمہ صفحہ ۶۵/۲ اور فتح الباری صفحہ ۱۳/۳۱۹ میں مجموعی تعداد ۹۰۸۲ درج کر دی، تیسری جگہ فتح صفحہ ۶۳/۱ میں مجموعی تعداد کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

سہو حافظ: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری شریف میں حافظ کی اسی فرو گذاشت کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ شمار مجموع میں تین کا فرق ہو گیا۔ اور یہ ایسا تسامح ہے کہ ہر شخص ہر وقت سہولت سے معلوم کر سکتا ہے، اور بظاہر یہ کاتب کی غلطی بھی نہیں ہے نہ حضرتؒ نے اس کو کاتب کی غلطی بتلائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ حافظ نے صفحہ ۶۳/۱ میں بغیر تکرار کی کل تعداد ۲۵۱۳ لکھی ہے، اور صرف معلق و متابع کی تعداد بغیر تکرار کے ۱۶۰ بتلائی ہے۔ اس طرح غیر مکرر موصول کی خالص تعداد ۲۳۵۳ رہ جاتی ہے اور اسی لئے حافظ نے لکھا کہ چار ہزار کی بات بھی ابن صلاح وغیرہ کی درست نہیں ہے۔

مقدمہ فیض الباری صفحہ ۳۸/۱ میں جو مقدمہ فتح الباری کے حوالہ سے احادیث موصولہ کی تعداد ۲۳۶۰ لکھی ہے اور اس بارے میں مقدمہ قسطلانی کا حوالہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اصل مقدمہ فتح الباری میں یہ چیز نہیں ملی، پھر اس کی تلخیص قسطلانی میں کیسے چلی گئی؟ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مرتب سوانح نے صفحہ ۷ میں جو مراد حضرت شاہ صاحبؒ کی بھیجی اور اس کی تغلیط کی، وہ صحیح نہیں۔ افسوس ہے کہ حضرتؒ کے عم و فضل اور تبحر و جامعیت سے پوری طرح واقف حضرات بھی شائع شدہ امالی کی اغلاط و تسامحات کو بے تکلف حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں، راقم الحروف نے متعدد بار صراحت کی ہے کہ حضرتؒ کے درس ترمذی و بخاری کے مطبوعہ امالی میں سے کوئی بھی حضرتؒ کے ملحظہ سے نہیں گزرے اور نہ حضرتؒ نے کسی کے مضامین کی تصویب فرما کر ان کی ذمہ داری لی ہے اور درحقیقت ضبط و فہم کی نقائص، حوالوں کی اغلاط، تعبیری مسامحات اور دوسری قسم کی کوتاہیاں خاص طور سے حضرت کے امالی لکھنے والوں سے بہ کثرت ہوئی ہیں، اور اسی لئے فیض الباری کے مقدمہ میں تو علامہ بنوریؒ امر مذکور کی وضاحت اسی لئے کر دی تھی کہ حضرتؒ کی طرف غلطیوں کا انتساب نہ ہو، مگر بہت سے لوگ مقدمہ بھی نہیں پڑھتے، اور غلطیوں کو بھی حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی کتنی واضح بات تھی اور حضرتؒ کا اشارہ حافظ کے سہو کی طرف بالکل درست تھا، مگر کچھ بات تو فیض الباری کی تعبیری غلطیوں کی نذر ہوئی اور کچھ مرتب فضل الباری کے اعتراض و جواب سے مغالطہ میں پڑ گئی۔ اور حضرتؒ کے اصل مقصد اور مراد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

افادہ: یہاں مناسب ہے کہ دوسری مشہور کتاب صحاح سابقہ کا ذکر بھی بہ ترتیب تقدم و تاخر تالیفی و زمانی اجمالاً ایک جگہ کر دیا جائے:-

(۱) کتاب الآثار امام اعظمؒ (م ۱۵۰ھ) بروایت امام محمد امام ابو یوسف و امام زفر وغیرہ جو چوبیس ہزار احادیث و آثار کا انتخاب ہے۔ جو بقول علامہ سیوطی شافعیؒ (دور ص ۶۷) کے بعد کہ وہ تالیفی دور نہ تھا احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ ہے، اور لکھا کہ امام صاحب اس امر میں منفرد ہیں کہ آپ نے سب سے پہلے عم شریعت کو مرتب و محبوب کیا پھر ان کا اتباع امامہ مک نے موطا کی ترتیب میں کیا اور امام صاحب سے کسی نے سبقت نہیں کی (تمییز الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) گویا امام صاحبؒ محدثین مولفین کے جدا امجد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید تفصیل و تحقیق کیلئے ملاحظہ ہو۔

”جامع المسنید“ صفحہ ۳۳ اور ”ام ابن ماجہ و عم حدیث“ (از مولانا عبد الرشید نعمانی) صفحہ ۱۵۸، ۱۷۱، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیزؒ کی عبارات سے پیدا شدہ غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا گیا ہے۔ و مقدمہ شرح کتاب الآثار امام اعظمؒ از علامہ مفتی مہدی حسنؒ۔ یہ

کتاب اب دوبارہ مفتی صاحب کی شرح کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہے۔

(۲) موطا امام مالک (۱۷۹ھ) جس میں ۶۰۰ حدیث مسند جمع ۲۲۲ مرسل جمع ۶۱۳ موقوف ۱۲۸۵ اقوال تابعین ہیں۔ کل ۱۷۲۰

(۳) مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) احادیث و آثار کا مگر انقدر مجموعہ مجلس علمی کراچی سے مکمل شائع ہو گیا ہے۔

(۴) ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) حیدرآباد دکن سے پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں

(۵) مسند امام احمد (م ۲۴۱ھ) جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث و آثار ہیں سترہ لاکھ میں سے انتخاب۔

(۶) صحیح الامام البخاری (م ۲۵۶ھ) کل تعداد مع مکررات ۹۰۷۹۰۔ بغیر مکررات ۲۳۵۳ جو چھ لاکھ کا انتخاب ہے (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۹۰)

(۷) صحیح الامام مسلم (م ۲۶۱ھ) کل تعداد چار ہزار جو تین لاکھ احادیث کا انتخاب ہے۔

(۸) سنن ابن ماجہ (م ۲۴۳ھ) کل تعداد چار ہزار (بلا مکرر) (۹) سنن ابی داؤد (م ۲۴۵ھ) کل تعداد چار ہزار آٹھ سو

(۱۰) سنن امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) (۱۱) سنن امام نسائی (م ۳۰۳ھ)

(۱۲) صحیح ابن خزمہ (م ۳۱۱ھ) (۱۳) معانی الآثار امام طحاوی (م ۳۲۱ھ)

جامع سفیان کا مرتب اس وقت ایسا ہی ہوگا جیسے اب ہم آخر میں بخاری و ترمذی وغیرہ کا درس لیتے ہیں، اور امام بخاری کو جو مالی منافع امام ابو حفص شفیق استاذ سے پہنچے تھے وہ علمی سرپرستی کے علاوہ تھے، حافظ ذہبی نے بھی اپنے رسالہ "الامصار ذوات الآثار" میں بخارا کے جن اعیان محدثین کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان میں بھی عبداللہ بن محمد مسندی کے ساتھ امام ابو حفص کبیر کا ذکر موجود ہے حافظ سمعانی نے لکھا کہ ان سے بے شمار مخلوق نے روایت حدیث کی ہے، اور حقیقت یہ کہے کہ ان کی ذات سے اقلیم ماوراء النہر میں حدیث و فقہ کی جتنی اشیا ہوئی ان کے معاصرین میں سے کسی سے نہیں ہوئی بخارا کا ایک ایک گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا سمعانی نے یہ بھی لکھا کہ صرف خیزانہ میں ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر تھی، یہ صرف ایک قریب کا حال تھا،

امام ابو حفص کبیر موصوف نے فقہ و حدیث کی تعلیم امام ابو یوسف و امام محمدؒ سے حاصل کی تھی، اسی لئے ان کا شمار امام محمدؒ کے کہر تلامذہ میں ہوا ہے اور بخارا کے علاقہ میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔ امام موصوف کے صاحبزادے امام ابو حفص صغیر اور امام بخاری مدت تک طلب حدیث میں رفیق و ہم سفر رہے ہیں اور دونوں کے خاندانوں کے تعلقات عرصہ تک قائم رہے ہیں حافظ ابن حجر نے بھی مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۲ میں امام ممدوح کو امام بخاری کے مشائخ میں شمار کیا ہے، اور ان کے حق میں ممدوح کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ایک دن یہ لڑکا بڑا آدمی بنے گا، یعنی اس کی بڑی شہرت ہوگی ملا بن ماجہ (اردو صفحہ ۱۸۵)

## جامع سفیان ثوری

فقہ میں سفیان ثوری اور امام اعظم کا عموماً ایک ہی مذہب ہے، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی میں جو مذہب ان کے نام سے نقل کرتے ہیں وہ اکثر امام ابو حنیفہؒ کے موافق ہوتا ہے، امام ابو یوسفؒ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ سفیان ثوری مجھ سے بھی زیادہ امام ابو حنیفہؒ کے متبع ہیں، امام ثوری اگرچہ خود بھی امام اعظمؒ کی مجلس درس حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فقہ کو انہوں نے علی بن سیر سے اخذ کیا ہے جو امام صاحب کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام ثوری نے اپنی جامع میں زیادہ تر ان ہی سے مددی ہے، امام حدیث یزید بن ہارون نے بھی فرمایا کہ سفیان ثوری، امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کو علی بن سیر سے حاصل کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انہوں نے اپنی یہ کتاب جس کا نا جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے (ابن ماجہ اردو علامہ نعمانی عم فیض ص ۱۸۴)

اسی طرح امام بخاری نے اپنے علم فقہ حدیث کی تکمیل حضرت عبداللہ بن مبارک اور کعب کی تصنیفات پڑھ کر کی ہے، اور یہ دونوں مع امام ابوحنیفہ کے خفی تھے، اس لئے امام بخاری کے علمی استفادات اور تکمیل دروس کے زمانہ کو ایسے اکابر ائمہ حدیث و فقہ خصوصاً حنفی کتب فکر علماء کے ذکر سے خالی رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

## راقم الحروف کا حاصل مطالعہ

امام بخاریؒ کی زمانہ تکمیل تک کی تعلیم و تربیت کا ماحول اور پرتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ سفیان ثوری خود بھی صاحب مذہب مجتہد مطلق تھے، اور ان کا مذہب چوتھی صدی تک جاری رہا، وہ امام اعظم کے مداحین بلکہ تلامذہ حدیث و فقہ میں سے تھے، عبداللہ بن مبارک کا درجہ تو ایسا ہے کہ ان کو امام بخاری و عبدالرحمن مہدی اور اسحق بن راہویہ سب ہی نے مسلم امام فقہ حدیث کا مانا ہے، اور عبداللہ بن مبارک امام اعظم کے نہ صرف تلمیذ رشید بلکہ قبیح اعظم و مداح کبیر تھے کہ امام صاحب کی کوئی برائی سننے کے رد و اداری نہ تھے، اسحق بن راہویہ بھی جب تک اپنے وطن میں رہے امام صاحب اور ان کی فقہ کے دلدادہ تھے، عراق پہنچ کر جب عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ معاندین امام اعظم کی محبت اختیار کی تو اس کا اثر لے لیا تھا، اسی لئے جو حضرات ان کو اب بھی خفی کہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں، وہ اگر خفی رہتے تو امام بخاری پر ہی کیوں خلاف اثر ڈالتے۔

بہر حال! مقدرات نہیں ملتے، ورنہ امام بخاری بھی امام اعظم ہی کی فقہ کے دلدادہ ہوتے، مگر علامہ حمیدی، نعیم خزاعی اور عبدالرحمن بن مہدی اور اسحق بن راہویہ وغیرہ نے مخالف اثرات ڈالے اور خفی قضاۃ نے بھی امام بخاری پر بے جا سختیاں کیں، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام بخاریؒ ائمہ حنفیہ اور فقہ حنفی کے سب سے بڑے مخالف ہو گئے، اور چونکہ مزاج میں تشدد اور زود تاثری کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے ایسی زبان اور لہجہ بھی اختیار فرمایا جس کی ایسے عظیم المرتبت امام حدیث سے توقع نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم و احکم

## مقدمہ فضل الباری پر معروضات

صفحہ ۵۳ میں امام بخاری کی عبداللہ بن مبارک اور کعب پر جو وجہ تفوق تحریر کی گئی ہے، وہ اول تو محتاج حوالہ ہے۔ ایسی اہم علمی باتوں کو بغیر حوالہ کے نہیں لکھنا چاہیے تھا، پھر یہ کہ امام بخاری کے پاس وہ پانچ سو احادیث کس درجہ کی تھیں؟ کیونکہ ان کو تو لاکھوں احادیث غیر صحیح بھی یاد تھیں، اور عبداللہ بن مبارک تو امام بخاری سے بھی بڑے عالم حدیث تھے، خود امام بخاری نے بھی ان کو اپنے زمانہ کا اعلم مانا ہے، پھر ان کا زمانہ بھی امام بخاری سے مقدم تھا، اس لئے ممکن ہے، غیر صحیح احادیث ان کو بھی امام بخاری کی طرح اتنی ہی یاد ہوں یا غیر صحیح احادیث بعد کے زمانہ کی پیداوار ہوں تو اس سے تفوق کیسے ثابت ہوگا؟ اسی طرح امام کعب بھی کبار محدثین میں سے تھے۔ کسی بے سند بات کے ذریعہ ان کو گرانا مناسب نہیں، صفحہ ۵۴ میں محدثین کرام کی طرف یہ امر مسلمہ طور سے منسوب کرنا کہ امام بخاری جس پر بھی ثقہ ہونے کا حکم لگا دیں وہ ہر خطرے سے باہر ہے، احتیاط کے خلاف ہے، جبکہ ان کی تاریخ کبیر و صغیر وغیرہ سامنے ہیں اور خود صحیح بخاری میں بھی ضعیف رواۃ موجود ہیں، کیا ان سے صحیح میں روایت کرنا ان کی توثیق نہیں ہے باقی یہ بات ضرور ایسے موقع پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی محفوظ رکھنی چاہئے کہ صحیح بخاری کے ضعیف رواۃ کی وجہ سے کوئی روایت اس لئے نہیں گمرے گی کہ اس کے متابعات اس کو صحیح و قوی ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن اس سے خود امام بخاری کے عمل روایت عن الضعاف کی توثیق تو درست نہ ہو جائے گی، پھر یہ امر بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ توثیق کو اگر یہ پایہ دے دیا گیا تو جرح کو کیسے مجرد کریں گے، جو توثیق سے بھی کہیں زیادہ کہے خصوصاً ائمہ حنفیہ وغیرہ کے لئے۔ فافہم ولا تغفل۔

بہر حال مدح و ذم میں مبالغہ یا بے سند کوئی بات نہ آئے تو زیادہ اچھا ہے۔ ہذا ما عندی وما ابرئ نفسی۔

ص ۵۵۔ میں فن روایت کے سلسلہ میں بے لاگ جرح و تنقید کے لئے انتہائی محتاط الفاظ استعمال کرنے کا دعوے بھی محتاج دلیل بلکہ

بے دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۵۹۔ میں جہاں حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کی خدمت میں حدیث کا بھی ذکر آگیا، وہاں امام اعظمؒ کی مشہور و معروف مسانید اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کی موطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ کے ذکر کو نظر انداز کرتا ہے محل معلوم ہوا۔ اگر ہم بھی ائمہ حنفیہ کی ایسی اہم حدیثی خدمات کو نظر انداز کریں گے تو دوسرے تو پہلے ہی سے ان کو زوائدِ محمول میں ڈالے ہوئے ہیں، اور اگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو تدوین فقہ کا عظیم الشان کام جو امام اعظمؒ نے اجلہ محدثین کے ذریعہ اپنی سرپرستی میں انجام دلایا، وہ بھی تو معنی و حکماً تدوین حدیث ہی تھی، جس سے ساڑھے بارہ لاکھ شرعی مسائل مدون ہو کر ساری دنیا میں پھیل گئے، اور اس کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کا یہ ارشاد بھی پھر سے اپنی یاد میں تازہ کر لیں کہ ابو حنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے دین میں کہا ہے وہ سب قرآن وحدیث ہی کا مقصد و منشا ہے اور کچھ نہیں۔

ص ۶۰۔ میں امام اعظمؒ کے مسانید کا ذکر ہوا تو اس مگر کے ساتھ کہ ”وہ خود امام کے تصنیف کردہ نہیں بعد میں کسی نے جمع کئے ہیں“ یہ تعبیر نہایت غیر انبہ ہے جبکہ امام اعظمؒ کی ۲۲-۲۳ مسانید کی روایت اکابر محدثین نے کی ہے، اور سلسلہ روایت امام اعظمؒ تک بلا شک و ریب متصل ہے۔ شاید اس بارے میں قاضی صاحب کا مطالعہ بہت ناقص ہے۔ پھر یہ کہ مسند احمد کی روایت و تہنیں ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے کی ہے، اور مسانید امام اعظمؒ کی روایت شیخ عبداللہ سے کہیں زیادہ بڑے اکابر اور جلیل القدر محدثین نے کی ہے۔ پھر یہ تفوق بھی امام اعظمؒ کی مسانید کو حاصل ہے کہ ان میں ثلاثیات بہ کثرت ہیں، اور ثلاثیات بلکہ وحدانیات بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام صاحب کے درمیان صرف ایک راوی (صحابی) کا واسطہ ہے۔ جبکہ موطا امام مالک میں وحدانیات بالکل نہیں ہیں، اور مسند امام احمد و مسند امام شافعی میں ثلاثیات ہیں، ثلاثیات نہیں ہیں۔

صحیح بخاری کی کل غیر مکرر ۲۵۱۳ احادیث میں سے صرف ۲۲ ثلاثیات ہیں باقی رباعیات ہیں، مسلم کی چار ہزار احادیث میں سب رباعیات ہیں، ترمذی میں صرف ایک ثلاثی ہے، باقی سب رباعیات ہیں، ابوداؤد کی ۴۸۰۰ احادیث میں سے صرف ایک ثلاثی ہے باقی سب رباعیات ہیں، نسائی میں بھی سب رباعیات ہیں، ابن ماجہ کی چار ہزار روایات میں سے صرف پانچ ثلاثیات ہیں باقی سب رباعیات ہیں (جن میں حضور علیہ السلام تک چار واسطے ہوتے ہیں)۔

ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۶۴ میں امام بخاری کی تاریخ کبیر و صغیر اور رسالہ رفع یدین و فاتحہ کے ذکر میں ان کے محتویات کا تعارف نہیں سرایا گیا جو ضروری تھا۔ تاکہ طلبہ حدیث واقف ہوتے۔

ص ۶۴ میں اخق بن راہویہ کو حنفی لکھنا صحیح نہیں، وہ تلمذاً ضرور حنفی تھے مگر بعد کو وہ بھی امام بخاری وغیرہ کی طرح اصحاب الظواہر میں شامل ہو گئے تھے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری پر زیادہ اثر ان کا ہی پڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## امام بخاری کا اجتہاد

اسی طرح یہ لکھنا بھی تسامح ہے کہ امام بخاری ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے، ہاں اگر یہ کہا جاتا تو درست ہوتا کہ وہ بھی ایک درجہ کا اجتہاد رکھتے تھے، باقی ان کو مجتہد مطلق قرار دینا ائمہ اربعہ کی طرح درست نہیں ہے۔ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذیؒ نے بھی ان کے اجتہاد یا اجتہادی مسائل کو اہمیت نہیں دی جبکہ وہ دوسرے مذاہب و مسالک کی طرف قصر یا اشارۃً ضرور تعرض کرتے ہیں۔ اور مقدمہ فیض الباری شیخ محمد بدر عالم ص ۵۸ میں بھی امام بخاری کو مجتہد بلا ریب جو لکھا گیا ہے وہ موہم ہے، وہاں بھی مراد ایک درجہ کا اجتہاد ہے، مجتہد مطلق مراد نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ اتنا اجتہاد ان کو حاصل تھا کہ کسی کے مقلد ہونے کے محتاج نہ



تھے، نیز فرمایا تھا کہ امام اعظمؒ پر تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد میں توسع کیا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ امام بخاری نے تو ان سے بھی زیادہ توسع اختیار کیا ہے کہ معمولی اشاروں اور عموم سے بھی استنباط کر لیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے مجتہد ہونے نہ ہونے کے بارے میں اپنے مقدمہ فتح الباری میں کوئی تعرض نہیں کیا، ثناء امثال کے ذیل میں بھی بعض امثال سے صرف حدیث و فقہ میں برتری نقل کی ہے۔ اور بعض نے حدیث و فقہ میں مثل امام مالک بھی کہا ہے (مقدمہ ص ۱۸۳)۔

دراسات الملیب میں امام بخاری کو اہل ظاہر سے قرار دیا۔ اور مستقل فصل میں ظاہر یہ و اہل الظاہر میں مفصل طور سے فرق بیان کیا ہے۔ ظاہر یہ میں داؤد ظاہری وغیرہ اور اصحاب الظواہر میں امام بخاری کو گنایا (ص ۳۰۰)۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ایضاً الادلہ کی تذلیل ص ۷ میں داؤد ظاہری، ابن حنیبلہ، ابن قیم، نواب صدیق حسن خان اور مولوی نذیر حسین وغیرہ کو عالمین علی الظاہر لکھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کے مجتہد ہونے میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم واکرم۔ ص ۶۵۔ میں لکھا کہ کسی ایک بڑے کی حمایت میں دوسرے کی تنقیص کرنا مسلک اہل حق کے خلاف ہے الخ تو کیا ائمہ حنفیہ کی جتنی تنقیص و تحقیر شروع سے اب تک کی گئی ہے اور اب تک بھی کی جا رہی ہے، جبکہ وہ سب ان بعد کے تنقیص کرنے والوں کے بڑوں کے بھی بڑے تھے، اس کے ذکر و تذکرے سے بھی پہلو ہٹ کر نا ہی اولیٰ و انسب قرار پائے گا؟ اس موقع پر حضرت مجدد قدس سرہ کے ارشاد سے استدلال بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور امام صاحب کو صرف فن فقہ میں امام ماننے کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ وہ فن حدیث کے بھی امام اعظم تھے۔

ص ۶۵ میں امام بخاری کے بارے میں مطلق طور سے یہ لکھنا بھی خلاف تحقیق ہے کہ ان کے اقوال کو ہم سند مانتے ہیں۔ فن جرح و تعدیل میں ان کے سب اقوال سند مان لئے جائیں تو امام بخاریؒ نے اپنی تصانیف (التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر، کتاب الضعفاء الصغیر وخلق افعال العباد) میں امام اعظم کے بارے میں لکھا کہ مرجئی تھے اور لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا۔ امام ابو یوسف کو بھی متروک قرار دیا، امام محمد کو چھٹی بتلایا، محدث کبیر یوسف بن خالد سستی بھری پر بھی مسکوت عنہ کا حکم لگایا جبکہ وہ سنن ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں، اسد بن عمرو کو صاحب الرائی اور ضعیف فی الحدیث کہا جبکہ وہ امام احمد و احمد بن مسنن ایسے محدثین کبار کے استاد ہیں اور امام احمد نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت حدیث بھی کی ہے، پھر امام صاحب اور امام ابو یوسف و امام محمد کا جو موسم درجہ حدیث و رجال میں ہے وہ ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کے حالات میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری جلد اول و دوم)۔

رسالہ رفع یدین میں امام بخاری نے جیسے جیسے سخت کلمات و اقوال امام اعظم کے بارے میں استعمال کئے، کیا وہ بھی ہمارے لئے سند ہیں؟ اور رسالہ فاتحہ خلف الامام میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اس مسئلہ کے ذیل میں آئے گا اور کچھ ذکر مقدمہ انوار الباری میں امام بخاری کی تصانیف کا تعریف کرنے کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ امر بھی لائق نسیان نہیں کہ جس کے مدح زیادہ ہوں اس کے بارے میں جارحین کی جرح مقبول نہیں ہوتی، خاص طور سے جب کہ وہ جرح ہم عصروں کی طرف سے ہو یا متعصبین کی طرف سے اور امام بخاری و دارقطنی وغیرہ کا شمار بھی متعصبین میں سے کیا گیا ہے۔ اور امام بخاری وغیرہ کے متعصبانہ رویہ پر نہ صرف اکابر حنفیہ نے بلکہ غیر حنفیہ نے بھی نقد کیا ہے۔ صاحب دراسات الملیب شیخ معین سندی نے تو امام بخاری کی تہمت ارجاء پر شدید لہجہ میں جواب دی کی ہے۔ اور لکھا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے لئے جو خدائے عظیم کی طرف سے علوم عقلیہ و نقلیہ کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے، امام بخاری جیسے کی طرف سے ارجاء کی تہمت کیوں کر مانی جا سکتی ہے جبکہ ارجاء کا بطلان اور خلاف کتاب و سنت و اجماع ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور امام بخاری کا امام صاحب کے حق میں ”سکتوا عن رأیہ و حدیثہ“ کہنا تو اس لئے بھی غلط ہے کہ خود امام بخاری نے یہ اعتراف کیا ہے کہ کبار سلف میں سے عبداللہ بن مبارک، کعبہ، عباد بن العوام، ہشام، مسلم بن خالد، ابو معاویہ

مصری وغیرہ شیوخ بخاری جیسے ائمہ حدیث نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے اور دوسرے حضرات (علامہ مزی وغیرہ) نے تو سینکڑوں کی تعداد میں امام صاحب سے سماع حدیث کرنے والے گنائے ہیں، اور امام صاحب کی رائے کو اخذ کرنے والوں سے تو دنیا بھری ہوئی ہے۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ ان کی رائے سے سکوت کرنے والے کتنے نفر ہیں، بہت ہوئے تو ایک قطرہ کے برابر بہ نسبت سمندر کے۔ جو شخص ”عقد الجمان فی مناقب العثمان“ میں ان کا شمار پڑھے گا وہ ہمارے بیان کی تصدیق کرے گا (دراسات الملیب ص ۳۵۲ طبع کراچی) تہذیب الہزی قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے ترجمہ امام اعظمؒ کی نقل ص ۲۷۱ لغایہ ص ۲۸۴ احقر کے پاس ہے جس میں ۹ شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جو امام صاحب کے تلمیذ حدیث تھے اور ان کا ذکر علامہ سیوطی شافعی نے بھی ”تبلیغ السعید بمناب الامام ابی حنیفہ“ میں کیا ہے۔

یہ شیخ معین حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید فی الحدیث کا بیان ہے، جو خود بھی اہل حدیث اور اصحاب الفکر اہر میں سے بڑے پایہ کے محدث و علامہ تھے، اور جنہوں نے فقہ حنفی پر بڑے بڑے اعتراضات بھی کئے ہیں، مگر بڑی حد تک منصف تھے، دوسرے متعصب اہل حدیث حضرات کی طرح نہ تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ امام بخاری کی جلالات قدر کے قائل نہ ہوں بلکہ ان کے نہایت درجہ کے معتقد تھے اور ان کے لئے دراسات میں امام الاندلس اور قبلہ مشائخ اللہ جیسے القاب لکھتے ہیں، لیکن یہ ان کے انصاف، مرتبہ شناسی اور انزالوا ان علی منازلہم کی بات تھی کہ امام بخاریؒ کی جلالت قدر ہی کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے اعلیٰ و ارفع مقام کو بھی پہنچاتے تھے، اور اسی لئے مذکورہ زور دار طریقہ پر دفاع کو ضروری سمجھا۔

اسی طرح بعض جروح امام بخاری کا دفاع امام اعظمؒ کی طرف سے حافظ ابن حنیہؒ نے بھی کیا ہے، اور امام صاحب کی براءت ثابت کی ہے، پھر اکابر محققین حنفیہ نے بھی اس بارے میں بہت کافی ودائی لکھا ہے۔

امام بخاری کا قول امام ابو یوسف کے بارے میں ”متروک الحدیث“ ہونے کا کس طرح معتبر و سند بن سکتا ہے جبکہ امام نسائی جیسے تشدد فی الرجال نے ان کی توثیق کی ہے، اور امام احمد، علی بن المدینی و امام یحییٰ بن معین ایسے کبار شیوخ امام بخاری نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کو شیخ متقن لکھا۔ علامہ ذہبیؒ نے مستقل رسالہ میں امام ابو یوسفؒ کے حفظ حدیث و دیگر کمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے۔ متاخرین اندر رجال امام ابن تیمیہ وغیرہ نے امام صاحب یا امام ابو یوسف پر کسی جرح کو قائل ذکر بھی نہیں سمجھا۔ خطیب نے حسب عادت امام ابو یوسف پر جرح نقل کی مگر اثناء جرح میں جواب بھی دے دیا ہے۔ امام شافعی ایسے محدث کبیر بھی بواسطہ امام محمدؒ ابو یوسف کے تلمیذ حدیث ہیں۔ فکیف یصح القول لبہ انه متروک الحدیث

واللہ المستعان۔ پھر کیا امام بخاری کی یہ بات بھی کسی کے لئے حجت و سند بن سکتی ہے کہ جو راوی حدیث الایمان قول و عمل کا قائل نہ ہو اس سے حدیث کی روایت نہ لی جائے۔ حالانکہ خود امام بخاری بھی معتزلہ کی طرح الایمان قول و عمل کے قائل نہ تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے ہی اہل حق کا مسلک ارجاء سنت ہے، اور ارجاء بدعت کی تہمت حنفیہ پر بھی نہیں لگ سکتی۔

امام بخاری کا قول امام محمد کے بارے میں جی ہونے کا کیونکر صحیح و سند بنے گا جبکہ محدث میرؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا کہ ”میرا مذہب اور امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کا مذہب وہی ہے جو حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا۔“ اندر حنفیہ کے سارے عقائد ”کتاب عقیدہ طحاوی“ میں مذکور ہیں، پھر بھی کوئی ان کو مر جئی یا جمعی بتلائے تو مراد غلطی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے مجموعہ رسائل ص ۳۶/۱ میں خود امام محمدؒ ہی سے یہ روایت پیش کی کہ وہ جمعی عقائد والے کو خارج از ملت قرار دیتے تھے، پھر بھی ان کو جمعی بتلانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اور امام صاحبؒ کا جم بن صفوان کو اپنی مجلس سے کافر کہہ کر نکلوا دینے کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ پھر ان ہی کے اتنے بڑے تلمیذ کبیر و نائب الامام الاعظم جمعی کیسے ہو سکتے تھے؟ ہم اپنے علم و مطالعہ کی حد تک یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی بڑی شخصیت نے امام

بخاری کے سوا امام محمد کو بھی نہیں کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۶۹ میں امام الحرمین اور امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں جو قصہ بیان ہوا وہ بھی محلی نظر اور محتاج سند ہے، ایسے اکابر ملت سے ایسے واقعات کی صحت مشکوک ہے، پھر اسی کے مثل امام ذہلی و امام بخاری کے واقعہ کو ظاہر کرنا بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ امام ذہلی بڑے جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، اور امام بخاری کے اساتذہ کبار میں سے تھے اور انہوں نے امام بخاری کی خیر خواہی کے لئے ہی ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خلق قرآن کے بارے میں کسی کو مسئلہ نہ بتلائیں اور سکوت اختیار کریں، مگر امام صاحب نہ مانے اور پھر پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ اس واقعہ کو حسد و بغیرہ پر محمول کرنا خلاف تحقیق ہے۔ اور غالباً اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاذ حدیث امام ذہلی سے بہت سی احادیث بخاری میں روایت کی ہیں۔ جبکہ امام مسلم نے نہ اپنے استاذ امام ذہلی سے کوئی حدیث روایت کی اور نہ اپنے معروض اعظم امام بخاری سے کوئی حدیث لی۔ حافظ ابن حجر نے اس کو امام مسلم کے انصاف سے تعبیر کیا ہے، مگر روایت حدیث ایسے مقدس و محترم ترین امر کے بارے میں یہ انصاف کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجھے قوی امید ہے کہ مرتب فضل الباری فاضل محترم مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب دام فیض میری گزارشات سے ناراض نہ ہوں گے اور کوئی غلطہ ہوئی ہو یا خلاف شان کوئی بات تو اس کو معاف فرمادیں گے۔ خدا کا شکر ہے ہم دونوں کا مقصد ایک ہے اور اس خالص علمی میدان میں ہم ایک دوسرے کے رفیق و معاون رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ آخر میں میری ان سے یہ گزارش بھی ہے کہ وہ مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرما کر ممنون و ماجر ہوں۔ و عند اللہ فی ذاک الجزاء۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

### تشکر و امتنان

جیسا کہ سابق جلد کے مقدمہ میں عرض کیا گیا تھا انوار الباری کا پھر سے کام احباب آفریقہ کی تائید و اصرار پر شروع ہوا ہے، اور یہ دونوں جلدیں ان ہی کی مالی اعانت سے شائع ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں الحاج ایس ایم ذکرات، الحاج مولانا اسماعیل گارڈی، الحاج ایم ایم بوڈھانیہ، میاں برادر س، مفتی برادر س، الحاج ابراہیم کوساڈیہ، الحاج مولانا عبدالحق عمرجی، مولانا قاسم محمد سیما، مولانا عبدالقادر، مولانا احمد محمد گردا، مولانا یوسف احمد اور دیگر حضرات ناظرین انوار الباری کی نیک دعاؤں اور خصوصی تشکر کے مستحق ہیں جو مالی اعانت کے علاوہ اپنے مفید مشوروں سے بھی راقم الحروف کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ جزاھم اللہ خیر ما یجزی بہ عبادہ۔

احقر

سید احمد رضا عفا اللہ عنہ

بجنور

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله على القادر المقدر الذى بيده تتم الصالحات، والصلوة والسلام على سيدنا و مولانا محمد الفضل المرسلين وخاتم النبيين وعلى آله وصحبه والائمة المجتهدين ومن تبعهم الى يوم الدين باب ذكر العشاء والعتمة ومن رآه واسعا وقال ابو هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم اثقل الصلوة على المنافقين العشاء والفجر وقال لو يعلمون ما فى العتمة والفجر قال ابو عبد الله والاختيار ان يقول العشاء لقول الله تعالى ومن بعد صلوة العشاء ويذكر عن ابي موسى قال كنا تتناوب النبي صلى الله عليه وسلم عند صلوة العشاء فاعتم بها وقال ابن عباس وعائشة اعتم النبي صلى الله عليه وسلم بالعشاء وقال بعضهم عن عائشة اعتم النبي صلى الله عليه وسلم بالعتمة وقال جابر كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلى العشاء وقال ابو برزة كان النبي صلى الله عليه وسلم يؤخر العشاء وقال انس اخر النبي صلى الله عليه وسلم العشاء الاخرة وقال ابن عمرو وابو ايوب وابن عباس صلى الله عليه وسلم العشاء الاحرة وقال ابن عمرو وابو ايوب وابن عباس صلى النبي صلى الله عليه وسلم المغرب والعشاء

(عشاء اور عتمة کا ذکر، اور جس نے عشاء اور عتمة دونوں کہنا جائز خیال کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز تمام نمازوں سے زیادہ گراں ہیں اور فرمایا کہ کاش وہ جان لیں کہ عتمة اور فجر میں کیا (ثواب) ہے، امام بخاری کہتے ہیں، کہ بہتر یہ ہے کہ عشاء کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ومن بعد صلوة العشاء“ ابو موسیٰ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، کہ (ہم) نبی ﷺ کے پاس عشاء کی نماز میں باری باری سے جاتے تھے، (ایک مرتبہ) آپ نے اس کو عتمة میں پڑھا، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز عتمة میں پڑھی، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں تاخیر کرتے تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بجھل عشاء میں تاخیر فرمادی، ابن عمرؓ اور ابو ایوبؓ اور ابن عباسؓ نے کہا ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔)

۵۳۴: حدثنا عبدان قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا يونس عن الزهري قال سالم اخبرني عبد الله قال صلى الله لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة صلوة العشاء وهى التى يدعو الناس العتمة ثم انصرف فا قبل

علينا فقال ارايتكم ليلتكم هذه فان راس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الارض احد ترجمہ: حضرت عبد اللہ (ابن عمرؓ) روایت کرتے ہیں، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی، اور یہ وہی (نماز) ہے۔ جس کو لوگ عتمة کہتے تھے، نماز سے فارغ ہو کر ہر طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ میں تمہیں تمہاری اس شب کی خبر دوں جو تو اس وقت زمین کے اوپر ہیں آج سے سو ۱۰۰ برس کے شروع تک ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے ایسے الفاظ و اسماء کے لئے گنجائش دے رکھی ہے، جن کے اطلاق سے کوئی بڑی غلط فہمی اور پرکھ طرح نہ ہو، مثلاً عشاء کے لئے عتمة کا اطلاق، حافظ نے لکھا کہ یہ پہلے کی طرح نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے بھی ایسا ثابت ہے جبکہ مغرب پر عشاء کا اطلاق حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے، پھر سلف کا اختلاف مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عتمة کہنے والوں پر عتاب و غصہ کرتے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ وغیرہ سے جواز نقل ہوا اور بعض نے خلاف اولیٰ قرار دیا، اور یہی رائج ہے۔ (فتح ص ۲۰۳) قال ابو ہریرہؓ سے امام

بخاری نے اطراف احادیث مجذوفۃ الاسانید ذکر کئے ہیں، جو بقول حافظ سب صحیح ہیں اور دوسری جگہوں پر ان کی تخریج ہو چکی ہے، ان سے عتہ وعشاء کا ایک دوسرے پر جو اطلاق کا ثبوت ہوتا ہے، حافظ نے ان کی تخریج ذکر نہیں کی، علامہ بیہقی نے ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

## قولہ فان رأس مائۃ سنۃ الخ

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت زمین پر زندہ تھے، لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں، اس میں داخل نہیں، پھر فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسد مثالی کے ساتھ نزول کریں گے، اس نے غلطی کی، کیونکہ وہ یقیناً جسد اصلی وغضری کے ساتھ نزول فرمائیں گے۔ حافظ نے یہاں کچھ نہیں لکھا، محقق بیہقی نے لکھا۔ علامہ نووی نے یہ مراد لی کہ اس رات میں زمین پر کوئی ایسا نہیں جو ایک سو سال سے زیادہ زندہ رہے گا، اس امر کی نفی نہیں ہے کہ اس کے بعد بھی کسی کی عمر ایک سو سال سے زیادہ نہ ہوگی، علامہ ابن بطلان نے کہا کہ ایک سو سال کے اندر یہ قرن ختم ہو جائے گا، جس میں ہم ہیں، اور حضور علیہ السلام کا مقصد اس کے فرمانے سے اس امت کے لوگوں کی عمروں کا یہ نسبت سابقہ ام کے کم ہونے کی طرف اشارہ تھا تا کہ عبادت وغیرہ میں پوری سعی کریں، اور کسی نے کہا کہ ارض سے حضور علیہ السلام کی مراد ارض مدینہ طیبہ تھی جس طرح آیت الم تکن ارض اللہ واسعة میں ارض سے مراد مدینہ ہے اور وجہ الارض سے ملائکہ نکل گئے کہ وہ آسمانی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی اقامت بحر میں ہے، ہاروت وماروت اگرچہ دنیا میں ہیں مگر وہ بشر نہیں ہیں، ابلیس وشیاطین و جن بھی بشر نہیں ہیں اور حدیث میں بشر مراد ہیں، نیز سیدنا حضرت عیسیٰ اور خضر علیہما السلام کے بارے میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ امت محمدیہ میں نہیں ہیں اور حدیث میں ذکر امت کا ہے کہ ان کو اعمال خیر کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

## حیات خضر علیہ السلام

علامہ بیہقی نے یہاں یہ بھی لکھا کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حدیث الباب سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا ہے، لیکن جہور ان کے خلاف ہیں اور علامہ سیبلی نے محقق امت ابن عبد البرؒ سے نقل کیا ہے کہ متواتر اخبار و آثار سے حضرت خضر علیہ السلام کا اجتماع حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، لہذا اس سے عدم اجتماع والی بات بھی غلط ہو جاتی ہے، اور بالفرض اگر وہ حضور علیہ السلام کے پاس نہ بھی تشریف لائے ہوں تو کتنے ہی حضرات حضور علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں مگر حاضر خدمت نہیں ہو سکے نہ آپ کو دیکھ سکے اس لئے عدم اتیان عدم حیات کی دلیل نہیں بن سکتی، پھر لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ و وہب کی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی مرسل ہیں، مقافل و اسماعیل بن ابی زیاد شامی کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض نے کہا کہ ولی ہیں، علامہ ابوالفرج نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ (عمدہ ص ۲/۵۷۷)

## باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس او تاخروا

(عشاء) (کی نماز) کا وقت، جب لوگ جمع ہو جائیں، تو پڑھنا اگر دیر میں آئیں، تو دیر کر کے پڑھنا)

۵۳۵: حدثنا مسلم بن ابراہیم قال حدثنا شعبۃ عن سعد بن ابراہیم عن محمد بن عمرو وهو ابن

الحسن بن علی بن ابی طالب قال سألنا جابر بن عبد اللہ عن صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الظهر بالہاجرة والعصر والشمس حیا والمغرب اذا وجبت

والعشاء اذا کثر الناس عجل واذا اقلوا آخروا الصبح بفسل

ترجمہ: (۵۳۵) حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جابر بن عبد اللہؓ سے نبی کریم ﷺ کی نماز کی

کیفیت پوچھی، انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز آپ دو پہر میں پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا، اور مغرب کی جب وہ غروب ہو جاتا، اور عشاء کی نماز جب آدمی بہت ہو جاتے، جلد پڑھ لیتے، اور جب کم ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں (پڑھتے)۔  
 تشریح: علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس باب میں عشاء کا وقت بیان ہوا ہے کہ وہ اجتماع کے وقت ہے، اول وقت جمع ہوں تو اول وقت ہے اور دیر سے جمع ہوں تو تاخیر ہے اور حد تاخیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کو ہم حدیث نمبر ۵۴۱ کے تحت بیان کریں گے۔

## باب فضل العشاء

### (نماز عشاء کی فضیلت کا بیان)

۵۳۶: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب عن عروة ان عائشة اخبرته قالت اعظم رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة بالعشاء وذلك قبل ان يفشوا الاسلام فلم يخرج حتى قال عمر نام النساء والصبيان فخرج فقال لاهل المسجد ما ينظروا احدا من اهل الارض غيركم  
 ۵۳۷: حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابو اسامة عن بريد عن ابى بردة عن ابى موسى قال كنت انا واصحابى الذين قد موامعى فى السفينة لنزولا فى بقيق بطحان والنبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة فكان يتناوب النبي صلى الله عليه وسلم عند صلوة العشاء كل ليلة نفر منهم فوافقنا النبي صلى الله عليه وسلم انا واصحابى وله بعض الشغل فى بعض امره فاعتم بالصلوة حتى ابهار الليل ثم خرج النبي صلى الله عليه وسلم فصلى بهم فلما قضى صلواته قال لمن حضره 'على رسلكم ابشروا ان من نعمة الله عليكم انه ليس احد من الناس يصلى هذه الساعة غيركم او قال ما صلى هذه الساعة احد غيركم لا يدري اى

الكلمتين قال قال ابو موسى فرجعنا فرحى بما سمعنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: ۵۳۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شب عشاء کی نماز میں رسول خدا ﷺ نے تاخیر کر دی یہ (واقعہ) اسلام کے پھیلنے سے پہلے (کا ہے) (چنانچہ) آپ اس وقت نکلے، جس وقت حضرت عمرؓ نے آپ سے آکر (کہا) کہ عورتیں اور بچے سو چکے۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ زمین والوں میں سوا تمہارے کوئی اس نماز کا منتظر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵۳۷۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو کشتی میں میرے ہمراہ آئے تھے بقیع بطحان میں مقیم تھے۔ اور نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے، تو ان میں سے کئی کئی آدمی نوبت بہ نوبت نبی کریم ﷺ کے پاس جاتے تھے (ایک دن) ہم سب یعنی میں اور میرے ساتھی نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو اپنے (کسی) کام میں (ایسی) مصروفیت تھی، کہ (عشاء کی) نماز میں آپ نے تاخیر کر دی، یہاں تک کہ رات آدمی ہو گئی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ اور لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ نماز ختم کر چکے تو جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سے فرمایا، کہ ٹھہرو، خوش ہو جاؤ، کیونکہ تم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ تمہارے سوا کوئی آدمی اس وقت نماز نہیں پڑھتا، یہ فرمایا کہ اس وقت میں تمہارے سوا کسی نے نماز نہیں پڑھی، معلوم نہیں آپ نے (ان دو جملوں میں سے) کون سا فرمایا حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے جو کہ رسول خدا ﷺ سے ہم نے سنی خوش ہو کر لوٹے۔

تشریح:۔ حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے جو دو حدیثیں اس باب میں ذکر کی ہیں ان دونوں سے کوئی واضح خصوص فیضیت نماز عشاء کی ثابت

نہیں ہوتی، البتہ انتظار عشا کی فضیلت نکلتی ہے، شاید وہی مراد ہو۔ (فتح صفحہ ۳۲۲) لیکن اگر انتظار کی فضیلت بتلائی تھی تو یہ لفظ کیوں حذف کیا اور آگے امام بخاری کتاب الاذان میں ایک باب مسجد میں انتظار صلوٰۃ کالائیں گے تو تکرار ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ ظاہر یہ ہے کہ حسب ارشاد نبوی نماز کا یہ وقت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے لہذا یہی نماز عشا کی فضیلت بن گئی۔ پھر شاہ صاحب نے انتظار والی توجیہ کے مقابلہ میں اسی توجیہ کو ترجمۃ الباب کے مناسب بتلایا اور لکھا کما لا یخفی علی من لہ طبع سلیم۔ گویا انتظار والی توجیہ طبع سلیم پر گراں ہے اور علامہ عینی نے بھی حافظ کی توجیہ پر نقد کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک فضل انتظار العشا فی فضل العشا ہے۔ (الابواب ۲ صفحہ ۲۳۵) لیکن سوال یہ ہے کہ انتظار کی فضیلت تو ہر ایک نماز کے لئے یکساں ہے، اس میں عشا کی الگ کیا خصوصیت ہے، لہذا بہتر توجیہ وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ نے بیان کی اور ہمارے حضرت شاہ صاحب نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور آپ نے اس بارے میں پوری تحقیق و تفصیل بھی فرمائی جو قابل ذکر ہے۔

افادۃ انور: حضرت نے قولہ علیہ السلام وما یستظروہا احد غیرکم پر فرمایا کہ علامہ سیوطی نے حصر بہ نسبت اہل کتاب کے قرار دیا اور اپنی شرح البخاری میں یہ دعویٰ کیا کہ عشا کی نماز کسی امت میں نہیں تھی۔ بجز اس امت کے، اور امام طحاوی کے قول سے استدلال کیا کہ سب سے پہلے عشا کی نماز ہمارے نبی اکرم ﷺ نے پڑھی ہے، لیکن اس میں مجھے تامل ہے کیونکہ سب نمازیں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہیں، اگر چہ ان کی امتوں پر فرض نہ تھیں، اور بنی اسرائیل پر صرف فجر و عصر کی نماز تھی جیسا کہ نسائی میں ہے۔ اس لئے علامہ سیوطی کی رائے مذکور کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ عشا کی نماز بوصف فریضۃ اسی امت کے ساتھ خاص ہے اور دوسروں نے اگر پڑھی ہے تو وہ نفل کے طور پر پڑھی ہے۔ لہذا ما یستظروہا کا مطلب بھی بحیثیت فرض ہونے کے ہوگا، بعض نے یہ کہا کہ ابتدا میں اسلام چونکہ اطراف مدینہ میں نہ پھیلا تھا جیسا کہ حدیث الباب میں بھی اس کا ذکر ہے لہذا حصر بہ نسبت اطراف کے ہوگا۔ (یہاں فیض الباری صفحہ ۲-۱۳۱ میں بجائے اطراف کے الکفار غلط ہے) حافظ اور عینی نے لکھا: مراد یہ ہے کہ اس بیت مخصوصہ یعنی جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوتی تھی۔ بجز مدینہ کے، اور اسی کو داؤدی نے بھی اختیار کیا ہے۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں تو صحابہ کرام کمزور تھے، چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، اور بجز مکہ و مدینہ کے اور شہروں میں اسلام داخل نہ ہوا تھا (فتح صفحہ ۳۲۲ و عمدہ ۲ صفحہ ۵۷۸) پھر حضرت نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حصر بہ نسبت مسجد نبوی کے ہو اور دوسری مساجد میں نماز عشا اپنے وقت پر بلا تاخیر کے ہو جاتی ہو، کیونکہ حسب روایت دارقطنی مدینہ میں ۹ مساجد تھیں، اور علامہ سمود دی نے بھی متعدد بتلائی ہیں، یعنی دوسری مساجد میں لوگ نماز عشا پڑھ کر سو چکے، اور تم میری وجہ سے تاخیر سے پڑھ رہے ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری صفحہ ۹۱ میں حدیث آنے والی ہے، جس میں حضور علیہ السلام کا ارشاد صلی الناس وادخلوا الخ موجود ہے، جس سے حضرت کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے اور صفحہ ۱۱۹ میں وسلم یکن احد یومئذ یصلی غیر اہل الملبینۃ اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر ما یستظروہا احد غیرکم من اہل الارض، ولا یصلی یومئذ الا بالملبینۃ بھی ہے، ان سب کو سامنے رکھ کر بات منہج ہو جاتی ہے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں انتظار نماز عشا کے واقعات متعدد اوقات میں پیش آئے ہیں، یہاں حضرت عائشہ کی حدیث میں ابتداء اسلام کا واقعہ ہے پھر حضرت ابوموسیٰ کی حدیث بہت بعد کی ہے، کیونکہ وہ حبشہ سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ہیں، وہ یمن سے حضور علیہ السلام کی زیارت شریفہ کے لئے نکلے تو پہلے ہی تھے، مگر راستہ میں ہوا آندھی نے ان کو حبشہ میں پھینک دیا اور وہاں وہ سات سال تک رکے رہے، پھر مدینہ کے صحابہ کے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے اور بلطین بلحان میں اترے، وہاں سے نوبت بہ نوبت ان میں سے کچھ افراد حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارک میں ہر رات عشاء کے وقت حاضر ہوا کرتے تھے اور اسی زمانہ کا قصہ حدیث

میں بیان ہوا ہے، اور باب النوم قبل العشاء میں جو حدیث ابن عباسؓ آنے والی ہے، اس کا واقعہ اس سے بھی بعد کا ہے کیونکہ وہ ۸ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے چشم دید حالات بعد کے ذکر فرماتے ہیں۔

حضرتؒ نے اس تفصیل کی کوئی خاص وجہ بیان نہیں فرمائی، اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی اس کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، احقر عرض کرتا کہ شاید مقصد یہ ہوگا کہ ہر زمانہ کے مناسب توجیہ اختیار کر لی جائے، اور خاص طور سے مسجد نبویؐ والی توجیہ ہر زمانہ کے لئے موزوں ہو سکتی ہے، یعنی دوسری مسجد مدینہ میں نماز عشاء میں اتنی تاخیر نہ ہوتی تھی جتنی مسجد نبویؐ میں ہو جاتی تھی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرات صحابہ کرام علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے مختلف اطراف سے پہنچتے تھے، اور کچھ کچھ دن قیام کر کے اپنے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کی ہمہ وقتی مشغولی اور شبانہ تعلیم جاری رہنے کے سبب سے نماز عشاء میں تاخیر معمولی بھی اور بعض اوقات غیر معمولی بھی ہو جاتی ہوگی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ آپ دن کے معمولات سے تھک کر بعد مغرب آرام فرماتے ہوں گے، اس لئے بھی نماز عشاء میں زیادہ تاخیر ہو جاتی ہوگی، وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ اتنی تاخیر کی مسجد نبویؐ کے علاوہ کہیں بھی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واعلم۔

## باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء

(عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے)

۵۳۸: حدثنا محمد بن سلام قال حدثنا عبد الوهاب الثقفي قال حدثنا خالد بن الحذاء عن أبي المنهال

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكره النوم قبلها والحديث بعدها ترجمہ ۵۳۸: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو، اور اس کے بعد بات کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اگر کوئی نماز عشاء کے وقت اٹھانے والا ہو، یا عادتاً نماز سے قبل اٹھ سکتا ہو تو سونے میں کوئی حرج نہیں، (بشرط یہ کہ نماز قضا نہ ہو کہ صبح تک سوتا ہی رہے) امام طحاویؒ نے فرمایا کہ رخصت صرف دخول وقت عشاء سے قبل کے لئے ہے، اس کے بعد کراہت ہے۔

## باب النوم قبل العشاء لمن غلب

(جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لئے عشاء سے پہلے سونے کا بیان)

۵۳۹: حدثنا ابوب بن سليمان قال حدثني ابوبكر عن سليمان قال صالح بن كيسان اخبرني ابن

شهاب عن عروة ان عائشة قالت اعتم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعشاء حتى ناداه عمر الصلوة نام النساء والصبيان فخرج فقال ما ينظرها من اهل الارض احد غيركم قال ولا يصلي يومئذ الا بالمدينة قال وكانوا يصلون فيما بين ان يغيب الشفق الى ثلث الليل الاولى

۵۴۰: حدثنا محمود قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جريح قال اخبرني نافع قال حدثنا عبد الله بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم شغل عنها ليلة فاخرها حتى رقد نالي المسجد ثم استيقظنا ثم رقدنا ثم استيقظنا ثم خرج علينا النبي صلى الله عليه وسلم ثم قال ليس احد من اهل الارض ينتظر الصلوة غيركم وكان ابن عمر لا يبالى اقدمها ام اخرها اذا كان لا يخشى ان يغلبه النوم عن وقتها وقد كان يرقد قبلها قال ابن جريح قلت لعطاء فقال سمعت ابن عباس يقول اعتم رسول الله صلى الله عليه



وسلم ليلة بالعشاء حتى رقد الساس واستيقظوا ورددوا واستيقظوا فقام عمر بن الخطاب فقال الصلوة قال عطاء قال ابن عباس فخرج نبي الله صلى الله عليه وسلم كأنى انظر اليه الان يقطر راسه ماء واضعاً يده على راسه فقال لولا ان اشق على امتى لامرتهم ان يصلوها هكذا فاستببت عطاء كيف وضع النبي صلى الله عليه وسلم على راسه يده كما اباه ابن عباس فبدلى عطاء بين اصابعه شيئاً من تبديد ثم وضع اطراف اصابعه على قرن الراس ثم ضمها يمرها كذلك على الراس حتى مست ابهامه طرف الاذن مما يلي الوجه على الصدغ وناحية اللحية لابعصروا لايبطش الا كذلك وقال لولا ان اشق على امتى لامرتهم ان يصلوها هكذا.

ترجمہ ۵۳۹: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے عشاء (کی نماز) میں تاخیر کر دی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو آواز دی، کہ نماز (تیار ہے) غور تیس اور بچے سو گئے، تب آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ اس نماز کا تمہارے سوا کوئی انتظار نہیں کرتا (ابو بزرہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک مدینہ منورہ کے سوا اور کہیں نماز نہ پڑھی جاتی تھی، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ (عشاء کی نماز) شفق کے غائب ہو جانے کے بعد رات کی پہلی تہائی تک پڑھ لیتے تھے۔

ترجمہ ۵۴۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات رسول خدا ﷺ کو عشاء کے وقت کوئی ضرورت پیش آگئی، اس وجہ سے آپ کو (عشاء کی) نماز میں تشریف لانے میں تاخیر ہوگئی، یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو رہے، پھر جاگے، پھر سو رہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا کہ اس وقت زمین والوں میں تمہارے سوا کوئی (اس) نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، (اور ابن عمرؓ کچھ پروا نہ کرتے تھے، کہ عشاء کی نماز جلد پڑھ لیں یا دیر میں پڑھیں۔ بشرط یہ کہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا۔ اور کبھی وہ عشاء سے پہلے سو رہتے تھے، ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے (اس حدیث کو) بیان کیا تو انہوں نے کہا، کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے عشاء کی نماز میں اس حد تک تاخیر کر دی کہ لوگ سو رہے اور پھر جاگے، اور پھر سو رہے اور پھر جاگے، تو عمر بن خطاب کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے (جا کر آپ سے) کہا کہ نماز (تیار ہے) عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے کہا، پھر رسول خدا ﷺ باہر تشریف لائے گویا کہ میں آپ کی طرف اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے، اور آپ اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو یقیناً انہیں حکم دے دیتا کہ عشاء کی نماز اسی طرح (اسی وقت) پڑھا کریں (ابن جریج کہتے ہیں) پھر میں نے عطاء سے بطور تحقیق کے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر کس طرح رکھا تھا، جیسا کہ ابن عباسؓ نے ان کو خبر دی تو عطاء نے میرے (دکھانے کے) لئے اپنی انگلیوں کے درمیان میں کچھ تفریق کر دی اس کے بعد اپنی انگلیوں کے سرے سر کے ایک جانب پر رکھ دیئے پھر ان کو ملا کر اس طرح سر پر پہنچ لائے۔ یہاں تک کہ ان کا انگوٹھا ان کے کان کی لوسے جو چہرے کے قریب ہے، داڑھی کے کنارے مل گیا، آپ جب پانی بالوں سے نچڑتے اور جلدی کرنا چاہتے تو اسی طرح فرمایا کرتے، آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا، تو بے شک انہیں حکم دے دیتا کہ وہ (عشاء کی نماز) اسی طرح (یعنی اسی وقت) پڑھا کریں۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ حالات کے مطابق تقسیم ہے، اسی لئے جس پر کسی وجہ سے نیند کا زیادہ غلبہ ہو تو اس کے لئے بھی شرعاً گنجائش و اجازت ہے۔ حدیث الباب میں ہے کہ عشاء کی نماز غروب شفق سے تہائی شب تک پڑھائی جاتی تھی، اس لئے شفق کی تحقیق بھی ضروری ہوئی، علامہ خطابی نے لکھا۔ کچھ حضرات کی رائے ہے کہ شفق سرخی ہوتی ہے غروب کے بعد، یہ حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور کچھ لوگ طوائف کا بھی یہی قول ہے امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد و ابن ماجہ نے اسی کو اختیار کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے

شفق بیاض کو قرار دیا جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے، اسی قول کو امام ابوحنیفہ اور اوزاعی نے اختیار کیا، تیسری رائے بعض حضرات کی یہ بھی ہے کہ شفق حرہ و بیاض ملی جلی کا نام ہے کہ نہ خالص سرخی ہو نہ کھلی سفیدی، (معالم السنن ص ۱۲۵۴)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہ آخر کا قول زیادہ پسند ہے کیونکہ شفق اشفاق و شفقت سے مأخوذ ہے، جس کے معنی میں رقت ہے، اس لئے اس میں دونوں کا ہلکا رنگ و گس ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا وقت ہوتا ہے تقریباً اتنا ہی غروب شمس سے غروب شفق امیض تک ہوتا ہے۔ علم ریاضی والوں نے یہی تحقیق کی ہے نیز فرمایا کہ احادیث میں جو عشا کا وقت ٹکٹ یا نصف لیل تک آیا ہے وہ سورہ مزمل کی آیت ”قلم اللیل الا قلیلاً نصفه او انقص منه قلیلاً او زد علیہ“ کے مطابق ہے، حق تعالیٰ نے اوقات لیل کو نماز عشا اور نماز تہجد کے درمیان تقسیم فرما دیا ہے، اگر عشا کو نصف کے اندر پڑھ لیا تو باقی نصف تہجد کے لئے رہ گئی اور اگر نماز عشا ٹکٹ کے اندر پڑھی تو اس رات میں باقی دو ٹکٹ تہجد کے لئے رہ گئے۔ اور اسی کے مطابق نزول باری بھی ہوتا ہے، کہ اس کی روایات بھی عشا کی طرح کوئی نصف کی ہے کوئی ٹکٹ کی حافظ نے اگرچہ ٹکٹ آخر کو ترجیح دی ہے مگر میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ سب روایات صحیح ہیں، اور نزول کے بھی انواع ہیں، کسی کا وقت ٹکٹ کے لئے ہے، کسی کا نصف کے لئے اور ہم ان نزولات کی کیفیات و ذوق سے ناواقف ہیں مزید تحقیق اس کے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## باب وقت العشاء الی نصف اللیل وقال ابوہریرۃ

### کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستحب تاخیرھا

۵۴۱: حدثنا عبدالرحیم المحاربی قال حدثنا زائدة عن حمید بن الطویل عن انس قال قال اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوة العشاء الی نصف اللیل ثم صلی ثم قال قد صلی الناس وقاموا اما الکم فی صلوة ما انتظر تموها وزاد ابن مریم قال اخبرنا یحییٰ بن ابوب قال حدثنی حمید سمع الساکانی النظر الی و بیض خاتمه لیلئذ

ترجمہ ۵۴۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشا کی نماز میں (ایک مرتبہ) نصف شب تک تاخیر فرمائی، اس کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے، اور تم نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے اس کا انتظار کیا، اور ابن ابی مریم نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عیسیٰ بن ابوب نے کہا، وہ کہتے ہیں مجھ سے حمید نے بیان کیا، انہوں نے انسؓ سے سنا کہ گویا میں اس شب والی آپ کی انگلی کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے آخر وقت عشا کے لئے صحابہ کرام کے مختلف آثار و اقوال ذکر فرما کر لکھا کہ ان ہی کے تحت ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف پیش آیا ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ نے لکھا کہ امام مالک و شافعی (فی قول) ٹکٹ رات تک کے قائل ہیں، اصحاب الرأی و شافعی (فی قول آخر) اور ابن حبیب (مالکیہ میں سے) نصف تک کہتے ہیں، امام نخعی رطل تک مانتے ہیں۔ بعض حضرات طلوع فجر تک کہتے ہیں، یہی قول داؤد کا ہے اور امام مالک بھی وقت ضرورت اس کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک میں تاخیر افضل ہے، مگر لیالی صیف میں شرح ہدایہ میں نصف شب تک تاخیر کو مباح لکھا ہے، بعض نے تاخیر بعد ٹکٹ کو مکروہ بہ کراہت تحریمہ قرار دیا۔ (عدہ ۲ صفحہ ۵۷۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: نماز عشا ٹکٹ لیل تک مستحب ہے، اور نصف تک جائز بلا کراہت ہے، اس کے بعد کراہت تزیہی ہے، جیسا

کہ محقق ابن امیر الحاج نے تحقیق کی ہے اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، پھر جن حضرات نے کراہت تحریم کہا ہے وہ بھی مسافر کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اس لئے بعد نصف بھی بلا کراہت مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسافر کے لئے تاخیر مغرب میں بھی کراہت نہیں تاکہ وہ جمع صوری کر سکے، یعنی مغرب کو آخر وقت میں اور عشا کی اول وقت میں پڑھ لے (غیر مسافر کے لئے حنفیہ کے یہاں بھی مغرب میں تعجیل مسنون ہے اور تاخیر مکروہ) حافظ نے لکھا کہ یہاں تو امام بخاری نے نصف لیل تک کا باب باندھا ہے۔ مگر مسلم میں حدیث صریح ہے جس میں اول و آخر وقت عشا کا بیان ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ نصف لیل تک وقت اداء مختار ہے، لیکن وقت جواز طلوع فجر تک ہے، کیونکہ حضرت ابو قتادہ سے مسلم میں حدیث ہے کہ دوسری نماز تک پہلی کا وقت رہتا ہے، اور پہلی نماز میں اتنی تاخیر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اصطخری نے ضروریہ کہا ہے کہ اگر آدمی رات گزر گئی تو پھر نماز عشا وقتاً ہوگئی، مگر جمہور کا استدلال حدیث ابی قتادہ مذکور سے ہے۔ اس پر حافظ نے اضافہ کیا کہ عموم حدیث ابی قتادہ سے بالا جماع نماز فجر کو مستثنیٰ کریں گے (کہ اس کا وقت دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہے) اور امام شافعی کے قول جدید پر مغرب کو بھی۔ (کہ اس قول پر مغرب کا وقت ان کے نزدیک صرف اتنا ہے کہ وضو وغیرہ کر کے تین رکعات پڑھ لے) حافظ نے یہاں یہ بھی لکھا کہ مجھے استدالاً وقت عشا کی طلوع الفجر کے لئے کوئی صریح حدیث نہیں ملی (فتح ۲ ص ۳۵)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک امام بخاری نے بھی اصطخری کا مسلک اختیار کیا ہے، اور وہ ایک قول امام شافعی و مالک کا بھی ہے۔ لیکن اسی حدیث الباب بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشا کو نصف لیل تک موخر کیا، اور پھر نماز پڑھی اس سے نئی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نصف کے بعد نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ پھر یہ وقت صبح تک کے لئے ہو گیا کیونکہ اقوال صرف تین ہی ہیں۔ ایک ٹکٹ کا دوسرا نصف کا تیسرا طلوع فجر تک کا، ایسا قول کسی کا بھی نہیں ہے کہ بعد نصف کے اور طلوع فجر سے پہلے فتم ہو۔ امام طحاوی نے کہا کہ تمام احادیث پر نظر کر کے یہ بات ثابت ہے کہ عشا کا وقت جائز طلوع فجر تک ہے کیونکہ حدیث حضرت عائشہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کو مؤخر کیا تا آنکہ بیشتر رات کا حصہ جاتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری رات ہی نماز عشا کا وقت ہے، اور اس کی تائید کتاب حضرت عمرؓ بنام ابی موسیٰ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ عشا کی نماز رات کے جس حصہ میں چاہو پڑھو، اور حدیث ابی قتادہ مسلم کی اوپر گزری ہے، جس سے علامہ نووی نے بھی طلوع فجر تک کا وقت تسلیم کیا ہے، پھر امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں پوری تفصیل سے اسی کو ثابت کیا ہے اور لکھا کہ حضرت عبید بن جریج نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا کہ نماز عشا میں افراط کیا ہے، آپ نے جواب دیا طلوع فجر۔ (اس سے بھی وقت جواز کی انتہا معلوم ہوئی) حاشیہ لامع ۳۲۳ صفحہ ۲۲۲ اول، اور جزا ص ۲ میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عشا کا وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور مفتی میں بھی وقت ضرورت طلوع فجر ثانی تک ہے۔ ابھی امام طحاوی کے مسلک اور تحقیق کا حوالہ بھی اوپر آچکا ہے۔

انتظار وصولۃ کا مطلب: حدیث الباب میں ہے کہ جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے تمہارا وقت نماز میں ہی شمار ہوگا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ تو نماز جماعت سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں انتظار وصولۃ میں بیٹھنے کی فضیلت ہے جو اور بھی بہت سی احادیث میں وارد ہے، مگر بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کا انتظار کرنے میں بھی بڑی فضیلت ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ اس پر تعالٰیٰ بھی ہوا یا نہیں کیونکہ سلف سے یہ بات شہرت و کثرت کے ساتھ منقول نہیں ہوئی کہ وہ نمازوں کے بعد دوسری نمازوں کے لئے مساجد میں رکے رہتے تھے، حالانکہ فضیلت کی بہ کثرت احادیث کے پیش نظر عملی نظائر بھی سامنے ضرور آئے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید مراد فقط تعلق قلب ہو۔ اور اس معنی کی تائید بھی بعض احادیث سے ہوتی مثلاً حدیث ابی ہریرہؓ بخاری و مسلم میں ہے کہ سات آدمیوں کو حق تعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایہ میں جگہ دے گا ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہے (کہ کب نماز کا وقت ہو اور مسجد میں جاؤں) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مومن کی سب سے بڑی خوبی اسکے قلب کا انتظار و دھیان نماز و مسجد کی طرف ہے، اور مسجد و نماز میں

بھی اگر دل باہر کی چیزوں میں ہو تو وہ بالکل بے سود ہے۔ اور اگر کسی کو دونوں باتیں میسر ہوں کہ قلب و جسم دونوں مسجد میں ہوں تو یہ ظاہر ہے نور علی نور ہے، اسی سلسلہ کی کچھ احادیث سے نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر ذکر اللہ کرنے کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب فضل صلوٰۃ الفجر والحديث

### نماز فجر کی فضیلت کا بیان اور حدیث

۵۴۲: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن اسماعيل قال حدثنا قيس قال قال لي جرير بن عبد الله كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم ادا نظر الى القمر ليلة البدر فقال اما انكم سترون ربكم كما ترون هذا الاتصامون اولا تضاهون في رويته فان استطعتم الاتغلبوا على صلوٰۃ قبل طلوع الشمس و قبل غروبها فافعلوا ثم قال فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل غروبها قال ابو عبد الله زاد ابن شهاب عن اسماعيل عن قيس عن جرير قال النبي صلى الله عليه وسلم سترون ربكم عياناً

۵۴۳: حدثنا هبة بن خالد قال حدثنا همام قال حدثني ابو حمزة عن ابى بكر بن ابى موسى عن ابىه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلى البردين دخل الجنة و قال ابن رجاء حدثنا همام عن ابى حمزة ان ابا بكر بن عبد الله ابن قيس اخبره بهذا

۵۴۴: حدثنا اسحق قال حدثنا حبان قال لنا همام قال حدثنا ابو حمزة عن ابى بكر بن عبد الله عن ابىه عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله

ترجمہ ۵۴۲: حضرت جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) شب بدر میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی۔ اور فرمایا، سنو! عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار کو بے شک و شبہ اسی طرح دیکھو گے، جس طرح (اس وقت) اس چودھویں رات (چاند) کو دیکھ رہے ہو، لہذا اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے قبل کی نماز پر (شیطان سے) مغلوب نہ ہو، تو کرو، پھر آپ نے فرمایا فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبها، اہم بخاری کہتے ہیں، کہ ابن شہاب نے اسماعیل سے انہوں نے قیس سے انہوں نے جریر سے اتنے لفظ زیادہ روایت کئے ہیں کہ عنقریب تم اپنے پروردگار کو علانیہ دیکھو گے۔

ترجمہ ۵۴۳: حضرت ابوبکر بن ابی موسیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں پڑھ لے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور ابن رجاء نے کہا کہ ہم سے ہمام نے بواسطہ ابوجرہ، اور ابوبکر بن عبد اللہ بن قیس نے اس کو بیان کیا۔

ترجمہ ۵۴۴: ہم سے اسحاق نے بواسطہ حبان، ہمام، ابوجرہ و ابوبکر، حضرت عبد اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔ تشریح:۔ اوپر ترجمہ الباب میں ”والحدیث“ کا جو لفظ ہے، وہ صرف روایت ابی ذر میں ہے، حافظ نے لکھا کہ اس لفظ کے لئے یہاں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اور کرمانی نے جو ”باب فصل الفجر و باب الحديث الوارد فی فضل صلوٰۃ الفجر“ سے توجیہ کی ہے وہ جمید ہے، کیونکہ یہ زیادتی کسی مستخرج میں بھی نہیں ہے اور نہ کسی شارح نے اس طرف توجہ کی تو بظاہر وہ غلط اور وہم ہے، یا سبب فضل صلوٰۃ الفجر و العصر ہوگا، عصر کی جگہ الحدیث لکھا گیا۔ (فتح ۲ صفحہ ۳۵) علامہ عینی نے لکھا کہ حافظ ابن حجر کا کرمانی کی توجیہ کو رد کرنا اور خود اس زیادتی کو وہم قرار دینا دونوں باتیں نامناسب ہیں، بلکہ وہم و تحریف والی توجیہوں سے کرمانی کی توجیہ بہتر ہے، اور میرے نزدیک یہ توجیہ ہے کہ رات کو سونے کے بعد صبح کو اٹھنے نئی زندگی کا حصول ہے، اسی لئے سو کر اٹھنے کی دعا بھی الحمد للہ الذی احیاناً بعد ما اماننا و الیہ

النشور، وارو ہے، لہذا اٹھ کر بطور اداء شکر صبح کی نماز پڑھنی ہے، اور چونکہ اس کی ادائیگی کی حدیث میں فضیلت بھی نہایت عظیم ہے اس لئے اس کی طرف ترجیح الباب میں اشارہ کیا ہے۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۸۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: لفظ مذکور کہ زیادتی پر شارحین نے بہت سی توجیہات کی ہیں لیکن کوئی شافی بات نہ ہو سکی، میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت تراجم ابواب کے اندر یہ بھی ہے کہ اگر کسی غیر مقامی حدیث سے بھی کوئی فائدہ لینا چاہتے ہیں تو اس کو ترجمہ کے ضمن میں ذکر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ اس ترجمہ کے مناسب نہ ہو، اور میں اس کا نام ”انجاز“ رکھتا ہوں یہاں بھی میرے نزدیک یہی صورت ہے کہ فضیلت نماز فجر کا ذکر ہے، اور اس کی کوئی مناسبت حدیث بعد العشاء سے نہیں ہے، مگر چونکہ حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے کہ حضور علیہ السلام سے صحابہ کرام نے فضیلت نماز فجر کو مسجد نبویؐ میں چاندنی رات کے اندر حاضر خدمت رہ کر سنا ہے تو اسی فائدہ کے لئے بطور ”انجاز“ امام بخاری نے ”الحمدیہ“ سے اشارہ حدیث بعد العشاء کی طرف کر دیا، اور بتلایا کہ کسی دینی بات کو بعد عشاء بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس توجیہ کو اقرب التوجیہات فرمایا، ساتھ ہی کچھ تامل بھی اس لئے کیا کہ کوئی تصریح اس امر کی کتب حدیث میں نہ مل سکی کہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بعد نماز عشاء کے صادر ہوا ہے، اگرچہ احتمال زیادہ اسی کا ہے کیونکہ بدر کی روشنی اسی وقت شدید و قوی ہوتی ہے جو مقام تشبیہ کے لئے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے دو توجیہ منقول ہیں ایک یہ کہ باب کا لفظ مقدر مانیں یعنی باب فضل صلوٰۃ الفجر و باب فضل الحمدیہ فیہ اور تکرار باب اس حدیث کی عظیم منقبت ظاہر کرنے کے لئے ہوا، کیونکہ اس میں روایت باری تعالیٰ کی بشارت دی گئی ہے، (لیکن تکرار لفظ باب سے تو بہتر یہ ہے کہ الحمدیہ کو صلوٰۃ الفجر پر عطف کر دیں، اس سے بھی یہی فائدہ حاصل ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیث الباب میں تو فضیلت عصر کی بھی روایت باری عز اسمہ کے ساتھ ہے، وہاں بھی باب فضل صلوٰۃ العصر و الحمدیہ لانا تھا، جبکہ وہاں بھی یہی حدیث جریر گندرجلی ہے)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ”الحمدیہ کا عطف فضل پر کیا جائے، یعنی وہاں باب الکلام بعد الفجر کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہیں، جیسا کہ آیت فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا کے یہاں ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت تسبیح کا ہے۔ اور احادیث میں بھی کراہت وارد ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آیت حکم تسبیح قبل طلوع الشمس میں تسبیح کرنے کا حکم ہے، جس کی تعمیل نماز فجر کے ذریعہ ہو گئی۔ پھر جس طرح قبل غروب والی نماز عصر کے بعد باتیں کرنے کی کوئی ممانعت آیت سے نہیں نکلتی اسی لئے نماز عصر کے بعد باتیں کرنا جائز ہے، یہاں بھی نماز فجر کے بعد اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ پھر بعد نماز فجر کے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ ذکر و اذکار میں مشغول ہو، مگر باتیں کرنے کی ممانعت والی احادیث معلوم نہ ہو سکیں جیسی کہ ممانعت حدیث بعد العشاء کی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب وقت الفجر

### نماز فجر کے وقت کا بیان

۵۴۵: حدثنا عمرو بن عاصم قال حدثنا همام عن قتادة عن انس ان زيد بن ثابت حدثه انهم تستحروا مع

النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموا الى الصلوة قلت كم بينهما قال قدر خمسين او ستين يعني اية

۵۴۶: حدثنا الحسن بن الصباح سمع روح بن عباد قال حدثنا سعيد عن قتادة عن انس بن مالك ان

نبي صلى الله عليه وسلم وزيد بن ثابت تسحرا فلما فرغامن سحورهما قام النبي صلى الله عليه وسلم

الى الصلوة فصلے قلنا لاس کم کان بین فراغهما من سحورهما ودحولها فی الصلوة قال قدر ما لقروا  
الرجل خمسين اية

۵۴۷: حدثنا اسماعيل بن ابي اويس عن اخيه عن سليمان عن ابي حازم انه سمع سهل بن سعد يقول

كنت اتسحر في اهلي ثم تكون سرعة بى ان ادرك صلوة الفجر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

۵۴۸: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال احس عروة بن الزبير ان

عائشة رضی اللہ عنہا احبرته قالت كن نساء المومنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن الى بيوتهن حين يقضين الصلوة لا يعرفهن احد من الغلس

ترجمہ ۵۴۷: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ زید بن ثابتؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سحری کھائی اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو گئے میں نے پوچھا کہ ان دونوں میں کتنے فصل تھا، زید نے کہا، پچاس یا ساٹھ (کی تلافی کے انداز پر)۔

ترجمہ ۵۴۸: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ اور زید بن ثابتؓ دونوں نے سحری کھائی جب اپنی سحری سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اپنی نماز پڑھی، ہم دو گونے ان سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فراغت کرنے، اور نماز کے درمیان میں کس قدر فصل تھا، انس نے کہا اس قدر کہ وہی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

ترجمہ ۵۴۷: حضرت ابو حازم سلم بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر کے لوگوں میں (بیٹھ کر) سحری کھایا کرتا تھا، پھر مجھے اس بات کی جدی پڑ جاتی تھی کہ کس طرح میں فجر کی نماز رسول خدا ﷺ کے ہمراہ پڑھوں۔

ترجمہ ۵۴۸: حضرت عروہ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مسلمان عورتیں رسول خدا ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز میں اپنی چادروں میں سپت کر حاضر ہوتی تھیں، جب نماز ختم کر چلتیں اور اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتیں تو کوئی شخص اندھیرے کے سبب سے ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور سب سے یہ ثابت کیا ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے جھٹ پنے وقت میں پڑھنی چاہئے اور یہی مذہب امام مالک، شافعی و احمد کا بھی ہے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک اسفار میں نماز پڑھنا بہتر ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفی کتاب فقہ مبسوط میں ہے کہ ظہر میں ابراہاد اور صبح میں اسفار کی فضیلت حنفیہ کے یہاں اس وقت ہے کہ لوگ جمع نہ ہوں، اگر جمع ہوں تو افضل تعیل ہی ہے، اور اسی نقطہ نظر سے عشاء میں بھی تعیل کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف جواز کا نہیں ہے بلکہ استحباب کا ہے۔ پھر یہ کہ آئمہ حنفیہ میں سے ہی امام محمد اور امام حاکم کا مسلک یہ ہے کہ غلس (اندھیرے) میں شروع کر کے اسفار (روشنی کے وقت) میں نماز صبح ختم کی جائے، اور ختم بھی ایسے وقت میں کرینی چاہئے کہ گر نماز پڑھنے کی ضرورت پڑ جائے تو مستحب طریقہ پر پھر سے پڑھی جائے، یعنی ۴۰ سے ۶۰ آیات تک دونوں رکعتوں میں پڑھی جائیں۔

بحث و نظر: سب سے اوّل گزارش ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ابتدائی دور تدریس دارالعلوم دیوبند میں ابو داؤد و مسند شریف پڑھائی تھیں جبکہ حضرت شیخ الہند ترمذی و بخاری شریف پڑھایا کرتے تھے، اس وقت کے درس کی امالی مولانا محمد صدیق ساکن نجیب آباد ضلع بجنور کی ضبط کردہ ”انوار المحمود“ کے نام سے طبع شدہ موجود ہے، اور المعروف الشیخ معارف السنن و فیض ابوری (امالی درس ترمذی و بخاری) بھی ہمارے سامنے ہیں، اور حضرتؒ نے ”کتاب الجعلی اہل المدینہ“ لایا محمدؒ کے حوالہ سے ایک بات پیش کی ہے، یہ کتاب بھی اب طبع شدہ موجود ہے، لیکن

حضرت کے ارشاد کو پیش کرنے میں کچھ مسامت ہو گئی ہے، اس کو بھی ہم واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، امام محمدؒ نے جس مقصد سے یہ کتاب لکھی تھی وہ سب اہل علم پر روشن ہے، امام صاحب نے اپنی کتاب کا آغاز اسی مسئلہ سے کیا ہے اور بتلایا ہے کہ حنفیہ اور امام مالک کے اختلاف کی نوعیت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے آثار کی روشنی میں اور اس لئے بھی کہ لوگ صبح کو نیند کی گرانی سے اٹھتے ہیں، یہ فیصلہ کیا کہ صبح کی نماز اسفار میں پڑھی جائے تاکہ سونے والے اور دوسرے سب ہی جماعت میں شریک ہو جائیں، دوسرا مسلک امام مالک والی مدینہ کا ہے کہ اندھیرے میں پڑھی جائے، پھر لکھا کہ دونوں کے لئے آثار و اخبار ہیں، مگر ہر روز یک اسفار ہی بہتر ہے۔ کیونکہ پہلے لوگ جو اندھیرے میں پڑھتے تھے وہ قراءت طویل کرتے تھے، جس سے سونے والوں اور دوسروں کو جماعت کی نماز مل جاتی تھی، اور ختم وہ بھی اسی وقت کرتے تھے، جس وقت اسفار والے کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے، تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرے سے نماز اسی لئے پڑھتے تھے (کہ کافی وقت لگے گا اور اسفار تک نہ ختم ہوگی)۔ لیکن جو لوگ تھوڑی قراءت کریں اور مفصل کی سورتیں یا ان کی برابر کی قراءت قرآن مجید سے کریں ان کو اسفار میں ہی پڑھنی چاہئے، (کتاب المحرمات حاشی محدث امام مولانا مفتی محمد حسن)

اس سے ثابت و واضح ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک بھی امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کی طرح ہے، کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر سورہ بقرہ جیسی طویل قراءت اب بھی کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اس کو اندھیرے میں شروع کرنا پڑے گا، اور جس طرح کتب فقہ حنفی میں ہے کہ صبح کی نماز میں طویل مفصل پڑھی جائیں، یعنی سورہ حجرات (پارہ نمبر ۲۶) سے سورہ بروج (پارہ نمبر ۳۰) تک کی سورتیں۔ اور اسی کا ارشاد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا تھا، ان سب سورتوں میں ۱۸ سے ۶۰ تک آیات ہیں، سورہ نجم و رحمن میں زیادہ ہیں تو ان کی آیات بہت چھوٹی چھوٹی ہیں، غرض دونوں رکعتوں میں چھٹی قراءت نماز صبح میں ہونی چاہئے، اس میں ۸-۱۰ منٹ صرف ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ اتنی قراءت کے لئے اندھیرے سے نماز شروع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور اسی کی طرف امام محمدؒ رہنمائی فرما رہے ہیں، اور اسی لئے انہوں نے اسفار کو احب الینا فرمایا یعنی امام صاحب وغیرہ اور اپنا مسلک ایک ہی قرار دیا، اور اندھیرے میں شروع کرنے کو ایک مخصوص حالت پر محمول کیا، برخلاف اس کے کہ امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرے۔ یہ مسلک بالکل الگ ہے کیونکہ امام مالک شافعی و احمد کے نزدیک نماز صبح اندھیرے میں شروع کرنا اور اندھیرے میں ہی ختم کرنا افضل ہے، ائمہ حنفیہ سب ہی کے نزدیک اسفار میں شروع اور اسی میں ختم ہے، صرف امام طحاوی حنفی کا یہ مسلک سب سے الگ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم ہو۔ امام محمدؒ نے اس صورت کو غیر معمولی طوالت قراءت پر محمول کر دیا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے لوگوں نے اس پر عمل کیا تھا اور ظاہر ہے کہ امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے الگ نہیں ہی، لہذا تینوں ائمہ حنفیہ کا مسلک واحد ہے اور وہی بات نقل مذہب کی کتابوں میں بھی ملتی ہے، غرض کتاب الحج اور دوسری کتب نقول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حضرت کی مراد بیان کرنے میں مسامت ہوئی ہے۔ حضرت کا مقصد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ تو اسفار ہی کے ہدایہ و نہایت میں قائل ہیں امام طحاوی ہدایت فی التغلیس و نہایت فی الاسفار کے قائل ہیں یعنی قراءت خواہ طویل ہو یا قلیل نماز ایسے وقت ہو کہ غلٹس میں شروع کر کے اسفار پر ختم کرے، کیونکہ غلٹس اور اسفار کے بھی مراتب ہیں۔ امام محمدؒ نے یہ صراحت کی کہ ہم ہدایت فی التغلیس و نہایت فی الاسفار کو صرف غیر معمولی تطویل قراءت پر محمول کرتے ہیں، اس کے سوا دوسری صورتوں میں ہدایت و نہایت دونوں میں اسفار ہی افضل ہے اور چونکہ امام ابوحنیفہؒ کا غشاء سب لوگوں کا جماعت پالینا ہے، اس لئے طویل قراءت میں وہ بھی یہی کہیں گے جو امام محمدؒ نے فرمایا ہے اور اگر امام طحاوی کے یہاں بھی اطالت قراءت کی قید ہدایت فی التغلیس و نہایت فی الاسفار کے لئے مان لی جائے تو پھر چاروں ائمہ حنفیہ کا مسلک متحد ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## دلائل اسفار و حافظ ابن حجر:

حنفیہ کے حق میں اسفار کے دلائل اتنے زیادہ اور قوی ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود متصلب شافعی ہونے کے اس کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو، معارف السنن ص ۲۲/۲، تاہم فتح الباری وغیرہ میں حافظ نے وہی روش رکھی ہے جو دیگر شافعیہ یا وہ خود اختلافی مسائل میں اختیار کیا کرتے ہیں۔ دلائل اسفار اور جزا و معارف السنن، عمدۃ القاری وغیرہ میں دیکھے جائیں۔ ہمیں یہاں اہم بات ذکر کرنی ہے۔

## حدیث ابن مسعودؓ کی بحث

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دلائل اسفار میں ایک حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ہے، جس کو امام بخاری نے بھی باب من اذن و اقام لكل واحدة ص ۲۲۷ میں ذکر کیا ہے، اور وہ امام شافعی وغیرہ کے مخالف ہے اس میں ہے کہ ”میں نے کبھی بھی حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو، بجز اس دن کے، یعنی یوم مزدلفہ میں صبح کی نماز اور مغرب کی نماز بھی وقت سے بدل کر مزدلفہ کی شب میں عشا کے وقت میں پڑھی۔“ کیونکہ ظاہر ہے آپ نے اس دن بھی صبح کی نماز طلوع فجر میں قبل تو پڑھی نہ ہوگی کہ وہ تو کسی طرح بھی اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، لہذا اول وقت پر پڑھنے کو ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے غیر وقت اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے عام معمول کے خلاف تھی، لہذا ثابت ہوا کہ آپ کی عام عادت اسفار میں پڑھنے کی ہی تھی ابتداء وقت کی نہ تھی جو شافعیہ کا مسلک ہے اور صرف حج کے موقع پر دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ میں صبح کی نماز اول وقت ہوتے ہی آپ نے پڑھی ہے۔ نیز آپ کے قولی ارشادات سے بھی اسفار کا ہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے قول و فعل دونوں سے اسفار کا استحباب و افضل ہونا واضح ہو گیا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود سے امام ابو حنیفہؒ جمع بین الصلاۃین فی السفر کی ممانعت بھی ثابت کی ہے، مگر یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مزدلفہ کی مدت میں جمع بین الصلاۃین کا ذکر کر کے یہ بھی کہا کہ اس کے سوا حضور علیہ السلام نے کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں کیا، حالانکہ جمع عرفہ سب کے نزدیک ثابت ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لہذا ان کی حدیث قابل استدلال نہیں رہی۔ حضرت نے علامہ نووی کا یہ اعتراض نقل کر کے فرمایا کہ حافظ نے بھی ان کے اعتراض کو ذکر کیا اور خاموشی سے آگے گزر گئے (جیسے اس کو تسلیم کر لیا ہو) میں کہتا ہوں کہ جمع عرفہ کا ذکر بھی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نسائی میں موجود ہے، ملاحظہ ہو، کتاب الحج میں باب الجمع بین الظهر والعصر بعرۃ، نسائی ص ۲/۲۳ (واضح ہو کہ عینہ اسی عنوان سے یہ باب کتاب الصلوٰۃ میں بھی ص ۱۰۰/۱۰۱ میں امام نسائی نے قائم کیا ہے مگر وہاں ابن مسعودؓ کی یہ روایت ذکر نہیں فرمائی، اس لئے صرف اس کو دیکھ کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نسائی کا حوالہ غلط ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے علامہ نووی سے یہ روایت نسائی پوشیدہ رہی ہو، مگر حافظ ابن حجرؒ سے تو مخفی نہ ہوگی، اس لئے ان کا سکوت موجب حیرت ہے۔

حضرت کے اس قسم کے محدثانہ نکات نہایت قابل قدر ہیں، احقر کا خیال ہے شاید علامہ سندھی ششی نسائی شریف کو بھی علامہ نووی کے اعتراض اور حافظ کے سکوت سے یہی یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ضرور گر جانے کے ہی لائق ہے کہ انہوں نے جمع عرفہ ایسی مشہور و متواتر بات کا بھی انکار کر دیا اور فرمادیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے دو نمازوں کو جمع کیا ہو بجز مزدلفہ کے اور اسی کی صبح کو فجر کی نماز بھی وقت سے قبل پڑھی (نسائی شریف ص ۱۰۰/۱۰۱) الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفہ

اس پر علامہ سندھی نے حاشیہ میں لکھا کہ شاید حضرت ابن مسعودؓ کو جمع عرفہ کی خبر نہ پہنچی ہوگی، اس لئے حصر سے ایسی بات فرمادی۔ حیرت ہے کہ نسائی شریف ص ۲/۲۳ کی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث کسان رسول اللہ ﷺ یصلی الصلوات لوقتہا الا بجمع و عرفات، ان سے بھی مخفی ہو گئی۔ ورنہ وہ حاشیہ میں ایسی بات نہ لکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## قولہ ان زید بن ثابت

حضرتؓ نے فرمایا: یہ وہی حضرت زید بن ثابتؓ ہیں جو حضور علیہ السلام کی نماز شبانہ میں بھی شریک ہوئے ہیں اور ان کا مذہب نماز وتر کے بارے میں وہی ہے جو حنفیہ کا ہے (تفصیل کشف الستر میں ہے)

## قولہ کنت اتحر فی ابلی

یعنی میں اپنے گھر میں سحری کھا کر جلدی کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز صبح میں شرکت کرتا تھا، حضرتؓ نے فرمایا کہ بظاہر یہ تغلیس کی نماز صرف رمضان کے لئے تھی، کیونکہ آخری وقت سحری کھا کر سب کو جمع ہونا زیادہ آسان تھا، اور حنفیہ بھی جمع ہونے کی سہولت کے لئے ہی اسفار کو افضل قرار دیتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے اسفار کے لئے ترغیبی ارشادات کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ رمضان کے اندر ہمارے اکابر کا معمول بھی سحری کے بعد مصلیٰ نماز فجر کی جماعت کا رہا ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نماز فجر پڑھ کر سونے کا جو معمول ہو گیا ہے وہ مجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ حدیث میں ہے الصبحۃ تمنع الرزق (جامع صغیر سیوطی ص ۲/۴۹) یعنی صبح کا سونا رزق کو کم کرتا ہے، اور نوم الصبحۃ تمنع الرزق (کنوز الحقائق منادی ص ۲/۱۳۱) بر حاشیہ جامع صغیر) اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ اپنے علامہ کو بھی صبح کے وقت سونے سے روکا کرتے تھے اور یہی حدیث سنایا کرتے تھے، لہذا اگر سونا ہی ہو تو طلوع شمس کے بعد سونے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قولہ لا یعرفن احد من الغلس

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اس میں ”من الغلس“ حضرت عائشہؓ کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ دوسرے راوی حدیث کا اپنی طرف سے اضافہ اور قیاسی اظہار خیال ہے، کیونکہ ابن ماجہ ص ۴۹ باب وقت الفجر میں اسی حدیث حضرت عائشہؓ میں اس طرح ہے فلا یعرفن احد، تعنی من الغلس، یعنی نیچے کا راوی بتلانا چاہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عدم معرفت کی بات غلس کی وجہ سے فرمائی ہے، پھر حضرتؓ نے فرمایا کہ خود بخواری میں جو دوسری جگہ حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ آپ غلس میں پڑھا کرتے تھے یعنی بطریق عادت کے ایسا کرتے تھے تو ”داری“ میں بحیثیت اس متن و سند سے حدیث اس طرح ہے: کان یغلس او کانوا یغلسون، یعنی اس میں روایت شک کے ساتھ ہے کہ حضور علیہ السلام غلس میں پڑھتے تھے، یا دوسرے حضرات پڑھتے تھے۔ لہذا اس سے بھی استدلال ضعیف ہے شک راوی کی وجہ سے۔

## معرفت سے کیا مراد ہے؟

علامہ نووی نے فرمایا کہ اتنا زیادہ اندھیرا ہوتا تھا کہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہ پہچان سکتے تھے، علامہ یعنی نے فرمایا کہ معرفۃ عین مراد ہے کہ مثلاً فاطمہؓ کو عائشہؓ سے ممتاز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا میرے نزدیک علامہ نووی کی تاویل بہت مستعد ہے، اور مراد معرفت شخص ہی ہے کہ ایک کو دوسرے سے تمیز نہ کر سکتے تھے۔ یہ نہیں کہ اندھیرا اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ عورتوں کو مردوں سے بھی تمیز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ یعنی کی رائے واضح ہو جانے کے بعد بھی فیض الباری ص ۳۲۳/۲/۵ میں لا یعرف الرجال من النساء کا اندراج سبقت قلم ہے۔

فلیتنبہ لہ: نہایت افسوس ہے کہ سابقہ مطبوعہ مالی انور کے پیشتر مقامات میں حضرتؓ کی مراد صحیح طور سے پیش نہیں کی جاسکی ہے۔

## باب من ادرك من الفجر ركعة

### اس شخص کا بیان جو فجر کی ایک رکعت پالے

۵۴۹: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار وعن بسر بن سعيد و  
عن الاعرج يحدثونه عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ادرك من الصبح  
ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح و من ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس  
فقد ادرك العصر

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص آفتاب کے نکلنے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے، تو اس نے  
صبح کی نماز پالی، اور جو کوئی آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے، تو بے شک اس نے عصر کی نماز پالی۔

## باب من ادرك من الصلوة ركعة

### اس شخص کا بیان جس نے نماز کی ایک رکعت پائی

۵۵۰: حدثنا عبد الله بن يوسف قال حدثنا مالك عن ابن شهاب عن ابي سلمة بن عبد الرحمن عن ابي  
هريرة ان رسول الله عليه وسلم قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة  
ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے، تو اس نے  
(پوری) نماز پالی:

## باب الصلوة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس

### فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا بیان

۵۵۱: حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا هشام عن قتادة عن ابي العالية عن ابن عباس قال شهد عندي  
رجال مريضون وارضاهم عندي عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الصبح حتى  
تشرق الشمس و بعد العصر حتى تغرب

۵۵۲: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن شعبة عن قتادة سمعت ابا العالية عن ابن عباس قال حدثني ناس بهذا  
۵۵۳: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سعيد عن هشام قال قال اخبرني ابي قال اخبرني ابن عمر قال  
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحروا بصلواتكم طلوع الشمس ولا غروبها قال حدثني ابن  
عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا طلع حاجب الشمس فاخرو الصلوة حتى ترتفع واذا  
غاب حاجب الشمس فاخرو الصلوة حتى تغيب تابعه عبده

۵۵۴: حدثنا عبيد بن اسمعيل عن ابي اسامة عن عبيد الله عن خبيب بن عبد الرحمن عن حفص بن  
عاصم عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيعتين و عن لبستين و عن صلوتين  
نهى عن الصلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس و بعد العصر حتى تغرب الشمس و عن اشتغال الصماء  
و عن الاحتيا في ثوب واحد يفصلي بفرجة الى السماء و عن المناظرة والملازمة

ترجمہ ۵۵۱: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، کہ میرے سامنے چند پسندیدہ لوگوں نے کہ ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک عمرؓ تھے، یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے اور عصر کے بعد غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔

ترجمہ ۵۵۲: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے چند آدمیوں نے اس حدیث کو روایت کیا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے پہلے ادراک صلوٰۃ کی حدیث خاص عصر کے لئے ذکر کی تھی پھر باب سابق میں خاص فجر کے لئے، پھر آپ مطلق ہر نماز کے لئے لائے ہیں۔ ممکن ہے اس سے اشارہ یہ ہو کہ پہلی حدیثیں بھی اس مطلق حدیث کی طرح مسبوق کے لئے ہیں۔ تفصیل پہلے ہو چکی۔

ترجمہ ۵۵۳: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ پڑھو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت، عروہ کہتے ہیں، مجھ سے ابن عمرؓ نے (یہ بھی) کہا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے، کہ جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے تو آفتاب بلند ہونے تک نماز موقوف کر دو اور جب آفتاب کا کنارہ چھپ جائے تو جب تک پورا نہ چھپ جائے، اس وقت تک نماز موقوف کر دو۔ عہدہ نے اس کے تابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ ۵۵۴: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو قسم کی بیچ، اور دو قسم کے لباس اور دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے، جب تک آفتاب اچھی طرح نہ نکل آئے اور عصر کے بعد (نماز سے) جب تک کہ (اچھی طرح) آفتاب غروب نہ ہو جائے اور ایک کپڑے میں اشتمال صماء اور احقیا، سے، جو کہ پورے طور پر شرم گاہ کے لئے پردہ نہ ہو سکے، اور (بیچ) حنڈہ اور ملاسہ سے۔

تشریح: نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور نماز عصر کے بعد بھی غروب شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ امام بخاری نے یہاں چار احادیث ذکر کیں۔ جن سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، مگر امام بخاری نے ترجمہ الباب میں صرف بعد فجر کا ذکر کیوں کیا؟ اس کی وجہ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں نے یہ لکھی کہ احادیث میں اول ذکر بعد فجر کا ہے یا اس لئے کہ حضور علیہ السلام سے بعد عصر کے تو نماز پڑھنا ثابت بھی ہوا ہے، مگر بعد فجر کے نہیں ہوا۔ (عمدہ ص ۲۰۵۸۸، فتح ص ۲۱۳۹)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اکابر امت نے حضور علیہ السلام کی نماز بعد العصر کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، لہذا اس کی وجہ سے ترجمہ الباب میں سے اسکی صریح و متواتر ممانعت کو نظر انداز کر دینا موزوں نہ تھا اور ادنا و ثانیہ والی تاویل بھی دل کو نہیں لگتی، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس ترجمہ الباب کا ذکر ہی چھوڑ دیا۔

علامہ ابن بظال نے فرمایا کہ نماز بعد صبح و بعد عصر دونوں کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، علامہ عینی نے فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نماز آپ سے مخصوص تھی اور امت کے لئے ممنوع ہی رہی (خیر جاری در حاشیہ بخاری ص ۸۲)

ایک حدیث ترمذی شریف میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر پڑھی تھیں، وہ بعد ظہر کی دو سنت تھیں کیونکہ حضور علیہ السلام لوگوں کو مال تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا، اس کے بعد فرض عصر کے اور دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد پھر نماز نہ پڑھیں (فتح الباری ص ۲/۴۳) حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بعد عصر کے نفل نماز مکروہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے یہاں پانچ وقت نماز کے لئے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں، طلوع و غروب و استواء کے اوقات جن میں کوئی نماز فرض و نفل جائز نہیں حتیٰ کہ نماز جنازہ اور جمدہ تلاوت بھی۔ اور بعد نماز فجر طلوع تک اور بعد نماز عصر غروب تک قضا نماز، جمدہ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہیں، باقی سب مکروہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے تین اوقات میں نماز کے اندر نقص خود وقت کے نقص و خرابی کے سبب آتا ہے اور آخر کے دو وقتوں میں وقت کے وجہ سے کراہت نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ دونوں وقت فرضوں کے لئے رکھے گئے ہیں۔ لہذا

کراہت لاجل الوقت نہیں، بلکہ لحق الغرض ہوئی۔ تاکہ پورا وقت فرض نماز کے لئے مشغول ہو۔ اگر وقت کی وجہ سے ہوتی تو فجر وعصر کی تاخیر طلوع وغروب سے قبل تک جائز نہ ہوتی، حالانکہ تاخیر فرض آخر وقت تک جائز ہے اور ممانعت بھی صرف بعد فرض کے لئے نہ ہوتی بلکہ قبل کے لئے بھی ہوتی، اسی لئے ہر قسم کے فرض و واجب ادا و قضاء ان وقتوں میں درست ہوئے اور بعد ملاوات و نماز جنازہ بھی واجب بعینہ ہونے کی وجہ سے درست ہوئے، بخلاف دو رکعت، بعد الطواف کے کہ وہ واجب بعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے۔ اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض شارحین ہدایہ سے یہ وجہ فرق مخفی رہی ہے۔

## شیخ ابن ہمام کا اعتراض اور تحقیق انور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ نے جو پانچوں اوقات میں کراہت صلوٰۃ کا فیصلہ فرق و تخصیص کے ساتھ کیا ہے وہ بلادلیل نہیں ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے اعتراض قائم کیا کہ ممانعت کا حکم آخری دو وقتوں میں بھی پہلے تین اوقات کی طرح مطلق ہے، اور نص شرعی کی تخصیص ابتداء رائے سے کرنا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تخصیص ہا رائے کا مسئلہ وہی ہے جو شیخ نے بتلایا اگرچہ خود حنفیہ کا عمل بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ اخلاق و معاملات کی احادیث میں تخصیص بے تکلف کرتے ہیں، تاہم یہ تسلیم ہے کہ وہ احادیث عبادات میں ایسا نہیں کرتے وجہ یہ ہے کہ اول میں وجہ حکم واضح و روشن ہوتی ہے اور عبادات میں مخفی ہوتی ہے، اسی لئے علامہ ابن دقیق العیدؒ نے تصریح کی ہے کہ وجہ اگر جلی ہو تو تخصیص ہا رائے بلا تکثیر جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں بھی تخصیص ابتداء نہیں ہے، کیونکہ وتر کی تخصیص حدیث دارقطنی سے ہو چکی ہے، جس کی تصحیح علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کی ہے (یعنی جس کے وترفوت ہوئے ہوں وہ صبح کے بعد پڑھ لے) ابو داؤد میں ہے کہ جب یاد آئے پڑھ لے، ترمذی میں ہے کہ صبح کو پڑھ لے، یہ مرسل قوی الاسناد ہے اور اس میں مرفوع حدیث بھی ہے مگر اس میں ایک راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے، حاصل یہ کہ نہی و ممانعت صلوٰۃ اگرچہ پانچوں اوقات مذکورہ کے لئے وارد ہے، مگر امام صاحب نے ان کے حکم میں فرق شریعت ہی کے فشاء کو سمجھ کر کیا ہے دوسرے ائمہ نے ایسی وقت نظر سے کام نہیں لیا، کیونکہ شریعت نے حکم ممانعت کو ان دو وقتوں میں نماز فجر وعصر کے ساتھ وابستہ کیا ہے، وقت کے ساتھ نہیں جیسا کہ باقی تین کے ساتھ کیا ہے، پھر حضور علیہ السلام کے عمل سے بھی کہ آپ نے بعد عصر دو رکعت پڑھی ہیں۔ یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں وقت میں نماز کے لئے صلاحیت و توسع ضرور ہے، برخلاف باقی تین اوقات کے۔

## مسئلہ امام مالکؒ وغیرہ

امام مالک نے استواء کو اوقات مکروہہ کی فہرست سے خارج کیا اور باقی چار میں فرائض کی اجازت دی، نوافل کی نہیں، امام شافعیؒ نے حنفیہ کی طرح اوقات مکروہہ تو پانچ ہی رکھے۔ مگر ان میں فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل ذوات الاسباب کی بھی اجازت دی، امام مالکؒ کی طرح فرائض و نوافل میں فرق نہیں کیا۔ اور نوافل میں فرق اس لئے کیا کہ جن نوافل کی ترغیب شرع نے دی ہے، مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ تو گویا خود شریعت ہی نے ان کو ممانعت سے نکال دیا۔ لہذا وہ اوقات ممنوعہ میں بھی جائز ہونے چاہئیں، البتہ جو نوافل ایسے ہیں جن کی شریعت نے خاص طور سے ترغیب نہیں دی۔ نہ کسی سبب سے ان کو لازم کیا بلکہ بندہ کی مرضی پر رکھا کہ چاہے کرے یا نہ کرے وہ ممانعت کے تحت آ سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب احادیث ممانعت سے ساری نمازیں نکل گئیں، فرائض، واجبات اور نوافل ذوات الاسباب بھی تو اب صرف لے یہاں بھی صاحب فیض الباری سے مسامحہ ہوئی کہ سب شارحین کی طرف غلط نسبت ہو گئی جبکہ صاحب عتایہ نے فرق کیا ہے اور اس جگہ عبارت میں بھی غلط ہے، ملاحظہ ہوں ۲/۱۳ (مولف)

دوسرے کچھ نوافل باقی رہ گئے۔ اور اس طرح احادیث کثیرہ متواترہ کا فائدہ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ ان حضرات نے احادیث کثیرہ عامہ اور ضوابط کلیہ ہامہ کو چند جزدی واقعات کے سبب سے مخصوص و محدود بنا دیا برخلاف اس کے حنفیہ نے ان سب احادیث کو اپنے عموم و اطلاق پر قائم رکھا اور ان ہی کو اسوہ فی الباب بنایا، اور جزدی واقعات کو بطور ”واقعہ حال لا عموم لہا“ کے خصوصیت پر اتارا۔ اصحاب انصاف فیصلہ کریں گے کہ کون سی صورت اعلیٰ و افضل ہے، اکثر نمازوں کو اوقات شیطان میں داخل کر دیتا یا ان کو اس سے بچا لیتا؟

### بعض سلف کا مسلک

ان حضرات نے بعد فجر و عصر کے ہر نماز کو جائز کہا اور حکم ممانعت کو سد زائغ پر محمول کیا یعنی اس لئے کہ کہیں وہ نماز عین طلوع و غروب کے وقت پرنہ ہو جائے، لہذا ان کے نزدیک اوقات مکروہہ صرف تین ہو گئے، لیکن اس مسلک پر بعد فجر و عصر والی احادیث ممانعت کے تحت کوئی فرد ہی باقی نہ رہے گا اور احادیث مذکورہ بلا مصداق رہ جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا شاید حضرت عمرؓ کا مسلک بھی یہی تھا، کیونکہ علامہ سیوطی نے نقل کیا کہ حضرت ابوالیوب انصاریؓ بعد عصر دو رکعت پڑھتے تھے، اور یہ زمانہ حضرت عمرؓ کا تھا۔ آپ نے ان کو سختی سے روکا تو انہوں نے کہا میں وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کیا کرتا تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں سد زائغ کے طور پر روکتا ہوں کہ مبادا غروب کے وقت پر بھی کہیں نہ پڑھ لو۔

### امام بخاریؒ کا مسلک

آپ نے آگے ”باب من لم یکرہ الصلوۃ الا بعد العصر و الفجر“ قائم کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بھی امام مالک کی طرح استواء کو وقت مکروہ نہیں مانتے، شاید اس کی حدیث ان کی شرط پرنہ ہو، پھر انہوں نے بعد فجر و عصر کے وقت کو طلوع و غروب تک پہنچا کر عین طلوع و غروب کو بھی شامل کر لیا ہے، اس طرح ان کے نزدیک وقت مکروہ دو ہی رہ گئے اور یہی ترجمۃ الباب میں وجہ صحر بھی ہے، ورنہ عین طلوع و غروب کے وقت ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاریؒ نے اگرچہ استواء سے صرف نظر کر لی ہے، مگر اس کے بارے میں مسلم و ابن ماجہ وغیرہ میں متعدد صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### باب لا تتحرى الصلوۃ قبل غروب الشمس

#### (غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے)

۵۵۵: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يتحرى احدكم فيصلى عند طلوع الشمس ولا عند غروبها

۵۵۶: حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال حدثنا ابراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب قال حدثني

عطاء بن يزيد الجندعي انه سمع ابا سعيد الخدري يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

يقول لا صلوة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتى تغيب الشمس.

۵۵۷: حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر قال ثنا شعبة عن ابي التياح قال سمعت حمرا بن ابان

يحدث عن معاوية رضى الله عنه قال انكم تصلون صلوة لقد صحبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم

فما را بناہ یصلیہما ولقد نہیٰ عنہما یعنی الرکعتین بعد العصر

۵۵۸: حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن عبید اللہ عن خبیب عن حفص بن عاصم عن ابی

ہریرۃ قال نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر

حتی تغرب الشمس

ترجمہ ۵۵۵: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے۔

ترجمہ ۵۵۶: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں جب تک کہ آفتاب بلند نہ ہو جائے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

ترجمہ ۵۵۷: حضرت معویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (اے لوگو!) تم ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کی صحبت اٹھانے کے باوجود آپ کو اسے پڑھنے نہیں دیکھا اور یقیناً آپ نے اس سے ممانعت فرمائی، یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں۔

ترجمہ ۵۵۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو نمازوں سے ممانعت فرمائی ہے، فجر کے بعد آفتاب کے نکلنے تک اور عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر امام بخاریؒ تحریر اور عدم تحریر کے حکم میں فرق نہیں کرتے بلکہ لفظ تحریر چونکہ حدیث میں آگیا تھا، اس لئے اس کو ترجمہ میں لے لیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں جانب میں سے کسی ایک کے لئے فیصلہ کن رائے نہ دینا چاہتے ہوں، تاہم چونکہ حدیث قیس بن فہد ان کی شرط پر نہ تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی بعد فرض فجر کوئی نماز، ٹوٹ نہیں ہے اس لئے اس کے جواز کو مرجوح سمجھتے ہیں، اور عصر کے بعد کی رکعتوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی شرط پر بھی حدیث رکعتین بعد العصر ثابت ہے اور فیصلہ اس کے لئے بھی اس لئے نہ کر سکے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سے رکعتیں بعد العصر پڑھنے والے کے لئے تعزیر کرنا بھی ثابت ہے۔ لہذا حکم لگانے میں نرمی اختیار کی اور تعارض کی وجہ سے توسع سے کام لیا۔ واللہ اعلم۔

## باب من لم یکرہ الصلوٰۃ الا بعد العصر والفجر

### رواہ عمرو ابن عمرو ابو سعید و ابو ہریرہ

اس شخص کا بیان جس نے صرف عصر اور فجر (کے فرض) کے بعد نماز کو مکروہ سمجھا ہے اس کو عمرو ابن عمر

اور ابوسعید اور ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے

۵۵۹: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع عن ابن عمر قال اصلی کما رأیت

اصحابی یصلون لآ نہیٰ احداً یصلی لیل و نهار ماشاء غیر ان لا تحروا طلوع الشمس ولا غروبها

ترجمہ ۵۵۹: حضرت ابن عمرؓ، جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح میں ادا کرتا ہوں میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ دن رات میں جس قدر چاہے، نماز پڑھے، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ طلوع آفتاب (کے وقت نماز پڑھنے) کا قصد نہ کرو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت اس کا قصد کرو۔

تشریح ۵۵۹: اس حدیث کی تشریح پہلے گزر چکی۔

باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت و نحوها وقال کرب عن ام سلمة صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد العصر الركعتین وقال شغلنی ناس من عبد القیس عن الركعتین بعد الظهر ۵۶۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا عبد الواحد بن ایمن قال حدثنی ابی اہ سمع عائشة قالت والذی ذهب بہ ماترکھما حتی لقی اللہ و ما لقی اللہ حتی ثقل عن الصلوة و کان یصلی کثیراً من صلواتہ قاعداً تعنی الركعتین بعد العصر و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھما فی المسجد محافة ان یتقل علی امتہ و کان یحب ما یتخفف عنھم

۵۶۱: حدثنا مسدد قال حدثنا یحیی قال حدثنا هشام قال اخبرنی ابی قال قالت عائشة رضی اللہ عنہا

ابن اختی اما ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم السجدتین بعد العصر عندی قط

۵۶۲: حدثنا موسی بن اسماعیل قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا الشیبانی قال لنا عبد الرحمن بن

الاسود عن ابیہ عن عائشة قالت رکعتان لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعھما سراً ولا

علانیة رکعتان قبل صلوة الصبح وکعتان بعد العصر

۵۶۳: حدثنا محمد بن عروہ قال حدثنا شعبہ عن ابی اسحاق قال رايت الاسود ومسروفاً شهدا علی

عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یتنبی فی یوم بعد العصر الاصلی رکعتین

ترجمہ ۵۶۰: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کی قسم جو نبی کریم ﷺ کو دنیا سے لے گیا آپ نے اپنی وفات کے وقت تک عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرماتا کبھی نہیں چھوڑیں، اور جب آپ اللہ سے ملے ہیں، اس وقت پوچھ ضعف عمر کے آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ نماز سے تھک جاتے تھے، اور آپ اپنی بہت سی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور نبی کریم ﷺ ان دونوں کو یعنی عصر کے بعد دو رکعت (ہمیشہ) پڑھا کرتے تھے، لیکن گھر ہی میں پڑھتے تھے، اس خوف سے کہ آپ کی امت پر گراں نہ گزرے۔ کیونکہ آپ وہی بات پسند فرماتے تھے، جو آپ کی امت پر آسان ہو۔

ترجمہ ۵۶۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں میرے ہاں کبھی ترک نہیں فرمائیں۔

ترجمہ ۵۶۲: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ دو رکعتوں کو پوشیدہ و آشکارا کبھی ترک نہ فرماتے تھے، دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کی نماز کے بعد۔

ترجمہ ۵۶۳: حضرت اسود اور مسروقؓ حضرت عائشہؓ کے اس قول کی گواہی دیتے تھے کہ انہوں نے فرمایا، نبی کریم ﷺ عصر کے بعد جب کسی دن میرے پاس آتے تھے، تو دو رکعتیں ضرور ادا فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کا رجحان بعد نماز فجر کے طلوع تک سنے تو حنفیہ ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر بھی بعد الطلوع ہی پڑھ سکے گا، لیکن بعد العصر میں شافعیہ کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے یہاں حضرت عائشہؓ کی حدیث لائے ہیں، جس سے حضور علیہ السلام کا بعد العصر دو رکعت پڑھنے کا ثبوت مداومت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بعد العصر کے لئے متعدد تراجم و عنوانات قائم کئے ہیں۔ گویا امام بخاریؒ نے حدیث حضرت عائشہؓ کو راجح سمجھا ہے اور امام ترمذیؒ نے باوجود شافعی ہونے کے حدیث ابن عباسؓ کو اصح قرار دیا ہے، کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر کے پڑھی تھیں وہ ظہر کے بعد کی متروک تھیں، ان کو نبی آپ نے بعد عصر پڑھا تھا، پھر کبھی نہیں پڑھیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا کہ یہ حدیث حسن ہے، پھر لکھا کہ چند صحابہ سے حضور علیہ السلام کا بعد

عصر دو رکعت پڑھنا بھی مروی ہے، مگر یہ اس کے خلاف ہے حضور علیہ السلام نے نماز بعد العصر کی ممانعت فرمائی اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث زیادہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی دو رکعت عصر کے بعد نہیں پڑھیں۔ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی حضرت ابن عباسؓ ہی کی طرح روایت ثابت ہے البتہ حضرت عائشہؓ سے متعدد روایات ایسی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی ان کے پاس عصر کے بعد تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ سے ہی روایت حضرت ام سلمہؓ کے واسطے سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعد عصر و بعد فجر نماز سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور جس بات پر اہل علم کا اجماع ہوا وہ یہی ہے کہ بعد عصر و بعد فجر کے نماز مکروہ ہے، بجز خاص استثناء کے مثلاً مکہ معظمہ میں بعد نماز عصر اور بعد نماز صبح کے طواف کے بعد والی نماز کہ اس میں حضور علیہ السلام سے رخصت مروی ہے اور اہل علم کی ایک جماعت صحابہ اور بعد کے حضرات نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ یہ قول امام شافعی، امام احمد و احناف کا ہے لیکن دوسرے اہل علم صحابہ اور دوسرے حضرات نے مکہ معظمہ میں بھی بعد طواف کے صبح و عصر کے بعد نماز کو مکروہ ہی قرار دیا ہے۔ یہ قول سفیان ثوری، امام مالک اور بعض اہل کوفہ کا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہاں امام شافعی کا مسلک صرف مکہ معظمہ کے بارے میں جواز کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ امام شافعی کے نزدیک دو رکعت بعد عصر کا جواز مطلقاً ہے اور اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی تائید کے لئے زور لگایا ہے دوسرے یہ کہ امام احمد کا مسلک مغنی ابن قدامہ کے ذریعہ مثل مذہب امام ابو حنیفہ کے ثابت ہے، اس لئے امام ترمذیؒ سے یہاں دو تسامع ہو گئے، واللہ اعلم۔

اس طرح جمہور ائمہ (امام صاحب، امام مالک و احمدؒ) کا مسلک عدم جواز نماز بعد العصر کا ہوا اور صرف امام شافعی جواز کے قائل ہیں، جمہور کی بڑی دلیل ممانعت کی احادیث کثیرہ متواترہ و مشہورہ ہیں۔ اور مذکورہ حدیث ابن عباسؓ و زید بن ثابتؓ بھی، اور امام شافعی نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ اس میں بہت اضطراب ہے۔ کسی میں ہے کہ آپ نے اس معاملہ کی صحیح تحقیق کے لئے حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا۔ گو یا وہ خود اس کی پوری ذمہ داری لینا نہیں چاہتی تھیں، اور طحاویؒ میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، تو فرمایا کہ میرے یہاں تو حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھی نہیں۔ البتہ حضرت ام سلمہؓ نے مجھے بتلایا کہ ان کے یہاں پڑھی ہے، اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہؓ کو معاف کرے، انہوں نے روایت میں تسامع کیا، میں نے تو یہ کہا تھا کہ حضور علیہ السلام نے بعد ظہر والی دو رکعت ادا کی تھیں، اور حضرت عائشہؓ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، مگر دوسروں کو منع فرماتے تھے، اور صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصل تحقیقی خبر اس بارے میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھی، اسی لئے حضرت عائشہؓ بھی ان پر حوالہ کرتی تھیں، اور حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو عصر کے بعد قضا کر لیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ روایت طحاویؒ کی ہے، جس کو نقل کر کے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ یہ روایت ضعیف ہے، حجت نہیں بن سکتی (فتح ۲/۴۳) یہاں تو امام طحاویؒ کی روایت بتلا کر اس کو حافظ نے ضعیف بتلادیا، لیکن اسی حدیث کی روایت تلخیص میں امام احمد سے نقل کر کے سکوت کر گئے۔ اور اس کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، محدث بیہقی نے ”الروائد“ ص ۲/۲۲۳ میں لکھا کہ اس حدیث امام احمد کے رجال رجال صحیح ہیں، پھر تعجب ہے کہ فتح الباری میں صرف امام طحاویؒ کی طرف نسبت کر کے حدیث کو گرا دیا اور اس طرف سے صرف نظر کر لی کہ اسی حدیث کو امام احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور چونکہ امام احمد کے رجال حدیث مذکور کو ضعیف نہیں کہہ سکتے تھے، اس لئے سکوت سے کام لیا۔ اس سے ان کا تعصب شدید ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اس حدیث کے رجال میں یزید بن ہارون بہت بڑے محدث اور ثقہ حنفی ہیں، اور حماد بن سلمہ بھی ثقہ ہیں رجال مسلم میں سے ہیں۔ بلکہ امام بخاریؒ پر یہ اعتراض بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حماد بن سلمہ



سے روایت نہیں لی اور ان سے بہت کم درجہ کے لوگوں سے لی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ یزید بن ہارون عن حماد بن سلمہ کو ضعیف ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ مسلم شریف میں ان سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ اور امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں حدیث مذکور کی تصحیح کی ہے۔ اور فرمایا کہ بخاری میں حدیث عن معاویہؓ بھی ہمارے لئے حجت ہے، جس میں انہوں نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو جس کو ہم نے حضور علیہ السلام کو پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ ہم بھی حضور کی صحبت میں رہے ہیں۔ بلکہ آپ نے ان سے روکا ہے، یعنی ۲ رکعت بعد عصر سے (بخاری ص ۸۳) پھر فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین وغیرہ میں بہت اضطراب ہے اور اسی لئے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس کی حدیث کو حضرت عائشہؓ کی حدیث پر راجع قرار دیا ہے۔ اور ہماری دلیل مصنف عبدالرزاق کی حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ ہم وہ کریں گے، جس کا حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا (کہ ہمیں بعد عصر نماز سے روک دیا) اور حضور نے وہ کیا جس کا حکم ان کو ملتا تھا۔ نیز حضرت عمرو بن عباس کا بعد عصر نماز پڑھنے والوں کو تعزیر و سزا دینا بھی ثابت ہے۔

فیض الباری کا تسامح ص ۸۱ اسطر ۸ میں قال الحافظ و فیہ جرہو عن عطاء کا تعلق حدیث عائشہؓ سے کر دیا ہے، حالانکہ حافظ کا نقد حدیث ابن عباس سے متعلق ہے، اور سطر ۲۰ میں زید بن ہارون غلط چسپ کیا ہے۔ صحیح یزید ہے۔

## راوی بخاری کا تسامح

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اصل مضمون حدیث کا اس طرح تھا ما تر کہما حتی لقی اللہ، تعنی الر کعتین بعد العصر وما لقی اللہ تعالیٰ حتی ثقل عن الصلوٰۃ و کان یصلی کثیرا من صلاتہ فاعدا و کان النبی ﷺ ارجح راوی نے قاعدہ کے ساتھ تعنی والے جملے کو جو ذکر ترتیب و معنی کو بگاڑ دیا۔ ختمہ لہ

## امام دارمی کا عمل

مسند دارمی میں یہ بھی ہے کہ جب ان سے حضرت عائشہؓ والی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرا عمل تو اس پر ہے، جس پر حضرت عمرؓ عمل کرتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایک عمدہ استدلال حنفیہ و جمہور کے لئے یہ بھی ہے کہ محدث جلیل و فقیر نبیل حضرت لیث بن سعدؒ نے طبقات میں نقل کیا کہ وہ موسم حج میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے، کسوف شمس بعد عصر ہوا تھا، وہاں کسی نے بھی نماز کسوف نہ پڑھی، حالانکہ وہ نماز ذوات الاسباب میں بھی تھی (جس کی نماز شوافع جائز کہتے ہیں) سوال کیا گیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہیں؟ تو لوگوں نے کہ کراہت وقت کی وجہ سے، یہ واقعہ ہزاروں تابعین کے سامنے پیش آیا اور صحابہ کا بھی آخری دور تھا، مگر کسی نے بھی نماز کسوف کے لئے اقدام نہیں کیا۔ اس واقعہ کو علامہ یعنی نے نقل کیا ہے اور غالباً ۸۳ھ کا ہے، پھر فرمایا کہ یہ لیث حنفی ہیں (کما صرح بہ ابن خلکان فی کتاب الخراج) امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لیث ہمارے نزدیک امام مالک سے کم نہیں ہیں، لیکن ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا (یعنی ان کے علوم کی خدمت نہیں کی) ان کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ سے مسئلہ قراءۃ خلف الامام میں امام طحاوی نے ذکر کی ہے۔ لیکن ان کی تقلید حنفیہ میں کی طرح تھی۔

## اصحاب صحاح کا حال

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں ضمناً کچھ ذکر اصحاب صحاح کا بھی کیا اور فرمایا کہ امام ابوداؤد و تودول بھر کے امام ابو حنیفہؒ کی تعظیم کرتے تھے۔ امام مسلم کا حال معلوم نہ ہو سکا اور ان کے شافعی ہونے کی بھی نقل موجود نہیں ہے، صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ

شافعی ہیں۔ امام ترمذی امام صاحب کی نہ تعظیم کرتے ہیں نہ تحقیر معتدل ہیں۔ امام بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں، اپنی حدیثیں لاتے ہیں، امام صاحب کی نہیں لاتے۔ امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں۔

## باب التکبیر بالصلوة فی یوم غیم بادل کے دنوں میں نماز سویرے پڑھنے کا بیان

۵۶۳: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن يحيى هو ابن ابي كليب عن ابي قلابه ان ابا المليلح

حدثه قال كنا مع بريدة في يوم ذي غيم فقال بكر وابطا الصلوة فان النبي صلى الله عليه وسلم قال من

ترك صلوة العصر حبط عمله

ترجمہ: حضرت ابو اسحاقؓ روایت کرتے ہیں، کہ ہم ایک دن بريدہ کے ہمراہ تھے، یہ دن ابر کا تھا تو انہوں نے کہا کہ نماز سویرے پڑھ لو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، جس نے نماز عصر چھوڑ دی، تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

تشریح: ابر و بارش کے دنوں میں نماز جلد پڑھنے کا حکم اسی لئے کیا گیا کہ کہیں وقت کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز قضا نہ ہو جائے، یا وقت مکروہ میں داخل نہ ہو جائے، جو بمنزلہ ترک صلوة ہے۔ (الخیر الجاری)

پھر سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان تو مطلق نماز کا قائم کیا اور حدیث الباب میں نماز عصر کا ذکر ہے تو مطابقت نہ ہوئی، جواب یہ ہے کہ، اقد وقت عصر کا ہے، جس میں حضرت بريدہ نے نماز عصر سے متعلق حدیث پیش کی، اور قیاس سے ہر نماز کے حکم کی طرف اشارہ آیا۔

حنفیہ کے نزدیک عام طور سے تمام نمازوں میں سواء مغرب کے تاخیر مستحب ہے۔ اور عصر و عشاء کی نماز صرف ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے، شافعیہ کے یہاں تمام نمازوں میں سواء عشاء کے تعیل مستحب ہے۔

مشاجرات صحابہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرات صحابہ کرام کے تذکرہ میں ضمناً فرمایا کہ بعض لوگ ان کے باہمی جھگڑوں کے واقعات سن کر بے دین ہو جاتے ہیں، اسی لئے ہم نے ان کے مطالعہ کو ممنوع قرار دیا ہے، اسی طرح اگر ایمان کا مدار اقوال بخاری وغیرہ پر ہوتا تو ضرور ہمارا ایمان بھی جا تارہتا، مگر ایمان کا تعلق خدا اور اس کے رسول سے ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اشارہ اس طرف تھا کہ امام بخاری وغیرہ نے بھی امام اعظمؒ وغیرہ کے بارے میں انصاف نہیں کیا اور سخت ریمارکس کر گئے ہیں، مگر ان کے کہنے سے کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

## یا رسول اللہ کے لئے افادۃ النور

حضرت درس بخاری میں جہاں کوئی عبارت پڑھنے والا طالب علم یا رسول اللہ کے ساتھ ﷺ کہتے، تو فرماتے تھے کہ جس قدر لکھ ہے اسی قدر پڑھو، راویان حدیث نبوی ہم سے زیادہ پابند احکام شرع تھے، اور ان کی عبادات و ریاضات بھی ہم سے زیادہ ہیں۔ اور لڑائی بھڑائی بھی ان کے یہاں ہم سے زیادہ ہے، بلکہ وہ غیر مستحق کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہم مستحق کو۔ (اشارہ ہے جرح رواۃ و جرح ائمہ کی طرف) اس کے علاوہ وہ ہم سے ہر چیز میں زیادہ اور افضل ہیں۔

ضروری تنبیہ: جیسا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہمیں اپنے اسلاف و اکابر امت کی پوری عظمت کرنی چاہئے کہ چند کوتاہیوں کے علاوہ کہ وہ بھی معلوم نہ تھے، وہ ہم سے ہزار جگہ برتر و افضل تھے، اور اسی کے ساتھ ہمیں چاہئے کہ جب ان کا ذکر کریں تو ان کا نام بھی ادب و احترام سے لیں۔ عربی زبان میں ناموں کے ساتھ القاب و آداب لکھنے کا دستور نہ تھا۔ اس کی وجہ سے ہم بھی ان کے نام ساتھ ادب نہ برتیں تو یہ ہمارے

عرف کے خلاف ہوگا کہ ہمارے یہاں با عظمت لوگوں کے تذکروں میں القاب و آداب کی رعایت نہ کرنا خلاف ادب ہے اور ہمیں اپنی عرف و رسم کے لحاظ سے مثلاً کسی صحابی رسول اکرم ﷺ کے نام ساتھ اول میں حضرت اور آخر میں رضی اللہ عنہ نہ لکھنا بڑی بے ادبی و ناحق شناسی ہے یہ بھی واضح ہو کہ صحابہ کے لئے اور دیگر اکابر امت کے لئے رحمہ اللہ لکھنا بھی کافی ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے لئے ص یا صلعم والی تحفیف جائز نہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل کے علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ اکابر نے اس پر تکیہ کر کے۔

## باب الاذان بعد ذهاب الوقت

وقت گزر جانے کے بعد نماز کے لئے اذان کہنے کا بیان

۵۶۵ حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا محمد بن فضيل قال حدثنا حصين عن عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه قال سرتنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ليلة فقال بعض القوم لو عرست بنا يا رسول الله قال اخاف ان فناموا عن الصلوة قال بلال انا او قظكم فاصطجعوا واسد بلال طهره الى راحلته فذلبته عيناه فنام فاستيقظ النبي صلى الله عليه وسلم وقد طلع حاجب الشمس فقال يا بلال اين ما قلت قال ما القيت على نومة مظلها فط قال ان الله قبض ارواحكم حين شاء وردها عليكم حين شاء يا بلال قم فاذا بالناس بالصلوة فتوضا فلما ارتفعت الشمس وبياضت قام فصلى

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ شب میں سفر کیا، تو بعض لوگوں نے کہا، کہ کاش! آپ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے (تو کتنا اچھا ہوتا) آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز (نجر) سے (غافل ہو کر) سو نہ جاؤ، بلال بولے، کہ میں تم سب کو جگا دوں گا، لہذا سب لوگ لیٹ رہے اور بلال اپنی چیمہ اپنے اونٹ سے ٹیک کر بیٹھ گئے، مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی، اور وہ بھی سو گئے، (چنانچہ) نبی کریم ﷺ ایسے وقت بیدار ہوئے، کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا، آپ نے فرمایا، اے بلال! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) ایسی نیند میرے اوپر کبھی مسلط نہ کی گئی (جیسی کہ آج مجھ پر طاری ہوگئی) آپ نے فرمایا (جج ہے) اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کر لیا اور جس وقت چاہا واپس لیا، اے بلال اٹھو۔ اور نماز کے لئے اذان دے دو، پھر آپ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند اور سفید ہو گیا، آپ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں امام بخاری حدیث لیلۃ التمریس لائے ہیں اور ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب کئی نمازیں قضا ہو جائیں تو جماعت سے ادا کر سکتے ہیں مگر اذان شروع میں صرف ایک بار ہوگی اور اقامت ہر نماز کے ساتھ ہوگی، لیکن اذان فائتہ نماز کے لئے جب ہوگی کہ گھر میں پڑھے، مسجد میں پڑھے گا تو نہیں۔

پھر فرمایا کہ لیلۃ التمریس کا واقعہ ایک بار پیش آیا ہے، خیبر سے واپسی میں اور جن حضرات نے متعدد بتلائے ان کو تصرفات رواۃ اور تفہیم الفاظ کی وجہ سے مغالطہ لگا ہے۔ حتیٰ کہ محقق ابن سید الناس نے بھی دو واقعات سمجھے اور کوئی حدیث بخاری کو وہم راوی کہہ دے گا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔ اگر کسی پر یہ بات گراں ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی شان رفیع سے مستبعد ہے کہ ان کی نماز قضا ہوئی ہو، تو یہ کوئی بات نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو جگانے پر، موم کر دیا تھا اور حضرت بلال نے پوری ذمہ داری لی تھی، اس لئے وہ لیٹے بھی نہ تھے، بلکہ اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، مگر خدا کی تقدیر میں تو ایسی طرح تھا کہ باوجود ان سب انتظامات کے بھی نماز قضا ہو جائے، چنانچہ وہی ہوا، اور حق یہ ہے کہ سونے کی حالت میں اگر مجبوری ویسے اختیاری کی وجہ سے نماز میں تقصیر ہو تو وہ شریعت میں معاف بھی ہے، چنانچہ نسائی شریف بـاـب

من نام عن صلوة میں حدیث نبوی ہے کہ کوتاہی پر مواخذہ حالت بیداری کا ہوگا، نوم کی حالت کا نہ ہوگا، دوسری میں ہے کہ ایسے شخص سے مواخذہ ہوگا جو نماز نہ پڑھے اور اسی حالت میں دوسری نماز کا وقت آجائے تب بیدار ہو۔

### شرح قولہ ان اللہ قبض ارواحکم

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عام طور سے لوگ قبض روح بمعنی موت سمجھتے ہیں، لیکن اصل حقیقت وہ ہے جو علامہ محقق سیبئیؒ نے پیش کی ہے کہ قبض کے معنی دبانا، بھینپنا ہے، جیسے تم روئی وغیرہ کسی چیز کو مٹھی میں بھینچ کر بند کرلو۔ اس سے وہ پھیلی ہوئی چیز ایک جگہ سمٹ جاتی ہے۔ یہ تو قبض کی صورت ہے اور رداس کا یہ ہے کہ پھر اس کو سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے۔ قبض روح کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ وہ سونے کی حالت میں سمٹ جاتی ہے اور اپنے بعض افعال سے رک جاتی ہے، اسی کو قرآن مجید میں توفی وار سال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو حدیث الباب میں قبض ور دفرمایا گیا ہے۔ پھر جب عمر ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت کامل قبض توفی کا عمل ہوگا کہ روح کو بدن سے خارج کر لیں گے، نیند کی حالت میں وہ خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ جسم کے اندر ہی رہ کر ایک جانب میں سمٹ جاتی جس کی وجہ بعض افعال کے لحاظ سے معطل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ تدبیر بدن کا کام پھر بھی کرتی رہتی ہے۔

### رد روح نبوی کا مطلب

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر پر حاضر ہو کر صلوة و سلام پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں اور میں اس کو سنتا ہوں اور جواب سلام دیتا ہوں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک مشغول بجانب قدس رہتی ہے، اور وقت سلام احر سے احر کو متوجہ ہو کر سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ اس سے مراد احیاء و امانات نہیں ہے (کہ آپ کی حیات برزخی مثل حیات دنیوی ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو سونے کی حالت میں معذور قرار دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ تمہاری ارواح تو خدا کے اختیار میں ہیں کہ جب وہ چاہتا ہے ان کو سمیٹ لیتا ہے اور جب چاہا صل حالت پر لوٹا دیتا ہے، اور حالت نوم میں قبض اور بیداری پر رد برابر ہوتا رہتا ہے۔

### روح اور نفس میں فرق

حضرتؒ نے یہاں محقق سیبئیؒ ہی کے حوالہ سے یہ بھی فرمایا کہ نفس و روح دونوں ایک ہیں۔ صفات کے بدلنے سے نام بدلتا ہے، بحالت تجرد اس کو روح کہتے ہیں اور باعتبار تعلق بدن و اکتساب ملکات و روپیہ کے نفس کہتے ہیں۔ جیسے پانی کہ جب تک وہ اصل حالت پر رہتا ہے، پانی ہے، اور وہی جب درختوں میں پیوست ہو جائے تو اس کے اوصاف و احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر درخت سے پانی نکال کر اس سے وضو کرنا چاہیں تو وہ بھی صحیح نہ ہوگا۔

### قولہ فلما ارتفعت الخ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے سورج کے بلند اور روشن ہونے کا انتظار فرمایا پھر نماز پڑھی، یہ نہیں کراٹھنے کے بعد فوراً ہی پڑھ لیتے، جیسا کہ حدیث لیلصلھا اذا ذکرھا سے بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ آپ کا عمل ہے اور حضور علیہ السلام سے تحدیث تواتر ممانعت صلوة بھی ارتقاع شمس سے قبل کی ثابت ہے، گویا قول و فعل دونوں سے حنفیہ کا مسلک واضح و ثابت ہے، اور دارقطنی میں حتیٰ اذا امکننا الصلوة بھی مروی ہے، یعنی جب نماز ادا کرنے کی صورت میسر ہوگی، معلوم ہوا کہ ارتقاع سے قبل صورت جواز ہے ہی نہیں۔ اور یہ تاویل جو کی جاتی ہے کہ وہاں شیطان کا اثر تھا، اس لئے حضور علیہ السلام نے دیر کی اور آگے بڑھ گئے تو اگر ایسا ہوتا تو کسی روایت

میں یہ الفاظ بھی تو ہوتے کہ ہم نے شیطان کی جگہ سے دور ہونے کے لئے نماز کو موخر کیا، اور یہ مسئلہ تو خود ان لوگوں کے یہاں بھی نہیں ہے کہ اگر کسی جگہ سونے میں نماز قضا ہو تو شیطان کا اثر سمجھ کر وہاں سے دور ہو کر نماز پڑھی جائے، لہذا یہ تاویل صرف ہمیں جواب پکڑانے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ پھر یہ کہ اگر جگہ میں شیطان کا اثر مان کر دوسری جگہ پڑھنے کی بات مانتے ہیں تو شیطان کے زمانہ عبادت سے بچنے کیلئے کیوں نہیں مانتے جبکہ احادیث میں صراحت بھی آچکی کہ طلوع وغروب واستواء کے وقت نماز اس لئے نہ پڑھو کہ یہ وقت شیطانی اثر و عبادت کے ہیں۔

غرض حضرت حق جل ذکرہ کی عبادت تو اسی حالت میں اس کی کامل رضا کا موجب ہوگی کہ شیطان کے زمان و مکان دونوں سے ہی اس کو دور رکھا جائے، اگر ان ہی اوقات میں تم اپنی عبادت کرو گے، جن میں شیطان بتوں کی پرستش کرتا ہے تو وہ تو اس کی مرضی کی بات ہوگی نہ کہ خدائے برتر عزاسمہ کی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کو دشمن ہی سمجھو، یعنی اس کے طور طریقوں سے کامل پرہیز کرو۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات کے بارے میں احادیث ممانعت مشہور و متواتر طریقہ سے وارد ہیں اور بعد نماز فجر کی ممانعت لیلۃ النعیم والی حدیث الباب سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے ارتقاء شمس کا انتظار فرمایا اور نماز کو موخر کیا۔ اور بعد عصر بھی آپ نے غزوہ احزاب میں قبل مغرب وقت مکہ میں نماز نہیں ادا کی، اور بعد غروب کے قضا فرمائی جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنی تنہا نماز عصر بمشکل وقت کے اندر ادا کی تھی۔ اور حضور علیہ السلام سے ذکر کیا کہ میں نے نماز عصر ایسی حالت میں ادا کی کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب من صلی بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت

اس شخص کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائے

۵۶۶: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن يحيى عن ابي سلمة عن جابر بن عبد الله ان عمر بن

الخطاب رضي الله عنه جاء يوم الخندق بعد ما غربت الشمس فجعل يسب كفار قريش قال يا رسول الله

ما كدت اصلي العصر حتى كادت الشمس تغرب قال النبي صلى الله عليه وسلم والله ما صليتها فصمنا

الى بطحان فتوضا للصلاة وتوضا نالها فصلی العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب

ترجمہ: معاذ بن فضالہ، ہشام، یحییٰ، ابوسلمہ، جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ (غزوہ) خندق میں آفتاب غروب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے حضور انورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میں نے عصر کی نماز ابھی تک (نہیں) پڑھی تھی، اور سورج غروب کے قریب ہو گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم سب (مقام) بطحان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اور ہم سب نے (بھی) نماز کے لئے وضو کیا پھر آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی اس کی بعد مغرب کی ادا کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کاد کے معنی میں اختلاف ہوا ہے، عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مثبت میں منفی اور منفی میں مثبت کے معنی دیتا ہے اور اسی لئے عربی شاعر کے اس شعر۔

”اذا غیر الہجر المعجبین لم یکد۔ دسیس الہوی من حب مية یروح۔“ پر لوگوں نے اعتراض کیا تو اس نے لم یکد کو لم یجد سے بدل دیا تھا، مگر میرے نزدیک یہ بھی دوسرے افعال ہی کی طرح ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے ارشاد ما کدت الخ کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے بمشکل نماز عصر ادا کی تھی جس کو حافظہ نے بھی فتح الباری میں ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ با وضو ہوں گے۔ اس لئے غلت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہوگی۔ دوسرے صحابہ اور حضور اکرم ﷺ رہ گئے، وہ نہ

پڑھ سکے۔ اور حضرت عمرؓ نے وقت مکروہ میں پڑھی، عند الحفیہ بھی اس دن کی عصر جائز ہے، مگر حکم نہیں دیتے، کیونکہ کراہت کے ساتھ حکم نہیں دیا جاسکتا۔ فقہاء حنفیہ صبح اور جاز کا لفظ لکھ دیتے ہیں جس سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے، حالانکہ وہ جواز یا صحت کراہت کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کو فوائت میں سے شمار کرنا مساحت ہے، کیونکہ وہ فوت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ مغرب سے قبل ہی جنگ ختم ہو گئی تھی۔ اور اتنی قبل کہ حضرت عمرؓ نے غروب سے قبل نماز عصر پڑھ لی تھی۔ لیکن چونکہ ظہر و عصر کی ادائیگی وغیرہ کے باعث مغرب بھی وقت معقود مستحب سے مؤخر ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کو بھی فوائت میں شمار کر دیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر ولا یبعد الا تلک الصلوٰۃ وقال

ابراہیم من ترک صلوٰۃ واحده عشرين سنة لم یعد الا تلک الصلوٰۃ الواحدة

(اس شخص کا بیان جو کسی نماز کو بھول جائے تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا اعادہ کرے ابراہیم نے کہا ہے کہ جو شخص ایک نماز ترک کر دے (اور) بیس برس تک (اس کو) ادا نہ کرے تب بھی (وہ صرف اسی نماز کا اعادہ کرے گا)

۵۶۷: حدثنا ابو نعیم و موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا ہمام عن قتادہ عن انس بن مالک عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارة لها الا ذلک اقم الصلوٰۃ لذكری قال

موسیٰ قال ہمام سمعته یقول بعد اقم الصلوٰۃ لذكری وقال حبان ثنا ہمام ثقاتہ قال حدثنا انس عن

النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب یاد آئے، تو پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ اور حبان نے کہا، کہ ہم سے ہمام نے ان سے قتادہ۔ نے اور ان سے انسؓ نے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں امام مسلم نے اوناٹام عنہا کی بھی روایت کی ہے، یعنی جو بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد کرے یا بیدار ہو تو فوت شدہ نماز ادا کرے۔ بعض نے اس کی دلیل خطاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ عدا اگر نماز ترک کر دے تو اس کی قضا جائز نہ ہوگی، کیونکہ حدیث میں بھولنے اور سونے کی قید و شرط ہے، لہذا عدا ترک کرنے والے کی قضا صحیح نہ ہوگی، حافظؒ نے اس سے اشارہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے پیش رو اہل ظاہر کی طرف کیا ہے اور پھر ان کی دلیل کا رد بھی کیا ہے۔ (فتح ص ۲۱۳۸)

انوار المحمود ص ۱۸۱۷ میں ہے: بعض اہل الظاہر نے جمہور علماء امت کے خلاف یہ شاذ رائے قائم کی ہے کہ عدا تارک صلوٰۃ پر قضا نہیں ہے، اور علماء نووئیؒ نے بھی لکھا کہ بعض اہل ظاہر نے شذوذ کیا کہ صلوٰۃ فانیہ بغیر عذر کی قضا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی اور جہالت ہے، علامہ شوکانیؒ نے نیل میں لکھا کہ داؤد ظاہری اور ابن حزم نے عامہ کے لئے قضا کا انکار کیا، اور ابن تیمیہ سے بھی نقل ہوا کہ انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ پھر دلائل فریقین ذکر کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ انوار الباری قسط نمبر ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں حافظ ابن تیمیہ کے دوسرے تفروعات اور ان کا رد بھی مدلل و مکمل طور سے ہوا ہے۔

ترتیب کا مسئلہ: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ”تراجم ابواب“ میں لکھا کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے وقتی اور فوت شدہ نمازوں میں عدم وجوب ترتیب کو ثابت کرنا اور امام ابو حنیفہؒ کا رد کرنا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد اس لئے صحیح نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک ترتیب کا وجوب تین وجہوں سے ساقط ہو جاتا ہے، بھولنے سے، تنگی وقت کی وجہ سے اور پانچ سے زیادہ نمازوں کے قضا ہو جانے سے، جب ایسی بات

ہے تو یہاں امام بخاری نسیان والی صورت ذکر کر کے امام صاحبؒ کا رد کیسے کر سکتے تھے، اگر پھر بھی رد کیا ہے تو ان کو امام اعظمؒ کا مسلک معلوم نہ ہوگا جیسا کہ اور بھی کئی مسائل میں ان سے ایسی غلطی ہوئی ہے اور ہم نے انوار الباری میں اسکی مثالوں کی نشان دہی کی ہے۔ یا پھر حضرت شاہ ولی اللہ سے چوک ہو گئی کہ ان کو خفی مذہب کا یہ جزئیہ محفوظ نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

البتہ یہاں یہ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے استاذ جلیل امام احمد کا رد کیا ہو، ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک نماز قضا ہو گئی اور ایک سال تک ادا نہ کی تو جب ایک سال کے بعد اس کو ادا کرے گا تو ساتھ ہی ایک سال کی ساری نمازوں کو بھی پھر سے پڑھے گا، کیونکہ ترتیب ان کے یہاں مطلقاً واجب ہے، خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھ لے، وہ سب واجب الاعداد ہیں، خفیہ کی طرح پانچ سے زیادہ قضا ہونے پر ترتیب ساقط نہیں ہوتی، اور غالباً امام بخاریؒ نے امام احمد ہی کا رد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم نخعی کا قول ترجمہ الباب میں ذکر کیا ہے کہ ایک نماز قضا شدہ کو اگر بیس سال تک بھی ادا نہ کرے تو جب بھی ادا کرے گا تو صرف وہی ایک ادا کرنی پڑے گی، بیس سال کی نمازوں کا اعادہ نہ کرنا پڑے گا، جس کا حکم امام احمدؒ کرتے ہیں۔ اس بات کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی شرح تراجم ابواب البخاری ص ۲۱۲۵۱ میں لکھا ہے، مگر ایک بات کھلتی ہے وہ یہ کہ نسیان کا عذر جس طرح خفیہ کے یہاں معتبر ہے، امام احمدؒ کے یہاں بھی ہے، لہذا اعتراض ورد کی صورت صرف یہ رہے گی کہ قضا شدہ نماز یاد آ جانے کے بعد بھی ادا نہ کرے اور اس کے باوجود ایک سال یا زیادہ مدت گزار دے، برخلاف خفیہ کے کہ ان کے نزدیک اگر وہ قضا شدہ کو یاد بھی کر لے تو پانچ نمازوں سے زیادہ قضا ہو جانے پر نسیان و عذر برابر ہیں اور یاد آنے پر بھی اگر اعادہ صلوة فائز نہ کرے گا تو صرف پانچ نمازوں کا اعادہ کرنا پڑے گا، امام احمدؒ کی طرح برمسوں کی نمازیں لوٹانے کی ضرورت نہ ہوگی، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک ترتیب کا وجوب نسیان کی صورت میں بھی ہے کافی الغنی، لیکن علامہ عینی نے لکھا کہ ان کا معتد مذہب سقوط ترتیب بالنسیان ہے اور اسی کو ابن العربیؒ نے ”العارضہ“ میں درج کیا اور حافظ نے بھی لکھا کہ اکثر کا مذہب ترتیب مع الذکر کا ہے، نسیان کے ساتھ نہیں۔ (فتح الباری ص ۲۱۳۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ وجوب ترتیب کے قائل ہیں، اور صرف امام شافعیؒ ترتیب کے وجوب سے منکر ہوئے ہیں، ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضور علیہ السلام کے عمل سے ہے کہ آپؐ نے غزوہ خندق میں قضا شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا اور یہ بھی آپ کا عام ارشاد ہے کہ جس طرح تم مجھے نماز میں ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح ادا کیا کرو۔

### مسئلہ وجوب ترتیب اور مولانا عبدالحی رحمہ اللہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ”التعلیق المسجد“ میں مذہب امام شافعیؒ کو ترجیح دی ہے اور شیخ ابن الہمام و ابن نجیم کا قول بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ لیکن ان دونوں حضرات کا قول ایسے مسئلہ میں جس میں اکابر خفیہ متفق الرائے ہیں، شذوذ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ اور معتبر نہ ہوگا۔

علامہ بنوری دامت برکاتہم نے معارف السنن ص ۲۸۱۱ میں دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے، وہاں دیکھ لی جائے اور فیض الباری ص ۲۸۱۵ میں بھی اچھی بحث آسکتی ہے۔ اور یہ امر بھی کم اہم نہیں کہ وجوب ترتیب کے قائل صرف خفیہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ امام مالک و امام احمدؒ اور ان تینوں کے تبعین کبار ائمہ و محدثین و محققین ہیں، اس لئے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کا فیصلہ مذکورہ گر انداز ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ کی خفیہ مسلک کے لئے خدمات جلیلہ اور خود ان کی جلالت قدر کے سامنے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں، مگر بقول علامہ کوثریؒ کے متعدد مسائل ہمہ (مسئلہ عازاۃ وغیرہ) میں ان کا ”استسلام“ بھی دل پر گرا ہے۔ یرحمہ اللہ وایانا بفضلہ وکرمہ۔

## قوله ولا یعیذ الا تلک الصلوٰۃ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کا اشارہ حدیث ابی داؤد کی طرف معلوم ہوتا ہے جس میں ہے کہ فوت شدہ نماز کو یاد آنے پر بھی پڑھے اور اگلے دن جب اس نماز کا وقت آئے، تب بھی اس کو پڑھے، گویا ایک قضا شدہ نماز کو دو بارہ پڑھے، علامہ خطابی نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے، حافظ نے اس کا رد کیا ہے۔ اور حدیث مذکور کو ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دیا ہے، یہ بھی لکھا کہ استحباب کا قائل سلف میں سے کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے حدیث مذکورہ کو راوی کی غلطی کہا ہے، جس کو ترمذی نے بھی امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگلے دن والی اسی جیسی نماز کو اپنے وقت پر پڑھے، حضرتؒ نے فرمایا میرے نزدیک حدیث ابی داؤد بھی عمل کے لائق ہے اور جاندار ہے، اس لئے اس کی تضعیف یا انکار کی ضرورت نہیں، اور ادا شدہ نماز کا اعادہ اصل وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے مستحب قرار پائے گا، اور نیت بھی اسی نماز فجر یا ظہر وغیرہ فوت شدہ کی کرے گا، اگرچہ وہ نقل ہوگی کیونکہ فرض کی ادائیگی پہلے کر چکا ہے یا د آنے پر۔ حضرتؒ کے یہاں ایک مستحب الخواص کی بھی قی، ممکن ہے وہی یہاں مراد ہو، جس طرح مس الذکر و مس المرأة و اکل لحم الابل کی وجہ سے بھی حضرتؒ وضو کو مستحب الخواص فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب قضاء الصلوات الاولى فالاولیٰ

### قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا بیان

۵۶۸: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى قال حدثنا هشام قال حدثنا يحيى هو ابن ابی كثير عن ابی سلمة

عن جابر قال جعل عمر رضى الله عنه يوم التخندق ليسب كفارهم و قال يا رسول الله مر كدت اصلی

العصر حتى غربت الشمس قال فزلنا بطحان فصلی بعد ما غربت الشمس ثم صلی المغرب

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (غزوہ) خندق کے دن کفار قریش کو برا کہنے لگے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں آفتاب غروب ہونے تک (ان کی وجہ سے) عصر کی نماز نہ پڑھ سکا۔ جابر کہتے ہیں، پھر ہم لوگ (مقام) بطحان میں گئے، جب آپؐ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی، اس کے بعد مغروب کی نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث سے ترتیب صلوات فائزہ و دو تہیہ کا ثبوت ہوتا ہے، جس کی تفصیل گذر چکی۔ امام بخاری کا رجحان بھی وجوب ترتیب کی طرف ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب سے واضح ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحیحین میں تو صرف ایک نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے، لیکن معانی الآثار امام طحاوی میں امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ ظہر، عصر و مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں، اور اس کی سند قوی ہے۔

## حافظ ابن حجر اور رجال حنفیہ

حضرتؒ نے اس موقع پر ضمناً فرمایا کہ حافظ نے رجال حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتیٰ کہ امام طحاویؒ کے بھی عیوب جمع کئے ہیں، حالانکہ جب تک امام طحاوی مصر میں رہے، کوئی محدث وہاں نہیں پہنچا جس نے ان سے اجازت حدیث نہ لی ہو، اور امام طحاوی مسلم امام حدیث ہیں، لیکن حافظ نے امام طحاوی سے سوواں حصہ رکھنے والوں کی تعریف کی ہے اور امام موصوف پر کتہ چینی کی۔ پھر فرمایا کہ تعصب کی مد ہے کہ علامہ عینی کے جوتہ میں، شافعیہ نے صحابہ کے نام رکھوا دیئے۔ اور پھر بادشاہ وقت سے شکایت کی کہ یہ رافضی ہے اور دو سال کے لئے قید کرادیا، پھر حنفیہ نے موچی سے ہی کھلوادیا کہ مجھے رشوت دے کر ایسا کرایا گیا تھا، تب علامہ نے جیل سے رہائی پائی۔ حافظ نے عینی سے ایک حدیث مسلم شریف کی



اور دو مسند احمد کی سن کر ان سے اجازت حدیث حاصل کی ہے اور وہ عمر میں بھی حافظ سے بڑے تھے اور ان کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔

## باب مایکرہ من السمر بعد العشاء السامر من السم والجميع السمار والسامر ههنا في موضع الجميع

(عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے، سامر سے ماخوذ ہے اور جمع سار ہے اور سامر یہاں جمع کے معنوں میں ہے)

۵۶۹: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى قال حدثنا عون قال حدثنا ابو المنهال قال انطلقت مع ابي الى ابي  
برزة الاسلمي فقال له: ابي حدثنا كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي المكتوبة قال كان  
يصلي الهجير وهي التي تدعونها الاولى حين تدحض الشمس و يصلي العصر ثم يرجع احدا الى اهله  
في القصي المدينة والشمس حية ونسيت ما قال في المغرب قال وكان يستحب ان يؤخر العشاء قال  
وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها وكان يفتل من صلوة الغداة حين يعرف احدا جلسه ويقرا

من الستين الى المائة

ترجمہ: ابو منہال روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس گیا، ان سے میرے والد نے کہا، کہ ہم سے بیان کیجئے، کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے، وہ بولے، کہ بجز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو، آفتاب کے ڈھلنے ہی اور فرمایا کرتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ (جب) ہم میں سے کوئی شخص (حضور) کے ہمراہ نماز پڑھ کر انصاف مدینہ میں اپنے گھر کو واپس جاتا تو بھی آفتاب بالکل صاف ہوتا تھا اور ابو منہال کہتے ہیں (میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں انہوں نے کیا کہا) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ عشاء کی نماز میں پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور کہا کہ عشاء سے پہلے سوتا اور اس کے بعد بات کرنا مکروہ خیال فرماتے تھے، اور صبح کی نماز سے (فراغت کر کے) آپ ایسے وقت لوٹتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا، اور (اس میں) آپ ساٹھ آیتوں سے سو تک پڑھتے تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ یہ حدیث پہلے باب وقت العصر (ص ۷۸) میں بھی آچکی ہے، یہاں خاص طور سے سمر بعد العشاء کی کراہت بتلانے کے لئے پھر سے لائے ہیں، عشاء سے قبل سونے کی کراہت اس لئے ہے کہ عشاء کی نماز فوت نہ ہو جائے یا وقت مستحب سے نہ نکل جائے اور بعد عشاء باتیں کرنے کی ممانعت اس لئے ہوئی کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو جائے، حضرت عمرؓ لوگوں کو اس بات پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ شروع رات میں قصہ گوئی اور باتوں میں وقت خراب کر دے اور آخر رات میں سوؤ گے؟ پھر حافظ نے لکھا کہ اس علت کے پیش نظر کوئی بڑی اور چھوٹی راتوں میں فرق بھی کر سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دورانہ شبی کے تحت یہ ممانعت مطلقاً ہی ہو، کیونکہ شریعت جب کسی چیز پر خرابی کے اندیشہ و گمان سے کوئی حکم لگا دیتی ہے تو پھر وہ سختی ہی قائم رہتی ہے (فتح ص ۲۱۳۹) لہذا شریعت نے نماز عشاء کے بعد مباح باتوں سے روک دیا ہے، مباح اس لئے کہ حرام و ممنوع باتیں تو ہر وقت ممنوع ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی رائے بھی یہی تھی کہ سمر بعد العشاء کی کراہت اسی وقت ہے کہ اس کی وجہ سے صبح کی نماز فوت ہو (لامع ص ۱۸۳۳)۔

## باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء

دین کے مسائل اور نیک باتوں سے متعلق عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا بیان

۵۷۰: حدثنا عبد الله بن الصباح قال حدثنا ابو علي الحنفي قال حدثنا قرة بن خالد قال انظرنا الحسن وراث علينا حتى قربنا من وقت قيامه فجاء فقال دعانا جيراننا هؤلاء ثم قال قال انس بن مالك نظرنا النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة حتى كان شطر الليل يبلغه فجاء فصلى لنا ثم خطبنا فقال الا ان الناس قد صلوا ثم رقدوا وانكم لم تزالوا في صلوة ما انظر الصلوة قال الحسن و ان القوم لا يزالون في خير ما انتظروا الخیر قال قرة هو من حديث انس عن النبي صلى الله عليه وسلم

۵۷۱: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال حدثني سالم ابن عبد الله بن عمرو ابو بكر بن ابي حنيفة ان عبد الله بن عمر قال صلى النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العشاء في اخر حيوته فلما سلم قام النبي صلى الله عليه وسلم فقال ارايتكم ليلتكم هذه فان راس مائة سنة لا يبقى من هو اليوم علي ظهر الارض احد فوهل الناس في مقالة النبي صلى الله عليه وسلم الي ما يتحدثون في هذه الاحاديث عن مائة سنة وانما قال النبي صلى الله عليه وسلم لا يبقى ممن هو اليوم علي ظهر الارض

يريد بذلك انها ينقرم ذلك القرن

ترجمہ ۵۷۰:- حضرت قرہ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ ہم حسن بصری کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے آنے میں اتنی دیر کی، کہ ان کے (مسجد سے) اٹھ جانے کا وقت قریب آ گیا، تب وہ آئے اور کہنے لگے کہ مجھے میرے پڑوسیوں نے بلا لیا تھا، اس وجہ سے دیر ہو گئی، پھر انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ نے (مجھ سے) کہا کہ ہم نے ایک رات نبی کریم ﷺ کا انتظار کیا، یہاں تک کہ نصف شب ہو گئی، تب آپ تشریف لائے اور ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے ہم سے خطاب ہو کر فرمایا کہ دیکھو! لوگ نماز پڑھ چکے اور سو رہے، اور ہم برابر نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے نماز کا انتظار کیا، اسی حدیث کے پیش نظر (خود) حسن بصری کا قول ہے، کہ جب تک لوگ نیکی کرنے کے منتظر رہتے ہیں وہ اس نیکی کے کرنے کا ثواب پاتے رہتے ہیں، قرہ نے کہا، کہ حسن کا یہ قول حضرت انس کی حدیث میں داخل ہے۔

ترجمہ ۵۷۱:- حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) عشاء کی نماز اپنی اخیر زندگی میں پڑھی، جب سلام پھیرا، تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ تم اپنی اس رات کے حال کے متعلق مجھ سے سنو! سو برس کے بعد جو شخص آج زمین کے اوپر ہے، کوئی باقی نہ رہے گا۔ (ابن عمر کہتے ہیں، کہ) لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے (اس) ارشاد (کے سمجھنے) میں غلطی کی (اور) سو برس کی توضیح (کرنے) میں دوسری باتوں کی طرف خیال دوڑانا شروع کر دیا (ان ہی خیالوں کو) وہ (حدیث کی تفسیر میں) بیان کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا، کہ جو آج زمین کے اوپر ہیں، ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا، مراد آپ کی اس سے یہ تھی کہ سو سال پر یہ قرن گزر جائے گا۔

تشریح: پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے کسی چیز کے لئے انتظار کو بھی اسی کے حکم میں رکھا ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد نماز عشاء کے بعد فرمایا ہے، لہذا بعد عشاء کے کسی نیک بات میں کوئی حرج نہ ہوا، دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے باب السمر بالعلم (ص ۲۲ کتاب العلم) میں بھی گزر چکی ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشادات بھی بعد نماز عشاء فرمائے ہیں۔ لہذا کسی علمی و فقیہی بات میں

کوئی مضائقہ نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ امام ترمذی نے حضرت عمرؓ سے حدیث حسن روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے معاملات میں بعد عشا کے مشورے کیا کرتے تھے اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس حدیث کے تحت حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ بھی چھڑتا ہے اور ہم اس کو پہلے لکھ چکے ہیں، یہاں حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی وغیرہ نے کہا:۔ اس حدیث سے امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حضرت خضر علیہ السلام کی موت ثابت کی ہے، مگر جہورا کا برامت اس کے خلاف ہیں اور اس کے جوابات دیئے ہیں۔ پھر حافظ نے وہ بھی درج کئے، دیکھ لئے جائیں (فتح ص ۲۱۵۰)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ باب امام بخاری اس لئے لائے ہیں تاکہ علی مذاکرات کو بھی عام حکم سر بعد العشاء کے تحت نہ سمجھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب السمر مع الہل والضعیف

(گھروالوں اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے بعد گفت وگو کرنے کا بیان)

۵۷۲: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا معتمر بن سليمان ثنا ابی قال حدثنا ابو عثمان عن عبد الرحمن بن ابی بکر ان اصحاب الصفة كانوا اناساً فقراء وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان عنده طعام النین فليذهب بثالث وان اربع فخامس او سادس وان ابا بکر جاء بثالث وانطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعشرة قال فهو انا و ابی و امی و لا ادری هل قال و امرأتی و خادم بین بیتنا و بیت ابی بکر و ان ابا بکر تعشى عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم لبث حيث صلیت العشاء ثم رجع فلبث حتى تعشى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء بعد ما مضى من اللیل ماشاء اللہ قالت له امراته ما حبسک عن اضیافک او قالت ضیفک قال او ما عثیتهم قالت ابو احتی تجیء قد عرضوا فابوا قال فذهبت انا فاختبأت فقال یا غنثر فجذع و سب وقال کلو الاهینا لکم فقال واللہ لا اطعمه ابدأ وایم اللہ ما کنا نأخذ من لقمة الا رباً من اسفلها اکثر منها قال شعبوا وصارت اکثر مما كانت قبل ذلک فنظر الیها ابو بکر فاذا هی کما هی او اکثر فقال لامرأته یاخت بنی فراس ما هذا قالت لا وقرۃ عینی لہی الآن اکثر منها قبل ذلک بثلاث مرار فاکل منها ابو بکر وقال انما کان ذلک من الشیطان یعنی یمینہ ثم اکل منها لقمة ثم حملها الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاصبحت عنده و کان بیننا و بین قوم عقد فمضی الاجل ففرقنا الی عشر رجلاً مع کل رجل منهم اناس واللہ اعلم کم مع کل رجل فاکلوا منها اجمعون او کما قال

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو (ان میں سے) لے جائے، اور اگر چار ہوں، تو پانچواں یا چھٹا (ان میں سے لے جائے) حضرت ابوبکرؓ تین آدمی لے آئے، اور نبی کریم ﷺ اس لئے گئے، عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ ہم تھے، اور ہمارے باپ تھے، اور ہماری ماں تھیں، اور میں نہیں جانتا، کہ آیا انہوں نے یہ بھی کہا (یا نہیں) کہ میری بی بی اور ہمارا خادم بھی تھا، جو ہمارے گھر اور ابوبکرؓ کے گھر میں مشترک تھا (ایک روز) ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے یہاں شام کا کھانا کھایا، اور آکر ہمارے گھر میں رہے اتنی دیر کہ عشا کی نماز بھی ہو چکی، پھر حضور کی خدمت میں گئے اور

اتنے غمخوار تھے کہ اس حضرت علیؑ نے کھانا بھی تناول فرمایا، اسکے بعد (اپنے گھر میں) آئے ان سے ان کی بی بی نے کہا کہ تمہیں تمہارے مہمانوں سے کس نے روک لیا، یا یہ کہا کہ تمہارے مہمان سے، وہ بولے، کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا، انہوں نے کہا، آپ کے آنے تک ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا، مگر انہوں نے نہ مانا، عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ میں تو (مارے خوف کے) جا کر چھپ گیا (چنانچہ) ابوبکرؓ (نے غصہ میں) یا غنم (کہہ کر) پکارا اور بہت کچھ سخت ست مجھے کہہ ڈالا، اور کہا، تمہیں گوارہ نہ ہو کھاد۔ اس کے بعد کہا، کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز نہ کھاؤں گا، کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم جب کوئی لقمہ لیتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ مہمان سب آسودہ ہو گئے۔ اور کھانا جس قدر کہ پہلا تھا اس سے زیادہ رہ گیا، تو ابوبکرؓ نے اس کی طرف دیکھا وہ اسی قدر تھا، جیسا کہ پہلے تھا، یا اس سے بھی زیادہ تو اپنی بی بی نے کہا، کہ اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ماجرا ہے (وہ بولیں) کہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم یقیناً یہ اس وقت پٹے سے ٹکنا ہے، پھر اس میں سے ابوبکرؓ نے کھایا، اور کہا، یہ قسم شیطان ہی کی طرف سے تھی، بالآخر اس میں سے ایک لقمہ انہوں نے کھا لیا اس کے بعد اے نبی کریم ﷺ کے پاس اٹھالے گئے، صبح تک آپ کے پاس رہا، اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان میں کچھ عہد تھا۔ اس کی مدت گزر چکی تھی، تو ہم نے بارہ آدمی عیدہ علیحدہ کر دیئے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کچھ کچھ آدمی تھے۔ غرض اس کھانے سے سب نے کھا لیا (یا عبدالرحمنؓ نے جیسا کچھ بیان کیا ہو)

تشریح: یہ حدیث الباب طویل ہے اور اس میں راویوں سے تقدیم و تاخیر بھی ہو گئی ہے۔ مسلم شریف کتاب الاطعمہ ص ۱۸۵/۲ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے ساتھ والی دوسری حدیث بھی زیر نظر رکھی جائے، ابوداؤد کتاب الایمان والذکر ص ۱۱۵/۲ میں بھی یہ حدیث ہے، علامہ نوویؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں اختصار ہے اور حذف نیز تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ جس کی وضاحت و صحت اگلی دوسری روایت سے ہوتی ہے، مسم کی حدیث میں قسم و جمع فلیت کے بعد حتی نعشی النبی ﷺ کی جگہ حتی نعشی النبی ﷺ ہے (نبی علیہ العین فی العمدہ ص ۶۱۴/۲) اور وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اگرچہ ہم نے ترجمہ روایت بخاری کے مطابق کیا ہے۔ اور ضعیفوں کے مراجع ہم نے عمدۃ القاری سے متعین کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

افادات مکتبی: (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں پر رزق کی تنگی ہو گئی ہو تو حاکم وقت ان کی کفالت بقدر وسعت و منجوش دوسرے لوگوں کے ذمہ کر دے اور حضور علیہ السلام نے کم افراد والے کنبہ اور زیادہ والے کو برابر اس لئے کیا کہ زیادہ افراد والے خود ہی پہلے سے زیر بار ہوتے ہیں اور ان کو اپنے عیال کا خیال بھی زیادہ رکھنا چاہیے، یہ ہدایت تو دوسروں کے لئے تھی، مگر خود حضور علیہ السلام جن پر دس افراد کا بوجھ پہلے سے ہی تھا، پھر بھی آپ نے ایثار کر کے دوسرے دس آدمیوں کا بوجھ اٹھایا، اور حضرت ابوبکرؓ نے تین کی ذمہ داری لی، جبکہ ہدایت نبوی صرف یہ تھی کہ ہر کنبہ والا صرف ایک ایک آدمی کو ساتھ لے جائے اور کھلائے۔ حضرت عمرؓ نے خط کے سال ہر گھر پر گھر کے افراد کے برابر لوگوں کی ذمہ داری سونپی تھی، اور فرمایا تھا کہ کوئی قوم آدمی خوراک کھانے کی وجہ سے ہلاک نہیں ہو سکتی۔ علامہ یعنی نے فرمایا کہ بیشتر علماء کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں دوسرے ناداروں کے حقوق وابستہ ہیں۔ (۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رئیس قوم کے ساتھ کھانا بہتر ہے اگرچہ گھر پر مہمان بھی ہوں، جبکہ گھر پر مہمانوں کی خدمت کرنے کرنے والا موجود ہو، جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے گھر پر موجود تھے اور آپ نے ان کو مہمانوں کی خبر گیری کی تاکید بھی کر دی تھی۔ (۳) گھر کے لوگوں کو خود بھی چاہیے کہ وہ صاحب منزل کی طرح اس کے مہمانوں کا خیال رکھیں۔ (۴) مہمانوں کو چاہیے کہ وہ صاحب منزل کا ادب و لحاظ کریں اور کھانے پر بھی اس کا انتہا کریں، اس کے بغیر کھانے کی حرص نہ کریں، (۵) حضرت ابوبکرؓ کی خاص شان حسب نبوی و مصابحت نبوی کی معلوم ہوئی کہ وہ دن و رات کا اکثر حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گزارتے تھے (۶) کوئی باہرکت چیز گھر میں آئے تو وہ اہل علم و فضل کے پاس بھیجی جائے، جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت

والے کھانے کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ (۷) اس حدیث سے حضرت ابو بکرؓ کی کرامت بھی ثابت ہوئی، اور معلوم ہوا کہ اولیا کی کرامات حق ہیں، یہی مذہب اہل سنت کا ہے (۸) کسی تقصیر پر خوف و ڈر کے سبب اپنے والد یا بڑے سے چھپ جانے کا جواز بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمنؓ بھی چھپ گئے تھے (۹) اولاد کو غصہ کی حالت میں کسی تقصیر پر برا بھلا کہنے کا بھی جواز نکلا (۱۰) قسم بغیر اللہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۱) اگر قسم کسی ناروا بات پر اٹھائی ہو تو اس کو توڑنے کا استحسان بھی معلوم ہوا۔ (۱۲) اگلے دن کے لئے کھانا رکھنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۳) اگر صاحب منزل نے ہدایت کر دی ہو تو مہمانوں کو اس کی غیر موجودگی میں کھانا کھا لینا چاہیے، کیونکہ حضرت ابو بکرؓ مہمانوں کے نہ کھانے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا۔ (۱۴) اس حدیث سے کسی عذر کے تحت ترک جماعت کا جواز بھی معلوم ہوا کیونکہ ہم لٹ (ای فی دارہ) حتی صلیت العشاء ثم رجع الی رسول اللہ ﷺ (وارد ہوا) (عہدہ ص ۶۱۶/۲) غالباً حضرت ابو بکرؓ کا عذر یہ تھا کہ وہ مہمانوں کی دلداری یا ان سے ضروری باتوں کے لئے گھر پر ٹھیرے رہے تا آنکہ جماعت عشاء ہو چکی، تب حضور علیہ السلام کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اور ثم رجع کی جگہ صحیح اسماعیلی میں ثم رجع ہے، شاید اس سے مراد عشاء کی نماز ہو جو گھر پر پڑھ کر حضرت ابو بکرؓ حضور کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادات النور: (۱) فرمایا: اس حدیث میں حلف بغیر اللہ ہے، حالانکہ دوسری حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اس کے بارے میں سب سے بہتر تحقیق جواب صرف علامہ طحطاویؒ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے، مطول کے خطبہ میں ولعمری آگیا ہے، اس پر اسی اعتراض کے دفعیہ میں لکھا کہ ممنوع وہ ہے جو مشروع طریقہ پر ہو اور اس سے مقصود مقسم بہ کی تعظیم ہو یا عدم حٹ کے لئے ہو، اور جو نفوی ہو، محض تقویٰ بہت کلام کے لئے وہ ناجائز و ممنوع نہیں ہے۔ بشرطیکہ سامع کو مغالطہ نہ ہو، کیونکہ جہاں مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہوگا، جیسے قرآن مجید میں صحابہ کو داعنا کہنے سے روک دیا گیا۔ یا جیسے دلائل الخیرات میں ہے حنی لا یبقی من علمک شیء میرے نزدیک یہ الفاظ درست ہیں۔ مگر ابن سعودؒ نے دلائل کا داخذہ حجاز میں بند کر دیا کہ یہ شرک و کفر ہے، غالباً سلف کے اذہان میں بھی یہ نفوی یمنین ہی تھی، جو بمعنی استشہاد تھی، اس لئے اگر نفوی اس کا یہی نام رکھ دیتے تو اچھا تھا تا کہ یمنین شرعی و فقہی سے ممتاز ہو جاتی، لہذا اکوتاہی نام میں ہوئی، حقیقت حلف میں نہیں، مگر کچھ لوگوں سے ذہول و غفلت ہوئی اور انہوں نے یمنین نفوی پر بھی یمنین شرعی کے احکام جاری کر دیئے۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام سے بھی چار جگہ یہ یمنین نفوی یا حلف بغیر اللہ وارد ہے، (۱) قصہ الکلب میں (۲) الفح و البیہ ان صدق میں، اور جو تاویلات و رب ابیہ وغیرہ سے کی گئی ہیں وہ غلط ہیں (۳) لا ازیہد ولا انقص والی حدیث میں (۴) اسی حدیث میں شوکانی نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے بطور سبقت لسانی کے ایسے کلمات قسم کے نکل گئے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں! یہی موقع تھا سو کا جو شرک و کفر کا مقام ہے۔

(۲) فرمایا: بعض چیزیں فی نفسہ جائز ہوتی ہیں، مگر وہ اس لئے ممنوع ہو جاتی ہیں کہ ان سے دوسری غلط جانب کا ایہام و احتمال ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ مطلقاً ممنوع ہی کہہ سکتے ہیں نہ کلیہً جائز ہے۔ مفتی کا فرض ہے کہ وہ دیکھے، اگر ضرر شرعی پائے تو روک دے اور اگر نہ پائے تو جواز پر باقی رکھے، اس باب کی طرف قرآن مجید میں بھی تعرض کیا گیا ہے، چنانچہ داعنا کہنے کی نفسہ جائز ہونے کے باوجود یہود کے ایہام کی وجہ سے روک دیا گیا، لہذا جب یہ مانع نہ رہے گا تو پھر جواز علی الاطلاق کا حکم لوٹ آئے گا۔ اسی طرح کنز کے باب الخطر والاہاحہ میں ہے۔ حاصل یہ کہ جہاں مغالطہ نہ ہو وہاں جائز ہی ہوگا۔

(۳) فرمایا: میرے نزدیک یا شیخ عبدالقادر جیلانی! شیعہ اللہ کہنا اس کے لئے درست ہے جو شیخ عبدالقادر کو عالم الغیب اور قادر نہ دانتا ہو، الا ان یشاء اللہ کہ وہ علم بھی دے سکتا ہے اور اہل اہم بھی کرا سکتا ہے اور یہ جائز ہی ہے، مگر عام طور سے فساد عقیدہ اور مغالطہ پڑنے کی وجہ سے روکا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے کہ اس کی تسبیح پڑھی جائے اگر کوئی ایک ہزار بار بھی اس کا ورد کرے گا تو گھاس کے تنکے کے برابر بھی ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ معصیت بھی نہیں ہے اگر عقیدہ صحیح ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ فتاویٰ خیر یہ میں مذکور ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ذکر بھی موجب ثواب نہیں ہے، حتیٰ کہ محمدؐ کے ورد اور تکرار میں بھی ثواب تھا آپ پر درود شریف بھیجنے میں ہے، یا آپ کے ذکر سیرت وغیرہ میں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اللہ، اللہ کے ذکر منفرد کو بھی بلا اجر قرار دے دیا اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے، اس بارے میں انوار الباری کی سابق جلد میں لکھا گیا ہے)

(۴) فرمایا:۔ مورخ ابن خلکان نے محمود غزنوی کو "امی محض" لکھا، اور یہ بھی کہ اس کے سامنے فقال شافعی نے حنفیہ کی نماز کا ڈراما کیا۔ حنفی نماز کے لئے غیظ سے وضو کیا م تعدیل ارکان نہ کی اور بجائے سلام کے عداً حدث کر کے نماز ختم کر دی اس پر محمود شافعی ہو گیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک حنفی نے شافعی نماز دکھائی، دو مٹکے پانی میں بہت سی نجاست ڈالی پھر اس سے وضو کیا اور نماز شافعی طریقہ پر پڑھی، تو وہ اس سے متعجب ہو گیا۔ ملاحظہ قاری وغیرہ نے جوابات لکھے ہیں حنفیہ کی طرف سے میں نے جواب دیا کہ جو باتیں حنفی نماز میں مخالفین نے دکھائی ہیں اور ان کو نمایاں کیا ہے وہ سب فقہ حنفی میں بھی مکروہ تحریمی ہیں، لیکن فقہائے حنفیہ کی غلطی ہے کہ مکروہ کے لئے بھی جاز اور صحیح لکھ دیتے ہیں، ان کے ایسے تجوزات نے ہی اس قدر مغالطے ڈال دیئے ہیں، مثلاً ہادیہ میں لکھ دیا کہ جس نے ختم نماز پر حدث عمد کیا تو نماز صحیح ہوگئی، حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے، اصحاب متون صرف صحیح و جاز لکھ دیتے ہیں، پھر شروح میں مکروہ تحریمی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے سینکڑوں اعتراض کئے ہیں اور باقی تینوں مذاہب والے بھی اعتراض کرتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں فرق کیا ہے الفاظ میں۔ پس اگر فقہاء حنفیہ بھی جواز و صحت کا اطلاق کراہت پر نہ کرتے تو ہم پر بہت سے اعتراضات نہ ہو سکتے۔ ان کی اس تقصیر اور صحیح و جاز کہنے کی وجہ سے ہم پر بہت سی نصوص ممانعت کی مخالفت کا اعتراض بھی ہوا ہے، اگر مکروہ کہہ دیا جاتا تو وہ اعتراض نہ پڑتا۔ کیونکہ ظاہر الفاظ سے کراہت کی بھی نفی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا جواب میرا یہ ہے کہ طبقات شافعیہ کا درجہ گرا ہوا ہے، کیونکہ اس میں بہت ہی نادریہ کہ کسی محدث سے کوئی تل ہو اور طبقات حنفیہ لکھنے والا محدث ہے، اس میں ہے کہ محمود غزنوی بڑا فقیہ عالم اور حنفی تھا، اس نے مسائل حنفیہ میں کتاب بھی لکھی ہے، لہذا اس کو جاہل و امی لکھنے والے کی غلطی ہے، اور اس کا شافعی ہو جانا بھی غلط ہے، میں نے تینوں مذاہب کے طبقات کا مطالعہ کیا ہے، اور میرے نزدیک طبقات حنفیہ سب میں زیادہ قابل وثوق اور سچی و سچی ہے، دوسری سچی ہیں۔

افادۂ علامہ کوثری: آپ نے اپنی جلیل القدر تالیف تانیب الخطیب ص ۸ لکھا کہ ایک عرصہ مدینک مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے، کیونکہ ان سب کے اصول و مبادی کا سرچشمہ واحد اور انجہا ہات میں یکسانیت تھی، سب کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ خلوص و للہیت تھی، اس کے بعد کچھ شریکین نے جن کے پیشوا حشویہ مبتدعہ رواۃ تھے، دراندازی کر کے تعلقات بگاڑے اور فسادات کرائے، عوام کو بھڑکایا اور امام ابوحنیفہ و اصحاب کے خلاف زہریلا پردہ پیگنڈہ کیا گیا، (جیسا کہ آج کے غیر مقلدین بھی کرتے ہیں، اس کے بعد علامہ کوثری نے شیخ طریقہ عراقیہ کا ذکر کیا، پھر فقال مروزی کا ذکر کیا اور لکھا کہ اس نے اپنے فتاویٰ میں حنفی نماز کا غلط نقشہ کھینچا تھا، اور صاحب مغیث اہل حق نے یہ بھی لکھا کہ اس نے سلطان محمود غزنوی مؤلف "الترید فی الفقہ اھل حق" کے سامنے حنفی نماز بھی پڑھ کر دکھائی تھی، پس اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو گویا ان دونوں شیوخ نے مذہب حنفی کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب نئے ڈھنگ اختیار کئے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ فقال نے صرف اپنے فتاویٰ میں ہی حنفی نماز کی مغالطہ آمیز تصویر دکھائی تھی اور سلطان کے سامنے نماز پڑھ کر نہیں دکھائی تھی، ورنہ اس متدین عالم بادشاہ کی طرف سے اس کو کوڑوں کی سزا ضرور ملتی۔ اور اہل بلاد کے ایک مذہب سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کے افسانے بھی سراسر غلط ہیں، البتہ بعض اہل علم کی روش سے ضرور حیرت ہے کہ انہوں نے مناقب شافعی میں رحلت مکذوبہ اور دوسری من گھڑت و بے سند باتیں بھی امام اعظم وغیرہ کو مطعون کرنے کے لئے چلتی کر دیں، خاص طور سے ابو نعیم اور علامہ محدث بیہقی جیسے حضرات کو بھی ان کے زمرہ

میں دیکھ کر بڑی روحانی کوفت بھی ہوتی ہے، باقی ابن الحوینی شافعی، امام غزالی و رازی وغیرہ جن کو نقد روایات میں کوئی درک نہیں ہے، ان کو ایک حد تک معذور سمجھا جاسکتا ہے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ وہ ابونعیم و ہیثمی وغیرہ کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوں گے۔ الخ پوری کتاب قابل مطالعہ۔ جزی اللہ المؤلف عنا وعن سائر الامۃ خیر الجزاء

## کتاب الاذان

### (اذان کا بیان)

باب بدء الاذان وقوله تعالى و اذا ناديتم الى الصلوة اتخذوها هزوا ولعبا

ذلك بانهم قوم لا يعقلون وقوله تعالى اذا نودي للصلوة من يوم الجمعة

(اذان کی ابتداء کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ اس سے ہنسی مذاق کرتے ہیں یہ اس سبب سے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے)

۵۷۳: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا عبد الوارث قال حدثنا خالد عن ابی قلابه عن انس قال ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهود والنصارى فامر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الإقامة

۵۷۴: حدثنا محمود بن غيلان قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جريح قال اخبرني نافع ان ابن عمر كان يقول كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحنون الصلوة ليس ينادى لها فتكلموا يوما في ذلك فقال بعضهم اتخلو انا قوساً مثل ناقوس النصارى وقال بعضهم بل بوقاً مثل قرن اليهود فقال

عمر او لا تبعثون رجلاً ينادى بالصلوة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بلال قم فناد بالصلوة

ترجمہ ۵۷۳: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ (نماز کے اعلان کے لئے) لوگوں نے آگ اور ناقوس تجویز کیا، پھر یہود و نصاریٰ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا (کہ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں) تب بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت کے ایک ایک مرتبہ۔ ترجمہ ۵۷۴: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں، کہ مسلمان جب مدینہ آئے، تو نماز کے لئے، نماز کے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے، اس وقت تک نماز کے لئے اعلان نہ ہوتا تھا، ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ کوئی اعلان ضرور ہونا چاہیے) بعض نے کہا، کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بٹالو، اور بعض نے کہا، نہیں، بلکہ یہود کے سکھ کی طرح ایک سکھ بٹالو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے، کہ وہ الصلوۃ (الصلوة) پکار دیا کرے، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اے بلال! اٹھو اور نماز کی اطلاع کر دو۔

تشریح: اذان کے معنی اطلاع اور خبر دینے کے ہیں، معروف اذان بھی چونکہ وقت نماز کی خبر دیتی ہے، اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں، نماز اگرچہ مکہ معظمہ میں پانچ وقت کی فرض ہو چکی تھی۔ مگر وہاں اذان وغیرہ کے ذریعہ تشہیر نہ ہو سکتی تھی مدینہ طیبہ پہنچ کر جب مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی سال میں زیادہ ہو گئی تو جماعت کے لئے اجتماع کی صورت کیا ہو، اس کے لئے حضور علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ کیا، اور ابتداء میں حضرت عمرؓ کی رائے سے حضرت بلالؓ کو "الصلوة جماعة" کے ذریعہ لوگوں کو خبر دینے کا حکم نبوی ملا، پھر حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کی موجودہ صورت اور کلمات بتلائے گئے، دوسرے صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا مگر حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو خبر دی تھی، اور جب حضور علیہ السلام کے حکم سے پہلی اذان دی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو سن کر بتلایا کہ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا۔ ایک

روایت مراسل ابی داؤد اور مصنف عبدالرزاق کی یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے وحی الہی بھی اسی کے مطابق آچکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اذان موجودہ کا فیصلہ وحی کے ذریعہ ہوا تھا، اور امام بخاریؒ نے جو ترجمہ الباب میں پہلے دو آیتوں کو ذکر کیا، اس سے بھی اشارہ مقدم وحی کا مل سکتا ہے، دوسرے حضرات جو حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کو سب سے مقدم کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس خواب کی تائید وحی کے ذریعہ ہوئی اور امام بخاری نے تقدم کی وجہ سے نہیں بلکہ تبرک کے لئے آیات ذکر کی ہیں، جس طرح ان کی عادت ہے کہ تراجم میں آیات کو استدلال یا تبرک کے لئے بھی ذکر کیا کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حکم اذان اور مسئلہ ترجیح

اذان نماز جماعت کے لئے سنت موکدہ ہے، شیخ ابن ہمام نے جو جواب کا درجہ سمجھا ہے، وہ صحیح نہیں، دلائل کی تفصیل فقہ کی کتاب بحر الرائق میں موجود ہے۔ اذان کے کلمات حنفیہ کے نزدیک پندرہ ہیں، امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی و مالک کے یہاں انیس کلمات ہیں، اس طرح کہ وہ ہر کلمہ شہادت کو پہلے دو بار آہستہ آواز سے اور پھر دوبار بلند آواز سے بتلاتے ہیں، اور یہ ترجیح کہلاتی ہیں یعنی لوٹا کر پڑھنا یہ ترجیح فرشتے کی اذان میں نہیں تھی، جس نے خواب میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان کی تلقین کی تھی۔ اور نہ اذان بلال میں تھی جو حضور علیہ السلام کی موجودگی میں دس سال تک بلا ترجیح کے ہوتی رہی۔ البتہ حضرت ابو محرزہؓ کی اذان میں تھی، جس کی وجہ خاص تھی، اس لئے اس کو اذان کی صفت نہیں بنا سکتے۔ باقی اگر کوئی کر لے تو گناہ بھی نہیں، مباح ہے، نہ سنت ہے نہ مکروہ (کافی البحر) حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی فیصلہ کو ترجیح دی ہے، اور صاحب النہر نے ترجیح کو کراہت تنزیہی قرار دیا ہے جس کو مولانا عبدالحی لکھنوی نے اختیار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ترجیح کا انکار یا تاویل درست نہیں کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں رہی ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ تک بھی باقی تھی، اسی لئے انہوں نے اس کو اختیار کیا تھا، اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جواز عدم جواز کا نہیں ہے۔

مسئلہ اقامت: امام اعظمؒ کے نزدیک اقامت بھی اذان کی طرح ہے، بجز اضافت قد قامت الصلوٰۃ کے، باقی تینوں ائمہ بجز قد قامت الصلوٰۃ کے ایتار (ایک ایک بار) کے قائل اور امام مالکؒ اس کلمہ میں بھی ایتار کہتے ہیں، اس طرح ہمارے یہاں اقامت کے کلمات سترہ، امام احمد و شافعی کے نزدیک گیارہ اور امام مالک کے یہاں دس ہوتے، ہماری دلیل حضرت ابو محرزہؓ کی اقامت ہے کہ وہ ہر کلمہ کو دو دو بار کہتے تھے، اور ابو داؤد میں فرشتے کی اقامت بھی دو دو بار کی ہے اور بعض طرق میں جو ایک بار کا ذکر ہے، وہ بھی معبود دو بار پر محمول ہوگا کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے اور امام طحاویؒ نے حضرت بلالؓ سے بھی اقامت دو بار نقل کی ہے۔ جس کو محقق امت شیخ تقی الدین بن دقیق العیدؒ نے بھی قبول کیا ہے کافی الزیلعی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت بلالؓ سے ایتار اور شفی دونوں ثابت ہیں، اور شیخ نور الدین طرابلسیؒ نے (جوابن الہام سے متاخر ہیں) ایتار کو بیان جواز پر محمول کیا ہے کیونکہ اکثر توفیقی ہی ہوگا، کبھی کبھی ایتار بھی ہوا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ حنفیہ میں سے کسی سے میں نے جواز ایتار کی صراحت نہیں دیکھی پھر فرمایا کہ احادیث دونوں قسم کی ثابت ہیں، اس لئے میں مشویت کو ترجیح نہیں دے سکا اور فرمایا کہ امام بخاریؒ نے حنفیہ کی اذان اور شافعیہ کی اقامت کو اختیار کیا ہے، حنفیہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اذان بلالؓ کی اور اقامت ابو محرزہؓ کی لی ہے۔ میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہر دو چیزیں نازل من السماء فرشتے کی بھی ہیں، امام ترمذیؒ نے مستقل باب الاقامۃ شفیؒ کی بھی قائم کیا ہے اور حدیث ذکر کی ہے۔ معارف السنن ص ۱۸۸/۲ میں اس پر پوری بحث کی گئی ہے۔

شیخ نور الدین، طرابلسی کا تذکرہ موجودہ کتب طبقات حنفیہ میں نہیں ملا۔ البتہ اس ضمن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ محدث توربشتی حنفی کا بھی ذکر کیا، ان کا ذکر حدائق حنفیہ میں ہے اور مولانا عبدالحلیم چشتی دام فہم نے فوائد جامعہ ص ۲۰۷ میں اچھی تفصیل و تحقیق کی ہے، لیکن



ص ۲۰۹ میں جو عبارت فیض الباری سے نقل کی ہے اور اس کو حضرت علامہ کشمیریؒ کی طرف منسوب کر کے نقد کیا ہے وہاں کی شان تحقیق و وسعت مطالعہ سے بعید ہے کیونکہ ”فیض الباری“ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مرتب ہو کر شائع ہوئی ہے، جس میں بے شمار غلطیاں ہیں، جن کی حضرتؒ کی طرف نسبت صحیح نہیں، اور وہ مؤلف فیض الباری کے عدم تحقیق و ثبوت اور مالی درس کے ضبط کی غلطیاں ہیں۔ اسی لئے رفیق محترم علامہ بنوری دامت برکاتہم نے مقدمہ فیض الباری میں ایسی اغلاط و تسامحات کے بارے میں تنبیہ کر دی تھی تاکہ وہ حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوں، مگر بہت سے حضرات مقدمہ پر نظر نہیں کرتے، یا حضرت شاہ صاحبؒ کی حلات قدر سے ناواقف حضرات مؤلف پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر لیتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی غلطی متعدد اہل علم و صاحب تالیف حضرات کر چکے ہیں۔ اس لئے اب مجھے اس صراحت کے لئے مجبور ہونا پڑا، اور پہلی فیض الباری کی اغلاط سے صرف نظر کرتا تھا، اب مجبوری و ضرورت سے اہم موضوع میں نشان دہی کے ساتھ غلطیوں پر تنبیہ بھی کرنے لگا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وسعت علم و فضل کے لحاظ سے مود سلف تھے، اور درس میں نہایت اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت اور طلبہ کی محدود استعداد کے مطابق بولتے تھے اور اپنی مکمل و مدلل تحقیقات کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ میری یادداشتوں کے تین بکس گھر پر ہیں، یقیناً درس میں جتنا وہ فرماتے تھے، وہ بھی اس دور کے ہر درس حدیث پر فائق تھا، مگر تالیف کا میدان بڑا وسیع ہے، اس کے لئے حضرتؒ کی یادداشتوں کی بھی ضرورت تھی، جو افسوس ہے کہ گھروالوں کی ناقدری کے سبب ضائع ہو گئیں۔ مقدرات میں کسی کا چارہ نہیں۔ ان یادداشتوں میں حضرتؒ کی چالیس سالہ تحقیقات عالیہ نادرہ موجود تھیں، اور اب جو کچھ ہمارے پاس ہیں اس کی حیثیت ”جہد المقل و موم“ سے زیادہ نہیں ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

## باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ

### اذان کے الفاظ دو دو بار کہنے کا بیان

۵۷۵: حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زيد عن سماك ابن عطية عن ايوب عن ابي قلابة عن انس قال امر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الإقامة

۵۷۶: حدثنا محمد بن حاتم قال حدثنا عبد الوهاب الثقفي قال حدثنا خالد بن الحذاء عن ابي قلابة عن انس بن مالك قال لما كثر الناس قال ذكروا ان يعلموا وقت الصلوة بشي يعرفونه، فذكروا

ان يوروا اناراً او يضرهوا ناقوساً فامر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الإقامة

ترجمہ ۵۷۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا گیا تھا، کہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) سوائے قدامت الصلوٰۃ کے طاق کہیں۔۔

ترجمہ ۵۷۶: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ زیادہ (مسلمان) ہوئے، تو انہوں نے تجویز کی کہ نماز کے وقت کی کوئی ایسی علامت مقرر کر دیں، جس سے وہ پہچان لیا کریں (کہ اب نماز تیار ہے) لہذا بعض نے کہا، کہ آگ روشن کر دیں، یا ناقوس بجا دیں، تو بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت میں طاق۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے اذان کے بارے میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، جس کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔

## باب الاقامة واحدة الا قوله 'قد قامت الصلوة'

۵۷۷: حدثنا علي بن عبدالله قال حدثنا اسماعيل بن ابراهيم قال حدثنا خالد الحذاء عن ابي قلابه عن انس قال امر بلال ان يشفع الاذان و ان يوتر الاقامة اسمعيل فذكر له لا يوب فقال الا اقامة ترجمه: حضرت انس روایت کرتے ہیں، کہ بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جنت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) طاق اسمعيل (راوی حدیث) کہتے ہیں میں نے ایوب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا (ہاں) اقامت اکبری ہوئی چاہیے، البتہ قد قامت الصلوة (دومرتبہ کہا جائے)

تشریح: امام بخاری نے اقامت کے بارے میں شافعی کی موافقت کی ہے، اس کی تفصیل اور دلیل بھی پہلے ذکر ہوئی۔

## باب فضل التاذین

۵۷۸: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اذانودي للصلوة ادبر الشيطان له ضراط حتى لا يسمع التاذين فاذا قضى النداء اقبل حتى اذا ثوب بالصلوة ادبر حتى اذا قضى التوب اقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول اذكر كذا اذكر كذا لما لم يكن يتذكر حتى يظل الرجل لا يدري كم صلى

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اذان کہی جاتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے (اور مارے خوف کے) وہ گوز مارتا جاتا ہے، اور اس حد تک بھاگتا چلا جاتا ہے کہ، اذان کی آواز نہ سنے جب اذان ختم ہو جاتی ہے، تو پھر واپس آ جاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے، تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، حتیٰ کہ جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے، تاکہ آدمی کے دل میں وسوسے ڈالے، کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر، وہ (تمام) باتیں جو اس کو یاد نہ تھیں (یا دلاتا ہے) یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے، کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر اذان کی فضیلت نماز سے بھی بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مگر واقعہ یہ کہ ہر عمل کے خواص الگ ہوتے ہیں، اذان میں چونکہ اعلان ہے شہادتین کا اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مؤذن کی شہادت کی گواہی ہر خشک و تر چیز اور جن وانس دیں گے، شیطان کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی بھی کسی مومن کے ایمان و شہادت کی گواہی دے، چہ جائیکہ ساری مخلوق مؤذن کے لئے گواہ بنے گی، اس لئے وہ اذان سن کر بری طرح خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ہوتا ہے، اور اس کو سننے کی تاب نہ لا کر اس سے اتنی دور بھاگتا ہے کہ آواز نہ سن سکے۔ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ روحا تک چلا جاتا ہے جو مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے۔ لیکن نماز کے اندر اگرچہ وہ افضل عبادات ہے یہ خاصہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خدا کی مناجات و سرگوشی ہے، اس میں اعلان کی صورت نہیں، اس لئے شروع ہوتے ہی شیطان لوٹ آتا ہے اور اس میں طرح طرح سے غفل اندازی کرتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے، خیالات کو افعال صلوٰۃ سے ہٹا کر ادھر ادھر کرنے کی سعی کرتا ہے، حتیٰ کہ جو بات یاد کرنے سے بھی یاد نہ آتی ہو، نماز میں اس کو بھی یاد دلاتا ہے، اور اسی لئے امام اعظمؒ کا واقعہ ہے کہ کوئی شخص گھر کا اپنا دھن بھول گیا، کسی طرح یاد نہ آتا تھا کہ کس جگہ دفن کیا ہے۔ امام صاحب سے عرض کیا، آپ نے فرمایا گھر جا کر رات بھر نظلیں پڑھ اور خیال رکھنا کہ بجز نماز کے اور کسی دنیا کی بات کی طرف وھیان ہرگز نہ ہو، اس نے اس طرح کیا تو شیطان نے یہ سوچ کر کہ یہ تو ساری نظلیں اور وہ بھی اس شان سے پڑھ کر جو امام صاحب نے بتلائی ہیں، خدا کا ایک ہی رات میں مقرب ترین بندہ بن جائے گا، اس کو جلد ہی وہ دھن کی جگہ یاد دلا دی، اور اس نے نماز ختم

کر کے اس جگہ کو کھودا تو وہ دفیئہ نکل آیا۔ امام صاحبؒ کی اس منقبت کے واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری ص ۲/۵۸ میں قولہ لیسالم یکن یدکمر کے تحت ذکر کیا ہے، جس کو نقل کر کے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ کا بھی عجیب حال ہے کہ جب مسائل فقہی کی اسحات آتی ہیں تو حنفی مسلک کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور رجال حنفیہ کو بھی گرانے کی سعی ہمیشہ کرتے ہیں، اور امام صاحبؒ کی بزرگی و بڑائی ثابت کرنے کے لئے ایسی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو علوم امام اعظمؒ کے مقابلے میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتیں۔

## باب رفع الصوت بالنداء وقال عمر بن عبدالعزيز اذنا سمحاً والا فاعتزلنا

(اذان میں آواز بلند کرنے کا بیان اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (اپنے موزن سے) کہا تھا کہ صاف اور سیدھی سیدھی اذان کہو ورنہ دور ہو جاؤ)

حافظ نے اذان کی فضیلت کے بارے میں ۵-۶ اقوال ذکر کئے ہیں اور علامہ عینیؒ نے بھی اذان و موزن کی فضیلت میں بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ (فتح ص ۲/۵۸ جلد ۲ ص ۶۳)

حافظ نے علامہ ابن الجوزیؒ کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ اذان کے لئے خاص بیت درعب ہوتا ہے جس سے شیطان سخت ہیبت زدہ ہو کر بھاگتا ہے کیونکہ اذان ایسی عبادت ہے جس میں کوئی ریا اور غفلت نہیں ہوتی شیطان کے دور ہونے کی وجہ سے، بخلاف نماز کے کہ اس میں شیطان کی دراندازی کے سبب غفلت، ریا اور انواع و اقسام کے وساوس ہجوم کرتے ہیں۔

حافظ عینیؒ نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ جب کسی بستی میں اذان دی جاتی ہے تو اس دن میں وہ بستی عذاب الہی سے محفوظ رہتی ہے، آخر میں حدیث ارشاد لائے و مغفرت للمؤمنین ذکر کر کے لکھا کہ اس کی وجہ سے امام شافعیؒ نے اذان کو امامت سے افضل قرار دیا ہے، مگر ہمارے نزدیک امامت افضل ہے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کا وظیفہ ہے،

## افادات شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے اوچر ص ۱۸۳/۱ میں لکھا: حدیث نبوی سے بعض سلف نے اذان غیر وقت صلوٰۃ بھی دفع اثرات شیطانی و جنات کے لئے ثابت کی ہے، مسلم شریف میں سہیل بن ابی صالح کی روایت ہے، جس میں انہوں نے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سننے کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا تو فرمایا کہ جب ایسی کوئی آواز سنو تو اذان کہو۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا کہ زید بن اسلم، معدن بنی سلیم پر عامل بنا کر بھیجے گئے، جہاں لوگوں کو جن ستاتے تھے، جب ان لوگوں نے شکایت کی تو حضرت زیدؒ نے ان کو بلند آواز سے اذان دینے کا مشورہ دیا، انہوں نے ایسا کیا تو پھر ان کو جنوں نے نہیں ستایا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھوت پریت کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بھی اذان کا ہی مشورہ دیا۔

سعیہ میں ہے کہ اذان کی اصل وضع تو نماز ہی کے لئے تھی، پھر وہ دوسرے مواقع میں بھی مستعمل ہوئی، مثلاً ولادت مولود پر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت منسوب ہوئی، جن، بھوت پریت کا جہاں اثر ہو وہاں بھی اذان دی جاتی ہے، جب سواری کا جانور سرکشی کرے یا کسی بدکردار، بد اخلاق آدمی سے واسطہ پڑے تو اس کے کان میں اذان دی جائے، غم زدہ، مرگی کے مریض اور غضبناک آدمی کے لئے بھی اذان اس کے کان میں دینا مفید ہے، لڑائی کے میدان میں جنگ کے وقت، آگ لگ جانے پر اور جنگل میں راستہ گم ہو جانے پر بھی اذان دینی چاہیے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے دس مواقع شمار کئے ہیں۔

۵۷۹: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن عبد الرحمن بن عبد الله بن عبد الرحمن بن ابی صمصمة الانصاری ثم المازنی عن ابیه انه اخبره ان اباسعيد بن الخدیری قال له انی اراک تحب الغنم والبادیة فاذا کنت فی غنمک اوبادیته فاذنت للصلوة فارفع صوتک بالنداء فانه لا یسمع مدی صوت

المؤذن جن ولا نس ولاشی الاشهد له یوم القیمة قال ابوسعید سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبد الرحمنؓ روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابوسعید خدریؓ نے کہا، کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو (تو میری ایک نصیحت کو یاد رکھو) جب تم اپنی بکریوں (کے گلدے) میں یا اپنے جنگل میں ہو، اور نماز کے لئے اذان کہو، تو اذان دینے وقت اپنی آواز بلند کرو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز کو جو کوئی جن یا انس یا اور کوئی سنے گا تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دے گا، ابو سعدی کہتے ہیں کہ میں نے یہ رسول خدا ﷺ سے سنا تھا۔

تشریح: حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے سادہ اور رواں اذان کی تلقین فرمائی تاکہ اس میں تصنع اور تقنی کی کیفیت پیدا نہ ہو، جس سے خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے۔ بلند آواز کرنے سے نہیں روکا کیونکہ وہ تو مطلوب ہے۔ اسلئے رفع صوت کا حکم جنگل کی اذان میں بھی وارد ہوا، جبکہ وہاں انسان نہ ہوں کیونکہ وہاں بھی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، اس کو سننے والے قیامت میں گواہی دیں گے۔ اور موطن امام، لک میں تو یہ حدیث بھی ہے جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں ہو کر فرشتے بھی ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اگر اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر کثیر تعداد میں فرشتے جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ (ادب ج ۱ ص ۱۹۵)

علامہ باجیؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا جماعت کبیرہ و صغیرہ کے ثواب میں فرق ہے، اور مالکیہ سے جو نقل ہوا کہ ایک شخص اور جماعت کثیرہ کا ثواب برابر ہے، وہ مرجوح ہے، لہذا ائمہ ثلاثہ کا مسلک مذکورہ بالا رائج ہے (”حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد باب فضل المشی الی الصلوۃ میں بھی حدیث ہے کہ نماز جماعت کا ثواب پچیس گنا ہے اور اگر جنگل میں رکوع و سجود اچھی طرح کر کے پڑھے تو پچاس گنا ثواب ملے گا۔ لیکن یہ امر اتفاقی صورت کے لئے ہے کہ کسی ضرورت سے جنگل جائے یا سفر میں ہو تو ثواب زیادہ حاصل ہوگا یہ نہیں کہ بے ضرورت آبادی کی مساجد جماعت ترک کر کے زیادہ ثواب کے خیال سے جنگل کا رخ کرے اگر ایسا ہوتا تو سلف سے ضرور منقول ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی تحقیق کی ہے۔

## باب ما یحقن بالاذان من الدماء

(اذان سن کر قتال و خونریزی سے رک جانا)

۵۸۰: حدثنا قتیبة قال لنا اسمعیل بن جعفر عن حمید عن الس عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان

اذا غزاہنا قوماً لم یکن یغیر بنا حتی یصبح وینتظر فان سمع اذا ناکف عنهم وان لم یسمع اذانا

اغار علیہم قال فخر جنا الی خیبر فانتھینا الیہم لیلاً فلما اصبیح ولم یسمع اذانا رکب و رکبت خلف ابی

طلحہ و ان قدمی لتمس قدم النبی صلی الله علیه وسلم قال فخرجوا الینا بمکاتلہم و مساحیہم فلما

راوا النبی صلی الله علیه وسلم قالوا محمد واللہ محمد والخمیس قال فلما راہم رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قال اللہ اکبر اللہ اکبر خربت خیبر انما اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو ہم سے لوٹ مار نہ کرواتے

تھے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، اور آپ انتظار کرتے۔ اگر اذان سن لیتے، تو ان لوگوں (کے قتل) سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، ہم خیبر کی طرف (جہاد کو) نکلے تو ہم رات کو ان کے قریب پہنچے، جب صبح ہو گئی، اور آپ نے اذان نہ سنی، تو سوار ہو گئے، اور میں ابو طلحہؓ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا پیرونی کریم ﷺ کے پیروں کو چھو رہا تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ خیبر کے لوگ اپنے تھیلے اور پھاڑے لئے ہوئے ہماری طرف آئے اور جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو کہنے لگے کہ ”محمد اللہ کی قسم محمد اور اس کا لشکر“ (آگئے) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ان کو رسول خدا ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، کہ اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر پر باد ہو گیا، بے شک جب ہم کسی قوم کے میدان میں (بqvدد جنگ) اترتے ہیں، تو ان ڈرائے ہوؤں کی صبح خراب ہو جاتی ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ جس طرح اسلام کا اظہار قول اور شہادت تو حید و رسالت سے ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک عمل سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ کسی کافر اصلی کو اگر اذان پڑھتے سنیں گے خواہ وہ شہادتین ادا نہ کر رہا ہو تب بھی اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا، پھر جب تک اس سے کوئی کفر کا عمل نہ دیکھیں گے اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے۔ نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھتے دیکھا تو اس کو بھی قتل کرنا جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ وجہ یہ کہ اذان قولی شہادت ہے اور یہ عملی۔ لہذا شبہ پڑ گیا جو نماز جماعت کی وجہ سے رفع ہو گیا۔

### قوله و ان قدمی لتمس قدم النبی علیہ السلام

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلے بخاری ص ۵۳ میں بجائے قدم کے فخر روایت کیا گیا ہے، اور وہاں بحث ہو چکی ہے، انوار الباری ص ۱۶۵/۹ میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

### باب ما یقول اذا سمع المنادی

#### (اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہئے)

۵۸۱: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن عطاء بن یزید اللیثی عن ابی

سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن

۵۸۲: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن یحیی عن محمد بن ابراهیم ابن الحارث قال حدثنی

عیسیٰ بن طلحة انه سمع معاویة یوماً فقال بمثله الی قوله واشهد ان محمداً رسول الله

۵۸۳: حدثنا اسحق قال حدثنا وهب بن جریر قال حدثنا هشام عن یحیی نحوه قال یحیی وحدثنی

بعض اخواننا انه قال لما قال حی علی الصلوة قال لا حول ولا قوة الا بالله و قال هنکذا سمعنا نبیکم

صلی الله علیہ وسلم یقول

ترجمہ ۵۸۱: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح مؤذن کہہ رہا ہو ترجمہ ۵۸۲: حضرت یحییٰ بن طور روایت کرتے ہیں، کہ میں نے ایک دن حضرت معاویہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اشہد ان محمداً رسول الله تک اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا:۔

ترجمہ ۵۸۳: یحییٰ اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اور یحییٰ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے بیان کیا، کہ مؤذن نے جب حی علی الصلوة کہا تو معاویہؓ نے لا حول ولا قوة الا بالله، کہا، اور کہا، کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ جواب اذان میں تین صورتیں ہیں، یعنی وہی کلمات ادا کرے جو مؤذن کہتا ہے، حتیٰ علی الصلوٰۃ پر لا حول پڑھے اور حتیٰ علی الفلاح پڑھے۔ باقی کلمات مؤذن کی طرح کہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حتیٰ علی الصلوٰۃ اور حتیٰ علی الفلاح پر یہ کلمات بھی کہنا اور لا حول بھی پڑھے۔ اس قول کو شیخ ابن ہمام حنفیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کو انہوں نے بعض مشائخ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، غالباً مراد حضرت شیخ اکبرؒ ہیں، جن کے وہ معتقدین میں سے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے تقریباً پندرہ سال تک اسی پر عمل کیا، پھر مجھے اس امر کے لئے انشراح ہوا کہ شارح کا مقصد تخمیر ہے، جمع نہیں، اور یہی دوسرے اذکار میں بھی سنت ہے، کہ اذکار ماثورہ میں سے کبھی کسی کو اختیار کر لے اور کبھی دوسرے۔ لہذا جمع کا قول صرف شیخ اکبرؒ کا ہے، جس کو ابن ہمام نے بھی اختیار کیا ہے۔ حافظؒ نے علامہ محدث ابن المنذرؒ سے نقل کیا کہ شاید یہ اختلاف اباحت کا ہو کہ کبھی حتیٰ علی الصلوٰۃ و حتیٰ علی الفلاح پر مؤذن کی طرح ان ہی کو دہرا دے اور کبھی ان دونوں کو سن کر لا حول پڑھے، (فتح الباری ص ۶۱/۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام مؤذن کی شہادت سن کر دادا دانا فرمایا کرتے تھے۔

ان متعدد روایات مختلفہ سے حضرت کا رجحان یہی ہوا کہ شارح کی طرف سے تخمیر کا اشارہ ہے، اور مولانا عبدالحقؒ نے (حاشیہ شرح دقاییہ) میں حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے بھی منہاج السنہ سے اسی کے موافق نقل کی ہے، ان کی تعبیر یہ ہے کہ جہاں احادیث میں مختلف وجوہ ماثورہ ہیں، وہاں کبھی تو اختلاف تضاد کا ہوتا ہے اور کبھی اختلاف تنوع کا ہوتا ہے، تنوع کی صورت میں تخمیر ہوگی کہ ہر روایت پر عمل درست ہوگا، تضاد کی صورت میں ایک پر عمل جائز اور دوسرے پر نادرست۔

اختلاف تنوع میں قراءت کا اختلاف، تشہید کا تنوع، صفات استعاذہ کا تعدد، انواع ادعیہ و اذکار، اور نماز نفل میں قیام و تعوذ وغیرہ ذکر کی ہیں۔ البتہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ادعیہ (اذکار ماثورہ متنوعہ میں یہ تفرد کیا ہے کہ جمع بین الاذکار و الادعیہ کو وہ خلاف سنت کہتے ہیں، حالانکہ جب وہ سب باوقات مختلفہ حضور اکرم ﷺ سے ماثور ہیں تو ان کو ایک جگہ اور ایک وقت میں جمع کرنا بدعت کیسے ہو جائے گا۔

### بدعت و سنت کا فرق

فتح الملہم ص ۴۰۶/۳ میں حدیث ”کمل بدعة ضلالة“ کے تحت نہایت مفید بحث درج ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:- حضرت طاہلی قارئیؒ نے فرمایا کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت سیدہ ہے، کیونکہ حدیث ”من سن سنة حسنة فله اجرها و اجرو من عمل بها“ سے ثابت ہوا کہ نیا طریقہ حسن بھی ہوتا ہے جیسے حضرت ابو بکر و عمر کا جمع قرآن وغیرہ علامہ نوویؒ نے لکھا شرعاً بدعت ہر وہ فعل ہے جس کی کوئی اصل عہد نبوت میں نہ ملتی ہو، اور کمل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے اسی لئے شیخ عزالدین بن عبد السلام نے آخر کتاب القواعد میں لکھا کہ بعض بدعت واجب ہوتی ہیں جیسے علم و نحو کا سیکنا فہم کلام اللہ کے لئے، با علم اصول فقہ، علم کلام، فن جرح و تعدیل کا حاصل کرنا۔ بعض بدعت حرام ہیں، جیسے جبر، یہ قدریہ، مرجحہ، مجسمہ کے نظریات کہ ان کا رد بھی بدعات واجبہ میں سے ہے کیونکہ حفاظت شریعت فرض کفایہ ہے۔ بعض بدعت مستحب ہیں، جیسے سرحدات دارالاسلام یا مدارس اسلامیہ کا قائم کرنا اور دوسری وہ سب بہتر مفید چیزیں جو صدر اول میں نہ تھیں جیسے نماز تراویح عام جماعت کے ساتھ اور دقائق صوفیہ میں کلام وغیرہ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے مساجد کی تزئین یا مصاحف کی ترویق، عند الشافعیہ، (وہ عند الحنفیہ مباح ہیں) بعض بدعات مباح ہیں، جیسے نماز صبح و عصر کے بعد مصافحہ عند الشافعیہ (عند الحنفیہ مکروہ ہے) یا جیسے طعام و لباس و

۱۔ اس واقع پر فیض الباری ص ۱۶۳/۲ میں مسلم ص ۱۶۷ کا حوالہ حضرت کی طرف منسوب ہوا ہے، کیونکہ حضرت نے صرف ایک حدیث کا حوالہ بغیر نام کتاب کے دیا تھا، اور وہ حدیث مسلم میں نہیں بلکہ ابوداؤد ص ۷۷/۱ میں ہے۔ اگر مؤلف فیض الباری ضبط میں غلطی نہ کرتے یا پھر مراد بدعت کر کے حوالہ کی تخریج کر لینے تو یہ غلطی حضرت کی طرف منسوب نہ ہوتی۔ واللہ المستعان (مؤلف)

مساکن کے تکلفات و توسعات امام شافعی کا ارشاد یہ ہے کہ جو نئی چیزیں کتاب، سنت، اثر و جماع کے مخالف ہیں وہ بدعت و گمراہی ہیں۔ اور جو بہتر امور ہیں اور ان کے مخالف بھی نہیں ہیں وہ مذموم نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے قیام رمضان کو "نعت البدعة ہذہ" فرمایا تھا، علامہ شاطبی نے شیخ موصوف کی اس تقسیم پر رد و قدح بھی کی۔ جس کی مراجعت علماء کے لئے مفید ہے۔ تاہم علامہ مثانی نے بطور حاصل بحث کے لکھا کہ اصل الاصول بدعت و سنت کے بارے میں ارشاد نبوی "من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو رد" ہے، اور مراد امر سے دینی ہے، لہذا ہر نئی بات رد نہ ہوگی بلکہ صرف وہ امور ہوں گے جو دین میں بطور اضافہ کے ہوں گے، لہذا اس سے توسع مطامع و مراکب وغیرہ امور مباحہ خارج ہوں گے، اور وہ رسول بھی جو علی وجہ اقرب و حصول ثواب نہ ہوں۔ اور ممالیس منہ سے ثابت ہوا کہ جن امور کے لئے کتاب، سنت نبوی، سنت خلفائے راشدین و تعامل سلف یا اجتہاد معتبر میں کوئی اصل نہ ہو صرف وہ بدعت شریعہ میں داخل ہوں گے الخ آ کے ص ۲/۴۱۰ تک مزید تفصیل و تشریح ہے اور سب ہی لائق مطالعہ ہے۔

لہذا آج کل جو سنی حضرات ہر چیز پر بلاوجہ بدعت و شرک کا حکم لگا دیتے ہیں، وہ درست نہیں، جس طرح اہل بدعت بہت سی رسوم مردہ غیر شرعیہ کو بھی بدعت سے خارج کرتے ہیں، یہ دونوں طریقے افراط و تفریط کے ہیں۔

### فرض نمازوں کے بعد دعا کا مسئلہ

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد اول میں دو جگہ اور حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس دعا کو خلاف سنت قرار دیا ہے، فرق یہ ہے کہ علامہ نے امام مقتدی کے لئے تو دعا بعد الصلوٰۃ کو خلاف سنت کہا اور کہا کہ اصحاب امام شافعی و احمد نے امام مقتدی کے لئے بعد نماز کے دعا کو جو لکھا ہے وہ خلاف سنت ہے۔ مگر مفرد کے لئے اس کو خلاف سنت نہیں قرار دیا بلکہ صراحت کر دی کہ اگر مفرد نماز کے بعد دعا کرے گا تو یہ خلاف سنت نہ ہوگا۔ (فتاویٰ ص ۱/۲۰۴)

حافظ ابن قیمؒ نے اگرچہ یہ لکھا ہے کہ جس طرح میرے استاذ ابن تیمیہؒ نے دعا قبل السلام کو ترجیح دی ہے، میں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر انہوں نے اپنے استاذ کے خلاف دعاء بعد السلام من الصلوٰۃ مستقبل القبلة کو خواہ وہ مفرد سے ہو یا امام و مقتدی سے، سب ہی کو خلاف سنت کہا ہے، ملاحظہ ہو فتح البلیغ ص ۱/۱۷۵، اس فرق کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی، حافظ کا نقد: آپ نے فتح الباری میں لکھا کہ ابن قیمؒ کا مطلقاً نفی دعا بعد السلام کا دعوے مردود ہے، کیونکہ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور علیہ السلام نے بعد نماز دعا کی تاکید فرمائی تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی دعا بعد الصلوٰۃ مردی ہے حافظ نے ان احادیث کی تخریج و تصحیح بھی کی ہے، پھر دعائیں ہاتھ اٹھانے کو بھی ثابت کیا ہے، اور دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھوں کے پھیرنے کو بھی احادیث سے ثابت کیا ہے اور محدث منذری دونوں کی تحقیق کا بھی حوالہ دیا ہے (فتح البلیغ ص ۲/۱۷۵)

واضح ہو ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ غالباً حافظ کو علامہ ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ نہیں ملے، ورنہ وہ ابن قیمؒ کے ساتھ ان کا بھی رد کرتے، جیسا کہ دوسرے بہت سے عقائد و کلام کے مسائل میں علامہ کا نام لے کر ان کا قوی و مستحکم رد کیا ہے۔ اعلام السنن ص ۱۹۹/۳/۲۱۷ میں وہ سب احادیث جمع کر دی گئی جن سے اجتماعی دعاء بعد الصلوٰۃ، رفع یدین فی الدعاء، اور مسح الوجہ بعد الدعاء سب امور کا اثبات ہوتا ہے، اور کہی جگہ حافظ ابن قیمؒ کا رد کیا گیا ہے، (ابن تیمیہؒ کا ذکر ان سے بھی رہ گیا ہے)

افادۃ النور: حضرتؒ نے فرمایا: ترمذی شریف میں نمازوں کے بعد تسبیح و اذکار کا باب باندھا گیا ہے، اور علامہ جزری نے حصن حصین میں، علامہ نووی نے الاذکار میں اور محدث ابن السنی نے بھی محل الیوم و الیلہ میں بعد نماز کے اذکار جمع کئے ہیں، اور جامع صغیر میں حدیث

ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، لیکن حدیث میں ادبار الصلوٰۃ ہے، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے بعد التہجد قبل السلام پر محمول کیا ہے اور ان کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے اندر دعا ہو، بعد نماز کی دعا کے وہ منکر و مخالف ہیں حالانکہ احادیث تسبیح اور بار صلوٰۃ میں نماز کے بعد ہی کی تسبیحات مراد ہیں کہ فاذا صلیتم فقولوا سبحان اللہ الخ واروہ۔ اور بخاری کی کتاب الدعوات میں بھی دیر کل صلوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ میں خلف کل صلوٰۃ اور حدیث ابی ذر میں اثر کل صلوٰۃ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب نماز کے بعد کے لئے ہے، نماز کے اندر سے متعلق نہیں ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد اگر چہ بدعت اجتماع، ہاتھ اٹھا کر دعا مانور نہیں ہے، لیکن حضور علیہ السلام سے ناقلہ کے بعد تو ثابت ہے، جیسے نماز استسقاء کے بعد اور بیت ام سلیم کی نماز کے بعد۔ دوسرے یہ کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کے لئے قوی تر غیبات بھی حضور علیہ السلام سے ثابت ہیں، لہذا اس جیسے معاملہ میں بدعت کا حکم لگا دینا صحیح نہ ہوگا۔ یعنی ہماری موجودہ ہیئت کذا کی والی دعا بعد الصلوٰۃ کو اگر سنت بایں معنی نہ بھی کہیں کہ بعینہ اس کا ثبوت حضور علیہ السلام سے نہیں ہوا تب بھی اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے اور بدعت وہ ہے جس کی اصل دین میں موجود نہ ہو۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان دینا بھی خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت نہیں ہے، البتہ اس کے لئے فضیلت وغیرہ کے ارشادات ثابت ہیں، اس لئے اس کو بھی بدعت یا خلاف سنت نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح چاشت کی نماز کہ اس کی فضیلت بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہے اگرچہ خود حضور علیہ السلام کے فعل سے اس کا ثبوت کم ہے اسی لئے اس کو بھی بعض لوگوں نے بدعت کہہ دیا ہے۔

لہذا اگر فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا التزام بھی کیا جائے تو وہ حضور علیہ السلام کی قوی تر غیبات کے تحت آتا ہے اگرچہ خود اس کو حضور نے کثرت سے نہیں کیا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔

ترمذی باب ما یقول اذا مسلم کے تحت حضرتؒ نے فرمایا کہ شیخ ابن الہمامؒ نے فرض کے بعد مصلیٰ سنن کی ادائیگی کو ترجیح دی ہے اور اذکار کو بعد الرواتب رکھا ہے، اور اذکار ماثورہ کے بارے میں یہ بھی لکھا کہ حضور علیہ السلام سے اذکار بعد الصلوٰۃ بہ کثرت ثابت ہیں۔ اس لئے بظاہر وہ کبھی کوئی ذکر اختیار فرماتے تھے، کبھی دوسرا، اور ایک وقت میں سب کو جمع نہ فرماتے ہوں گے۔

علامہ بنوری دام فضلہ نے لکھا کہ شیخ ابن ہمامؒ کی تحقیق نقل کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ان ہی کی تحقیق زیادہ پسند تھی، اور فرض و رواتب کے درمیان فصل اذکار کو مرجوح سمجھتے تھے، بخلاف اس کے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جتہ اللہ میں اذکار کثیرہ ذکر کر کے ان کو قبل رواتب کے اولیٰ قرار دیا ہے، ان کی تحقیق دل کو نہیں لگتی۔ (معارف ص ۱۱۸/۳)

علامہ موصوف نے بھی دعا بعد الصلوٰۃ کے لئے تنبیہ والفاظ کا عنوان دے کر ۳/۱۲۱ تا ۳/۱۲۵ عمدہ دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ روایت کے بعد دعا دہانی کا جو رواج بعض علاقوں میں ہو گیا ہے وہ ضرور بدعت ہے۔ اس سلسلہ میں اعلاء السنن ص ۱۹۹ و ۲۱۶ و ۳ بھی مستحق مراجعت ہے۔

## اکابر امت حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر میں

اوپر کی بحث میں شیخ ابن ہمامؒ کا ذکر ہوا کہ وہ شیخ اکبر محمد بن الدین بن عربی کے معتقدین میں سے تھے، اس سلسلہ میں حضرتؒ نے فرمایا: حافظ ابن حجرؒ شیخ اکبر سے خوش نہیں ہیں اور علامہ ابن تیمیہؒ تو ان کے شدید مخالف ہیں بلکہ ان پر زندق کا حکم لگاتے ہیں لیکن میرے نزدیک شیخ اکبر اکابر امت میں سے ہیں اور علم حقائق میں تو ساق نایات ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ بھی علوم کے بحر موجاں ہیں، مگر انہوں نے بہت سے مسائل اصول و فروع میں جمہور امت سے تفرد و شذوذ کیا ہے یعنی ان سب سے الگ مسلک اختیار کیا ہے، حالانکہ حق جمہور ہی کے ساتھ ہے، نیز ان کے مزاج میں حدت و شدت ہے اور اپنی تحقیق کو وحی الہی کے برابر سمجھتے ہیں اگرچہ وہ خلاف واقع ہوتی ہے، پھر اپنے کسی بھی مخالف کی پرواہ



نہیں کرتے اگرچہ وہ حق پر ہو۔ یہ لوگوں کے طبقات و مدارج ہیں، کسی میں اعتدال و انصاف کی شان نمایاں ہوتی ہے جیسے شیخ تقی الدین بن دقین العید، علامہ ابن عبدالبر اور زبلی حنفی وغیرہ بعض میں انتہائی حقیقت اور بیدار مغزی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی شدت تعصب بھی جیسے حافظ ابن حجر اور ان کی فتح الباری میں حوالے بھی غلط ہوتے ہیں۔ تاہم وہ بڑے محدث اور محقق ہیں، بلکہ حافظ الدین کا کہلانے کے بجا مستحق۔

علامہ سیوطی و ذہبی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں محدث تھے مگر معقول سے عاری تھے۔ حالانکہ فلسفہ کا علم بھی ضروری ہے اور پہلے صوفیاء سب حاذق تھے فلسفہ کے۔ امام غزالی عارف محقق ہیں مگر حدیث میں کمی ہے اور فلسفی بھی کامل نہیں ہیں۔

علامہ سبکی علم عقائد و اصول میں بڑا پایہ رکھتے ہیں اور ان کی کتاب شرح عقائد ماریڈ میل جائے تو بہت ہی اچھی کتاب ہے، اس میں انہوں نے ماریڈ یہ و اشاعرہ کے اختلاف کو کم کیا ہے اور بعض اختلافات کو نزاع لفظی کی طرف راجع کیا ہے۔ وہ علامہ ابن تیمیہ سے ہر علم میں آگے تھے۔ (انہوں نے ابن تیمیہ کا رد بھی کیا ہے)۔

علامہ سبکی م ۵۹۶ھ مصر میں علماء کے مرکز تھے، علامہ صفدی نے کہا کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام غزالی کے بعد سبکی جیسا عالم پیدا نہیں ہوا، میرے نزدیک یہ کہہ کر لوگ سبکی پر ظلم کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں سفیان ثوری کے درجہ میں تھے، علامہ چاروں فقہی مسالک سے یکساں باخبر تھے، آپ نے مسئلہ زیارۃ نبویہ پر علامہ ابن تیمیہ کے رد میں ”شفاء القام“ اور نوینیہ ابن قیم کے رد میں ”السیف الصیقل“ لکھ کر علم و تحقیق کی شان دوبالا کی ہے، اور بہت سے اصول و عقائد پر لاثانی کلام کیا ہے۔

فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں نے امت کو بہت ضرر پہنچایا ہے، کیونکہ ان سے اغلاط فاش ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان علامہ ابن قیم م ۵۷۱ھ گزرے ہیں، جنہوں نے بہت اہم مفید علمی کتابیں لکھیں، لیکن خاص طور سے ایک کتاب فقہ میں اعلام الموقعین لکھی، جس میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظمؒ اور ان کی فقہ کے خلاف نہایت مضمر اور زہریلا مواد فراہم کیا، جس سے دور حاضر کے غیر مقلدین نے تفریق کلمہ مسلمین کا کام لیا، حالانکہ علامہ ابن قیم نے وہی اعتراضات نئے سرے سے اٹھائے ہیں جو محدث ابن ابی شیبہؒ نے سینکڑوں سال قبل اپنی مصنف میں ذکر کئے تھے اور ان کے محدثانہ و محققانہ جوابات بار بار دیئے جا چکے تھے، بلکہ بقول علامہ کوثریؒ کے ان اعتراضات کو جو محدث موصوف نے بڑی متانت اور ادب و تہذیب کے ساتھ پیش کئے تھے، علامہ ابن قیم نے ان کو نہایت ہولناک بلکہ رد و برق بنا کر انتہائی غیر مہذب لب و لہجہ میں ذکر کیا ہے، یہ درحقیقت خود ان کا اپنا خالص جذباتی اور متعصبانہ رویہ تھا یا دوسرے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر نشانہ بازی کی مشق تھی جس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ ان میں اکثر اعتراضات ایسے تھے کہ علم حدیث کا ایک اچھا طالب علم بھی ان کا دفعیہ آسانی سے کر سکتا ہے اور صرف ان کا عشر عشر ہی ایسا تھا کہ بڑے محدثین ان کا جواب دے سکتے تھے، اور وہ جوابات بھی اکابر محدثین دے چکے تھے، پھر علامہ کوثریؒ نے ان جوابی تالیفات کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے (ص ۱۵۸ حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ انفس میں ہے یہ کتاب بغیر کسی جوابی تالیف کو حاشیہ بنانے کے شائع کی گئی اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ہندوستان میں شائع کیا گیا، جس کو مولانا آزاد کی تائید حاصل تھی، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی کوئی بھی علمی خدمت مفید ہو سکتی ہے بلکہ ہمارے نزدیک ایسی چیزوں سے بجائے جمع کلمہ کے تفریق بین المسلمین کی راہیں کھلتی ہیں۔ جن کا سد باب ضروری ہے۔ واللہ الموفق۔

احقر نے پہلے کسی جگہ دو بڑوں کے فرق کے عنوان سے لکھا تھا کہ علامہ ابن تیمیہ فقہ حنفی کے لئے کم سے کم متعصب ہیں جبکہ ان کے تلمیذ خصوصی ابن قیم فقہ حنفی کے حق میں غالی متعصب اور تقلید ائمہ مجتہدین کے حد سے زیادہ مخالف ہیں۔ پھر یہ کہ انہوں نے اپنے قصیدہ نوینیہ میں جمہور سلف کے عقائد سے بھی انحراف کیا ہے۔ فلہیجہ لہ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ہمارے اکابر دیوبند میں نہایت عظیم و جلیل شخصیت تھے، اور علوم و تحقیق کے بحرنا پیداکنار، ہمارے

حضرت شاہ صاحب بھی ان کی علمی تحقیقات بڑی عظمت و اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، مگر بعض چیزوں پر نقد فرماتے تھے، مثلاً فرمایا کہ حضرت مولانا قدس سرہ نے بالذات وبالعرض کو ہر کتاب میں چھیڑا ہے اور بالعرض کے علاوہ مجاز اور واسطہ فی العروض کا لفظ بھی اطلاق کیا ہے، چنانچہ صلوٰۃ مقتدین کو مجاز اور صلوٰۃ امام کو بالذات کہا، نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کو بالذات کہا اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بالعرض کہا ہے، اس پر کسی عالم نے اعتراض بھی کیا کہ پھر تو اور انبیاء کی نبوت ہی نہ رہی، مجھ سے حضرت الاستاذ مولانا محمود حسن صاحب نے بیان کیا تو میں نے یہی کہا کہ اعتراض تو قوی ہے باقی ختم نبوت کا انکار مولانا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا کیونکہ مولانا نے خود لکھ دیا کہ ختم زمانی کا انکار مجمع علیہ ہو سکتی وجہ سے کفر ہے۔ اس پر مولانا خاموش ہو گئے، غرض میری رائے ہے کہ بالذات وبالعرض کے الفاظ خواہ منطقی اصطلاح سے یا وجہ سے، مناسب نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سب مستقل ہیں اور ایک نوع ہے خدا کے یہاں اصطفا کی، اور سب انبیاء اس کے افراد ہیں، باقی فرق مراتب اور فضیلت جزئی کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس عنوان کی دوسری اقسام آئندہ کسی موقع پر پیش ہوں گی۔ ان شاء اللہ

نماز چاشت: اشراق کے بعد صلوٰۃ النسخی کے ثبوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر علامہ ابن تیمیہ نے اس کی احادیث میں صبح کی سنت و فرض مراد لی ہیں، جو محدثین کے خلاف ہے، کیونکہ ابو داؤد، ترمذی، دارمی وغیرہ نے تو باب بھی منہی کے نام سے باندھا ہے، اور یہ وقت لغو و عرفا و شرعاً خوب دن چڑھنے کا ہوتا ہے، اس کو صبح کی نماز پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ بخاری، مسلم، مسند احمد، حاکم، ترمذی، ابن ابی شیبہ وغیرہ کی احادیث خود علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر کی ہیں، جن میں صلوٰۃ النسخی کی فضیلت بیان ہوئی ہے، پھر بھی وہ اپنی اور اپنے استاذ ابن تیمیہ کی ضعیف ترین رائے کو ادھونکھانے کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

پوری بحث معارف السنن ص ۲۶۶/۴ سے دیکھی جائے۔ صلوٰۃ النسخی کے لئے قنادی ابن تیمیہ ص ۱۸۵/۱ طبع مصر بھی دیکھا جائے، جس میں انہوں نے صلوٰۃ النسخی کے غیر مسنون ہونے کو اختیار کیا ہے، اور اس کو صرف جائز نفل کے درجہ میں کر دیا ہے۔

جبکہ جمہور حنفیہ مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک وہ مندوب و مستحب کے درجہ میں اور اکثر شافعیہ کے نزدیک سنت کے درجہ میں ہے۔ (معارف ص ۲۶۷) ابن جریر طبرانی نے لکھا کہ اس کی احادیث حدیث تراویح کو کافی مکی ہیں اور ابن العربی نے فرمایا کہ یہ نماز (چاشت والی) حضور علیہ السلام سے قبل انبیاء علیہم السلام پڑھتے تھے، صبح ابن خزیمہ میں بھی اس کی فضیلت ہے۔ وہی ابن خزیمہ جن کی اتباع علامہ ابن تیمیہ نے بہت سے عقائد میں کی ہے، جبکہ وہ ایک بڑے محدث ضرور تھے۔ مگر علم عقائد و اصول میں درک نہ رکھتے تھے اور اسی لئے غلطیاں کی ہیں۔ اور علامہ ابن تیمیہ نے ان پر اصول و عقائد کے بارے میں اعتماد کرنے کی وجہ سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

### مندوب و مسنون کا فرق

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ مندوب بھی مسنون کا ہی کم درجہ ہے، یعنی مندوب فقہاء اس کو کہتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی ترغیب یا احیاناً نفل سے ثابت ہو، اور جو حضور علیہ السلام کے اکثر فی فعل یا تاکد سے ثابت ہو وہ مسنون ہے، لہذا محدثین و ائمہ کے نزدیک جو فعل بدرجہ ندب قرار پائی اس کو صرف تطوع جائز و مباح کے درجہ میں کر دینا یہ علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کی خصوصی رائے ہے۔ نیز انہوں نے جس طرح بدعت و سنت کا فیصلہ بہت سے مواضع میں کیا ہے، وہ جمہور سلف و خلف کے مخالف ہے۔

### حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق مزید

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دعاء بعد الصلوات المکتوبہ میں جو حضور علیہ السلام سے اجتماعی اور رفع یدین کے ساتھ ثبوت نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے تمامی اوقات ذکر و اوراد میں مشغول تھے، اور آپ کی دعائیں آپ کے اذکار و اوراد سے الگ نہ تھیں، اسی لئے آپ نے جب کسی مقصد کے لئے ہی دعا کا ارادہ فرمایا تو اس وقت آپ نے اجتماعی طور سے بھی دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر بھی کی ہے۔ جیسے

استسقاء کی نماز کے بعد پابیت ام سلیم میں نفل نماز جماعت کے بعد فرمائی ہے اور چونکہ آپ نے بعد نماز کے دعا کی ترغیب تو لا بھی دی ہے اور رفع یدین و مسح وجہ کی بھی ترغیب دی ہے، اس لئے اس کی اصل ثابت ہوگئی، لہذا پھر بھی اس کو فرض نمازوں کے بعد خلاف سنت یا بدعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا، حضرتؑ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیت ام سلیم کی نماز کا ذکر تو بخاری، مسلم وغیرہ سب میں ہے، مگر سب نے اس حدیث کو مختصراً روایت کیا جس میں دعا کا ذکر نہیں ہے، البتہ صرف مسلم میں دعا کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے، یہ حضرت کی خاص عادت تھی کہ سارے طرق و روایات پر نظر کر کے فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اور آج کل کے حضرات خصوصاً سلفی اس کی رعایت نہیں کرتے، بلکہ ان کے اکابر نے بھی اپنی الگ رائے اسی طرح قائم کی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ امام بخاری نے پانچ جگہ ام سلیم والی حدیث ذکر کی، اور ابو داؤد، نسائی، ترمذی نے بھی مختصراً ذکر کیا جس میں دعا بعد الصلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے۔ تو انہوں نے مسلم والی مفصل روایت کو نظر انداز کر دیا۔

حضرتؑ نے توجہ دلائی کہ ان حضرات نے اسی حدیث کو مختصراً لیا ہے جس کو مسلم نے تفصیل سے روایت کیا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے بھی بہت سے مسائل میں اپنی دلیل میں کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح (یعنی بخاری) میں نہیں ہے، اور اس طرح وہ دوسری مرویات سے قطع نظر کر لیتے ہیں، یا ان کو مرجوح کر دیتے ہیں جس طرح اقوال ائمہ میں سے کسی ضعیف و مرجوح قول کو لے کر اس کو اپنی الگ رائے کے لئے مویہ بنا لیتے ہیں۔ تنبیہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق تذکرہ سے مدد نہ لیں تو فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا بر رفع الیدین کا طریقہ خلاف سنت یا بدعت قرار پائے گا، اور علامہ ابن تیمیہ و ابن قیمؒ اور آج کل کے سلفی حضرات کے طریقہ کو مطابق سنت ماننا پڑے گا البتہ دعاء ثانیہ کا معمول خلاف سنت ہوگا کہ اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ راقم الحروف کی رائے یہ بھی ہے کہ دعاء بعد القریضہ کے معمول کو بھی احیاناً ترک کر دینا چاہیے تاکہ اس کو عوام سنن مؤکدہ اور واجب کی طرح قابل التزام نہ خیال کریں۔ اور مندوب و مسنون و واجب کے درجات اپنی اپنی جگہ محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فقہی نظریات و آراء کو بھی ہمارے حضرات پیش نظر رکھیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی رعایت فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ یوفقنا لما یحب و یرضی۔

## باب الدعاء عند النداء (اذان کے وقت دعا کرنے کا بیان)

۵۸۴: حدثنا علی بن عباس قال حدثنا شعيب بن ابي حمرة عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من قال حين يسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمد ن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته حلت له شفاعتي يوم القيمة ترجمہ ۵۸۴: حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سننے وقت یہ دعا پڑھے۔ اللہم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمد ن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته، تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

تشریح: حضرتؑ نے فرمایا کہ یہاں ہم بھی یہی کہیں گے کہ اذان کے بعد والی دعا میں ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ ایسا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہوا، اور دوسری عام احادیث سے جن میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ترغیب وارد ہے، یہاں کی دعا پر استدلال موزوں نہ ہو گا۔ اور اس کا قیاس نماز پر درست نہ ہوگا، کیونکہ وہاں تو ہم بتلا چکے ہیں کہ کئی بار حضور علیہ السلام سے مطلق نماز جماعت کے بعد اجتماعی دعا اور ہاتھ اٹھا کر بھی ثابت ہو چکی ہے اگرچہ وہ نمازیں فرض نہ تھیں جبکہ اذان کے بارے میں اس درجہ کا بھی کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے راقم عرض کرتا

ہے کہ یہ اصول بہت ہی کارآمد ہے مثلاً دعا، عند القبول کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھائیں گے، وغیرہ۔ دعا عند القبول کے جواز پر۔۔۔ پر ہم گیارہویں جلد میں مفصل بحث کر چکے ہیں، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ حدیث میں ہے دو وقت دعا قبول ہوتی ہے ایک اذان کے وقت دوسرے جب جہاد کے لئے صفیں آراستہ ہوں۔

### باب الستہام فی الاذان ویدکران قوماً اختلافوا فی الاذان فافرع بینہم سعد

(اذان دینے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان اور بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان (دینے) میں جھگڑا کیا تو اس کو ختم کرنے کے لئے سعد نے قرعہ ڈالا)

۵۸۵: حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن سمی مولیٰ ابی بکر عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لویعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لا یجدون الا ان یتہموا علیہ لاستہموا ولو یعلمون ما فی التہجیر لاستبقوا الیہ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لآتوہما ولو حوآ

ترجمہ ۵۸۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اذان اور صرف اول (میں شامل) ہونے کا کتنا ثواب ہے، پھر قرعہ ڈالنے کے بغیر یہ حاصل نہ ہوں، تو ضرور قرعہ ڈالیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے، کہ اول وقت نماز پڑھنے میں کیا (ثواب) ہے، تو بڑی کوشش سے آئیں، اور اگر جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (باجماعت ادا کرنے) میں کیا (ثواب) ہے، تو ضرور ان دونوں (کی جماعت) میں آئیں، خواہ گھنٹوں کے بل چل کر ہی آنا پڑے۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ قرعہ اگرچہ حجت شرعیہ نہیں ہے، تاہم وہ قطع نزاع اور تطہیب خاطر کے لئے ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے۔ بحث و نظر: قرعہ کے مسئلہ میں امام مالک، شافعی و احمدیوں ایک طرف ہیں کہ وہ شرعی حجت ہے اور امام اعظم آپ کے اصحاب اور بہت سے دوسرے فقہاء کو فہم کہتے ہیں کہ قرعہ بطور حکم شرعی منسوخ ہو گیا تھا۔ اور اب صرف حل مشکلات، دفع نزاع، اور تطہیب خاطر و دفع ظنون کے لئے باقی ہے جبکہ فیصلہ کرانے والے سب برابر حقوق والے ہوں یا مشترکہ چیز کے حصے برابر کر دیئے گئے ہوں، اور حضور اکرم ﷺ جو سفر کے وقت ازواج مطہرات کے لئے قرعہ ڈالا کرتے تھے، وہ بھی حکم شرعی نہ تھا، بلکہ تطہیب خاطر و دفع ظنون ہی کے لئے تھا، کیونکہ سفر کے وقت ساتھ لے جانے میں متفقہ طور سے سب کے ہی نزدیک شرعاً آزادی ہے، کسی بیوی کو ساتھ لے سکتے ہیں یا کسی کو بھی نہیں۔ اور امام بخاری کا مسلک بھی حنفی مسلک سے موافق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ نے بخاری میں جتنی جگہ قرعہ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی جگہ بھی بطور حکم شرعی نہیں ہے، بلکہ صرف تطہیب قلب یا حل مشکلات کے لئے ہے۔ (کذا فی لامع الدراری ص ۱۲۳۹)

محدث ابن ابی شیبہ کا نقل: آپ نے اپنے مصنف میں امام اعظم کے خلاف جو ایرادات کئے ہیں، ان میں ایک قرعہ کا مسئلہ بھی ہے جس کے جواب میں علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ امام طحاویؒ نے معانی الآثار ص ۲۱۲ ج ۲ میں اور مشکل الآثار ص ۱۳۱۸ میں قرعہ بطور حکم کی منسوخی کے دلائل ذکر کر دیئے ہیں اور اپنی متدل احادیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا کہ بڑی دلیل قمار و مخاطرہ کی حرمت صریحہ ہے، کہ قرعہ کو حجت شرعیہ باقی رکھنے سے قمار کی طرح اتلاف حقوق، اور احقاق حق بغیر استحقاق کی صورت بن سکتی ہے، اور حضرت علیؓ کا اثر بھی ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے بعد قرعہ کو حجت شرعیہ نہیں بنایا۔ وغیرہ

تغییب ابن القیم: علامہ کوثریؒ نے آخر بحث میں یہ بھی لکھا کہ ابن القیم نے ”اعلام الموقعین“ میں حسب عادت اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے

خلاف بڑے زور شور سے اخذ قیاس باطل اور عراض عن السنہ کا اہتمام لگایا ہے، حالانکہ ہمارا مسلک حدیثی نقطہ نظر سے ظاہر و قوی ہے (ص ۱۳) التکت الطریفہ فی التحدیث عن ردود ابن ابی حمیہ علی ابی حنیفہ۔

جو لوگ علامہ ابن القیم کی اعلام سے متاثر ہوں، ان کو ”التکت“ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، جو نہایت محققانہ و محدثانہ کتاب ہے، وہ نہ صرف محدث ابن ابی شیبہ کا جواب ہے بلکہ علامہ موصوف کی تشغیبات کا رد بھی ہے، اور زمانہ حاضر کے سلفیوں کے زہریلے پروپیگنڈے کا تریاق بھی نیز ملاحظہ ہو العرف الخدی ص ۴۵۶ اور انوار المحمود ص ۲۸۳۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب بھی قرعہ کے مسئلہ میں علامہ کی دراز لسانی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ابن القیم نے قرعہ پر بڑی بحث کی ہے، مگر میں ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا، بحث تو حکم کی ہے اور وہ دیانت پیش کر رہے ہیں، ہمارے نزدیک بھی قرعہ تطہیب خاطر کے لئے ہے، اس سے حکم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر فرمایا کہ عمل میں ہم بیٹے ہیں لیکن صحیح فہم کے لحاظ سے زیادہ ہی ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن القیم وغیرہ سے قطعاً مرعوب نہ تھے۔

یہاں سے حضرت شیخ الہندی کی یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام اعظم کی تفقہ و اجتہاد کی شان رفیع اس وقت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب تینوں ائمہ مجتہدین ایک جانب ہوں اور امام صاحب دوسری جانب جس طرح یہاں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

### قوله الا ان يستهموا عليه

علیہ کی ضمیر مفرد کا مرع کیا ہے؟ جبکہ ضمیر تشنیع کی ضرورت تھی، جواب یہ ہے کہ بتاویل ”مذکور“ دونوں مراد ہو سکتے ہیں، حافظ نے لکھا کہ محدث عبدالرزاق نے ضمیر تشنیع ہی ذکر کیا ہے، لہذا علامہ ابن عبدالبر کی رائے درست نہیں کہ ضمیر مفرد صف اول کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب بھی ہے، علامہ قرطبی نے بھی ان پر اعتراض کیا کہ اس طرح تو اذان کا ذکر بے فائدہ رہے گا (فتح الباری ص ۲۸۵) حیرت ہے کہ علامہ ابن عبدالبر ایسے یگانہ روزگار محدث سے یہاں چوک ہو گئی۔

### باب الکلام فی الاذان و تکلم سلیمان بن صرد فی اذانه

#### وقال الحسن لاباس ان یضحک وهو یؤذن او یقیم

(اذان میں کلام کرنے کا بیان سلیمان بن صرد نے اپنی اذان میں کلام کیا حسن (بھری) نے کہا کہ اذان یا اقامت کہتے وقت ہنس دینے سے ان میں خلل نہیں آتا)

۵۸۶: حدثنا مسدد قال حدثنا حماد عن ابیوب و عبد الحمید صاحب الزیدی و عاصم الاحول عن

عبد اللہ بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فی یوم رزغ فلما بلغ المؤذن حی علی الصلوۃ فامرہ ان

ینادی الصلوۃ فی الرجال فنظر القوم بعضهم الی بعض فقال فعل هذا من هو خیر منه وانها عزمہ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جائزوں میں ابرہ کے دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا (کہاتے میں اذان ہونے لگی) جب مؤذن حی علی الصلوۃ پر پہنچا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ پکار دے، لوگ اپنی اپنی فردگاہ میں نماز پڑھ لیں (جماعت کے لئے نہ آئیں، یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، حضرت ابن عباس نے کہا کہ یہ اس شخص نے کیا ہے، جو ہم سے بہتر تھا، یعنی نبی ﷺ نے اور یہی افضل ہے۔

تشریح: حضرتؑ نے فرمایا کہ اذان میں بات کرنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (یعنی خلافِ اوتیٰ علیٰ کما ذکرہ فی الفتح ص ۲۱۶۶) اور اتنا توسع سمجھنا کہ اس میں بات کرنا اور ہنسنا وغیرہ سب درست بلا کراہت ہو، صحیح نہیں ہوتا۔ رزق کے معنی گارا پھر فرمایا کہ بظاہر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث الباب سے یہ معلوم ہوا کہ حسی علی الصلوۃ پر پہنچ کر مؤذن الصلوۃ فی الرجال کہہ دے مگر حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے پوری اذان سے فارغ ہونے کے بعد یہ کہنے کا حکم دیا ہے، لہذا میرے نزدیک اسی پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بہ نسبت حضرت ابن عباسؓ کے اثر نبوی کا اتباع زیادہ اور اجتہاد کم کرتے تھے، حدیث الباب کے دوسرے طریق میں یوم جمعہ کی تصریح بھی ہے اور فقہ حنفی میں بھی بارش کا رے کو اعذار جمعہ میں گنایا گیا ہے۔ فیض الباری ص ۲۱۶۹ میں امام محمدؒ کی کتاب النج کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر راقم کو وہ حوالہ مطبوعہ کتاب النج چار جلدوں میں نہیں ملا۔ البتہ معارف السنن ص ۳۱۳۶ میں امام محمدؒ اور اصحاب لغت سے نقل بمعنی سخت زمین ذکر ہوا ہے۔ وہاں امامؒ کی کسی کتاب کا نام نہیں ہے۔

در مختار میں بیس عذر ترک جماعت کے ذکر ہوئے ہیں، جن میں بارش کچھ، سخت سردی، بوڑھا پا، قصد سفر، خوف، بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی وغیرہ ہیں۔

قولہ وانہا عزمۃ: حضرتؑ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز دوسری نمازوں سے ممتاز ہے، کہ اس کی خاص اور زیادہ عظمت و اہمیت ہے، اسی لئے وہ گھروں میں دانہ ہوگی، اور بجائے اس کے مجبوری میں ظہر پڑھیں گے، اور حضور علیہ السلام نے اشارہ دیا کہ لوگ باوجود بارش و کچھڑ کے بھی مسجد میں آنا چاہیں گے، لہذا اعلان کر دیا کہ وہ ایسی حالت میں عند الشرح معذور ہیں، گھروں میں نمازیں پڑھیں، اور آپؑ نے تھوڑے لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنا گوارا فرمایا۔

حضرتؑ نے یہ بھی فرمایا کہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں بہ کثرت مشکل الفاظ حدیث کی تفسیر فرمادی ہے۔ جس سے محدث ابو عبید نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں استفادہ کیا ہے اور دوسرے کبار محدثین اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں (مگر تعصب کا برا ہو کہ امام محمدؒ کو بہت سے متعصب اصحاب حدیث کی صف میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے، امام شافعیؒ نے برسوں ان کی خدمت میں رہ کر حدیث و فقہ حاصل کی، اور تاریخ کے اس اہم ترین واقعہ کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مگر علامہ ابن تیمیہؒ ایسے محقق نے ان کے تلمذ سے صاف انکار کر دیا، فیالمعجب!)۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ کسی نے دارالنجائب کہا کسی نے دارالاضداد، کسی نے دارالافتراق والاجتماع بتلایا مگر میں اس کو بیت الخمر کہتا ہوں، کیونکہ گدھے اپنے طویلہ میں کھڑے ہوئے ایک دوسرے پر دولتی چلاتے رہتے ہیں، یہاں جس کو دیکھو ایک دوسرے کو ذلت و تکلیف پہنچانے کے درپے ہے، اسی لئے حضرتؑ کی نظر میں کسی آدمی کی بڑی تعریف و خوبی یہ تھی کہ وہ بے ضرر ہو، کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص صاف سینہ ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی جس کے دل میں کسی دوسرے کے لئے کینہ کپٹ عداوت و حسد وغیرہ نہ ہو۔

## باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہ من یخبرہ

جب کہ بتانے کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو اسے وقت بتلائے تو اس کا اذان دینا درست ہے

۵۸۷: حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابن شہاب عن سالم ابن عبد اللہ عن ابیہ ان رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان بلالاً یؤذن ہلیل فکلوا و اشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم قال و کان

رجل اعمی لا ینادی حتی یقال لہ اصبحت اصبحت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، پس تم لوگ کھاؤ، اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں، حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ابن ام مکتوم تاہینا آدمی تھے، وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے، جب تک لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔

## باب الاذان بعد الفجر

(نجر کے (طلوع ہونے کے بعد) اذان کہنے کا بیان)

۵۸۸: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع عن عبد الله ابن عمر قال اخبرني حفصة

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اعتلف المؤذن للصبح و بدا الصبح صلى ركعتين

خفيفتين قبل ان تقام الصلوة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کی عادت تھی کہ جب مؤذن صبح کی اذان کہنے کھڑا ہو جاتا، اور صبح کی اذان ہو جاتی، تو دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

تشریح: حضرت نے محیط (فقہ حنفی کی کتاب) کے حوالہ سے تاہینا کی اذان کو مکروہ بتلایا اور فرمایا کہ اس کو اگر صحیح وقت بتلانے والا ہو تو کراہت بھی نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک تاہینا کی اذان صحیح نہیں، حالانکہ یہ نسبت غلط ہے اور سرسوجی حنفی نے بھی نووی پر اعتراض کر کے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ البتہ محیط میں کراہت مذکور ہے (فتح الباری ص ۲۱۶)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے جو علی الاطلاق غیر مکروہ لکھا، وہ بھی مرجوح ہے، کیونکہ علامہ عینی نے بھی بحوالہ محیط کراہت کا قول ذکر کیا ہے۔ باقی اس کو بھی سب نے مانا ہے کہ کراہت کا سبب عدم مشاہدہ ہے، لہذا کوئی مشاہدہ اگر تاہینا کو صحیح وقت کی خبر دے تو کراہت رفع ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۹: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شيبان عن يحيى عن ابي سلمة عن عائشة رضى الله عنها كان النبى

صلى الله عليه يصلى ركعتين خفيفتين بين النداء و لاقامة من صلوة الصبح

۵۹۰: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن عبد الله ابن دينار عن عبد الله بن عمر ان رسول

الله صلى الله عليه وسلم قال ان بلالا ينادى بليل فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم

ترجمہ ۵۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز صبح کے وقت اذان و اقامت کے درمیان میں دو رکعتیں ہلکی سی پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۹۰: حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، تم لوگ کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

تشریح: امام بخاری نے اذان بعد الفجر کا عنوان مقدم کیا حالانکہ قبل الفجر کا اول ہونا تھا، اور علامہ ابن بطلال نے تو اس عنوان کے ذکر پر بھی اعتراض کر دیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اذان نماز کے لئے ہوتی ہے اور وہ ہر نماز کا وقت ہو جانے پر ہی دی جاتی ہے۔ لہذا طلوع فجر کے بعد اذان دینے کا عنوان ہی لا حاصل ہے، پھر اس بارے میں کوئی اختلاف بھی کسی کا نہیں ہے، مگر جواب یہ ہے کہ اس میں تو اختلاف ہے کہ اگر صبح کی اذان قبل طلوع الفجر دے دی گئی ہو تو پھر اس کا اعادہ بعد طلوع فجر ہونا چاہئے یا نہیں؟ (امام مالک، شافعی و احمد) جو قبل الوقت اذان

فجر کو جائز و مشروع بتلاتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وقت ہو جانے پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے امام ابو حنیفہ و امام محمد، امام زفر و ثوری فرماتے ہیں کہ بقیہ اوقات کی طرح فجر کی اذان بھی قبل الوقت مشروع و جائز نہیں اور اگر کبھی گئی تو وقت پر اعادہ کرنا ہوگا۔ عمدہ، فتح اور شرح المہذب میں اسی طرح ہے۔ (معارف ص ۲۸۱۳)

معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی اعادہ کے قائل اور حنفیہ کے ساتھ ہیں، اسی لئے اذان بعد الفجر کا باب باندھا اور اس کو مقدم بھی کیا کہ اس کی ضرورت و اہمیت واضح ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے الفاظ حدیث کان اذا اعتكف المؤذن سے بھی غالباً یہی سمجھا ہے کہ مؤذن طلوع صبح کے انتظار میں رہتا تھا کہ جب اچھی طرح صبح کا وقت ظاہر و واضح ہو جائے تو اذان دے اس کے بعد امام بخاری اذان قبل الفجر کولائے ہیں کیونکہ فی الجملہ ثبوت سے تو اس کے بھی انکار نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ نماز کے لئے نہ تھا، بلکہ نماز کے لئے اٹھنا، ضروریات سے فارغ ہونا، نماز کے لئے تیاری کرنا اور تہجد و سحری کے آخری وقت پر متنبہ کرنا وغیرہ اس کے مقاصد تھے، تاہم وہ اذان قبل الفجر صرف حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رہی، اور خلفائے راشدین کے دور میں اس پر عمل نہ رہا تھا، اور اس سے اس کی عدم سنیت معلوم ہوتی ہے۔ مکاتھفہ مولانا اللکھوی (لا مع ص ۱۸۳۱)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان اول (قبل الفجر) پر اکتفاء کرنا جو شافعیہ وغیرہم کا مسلک ہے وہ صحیح نہیں، جس طرح بعض حنفیہ کا اذان اول کو فائدہ سے خالی سمجھنا بھی درست نہیں، تاہم اصل اذان بعد الفجر والی ہی ہے اور وہی پھر جاری و ساری بھی رہی جبکہ اذان اول دور خلافت راشدہ میں باقی نہ رہی، اس سے حنفیہ ہی کا مسلک قوی تر بن جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کا تعامل اور ان کے آثار بھی قاطبی اقتدایں حتیٰ کہ ان کی وجہ سے دور نبوی کے ایک معمول کو بھی ترک کیا جاسکتا ہے، اور امام بخاری اگرچہ اقوال و آثار صحابہ کو حجت نہیں مانتے (اور ان کا اتباع سلفی حضرات بھی کرتے ہیں) مگر یہاں امام بخاری نے بھی آثار صحابہ ہی کو توجہت سمجھا ہوگا۔ ورنہ اذان بعد الفجر کو اتنی اہمیت نہ دیتے چنانچہ دوسرے ائمہ مثلاً شافعی نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اذان اول کی مشروعیت و سنیت کے بھی قائل رہے اور اذان بعد الفجر کی ضرورت بھی نہیں مانتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب الاذان قبل الفجر

### (فجر کی) اذان صبح ہونے سے پہلے کہنے کا بیان

۵۹۱: حدثنا احمد بن یونس قال حدثنا زهير قال حدثنا سليمان التيمي عن ابي عثمان النهدي عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يمنعن احدكم اواحداً منكم اذان بلال من سحوره فانه يؤذن او ينادي بليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم وليس ان يقول الفجر او الصبح وقال باصابعه و رفعها الى فوق و طأ الى اسفل حتى يقول هكذا وقال زهير بسبابتيه احدهما فوق الاخرى ثم مدهما عن يمينه وشماله

۵۹۲: حدثني اسحاق قال اخبرنا ابو اسامة قال عبيد الله حدثنا عن القاسم بن محمد عن عائشة و عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وحدثني يوسف بن عيسى قال حدثنا الفضل قال حدثنا عبيد الله بن عمر عن القاسم بن محمد عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن ام مكتوم



ترجمہ ۵۹۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص بلال کی اذان سن کر سحری کھانا نہ چھوڑے، اس لئے کہ وہ رات کو اذان کہہ دیتے ہیں، تاکہ تم میں سے تہجد پڑھنے والا فرغت کر لے، اور تاکہ تم میں سے سونے والے کو بیدار کر دیں، اور یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص سبھے صبح (ہوگئی) اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان کو اوپر کی طرف اٹھایا، اور پھر نیچے کی طرف جھکا دیا، کہ اس طرح (یعنی سفیدی پھیل جائے) اور حضرت زبیرؓ نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھیں، پھر دونوں کو اپنے دامنے اور بائیں جانب پھیلا دیا (یعنی اس طرح ہر طرف سفیدی پھیل جائے) تب سمجھو کہ صبح ہوگئی۔

ترجمہ ۵۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا، بلالؓ رات میں اذان کہہ دیتے ہیں، لہذا تم ابن ام مکتومؓ کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو۔

تشریح: اس باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان فجر کے طلوع ہونے سے قبل دینا جائز ہے، حالانکہ حدیث الباب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان فجر کی نماز کے لئے ہوتی تھی بلکہ حدیث صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ یہ اذان سحری اور تہجد کے لئے دی جاتی تھی اور فجر کی اذان ابن ام مکتومؓ دیا کرتے تھے، جو فجر کے وقت میں ہوتی تھی، چنانچہ سابقہ احادیث میں اس کی تصریح گزر چکی ہے، مناسب یہ تھا کہ اس باب کا عنوان اس طرح مقرر کیا جاتا (فجر سے قبل سحری و تہجد کی بیداری کے لئے اذان دینا، تاکہ اس کا بھی جواز معلوم ہو جاتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہ ضروری نہیں کہ صبح کی دونوں اذانوں کے کلمات متماثر ہوں تاکہ سننے والوں کو اشتباہ نہ ہو کیونکہ امتیاز و موزونوں کی آوازوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، اور اگر دونوں کے کلمات مختلف ہوتے اور کسی کو اشتباہ بھی نہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”لا یغرکم اذان بلال“ کیوں ہوتا؟

### امام محمدؒ، طحاویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ نے احادیث اذان قبل فجر کے بارے میں نہایت عمدہ محدثانہ تحقیق ارشاد فرمائی جو فیض الباری میں بھی ص ۱۰۷/۲ تا ص ۸۸/۱ درج ہوئی ہے، اور احقر کی یادداشت میں بھی اسی طرح ہے، اس میں حضرتؒ نے امام طحاویؒ کی تحقیق کو بہت پسند کیا ہے، لہذا وہ لائق مطالعہ ہے، ہم یہاں بوجہ طوالت درج کرنے سے قاصر ہیں۔ حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ امام طحاویؒ کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہو چکے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاویؒ کے ہیں اور کسی کے نہیں، میں نے اکثر دیکھا کہ امام طحاویؒ کی تحقیق کی بنیاد امام محمدؒ کے کلام پر ہوتی ہے، اور بعض اوقات ان کے صرف ایک لفظ ہی پر بنیاد رکھ کر امام طحاویؒ اس کو پھیلا کر پوری تحقیق قائم کر دیتے ہیں اور اعلیٰ تحقیقات کی نشان دہی جتنی امام طحاویؒ نے کی ہے اور کسی نے نہیں کی، اور ان کی تقریرات و تائیدات جس قدر میں نے جمع کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام محمدؒ سلف اور امام اعظمؒ کے علوم و کمالات کے جامع تھے، امت محمدیہ کے جلیل القدر محقق و مدقق تھے، آپ کے علوم کی تشریحات امام طحاویؒ نے کیں، اور امام شافعیؒ کی وساطت سے وہ علوم دوسرے ائمہ مجتہدین و محدثین کو بھی حاصل ہوئے، پھر ایک مدت مدید کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے جن کا سلسلہ نسب بھی امام اعظمؒ کے خاندان سے ملتا ہے، ان علوم و تحقیقات عالیہ محمدیہ و طحاویہ کو سامنے رکھ کر تیس چالیس برس تک ان کے لئے تائیدی دلائل و براہین جمع کئے، اور ان کی شانِ علم و جامعیت بھی بقول حضرت تھانویؒ ایسی تھی کہ ان کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ مدون ہو سکتا تھا اور بقول حضرت علامہ عثمانیؒ آپ کی گرانقدر علمی تالیفات کی قدر بھی صرف وہی کر سکتا تھا، جس کے سامنے سابقہ اعتراضات و اباحت ہوں، چنانچہ خود ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ ”کشف المستر“ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس رسالہ کا مطالعہ سترہ بار کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کن کن مشکلات و اشکالات علمیہ کا حل فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ، امام طحاویؒ، اور حضرت شاہ صاحبؒ تینوں کی محدثانہ شانِ تحقیق و تدقیق علماء امت میں سے ایک زانی

شان کی تھی، رسالہ مذکورہ اور نیل الفرقدین، بسط البیدین و مرآۃ الطارم کے لئے حضرت نے اپنی یادداشتیں راقم الحروف ہی کو سپرد کی تھیں اور ان کو مرتب شکل میں نقل کر کے، کتابت کرا کر احقر ہی نے مجلس علمی ڈابھیل سے شائع کرایا تھا اور اس طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق حضرت کے گھر پر تھے جن سے سینکڑوں مسائل میں مدد مل سکتی تھی، اور آج وہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ و معانی الآثار وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جاسکتی تھیں مگر صدافسوس کہ حضرت کی وفات کے بعد وہ سارا ذخیرہ گھر والوں کی نادردی سے ضائع ہو گیا، اور حضرت کی کتابیں بھی جن پر حضرت کے دست مبارک سے لکھے ہوئے قیمتی حواشی بھی تھے، فروخت کر دیئے گئے، لہذا حضرت کے تلامذہ مجبور ہو گئے کہ صرف املائی افادات کو بنیاد بنا کر کچھ لکھ پڑھ سکیں، میرے ساتھ ہی دو سال تک مولانا بدر عالم صاحب بھی درس بخاری شریف میں شرکت کرتے اور حضرت کے املائی ضبط کرتے تھے، اور مجھے اس کا خیال وہ ہم بھی نہ تھا کہ کسی وقت میں اپنے املائی سے کچھ کام لے سکوں گا۔

احقر نے ہی حضرت کے بعد مولانا موصوف سے ”فیض الباری“ مرتب کرائی تھی، مگر جب وہ سامنے آئی تو خلاف توقع ثابت ہوئی، اسی لئے انوار الباری میں حوالوں کی مراجعت اور اپنے املائی کے ذریعہ صحیح مضامین کی سہی حسب مقدور کرتا ہوں، دوسرا کام ترمذی شریف پر مجلس علمی ڈابھیل سے ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دام فطیم و عم فیضیم سے شروع کرایا گیا تھا اور خدا کا شکر ہے وہ جتنا ہوا ہے۔ اس سے حضرت شاہ صاحب کی علمی و تحقیقی شان بڑی حد تک نمایاں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی صحت و عافیت قرار رکھ کر اس عظیم خدمت کو پورا کرائے۔ آمین وما ذلک علی اللہ بعزیز

## باب کم بین الاذان والاقامة

(اذان و اقامت کے درمیان میں کتنا فصل ہونا چاہیے)

۵۹۳: حدثنا اسحاق الواسطي قال حدثنا خالد عن الجعفي عن ابن بريده عن عبد الله بن مفلح

المزني ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بين كل اذانين صلوة ثلاثا لمن شاء

۵۹۴: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبة قال سمعت عمرو بن عامر بن الانصاري

عن انس بن مالك قال كان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يبتعدون

السواوي حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهم كذلك يصلون ركعتين قبل المغرب ولم يكن

بين الاذان والاقامة شيء وقال عثمان بن جبلة وابوداؤد عن شعبة لم يكن بينهما الا قليل

ترجمہ ۵۹۳: حضرت عبداللہ بن مفلح مزی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو دو اذانوں کے درمیان میں ایک نماز کے برابر فصل ہونا چاہئے۔

ترجمہ ۵۹۴: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب مؤذن اذان کہتا تھا، تو کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ستونوں کے پاس چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لاتے اور وہ اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہوتے تھے، اور اذان اور اقامت کے درمیان میں کچھ فصل نہ ہوتا تھا، اور عثمان بن جبلة اور ابوداؤد شعبہ سے ناقل ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی تھوڑا فصل ہوتا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: حنفیہ کے نزدیک اذان و اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ ایک شخص اپنی ضرورت بول و برازی پوری کر کے نماز جماعت میں شریک ہو سکے، اور ترمذی شریف میں حدیث بھی ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے کہ اذان و اقامت میں اتنا فصل ہونا چاہئے کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والے اس سے اور بول و براز والا اپنی حاجت سے فارغ ہو سکے۔ البتہ مغرب کی نماز میں

گلت بھرتے، اسی لئے بعض صحابہ سے جو مقول ہے کہ وہ فرض مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے، اس کو عام کتب حنفیہ میں مکررہ کہا گیا ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے ان کو مباح قرار دیا ہے اور یہی بہتر و معتد قول ہے، امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مختصر بلکی دو رکعت پڑھ لے، امام احمد نے ثبوت کی رعایت سے صرف ایک بار پڑھی ہیں، مکافی الحمد، اس میں حافظ کو غلط فہمی ہو گئی کہ امام احمد نے ایک بار پڑھی تھی پھر جب حدیث بخینی تو مستقل طور سے پڑھنے لگے۔

روایت المعنی: حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیث مرفوعہ تو عام ہی ہے کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے، پھر دوسری روایات میں مغرب کا استثناء بھی آیا ہے، مگر راوی نے مغرب کو بھی حدیث عام کے تحت سمجھا اور حدیث کو روایت المعنی کے طور پر نقل کر دیا۔ جس میں مفہوم و معنی حدیث کو راوی بیان کرتا ہے دوسری صورت روایت بالمعنی کی ہوتی ہے کہ اس میں راوی الفاظ حدیث کو بھی ذہن میں رکھتا ہے، اور ان کی رعایت کر کے روایت بالمعنی کرتا ہے، لہذا روایت المعنی اور روایت بالمعنی کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

حضرتؑ نے فرمایا: مذہب منصور، مذہب جمہور ہی ہے جس کو امام ملووی نے بھی مان لیا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ علامہ ملووی نے اس امر کو تسلیم کر کے بھی کہ خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کا عمل ترک رکھیں قبل المغرب کا تھا، امام ابو حنیفہ پر رد کیا ہے، عدل و انصاف کا طریقہ یہ نہ تھا۔ بعض حضرات نے اس کو منسوخ کہا ہے، مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ایک زمانہ میں صحابہ نے دو رکعت مغرب سے قبل پڑھی ہیں، لیکن پھر یہ عمل چھوٹ گیا اور ترک ہی پر تعامل ہو گیا۔ نسخ کی صورت میں اس کی مشروعیت ختم مانتی پڑتی ہے۔ عمل نہ رہا، تو یہ نسخ و عدم مشروعیت کو مستلزم نہ ہوگا۔

ہمارے حضرتؑ کی رائے ”نسخ“ کے لئے کم سے کم تھی، اور وہ اسی طرح بہت سے مسائل میں... رائے رکھتے تھے یعنی مشروعیت فی نفسہ باقی رکھ کر ترک عمل کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حافیہ لامع الدراری ص ۱۲۴۲ میں ہے کہ حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے اسناد حدیث ترمذی کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس پر شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک اوجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے تقویۃ معنی حدیث الترمذی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

## باب من انتظر الاقامة

(اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے)

۵۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني عروة بن الزبير ان عائشة رضي الله عنها

قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سكّت المؤذن بالاولى من صلوة الفجر قام وركع ركعتين

خفيفتين قبل صلوة الفجر بعد ان يستبين الفجر ثم اضطجع على شقه الايمن حتى ياتي بالمؤذن للالامة

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ (کی یہ عادت تھی کہ) جب مؤذن فجر کی اذان کہہ کر چپ ہو جاتا تو آپ فجر کے فرض سے پہلے بعد صبح ہو جانے کے دو رکعتیں بلکی ہی پڑھ لیتے تھے، پھر اپنے بائیں پہلو پر آرام فرماتے تا آنکہ مؤذن اقامت کے لئے آپ کے پاس آتا (پھر آپ اٹھ جاتے)۔

تشریح: یعنی اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ حافظ نے بھی لکھا کہ امام بخاری نے یہ بتلایا کہ اقامت کا انتظار امام ہی کے لئے خاص نہیں، کیونکہ مقتدی کو بھی صف اول کا ثواب حاصل کرتا ہے لہذا وہ بھی اگر گھر قریب ہو تو اقامت سن کر مسجد میں جاسکتا ہے۔

## باب بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء

(اگر کوئی چاہے تو ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز پڑھ سکتا ہے)

۵۹۶: حدثنا عبد الله بن يزيد قال حدثنا كهشمس بن الحسن عن عبد الله بن بريدة عن عبد الله بن مغفل

قال قال النبي صلى الله عليه وسلم بين كل اذانين صلوٰۃ بين كل اذانين صلوٰۃ قال في الثالث عشر لمن شاء

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ دواذانوں (یعنی اذان و اقامت) کے درمیان ایک نماز ہے (دوسرے یہی فرمایا) تیسری مرتبہ فرمایا اگر کوئی پڑھنا چاہے۔

تشریح: علامہ عینی نے لکھا کہ اس میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلے اجمالی بیان مضمون حدیث الباب کا ہوا تھا، یہاں حدیث کا مکمل مضمون درج ہوا ہے۔ شیخ الحدیث نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بتلایا کہ روایت کے بارے میں قویٰ فعلی روایات سے وجوب نہ سمجھا جائے، کیونکہ لمن شاء وارہے۔

## باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد

کیا سفر میں ایک ہی مؤذن کو اذان دینی چاہئے (یعنی جس طرح حضر میں دو مؤذنون کا اذان دینا درست ہے کیا یہ بات سفر میں بھی درست ہوگی؟)

۵۹۷: حدثنا معلى بن اسد قال حدثنا وهيب عن ابى ايوب عن ابى قلابه عن مالك بن الحويرث قال

ايت النبي صلى الله عليه وسلم في نفر من قومي فاقمنا عنده عشرين ليلة وكان رحيماً رفيقاً فلما

راى شوقنا الى اهلينا قال ارجعوا لكونوا فيهم وعلموهم وصلوا فاذا حضرت الصلوة فليؤذن لكم

احدكم وليؤمكم اكبركم

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس یوم تک مقیم رہا، ہم نے آپ کو نہایت رحم دل اور مہربانی کرنے والا پایا (چنانچہ اتنا عرصہ مقیم رہنے کے بعد) جب آپ نے ہمارا اشتیاق اپنے گھر والوں کی طرف محسوس کیا تو ارشاد فرمایا کہ تم لوٹ جاؤ، اور اپنے گھر والوں میں رہو، اور انہیں (دین کی) تعلیم دو۔ اور نماز پڑھا کر جب نماز کا وقت آجایا کرے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دیا کرے اور تم سب میں بزرگ آدمی تمہارا امام ہوگا۔

تشریح: آپ کے رحم دل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ ہم اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہماری خواہش ظاہر کئے بغیر از خود اجازت دے دی۔

اس میں جہاں ترجمہ الباب کا مضمون ثابت ہوا یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرام ﷺ کتنے بڑے رحم دل تھے، جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہی ان کی خواہش و طلب کے بغیر خود ہی اجازت دے دی۔

## باب الاذان للمسافر اذا كانوا جماعة والاقامة وكذلك بعرفة وجمع وقول المؤذن الصلوة في الرجال في ليلة الباردة او المطيرة

(مسافر کے لئے اگر جماعت ہو تو اذان واقامت کہنے کا بیان اور اسی طرح مقام عرفات اور مزدلفہ میں بھی اور سردی والی رات یا پانی برسنے کی رات میں مؤذن کا یہ کہنا کہ الصلوة في الرجال (نماز اپنی قیام گاہوں میں پڑھو)

۵۹۸: حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا شعبة عن المهاجر ابي الحسن عن زيد بن وهب عن ابي ذر قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فاراد المؤذن ان يؤذن فقال له ابرد ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد حتى ساوى الظل التلول فقال النبي صلى الله عليه وسلم ان شدة الحر من فحج جهنم

ترجمہ ۵۹۸: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ ہم کسی سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے مؤذن نے (ظہر کی) اذان دینی چاہی آپ نے اس سے فرمایا کہ (ابھی ذرا) ٹھنڈ ہو جانے دو، پھر اس نے چاہا کہ اذان دے آپ نے پھر اس سے فرمایا، کہ (ابھی ذرا اور) ٹھنڈ ہو جانے دو، یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ گرمی کی شدت جہنم کی پٹ سے ہوتی ہے۔  
تشریح: حدیث نمبر ۵۹۸ مذہب حنفی کی قوی مؤید ہے کہ موسم گرما میں ٹھنڈے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن احادیث میں آفتاب ڈھل جانے کے فوراً بعد حضور ﷺ کا ظہر کی نماز ادا فرمانے کا ذکر آیا ہے، اور یہ بھی ذکر آیا ہے کہ بعض صحابہ گرمی کی شدت کی بنا پر اپنے کپڑے کو بچھا کر سجده کرتے تھے، وہ احادیث ابتداء حالات کی ہیں، کیونکہ حدیث ہذا میں مؤذن کا اذان دینے کا ارادہ کرنا، اور حضور ﷺ کا روکنا، پھر اور پھر یہ بتا رہا ہے کہ مؤذن نے مدینہ کے سابقہ عمل کے پیش نظر یہاں بھی عمل کرنا چاہا، اسی وجہ سے حضور انور نے منع فرمایا اور بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد سے حضور کا عمل یہی ہو گیا ہو، کہ موسم سرما میں اول وقت میں ادا فرماتے ہوں اور گرمی کی شدت کے زمانہ میں ٹھنڈے وقت میں، یہ کہہ دینا کہ یہ واقعہ سفر کا ہے، اس لئے سفر کے موقعہ پر اجازت نکلتی ہے، جس طرح بعض دیگر امور سفر کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ بھی ایک خصوصیت ہے درست نہیں، اس لئے کہ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کی علت سفر و حضر دونوں میں یکساں ہے، اور وہ گرمی کی شدت ہے، گرمی کی شدت جس طرح سفر میں اذیت کا باعث ہے۔ اسی طرح حضر میں بھی ہے۔

۵۹۹: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا مغيث عن خالد بن الحذاء عن ابي قلابة عن مالك بن الحويرث

قال اتى رجلا نبي صلى الله عليه وسلم يريدان السفر فقال النبي صلى الله عليه وسلم اذا اتتما خرجتما فاذا نائم اقيما ثم ليؤمكما اكبركما

ترجمہ ۵۹۹: حضرت مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ دو شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سفر کے ارادے سے آئے تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نکلو (اور نماز کا وقت آجائے) تو تم اذان دو، پھر اقامت کہو، اس کے بعد تم میں جو بزرگ ہو، وہ امام بنے۔

۶۰۰: حدثنا محمد بن المثنى قال اخبرنا عبد الوهاب قال اخبرنا ايوب عن ابي قلابة قال حدثنا مالك

قال اتينا النبي صلى الله عليه وسلم ونحن شببة متقاربون فاقمنا عنده عشرين يوماً وليلة وكان رسول الله عليه وسلم رحيماً رفيقاً فلما ظن اننا قد اشتبهنا اهلنا او قد اشتقنا سالنا عن تركنا بعدنا فاخبرنا فقال ارجعوا الى اهلكم فاقموا فيهم وعلموهم ومروهم وذكر اشياء احفظها اولاً احفظها وصلوا كما رايتموني اصلي فاذا حضرت الصلوة فليؤذن لكم احدكم وليؤمكم اكبركم

ترجمہ ۶۰۰: حضرت مالک (ابن حویرث) کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، اور ہم چند (تقریباً) برابر کی عمر کے جوان تھے بیش شب و روز ہم آپ کی خدمت میں رہے، اور رسول اللہ ﷺ نرم دل مہربان تھے، جب آپ نے خیال کیا کہ ہم کو اپنے گھر والوں کے پاس (پہنچنے کا) اشتیاق ستا رہا ہے، تو ہم سے ان کا حال پوچھا، جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے ہم نے آپ کو سب کچھ بتایا۔ پس آپ نے فرمایا کہ واپس لوٹ جاؤ اور ان ہی لوگوں میں رہو اور ان کو تعلیم دو، اور (اچھی باتوں کا) حکم دو۔ اور چند باتیں آپ نے بیان فرمائیں (جن کی نسبت مالک نے کہا) مجھے یاد ہیں یا یہ کہا کہ یاد نہیں رہیں اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دے، اور تم میں سے بڑا تمہارا امام بنے۔

۶۰۱: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن عبيد الله بن عمر قال حدثني نافع قال اذن ابن عمر في ليلة

باردة بضجنان ثم قال صلوا في رجالكم واخبرنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يامر مؤذناً يؤذن

ثم يقول على الترتيب الا صلوا في الرجال في الليلة الباردة او المطيرة في السفر

ترجمہ ۶۰۱: حضرت نافعؓ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سردی کی رات کو سجنان (نئی پہاڑی) پر (چڑھ کر) اذان دی اذان دینے کے بعد یہ کہہ دیا کہ صلوا فی رجالکم اور ہم سے بیان کیا، کہ رسول خدا ﷺ سردی بارش کی شب کو بحالت سفر مؤذن کو حکم دے دیتے تھے کہ اذان کے بعد وہ یہ کہہ دے کہ الا صلوا فی الرجال (اپنی فردو گاہوں میں نماز پڑھ لو)۔

۶۰۲: حدثنا اسحق قال اخبرنا جعفر بن عون قال حدثنا ابو العباس عن عون بن ابي جحيفة عن ابيه

قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم بالابطح فجاءه بلال فاذا به بالصلوة خرج بلال بالعنزة حتى

ركزها بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم بالابطح واقام الصلوة

ترجمہ ۶۰۲: حضرت ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو (وادی انج میں دیکھا کہ آپ کے پاس بلال نے آکر آپؐ نماز کی اطلاع دی، پھر نیزہ لے کر چلے اور اس کو رسول خدا ﷺ کے آگے (وادی) انج میں گاڑ دیا، اور آپ نے نماز پڑھائی۔ تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مسافر اذان و اقامت دونوں کہے، اور اگر اقامت پر اکتفا کرے یہ بھی جائز ہے۔ اگر دونوں کو ترک کرے گا تو مکروہ ہے گنہ گار ہوگا، اور جماعت کی قید سے منفرد کے لئے توسع ثابت ہوا۔

باب هل يتبع المؤذن فاه ههنا وههنا وهل يلتفت في الاذان يذكر عن بلال انه  
جعل اصبعيه في اذنيه وكان ابن عمر لا يجعل اصبعيه في اذنيه وقال ابراهيم لاباس  
ان يؤذن على غير وضوء وقال عطاء الوضوء حق وسنة وقالت عائشة كان النبي  
صلی اللہ علیہ وسلم يذكر الله على كل احيانه

(کیا مؤذن اپنا منہ ادھر ادھر پھیرے اور کی وہ اذان میں ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے ہاں سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی دو انگلیاں  
اپنے دونوں کانوں میں ڈالیں اور ابن عمر اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں دیتے تھے ابراہیم کہتے ہیں کہ بغیر وضوء کے اذان دینے  
میں کچھ مضائقہ نہیں عطاء کا قول ہے کہ (اذان کے لئے) وضوء واجب ہے اور مسنون ہے اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے)

۶۰۳: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفین عن عون بن ابی جحيفة عن ابیه انه راعی بلالا يؤذن  
فجعلت اتبع فاه ههنا وههنا بالاذان.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے بلالؓ کو اذان دینے میں ان کو اپنی منہ اذان دیتے وقت ادھر ادھر کرتے پایا۔  
تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ اذان کے وقت انگلیاں کان میں ڈالنے اور کان کے سوراخ بند کرنے کی حکمت عملی یہ ہے کہ  
سانس بند ہو کر آواز میں قوت آجاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کانوں پر یوں ہی اوپر سے ہاتھ رکھ لینا کافی نہیں اور نہ اس سے سنت ادا ہوتی  
ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کو حدیث نہ پہنچی ہوگی، یا ضروری نہ سمجھ کر اس کو ترک کیا ہوگا۔

اذان میں قبلہ کے رخ سے سینہ پھراننا چاہئے، حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے وقت صرف منہ کو دھانے بائیں کیا جائیگا۔  
امام بخاریؒ نے ابراہیم سے نقل کیا کہ بغیر وضوء کے اذان میں کوئی حرج نہیں، ہمارے حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک مطلقاً کراہت کا ہے  
اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہی قول میرا حق رہے، کیونکہ حدیث کے موافق ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔ دوسرا قول صرف اقامت کی  
کراہت کا ہے، امام بخاریؒ چونکہ مس صحف اور دخول مسجد وغیرہ میں بھی توسع کرتے ہیں، اس لئے یہیں بھی ان کے نزدیک توسع ہوگا۔

باب قول الرجل فاتتنا الصلوة وكره ابن سيرين ان يقول فاتتنا

الصلوة وليقل لم ندرک وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح

(آدی کا یہ کہنا کہ ہماری نماز جاتی رہی مکرہ سمجھا ہے اس طرح کہنا چاہئے کہ ہم نے نماز نہیں پائی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کا قول بہت درست ہے)

۶۰۴: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شبیان عن یحیی عن عبد اللہ بن ابی قتادة عن ابیه قال بینما نحن  
نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ سمع حلبة رجال فلما صلی قال ما شانکم قالوا استعجلنا الی  
الصلوة قال فلا تفعلوا اذ اتیم الصلوة فلیکم السکينة فما درکم فصلوا وما فاتکم فاتموا

ترجمہ: حضرت ابو نعیم روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے کچھ لوگوں کی آواز سنی، جب  
آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا، کہ تمہارا کیا حال ہے (یعنی یہ شور کیوں ہوا) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے نماز کے لئے غلٹ کی، آپ نے فرمایا۔ اب  
ایسا نہ کرنا، جب تم نماز کے لئے آؤ، تو نہایت اطمینان سے آؤ، پھر جس قدر نماز پاؤ اس قدر پڑھو اور جس قدر تم سے جاتی رہے اس کو پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؑ نے فرمایا کہ ابن سیرین کی ناپسندیدگی کا تعلق تہذیب الفاظ سے ہے، جس طرح شریعت نے عتمہ کا اطلاق عشا پر اور یثرب کا اطلاق مدینہ طیبہ پر ناپسند کیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر شریعت میں جماعت کا فوت ہو جانا نماز کے فوت ہو جانے کے برابر ہے۔

### باب ما ادرکتہم فصلوا وما فاتکم فاتموا قالہ ابو قتادہ عن النبی ﷺ

(اس امر کا بیان) کہ جس قدر نماز تم کو مل جائے پڑھ لو اور جس قدر تم سے چھوٹ جائے اس کو پورا کر لو۔ اس کو ابو قتادہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے

۶۰۵: حدثنا ادم قال حدثنا ابن ابی ذئب قال حدثنا الزہری عن سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عن الزہری عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الى الصلوة وعلیکم السکينة والوقار ولا تسرعوا لما ادرکتہم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے وقار اور اطمینان کو اختیار کئے ہوئے چلو، اور دوڑ ڈنیں، پھر جس قدر نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو، اور جس قدر چھوٹ جائے اس کو بعد میں پورا کر لو۔

تشریح: حضرتؑ نے فرمایا کہ حدیث الباب کے تحت ترتیب صلوة مسبوق کی بحث آ جاتی ہے، حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ امام کے ساتھ وہ جتنی نماز پڑھتا ہے، وہ اس کے لئے بھی آخری حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی پہلی رہی ہوئی نماز ادا کرے گا، گویا مسبوق اپنی پہلی باقی ماندہ نماز میں منفرد جیسا ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں لفظ فوات وارد ہے اور دوسری احادیث میں وما فاتکم فاقضوا بھی آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حصہ فوت ہو چکا ہے، اور اس کو امام کے بعد قضا کرے گا۔ شیخ اکبرؒ نے بھی فرمایا کہ مسبوق باقی نماز کو قضا کرتا ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ جتنی نماز ملی، وہ مسبوق کے لئے پہلا حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی باقی کو پورا کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں اتمام ہے، اور اتمام آخری حصہ کو ادا کرنے کا نام ہے، حضرتؑ نے فرمایا کہ تاویل دونوں کے لئے ممکن ہے، اور ہمارے لئے اس بارے میں دو حدیث اور بھی ہیں جن کو ”فصل الخطاب“ میں ذکر کیا ہے۔

### باب متى يقوم الناس اذ اراد الامام عند الاقامة

(تکبیر کے وقت جب امام کو دیکھ لیں تو کس وقت کھڑے ہوں)

۶۰۶: حدثنا مسلم بن ابراہیم قال حدثنا هشام قال كتب الى يحيى عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابيه

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قيمت الصلوة فلا تقوموا حتى ترونى۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کی اقامت کے وقت جب تک مجھے نہ دیکھ لو، اس وقت تک کھڑے نہ ہو کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: بعض احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نماز جماعت کی اقامت پوری ہونے کے بعد کھڑے ہوتے تھے، اور بعض سے یہ کہ اقامت کے دوران کھڑے ہوتے تھے اور ہماری کتب فقہ حنفی میں بھی دونوں طرح ہے، درمختار کا حاشیہ طحاوی دیکھا جائے، تنقیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اس کے مسجد میں داخل ہونے پر صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہوں، اگر وہ مسجد کے اندر ہی ہے تو جب وہ اپنی جگہ سے امامت کے لئے اٹھے، اس وقت کھڑے ہوں، پھر یہ مسئلہ نفس صوة سے متعلق نہیں ہے بلکہ



آداب صلوٰۃ کا ہے، اس لئے اگر کوئی پہلے سے کھڑا ہو جائے تب بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ یہ بھی عماء سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ منتظر رہتے تھے حضور علیہ السلام کے گھر سے نکلنے پر اقامت کہتے تھے، اور دوسرے صحابہ کرام آپ کو صف میں آجانے پر دیکھتے تھے، تو اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے، اس طرح جب حضور علیہ السلام مصلے پر پہنچتے تھے تو اقامت پوری ہونے تک صفیں درست ہو چکی ہوتی تھیں۔ باقی آپ کو دیکھنے سے قبل کوئی کھڑا نہ ہوتا تھا کہ یہ عیث بھی تھا۔

## باب لا یقوم الی الصلوٰۃ مستعجلاً ولیقم الیہا بالسکینۃ والوقار (نماز کے لئے جلدی سے نہ اُٹھے بلکہ اطمینان اور وقار کے ساتھ اٹھے)

۶۰۷: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحییٰ عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی وعلیکم السکینۃ تابعہ علی بن المبارک ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی اقامت کہی جائے، تو تم اس وقت تک نہ کھڑے ہو، جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لو، وارا اپنے اوپر اطمینان کو لازم سمجھو (یعنی بن مبارک نے اس کی متابعت کی ہے)۔  
تشریح: حضرت شیخ الحدیث وامت برکاتہم نے لکھا:۔ شارحین نے غرض ترجمۃ الباب نہیں لکھی، میرے نزدیک اشارہ ہے قول باری تعالیٰ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا الایہ کی طرف کہ بظاہر آیت مذکورہ سے حدیث الباب متعارض معلوم ہوتی ہے، حافظ نے لکھا کہ سعی سے مراد آیت میں اس کام کے لئے آگے بڑھنا ہے اور حدیث میں دوڑنا ہے نماز کی طرف دوڑ کر جانا وقار و سکینت اور آداب صلوٰۃ کے خلاف ہے۔ (الابواب ص ۲۱۳۹)

## باب هل ینخرج من المسجد لعلۃ

(کیا مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکل سکتا ہے؟)

۶۰۸: حدثنا عبدالعزیز بن عبد اللہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن صالح ابن کیسان عن ابن شہاب عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج وقد اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف حتی اذا اقام فی مصلّٰۃ انتظرونا ان یکبروا فنصرف قال علی مکانکم فمکثنا علیٰ ہیئتنا حتی خرج الینا ینطفئ راسہ ماء وقد اغتسل

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ مسجد سے) باہر چلے گئے حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، اور صفیں بھی برابر کر لی گئی تھیں، جب آپ (واپس آ کر) اپنے مصلے میں کھڑے ہو گئے، ہم منتظر رہے، کہ اب آپ تکبیر کہیں گے (لیکن) آپ پھر گئے (اور ہم سے) فرمایا، کہ اپنی جگہ پر رہو، ہم بحال خود کھڑے رہے (تھوڑے عرصہ میں) آپ ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے غسل کیا تھا۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو دیکھا مسجد سے بعد اذان کے نکل کر جا رہا ہے آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کی۔ اس لئے امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے ثابت کیا کہ کسی ضرورت کے تحت نکلنے کی اجازت بھی ہے۔ فقہ حنفی کی کتاب بحر میں بھی ہے کہ جو شخص لوٹنے کے ارادہ سے نکلے یا اس کو کسی دوسری جگہ امامت ہی کرانی ہو تو اس کو اجازت ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام حکم شرعی کو رائے سے خاص بھی کر سکتے ہیں اگرچہ ابتدائی ہو، بشرطیکہ حکم شرعی کی وجہ جلی و واضح

ہو۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو ”من قال لا اله الا الله دخل الجنة“ کے اعلان سے روک دیا تھا، اور پھر حضور علیہ السلام نے بھی اس پر رضامندی عطا فرمادی تھی، ایسا ہی فقہاء مجتہدین سے بھی ثابت ہے اس لئے اس کو عمل بالرائے سے مطعون نہیں کر سکتے۔

## باب اذا قال الامام مكانكم حتى يرجع انتظروہ

اگر امام کہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو جب تک کہ میں لوٹ کر نہ آؤں تو مقتدی اس کا انتظار کریں

۶۰۹: حدثنا اسحق قال اخبرنا محمد بن يوسف قال حدثنا الوزاعي عن الزهري عن ابي سلمة بن

عبد الرحمن عن ابي هريرة قال اقيمت الصلوة فسوى الناس صفوفهم فخرج رسول الله صلى الله

عليه وسلم فتقدم و هو جلب ثم قال على مكانكم فرجع فاغتسل ثم خرج وراسه يقطر ماء فصلى بهم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہو گئی، اور لوگوں نے اپنی صفیں برابر کر لیں، اتنے میں رسول خدا ﷺ باہر نکلے اور آگے بڑھ گئے، حالانکہ آپ جب تھے (یاد آنے پر) فرمایا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر کھڑے رہو، چنانچہ آپ سوٹ گئے، اور آپ نے غسل فرمایا، پھر باہر تشریف لائے، تو آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اب آپ نے نماز پڑھا لی۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جب کوئی امام کسی ضرورت سے درمیان نماز کے چلا جائے اور کسی قرینہ سے معلوم ہو کہ سوٹ کرتے گا تو اس کا انتظار کرنا چاہئے، ورنہ دوسرا امام آگے بڑھ کر نماز پوری کر دے گا۔ (لامع برداری)

## باب قول الرجل ما صلينا

۶۱۰: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا شيبان عن يحيى قال سمعت ابا سلمة يقول انا جابر عن عبد الله ان

النبي صلى الله عليه وسلم جاءه عمر بن الخطاب يوم الخندق فقال يا رسول الله والله ما كدت ان

اصلى حتى كادت الشمس تغرب وذلك بعد ما افطر الصائم فقال النبي صلى الله عليه وسلم والله

ما صليتها فنزل النبي صلى الله عليه وسلم الى بطحان وانا معه فتوضأ ثم صلى العصر بعدما غربت

الشمس ثم صلى بعدها المغرب

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن حضرت عمر بن الخطابؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! واللہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی، اور آفتاب غروب ہو گیا ہے (حضرت عمرؓ کا) یہ کہنا ایسے وقت تھا، کہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی، پس نبی کریم ﷺ بطحان میں اترے اور میں آپ کے ہمراہ تھا، آپ نے وضو فرمایا اور آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ ”امام بخاری اس سے تہذیب الفاظ کا سبق دینا چاہتے ہیں، لیکن استدلال اگر خود حضور علیہ السلام کے قول واللہ ما صليتها سے ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔“ (الابواب والترجم)

## باب الامام تعرض له، الحاجة بعد الاقامة

۶۱۱: حدثنا ابو معمر عبد الله بن عمرو قال حدثنا عبد الوارث قال حدثنا عبد العزيز هو ابن صهيب عن انس قال اقيمت الصلوة والنبي صلى الله عليه وسلم ياجي رحلاً في جانب المسجد فما قام الى الصلوة حتى نام القوم

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کی اقامت ہوئی اور نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں کسی شخص سے آہستہ باتیں کر رہے تھے، پس آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ بعض لوگ اونکے نکلے۔  
تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: در مختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ امام اگر کسی مصروفیت یا ضرورت کی وجہ سے اقامت کے بعد دیر تک نماز شروع نہ کرے تو اقامت کا اعادہ ہونا چاہئے، ورنہ نہیں، فاصلہ یا تاخیر کتنی ہو اس کا تعین دشوار ہے۔

## باب الکلام اذا اقيمت الصلوة

(اقامت ہو جانے کے بعد کلام کرنے کا بیان)

۶۱۲: حدثنا عياش بن الوليد قال حدثنا عبد الاعلى ثنا حميد قال سالت ثابت الباني عن الرجل يتكلم بعد ما تقام الصلوة فحدثني عن انس بن مالك قال اقيمت الصلوة فعرض للنبي صلى الله عليه وسلم رجل فحبسه بعد ما اقيمت الصلوة

ترجمہ: حمید روایت کرتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی سے اس شخص کی ہدایت پوچھا جو نماز کی اقامت ہو جانے کے بعد کلام کرے، انہوں نے مجھ سے حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث بیان کی، کہ انہوں نے کہا (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہو چکی تھی، اتنے میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آگیا، اس نے آپ کو اقامت ہو جانے کے بعد روک لیا (اور ہائیں کرتا رہا)  
تشریح: حافظؒ نے فرمایا کہ غرض بخاری مطلقاً کراہت کلام کا رد ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ حدیث سے جواز کلام بعد الاقامت ثابت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بھی اقامت و تکبیر تحریم کے درمیان بات کرنے کی کراہت جب ہے کہ بلا ضرورت ایسا کیا جائے، یعنی کسی امر شرعی و دینی کے لئے کلام ہو تو پھر کراہت نہ ہوگی۔

## باب وجوب صلوة الجماعة وقال الحسن ان منعه امه

عن العشاء في الجماعة شفقة لم يطعها

(نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان حسن (بصری) نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کی ماں ازراہ محبت عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے تو وہ اس کا کہنا نہ مانے)

۶۱۳: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال والذي نفسي بيده لقد هممت ان امر بحطب ليحطب ثم امر بالصلوة فيؤذن لهماثم امر رجلاً فيوم الناس ثم اخالف، الى رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذي نفسي بيده لو يعلم احدكم انه يجدهم قاصداً سميماً او امر مائتين حسنتين لشهد العشاء

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ (اولاً) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں (اس کے بعد) حکم دوں، کہ عشاء کی نماز کوئی دوسرا شخص پڑھائے، اور میں (خود) کچھ (لوگوں کو ہمراہ لے کر) لوگوں کے گھروں تک پہنچوں، (جو عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے) اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فریہ بڑی، یا دودھ گشت والی ہڈیاں پائے گا، تو یقیناً عشاء کی نماز میں آئے گا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے جماعت کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، حنفیہ کے دوقول ہیں ایک وجوب کا دوسرا سنت مؤکدہ کا۔ صاحب بحر نے فیصلہ کر دیا کہ ادنیٰ وجوب اور اعلیٰ سنت مؤکدہ کا درجہ ایک ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنن مؤکدہ میں سے اعلیٰ درجہ کی سنت ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دوقول ہیں، ایک فرض کفایہ کا دوسرا سنت مؤکدہ کا، امام احمد کا ایک قول فرض بین و شرط صحت صلوٰۃ کا ہے، دوسرا یہ کہ فرض تو ہے مگر شرط صحت صلوٰۃ نہیں۔ یہ اختلاف نظر معنوی پر مبنی ہے، ترک جماعت پر وعید کی احادیث پر نظر کی جائے تو فرض و واجب جیسا درجہ سمجھ میں آتا ہے اور اگر ان احادیث پر نظر کی جائے جن میں بظاہر معمولی اعدار کے سبب بھی ترک جماعت کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کا درجہ سنت کا ہی ماننا پڑتا ہے۔ مثلاً آتا ہے کہ کھانے کی وجہ سے اور بارش، ظلمت، سخت گرمی، سخت سردی وغیرہ کے سبب ترک جائز ہے۔ کتب فقہ حنفی میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص فتاویٰ اور علمی تحقیقات کے لئے مراجعت و مطالعہ کتب میں زیادہ مشغول ہو تو اس کے لئے بھی ترک جماعت عذر ہے اور جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مفتی و مدرس کے لئے مطالعہ کتب و مراجعت ضروری ہے، اور آج کل جو سطیحت و عدم اشتغال کی صورت ہوگئی ہے، اس سے علمی و تحقیقی شان زوال پذیر ہے)

لہذا اس کے بارے میں خلاف اتنا زیادہ نہیں، جتنا عام طور سے سمجھا گیا ہے۔ مذہب و اعذار کی تفصیل اور جز میں دیکھی جائے حنفیہ میں سے امام طحاوی و کوفی وغیرہ کا مختار یہ ہے کہ جماعت کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی وقت نماز پر مسجد معطل ہو کہ کوئی بھی جماعت سے نہ پڑھے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر جماعت ہوتی رہے اور کوئی شخص کسی عذر سے شرکت نہ کرے اور تنہا پڑھے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (راجع ص ۲۳۲)

## باب فضل صلوٰۃ الجماعة وکان الاسود اذا فاتته الجماعة ذهب الى مسجد

## اخر و جاء انس بن مالک الى مسجد قد صلى فيه فاذن واقام وصلى جماعة

۶۱۴: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلى

الله عليه وسلم قال صلوٰۃ الجماعة تفضل صلوٰۃ الفرد سبع و عشرين درجة

۶۱۵: حدثنا عبد الله بن يوسف قال حدثني الليث قال حدثني يزيد بن الهاد عن عبد الله بن خباب عن

ابى سعيد انه سمع النبی صلى الله عليه وسلم يقول صلوٰۃ الجماعة تفضل صلوٰۃ الفرد و بخمس و

عشرين درجة

۶۱۶: حدثنا موسى بن اسمعيل قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا الاعمش قال سمعت ابا صالح يقول

سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰۃ الرجل في الجماعة تضعف على صلوٰۃ

في بيته وفي سوقه خمسة و عشرين ضعفاً و ذلك انه اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد

لا يخرج منه الا الصلوٰۃ لم يخط خطوطة الا رفعت بها درجة و حط عنه بها خطيئة فاذا صلى لم تنزل الملكة

تصلي عليه مادام في صلاة اللهم صل عليه اللهم ارحمه و لا يزال احدكم في صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ

ترجمہ ۶۱۴: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پرست نہیں درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے۔  
ترجمہ ۶۱۵: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

ترجمہ ۶۱۶: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا جماعت سے نماز پڑھنا، اسکے اپنے گھر میں، اور اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے کہ جب عمدہ طور پر وضو کر کے مسجد کی طرف چلے، اور محض نماز ہی کے لئے چلے تو جو قدم رکھے گا، اسکے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند ہوگا، اور ایک گناہ اس کا معاف ہوگا، پھر جب وہ نماز پڑھ لے گا تو برابر فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے مصلیٰ میں رہے گا، کہ یا اللہ اس پر رحمت نازل فرما، یا اللہ اس پر مہربانی فرما، اور تم میں سے ہر شخص جب تک کہ نماز کا انتظار کرتا ہے نماز میں متصور ہوتا ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہؓ پچیس درجے زیادہ ثواب روایت کرتے ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ستائیس درجے اور بھی روایت زیادہ قوی ہے۔ حافظ نے لکھا کہ علامہ ابن المیر نے امام بخاریؒ کے اس ترجمہ پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے باب میں وہ جماعت کا وجوب بتلا چکے ہیں تو اس کے بعد صرف فضیلت کا اثبات اس کے منافی یا بے فائدہ ہے (کیونکہ کسی امر کا حد وجوب یا فرض میں داخل ہو جانا ہی اس کے لئے ہزار فضیلتوں کا ضامن ہو جاتا ہے) پھر حافظ نے لکھا کہ علامہ نے اس کے لئے جواب دی بھی طویل کی ہے، مگر اتنا ہی جواب کافی ہے کہ کسی شے کا وجوب اس کے ذی فضیلت ہونے کے منافی نہیں ہے یا مقصود اظہار فضیلت بہ لحاظ منفرد کے ہے۔ اس کے بعد حافظ نے لکھا کہ امام بخاری کے اثر اسود و انس ذکر کرنے سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ احادیث الباب میں جو فضیلت وارد ہے وہ صرف جماعت مسجد کے لئے ہے گھر وغیرہ کی جماعت کے لئے نہیں ہے، ورنہ حضرت اسود و دوسری مسجد میں نہ جاتے، اور حضرت انسؓ جماعت ثانیہ مسجد میں نہ کرتے۔ (فتح ص ۸۹/۲)

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جس مسجد میں حضرت انسؓ نے دوسری جماعت اذان و اقامت کے ساتھ کی تھی، وہ راستہ کی مسجد تھی، لہذا اس سے جماعت ثانیہ کا جواز نہیں نکلے گا، علامہ یحییٰ نے لکھا کہ کسی مسجد میں جماعت ہو چکنے کے بعد مکرر جماعت کرنے میں اختلاف ہوا ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت علقمہ و اسود کے ساتھ جماعت ثانیہ کی ہے اور یہی قول حضرت عطاء کا ہے امام احمد و ائحق وغیرہ نے یہی مسلک اختیار کیا (وہ مسجد میں بے تکلف کئی کئی جماعت کو جائز بلا کراہت کہتے ہیں)

حضرت سالم وغیرہ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی مسلک جمہور (امام ابو حنیفہ، امام مالک، ثوری، اوزاعی وغیرہ) کا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد گراست پر ہو، جس کا کوئی امام مقرر نہ ہو تو اس میں کئی جماعت درست ہیں ورنہ تنہا پڑھنی چاہیے۔ درختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ مسجد محلہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اور مسجد طریق میں مکروہ نہیں اور اسی طرح جس میں کوئی امام و مؤذن مقرر نہ ہو، افادۃ النور: حضرتؒ نے فرمایا: حضرت انسؓ نے جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں نہیں کی تھی بلکہ مسجد بنی زریق میں کی تھی، اور کراہت کا مسئلہ مسجد محلہ سے متعلق ہے۔ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ پہلے امام کی جگہ چھوڑ کر بلا اذان و اقامت کے درست بلا کراہت ہے، اور شاید ترک اذان و اقامت بھی یہی حالت بدلنے کے لئے، اور ان کے نزدیک بھی عدم کراہت اس وقت ہے کہ اتفاق طور سے جماعت اولیٰ رہ گئی ہو، نہ اس وقت کہ دوسری جماعت جان بوجھ کر کرے یا اس کا عادی ہو جائے، اور حضرت انسؓ سے بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ تفصیل ہے کہ انہوں نے دوسری جماعت اس طرح کی کہ خود امام ہو کر درمیان صف میں کھڑے ہوئے، جماعت اول کی طرح آگے کھڑے ہو کر اقامت نہیں فرمائی، اس سے بھی پہلی حالت و ہیئت بدلنے کا اشارہ ملتا ہے، جو امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے فرق یہ ہوا کہ حضرت انسؓ نے اذان و اقامت مکرر کر کے اپنی جگہ بدل دی اور ابو یوسفؒ بغیر اذان و اقامت کے امام کی جگہ بدلنے کے قائل ہیں۔ پھر یہ کہ

کنکار اذان و اقامت کا قول کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ کسی کا بھی مستدل نہیں ہے۔

تیسری حدیث الباب ص ۶۱۶ میں قولہ **صلوة الجماعة تضعف على صلاحه في بيته** پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں مقابلہ نماز جماعت اور نماز منفرد کا ہے، جماعت مسجد اور جماعت بیت کا نہیں ہے، کیونکہ نظر شارع میں مساجد کی جماعت ہے گھروں کی نہیں، لہذا گھر کی یا بازار کی نماز کا ذکر جہاں بھی حدیث میں آیا ہے وہ اسی عام نظر شارع کے تحت ہوا ہے۔ کیونکہ زمانہ سلف میں بازاروں میں بھی مساجد نہ تھیں۔ اس طرح گویا جماعت بیت کا مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے، پھر یہ کہ جس کی نماز جماعت مسجد کی فوت ہو جائے تو وہ گھر میں جماعت کرے یہ مسئلہ کتب فقہ میں ہے، آگے یہ مسئلہ رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت مسجد کا اہتمام ہی نہ کرے اور گھر میں جماعت کرے تو وہ تارک جماعت کہلائے گا یا نہیں، اس مسئلہ کو مدیہ اور اس کی شرح حبیبی کبیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ہم اس کا مضمون نقل کرتے ہیں:۔ اگر کوئی شخص تراویح کی نماز گھر کے اندر جماعت کے ساتھ ادا کرے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرے گا۔ اگرچہ جماعت مسجد کے برابر نہ ہوگا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور یہی بات فرائض میں بھی ہے کہ وہ بھی اگر گھر میں مسجد کی طرح جماعت کے ساتھ ادا کئے جائیں تو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی ۲۷ گنا والی، مگر مسجد کے برابر نہیں کیونکہ اس میں شرف مکان، اظہار شعائر، بخیر سوؤ مسلمین اور اسلاف قلوب کی نوعیت بڑھی ہوئی ہے، لیکن اس میں قید یہ ہے کہ دونوں جگہ کی نماز جماعت ہے لحاظ اشکال سنن و آداب برابر ہو، اگر گھر کی نماز زیادہ کامل و اکمل ہو اور امام مسجد مثلاً سنن و آداب کی رعایت نہ کرتا ہو تو گھر کی جماعت زیادہ افضل ہوگی، اور اگر امام مسجد واجبات کی رعایت بھی نہ کر سکتا ہو جیسا کہ اس زمانہ کے بہت سے امام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور گھر کا امام اعلم و افضل ہو اور واجبات و سنن کی رعایت بھی زیادہ کرے تو وہ جماعت بدرجہ اولیٰ مسجد سے افضل ہوگی۔ (حبیبی کبیر ص ۴۰۲)

امام بخاریؒ نے مستقل باب باندھا ہے اہل علم و فضل کے احق بالامامۃ ہونے کا، اور حنفیہ نے اعلم بالمسائل کو اقرار پر ترجیح دی ہے۔ مگر اس زمانہ میں جہلاء عوام قاری کو عالم پر ترجیح دیتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

مراتی الفلاح میں ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا مردوں کے لئے سنت موکدہ ہے اور جماعت کا ثواب ایک مقتدی کے ساتھ بھی حاصل ہو جائے گا، خواہ وہ صبی ہو یا عورت ہو، اگرچہ گھر میں ہی ادا کرے۔ علامہ طحاویؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی یا باندی کے ساتھ جماعت کرے تو اس کو بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اگرچہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ جماعت مسجد کو جماعت بیت پر کیفا فضیلت ہوگی اگرچہ کمادونوں برابر ہوں گی، اور دونوں کا ثواب ۲۵ یا ۲۷ گنا ہوگا، خواہ مسجد میں جماعت سے پڑھے یا گھر میں یا بازار میں۔ (مع ص ۸/۱)

## باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعة

(فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۶۱۷: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني سعيد ابن المسيب و ابو سلمة بن عبد الرحمن ان اباه ريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول تفضل صلوٰۃ الجميع صلوٰۃ احدكم وحده بخمسة وعشرين جزءاً وتجتمع ملائكة الليل وملئكة النهار في صلوٰۃ الفجر ثم يقول ابو هريرة واقراء وان شئتم ان قران الفجر كان مشهوداً قال شعيب وحدثني نافع عن عبد الله بن عمر قال تفضلها بسبع وعشرين درجة

۶۱۸: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابي قال حدثنا الاعمش قال سمعت ام الدرداء تقول دخل على ابو الدرداء وهو مغضب فقلت ما اغضبك قال والله ما اعرف من امر محمد صلى الله عليه وسلم شيئاً الا انهم يصلون جميعاً.

۶۱۹: حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابو اسامة عن بريد بن عبد الله عن ابي بردة عن ابي موسى قال قال النبي صلى الله عليه وسلم اعظم الناس اجراً في الصلوة ابعدهم فابعدهم ممشي والذي ينتظر الصلوة حتى يصلبها مع الامام اعظم اجراً من الذي يصلی ثم ينام

ترجمہ ۶۱۸: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر شخص کی جماعت کی نماز سے تنہا نماز پچیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے، اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر چاہو تو (اس کی دلیل میں) ان قرآن الفجر کان مشہوداً پڑھو، شعیب کہتے ہیں، مجھ سے نافع نے عبد اللہ بن عمر سے نقل کیا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے۔

ترجمہ ۶۱۸: حضرت سالم روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام درداء کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتی تھیں کہ (ایک دن) ابو درداء میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے، میں نے کہا کہ آپ کچھ کیوں اتنا غصہ آگیا؟ بولے کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے دین کی کوئی بات (اب) میں نہیں دیکھتا، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں (سواب اس میں بھی کوتاہی ہونے لگی ہے)۔

ترجمہ ۶۱۹: حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ سب لوگوں سے زیادہ ثواب ان لوگوں کو ملتا ہے جن کی مسافت (مسجد سے) دور ہے پھر جن کی ان سے دور ہے، اور وہ شخص جو جماعت کا منتظر رہے، تاکہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے، باعتبار ثواب کے اس سے زیادہ ہے (جو جلدی سے) نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ یہ باب پہلے باب سے انحصار ہے، اور اس میں چونکہ دن و رات کے فرشتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے فضیلت بھی زیادہ ہے، اس لئے اس کے لئے مستقل باب لائے ہیں۔ (فتح ص ۹۴/۲)

## ترجمہ الباب سے احادیث کی غیر مطابقت

یہاں امام بخاری نے باب کے تحت جو دوسری حدیث ص ۶۱۸ پیش کی ہے، اس میں جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، صرف مطلق جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہذا ترجمہ اس باب سے مطابقت نہیں ہے۔

تحقیق یحییٰ نے لکھا کہ جزوی طور سے تو مطابقت ہوئی گئی اور امام بخاری کی اس کتاب میں اس قسم کے تجوزات بہ کثرت ہیں۔ (عمدہ ص ۲/۶۹۳) حافظ نے ابن المنیر کا جواب بھی یہی نقل کیا کہ یصون جمیعاً میں نماز فجر بھی گئی، حافظ نے یہ بھی لکھا کہ ان کے علاوہ کسی شارح نے مناسبت ترجمہ نہیں بتلائی (فتح ص ۹۵/۲)

باب کی تیسری حدیث ص ۶۱۹ میں بھی جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، علامہ یحییٰ نے لمبی تاویل کر کے جواب دیا ہے، حافظ نے ابن المنیر کا جواب لکھا کہ زیادہ اجر کا سبب نماز کے لئے جانے میں مشقت ہوتا ہے اور یہ جماعت فجر میں زیادہ ہے، کیونکہ سوکراٹھنے میں کسل زیادہ اور مشقت کا احساس نمایاں ہوتا ہے، اور اس میں نیند جیسی محبوب چیز چھوڑنی پڑتی ہے، عشا میں یہ بات نہیں، اگرچہ رات کی ظلمت میں چل کر جانا وہاں بھی وجہ فضیلت ضرور ہے۔ (فتح ص ۹۵/۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شرح تراجم ابواب البخاری میں یہ تاویل کی کہ ”یہ باب سابق باب کا تختی و ذیلی باب ہے، لہذا آخر کی دونوں احادیث کا تعلق باب سابق سے ہے۔“ سچ ہے تاویل کا باب بہت واسع ہے۔

## باب فضل التہجر الی الظهر ظہر کی نماز اول وقت پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۶۲۰: حدثنی قتیبۃ عن مالک عن سمی مولى ابی بکر بن عبدالرحمن عن ابی صالح السمان عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوک علی الطریق فآخرہ فشکر اللہ لہ فغفر لہ ثم قال الشہداء حمسۃ المطعون والمبطون والغریق وصاحب الہدم والشہید فی سبیل اللہ وقال لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستہموا علیہ لاستہموا علیہ ولو یعلمون ما فی التہجیر لا استقوا الیہ ولو یعلمون ما فی الحتمۃ والصبح لاحوہما ولو حوا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ (پڑی ہوئی) دیکھی تو اس کو ہٹا دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب اسے یہ دیا، کہ اس کو بخش دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ شہید پانچ لوگ ہیں، جو طاعون میں مرے، اور جو پھٹ کے مرض میں مرے، اور جو ڈوب کر مرے، اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو، اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں (شامل ہونے میں) کیا (ثواب ہے؟) اور پھر یہ نیک کام قرعہ اے بغیر نصیب نہ ہو، تو یقیناً وہ اس پر قرعہ ڈالیں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سویرے نماز پڑھنے میں کیا فضیلت ہے؟ تو بیشک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح کی نماز (جماعت سے پڑھنے) میں کس قدر (ثواب) ہے تو یقیناً ان میں آکر شریک ہوں، اگرچہ گھنٹوں کے بل (چنا پڑے)۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ بجائے مطلق صلوٰۃ کے ظہر کا لفظ ترجمہ میں لائے ہیں، جبکہ حدیث الباب میں بھی ظہر کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ بخاری کے دوسرے نسخہ میں صلوٰۃ ہی ہے، علامہ یحییٰ نے لکھا کہ اگر یہاں حدیث میں ظہر کی نماز مراد ہو تب بھی یہ ایراد ظہر والی حدیث کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ شدت حر کے لئے ہیں، اور اصل و عزیمت وقت نماز میں تجہیر اور مہارت ہی اول وقت کے لئے ہے، اور شدت حر کے وقت ظہر کی تاخیر بطور رخصت ہے۔ (عمدہ ص ۶۹۷/۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں شہداء کی تعداد پانچ بتلائی ہے، لیکن اور احادیث میں زیادہ تعداد بھی وارد ہے اور حدیث کی اصطلاح فقہ سے زیادہ عام ہے، علامہ سیوطیؒ نے شہداء پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور علامہ اجموریؒ، لکھنے نے شہداء کی تعداد ساٹھ تک گنائی ہے۔ اس لئے میں نے احادیث سے استنباط کر کے ایک ضابطہ بنایا کہ جو بھی کسی المناک متحادی بیماری میں مرے، جیسے ہیضہ، دستوں وغیرہ کی بیماری میں وہ شہید ہے، یا مہلک و خطرناک بیماری، طاعون جیسی میں مرے وہ بھی شہید ہے اور کسی اچانک بلا میں مر جائے، جیسے ڈوب کر، یا کسی دوسرے فوری حادثہ سے تو وہ بھی شہید ہے، حدیثی نقطہ نظر سے یہی تین قسم کے شہید ملیں گے۔ واللہ اعلم



## باب احتساب الآثار

(نیک کام میں ہر قدم پر ثواب ملنے کا دھیان)

۶۲۱: حدثنا محمد بن عبد الله بن حوشب قال حدثنا عبد الوهاب قال حدثني حميد عن انس بن مالك قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يابني سلمة الاتحتسبون الاركام وزاد ابن ابي مريم قال اخبرني يحيى بن ايوب قال حدثني حميد قال حدثني انس ان بني سلمة ارادوا ان يتحولوا عن منازلهم فينزلوا قريبا من النبي صلى الله عليه وسلم قال ففكره النبي صلى الله عليه وسلم ان يعرفوا المدينة فقال الا محتسبون الاركام قال مجاهد خطاهم الآثار المشي في الارض بارجلهم

ترجمہ: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے بنی سلمہ، کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر مسجد آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے؟ اور ابن ابی مریم نے بواسطہ محمدی کے حضرت انسؓ سے اتنی روایت اور زیادہ کی ہے کہ بنی سلمہ نے چاہا کہ اپنے مکانوں سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ کے قریب کہیں قیام کریں تو نبی کریم ﷺ نے اس بات کو برا سمجھا کہ مدینہ کو ویران کر دیں، پس آپ نے فرمایا کہ کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے، اور مجاہد نے کہا ہے کہ خطا ہم کے معنی زمین میں اپنے پیروں سے چلنے کے نشانات ہیں۔ تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احتساب کا مرعہ ”علم اعلم“ کا ہے یعنی ذہول و غفلت کے مواقع میں حصول ثواب کی نیت و ارادہ کیا جائے، چونکہ مسجد میں جانے کے وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس راہ میں چلنے اور قدم اٹھانے پر بھی اجر و ثواب ہے، اور عام طور سے آدمی اس کو طاعت و باعث اجر بھی سمجھتا، اس لئے شارع نے تنبیہ کی کہ ایسے امور ثواب میں، ثواب کا احتساب ضرور کیا کرو کہ اس سے اس کی دشواری بھی رفع ہو جاتی ہے اور نیت ثواب سے اجر بھی ذیل ہو جاتا ہے، ایک ثواب عمل کا دوسرا نیت خیر کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۲۲: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابي قال حدثنا الاعمش قال حدثني ابو صالح عن ابي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ليس صلوة الفل على المنافقين من الفجر والعشاء وبويعلمون ما فيهما لانهما ولو حبا ولو حبا لقد هممت ان امر المؤذن فيقيم ثم امر رجلا يؤم الناس ثم اخذ شعلا من نار

فاحرق على من لا يخرج الى الصلوة بعد

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں منافقوں پر کوئی نماز نہیں، لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں (کے وقت پر نماز پڑھنے) میں کیا (ثواب ہے تو ضرور ان میں آئیں، اگرچہ انھیں گھنٹوں کے بل (چلنا پڑے) میں نے یہ (پنٹے) ارادہ کر لیا تھا، کہ مؤذن کو اذان دینے کا حکم دوں، پھر کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، اور میں آگ کے شعلے لے لوں، اور جو لوگ اب تک گھر سے نماز کے لئے نہ نکلے ہوں، ان کے گھر کو (ان کے سمیت) جلا دوں (لیکن ان کے اہل و عیال کا خیال آنے سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

تشریح: پوری حدیث کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے مکان جلانے کا حضور پر نور ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا، منافق نہ تھے بلکہ مخلص تھے، صرف ان کی سستی کی بناء پر ان کو متنبہ کیا گیا، اور اس عمل کو منافق کا عمل قرار دے کر خوف دلایا گیا ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے ترجمہ میں صرف نماز عشاء کا ذکر کیا جبکہ حدیث الباب میں نماز فجر و عشاء دونوں کی فضیلت نکلتی ہے۔ لہذا عشاء کی فضیلت بھی فی الجملہ تو ثابت ہو ہی گئی، اور بقول علامہ عینیؒ کے اس قسم کے تسامحات و تجاوزات امام بخاریؒ کی کتاب میں بہ کثرت ہیں۔ فہتنبہ لہ

## باب اثنان و مافوقهما جماعة

(دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں داخل ہیں)

۶۲۳: حدثنا مسدد قال حدثنا زيد بن زريع قال حدثنا خالد عن ابى قلابه عن مالك بن الحويرث عن

النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا حصررت الصلوة فاذا ناء واقبما ثم ليومكما اكبر كما

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص آپ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو اذان دینا اور تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ تمہارا امام بن جائے۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں امام بخاری حدیث ابن ماجہ کو لے گئے ہیں۔ چونکہ اس کی سند ضعیف ہے اسی لئے اس کے ارشاد نبوی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

## باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوة وفضل المساجد

(مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے اور مسجدوں کی فضیلت کا بیان)

۶۲۴: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة ان رسول الله

صلى الله عليه وسلم قال المنكة تصلى على احدكم مادام في مصلاه ما لم يحدث اللهم اغفر له اللهم

ارحمه الا يزال احدكم في صلوة ما كانت الصلوة تحبسه ان ينقلب الى اهله الا الصلوة

۶۲۵: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا يحيى عن عبيد الله قال حدثني خبيب بن عبد الرحمن عن

حفص بن عاصم عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال سعة يظلمهم الله في ظله يوم لا ظل

الا ظله الامام العاد وشأب نشأ في عبادة ربه ورجل قلبه معلق في المساجد ورجلان تحابا في الله

اجتمعا عليه و تفرقا عليه ورجل طلبته ذات منصب وجمال فقال اني اخاف الله ورجل تصدق اخفاء

حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه

۶۲۶: حدثنا قتيبة حدثنا اسمعيل بن جعفر عن حميد قال سئل انس هل اتخذ رسول الله صلى الله

عليه وسلم خاتماً فقال نعم اخر ليلة صلوة العشاء الى شطر الليل ثم اقبل علينا بوجهه بعد ما صلى

فقال صلى الناس و رقدوا ولم تزلوا في صلوة منذ انتظرتموها قال فكانني انظر الى و يبص خاتمه

ترجمہ ۶۲۳: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص با وضو اپنے محلے پر (نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، تو فرشتے استغفار کرتے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر! اور (سنو) تم میں سے ہر ایک شخص گویا نماز میں ہے، جب تک کہ واپس گھر جانے تک نماز کے بعد وہ کوئی دوسرے چیز مسجد میں بیٹھنے کا سبب نہ ہو (یعنی صرف نماز ہی کے لئے بیٹھا رہا ہو)

ترجمہ ۶۲۵: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا، جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا، حاکم عاص، اور وہ نو جوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں (بچپن سے) بڑا ہوا ہو، اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، اور وہ دو شخص جو باہم صرف خدا کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے، اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے، اور وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت (زنا کے لئے) بجائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں

(اس لئے نہیں آسکتا) اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے، یہاں تک کہ اس کے بائیس ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور وہ شخص جو غلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) تر ہو جائیں۔

ترجمہ ۶۲۶: حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے انگٹھی بنائی تھی (یا نہیں؟) انھوں نے کہا کہ ایک رات آپ نے عشاء کی نماز میں نصف شب تک دیر کر دی پھر نماز پڑھنے کے بعد آپ نے اپنا منہ ہماری طرف کیا، اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے (لیکن) تم جب تک انتظار میں رہو گے، گویا نماز ہی میں رہو گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، گویا میں (اب بھی) آپ کی انگٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث میں انتظارِ صلوة دونوں طرح کا ذکر ہوا ہے نماز سے قبل کا بھی اور بعد کا بھی، لیکن دوسرے کا تو دل سب سے زیادہ ثابت نہیں ہے، قولہ سبعة یظلہم اللہ پر فرمایا کہ بعض روایات میں چھ کا ذکر ہے، اس کے لئے مشہور قاعدہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف وحیؐ کی ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان کو اسی طرح بیان فرمادیا۔

قولہ ورجلان فقابا فی اللہ پر فرمایا کہ اس کی ایک شرح یہ بھی ہے کہ وہ دونوں منے کے وقت پر بھی اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کریں۔ اس کی تائید روایت سے بھی ہوتی ہے، لہذا باہمی تعلق و محبت تو بطور تمہید ہوئی اور اجتماع و افتراق کے وقت ذکر اللہ مقصود و مطلوب ٹھہرے گا۔ اور اس سے عام طور سے منے اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کی فضیلت نکلتی ہے۔

## باب فضل من خرج الى المسجد و من راح

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو صبح و شام کے وقت مسجد جائے

۶۲۷: حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا محمد بن مطرف عن زید بن اسلم

عن عطآء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من غدا الى المسجد و اراح

اعد اللہ لہ' نزولہ' من الجنة کلما غدا و اراح

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص صبح و شام (دونوں وقت) مسجد جائے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت سے اس کی (اسی قدر) مہمانی مہیا کرے گا، جس قدر وہ گیا ہوگا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں متن بخاری میں من خرج ہے اور حاشیہ میں دوسرا نسخہ ہے "من غدا" اور وہی اولیٰ ہے۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ مساجد خدا کے گھر ہیں، لہذا جو بھی اور جتنی بار بھی ان گھروں کی حاضری دے گا، اللہ تعالیٰ بحیثیت میزبان کے اس کے لئے اتنی ہی مہمانی و ضیافت جنت سے مہیا کرے گا، اور جس طرح ہر شخص اپنے مہمان کے لئے ضیافت کا اہتمام کیا کرتا ہے۔ صبح و شام اور ہر نماز و حاضری کے وقت حق تعالیٰ بھی اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ سبحانہ ما اعظم شاہدہ و فضلہ

## باب اذا اقيمت الصلوة الا المكتوبة جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں

۶۲۸: حدثنا عبدالعزيز بن عبد الله قال حدثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن حفص بن عاصم عن عبد الله بن مالك بن بحنة قال مر النبي صلى الله عليه وسلم بر جده قال وحدثني عبد الرحمن قال حدثنا بهز بن اسد قال حدثنا شعبة قال اخبرني سعد بن ابراهيم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلاً من الازديين قال له مالك بن بحنة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلاً وقد اقيمت الصلوة يصلي ركعتين فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم لاث به الناس فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح اربعاً الصبح اربعاً تابعه غندر ومعاذ عن شعبة في مالك وقال ابن اسحاق عن سعد عن عبد الله بن بحنة وقال حماد اخبرنا سعد عن حفص عن مالك

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، تو رسول خدا ﷺ نے اس سے فرمایا کہ صبح کی چار رکعتیں ہیں؟ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ایک گروہ اہل ظاہر کا حدیث الباب کے ظاہر پر ہی عمل کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر جماعت شروع ہو گئی تو جو شخص اس وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ باطل ہو گئی، حالانکہ اگر مجتہدین میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے، اور وہ سب یہی کہتے ہیں کہ نماز پوری کر لے اور قطع نہ کرے۔ پھر امام شافعی کا قول حدید یہ ہوا کہ جب صبح کی نماز جماعت شروع ہو جائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے نہ صبح کی سنتیں نہ کوئی اور نہ مسجد کے اندر نہ باہر۔ قدیم قول ان کا بھی حنفی کی طرح تھا۔ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے، بجز اس کے کہ وہ داخل مسجد و خارج کا فرق کرتے ہیں۔ یعنی اگر دونوں رکعت فرض جماعت سے مل جانے کی امید ہو تو مسجد سے باہر پڑھ لے، ورنہ نہیں۔ ابن العربی نے ”الاقتراب“ میں کہا کہ قعدہ اخیرہ ملنے کی توقع ہو تب بھی پڑھ لے، لیکن یہ قول ان کی عام کتب کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب میرے نزدیک جامع صغیر اور بدائع سے یہ تحقیق ہوا کہ مسجد سے باہر پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ ایک رکعت جماعت فرض کی پاسکے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے علماء شافعیہ میں سے قسطلانی نے اور ابن رشد و ہاجی نے مالکیہ میں سے اسی کو اختیار کیا ہے۔ داخل مسجد کے جواز میں ان سے کوئی روایت نہیں ہے۔ پھر امام محمد نے آکر اس میں توسع کیا کہ ادراک قعدہ تک بھی سنتوں کی اجازت دی، اور ہمارے مشائخ حنفیہ نے مزید توسع کیا کہ مسجد میں بھی اجازت دے دی، اور غالباً سب سے پہلے امام طحاوی نے ایسا کیا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اجازت دی۔ ان دونوں کے فصل کی صورت میں۔ اس طرح گویا صاحب مذہب (امام اعظمؒ) کی ایک شرط کو تو امام محمدؒ نے ختم کیا اور دوسری امام طحاوی وغیرہ کی توسیع سے ختم ہو گئی۔ لیکن میں تو امام اعظمؒ ہی کے مذہب پر عمل کرتا ہوں، اور اسی پر علمائے فہم دیتے رہے ہیں تاہم میں مسجد کے اندر پڑھنے والے سے بھی نزاع نہیں کرتا اور سوچ لیتا ہوں شاید کہ اس نے امام محمدؒ و طحاوی کے قول پر عمل کیا ہو۔

بحث و نظر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام شافعی کا استدلال حدیث ترجمہ الباب کے عموم سے ہے کہ اس میں اقامت کے بعد دوسری نماز سے مطلقاً روک دیا گیا ہے، خواہ وہ مسجد میں ہو یا باہر، لہذا صبح کی دو رکعت سنت کا جواز باقی نہیں رہا، امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ترجمہ دالی حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ خود امام بخاریؒ کے طریقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ترجمہ الباب میں باب قول

النبي ﷺ اذا اقيمت الصلوة الخ نہیں لکھا، ورنہ وہ حسب عادت اسی طرح تعبیر کرتے۔ اگر چہ انھوں نے اپنے رسالہ قراءت خلف الامام ص ۵ (مطبوعہ دہلی) میں اس کو مرفوعاً ہی ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ خارج میں ان کے طریق استدلال میں توسع ہوتا ہے جبکہ صحیح بخاری کے اندر وہ مضبوط و مستحکم رویہ اختیار کرتے ہیں۔

### امام بخاری کے بدیہی البطلان دعاوی:

امام بخاری صحیح کے علاوہ دوسرے تالیفات میں تو بعض اوقات ایسی بات بھی لکھ دیتے ہیں جو بدیہی البطلان ہوتی ہے۔ مثلاً رسالہ رفع الیدین ص ۱۷ (مطبوعہ لاہور) میں دعویٰ کیا کہ کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا، اسی طرح رسالہ قراءت ص ۱۷ میں یہ دعویٰ کیا کہ صحابہ قائلین قراءۃ خلف الامام کا مسلک یہ تھا کہ رکوع پالینے سے رکعت نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ دعاوی ناقابل قبول ہیں، جیسا کہ میں نے ان کو اپنے رسائل نیل الفرقدین اور فصل الخطاب میں مفصل لکھ دیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام بخاری نے اول تو ادراک رکعۃ ہادراک الركوع کے مسئلہ کو قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ بے جوڑ لگا دیا ہے، پھر خود ہی غیر قائلین صحابہ کے نام زیادہ گنائے ہیں، اور قائلین میں صرف حضرت ابو ہریرہؓ کا ذکر کیا ہے اور ذہن کو مسئلہ قراءت کی طرف گھمانے کے لئے ان کا ارشاد "اقروا بها فی نفسک" لائے ہیں، جبکہ ساتھ ہی ان کا ارشاد حتیٰ تدرک الامام قائم بھی ذکر کیا، جس سے صاف واضح ہے کہ ان کا مسلک دوسرے صحابہ سے الگ صرف ادراک الامام قائم کے لئے تھا، یعنی ائحاء الامام للركوع سے ایک سینکڑ قبل بھی اگر مقتدی نے امام کے ساتھ شرکت کر لی تو رکعت پالی، اس میں یہ کہاں ہے کہ قبل الانحاء فاتحہ بھی پڑھ لے تب مدرک رکعت ہوگا؟

علامہ نوویؒ نے مجموعہ ص ۲۱۵/۳ میں لکھا کہ مسئلہ ادراک رکعت ہادراک الركوع ہی صحیح و صواب ہے، جس کی تصریح امام شافعیؒ نے بھی کی ہے اور جہاں ہر اصحاب و جہاں علماء امت اسی کے قائل ہیں اور احادیث نبویہ سے بھی یہی ثابت ہے بلکہ سب ہی لوگوں کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے، صرف صنفی (تملیذ ابن خزمہ) نے ان کی مخالفت کی ہے اور تقی الدین سبکی نے اس کی تائید کی ہے۔ ائح علامہ شوکانی بھی اس کے قائل ہوئے ہیں مگر پھر انھوں نے اپنے فتاویٰ میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ (معارف السنن ص ۳۴۶/۲)

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد معارف السنن ص ۲۸۰/۳ میں اور العرف الشذی ص ۱۵۳ میں ہے کہ امام بخاریؒ نے جو عدم ادراک رکعت ہادراک الركوع کا مسئلہ اختیار کیا ہے اور اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی اپنے موافق دکھلایا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کے خلاف موجود ہے، جس میں ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس کو رکعت مل گئی اس کو سجدہ بھی مل گیا، اور قراءت فاتحہ فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ خیر کثیر سے محروم ہوا، اور دوسرے آثار سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کا مسلک یہی ثابت ہوا کہ وہ امام کی اختتام للركوع سے قبل نماز میں مل جانے کو ادراک رکعت مانتے تھے، اور فاتحہ پانے کو واجب نہ قرار دیتے تھے، لہذا امام بخاری کا مسلک مذکورہ رسالہ قراءۃ خلف الامام نہ سلف کے موافق ہے نہ علماء مذاہب اربعہ سے مطابق ہے۔ اور صحابہ و تابعین و من بعدہم سب کے خلاف ہے، اور امام بخاری کے بعد اس کو صرف ابو بکر صنفی وغیرہ ایک دو نے اختیار کیا ہے۔ اور جز المسالک ص ۱۹/۱ میں بھی ایسی ہی تحقیق درج ہے دیکھ لی جائے۔

### بخاری کی حدیث الباب میں دو غلطیاں

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں، لیکن باہر خوب حیل لسانی کرتے

۱۔ فیض الباری ص ۱۹۸/۲ میں بھی حضرت کے یہی ارشادات درج ہیں البتہ رسالہ قراءت خلف الامام کی جگہ ضبط کی غلطی اور سبقت کلم سے جز رفع الیدین لکھ دیا ہے۔ صاحب فیض اگر مراجعت کتب کا التزام کرتے تو ایسی اغلاط حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب نہ ہوتیں (مؤلف)

ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھوان کی تالیف جزء القراءۃ اور جزء رفع الیدین، پھر فرمایا کہ امام بخاری نے حدیث الباب کی روایت مالک بن حسینہ سے کی ہے حالانکہ وہ تو مسلمان بھی نہ ہوا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ روایت ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کی ہے، جو صحابی تھے، دوسری غلطی یہ ہے کہ حسینہ کو مالک کی ماں ذکر کیا گیا، جبکہ وہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہے۔

تحقیق مزید: حضرتؒ نے فرمایا: میری تحقیق یہ ہے کہ بعض احادیث بطور اصول مسلمہ شائع ہو گئی تھیں۔ اور اسی لئے ان کی سندیں نہیں ملتی تھیں، حدیث الباب ”اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة“ بھی غالباً اسی قبیل سے ہوگی، اور من كان له امام بھی اسی طرح کی ہوگی، نیز نبی عن البعثر ابھی جو حنفیہ پیش کرتے ہیں، پھر فرمایا ممکن ہے میرا یہ اصول بعض جگہ حنفیہ کو مضرب بھی ہوگا۔

عزم ہجرت اور قیام دیوبند: حضرتؒ نے ضمتا فرمایا کہ میں بارادہ ہجرت وطن (کشیر) چھوڑ کر آیا تھا، دیوبند ۱۸ سال رہا چھ سال تک مدرسہ سے کوئی وظیفہ یا تنخواہ نہیں لی، پھر نکاح ہوا تو ضرورتیں بڑھیں اور تنخواہ لی۔ شروع میں علم دین کی تحصیل کا جذبہ صرف اپنے بزرگوں کا اتباع تھا، نہ دنیا پیش نظر تھی، نہ دین کی خدمت کا ہی خالص جذبہ تھا۔

شان فانی العلم: ہم نے علامہ کوثری اور حضرت شاہ صاحبؒ دو عالم ایسے دیکھے جن کی شان صحیح معنی میں فانی العلم کی تھی، اور خدا نے ان دونوں کو فہم صحیح، وقت نظر اور حافظہ بھی بے نظیر عطا فرمایا تھا ہزار مسائل مشککہ کی تحقیق اس طرح کی کہ باید و شاید۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کی اشاعت اتنی بھی نہ ہو سکی جتنی علامہ کوثری کی ہوئی۔ اور یہ بہت بڑی کوتاہی ار باب اہتمام دارالعلوم دیوبند کی تھی کہ حضرتؒ سے تحقیقی و تالیفی کام نہ لئے گئے، اور صرف درس پر اکتفا کی گئی، یہ بھی ضروری تھا کہ حضرت کو مصر، شام اور ترکی کے اسفار کرائے جاتے اور حضرتؒ وہاں طویل طویل قیام کر کے افادہ و استفادہ فرماتے۔ حضرتؒ کے رشتہ زواج کے لئے بھی کسی علمی گھرانہ کا انتخاب کیا جاتا کہ اس خاندان کے لوگ آپ کے علم و فضل کے صحیح قدردان ہوتے اور آپ کے علمی افادات اور قلمی دستاویزات کی حفاظت کرتے، جس سے رہتی دنیا تک ان سے استفادہ ممکن ہوتا۔

اس کے برعکس یہ ہوا کہ پہلے حضرتؒ کی ذاتی کتابوں کو وفات کے بعد ہی فروخت کر دیا گیا جن پر حضرتؒ کے قلم سے نہایت گرانقدر حواشی تھے، پھر قلمی یادداشتوں کا بے بہا ذخیرہ، جو بقول حضرتؒ ہی تین بسکوں میں محفوظ تھا، اس سے غفلت برتی گئی جس سے وہ سب دیکھ کی نظر ہو گیا۔ جبکہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ایسے جامع معقول و منقول کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ سے ایک ایک رسالہ تالیف ہو سکتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے استاذ حدیث اور شیخ الاساتذہ دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و کمالات و وسعت مطالعہ کے نہ صرف معترف تھے بلکہ بیسیوں مسائل مشککہ حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ میں آپ سے رجوع و استفادہ کرتے تھے۔ یہ بھی حضرت تھانویؒ کا ارشاد تھا کہ حقانیت اسلام کی ایک دلیل حضرت شاہ صاحبؒ کا وجود بھی ہے، اگر اس میں کچھ بھی کچی ہوتی تو حضرتؒ اس کی نشان دہی ضرور فرماتے۔ غالباً یہ ریمارک حضرت تھانویؒ نے شاہ صاحبؒ کے حالات و اختلاف کے پیش نظر کیا ہوگا۔ کہ علیحدگی کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی شان گرانے کے لئے جن بے حقیقت الزامات و اتہامات سے نوازا گیا، اور حضرتؒ نے ان کے مقابلہ میں کوہ استقامت ہونے کا ثبوت دیا، وہ یقیناً ایک نہایت ہی سلیم الفطرت اور فرشتہ صفت انسان ہی سے ممکن تھا، اور اگر حضرتؒ کے اندر ادنیٰ کچی بھی ہوتی، تو سلامت روی و خلق نبوی کا ایسا اعلیٰ کردار آپ سے ظاہر نہ ہوتا۔ واضح ہو کہ زمانہ اختلاف میں حضرت تھانویؒ حزب اہتمام کے ساتھ رہے ہیں، پھر آپ نے سرپرستی دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے پہلے سے بھی زیادہ ماحسن اولین میں شامل ہو گئے تھے،

## امام بخاری اور رفع یدین پر دعوائے اتفاق صحابہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے نیل الفرقین ص ۸۷ میں لکھا:۔ امام بخاری کے دعوے مذکور کے خلاف خود ان کے تلمیذ و خلیفہ امام ترمذی نے فیصلہ دیا ہے، انھوں نے لکھا کہ ترک رفع کے قائل بہت سے صحابہ و تابعین تھے، اور ہمارے نزدیک ترک رفع حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابو ہریرہ ابن عمر، براء بن عازب اور کعب ابن عجرہ سے ثابت ہے اور تابعین میں سے اصحاب علی و ابن مسعود، جہا ہیر اہل کوفہ، بہت سے اہل مدینہ اور دوسرے اہل بلاد سے بھی ثابت ہے۔ پھر حضرت نے ابن حزم اور ابن قیم کی غلطیوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت کے دونوں رسالوں فصل الخطاب اور نیل الفرقین مع حاشیہ کا مطالعہ ہر عالم مشتغل بالحدیث کو ضرور کرنا چاہئے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیث نبویؐ "اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة" کا نفاذ مقصد اقامت صلوٰۃ کے بعد دوسرے کسی نماز کی ممانعت مسجد کے اندر ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب جواز فی الخارج کا ہے، کہ نظر شارع میں داخل مسجد و خارج کے احکام الگ الگ ہیں۔ (دیکھو فیض الباری ص ۲۰۲/۲)

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اقامت کے بعد کوئی دوسری نماز نہ مسجد کے اندر پڑھ سکتا ہے نہ باہر۔ حالانکہ راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ موطا امام مالک میں ہے اور دوسرے راوی حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ معانی الآثار لمطحاوی میں ہے کہ صبح کی دو رکعت خارج مسجد پڑھی جائیں اگرچہ امام نے نماز فرض شروع کر دی ہو۔ پھر یہاں ایک حدیث صحیح ابن خزیمہؒ کی بھی ہے جو عمدۃ القاری ص ۱۱/۲ میں نقل ہوئی کہ حضور علیہ السلام اقامت نماز کے وقت نکلے تو لوگوں کو دیکھا کہ جلدی جلدی دو رکعت پڑھ رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ پھر آپؐ نے ممانعت فرمائی کہ اقامت ہو جائے تو مسجد میں دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔

اگر اس حدیث کی نقل صحیح ہے تو اس سے واضح فیصلہ مل جاتا ہے کہ ممانعت صرف مسجد کے اندر کی ہے اور یہ چونکہ خاص طور سے صبح کی سنتوں کا واقعہ ہے تو اس بات کا بھی جواب ہو جائے گا کہ کچھ حدیثوں میں عام نمازوں کے وقت کی ممانعت آئی ہے بلکہ کسی میں فجر کو بھی ممانعت کے تحت داخل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ احادیث ضعیف ہیں۔

لہذا صحیح ابن خزیمہؒ کی حدیث صحیح کو ترجیح ہوگی۔ مگر مجھے تردد ہے کہ کہیں حافظ بیہوشی نے یہ حوالہ سبقت قلم سے نہ دے دیا ہو، کیونکہ بہت ہی زود قلم تھے۔ ساری قدوری کو ایک دن میں نقل کر لیا تھا، لوگوں کو ان کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی، اور بعض مرتبہ خود بھی اپنی تحریر وقت سے پڑھتے تھے، دوسرے اس سے شبہ ہوا کہ حافظ نے یہاں ابن خزیمہؒ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ تاریخ بخاری و مسند بزار وغیرہ کا دیا ہے۔ جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے۔ (فتح ص ۱۰۲/۲)

حضرتؒ نے اسوس کے ساتھ فرمایا کہ "یعنی کے حوالہ مذکورہ کی تصحیح و تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح ابن خزیمہؒ کا قلمی نسخہ بھی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے، البتہ سنا ہے کہ جرمن کے کتب خانہ میں ایک تہائی حصہ ہے، اس پر حافظ کے دستخط ہیں اور حافظ کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

## صحیح ابن خزیمہ شائع ہوگئی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ حضرتؒ کے کلمات مذکورہ درس بخاری شریف مورخہ ۱۲۸۳ھ کے ہیں، میری درسی بیاض ص ۹۵ میں

۱۔ عجیب بات ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں تاریخ بخاری و مسند بزار کے حوالہ سے محمد بن عمار اور ابن ابی نریہ کی روایت کا ذکر کیا ہے، اور ممکن ہے دغیرہا میں صحیح ابن خزیمہؒ بھی منظر ہو، اور ان کے پاس وہ موجود بھی تھی، اور عمدۃ القاری میں بھی اس کا حوالہ دیکھا ہوگا، پھر بھی اس کے حوالہ کی صراحت نہیں کی، کہیں ایسا تو نہیں کہنی اس مسجد کی قید سامنے سے ہٹائی تھی، تاکہ شافعیہ کے مقابلہ میں حنفیہ کو فائدہ نہ پہنچ جائے، کیونکہ ایسا تو وہ فتح الباری میں کیا ہی کرتے ہیں کہ حنفیہ کے فائدہ کی حدیث مقام بحث سے ہٹا کر دوسرے مقام میں ذکر کر دیتے ہیں۔ کما اشار الیہ العلامة الکشمیریؒ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درج اور اس طرح یاد بھی جیسے اب سن رہا ہوں، خدا کی شان کریمی و رحیمی کے قربان جائیے کہ جن کتابوں کے لئے ہمارے اکابر زیارت کو تڑپتے تھے، وہ آج ہمارے سامنے طبع ہو کر آگئی ہیں، اگرچہ اس امر کا انتہائی رنج و ملال بھی ہے کہ اب ان کتابوں کی قدر کرنے والے تو کیا مطالعہ کرنے والے بھی نہیں ہیں، صحیح بخاری شریف کے درس اور ختم بڑے اہتمام و شان سے بہ کثرت مدارس میں ہونے لگے مگر اس کے درس کا حق ادا کرنے والا ہزار میں ایک بھی مشکل سے ہوگا، قرنِ رجال کا علم تو جیسے بالکل ہی ختم ہو گیا جو حدیث کا نصف علم ہے۔ ہمارے دور کے علماء میں سے بہت سے علماء کی حدیثی تالیفات سامنے ہیں، بجز علامہ کوثری اور علامہ کشمیریؒ کے کسی کی تالیفات میں رجالی احاث کا حق ادا کیا گیا ہے؟ فی اللعجب ویلا ساف!! ہمارے ایک قشود بزرگ مولانا عبداللہ خاں صاحب کرچوری (تلمیذ رشید علامہ کشمیریؒ) کی رائے تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ مدارس عربیہ کے شیوخ حدیث فن رجال حدیث سے بے بہرہ اور تحقیق و وسعت مطالعہ سے محروم ہیں تو ان کے درس بخاری سے بجائے فروغِ حقیقت کے سلفیت و غیر مقلدیت ہی کو عروج و ترقی ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بات شاید دور جاری ہے مگر خیال تو فرمائیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر درس بخاری شریف میں تحقیق کا دریا بہاتے بہاتے کہاں تک جاتی تھی، صحیح ابن خزیمہ ہی ہمیشہ نو اور عالم میں سے رہی، تحقیق کا ستارہ کس قدر دراز آسمان سے توڑ کر لانے کی سعی کی جا رہی ہے، تاکہ حضور علیہ السلام کی ایک صحیح قوی تر سنت کی نشان دہی کر دینے میں کوئی بھی کور کیر اپنی طرف سے اٹھا کر نہ رکھ دی جائے، خوب ہی فرمایا تھا شیخ السنہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہ ”یہ کیا بار بار کہہ کرتے ہو کہ ابو حنیفہؒ نے یہ رائے دی، وہ رائے دی ہرگز نہیں، وہ ان کی رائے نہیں ہے بلکہ وہ جتنے فیصلے دے چکے ہیں وہ سب بالکل معنی الکلمہ معانی حدیث نبویؐ ہیں“ پہلے بھی کہیں لکھا تھا اور اب پھر یاد دلا دوں کہ یہ شیخ السنہ وہ بلند ترین اور مایہ ناز مستی تھے، جن کو امام بخاریؒ نے اعلم اہل زمانہ کا لقب دیا تھا، اگرچہ امام موصوف ہی نے نہ معلوم کس حال سے مغلوب ہو کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایسے اعلم اہل زمانہ کو چھوڑ کر جاہلوں کی تقلید کر لی، یہ اشارہ جس ذات اقدس کی طرف گیا، پہلے تلا چکا ہوں، اس وقت دہرا کر اپنی اور دوسروں کی اذیت قلب کا باعث بننا نہیں چاہتا۔

مراد و رست اندر دل اگر گویم ز پاں سوزد و گردم در کسم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

اب صحیح حوالہ کی بات بھی سن لیجئے! مطبوعہ صحیح ابن خزیمہ کے ص ۲۱۷۰ میں حدیث نمبر ۱۱۲۶ بروایت محمد بن یزید انصاری عن شریک بن عبد اللہ۔ وهو ابن ابی نمر۔ عن انس قال خرج النبی ﷺ حین اقیمت الصلوۃ، فرأی ناساً یصلون رکعتین بالعجلۃ، فقال: ”اصلاتان معاً؟ فنهی ان یصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلوۃ۔

اس کے حاشیہ میں لکھا گیا کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ اور دوسرے محشی ناصر الدین البانی نے لکھا کہ ابن ابی ضرر جالب شیخین میں سے ہیں، لیکن حافظ نے کہا: صدوق متخطی (سچے ہیں، کبھی خطا بھی کرتے ہیں)۔

اس سے قبل حدیث نمبر ۱۱۲۳ میں سنہ فجر بعد اقامت کی ہے، اس کے بارے میں ناصر صاحب نے حاشیہ دیا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، صالح بن رستم ابو عامر خزرجی کثیر الخطا ہے (یعنی بہ کثرت خطا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ حدیث نمبر ۱۱۲۳ و نمبر ۱۱۲۵ میں مسجد کے اندر کا واقعہ ہے، جو بحث سے خارج ہے۔ لہذا خارج کا جواز فی المسجد کی قید سے بخوبی ثابت ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی احادیث مذکورہ پر باب کا عنوان اس طرح ہے: ”باب النهی عن ان یصلی رکعتی الفجر بعد الاقامة، ضد قول من زعم انهما تصلیان والامام یصلی الفریضة“ خیال کیا جائے کہ حدیث نمبر ۱۱۲۶ میں فی المسجد کی قید امام شافعیؒ کے قول کی ضد ہے، یا امام ابو حنیفہؒ کی۔ پھر خود ممانعت کے راوی حضرت ابن عمرؓ نے بھی تو ممانعت کو مسجد ہی کے ساتھ مخصوص سمجھا تھا، اسی لئے وہ مسجد میں تو دوسروں کو روکتے تھے مگر خود عمل یہ تھا کہ جب کبھی اقامت سن لیتے تھے تو صبح کی سنتیں اپنی بہن



حضرت حصہ کے گھر بڑھ کر مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے، (فتح الباری ص ۲۷۱۶) ایسا ہی علامہ بہکلی نے شرح نسائی میں لکھا ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت بھی نقل کی ہے کہ ”لا صلوة فی المسجد اذا قیمت الصلوة“ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح نسائی کا نسخہ راندیر میں موجود ہے، اور غالباً کہیں اور موجود نہیں ہے۔ نیز فرمایا میرا گمان ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل معارف السنن ص ۸۸۱ جلد رابع میں دیکھی جائے۔

### صحیح ابن خزیمہ کا مرتبہ

فاضل محترم دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمیٰ علم فہیم دنیائے اسلام کے عموماً اور اہل علم کے خصوصاً عظیم شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ترکی کا سفر کر کے استنبول (مکتبہ احمد الثالث) سے مخطوط صحیح ابن خزیمہ کا فوٹو حاصل کیا۔ اس مخطوط کے ۳۰۱ ورق ہیں اور ایک صفحہ کی ۲۵ سے ۳۱ تک سطریں ہیں۔ اعظمی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ مطبوعہ دو جلدوں میں مخطوط کا کتنا مواد آگیا ہے اور باقی حصہ مزید کتنی جلدوں میں آسکے گا۔ آپ نے لکھا کہ اس مخطوط کے علاوہ اب تک کسی دوسرے نسخہ کا علم نہیں ہو سکا ہے اور شاید یورپ میں بھی اس کا وجود کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ مخطوط کے پہلے ورق پر اس کا نام ”صحیح ابن خزیمہ“ لکھا ہوا ہے، لیکن کتاب کے شروع میں نام ”مختصر المختصر من المسند الصحيح“ درج ہے۔ اور یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے۔ اس فتح مقدمہ ص ۲۵

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس مخطوط کے نام تو دونوں ہی ہوں گے، اور اسی لئے ہمیشہ لوگوں کو اشتباہ بھی رہا ہوگا، اور شاید یورپ (جرمن وغیرہ) کے نسخوں پر بھی نام کے اشتباہ کی وجہ سے یقین نہ ہوا ہوگا، جس طرح استنبول کا نسخہ بھی لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا ہے، اور بقول ڈاکٹر صاحب کے صرف ان کو دریافت ہوا۔

محترم اعظمی صاحب نے اپنے مقدمہ میں محقق نصب الراية کا شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے صحیح ابن خزیمہ کو بخاری، مسلم، ابوداؤد و نسائی سے کم مرتبہ بتلایا ہے، اور فتح المغیث کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ کتاب ابن خزیمہ میں ایسی بھی احادیث ہیں، جن کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا حالانکہ ان کا درجہ حسن سے زیادہ نہیں ہے۔ اعظمی صاحب نے لکھا کہ اس قول کی تنقید کی ضرورت نہیں، کیونکہ خود کتاب ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ (ص ۲۱) لیکن ص ۲۲ میں عماد بن کثیر کا یمارک خود بھی نقل کیا اور فتح المغیث کا نقد مذکور بھی احمد شاہر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، پھر لکھا، ”میں کہتا ہوں کہ صحیح ابن خزیمہ، صحیحین (بخاری و مسلم) جیسی نہیں ہے کہ یہ کہہ دینا ممکن ہو کہ جو احادیث اس میں ہیں وہ سب صحیح ہیں، بلکہ اس میں وہ بھی ہیں جو درجہ صحیح سے کم درجہ کی اور صحیح ابن خزیمہ صرف صحیح و حسن احادیث پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں اگرچہ وہ بہت کم ہیں بہ نسبت صحیح و حسن کے۔ اور وہ ای یا شدید ضعف والی احادیث تو ملیں گی ہی نہیں الا نادراً، جیسا کہ تعلیقات سے واضح ہو جائے گا، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ محقق نصب الراية کی بات اتنی بری کیوں گئی تھی کہ اس کو خاص طور سے ہدف ملامت بنایا گیا، جبکہ اس نے ضعیف، واهی اور شدید الضعف احادیث کا وجود تو نادراً بھی نہیں بتلایا تھا۔

### کتاب التوحید لابن خزیمہ کا ذکر

صحیح مذکور سے قبل محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید شائع ہو چکی ہے، جس پر پہلے امام رازی وغیرہ نے نقد شدید کیا تھا۔ اور اب اشاعت کے بعد علامہ کوثری وغیرہ نے تفصیل نقد کیا ہے، ملاحظہ ہو مقالات کوثری وغیرہ۔  
تکملہ: صحیح ابن خزیمہ سے متعلق جبکہ وہ اب شائع ہو گئی ہے، اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ صحیح حدیث کے بارے میں تسامع ہیں، اور انہوں نے اپنی صحیح میں زیادہ تر وہی احادیث و آثار جمع کئے ہیں، جو ان کی فقہی رائے کے مطابق تھے، مثلاً ص ۲۸۹۲ میں کئی سطر کا

عنوان قائم کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ فرض صبح کی ایک رکعت اگر طلوع شمس سے قبل پڑھ لی جائے اور دوسری طلوع کی حالت میں تو نماز صحیح ادا ہوگئی۔ اور اس کے خلاف رائے والوں کو جاہل قرار دیا، پھر اسی کے لئے ایک حدیث پیش کر دی، دوسرے حضرات کا مستدل ذکر نہیں کیا۔ ہم اس کی پوری بحث پہلے لکھ چکے ہیں۔ یا ص ۱۲۹۴ میں رفع یدین للركوع وبعد الركوع کا باب قائم کیا اور وحدیث ذکر کیں۔ پھر دوسرا باب امر بنوی للرفع عند الركوع وبعد الركوع قائم کیا اور اس کو بھی حضور علیہ السلام کے ایک مجمل و عام حکم سے ثابت کیا، دوسری طرف کے دلائل کے لئے دوسرے محدثین کی طرح نہ باب قائم کیا نہ ان کی احادیث پیش کیں۔ برخلاف اس کے مصنف ابن ابی شیبہ کو دیکھئے کہ ص ۱۲۳۴ میں ایک باب رفع یدین کے لئے قائم کیا اور احادیث و آثار دونوں ذکر کئے، پھر ص ۱۲۳۶ میں باب رفع الیدین فی اول تکبیرہ لم لا بعدہ کا قائم کر کے اس کے لئے بھی احادیث نبوی و آثار صحابہ کا ذکر میر لگا دیا۔ اسی لئے اس مسئلہ کو محدث ابن ابی شیبہ نے ان مسائل میں بھی داخل نہیں کیا، جن میں حنفیہ کو مخالف حدیث کا الزام دیا ہے اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کو غلط فہمی ہوئی اور بیشتر مسائل میں انہوں نے حنفیہ کا مسلک ہی غلط سمجھا اور بہت سے مسائل کے دلائل بھی ان کے سامنے نہ آ سکے تھے، وغیرہ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور علامہ کوثری کا رد بھی اس بارے میں قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے، تاہم یہ بھی ضرورت ذہن میں رکھا جائے کہ انہوں نے تیسرے لسانی یا سخت الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے، جبکہ بقول علامہ کوثری کے ان ہی کے مسائل کو بنیاد بنا کر اور ابن حزم کی محلی وغیرہ کو سامنے رکھ کر علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حنفیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا طویل و عریض سلسلہ قائم کیا، اور حنفیہ وغیرہ مقلدین زمانہ کو باہم لڑانے کا نہایت خطرناک مواد چھوڑ گئے، جبکہ ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ نے فقہ حنفی کی تائید و تعظیم میں بہت زیادہ لکھا تھا اور اسی کو میں نے ”دو بیڑوں کا فرق“ عنوان دے کر پہلے کچھ لکھا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ سے متعلق بھی اتنی بات اور لکھنی ہے کہ حدیث وضع السموات علی اصبع میں قول یہود پر جو حضور علیہ السلام کے صُحُف کو بعض حضرات نے تائید و تقریر پر محمول کیا ہے، اس کا حافظ ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں رد کیا ہے، اور وہاں ابن خزیمہ کی بھی غلطی بتلائی ہے، اور اس کتاب کو متحققین نے باب عقائد میں ناقابل اعتماد کتب میں سے شمار کیا ہے، امام رازی نے بھی آیت لیس کمشلہ شیء کے تحت اس کا رد و افر کیا ہے۔ (ایضاً السیف ص ۵۱)

السیف ص ۱۰۸ میں یہ بھی ہے کہ محدث ابن خزیمہ باوجود وسعت علم فقہ وحدیث کے علم اصول الدین (عقائد) سے ناواقف تھے، اور اس امر کا اعتراف خود بھی انہوں نے کیا ہے (کافی الاسماء والصفات بتبیین ص ۲۰۰) اور امام رازی نے تو ان کی کتاب التوحید کو کتاب الشُرک تک کہہ دیا ہے، پھر ص ۱۰۹ میں لکھا کہ وہ اگر کسی امر میں صواب اختیار کرتے ہیں تو معتقدات میں کتنی ہی بار غلطی بھی کرتے ہیں اسی لئے ان کی کتاب التوحید کا رد لکھنے کی ضرورت ہے۔ اور جن ابن خزیمہ سے امام طحاوی نے روایت کی ہے وہ صاحب کتاب التوحید نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی حنبلیؒ نے دفع شہدۃ التشبیہ ص ۱۱ میں لکھا کہ قاضی ابویعلیٰ حنبلیؒ نے عین کو حق تعالیٰ کی صفیہ زائد علی الذات قرار دیا ہے اور ان سے قبل ابن خزیمہ نے بھی کہا تھا (لربنا عینان بنظر بہما) ہمارے رب کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور ان حاملہ نے بھی کہا کہ اس کا ایمان رکھنا واجب ہے کہ خدا کی دو آنکھیں ہیں، لیکن یہ سب ابتداء ہے، جس پر کوئی دلیل شرعی ان سب کے پاس نہیں ہے۔ اور حدیث لیس باعور سے بطور دلیل خطاب استدلال کرنا ہی غلط ہے، نیز محدث ابن خزیمہ نے قول باری تعالیٰ الہم ارجل یمشون بہا (نمبر ۱۱۹۵ اعراف) سے خدا کے لئے پاؤں بھی ثابت کئے ہیں۔

محترم دکتوراعظمی صاحب عم فیہم نے مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ص ۱۰ میں محدث ابن خزیمہ کی منقبت میں طبقات الشافعیہ اور سیر اعلام النبلاء کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ وزن کے طریقہ سے واقف نہ تھے اور نہ دس اور بیس میں فرق کر سکتے تھے ان کے پوتے نے بیان کی کہ بسا اوقات ہم ان سے دس لے لیتے تھے اور وہ ان کو پانچ ہی سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو خود ان کا اقرار و اعتراف اصول وعقائد کے دقیق

مسائل نہ سمجھ سکتے کا بھی درست ہی سمجھنا چاہئے، اور یہ ضروری ہے بھی نہیں کہ ایک شخص اگر محدث ہو مثلاً تودہ ضرور فقیہ بھی ہو یا شکم و اصولی بھی ہو، یہ اس لئے بھی لکھنا پڑا کہ اس دور کے ہمارے سلفی بھائی محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ والحق احق ان یقال، علم عقائد و اصول میں محدث علامہ بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات بڑے پایہ کی گراں قدر و معتمد تالیف ہے، جو ہندوستان میں بھی عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی اور اب علامہ کوثری کے نہایت محققانہ محدثانہ حواشی کے ساتھ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان سے شائع ہو گئی ہے، اس کا مطالعہ ہر عالم و محقق کو کرنا چاہئے۔ علامہ نے عقائد و رجال حدیث پر بے نظیر کلام کیا ہے، راقم الحروف کے پاس یہاں کا مطبوعہ نسخہ بھی تھا اور اب بیروت والا بھی آ گیا ہے۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً

بیروت سے حال ہی میں ذریعہ ہوائی پارسل ملنے والی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب ”المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی“ بھی ہے۔ جس کی پہلی جلد خیم طلائی سنہری ۱۹۳۶ء میں لیدن (ہالینڈ) سے شائع ہوئی تھی۔ اور ساتویں آخری جلد ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی یہ علم حدیث کے درس و تصنیف کا مشغلہ رکھنے والوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے، کیونکہ یورپ کے مستشرقین غیر مسلم علماء کی برہاسہ برس کی کاوش و محنت اور صرف زر کثیر کے بعد طبع ہو کر شائع ہوئی، اس کو حروفِ حنیٰ کے ذریعہ مرتب کیا گیا ہے کہ صحاح ستہ وغیرہ نو کتب حدیث میں جس لفظ کو بھی تلاش کرنا ہو ذرا سی دیر میں اس کے حوالہ سے اس لفظ اور حدیث کو حاصل کر لیں گے۔ کتنی کارآمد قیمتی چیز ہے، مگر اب اس سے فائدہ اٹھانے والے ہمارے کتنے مؤلفین و اساتذہ حدیث ہیں؟ اکبر الہ آبادی نے صحیح کہا تھا۔

نئی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے  
انھیں ساحل نہیں ملتا، انہیں کشتی نہیں ملتی  
مگر اب تو ہمیں کشتی بھی مل رہی ہے، ہم اس میں سواری نہ ہوں تو تصور کس کا؟

## باب حد المریض ان یشہد الجماعة

۶۲۹: حدثنا عمر بن حفص بن غیاث قال حدثني ابي قال ثنا الاعمش عن ابراهيم قال الاسود كنا عند عائشة فلذكرنا المواظبة على الصلوة والتعظيم لها قالت لما مرض النبي صلى الله عليه وسلم مرضه الذي مات فيه فحضرت الصلوة فاذا ن فقال مروا ابابكر فليصل بالناس فقيل له ان ابا بكر رجل اسيف اذا اقام مقامك لم يستطع ان يصلي بالناس واعاد فاعادوا له فاعاد الثالث فقال انكن صواحب يوسف مروا ابابكر فليصل بالناس فخرج ابوبكر يصلي فوجد النبي صلى الله عليه وسلم من نفسه خفة فخرج يهادي بين رجلين كانا ينظر الى رجله تخبطان الارض من الوجع فاراد ابوبكر ان يتاخر فاولا اليه النبي صلى الله عليه وسلم ان مكانك ثم اتى به حتى جلس الى جنبه فقيل للاعمش فكان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي و ابوبكر يصلي بصلوته والناس يصلون بصلوة ابي بكر فقال برايه نعم رواه ابو داود عن شعبة عن الاعمش بعضه وزاد ابو معاوية جلس عن يسار ابي بكر فكان ابوبكر يصلي قائماً

ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (بیٹھے ہوئے) نماز کی پابندی اور اس کی بزرگی کا بیان کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی، مبتلا ہوئے، اور نماز کا وقت آیا۔ اور اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، آپ سے عرض کیا گیا کہ ابوبکر نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو شدتِ غم سے وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے، دو بارہ پھر آپ نے فرمایا، پھر لوگوں نے وہی عرض کیا، سر بارہ آپ نے حکم فرمایا، اور فرمایا، کہ تم یوسف کے گھیرے میں لینے والی عورتوں کی طرح معلوم ہوتی ہو، ابوبکر سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز

پڑھاویں، چنانچہ (کہہ دیا گیا) ابوبکرؓ نماز پڑھانے چلے، اتنے میں نبی ﷺ نے اپنے آپ میں کچھ خفت (مرض کی) پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارے کر لکے، گویا میں (اب بھی) آپ کے دونوں پیروں کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ یہ سبب (ضعف) مرض کے زمین پر گھسٹتے ہوئے جاتے تھے، پس ابوبکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، نبی کریم ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ لائے گئے، یہاں تک کہ ابوبکرؓ کے پہلو میں آپ بیٹھ گئے، اغمش سے پوچھا گیا، کہ کیا نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے، اور ابوبکرؓ آپ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے، تو اغمش نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! اور ابو معاویہ نے اتنے لفظ زیادہ روایت کئے کہ آپ ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، اور ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔

۶۳۰: حدثنا ابراہیم بن موسیٰ قال اخبرنا هشام بن یوسف عن معمر عن الزہری قال اخبرنی عیبد اللہ بن عبد اللہ قال قالت عائشة لما نقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم واشتد وجعہ استاذن ازواجه ان یمرض فی بیتی فاذن لہ فخرج بین رجلین تخطی رجلاه الارض وکان بین العباس و بین رجل اخر قال عیبد اللہ فذكرت ذلک لا بن عباس ما قالت عائشة فقال لی وهل تدری من الرجل الذی لم تسلم عائشة قلت لا قال هو علی بن ابی طالبؓ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور مرض آپ کا بڑھ گیا، تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی کہ میرے گھر میں آپ کی تیمارداری کی جائے سب نے اجازت دے دی، پس آپ دو آدمیوں کے درمیان میں (سہارے کر نماز کو) لکے، آپ کے دونوں پیروں پر گھسٹتے جاتے تھے، اور آپ عباسؓ کے اور ایک اور شخص کے درمیان میں (سہارا) لگائے ہوئے تھے، عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے جو کچھ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا تھا، اس کا ذکر ابن عباسؓ سے کیا، انہوں نے کہا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون تھا، جس کا نام حضرت عائشہؓ نے نہیں لیا، میں نے کہا، نہیں انہوں نے کہا، وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ جب تک اتنی بھی طاقت باقی ہو کہ کسی آدمی کے سہارے مسجد میں جاسکے، اس وقت تک اس کو جماعت نہ چھوڑنی چاہئے۔ تاہم حالات مرض و مریض مختلف ہوتے ہیں کوئی قاعدہ اس سلسلہ میں بنانا مشکل ہے، حضور علیہ السلام ایسی حالت میں بھی دو کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، مگر اس کو واجب نہیں قرار دے سکتے، اور خود حضور علیہ السلام بھی کئی روز تک علیل رہے اور بہت سی نمازوں میں شرکت نہیں فرمائی، اگر وجوب ہوتا تو آپ ہر نماز میں شرکت فرماتے۔

علامہ بیہقی نے لکھا کہ آپ سترہ نمازوں میں شریک نہ ہو سکے، پانچ روز علالت کا سلسلہ رہا جیسا کہ حدیث مسلم سے معلوم ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان دنوں میں چار نمازوں کی شرکت ثابت ہے۔ جن میں سے ایک پہلے دن جمعرات کی عشاء اور دوسری فجر و شنبہ کی ہے۔

”اسیف“ کا ترجمہ حضرتؒ نے فرمایا نرم دل جو مغموم رہتا ہو۔ صواب یوسف نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ ظاہر میں تو حضرت ابوبکرؓ کے اسیف ہونے کا عذر کر رہی تھیں اور دل میں یہ کہنا تھا کہ کہیں لوگ ان کی امامت سے بدفالی نہ لیں (کہ یہ اچھے امام ہوئے تھے کہ حضور علیہ السلام اچھے نہ ہوئے اور وفات ہوگئی۔ وجہ تشبیہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتیں بھی دل میں کچھ بات رکھتی تھیں اور ظاہر دوسری بات کرتی تھیں۔ و کذا فی فتح الباری ص ۲۱۰۵)

## باب الرخصة في المطر والعلة ان يصلى في رحله

### بارش اور عذر کی بنا پر گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت کا بیان

۶۳۱: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع ان ابن عمر اذن بالصلوة ليلة ذات برد وريح ثم قال الاصلوا في الرحال ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يامر المؤذن اذا كانت ليلة ذات برد ومطر يقول الاصلوا في الرحال

۶۳۲: حدثنا اسمعيل قال حدثني مالك عن ابن شهاب عن محمود بن الربيع الانصاري ان عتيان ابن مالك كان يؤم قومه وهو اعمى وانه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله انها تكون الظلمة والسيل وانارجل ضویر البصر فصل يا رسول الله في بيتي مكانا اتخلذه مصلى فجاءه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابن اصيلي فاشار الي مكان البيت فصلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ ۶۳۱: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سردار ہوادار شہ میں نماز کی اذان دی، جس میں یہ بھی کہہ دیا، کہ لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، اس کے بعد کہا کہ رسول خدا ﷺ مؤذن کو حکم دیتے تھے، جب رات سرد اور بارش کی ہو، تو کہہ دے الاصلوا فی الرحال:۔

ترجمہ ۶۳۲: حضرت محمود بن ربیع انصاری روایت کرتے ہیں، کہ عتیاب اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے (چونکہ وہ نابینا تھے انہوں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ (کبھی) اندھیرا ہوتا ہے، اور پانی (بہتا) ہوتا ہے، اور میں اندھا آدمی ہوں، (اس وقت نہیں آسکتا) تو یا رسول اللہ آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھا دیجئے، تاکہ میں اس کو مصلے بنالوں، پس رسول خدا ﷺ (ان کے ہاں) تشریف لائے اور فرمایا، جہاں تم کہو، نماز پڑھ دوں، انہوں نے گھر کے ایک مقام کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہاں رسول خدا ﷺ نے نماز پڑھی۔ تشریح: معلوم ہوا کہ بارش میں جب راستہ خراب ہو جائے تو جماعت کا ترک کر دینا جائز ہے، لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بارش زیادہ ہو تو وہ خفیہ کے یہاں نماز جمعہ کے لئے بھی عذر بن سکتی ہے، اور اس کا فیصلہ اپنے دل سے کرنا چاہئے کہ وہ اس وقت عذر بننے کے لائق ہے یا نہیں، کیونکہ انسان کا ضمیر اپنا حال زیادہ سمجھ جانے کی وجہ سے درست ہی فیصلے کرتا ہے، اگرچہ ظاہر میں وہ کیسے ہی جیلے حوالے کرے۔

تو لا اصلوا فی الرحال پر فرمایا کہ غالباً یہ اعلان اذان پوری کرنے کے بعد ہی ہوگا، پھر یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عتیابؓ نابینا کو ترک جماعت کی اجازت دی اور حضرت ابن ام مکتومؓ کو نہیں دی، اس کی ایک وجہ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حضور نے ایک کے لئے رخصت پر عمل کو پسند فرمایا اور دوسرے کے لئے عزیمت کو، میرے نزدیک یہ فرق ہے کہ ایک اذان کو سن سکتے ہوں گے، دوسرے نہیں، جس کا ذکر حدیث میں بھی ہے، پھر یہ کہ اعذار کے بھی مراتب ہوتے ہیں، شاید حضرت ابن ام مکتومؓ کا عذر حضرت عتیابؓ کے عذر سے کم درجہ کا ہو۔ اس لئے ایک کو رخصت دی اور دوسرے کو نہ دی ہو، اگلے باب کی ایک حدیث بخاری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے زیادہ بھاری جسم والے ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے عذر کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا، تو آپ نے اس کے گھر پر نماز پڑھی، صاحب فیض الباری نے اس روایت کو بھی یہاں تائیداً پیش کیا ہے، مگر وہ محل نظر ہے، کیونکہ اس رجل سے حضرت عتیابؓ کو مراد لینا احتمال بعید ہے، چنانچہ محقق عینیؒ نے بھی حافظ کے اس احتمال پر نقد کیا ہے۔ اور صاحب فیض کی عبارت ”فی هذا الباب“ اور قال

الحافظ دہوتیان "ان کی حسب عادت مساحت ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور اگلے باب میں ہے اور حافظ نے خود جزم نہیں کیا، بلکہ قیل سے کسی دوسرے کا قول نقل کیا ہے، اور نام بھی ظاہر نہیں، جس سے اس قول کا وزن معلوم ہو سکتا۔ حافظ یحییٰ نے حدیث مذکور کے تحت قاعدہ نمبر ۶ میں زیادہ سوائے ہونے کو بھی اعذار ترک جماعت میں شامل کیا ہے اور صاحب صحیح ابن حبان سے دس اعذار ثابتہ من الحدیث نقل کئے، (۱) مرض مانع ہو (۲) حضور طعام یوقب مغرب (۳) بھول بعض احوال میں (۴) زیادہ مٹا پا (۵) شدید ضرورت مانع ہو (۶) مسجد کے راستہ میں خوف ضیاع جان و مال ہو (۷) شدید سردی (۸) زیادہ بارش (۹) زیادہ تاریکی جس میں چلنا دشوار (۱۰) لہسن پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھائی ہو۔ (عمدہ نمبر ۳۵۷-۳۶)

## باب هل یصلی الامام بمن حضرو هل یخطب یوم الجمعة فی المطر

(جس قدر لوگ موجود ہیں ان ہی کے ساتھ نماز پڑھ لے اور کیا جمعہ کے دن بارش میں بھی خطبہ پڑھے)

۶۳۳: حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب قال حدثنا حماد بن زيد قال حدثنا عبد الحميد صاحب الزیادی قال سمعت عبد الله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فی يوم ذی ردغ فامر المؤذن لما بلغ حى علی الصلوة قال قل الصلوة فی الرحال فنظر بعضهم الی بعض کانهم انکروا فقال کانکم انکرتم هذا ان هذا فعله من هو خیر منی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انها عزمة وانی کرهت ان اخر حکم وعن حماد عن عاصم عن عبد الله بن الحارث عن ابن عباس نحوه غیر انه قال کرهت ان او ثمکم فتجیون تدوسون الطین الی رکبکم

۶۳۴: حدثنا مسلم قال حدثنا هشام عن یحییٰ عن ابی سلمة قال سألت ابا سعید الخدری فقال جاءت سحابة فمطرت حتی سال السقف وکان من جريد النخل فاقیمت الصلوة فرایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یسجد فی الماء والطین حتی رایت اثر الطین فی جبهته

۶۳۵: حدثنا ادم قال حدثنا شعبه قال حدثنا انس بن سیرین قال سمعت النسائی يقول قال رجل من الانصار انی لا استطیع الصلوة معک وکان رجلاً ضخماً فصنع النبی صلی الله علیه وسلم طعاماً فدعاه الی منزله فبسطه حصیراً ونضح طرف الحصیر فصلی علیه رکعتین فقال رجل من ال

الجار ودانس اکان النبی صلی الله علیه وسلم لصلی الضحیٰ قال مارایتہ صلاها الا یومئذ

ترجمہ ۶۳۳: حضرت عبداللہ بن حارث گامیان ہے کہ (ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے) کچھ ہو گئی تھی، حضرت ابن عباسؓ نے اس دن خطبہ فرمایا، اور مؤذن سے کہہ دیا تھا کہ جب حسی علی الصلوة پر پہنچے تو یہ کہہ دے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو (یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، گویا کہ انہوں نے (اس کو) برا سمجھا، تو ابن عباسؓ نے کہا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس کو برا سمجھا، بے شک اس کو اس نے کیا ہے، جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی نبی کریم ﷺ نے، یہ یقینی امر ہے، کہ اذان (سے مسجد میں آنا) واجب ہو جاتا ہے اور میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ تمہیں تکلیف میں ڈالوں حضرت عاصمؓ نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے، صرف اتنا فرق ہے، کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ تمہیں گنہگار کروں، یا تم سنی کو گنہگار نہ کروں۔

ترجمہ ۶۳۴: حضرت ابوسلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا، کہ ایک (مرتبہ) ابراہیمؓ آیا، اور وہ برسنے لگا، یہاں تک کہ چھت ٹپکنے لگی، اور چھت (اس وقت تک) کھجور کی شاخوں سے (پٹی ہوئی) تھی، پھر نماز کی اقامت ہوئی، تو میں نے رسول

خدا ﷺ کو دیکھا کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے تھے، یہاں تک کہ مٹی کا اثر میں نے آپ کی چپٹائی میں دیکھا۔  
ترجمہ ۶۳۵: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ میں (محذور ہوں) آپ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھ سکتا، اور وہ فرمایا (اس کے بعد، اس نے نبی ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا، اور آپ کو اپنے مکان میں بلایا، اور آپ کے لئے چٹائی بچھا دی، اور چٹائی کے ایک کنارے کو دھویا، اس پر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، اتنے میں آل جارد میں سے ایک شخص نے انسؓ سے پوچھا، کہ کیا نبی کریم ﷺ نماز چاشت پڑھا کرتے تھے، انسؓ نے کہا کہ میں نے سوائے اس دن کے کبھی آپ کو پڑھتے نہیں دیکھا۔  
تشریح: مقصد ترجمہ احادیث مذکورہ واضح ہے کہ عذر کی حالت میں اگر رخصت سمجھ کر کچھ لوگ مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھیں بلکہ گھروں میں پڑھ لیں اور دوسرے لوگ عزیمت پر عمل کر کے مسجد میں آجائیں تو جو لوگ آجائیں، ان ہی کے ساتھ امام جماعت کرا دے گا۔

### باب اذا حضر الطعام واقيمت الصلوة وكان ابن عمر يبدأ بالعشاء وقال ابو الدرداء من فقه المرء اقباله، على حاجته حتى يقبل على صلوته وقلبه فارغ

۶۳۶: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن هشام قال حدثني ابي سمعت عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا وضع العشاء واقيمت الصلوة فابدها بالعشاء

۶۳۷: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل بن شهاب عن انس ابن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قدم العشاء فابدها وابه قبل ان تصلوا صلوة المغرب ولا تعجلوا عن عشاءكم  
۶۳۸: حدثنا عبيد بن اسمعيل عن ابي اسامة عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضع عشاء احدكم واقيمت الصلوة فابدها بالعشاء ولا تعجل حتى يفرغ منه وكان ابن عمر يوضع له الطعام وتقام الصلوة فلا ياتياها حتى يفرغ وانه ليسمع قراءة الامام وقال زهير وذهب ابن عثمان عن موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا كان احدكم على الطعام فلا يعجل حتى يقضى حاجته منه وان اقيمت الصلوة قال ابو عبد الله وحدثني ابراهيم بن المنذر عن وهب بن عثمان وذهب مدني

ترجمہ ۶۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کھانا (سانے) رکھ دیا جائے، اور نماز کی اقامت ہو، تو پہلے کھانا کھالو۔

ترجمہ ۶۳۷: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کھانا سانے رکھ دیا جائے، تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو، اور اپنے کھانے میں غلٹ نہ کرو۔

ترجمہ ۶۳۸: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کھانا سانے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو پہلے کھانا کھالے اور جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اس سے فارغ نہ ہو جائے حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب ان کے سانے کھانا رکھ دیا جاتا اور جماعت بھی کھڑی ہو جاتی، تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، نماز میں نہ آتے، حالانکہ وہ یقیناً امام کی قراءت سنتے ہوتے تھے، اور زہیر اور وهب بن عثمان نے یہ سند موسیٰ بن عقبہ، نافع ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانے پر (بیٹھ گیا) ہو، تو جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اپنی اشتہا اس سے پوری کر لے، اگرچہ جماعت کھڑی ہوگئی ہو، امام بخاری نے کہا، کہ مجھ سے ابراہیم بن منذر نے وهب بن عثمان سے روایت کیا، اور وهب مدینہ کے رہنے والے تھے۔

تشریح: حضرت گنگوہی قدس سرہ، نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں حضرت ابو الدرداء کا قول امام بخاری نے اس لئے نقل کیا تا کہ مختلف روایات میں جمع کی صورت نکل آئے، کیونکہ بعض میں کھانا مقدم رکھنے کا حکم ہے جو یہاں درج ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے موخر نہ کیا جائے (کافی ابی داؤد وغیرہ صاحب مشکوٰۃ الی شرح السنۃ) پھر حاشیہ لایع میں یہ تفصیل بھی ہے کہ علامہ شوکانی نے کہا: ظاہر احادیث تقدیم کی وجہ سے کھانے کو ہی ہمیشہ مقدم کیا جائے خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ کھانا کم ہو یا زیادہ، اور کھانے کے خراب ہونے کا خطرہ ہو یا نہ ہو۔ ابن حزم اور طاہریہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، امام ترمذی نے بھی بعض صحابہ و تابعین سے تقدیم طعام ہی کو نقل کیا ہے، امام غزالی نے قید لگائی کہ کھانے کے فاسد یا بے مزہ ہونے کا ذکر ہو تو نماز کو مؤخر کرے ورنہ نہیں، شافعیہ نے احتیاج کی قید رکھی، امام مالک نے فرمایا کہ کھانا ہلکا ہو یعنی کم مقدار میں تو نماز کو مؤخر کر کے کھالے ورنہ نہیں:۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وقت میں گنجائش ہو تو پہلے کھانا کھالے اور دل کو فارغ کر کے نماز اطمینان سے ادا کرے اور اسی لئے امام اعظم نے فرمایا کہ نماز کو کھانا بنادوں کہ اس میں دل پڑا رہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ کھانے کو نماز بنادوں کہ کھاتے ہوئے بھی نماز کا ذکر ودھیان رہے، لیکن اگر نماز کے وقت نکلنے کا ذکر ہو تو پہلے نماز ہی پڑھے، اور اس وقت نماز کی تاخیر کھانے وغیرہ کی وجہ سے جائز نہیں اور یہی حدیث ابی داؤد مذکورہ بالا کا منشاء ہے۔

لہذا ابن حزم اور بعض شافعیہ کا یہ مسلک صحیح نہیں کہ کھانے کو ہی مقدم کیا جائے خواہ نماز کا وقت بھی نکل جائے اور شوکانی نے جو امام احمد کی طرف یہ قول منسوب کیا کہ وہ کھانے پر نماز کو مقدم کرنے سے نماز کو فاسد بتلاتے ہیں یہ انتساب بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ موفق نے کھانا مقدم کرنے کو صرف مستحب لکھا ہے، واجب و فرض نہیں لکھا۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں اگر نماز کامل طریقہ پر پڑھ لی جائے تو وہ درست ہو جائے گی۔

امام طحاوی نے مشکل الآثار (۲/۴۰۲) میں تقدیم طعام کی روایات کو روزہ دار کے لئے خاص کیا ہے اور نماز سے نماز مغرب کو متعین کیا ہے۔ گویا دوسری نمازوں کے اوقات کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ (لامع الدراری ص ۲۵۳/۱) حافظ نے علامہ محقق ابن دقیق العید سے نقل کیا کہ احادیث میں سب نمازیں مراد نہیں بلکہ مناسب ہے کہ ان کو صرف مغرب کی نماز پر محمول کیا جائے، بقولہ علیہ السلام طاب لدوا بالعشاء اور دوسری روایت طاب لدوا بہ قبل ان تصلوا المغرب سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور کوئی تم میں سے روزہ دار ہو تو کھانے کو مقدم کرو۔

علامہ فاکہائی نے کہا کہ ”حدیث کو عموم پر رکھنا چاہیے کیونکہ علت عام ہے یعنی تشویش قلب کہ بھوک میں خشوع صلوٰۃ حاصل نہ ہوگا اور نماز مغرب کا ذکر حصر کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ بعض مرتبہ غیر روزہ دار کھانے کا روزہ دار سے بھی زیادہ خواہش مند ہوتا ہے۔“ پھر حافظ نے خود بھی لکھا کہ عموم پر محمول کرنا معنی و مقصد کے لحاظ سے بھی مناسب ہے کیونکہ بھوک روزہ دار کی طرح ہے اور شام کا وقت صبح کی طرح ہے لہذا حدیث کے لفظ ماثور پر انحصار ضروری نہیں معلوم ہوتا علامہ یعنی اور حافظ نے اور بھی تفصیل کی ہے۔ مطالعہ کر لی جائے۔ ہم نے خلاصہ دے دیا ہے۔ (فتح الباری ص ۲/۱۰۹)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہی بات تو وہی ہے، جو سب کہتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس قسم کے مسائل میں زیادہ توسع کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اپنے دین کی اصلاح و ترقی کی فکر زیادہ چاہئے، بہ نسبت دنیوی امور کھانے، پینے، راحت و آسائش وغیرہ کے لئے تاکہ اعمال خیر کل کے لئے ذخیرہ ہوں، اور کوتاہیوں و غفلت میں قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے لقولہ تعالیٰ ولننظر نفس ما قدمت لغدط (ہر نفس کو سوچنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا ذخیرہ کیا ہے)



کل سے مراد آخرت ہے۔ یعنی آج کی دنیوی محدود زندگی کی راحت و عیش میں پڑ کر کل کی آخرت والی ابدی زندگی سے غفلت نہ برتنی چاہیے اور وہاں کی زندگی سنوارنے کی واحد صورت نیک اعمال کا ذخیرہ ہے۔

## باب اذا دعی الامام الصلوة وبیدہ مایا کل

(جب نماز کے لئے امام کو بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو جو کھارہا ہو)

۶۳۹: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن صالح عن ابن شہاب قال اخبرنی

جعفر بن عمرو بن امیۃ ان اباه قال رايت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل ذراعاً یحتز منها فذعی

الی الصلوة فقام فطرح السکین فصلی ولم یتوضأ

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ، عمرو بن امیہ سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو ایک شانہ کھاتے ہوئے دیکھا، آپ اس میں سے گوشت کا ٹ لیتے تھے، اتنے میں آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا، تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چھری آپ نے نیچے رکھ دی۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا (یعنی گوشت کھانے کے بعد)

تشریح: حسب تحقیق حافظ اس باب میں یہ بتلایا کہ پہلے باب میں حکم تقدیم طعام کا بطور استنباب تھا، وجوب کے لئے نہ تھا اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی کہ اقامت صلوٰۃ قبل کھانا شروع کرنے کے ہو یا بعد کوان دونوں کا حکم الگ الگ ہے یا امام بخاری نے امام اور غیر امام کا مسئلہ جدا جدا سمجھا ہوا علامہ ابن المیر نے کہا شاید حضور علیہ السلام نے خاص اپنے لئے عزیمت کو اختیار کیا ہو اس لئے نماز کو کھانے پر مقدم کیا اور دوسروں کو رخصت پر عمل کرنے کا موقع دیا کیونکہ آپ خواہش طعام پر قابو رکھنے کی دوسروں سے زیادہ قوت رکھتے تھے اور آپ کی برابر کون اپنی خواہشات پر کنٹرول کر سکتا تھا؟ لیکن اس استدلال پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حضور علیہ السلام جتنا کچھ کھانا چاہتے تھے وہ کھا چکے ہوں اور اس لئے باقی کو چھوڑ کر جماعت کے لئے تشریف لے گئے ہوں واللہ اعلم (فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے ایک توجیہ پر پیش کی کہ کھانا چونکہ خراب یا بے مزہ ہو جانے والا نہیں تھا، ممکن ہے حضور علیہ السلام نے اسی لئے اس کو درمیان میں چھوڑ کر جماعت میں شرکت کی ترجیح دی ہو۔

## باب من کان فی حاجۃ اہلہ فاقیمت الصلوة فخرج

(جو شخص گھر کے کام کاج میں ہو اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے)

۶۴۰: حدثنا ادم قال حدثنا شعبۃ قال حدثنا الحکم عن ابراہیم عن الاسود قال سالت عائشۃ ما کان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع فی بیتہ قالت کان یكون فی مہنۃ اہلہ تعنی خدمۃ اہلہ فاذا حضرت

الصلوة خرج الی الصلوة

ترجمہ: حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ وہ بولیں کہ اپنے گھر والوں کی مہنت یعنی خدمت میں (معروف) رہتے تھے جب نماز کا وقت آ جاتا تو آپ نماز کے لئے چلے جاتے۔

تشریح: علامہ عینی اور حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے یہ اشارہ کیا کہ کھانے کی طرح دوسرے امور نہیں ہیں کہ ان میں بھی جڑے رہو اور جماعت کی پرواہ نہ کرو اسی لئے حضور علیہ السلام کا تعامل ذکر کیا گیا کہ آپ فارغ اوقات میں گھر کے اندر گھر والوں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے مگر جماعت کے وقت اس کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ (مدو ص ۲۸ ج ۲، فتح ص ۲۱۱ ج ۲)

علامہ یحییٰ نے یہ بھی لکھا کہ خود حضور علیہ السلام کے اپنے ذاتی کام اور معمولات بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کی صفائی بھی کر لیتے تھے اپنی بکری کا دودھ بھی دودھ لیتے تھے وغیرہ امام احمد و ابن جان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اپنا کپڑا سی لیتے تھے ذول درست کر لیتے تھے حاکم نے اکلیل میں یہ بھی اضافہ کیا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا (عمدہ ص ۲۹ ج ۱) حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت زرارة بن ابی اوفیٰ ایک تابعی تھے لوہار ان کا حال بھی یہ تھا کہ ہتھوڑا اٹھاتے ہوئے بھی اگر اذان کی آواز سن لی تو اسی طرح ہتھوڑے کو رکھ کر نماز کے لئے چل دیتے تھے۔

پھر فرمایا کہ حدیث الباب کی سند میں حضرت اسود بھی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے انص مظاہدہ میں سے تھے حضرت عائشہ سے اہم مسائل میں رجوع کرتے اور ان کی خدمت میں ہدایا بھی پیش کرتے تھے زرارۃ کوفہ میں سے ہیں اور ان کا مسلک بھی ترک رفع یدین تھا اس سے خیال کرو کہ کیسے جلیل القدر عالم تھے اور ان کے ساتھ کتنے بڑے مرتبہ کے تھے اور اسی سے ان کے اختیار کردہ مسائل ترک رفع وغیرہ کی شان بھی سمجھو۔

## باب من صلی بالناس و هو لا یرید الا ان یعلمهم

### صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سنتہ

(اس شخص کا بیان جو لوگوں کو صرف اس لئے نماز پڑھائے کہ انہیں رسول اللہ کی نماز اور ان کی سنت سکھائے)

۶۴۱: حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال حدثنا و ہب قال حدثنا ایوب عن ابی قلابہ قال جاءنا مالک بن الحویرث فی مسجدنا ہذا قال انی لاصلی بکم وما ارید الصلوة اصلی کیف رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فقلت لابی قلابہ کیف کان یصلی قال مثل شیخنا ہذا و کان الشیخ یجلس اذا رفع راسہ من السجود قبل ان ینھض فی الركعة الاولى

ترجمہ: حضرت ابو قلابہ روایت کتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک بن حویرث ہماری اسی مسجد میں آئے اور انہوں نے کہا کہ میں تمہارے سامنے نماز پڑھتا ہوں میرا مقصود نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ جس طرح میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح (تمہارے دکھانے کو) پڑھتا ہوں ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ سے کہا کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ وہ بولے کہ ہمارے اس شیخ کی مثل اور شیخ کی عادت تھی کہ پہلی رکعت میں جس سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس باب سے یہ بتلانا ہے کہ نماز پڑھ کر اگر دوسروں کو عملی طور پر تعلیم دی جائے تو وہ نماز بھی خدا کیلئے ہی ہے اور درست ہے وہ الخیر اللہ نہیں ہوگی جس طرح تحریۃ المسجد کہ وہ نام سے بھی مسجد کیلئے معلوم ہوتی ہے اور تحریۃ مسجد کہلاتی ہے مگر وہ بھی خدا کیلئے ہے۔

### قولہ وکان الشیخ یجلس

اس پر فرمایا کہ اس سے جلسہ استراحت مراد ہے یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہونے سے قبل بیٹھنا جو امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، مگر امام ابو حنیفہ، امام مالک و امام احمد وغیرہم اس کے قائل نہیں، اور مشقی الاخبار (شیخ محمد الدین ابی البرکات ابن تیمیہ جد ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی امام احمد کا یہ قول ذکر کیا ہے، اور نعمان بن ابی عیاش سے یہ بھی نقل کیا کہ میں نے بہت سے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ ابو الزناد نے کہا کہ یہی سنت ہے اور ان حضرات نے حدیث مالک ابن الحویرث بخاری کا یہ جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے جلوس بچہ ضعف کے ہوا ہے۔ اور ابو عبد اللہ مالک نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں دس سال نمازیں پڑھیں اور پھر حضرت ابو بکر عمر، عثمان، اور دوسرے صحابہ و تابعین نے بھی، اگر وہ جلسہ استراحت کرتے تو کیا وہ اہل مدینہ سے پوشیدہ رہ سکتا تھا؟ الخ (عمدہ ص ۳۰ ج ۲)

المعروف) میں ہے امام احمد سے کہ اکثر احادیث سے ترک جلسہ استراحت ثابت، اور بخاری ص ۱۱۳ میں ”باب المکث بین السجدةین“ میں ان بنی مالک بن الحویرث کے تیسری رکعت کے بعد بیٹھنے پر ایوب کا یہ رویہ رک بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا فعل کرتے تھے، جو ہم نے دوسروں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تقلیل کے لئے یہ کیا کم ہے کہ ایک صحابی کہہ رہا ہے کہ عمر بن سلمہ کے سوا کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ یہ جلسہ استراحت بھی ضرور ہے، مگر پھر ترک دخول میں آگیا ہوگا، اسی لئے ایوب وغیرہ نے انکار کیا ہے، جس طرح فرض مغرب سے قبل دو رکعات بھی ثابت ہوئیں مگر پھر محمول میں آگئیں اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان پر نکیر کی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ پھر بھی میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جیسا کہ علامہ حلوانیؒ کی رائے ہے میرا طریقہ ہے کہ اختلاف کو جتنا بھی ہو سکے کم کرتا ہوں، اور بکیری میں جو جلسہ استراحت کی وجہ سے تجدد سکھو واجب کہا ہے وہ میرے نزدیک اس حالت میں ہے کہ وہ مقدار سنت سے زیادہ ہو جائے نہ جب کہ مقدار سنت ہو، اس وقت تجدد سکھو نہیں ہے، دیوبند میں مجھ سے پوچھا تو میں نے یہی بتلایا اور اگر معارض بھی ہوتا تو شارح منیہ کو حلوانی سے نسبت ہی کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ میرے نزدیک امام طحاوی کا یہ جواب کہ وہ عذر کی وجہ سے تھا، قوی نہیں ہے۔

## باب اهل العلم والفضل احق بالامامة (علم وفضل والا امامت کا زیادہ مستحق ہے)

۶۴۲: حدثنا اسحق بن نصر قال ثنا حسين بن زائدة عن عبد الملك بن عمير قال حدثني ابو بردة عن ابي موسى قال مرض النبي صلى الله عليه وسلم فاشتد موضه فقال مروا ابا بكر فليصل بالناس قالت عائشة انه رجل رقيق اذا قام مقامك لم يستطع ان يصلي بالناس قال مروى ابا بكر فليصل بالناس فعادت فقال مروى ابا بكر فليصل بالناس فانكن صواحب يوسف فاتاه الرسول فصلى بالناس في حيوة النبي صلى الله عليه وسلم

۶۴۳: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ام المؤمنين انها قالت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في مرضه مروا ابا بكر يصلي بالناس قالت عائشة قلت ان ابا بكر اذا قام في مقامك لم يسمع الناس من البكاء فمر عمر فليصل بالناس من البكاء فمر عمر فليصل للناس ففعلت حفصة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم . انكم لانتن صواحب يوسف مروا ابا بكر فليصل للناس فقالت حفصة لعائشة ما كنت لا صيب منك خيراً

۶۴۴: حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني انس ابن مالك ان الانصاري وكان تبع النبي صلى الله عليه وسلم وخدمه و صحبه ان ابا بكر كان يصلي لهم في وجع النبي صلى الله عليه وسلم الذي توفي فيه حتى اذا كان يوم الاثنين وهم صفوف في الصلوة فكشف النبي صلى الله عليه وسلم ستر الحجر ينظر الينا وهو قائم. كان وجهه ورقة مصحف ثم تبسم يضحك فلهمنا ان تفتتن من الفرح برؤية النبي صلى الله عليه وسلم فنكص ابو بكر على عقبه ليصل الصف وظن ان النبي صلى الله عليه وسلم خارج الى الصلوة فاشار الينا النبي صلى الله عليه وسلم اتواصلوكم و

ارخی المسترفوفی من یومہ صلی اللہ علیہ وسلم

۶۳۵: حدثنا ابو معمر قال حدثنا عبد الوارث قال حدثنا عبد العزيز عن انس قال لم يخرج النبي صلى الله عليه وسلم ثلثاً فاقبعت الصلوة فلذهب ابو بكر يتقدم فقال نبي الله عليه وسلم بالحجاب فرفعه فلما وضع وجه النبي صلى الله عليه وسلم ما نظرنا متظراً كان اعجب الينا من وجه النبي صلى الله عليه وسلم حين وضع لنا فاواما النبي صلى الله عليه وسلم بيده الى ابي بكر ان يتقدم و ارخی النبي صلى الله عليه وسلم الحجاب فلم يقدر عليه حتى مات

۶۳۶: حدثنا يحيى بن سليمان قال حدثني ابن وهب قال حدثني يونس عن ابن شهاب عن حمزة بن عبد الله انه اخبره عن ابيه قال لما اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه قل له في الصلوة فقال مروا ابابكر فليصل بالناس قالت عائشة ان ابابكر رجل رقيق اذا قرأ غلبه البكاء قال مروه فليصل فعادته فقال مروه فليصل انكن صواحب يوسف تابعه الزبيدي وابن اخي الزهري واسحق بن يحيى الكلبي عن الزهري وقال عقيل ومعمر عن الزهري عن حمزة عن النبي صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ ۶۳۵: حضرت ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں، کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، اور آپ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، حضرت عائشہؓ نے کہا، کہ (حضرت) وہ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ حضور نے فرمایا، نہیں، تم ابوبکر سے ہی کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن حضرت عائشہؓ پھر لوٹ کر آگئیں تو حضور نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھاویں اور تم تو وہ عورتیں (معلوم ہوتی ہو) جنہوں نے یوسف کو (گھیر رکھا تھا) پس ابوبکرؓ کے پاس حضور کا قصد (یہ حکم لے کر) آیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھا کی۔

ترجمہ ۶۳۶: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حصہ سے کہا کہ تم حضور سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو (اپنی قراءت) نہ سنا سکیں گے۔ لہذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، پس حصہ نے عرض کر دیا تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہو! تم تو وہ عورتیں ہو جو یوسف کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، تو حصہ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ تم سے مجھے کوئی بھلائی ملنے کی امید نہیں۔

ترجمہ ۶۳۷: حضرت انس بن مالکؓ جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے، آپ کے خادم اور صحابی تھے، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مرض و وفات میں حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف کھڑے ہو کر دیکھنے لگے، اس وقت آپ کا چہرہ مبارک گویا مصحف کا صفحہ تھا، پھر آپ بشارت سے مسکرائے۔ ہم لوگوں نے خوشی کی وجہ سے چاہا کہ نبی ﷺ کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ابوبکرؓ اپنے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ آئے تاکہ صف میں مل جائیں وہ سمجھے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لئے آنے والے ہیں، لیکن آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر لو، اور آپ نے پردہ ڈال دیا، اسی دن آپ نے وفات پائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۳۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ (مرض وفات میں) نبی کریم ﷺ تین دن باہر نہیں نکلے، ایک دن نماز کی اقامت ہوئی اور ابو بکرؓ آگے بڑھنے لگے، اتنے میں نبی کریم ﷺ نے پردہ کو اٹھا دیا، پس نبی ﷺ کا چہرہ نظر آتے ہی ہمارے سامنے ایسا خوش کن منظر آگیا کہ اس سے زیادہ کبھی میسر نہ آیا تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ابو بکر کو اشارہ کیا، کہ آگے بڑھ جائیں اور نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا، پھر اس پر آپ کو قدرت نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ترجمہ ۶۳۶: حضرت حمزہ بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب رسول خدا ﷺ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ سے نماز کی (امامت کے) بارے میں عرض کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، حضرت عائشہؓ بولیں، کہ ابو بکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں۔ جب (نماز میں قرآن مجید) پڑھیں گے، تو ان پر رونما غالب آجائے گا، آپ نے فرمایا، ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، پھر دوبارہ حضرت عائشہؓ نے وہی کہا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، تم تو یوسف کے زمانے کی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی ہو) زبیدی اور زہری کے بھیجے نے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے اور عقیل اور معمر نے یہ سند زہری و حمزہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

تشریح اور بحث و نظر: قولہ فانکن صواحب یوسف: یعنی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر کی عورتیں ان کے خلاف مرضی گفتگو کرتی تھیں یا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اور خیال میں تھے اور عورتیں کسی دوسرے خیال میں، یا یہ کہ تم عورتیں تو اپنی ہی بات چلایا کرتی ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے کہ اہل علم کو اقراء پر مقدم کیا ہے۔ اور ایک روایت امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق ہے، لیکن مشہور قول ان کا اقراء کی تقدیم ہے اہل علم پر اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ سے بھی یہ منقول ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے مسلک پر امامت سیدنا ابو بکرؓ سے استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ اہل علم تھے، یعنی اگر اقراء کی تقدیم ہوتی تو حضرت ابی بن کعبؓ امامت کے مستحق زیادہ ہوتے کہ وہ ہمیں حدیث اقراء تھے۔ امام بخاریؒ نے حدیث مسلم کی روایت بھی اپنی صحیح میں نہیں لی ہے، جس سے تقدیم اقراء نکلتی ہے، اور جو شافعیہ کا استدلال ہے، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ حدیث مسلم اس زمانہ کے رواج و عرف پر وارد ہوئی تھی، نہ بعد کے عرف پر، اس دور میں سب سے بڑا قاری وہ تھا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا، کیونکہ وہ سب اہل زبان تھے، ان کو کج حروف و مخارج کی ضرورت ہی نہ تھی، جتنا یاد کرتے تھے، اس کو صحیح ادا کرتے تھے اور کچھ کچھ پڑھتے تھے، اس لئے اس کے عالم بھی ہوتے تھے، پھر جب اسلام اطراف کی طرف پھیلا اور عجم نے بھی قرآن مجید کو پڑھا تو وہ صحیح حروف کے محتاج ہوئے لہذا حدیث مسلم ہمارے محل نزاع سے خارج ہے، اس میں جس اقراء کی تقدیم ہے وہ اہل علم بھی ہوتا تھا، البتہ بعد کو اصطلاح و عرف بدل گئی اور فقہاء کے تجوید سے پڑھنے والے کو قاری کہا، تو اختلاف کھلا، اور امام شافعیؒ نے قاری کو عالم پر ترجیح دی، امام صاحب و امام بخاریؒ وغیرہ نے عالم کو ترجیح دی، یعنی جو بقدر ضرورت صلوة صحیح حروف ادا کر سکتا ہے اور مسائل نماز سے بھی واقف ہے وہ اس سے زیادہ امامت کا مستحق والہ ہے جو صرف بحد قاری تو ہے مگر مسائل سے واقف نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے صحیح دعویٰ کیا کہ پہلے اقراء اہل علم بھی ہوتا تھا، کیونکہ صحابہ صحیح بھی پڑھتے تھے اور قرآن مجید کے سارے معانی و مباحثی سے واقف بھی ہوتے تھے، پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں باہم علم میں فضیلت نہ تھی، وہ بھی ضرور تھی، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی شان علم تفسیر قرآن میں سب سے بڑھی ہوئی تھی، اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حدیث مسلم میں اگرچہ ظاہر الفاظ سے اقراء کو مقدم کیا گیا ہے، مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہ ترجیح علم ہی ہے کیونکہ دوسرا جملہ حدیث مسلم کا یہ ہے کہ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ مقدم ہوگا جو اہل علم ہوں گے۔ یعنی پہلے تو جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہوگا اور ساتھ ہی معانی جاننے کی وجہ سے اہل علم بالقرآن بھی ہوگا (کیونکہ اس وقت سب ہی ایسے تھے کہ جتنا یاد ہوتا سب کو سمجھتے تھے) وہ سب سے زیادہ امامت کا مستحق ہوگا، اس کے بعد وہ ہوگا جو علم قرآن و مسائل میں بڑھا ہوا ہو خواہ اس کو قرآن مجید دوسرے سے کم یاد ہو۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ اصل ترجیح زیادتی حفظ قرآن کے لئے نہیں بلکہ

زیادتی علم کے لئے ہے۔ پھر یہ بات الگ ہے کہ حفظ و علم کے لئے بھی لائحہ امت مراتب ہیں، غرض ہمارے فقہاء نے الفاظ حدیث سے زیادہ معانی و مقاصد حدیث کی رعایت کی اور ان کو سمجھا ہے۔ وہ سمجھے کہ حدیث میں اقرآن کی تقدیم اس لئے کی گئی کہ اس زمانہ میں اقرآن علم بھی ضرور ہوتا تھا یہ بات نہ تھی کہ اسے قرآن مجید تو زیادہ یاد ہوتا تھا، مگر وہ اس کے معانی و مقاصد کو نہ سمجھتا تھا، اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث نبوی میں سنت سے مراد وہ مسائل ہیں جو حضور علیہ السلام کے طریق نماز اور اس کے بارے میں ہدایات کے علم و مشاہدہ سے حاصل ہوئے تھے۔ اور علم بالسنہ سے یہ مراد ہے کہ وہ بقدر ضرورت صلوٰۃ قرآن مجید صحیح طور سے پڑھنے کے ساتھ مسائل متعلقہ نماز کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتا ہو، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صحابہ کرام میں سے سب سے زیادہ علم، فہم، تقویٰ، تعلق مع اللہ، خوف و خشیت والے تھے، وقال تعالیٰ انما یحسب اللہ من عبادہ العلماء وقال علیہ السلام انا اتقاکم للہ واخشاکم (میں تم سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا خوف و خشیت رکھتا ہوں) ظاہر ہے تقویٰ و خشیت خداوندی کا تعلق علم سے ہے، تجوید و قراءت سے نہیں، لہذا جن اوصاف فاضلہ میں حضور علیہ السلام اور سب سے بڑھے ہوئے تھے، اسی طرح حضرت ابو بکرؓ بھی ان اوصاف نبویہ میں اور سب صحابہ پر ممتاز تھے، اور اسی لئے وہ امت میں سے امامت کے مستحق بھی پہلے درجہ پر قرار پائے، اگر وجہ ترجیح بجائے علم کے حفظ کے لئے ہوتی تو حضرت ابو بکرؓ کی جگہ امامت کے مستحق حضرات ابی بن کعبؓ ہوتے جن کو حضور علیہ السلام نے امت کا اقرآن حفظ فرمایا تھا۔

حضرتؒ نے مزید ارشاد فرمایا کہ علم کے مقابلہ میں حفظ کی شان تو حدیث میں بھی کم ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، مگر علم و فہم حدیث کے لحاظ سے یہاں بھی حضرت ابو بکرؓ کا درجہ سب سے اوپر ہے حدیث نمبر ۶۳۴ میں ان نفتخین کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم نے خیال کیا کہ فریاد خوشی سے ہم میں کھلبلی پڑ جائے گی۔

افادۃ النور: مغازی موسیٰ بن عقبہؒ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک رکعت ابو بکرؓ کے پیچھے مسبوqa نہ پڑھی ہے اور میرا گمان ہے کہ جہاں سے پردہ اٹھایا تھا وہیں سے بیٹھ کر اقتداء کی ہوگی۔ پھر انتقالات ہوتے رہے، حضور علیہ السلام نے ظہر۔ مغرب۔ عشاء اور فجر کی نمازیں حالت مرض میں پڑھی ہے، عصر کا ذکر نہیں ہے (راجع المغازی الخ) حضور علیہ السلام عشا کے وقت بھی نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے۔ اس طرح چار وقت نکلے ہیں اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵۔۶ جگہ سے یہ نکلتا ہے۔ مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا اور صرف ایک ظہر کو ماننے ہیں، باقی کا انکار کرتے ہیں نیز فرمایا کہ جس وقت حضور علیہ السلام کے اوپر مشکیں ڈالی گئی ہیں وہ عشا کا ہی وقت تھا اور مغرب کے وقت بھی نکلے ہیں اور صبح کے وقت بھی ایک رکعت میں مسبوق ہو کر شرکت کی ہے (کما فی البخاری) پس چار اوقات میں شرکت ثابت ہے۔

## باب من قام الی جنب الامام لعلہ

کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کے پہلوں میں کھڑے ہونے کا بیان

۶۳۷: حدثنا زکریا بن یحییٰ حدثنا ابن نمیر قال اخبرنا هشام ابن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ قالت امر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس فی مرضہ فکان یصلی بہم قال عروہ

فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نفسه خفۃ فخرج فاذا ابو بکر یؤم الناس فلما راہ ابو بکر

استاخر فاشار الیہ ان کما انت فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حذاء ای بکر الی جنبہ فکان

ابو بکر یصلی بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوۃ ابی بکر

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھانے

لگے، عروہ (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے جسم میں (مرض کی) کچھ خفت دیکھی تو باہر تشریف لائے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کے امام تھے، لیکن جب ابوبکرؓ نے آپؐ کو دیکھا، تو پیچھے ہٹنا چاہا، آپؐ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اسی طرح رہو، پھر رسول خدا ﷺ ابوبکرؓ کے برابر ان کے پہلو میں کھڑے ہو گئے، پس ابوبکرؓ رسول خدا ﷺ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: امام محمدؒ کے نزدیک امام کے ساتھ اگر صرف ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی برابری سے کچھ پیچھے کوہٹ کر دہنی طرف کھڑا ہوگا، تاکہ امام سے آگے ہونے کا احتمال نہ رہے کہ اس سے نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر دو مقتدی ہوں تو ان کی جگہ امام کے پیچھے ہے، لیکن اگر ایک مقتدی دہنی طرف اور دوسرا امام کے بائیں کھڑا ہو کر اقتدا کرے تو وہ بھی امام ابویوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، ہم مکروہ کہتے ہیں، مگر جگہ تک ہو کہ پیچھے کھڑے نہ ہو سکیں تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے۔

قولہ لعلہ: پر فرمایا کہ علت کے معنی اصل لغت عرب میں عرف مرض کے ہیں، اگرچہ پھر اس کا استعمال وجہ و سبب کے لئے بھی ہونے لگا ہے۔ صاحب قاموس کی بھی یہی تحقیق ہے۔

## باب من دخل لیوم الناس فجاء الامام الاول فتاخر الاول اولم

### یتاخر جازت صلوة فيه عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(اگر کوئی آدمی لوگوں کی امامت کے لئے جائے پھر امام اول آ جاوے تو پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے، اس کی نماز ہو جائے گی اس مضمون میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے)

۶۴۸: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابی حازم بن دينار عن سهل بن سعد الساعدي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذهب الى بني عمرو بن عوف ليصلح بينهم فحانت الصلوة فجاء المؤذن الى ابی بكر فقال اتصلي بالناس فاقیم قال نعم فصلى ابوبكر فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس في الصلوة فتخلص حتى وقف في الصف فصفق الناس و كان ابوبكر لا يلتفت في صلوة فلما اكثرت الناس التصفيق التفت فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاشار اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان امكث مكانك فرفع ابوبكر يديه فحمد الله على ما امره رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك ثم استاخر ابوبكر حتى استوى في الصف وتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلما انصرف قال يا ابا بكر ما منعك ان تثبت اذا مرتك فقال ابوبكر ما كان لابن ابی قحافة ان يصلى بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مالي رايكم

اكثرتم التصفيق من تابه شي في صلوة فليسبح فانه اذا سح التفت اليه والما التصفيق للنساء

ترجمہ: حضرت سهل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ بنی عمرو بن عوف میں باہم صبح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو نماز پڑھ دو تو میں اقامت کہوں، انہوں نے کہا اچھا، پس ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسول خدا ﷺ آ گئے اور لوگ نماز میں تھے، پس آپ (صفوں میں) داخل ہوئے، یہاں تک کہ (پہلی) صف میں جا کر ٹھہر گئے، لوگ تالی بجانے لگے، چونکہ ابوبکرؓ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے، لیکن جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں، تو انہوں نے دزدیدہ نظر سے دیکھا تو رسول خدا ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو ابوبکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے

حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کا شکر یہ ادا کیا، پھر پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ صف میں آ گئے، اور رسول خدا ﷺ آگے بڑھ گئے، آپ نے نماز پڑھائی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ اے ابو بکرؓ جب میں نے تم کو حکم دیا تھا، تو تم کیوں نہ کھڑے رہے؟! ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ ابو قافؓ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں ہے، کہ رسول خدا ﷺ کے آگے نماز پڑھاۓ، پھر رسول خدا ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ کیا سب ہے کہ میں نے تم کو دیکھا تم نے تالیاں بکثرت بجائیں (دیکھو) جب کسی کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے، کہ سبحان اللہ کہہ دے، کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہہ دے گا، تو اس کی طرف انفتاح کیا جائے گا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا اشارہ صرف عورتوں کے لئے رکھا گیا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے قول فیصلے ابو بکرؓ پر فرمایا: مجھے مصنف عبدالرزاق میں روایت ملی ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ تیسرے سال ہجری کا ہے، اور روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت پرانا ہے، کیونکہ اس میں تصنیف کا بھی ذکر ہے، جو پہلے دنوں میں تھی، اس کے بعد تصحیح کے حکم سے وہ منسوخ ہو گئی، لہذا بخاری کی اس حدیث الباب سے مسائل اخذ کرنا درست نہ ہوگا۔ مثلاً صف اول تک پہنچنا بغیر اس کے کہ وہاں جگہ خالی رہ گئی ہو، تب تو دوسری صفوں کو چھوڑ کر آگے جانا درست ہے، یا نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا، یا ہاتھ کرنا، کہ یہ سب امور خصوصیت پر محمول ہوں گے اور ان پر اب عمل درست نہ ہوگا، علامہ ابن الجوزیؒ نے بھی کہا کہ ایسی باتوں پر فقہ کو عمل نہیں کرنا چاہئے نہ ان کو سنت سمجھنا چاہئے جن پر عمل کا ثواب ثابت نہ ہو، لہذا شافعیہ کا اس واقعہ کو مستحقر اور مباحیح نہیں معلوم ہوتا۔

قولہ فرغ ابو بکر یدینہ: پر فرمایا: نماز کے درمیان میں ہاتھ اٹھانا فعل مستحسن ہے یا نہیں؟ اس جیسے فعل کے لئے ضابطہ قاعدہ کلیہ یاد رکھو، جو بہت سے مواضع میں کام آئے گا، بھی تو حضور اکرم ﷺ کی جانب سے بھی تصویب و تقریر کسی فعل کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کی اچھی نیت کی۔ ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ خاص طور سے وہ تصویب و تقریر اس فعل کی ہی ہے، تب تک اس کو سنت قرار نہیں دے سکتے کیونکہ بعض اوقات وہ فعل خود پسند یدہ نہیں ہوتا بلکہ جس نیت صالحہ سے وہ کیا گیا ہے صرف وہ نیت قابل تحسین و تصویب ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی فعل پر تعامل سلف منقول ہو تو وہ بھی اس فعل کی تقریر و تصویب کی دلیل بن سکتا ہے، مثلاً مروی ہے کہ حضرت کلثوم بن ہدم نماز میں ہمیشہ سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے، کسی صحابی نے اس بارے میں حضور اکرم ﷺ سے استفسار کیا کہ ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور حضور علیہ السلام کے سوال پر حضرت کلثوم نے جواب دیا کہ حضور! مجھے اس سورت سے محبت ہے کیونکہ اس میں صفت رحمان ہے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔ تو باوجود حضور علیہ السلام کی اتنی مدح و تصویب کے بھی سورۃ اخلاص کے ہر نماز میں تکرار کے فعل کو مستحسن یا مسنون و مستحب قرار نہیں دیا جاسکتا کہ آپ نے تو صرف اس کی نیت کی تعریف کی ہے۔ یہی بات حضرات صحابہؓ نے بھی ہے، جو سارے امت محمدیہ میں سے سب سے زیادہ ذکی و دانشمند تھے، ان میں سے کسی نے بھی تکرار سورت پر عمل نہیں کیا، اور اس کو صرف ایک شخص کے لئے بشارت خیال کیا، ورنہ اس پر تعامل و ثواب ہو جاتا، اور خود حضور علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس فعل کے ناپسندیدہ ہونے کے لئے کافی ہے (فرمایا کہ غیر مقلد یہ سمجھ کہ قل هو اللہ ہی پڑھنی چاہئے، چنانچہ صبح کی نماز میں بھی پڑھتے ہیں) اسی طرح بہت سے امور میں جہاں حضور علیہ السلام نے سوال فرمایا ہے وہاں یہی صورت پیدا ہوگی، ایک صحابی نے نماز میں چھینک آنے پر دعا پڑھی حضور علیہ السلام نے فرمایا من المتکلم فی الصلوۃ؟ اور پھر تصویب نیت بھی کی۔ ایک صحابی نے نماز میں اللہ اکبر کہہ کر کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس کلمہ کو بارہ فرشتے اچک کر لے گئے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے بعینہ اعمال کو اٹھا کر لے جاتے ہیں) پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے سوال کے بعد، فاعل کا پچھا نہیں کیا، اور اس کے فعل سے صرف نظر فرمایا، جیسے پہلے گزرا کہ صبح کی نماز کے وقت یا اقامت کے بعد آپ نے سنتیں پڑھنے والے کو ٹوکا کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے؟! مگر پھر اس کے فعل پر تعقب یا تکبیر بھی نہیں کی، فقط سوال یا ٹوک کی زد میں آچکے ہیں، اس لئے ہر فرع یدین کو بھی مرضیات شارع علیہ

بعض اقسام رفع یدین بھی حضور علیہ السلام کے سوال اور ٹوک کی زد میں آچکے ہیں، اس لئے ہر فرع یدین کو بھی مرضیات شارع علیہ



السلام میں داخل کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ کا فعل بے محل تھا، اور حضور علیہ السلام نے تقریر صحت نیت کی کی ہے نہ کہ یہ تصویب فعل ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قراءت فاتحہ خلف الامام وغیرہ بھی اسی زمرہ میں آجائیں گے، کیونکہ وہاں بھی سوال نبوی ہوا ہے۔ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

قولہ ما کان لابن ابی قحافة ان یصلیٰ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فرمایا: امت کے کسی فرد کے لائق نہیں کہ وہ نبی و رسول کا امام بن سکے، اسی لئے حضرت مہدیؑ بھی صرف ایک نماز میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے امام بنیں گے، وہ بھی اس لئے کہ اقامت ان کے لئے ہو چکے گی اور اقامت کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اتریں گے اور مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ نبی کی وفات سے قبل اس کے کسی امتی نے اس کی امامت کی ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے بھی کئی مواقع میں اپنے کسی امتی کی اقتدا کی ہے، مثلاً غزوہ (۱) تبوک سے واپسی میں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے امامت کی اور آپؐ نے اقتدا فرمائی (ابوداؤد ص ۲۰ و مسلم ص ۱۳۳ باب اسح علی الخنیمین) (۲) دو جماعتوں میں صلح کرانے کے لئے قبا تشریف لے گئے، تو اس وقت بھی ایسا پیش آیا۔ (۳) مرضی وفات میں حضرت ابو بکرؓ کی اقامت تو بہت ہی مشہور ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات بھی سمجھی کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد امامت کے لئے بطور لزوم نہ تھا، اور نماز پڑھانے رہنے کا حکم بھی باب اکرام و قدر افزائی سے تھا اسی لئے حضرت ابو بکرؓ نے بھی بطریق ادب و تواضع پیچھے ہٹ آنا ہی مناسب خیال کیا، برخلاف اس کے جو مرضی وفات نبویؐ میں پیش آیا کہ وہاں حضرت ابو بکرؓ پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ نماز پوری پڑھائی، اور حضور علیہ السلام نے دوسری رکعت نماز میں آپؐ کی اقتدا فرمائی، جیسا کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے، گو نماز کا بڑا حصہ ہو جانے پر حضرت ابو بکرؓ نے نماز میں استمرار و مشغولیت کو ترجیح دی اور جب تھوڑی پڑھانے پر ہی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے تو آگے نماز پڑھانا آپؐ کی موجودگی میں مناسب نہ سمجھا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے بھی اسی طرح عمل کیا تھا جبکہ صبح کی ایک رکعت پڑھانے کے بعد حضور علیہ السلام نے ان کے پیچھے اقتدا کی تھی، یہی فرق اور تفصیل حافظ نے بھی ذکر کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ص ۲۱۱۳

تفرد الحافظ والا امام البخاری: حافظؒ نے حدیث الباب کے تحت کچھ فوائد ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام سے قبل مقتدی کا احرام صلوٰۃ جائز ہے، اور جو شخص اکیلے نماز شروع کرے، پھر اقامت ہو جائے تو وہ شخص نماز جماعت میں اسی طرح داخل ہو جائے گا، نماز تو ذکر پھر سے امام کے بعد تکبیر تحریر کہہ کر شرکت جماعت کی ضرورت نہیں ہے، جو جمہور کا مذہب ہے۔ حافظؒ نے کہا کہ حدیث الباب کے قصہ سے یہی مسئلہ طبری نے بھی استنباط کیا ہے۔ (فتح ص ۲۱۱۵)

حافظ عینیؒ نے حافظ کا یہ مسئلہ نقل کر کے اس کا رد کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث نبویؐ میں اذا کبر الامام فکبروا وارد ہے، یعنی امام تکبیر کہے تب تم بھی تکبیر کہو۔ اس سے ترتیب و بعدیت ثابت ہوتی ہے، لہذا امام سے قبل تکبیر کیسے جائز ہوگی، علامہ ابن بطلانؒ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے بھی ایسی بات کہی ہو کہ امام سے پہلے تکبیر کہے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی، البتہ امام شافعیؒ کے مذہب پر یہ بات اس لئے درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ محیط نہیں ہے، باقی دوسرے سب ہی فقہاء اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ پھر علامہ عینیؒ نے طبری کے استدلال کو بھی رد کیا اور فرمایا کہ حدیث الباب سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس نماز میں شرکت فرمائی جس کا کچھ حصہ حضرت ابو بکرؓ پڑھ چکے تھے اور ان کی اقتداء صحابہ کرام کر چکے تھے۔ لہذا حضور علیہ السلام نے درمیان صلوٰۃ میں اپنی نماز شروع کی ہے اور قوم نے دونوں کے پیچھے اپنی نماز پوری کی ہے۔ اس سے مقتدیوں کی تحریرہ امام سے قبل کیونکر ہوئی جبکہ پہلے سے امام حضرت ابو بکرؓ تھے، اور ان ہی کی تحریرہ سے شروع کی ہوئی نماز کو حضور علیہ السلام کے ساتھ پورا کیا ہے۔ (عمدہ ص ۲۷۷)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ابتداء کتاب الصلوٰۃ میں بوقت درس بخاری شریف فرمایا تھا کہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک تو اتحاد

صلا تین شرائط اقتداء میں سے ہے، امام شافعیؒ کے یہاں اختلاف صلا تین فرضاً و نفلاً و وقتاً کی صورت میں بھی اقتداء درست ہے، لیکن امام بخاریؒ نے شافعیہ سے بھی زیادہ توسع کیا ہے، چنانچہ انہوں نے تقدیم تحریرہ مقتدی کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ اس سے معصوم ہوتا ہے کہ تقدیم مذکور کا جواز شافعیہ کا مسلک نہیں ہے۔ اور ادھر حافظ نے امام بخاریؒ ہی کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

راقم الحروف نے اپنی کسی یادداشت میں امام بخاریؒ کے تفردات کو یکجا کیا ہے، کسی موقع پر ان سب کو پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

## باب اذا استووا فی القراءة فلیؤمهم اکبرهم

(اگر کچھ لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو جو ان میں زیادہ عمر والا ہو وہ امامت کرے)

۶۳۹: حدثنا سلیمان بن حرب قال أخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن ابی قلابہ عن مالک بن الحویث قال قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن شبہة فلبنا عنده نحو من عشرين ليلة وكان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحيماً فقال لورجعتن الی بلادکم فعلنتموهم مروهم فلیصلوا صلوۃ کذا فی حین کذا و صلوۃ کذا فی حین کذا فاذا حضرت الصلوۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہم چند جوان تھے، ہم لوگ تقریباً بیس یوم تک مقیم رہے۔ نبی کریم ﷺ بڑے رحم دل تھے (لہذا آپ نے) ہمارا گھربار سے جدار ہنپا بند نہ کیا اور) ہم سے فرمایا کہ اگر تم اپنے وطن کو لوٹ کر جاؤ تو انہیں دین کی تعلیم کرنا، ان سے کہنا، کہ وہ اسی طریقے سے اس وقت میں، اور اس طریقے سے اس وقت میں نماز پڑھیں، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے۔ اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ ف۔۔۔ یہ حدیث پہلے دو یا تین مقام پر گزر چکی ہے۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: ترجمہ الباب میں اس طرف اشارہ ہے کہ حدیث الباب میں جو بڑی عمر والے کو امامت کے لئے آگے بڑھانے کی بات ہے وہ اس وقت ہے کہ وہ سب قراءت میں مساوی ہوں، ورنہ بڑی عمر والے کی تقدیم نہ ہوگی، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ گویا ترجمہ الباب سے حدیث کی شرح کی گئی ہے، اور جمہور کے نزدیک جن میں ائمہ ثلاثہ اور امام محمد بھی ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ علم والے کو زیادہ قراءت والے پر ترجیح ہے، امام احمد و ابویوسف کہتے ہیں کہ زیادہ قراءت والے کو مقدم کر دو۔ (الابواب ص ۲۱۶۷)

## باب اذا زار الامام قوماً فامهم

(اگر امام کچھ لوگوں سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے)

۶۵۰: حدثنا معاذ بن اسد قال أخبرنا عبد اللہ قال أخبرنا معمر عن الزہری قال أخبرنی محمود بن الربیع قال سمعت عتبان بن مالک الانصاری قال استاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت له فقال ابن تحب ان اصلی من بیتک فاشرت له الی المکان الذی احب فقام و صففنا خلفه ثم سلم و سلمنا

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع، عتبان بن مالک انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (میرے گھر میں آنے کی) اجازت طلب فرمائی، تو میں نے آپ کو اجازت دی، پھر آپ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس مقام پر نماز پڑھو، چاہتے ہو، جس مقام کو میں چاہتا تھا، اس مقام کی طرف میں نے اشارہ کر دیا۔ پس آپ کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی (اس کے بعد آپ نے اور ہم نے نماز پڑھ کر) سلام پھیرا۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: اس باب کا مقصد یہ ہے کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے کہ کسی کے گھر پر دوسرا جائے تو امامت نہ کرے، وہ گھروالے کی عدم اجازت کے ساتھ مقید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنی تراجم الابواب میں اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری

رائے حافظ ابن حجرؒ کی ہے کہ امام اعظم (خلیفہ وقت وغیرہ) اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کو اجازت کی ضرورت نہیں، تیسری رائے محقق عینیؒ کی ہے کہ امام اعظم کو بھی حدیث نبویؐ کی وجہ سے اجازت کی ضرورت ہے الخ (الابواب ص ۳۲۷/۳)  
راقم الحروف کے نزدیک واضح صورتیں دو ہی بنتی ہیں، تیسری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب انما جعل الامام لیؤتم بہ وصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی توفی فیہ بالناس و هو جالس وقال ابن مسعود اذا رفع قبل الامام یعود فیمکث بقدر ما رفع ثم یتبع الامام وقال الحسن فیمکن یرکع مع الامام رکعتین ولا یقدر علی السجود یسجد للركعة الأخيرة سجدة ثم یقضی الركعة الاولى بسجودها و فیمن نسی سجدة حتی قام یسجد (امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے سر اٹھائے تو اسے چاہیے کہ پھر لوٹ جائے اور بقدر اس مدت کے جس میں وہ سر اٹھائے رہا وہاں توقف کرے اس کے بعد امام کا اتباع کرے اور حسن بصریؒ نے اس شخص کے بارے میں جو امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے، اور (لوگوں کی کثرت کے سبب سے) سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، یہ کہا ہے، کہ اخیر رکعت میں دو سجدے کر لے، بعد اس کے پہلی رکعت مع اس کے سجدوں کے ادا کرے، اور جو شخص کوئی سجدہ بھول کر کھڑا ہو جائے، اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ سجدہ کر لے)

۶۵۱: حدثنا احمد بن یونس قال اخبرنا زائدة عن موسى بن ابي عائشة عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال دخلت علی عائشة فقلت الاتحدثینی عن مرض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قالت بلی ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلی الناس قلنا لا وهم ینتظرونک یا رسول الله قال ضعوا لی ماء فی المخصب قالت ففعلنا فاغتسل فذهب لبنوء فاعمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناس قلنا لا هم ینتظرونک یا رسول الله قال ضعوا لی ماء فی المخصب فقعد فاغتسل ثم ذهب لبنوء فاعمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناس قلنا لا هم ینتظرونک یا رسول الله والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوة العشاء الاخرة فارسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی ابی بکر بان یصلی بالناس فاتاه الرسول فقال ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یامرک ان تصلی بالناس فقال ابوبکر وکان رجلاً رقیقاً یاعمر صل بالناس فقال له عمر انت احق بذلك فصلی ابوبکر تلک الايام ثم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسه خفة فخرج بین رجلین احدهما العباس لصلوة اظهروا ابوبکر یصلی بالناس فلما راه ابوبکر ذهب لیتأخر فامی الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان لا یتأخر فقال اجلسانی الی جنبہ فاجلساه الی جنب ابی بکر قال فجعل ابوبکر یصلی وهو یاتم بصلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس بصلوة ابی بکر والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قاعد قال عبيد الله فدخلت علی عبد الله بن عباس فقلت له الا عرض علیک ما حدثنی عائشة عن مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال هات فعمر ضمت علیہ حدیثها فما انکر منه شیئاً غیر انه قال اسمت لک الرجل الذی کان مع

العباس قلت لافال هو علی

۶۵۲: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة ام المؤمنين انها قالت صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فی بینه وهو شاک فصری جالساً وصلى وراءه قوم قیاماً فاشار اليهم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد واذا صلى جالساً فصلوا جلوساً اجمعون

۶۵۳: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابن شهاب عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ركب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الايمن فصلى صلوۃ من الصلوات وهو قاعد فصلينا وراءه قعوداً فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا صلى قائماً فصلوا قیاماً واذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد واذا صلى جالساً فصلوا جلوساً اجمعون قال ابو عبد الله قال الحمیدی قوله واذا صلى جالساً فصلوا جلوساً هو فی مرضه القدیم ثم صلى بعد ذلك النبی صلى الله عليه وسلم جالساً والناس خلفه قیام لم یامرهم بالقعود وانما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلى الله عليه وسلم

ترجمہ ۶۵۱: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا، اور میں نے کہا کہ آپ مجھ سے رسول خدا ﷺ کی (آخر) مرض کی کیفیت کیوں نہ بیان کریں، انھوں نے کہا، اچھا (سنو) میں بیان کرتی ہوں، رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے، پھر آپ نے پوچھا، کیا لوگ نماز پڑھ چکے، ہم لوگوں نے عرض کیا، کہ نہیں یا رسول اللہ! وہ آپ کے خنجر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو (میں نہاؤں گا) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہوتا چاہا، مگر آپ بے ہوش ہو گئے، اس کے بعد ہوش آیا، تو آپ نے پھر فرمایا، کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا، نہیں یا رسول اللہ! وہ آپ کے خنجر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو، چنانچہ رکھ دیا گیا پس آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہوتا چاہا مگر بے ہوش ہو گئے، پھر فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ لوگوں نے عرض کیا، نہیں یا رسول اللہ! وہ آپ کے خنجر ہیں، اور لوگ مسجد میں نبی کریم ﷺ کا عشاء کی نماز میں انتظار کر رہے تھے (مجبوراً نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر کے پاس (کہلا) بھیجا تا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ قاصدان کے پاس پہنچا، اور اس نے کہا کہ رسول خدا ﷺ آپ حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابوبکر بولے (اور وہ نرم دل آدمی تھے) کہ اے عمر، تم لوگوں کو نماز پڑھا دو حضرت عمر نے ان سے کہا کہ تم اس کے زیادہ حق دار ہو، تب حضرت ابوبکر نے ان دونوں میں نماز پڑھائی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ میں (مرض کی) کچھ خفت پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نماز ظہر کے لئے نکلے، ان میں سے ایک عباس تھے، اس وقت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب آپ کو ابوبکر نے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پہلو میں، شہادہ، چنانچہ ان دونوں آدمیوں نے آپ کو ابوبکر کے پہلو میں بٹھایا دیا۔

عبید اللہ کہتے ہیں کہ اس وقت، ابوبکر اس طرح نماز پڑھنے لگے، کہ وہ تو نبی کریم ﷺ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکر کی نماز کی اقتداء کرتے تھے نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے (نماز پڑھ رہے) تھے، عبید اللہ کہتے ہیں، پھر میں عبد اللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے یہ کہیں تمہارے سامنے وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھ سے حضرت عائشہ نے نبی کریم ﷺ کے مرض کے متعلق بیان کی ہے، انھوں نے کہا لاؤ (سناؤ) میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہ کی حدیث پیش کی، حضرت ابن عباس نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا۔ صرف

اتنا کہا کہ حضرت عائشہؓ نے تمہیں اس شخص کا نام بھی بتایا جو حضرت عباسؓ کے ہمراہ تھا، میں نے کہا نہیں، ابن عباس نے کہا، وہ علیؓ تھے۔  
ترجمہ ۶۵۲: حضرت ہشام بن عروہ، اپنے والد عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت مرض اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ نے (یہ دیکھ کر) ان سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پھر جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا جب وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سراٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم ہینا لک الحمد کہو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔

ترجمہ ۶۵۳: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے، اور اس سے گر گئے، تو آپ کے جسم مبارک کا داہنا پہلو اس سے کچھ زخمی ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ نے نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے، کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو، امام بخاری کہتے ہیں، حمیدی نے کہا ہے کہ یہ قول اس حضرت ﷺ کا کہ ”جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو“ آپ کی پہلی بیماری میں تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے امراض و وفات کے موقع پر۔ بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، آپ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، اور یہ طے شدہ امر ہے، کہ نبی کریم ﷺ کے آخری سے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حدیث الباب ص ۶۵۱ میں حضور علیہ السلام کا مرض و وفات میں نب میں بیٹھ کر غسل کرنے کا ذکر ہے اور نماز عشاء مسجد نبوی میں پڑھنے کی بھی صراحت ہے، اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵ جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشاء کے وقت حجرہ شریفہ سے مسجد کی طرف نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے مگر حافظہ نے کہیں بول کر نہیں دیا، اور وہ صرف ایک ظہر کے لئے نکلنے کو مانتے ہیں باقی کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض و وفات میں چار پانچ دن کے اندر چار بار مسجد نبوی کی نماز میں شرکت فرمائی ہے اور تین نمازوں کی شرکت کو تو امام ترمذی نے بھی مانا ہے، میں چار مانتا ہوں، جبکہ امام شافعی اور حافظہ صرف ایک نماز کی شرکت مانتے ہیں، پھر ان دونوں میں بھی اختلاف ہے کہ امام شافعی صبح کی نماز میں کہتے ہیں اور حافظہ ظہر میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری کی حدیث ص ۳۲ کے تحت بھی ضروری تفصیل انوار الباری ص ۵۱/۵۲ میں آچکی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جائے۔

اب حضرت نے سابق باب اہل العلم والفضل احق بالامۃ کی حدیث انسؓ میں قولہ فنکص ابو بکر الخ پر یہ بھی فرمایا کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اس نماز میں داخل نہیں ہوئے، کہ ایسا ہوتا تو راوی اس کو ضرور ذکر کرتا، تاہم امام بیہقی نے شرکت پر اصرار کیا ہے اور دور و واجوں سے استدلال کیا ہے، میرے پاس بھی دس وجوہ یا زیادہ ایسی ہیں جو شرکت نماز فجر (یوم الاثین یوم وفات نبوی) پر دلالت کرتی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اقتداء حجرہ شریفہ سے کی ہے۔ مسجد میں تشریف نہیں لے جاسکے، جس طرح عورتیں جمعہ کے دن حجرہ سے اقتداء کرتی تھیں (کمانی المدونہ لیکن میرے پاس اس کی نقل نہیں ہے) اور نسائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صف تک پہنچ گئے تھے۔

امام شافعی بھی نماز صبح کی شرکت کے قائل ہیں اور غالباً وہ پیر کے دن کی ہی ہے۔ حافظہ نے صبح کی نماز کی شرکت سے انکار کیا ہے اور

۱۔ ملاحظہ ۳۲ باب الغسل والوضوء فی المجلس، اور ص ۹۹ میں باب الرجل یأتم (یعنی زیر بحث باب) اور ص ۵۱۲ میں نماز و خطبہ کا ذکر اور ص ۱۳۹

باب المغازی اور ص ۸۵۱ میں ثم خرج الی الناس، نماز خطبہ کا ذکر اور حافظہ کا انکار۔ ”مؤلف“

شرکت صرف ظہر میں مانی ہے۔ پہلے یہ بات بھی آچکی ہے کہ ایک نماز ظہر کی شرکت کو سب ہی مانتے ہیں علاوہ امام شافعی کے خواہ وہ سنچر کی ہو یا اتوار کی، جمعہ کی تو ہو نہیں سکتی، جمعرات کی شام سے عیادت شروع ہوئی تھی، جمعہ، سنچر، اتوار تین روز پورے عیادت میں گزرے، پھر کے دن ظہر کے قبل وفات ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اہم بحث: حافظ نے نماز عشاء کی شرکت سے بھی انکار کیا ہے جبکہ ابھی بخاری کی ۵-۶ روایات سے بھی حضور علیہ السلام کے حجرہ شریفہ سے نکلنے اور نماز کے علاوہ خطبہ تک کا بھی ثبوت موجود ہے، مگر بڑا مغلطہ حدیث احمد بن یونس ص ۶۵۱ سے ہی لگا ہے جو اس وقت سامنے ہے کیونکہ اس کے بھی شروع میں نماز عشاء کا ذکر صراحتہ موجود ہے لیکن آگے اسی حدیث میں راوی نے نماز ظہر کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس سے حافظ نے عشا کی شرکت ہٹا کر ظہر کی ثابت کر دی ہے۔ اور علامہ یعنی بھی یہاں چوک گئے کہ انھوں نے بھی غسل کے اس واقعہ میں ظہر کی نماز تسلیم کر لی، حالانکہ اس واقعہ کا کوئی تعلق نماز ظہر سے نہیں ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ ہمارے حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم وغیرہ کسی نے بھی اس اشکال کی طرف توجہ نہیں کی، جبکہ فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق بھی حضرت شیخ الحدیث کے سامنے تو آتی چکی تھی، کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کا ذکر ضرور اہم مباحث میں کیا کرتے ہیں۔ پھر زیادہ تعجب اس پر ہے کہ صاحب فیض الباری نے ص ۲۱۰ پر حاشیہ بھی لکھ دیا اور حدیث مسلم کا حوالہ دے کر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق انیق کو بالکل ہی بے وزن کر دیا، پھر اتنی اہم بات کا حضرت شاہ صاحبؒ سے استفسار بھی نہ کرنا، جبکہ ان کا کمرہ جامعہ ذابھیل میں حضرت کے کمرہ سے بالکل متصل تھا اور ہر وقت رجوع و استفادہ کے مواقع میسر تھے، اور حدیث مسلم پر حوالہ کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی کہ خود یہاں بخاری میں بھی، عین وہی حدیث احمد بن یونس والی موجود ہے۔ آخر یہ سوچنا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایسی اہم تحقیق پیش کر رہے ہیں، جس طرح بڑوں کی توجہ بھی نہ ہو سکی تھی، مثلاً علامہ یعنی وغیرہ کی، اور بات اتنی واضح تھی کہ اس کا انکار ہو بھی نہیں سکتا، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ کے الفاظ لم خروج الی الناس سے بہت ہی واضح اور کھلی حقیقت ثابت ہو رہی ہے کہ غسل کے بعد آپ کا نکلنا نماز عشاء ہی کے لئے تھا، جس کا ذکر اسی حدیث میں پہلے موجود بھی ہے کہ وہ وقت عشا کا تھا، اور یہ مرض کا پہلا دن تھا (یعنی شب جمعہ کی عشاء کا وقت) تو اس خروج کو سنچر یا اتوار کی ظہر کے لئے خروج کس طرح کہا جاسکتا ہے اور خود بخاری ص ۵۱۲ میں باب قولہ تعالیٰ کما یعرفون انباءہم سے کچھ قبل حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ مرض وفات میں ہماری طرف نکلے، چادر لپیٹے ہوئے اور سر کو کالی پٹی باندھے ہوئے، حتیٰ کہ آپ منبر پر بیٹھے اور حمد و ثنا کی پھر اما بعد الخ خطبہ دیا اور یہ آپ کی منبر پر آخری مجلس تھی۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بخاری ص ۳۲ میں بعد غسل معبود کے صرف لوگوں کی طرف نکلنے کا ذکر ہے کسی نماز یا خطبہ کا ذکر نہیں، ص ۵۱۲ میں غسل کے بعد نماز و خطبہ دونوں کا ذکر ہے مگر ظہر کا تذکرہ نہیں، ص ۶۳۹ میں بھی غسل کے بعد نماز و خطبہ کا ذکر ہے، ظہر کی صراحت نہیں ص ۸۵۱ میں بھی غسل کے بعد نماز و خطبہ کا تذکرہ تو ہے مگر ظہر کا ذکر نہیں، صرف ایک روایت ص ۹۵ میں راوی نے پہلے نماز عشاء کا ذکر کیا اور پھر نماز ظہر کو بھی اس کے ساتھ جوڑ دیا، حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صورت واقعہ وہ نہیں تھی جو حافظ نے سمجھی ہے، بلکہ یہ تھی کہ راوی نے پہلے تو حضور علیہ السلام کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کی ایام علالت کی امامت کا ذکر کیا جس کے ضمن میں یہ بات آگئی کہ حضور نمازوں میں شریک نہیں ہو سکے اس لئے راوی کا ذہن اس طرف بھی منتقل ہو گیا کہ ان ایام میں جو نمازیں آپ نے جماعت کے ساتھ ادا کیں ان کو بھی بتلا دے، اور اس سلسلہ میں اس نماز کا بھی ذکر آگیا جو غسل کے بعد آپ نے پڑھی ہے اور خطبہ بھی دیا ہے یعنی نماز عشاء اور ساتھ ہی ظہر کی نماز بھی ذکر میں آگئی، اور چونکہ وہی سب سے زیادہ مشہور تھی، اور اکثر کو معلوم، اس لئے اس کو اہتمام سے بیان کر گئے۔ یہ غرض نہ تھی کہ غسل کے بعد

آپ نے ظہر کی نماز پڑھی ہے، یا یہ کہ عشاء کی پڑھی ہی نہیں، جو حافظ وغیرہ نے سمجھ لیا، رواۃ حدیث کو ایسے تجوزات اور بیانی تسامحات پیش آتے رہتے ہیں، اور اسی بیانی تسامح راوی سے حافظ وغیرہ مغالطہ میں پڑ گئے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر ایسے مواقع پر بہت گہری تھی اور آپ سارے طرق و متون حدیث کو جمع کر کے پھر کوئی فیصلہ کیا کرتے تھے، اسی لئے یہاں آپ نے خدا کے فضل و توفیق سے وہ بات پیدا کی جس تک دوسرے اکابر نہ پہنچ سکے چنانچہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی باقی ۵-۶ جگہ کی روایات میں غسل کے بعد ہی کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے، جو عشاء کی تھی، اور پہلے ہی دن آپ نے شدید بخار اور غفلت و بے ہوشی کے بعد غسل خاص کے ذریعے طبیعت ہلکی ہونے پر پڑھی تھی، اس کے بعد تو آپ کے مرض میں اور بھی زیادہ شدت بڑھتی گئی، اور کئی روز تک شدید علالت کا سلسلہ قائم رہا، حتیٰ کہ آخری نماز عصر کی صبح کو جو آپ نے پڑھی ہے، وہ حسب تحقیق اکابر آپ نے حجرہ شریفہ سے اقتداء کر کے حضرت ابو بکرؓ کی امامت میں ادا فرمائی ہے، یعنی آپ اس وقت شدید علالت و ضعف کے باعث مسجد نبویؐ تک بھی تشریف نہ لاسکے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اہم مسئلہ کی تحقیق و تشخیص نہایت دشوار ہے۔ اور کسی ایسے مسئلہ کو سمجھنا حضرت شاہ صاحبؒ ایسے محقق و مبصر ہی کا حصہ تھا، خیال کیجئے جہاں امام ترمذی ایسا محدث اعظم تین نمازوں کی شرکت حدیث نقطہ نظر سے تسلیم کر چکا ہے، وہاں امام شافعی نے صرف فجر کی اور حافظ الدینا نے صرف ظہر کی تسلیم کی ہو، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بطور احتمال چوتھی نماز مغرب کا اضافہ فرمایا، اور اس کے لئے بخاری و مسلم کی حدیث ام الفضلؓ پیش کر دی کہ میں نے رسول اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ مرسلات سنی اور آپ نے اس کے بعد وقت و فوات تک ہمیں اور کوئی نماز نہیں پڑھا کی۔ (انوار الباری ص ۵/۱۷۵)

یہ معمولی تحقیق نہیں ہے شارح مسلم علامہ عثمانیؒ بھی اس حدیث احمد بن یونسؒ پر خاموشی سے گزر گئے اور یعنی بھی خاموش رہے غسل کے بعد صلوٰۃ ظہر کے ذکر کی کوئی توجیہ کسی سے بھی میری نظر میں نہیں گذری ہے۔ حضرتؒ نے اس کو حل فرمایا تو صاحب فیضؒ فرماتے ہیں وہی النفس منه قل قل الخ لیا للعجب! حضرتؒ کے علوم سے اتنی دوری اور وہ بھی اس قدر قرب جسمانی اور مدتوں درس بخاری دینے کے بعد،

## حضرت شاہ صاحب کے علوم کس طرح ضائع ہوئے؟

افسوس صد افسوس کہ باوجود حضرتؒ کے بے نظیر علم و فضل و تبحر کے اور آپ کی عالمی شخصیت ہونے کے ارباب دارالعلوم دیوبند نے ان سے کماحقہ استفادہ نہ کیا، بلکہ معمولی اختلاف پر تو ایسی بے قدری و ناحق شناسی کا برتاؤ کیا، جس کی مثال نہیں مل سکتی، پھر ہفتا عظیم ذخیرہ ۳۰-۴۰ سال کی محنت شدہ سے حضرتؒ نے تین بکس یادداشتوں کی صورت میں چھوڑا تھا، وہ گھر والوں کی غفلت سے ضائع ہو گیا، آخر میں ایک شکل آپ کے تلامذہ کے ذریعہ آپ کی گرانقدر علمی تحقیقات کی اشاعت کی ہو سکتی تھی تو اس کا اندازہ بھی العرف اللہ فی فیض الباری کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کچھ بہتر کام مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے انوار المحمود کی شکل میں انجام دیا تھا۔ اور سب سے بہتر رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف بنوری دام فیضہم نے معارف السنن کی صورت میں کیا ہے، خدا اس کو پورا کرا دے، اس کام کی ابتداء احقر ہی نے مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں موصوف سے کرائی تھی، اس وقت فیض الباری کے بارے میں بہت خوش گمانی تھی، ورنہ اب افسوس ہوتا ہے کہ مولانا سے امالی بخاری شریف ہی کا کام کیوں نہ کرایا گیا۔ باقی راقم الحروف جو کچھ کام کر رہا ہے اس کی حیثیت ظاہر ہے کہ طفل نسل سے زیادہ نہیں ہے۔ من آثم کم من دأئم۔ البتہ اس پر عمل ہوگا۔

اندریں رہے ترش و مے خراش تادم آخر دے فارغ مباحث

کچھ مخلص احباب اور بزرگوں کی نیک دعاؤں کی وجہ سے بھی گاڑی یہاں تک کھینچ گئی اور خاص طور سے محترم مولانا اسماعیل یوسف گار ڈی افریقی (تلمیذ حضرت شاہ صاحبؒ) اور محترم الحاج ایم ایس ڈوکرات والحاج موسیٰ بوڈھانیہ وغیرہ احباب افریقہ کے اصرار و حوصلہ افزائی

کے باعث بھی اس کام میں لگا ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے کہ تکمیل کر سکوں۔ آمین

احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں دو سال حضرت کی خدمت میں رہا، امالی درس بخاری شریف کے علاوہ حضرت کے ملفوظات گرامی اور مواضع بھی لکھ لیا کرتا تھا۔ یہ سب کام ضمنی تھا، بڑا کام حضرت کی یادداشتوں کی نقل و ترتیب و تخریج حوالات وغیرہ تھی۔ حق تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی، ورنہ زیادہ کام ہو سکتا تھا، اور حضرت خود بھی فرماتے تھے کہ یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو بڑا کام ہو جاتا، وہی کچھ حضرت کی نظر کرم و شفقت تھی جس کے طفیل میں اب بھی اس کام میں دل پھنسا ہوا ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔

اب آپ کے سامنے بخاری کے ترجمہ و حدیث الباب ص ۶۵۱ کے متعدد اہم جملوں کی انوری تفسیر بھی مزید فائدہ کے لئے پیش ہے۔ فیض الباری ص ۲/۲۱۰ میں قولہ فہر رسول اللہ ﷺ کا موقع بھی بجائے ص ۲۱۴ کے ترتیباً غلط ہو گیا ہے، ہم سب جملوں کو صحیح ترتیب سے لکھیں گے۔ واللہ المعین۔

(۱) **قوله وقال ابن مسعود** الخ: حضرت نے فرمایا کہ جو جواب حضرت عبداللہ بن مسعود نے سائل کو دیا ہے (اور امام بخاری کا بھی یہی مختار ہوگا کہ اس کو ذکر کیا ہے) یہی مسلک حنفیہ کا ہے۔

(۲) **قوله وقال الحسن** الخ: یہ بھی حنفیہ کا مسلک و مختار ہے، اور ان مسائل کو ”مسائل السجرات“ کہا جاتا ہے شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ان کو مستقل فصل میں ذکر کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی مالا بدلتہ میں لکھا ہے۔

(۳) **قوله فارسل النبي** ﷺ الخ: حضرت نے فرمایا کہ حافظ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے غسل کے بعد عشاء کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تھا۔ مگر قدرت نہ ہوئی، تب حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے حکم فرمایا۔ لیکن یہ بات متعدد روایات کے خلاف ہے جس کی تفصیل اوپر گزری ہے، اور ص ۹۹ بخاری میں تو اس امر کی بھی صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کرا چکے تھے، پھر حضور علیہ السلام نے مرض میں خفت محسوس کی اور مسجد کی طرف نکلے ہیں، اور نماز پڑھائی اور خطبہ بھی دیا۔

(۴) **فجعل ابو بکر يصل وهو قائم بصلوة النبي عليه السلام**: راوی کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام امام ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ بطور مسلک کے کبیر کہتے تھے، حضرت نے فرمایا کہ علامہ یعنی نے بخاری کی طرف تسلسل قد وہ کا مسلک منسوب کیا ہے، جو سلف میں سے شععی اور ابن جریر کا بھی مختار ہے، کہ پہلی صف والے امام کے مقتدی ہیں، دوسری والے پہلی صف والوں کے اور اسی طرح آخری صف تک۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک سارے مقتدی بلا توسط کے امام ہی کی اقتدا کرتے ہیں۔ ثمرہ خلاف جب ظاہر ہوگا کہ کوئی شخص جماعت کو پہنچا اور امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھا چکے تھے، البتہ آخری صفوں میں کوئی ابھی رکوع میں تھا کہ اس شخص نے اسی کی اقتدا کر لی اور اس کے رکوع میں شریک ہو گیا تو اس کو شععی وغیرہ کے نزدیک رکعت مل گئی، مگر جمہور کے نزدیک نہیں ملی۔

(۱) **قوله ان رسول الله** ﷺ **ركب فرسا** حدیث ص ۶۵۳: فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ واقعہ گھوڑے سے سے گرنے کا حسب تحقیق ابن حبان پانچویں سال ہجرت کا ہے اور حافظ نے غلطی سے اس کو نویں سال کا بتلایا ہے۔ مغالطہ بعض راویوں کی تعبیری مساحت سے ہوا ہے کہ انھوں نے اس قصہ کو اور ایلاء کے قصہ کو ایک ہی سابق میں ذکر کیا ہے، کیونکہ دونوں وقت حضور علیہ السلام نے مشربہ (بالا خانہ) میں قیام فرمایا تھا، علامہ زبیلی حنفی نے اس پر تنبیہ کی ہے مگر حافظ سے تعجب ہے کہ وہ اس اشتراک کے سبب سے غلطی میں پڑ گئے، حالانکہ راوی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ قصہ خوش مذکورہ میں تو حضور علیہ السلام تکلیف کی وجہ سے نیچے اتر ہی نہیں سکتے تھے، برخلاف اس کے قصہ ایلاء میں کوئی جسمانی معذوری نہ تھی۔



(۲) **قوله فصلینا وراءه قعودا:** حضرت نے فرمایا کہ ایک واقعہ تو سقوط نبوی والا ہے اور اس کے بارے میں جو حدیث وارد ہے، وہ الگ ہے، اور دوسرا واقعہ بہت بعد کا ہے اور اس کی حدیث بھی دوسری ہے، جس میں خاص طور سے اقتدا کے احکام بتلائے گئے ہیں، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، بعض حضرات نے دونوں حدیث کو ایک قرار دے کر چاہا کہ دوسری حدیث کے اس حکم کو زائد تلا کر اولیٰ بالخلاف قرار دیں، حالانکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں جو ۵۰ھ کے بہت بعد کو اسلام لائے ہیں، لہذا اس حدیث کے زائد الفاظ مذکورہ کی صحت میں صرف ان ہی لوگوں نے شک کیا ہے جو قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں اور ان کی فقہ حدیث پر غالب آگئی ہے، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ حدیث کو متبوع بنا کر فقہ کو اس کے تابع کیا جائے۔ اس کی مزید تفصیل و بحث مسئلہ قراءت خلف الامام میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت نے اس کو اپنے رسالہ قراءت خلف الامام میں بھی کئی جگہ لیا ہے۔

(۳) **قوله انما يؤخذ بالآخر فالآخر:** حضرت نے فرمایا کہ امام بخاری نے بھی بعد والی حدیث نبوی کو ناخ قرار دے کر امام ابو حنیفہ امام شافعی، امام ثوری و جمہور سلف کا مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بے عذر کے مقتدیوں کو بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہئے امام احمد والی ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ مقتدیوں کو عذر نہ ہو تب بھی وہ امام کا مذہب کے پیچھے بیٹھ کر ہی پڑھیں گے۔ ابن حزم نے اہل ظاہر کی تائید میں بہت کچھ مبالغہ آرائی کی ہیں جو خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ خطابی نے معاملہ میں اور قاضی عیاض نے اکثر فقہاء سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، علامہ ابن دقیق العید و علامہ نووی نے بھی جمہور سلف سے، ابن حزم کے خلاف نقول پیش کی ہیں اور ان کے دعوائے اجماع وغیرہ کا پورا رد کر دیا ہے۔ امام بخاری سے بھی اس مسئلہ میں امام احمد والی ظاہر کا رد ثابت ہوا۔ اس مسئلہ کو فتح المسلمین ص ۲/۵۳ میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ مع دلائل ذکر کیا گیا ہے۔

## باب مترے یسجد من خلف الامام وقال انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا سجد فاسجدوا (جو لوگ امام کے پیچھے ہیں، وہ کب سجدہ کریں، اور حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو)

۶۵۳: حدثنا مسند قال حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان قال حدثني ابو اسحاق قال حدثني عبد الله بن

يزيد قال حدثني البراء و هو غير كذوب قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال سمع الله

لمن حمده لم يحن احدنا ظهروا حتى يقع النبي صلى الله عليه وسلم ساجدا لم ننع سجودا بعده

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن یزید روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے براء بن عازبؓ نے بیان کیا، (اور وہ سچے تھے) کہ جب نبی کریم ﷺ سمع اللہ لمن حمده کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ اس وقت تک نہ جھکا تا جب تک کہ نبی کریم ﷺ سجدہ سے اٹھ جائے، آپ کے بعد ہم لوگ سجدہ میں جاتے۔

تشریح: حدیث کے اندر حکم ہوا کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اس سے امام احمد و امام شافعیؒ نے سمجھا کہ امام کے سجدہ کے بعد مقتدی کو سجدہ کرنا چاہئے کہ فاتعیب کے لئے ہے اور ایسے ہی تمام افعال نماز کو مقتدی امام سے مؤخر کرے۔ امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ امام و مقتدی تمام افعال نماز میں ساتھ ہوں، اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ تحریر و تسلیم کے علاوہ سب افعال میں مقارنت کے قائل ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح التسلیم میں ہے کہ فاجزائیہ میں دونوں قول ہیں تعقیب بھی اور مقارنت بھی۔ لہذا ہمارے مذہب پر

بھی درست ہے، پھر یہ کہ تعقیب ذاتی بھی ہوتی ہے اور بعدیہ ذاتیہ مقارنت زمانیہ کے منافی نہیں ہے، پس میں اس فاکو تعقیب ذاتی و مقارنت زمانی پر اتارتا ہوں اور امام و مقتدی کے افعال میں تقدم و تاخر ذاتی ہی ہونا چاہیے، امام اعظمؒ کا منشا بھی مقارنت سے یہ ہے کہ امام جب کسی رکن میں داخل ہو تو مقتدی بھی اسی وقت اس میں داخل ہو جائے، یہ انتظار نہ کرے کہ امام اس رکن کو پورا کر لے تب وہ اس رکن میں داخل ہو۔ پس مقتدی امام کے رکوع کے ساتھ ہی رکوع کر لے گا، یہ انتظار نہ کرے گا کہ امام رکوع پورا کر لے، تب یہ رکوع میں جائے۔ گویا امام کا رکوع علت کے طور پر ہو گا مقتدی کے رکوع کے لئے، اور جس طرح علت و معلول ساتھ ہوتے ہیں، ان دونوں کے افعال بھی ساتھ ہوں گے۔ یہی میرے نزدیک جماعت کا منشا بھی ہے، کہ سب کی حرکت ایک ہو اور سب کی نماز ایک ہو اور سب کی قراءت بھی ایک ہو۔

مقصد شارع امام سے پہلے کسی رکن کو ادا کرنے کی ممانعت ہے، پھر وہ ساتھ ہو یا بعد میں۔ امام صاحب نے ساتھ کرنے کو ترجیح دی ہے، اور امام سے پہلے کرنے کو سب نے بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے، اگرچہ نماز درست ہو جائے گی، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صحت کراہت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، اس کو سب نے مانا ہے بجز علامہ ابن تیمیہ کے، وہ اس کے مخالف و منکر ہیں۔

باقی حدیث میں یہ جو صبیحہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے، تو ہم اس وقت تک سجدہ کے لئے نہ جھکتے تھے جب تک حضور علیہ السلام سجدہ میں نہ پہنچ جاتے تھے اور حافظؒ نے اس پر لکھا کہ اس سے مقارنت کی نفی واضح طور سے نکل رہی ہے، تو اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ ابو داؤد، ابن ماجہ، و مسند احمد کی حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ یہ حکم حضور علیہ السلام نے اس وقت دیا تھا، جب آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تھا، اور اس وقت یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے مقدم نہ ہو جائیں۔ لہذا یہ حکم مبادرت سے بچانے کے لئے تھا۔ مقارنت کے خلاف نہ تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیشہ عادت صحابہ کرام کی مقارنت کی تھی، اور اسی لئے حضور علیہ السلام نے جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا تو صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ ضرورت محسوس کی کہ کہیں مقارنت اور حضور کے اتباع کامل کے اشتیاق میں حسب عادت جاری رہنے میں مسابقت و مبادرت کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (زیادہ تفصیل معارف السنن ص ۳/۵۴ میں دیکھیں)

حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی افادہ کیا کہ "فاذا ركع فاركعوا" میں اگر فاکو تعقیب کے لئے بھی مان لیں تب بھی بعدیت ذاتیہ کہیں گے نہ زمانہ، کیونکہ جزاء شرط ہے۔ پس مقارنت حنفیہ اس معنی پر بھی ثابت ہے، پھر فرمایا کہ میں چہرہ اور آئینہ معاذیکھ لیتا ہوں، جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر چہرہ دیکھے گا تو آئینہ نہیں دیکھے گا۔ وبالغس۔ متکلمین و فلاسفہ کا زمانہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعدیت ذاتیہ ہے یا زمانہ؟ یہاں لامع اور حاشیہ سے یہ تفصیل بھی قابل ذکر ہے کہ تحریر، تسلیم اور یقیناً ارکان صلوٰۃ کے احکام الگ ہیں،

(۱) ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تحریر میں امام سے تقدم ہوا تو نماز باطل ہوگی، البتہ اس میں امام شافعی کا ایک قول مخالف ہے جس کو ان کے اصحاب نے پسند نہیں کیا، (اور پہلے ہم حضرت شاہ صاحبؒ سے نقل کر چکے ہیں کہ امام بخاری بھی تقدم کو جائز رکھتے ہیں، واللہ اعلم)

(۲) امام سے قبل اگر مقتدی سلام پھیر دے تو مالکیہ کے نزدیک تو مقارنت بھی مفسد ہے، لہذا تقدم بدرجہ اولیٰ مفسد ہوگا، امام شافعی و امام احمد کے نزدیک بھی تقدم مفسد ہے، لیکن مقارنت مکروہ ہے مع صحت صلوٰۃ کے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام میں تقدم مکروہ غیر مفسد ہے۔ لہذا مقارنت بھی صرف مکروہ ہوگی، (معارف السنن ص ۳/۶۰ میں امام صاحب سے دور روایت نقل کی ہیں)

(۳) باقی ارکان صلوٰۃ کے بارے میں جمہور کا مسلک جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں جو از صلوٰۃ مع کسراۃ التحريم ہے، امام احمد سے ایک روایت میں تقدم مطلق صلوٰۃ ہے، اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے (الابواب للبخاری ص ۲/۲۶۸)

فائدہ: فتح المہم ص ۲/۵۳ میں حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ کے تحت لکھا۔ اقتدا واجتاع امام کی پوری شان یہ ہے کہ نہ اس کے افعال سے سبقت و مبادرت کرے، نہ اس کے برابر یا آگے کھڑا ہو، اور اس کے تمام احوال پر نظر کر کے اسی جیسے افعال ادا کرے۔ اور اس کی کسی فعل میں مخالفت بھی نہ کرے۔ قال الحافظ۔ علامہ ابی نے فرمایا کہ یہ حدیث امام مالک و جمہور کے لئے حجت ہے، جن میں امام ابو حنیفہ بھی ہیں کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ وابستہ و مرتبط ہونی چاہئے، خاص طور سے جبکہ حدیث میں یہ تاکید بھی وارد ہے کہ فلا تختلفوا علیہ، یعنی امام کی کسی حال میں مخالفت نہ کرو اور اس سے امام شافعی اور دوسرے محدثین کا رد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک لغل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتدا صحیح ہے، انھوں نے اختلاف کی ممانعت نبویہ کو صرف ظاہری افعال پر محمول کیا ہے جبکہ امام مالک وغیرہ نے اس کو عام رکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ نیتوں کے اختلاف سے بڑا اور کون سا اختلاف ہو سکتا ہے، پھر بھی امام شافعی اور دوسرے ان کے ہمنوا محدثین و فرض نمازوں یا ایک فرض دوسری نفل نمازوں کے اختلاف کو بھی ممانعت نبویہ کے تحت لانا نہیں چاہئے!؟

## باب اثم من رفع راسہ قبل الامام

(اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے امام سے پہلے سر اٹھایا)

۶۵۵: حدثنا حجاج بن منہال قال حدثنا شعبۃ عن محمد بن زیاد قال سمعت اباهريرة عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال اما یخشی احدکم او الایخشی احدکم اذا رفع راسہ قبل الامام ان یجعل اللہ

راسہ راس حمار او یجعل اللہ صورته صورة حمار

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے، اس بات کا خوف نہیں کرتا، کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا (سا) سر بنا دے، یا اللہ اس کی صورت گدھے کی (سی) بنا دے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں گدھے کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ فعل بڑی حماقت کا ہے، کیونکہ اپنے مقام اور امام کے منصب کو بھی نہ سمجھا، پھر حدیث میں صرف خشیت کا لفظ ہے کہ اس کا ڈر ہے، اللہ ایسا نہ کر دے، تاہم ملاحظی قارئین نے واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے عمداً امام سے پہلے مجدد سے سر اٹھایا تھا کہ دیکھتے قول نبوی درست ہے؟ تو اس کا چہرہ گدھے کا ہو گیا تھا، پھر عمر بھر نقاب ڈالتا رہا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث کا مضمون آخرت سے متعلق ہو، کہ وہاں مسخ ہو جائے گا، والعیاذ باللہ۔ معلوم ہوا کہ امام کی مخالفت ظاہری و باطنی ہر طرح نادرست ہے، اور اس امر کا لحاظ سب سے زیادہ حنفیہ نے کیا ہے، علامہ یعنی نے یہاں اچھی تحقیق ذکر کی ہے اور مسخ کے بارے میں لکھا کہ یہ امت مسخ صورت سے محفوظ کر دی گئی ہے، اس لئے ظاہری مسخ مراد نہیں ہو سکتا، البتہ آخر زمانہ میں ہو بھی سکے گا جیسا کہ بعض احادیث اشراط ساعت میں آتا ہے، پھر یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے کسی دوسرے وقت کے لئے عذاب کو مؤخر کر دیں، جیسا کہ بعض ثقافت کی نقل سے معلوم ہوا کہ بعض شیعی حضرات جو سب صحابہ کرتے تھے، ان کی صورتیں مرنے کے وقت خنزیر اور گدھے کی ہو گئیں، اور ایسے ہی والدین کی نافرمانی کرنے والی اولاد کے بارے میں نقل ہوا ہے جنہوں نے اپنے والدین کو گدھا، خنزیر یا کتا کہا تھا۔ (عمدہ ص ۵۶/۳)

باب امامۃ العبد والمولیٰ و كانت عائشة يؤمها عبدها ذکوان من المصحف  
و ولد البغی والاعرابی والغلام الذی لم یحتلم لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
یؤمهم اقرء هم لکتاب اللہ ولا یمنع العبد من الجماعة بغير علة

(غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان حضرت عائشہؓ کی امامت ان کا غلام ذکوان مصحف سے (دیکھ دیکھ کر) کیا کرتا تھا اور ولد الزنا اور گنوار کی اور اس لڑکے کی امامت جو بالغ نہ ہوا ہو (درست ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان سب میں کتاب اللہ کی زیادہ قراعت والا ہو اور بے وجہ غلام کو جماعت سے نہ روکا جائے) ۶۵۶: حدثنا ابراہیم بن المنذر قال حدثنا انس بن عیاض عن عیاد اللہ عن نافع عن عبد اللہ بن عمر قال لما قدم المهاجرون الاولون العصبه موضعاً بقاء قبل مقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یؤمهم سالم مولى ابی حذیفہ و کان اکثرهم قراناً

۶۵۷: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا شعبۃ قال حدثنا ابو التیاح عن انس بن

مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اسمعوا و اطیعوا وان استعمل حبشی کان راسہ زبیبۃ ترجمہ ۶۵۶: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے جب مہاجرین اولین محلہ قبا کے مقام عصب میں مقیم تھے، تو ان کی امامت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ قرآن کا حفظ سب سے زیادہ رکھتے تھے۔ ترجمہ ۶۵۷: حضرت انس بن مالکؓ، رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، کہ اگر کوئی حبشی (تم پر) حاکم بنادیا جائے، اور وہ ایسا بدرو ہو کہ گویا اس کا سراغور ہے۔ تب بھی اس کی سنو، اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ غلام کی امامت میں صرف کراہت تخریبی ہے۔ حافظ نے لکھا کہ غلام کی امامت جمہور کے نزدیک درست ہے، صرف امام مالک نے مخالفت کی اور کہا کہ غلام، احرار کے امام نہ بنیں البتہ اگر وہ قاری و عالم ہوں اور مقتدی ایسے نہ ہوں تو حرج نہیں، مجز جمعہ کے کیونکہ وہ غلام پر فرض نہیں ہے، علامہ اشہب مالکی نے کہا کہ وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب وہ شریک جمعہ ہوگا تو اس سے فرض ہی تو ادا ہوگا۔ (فتح ص ۲/۱۲۷)

اعرابی (دیہاتی) کی امامت بھی جمہور کے نزدیک درست ہے، امام مالک نے فرمایا کہ اکثر جاہل ہوتے ہیں، اور تارک جماعت وغیرہ، اس لئے کراہت ہے، لہذا ایسا نہ ہو تو وہ بھی مکروہ نہ کہیں گے۔

ولد البغی، یعنی مجہول النسب کی امامت بھی اگر وہ صالح ہو تو درست ہے، اس میں بھی امام مالک کا اختلاف ہے۔ نابالغ کی امامت شافعیہ کے نزدیک درست ہے، حنفیہ فرض نماز کی نابالغ کی امامت نادرست کہتے ہیں، امام مالک و ثوری بھی مکروہ کہتے ہیں۔ امام احمد و امام ابو حنیفہؒ سے نوافل کی امامت کے جواز کا قول ہے۔

امام بخاری نے نظاہر شافعیہ کی موافقت کی۔ امام احمد و احنق کے نزدیک بھی امام ابو حنیفہ کی طرح فرض نماز کی امامت نابالغ کے لئے جائز نہیں۔ علامہ موفق نے نقل کیا کہ نابالغ کی امامت فرض میں صحیح نہیں، اور یہی قول امام مالک کا ہے۔ (الابواب ص ۲/۲۶۹)

قوله وان استعمل حبشی: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت یا سلطان وقت نے اپنے ماتحت کسی حبشی وغیرہ کو عامل (گورنر وغیرہ) بنادیا (جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس امر کی صراحت بھی ہے) تو وہ صحیح ہے، باقی امام اکبر (خلیفہ

وقت یا سلطان اعظم) کے لئے شرعاً یہی بات ہے کہ وہ قریشی ہو (الاعتراف من قریش) اور طرابلسی نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے، جبکہ مسئلہ یہی لکھا ہوا ہے کہ قریشی ہونا شرط ہے۔ اور طرابلسی کے علاوہ کسی کی نقل نہیں ملی، پھر فرمایا کہ درحقیقت یہ مسئلہ علم فقہ کا تھا، کہ کون امام اکبر ہو کوئی نہ ہو، مگر اس کو علم کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، اور وہیں اس کے احکام ذکر کرنے لگے ہیں۔

حافظ نے لکھا یہاں حبشی کی امارت کا ذکر کر کے یہ بتلایا کہ جب وہ قابل اطاعت ہے تو اس کی امامت میں نماز بھی درست ہوگی۔ (فتاویٰ ابن عثیم)  
اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ سلاطین اسلام اگر ظلم بھی کریں تو ان کی مخالفت کا جہنڈا نہ اٹھانا چاہئے، کیونکہ مخالفت کے نتیجہ میں اس سے بھی بدتر حالات پیش آ سکتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب عبد حبشی کی اطاعت ضروری ہے جبکہ ظاہر ہے وہ قہر و غلبہ ہی کے ذریعہ حاکم و والی بنا ہوگا۔ کیونکہ اصل استحقاق امامت عظمیٰ تو قریش کے لئے ہے، تو اس کی اقتدا بھی درست ہوئی چاہئے، مگر ابن الجوزی نے اس کو رد کیا ہے اور کہا کہ یہاں مراد امام اعظم نہیں، بلکہ وہ ہے جو اس کے ماتحت کسی عہدہ پر مسلط ہو گیا ہو۔ اور بعض لوگوں نے جو اس سے جواز امامت غیر قریشی کے لئے استدلال کیا وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مجبوری کے جواز اور حقیقی جواز میں تلازم نہیں ہے، اور اس کے منصل بحث اپنی جگہ کتاب الاحکام میں آئے گی (فتح ص ۲۱۸)

علامہ عینیؒ نے بھی ایسی ہی تشریح کی ہے، اور آخر میں لکھا کہ ایسے مغلوب کی اطاعت اسی وقت تک ہے کہ وہ جمعہ، جماعات، عید و جہاد کو قائم رکھے۔ (عمدہ ص ۶۰/۲)

### باب اذا لم یتیم الامام و اتم من خلفه (اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کر لیں)

۶۵۸: حدثنا الفضل بن سهل قال حدثنا الحسن بن موسى الاشيب قال حدثنا عبد الرحمن بن عبد الله

بن دينار عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال

يصلون لكم فان اصابوا فلكم و ان اخطاؤا فلكم و عليهم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو تمہیں نماز پڑھاتے ہیں اگر ٹھیک ٹھیک پڑھائیں گے، تو تمہارے لئے (ثواب) ہے اور اگر وہ غلطی کریں گے، تو تمہارے لئے (ثواب تو) ہے ہی اور ان پر (گناہ) ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اس باب میں امام بخاریؒ نے مسائل اقتداء امام کی طرف اشارہ کیا ہے جو شافعیہ کے یہاں بہت ضعیف ہیں، اور امام بخاری کے نزدیک ان سے بھی زیادہ کمزور و بے حیثیت ہیں، گویا ان کے یہاں اقتداء کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بظاہر ایک جگہ میں امام و مقتدی جمع ہو گئے اور مقتدیوں نے امام کی صرف ظاہری وحسی اتباع کر لی، پھر اگر امام بخاری حدیث الباب سے تعدیل ارکان جیسے افعال کے لئے استدلال کر لیتے، تب بھی کوئی حرج نہ تھا، لیکن جس طرح وہ اہم اعظم ارکان صلوٰۃ کے لئے بھی استدلال کرنا چاہتے ہیں وہ صحیح نہیں، کیونکہ حدیث الباب کا شان و رد تو اتنے کمزور کے اعمال خارجی سے تھا، مثلاً وقت مکہ میں نماز پڑھنا وغیرہ نہ کہ داخلی اعمال و اجابت و ارکان صلوٰۃ سے جو اجزاء نماز ہیں، جیسا کہ محقق قاضی عیاض ماکئیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح موجود ہے، لہذا نماز کے داخلی امور و ارکان سے اس کو متعلق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ قولہ علیہ السلام فان اصابوا فلكم الخ کے عموم سے امام بخاری کا استدلال نہایت ضعیف ہے، کیونکہ وہ امر مبہم ہے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے مصداق کون سے امور ہیں اور کون سے نہیں، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ان کو ارکان و اجزاء نماز پر جاری کر دیں۔ شافعیہ نے اس عموم سے یہاں تک فائدہ اٹھایا کہ اگر امام نے بلا وضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھادی، تب بھی مقتدیوں کی نماز درست بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ صرف امام اپنی لوٹا لگا۔ مقتدیوں کو اگر

درمیان میں معلوم ہو گیا تو پہلی تو صحیح ہو گئی، باقی کو بغیر نیت اقتدا کے اپنی سمجھ کر پوری کر لیں گے، اور اگر بعد کو معلوم ہوا تو اعادہ کی ضرورت نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ باطل محض ہے، کیونکہ اس امام نے تو ایسی نماز پڑھائی، جس کو نماز کہہ بھی نہیں سکتے، کہ جس حدیث نماز بغیر طہارت کے ہوتی ہی نہیں، لہذا الکھم اور علیہم کا مصداق کم سے کم ایسی نماز پر تو ہونا چاہئے جس کو شرعی نماز کہہ سکیں، اس نماز کو تو نماز نہیں کہہ سکتے جو بلا طہارت والے امام کے پیچھے پڑھی ہے۔ باقی اگر مقتدیوں کو یہ علم ہی نہ ہو کہ امام نے بلا طہارت نماز پڑھا دی ہے تو وہ ضرور عذر ہے اور ایسی حالت میں حنیفہ بھی یہی کہیں گے کہ نماز کا اعادہ نہیں کہ وہ بلا علم کے مکلف نہیں ہو سکتے۔ پھر حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ ائمہ جور کی اطاعت اس وقت تک ہے کہ وہ نماز قائم کریں، جمعہ، جماعات و جہاد پر عامل ہوں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت و اقتدا اس وقت تک کریں گے کہ ان کی نماز تو صحیح ہوں، اور ان پر نماز کا اطلاق درست ہو سکے۔ ابوداؤد میں بھی حدیث ہے باب جماع الامامة و فضلها میں کہ جو نماز پڑھائے تو اگر وقت پر پڑھائے تو اس کو اور مقتدیوں کو ثواب ملے گا، اور جو اس میں کوتاہی کرے تو امام پر گناہ ہوگا مقتدیوں پر نہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ کوتاہیاں برداشت ہیں نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی صحیح نہ ہو جیسے بالا طہارت کے امام کی نماز سرے سے ہوگی، ہی نہیں غرض حدیث الباب وغیرہ سے صرف مقتدیوں کو تسلی دینا ہے کہ ائمہ جور کے ظلم سے بچنے کے لئے اگر نمازوں میں کوتاہی ہو تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگی، اور سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ وقت پر اپنی کامل نمازیں گھروں میں پڑھ کر جاتے تھے، اور پھر ائمہ جور کے ساتھ بھی رفع فتنہ کے خیال سے اقتداء کر لیتے تھے، چنانچہ اگلے باب میں حدیث بخاری بھی لائے ہیں کہ ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے، جس سے ہم دل تنگ ہوتے ہیں۔ یہ سب خارجی معاملات نماز کے مکروہ اوقات میں پڑھنے یا ائمہ جور و فساد کے پیچھے نماز مجبوراً پڑھنے کے تھے، یہ غرض نہ تھی کہ وہ بلا طہارت کے نماز پڑھاتے تھے، یا بلا تعدیل ارکان کے، یا نقص ارکان وغیرہ داخلی نقائص کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب حدیث الباب فان اصابوا فلکم کا دوسرے شواہد کے ذریعہ وقت سے متعلق ہونا ثابت ہے تو یہاں امام بخاری کو عام مسائل قدوہ کے ذیل میں لانا ہی سمجھ میں نہیں آتا، اور اگر یہ حدیث ارکان کے بارے میں ہوتی تو حدیث یہ بھی تو بتاتی کہ امام اگر نقص ارکان کر لے تو مقتدی ایسی صورت میں کس طرح کریں،

علامہ یعنی نے لکھا کہ حدیث الباب کو جس طرح امام بخاری لائے ہیں، وہ اس میں متغیر ہیں کیونکہ ابن حبان و دارقطنی و ابوداؤد نے اسی حدیث الباب کو اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری صورت میں روایت کیا ہے۔ جس میں ائمہ جور کی بے وقت نماز پڑھانے کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح بہم طور سے روایت نہیں ہے جیسی امام بخاری کی ہے۔ (عمدہ ص ۶۱/۲)

غرض امام بخاری نے حدیث الباب کو اپنے مقصد سے ذکر کیا اور حافظ نے شرح میں اس سے شافعی نقطہ نظر کو قوت پہنچانے کی سعی کی ہے، اور یہ ہے فقہ سے حدیث کی طرف چلنا اور اس کو اپنی فقہ سے مطابق کرنے کی سعی کرنا، حالانکہ صحیح صورت اس کے برعکس ہے کہ پہلے حدیث کے مفہوم و مصداق کو خالی الذہن ہو کر متعین کر لیا جائے، پھر اسی کے تحت فقہی مسئلہ نکالا جائے۔ واللہ الموفق۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ لفظ تمام سے اشارہ امور زائدہ سنن و مستحبات کی طرف ہو سکتا ہے نہ کہ ارکان و شرائط صلوة کی طرف کہ ان میں خلل دہی سے تو نہ امام کی نماز ہوگی، نہ مقتدیوں کی۔ مگر شاید امام بخاری بھی شافعیہ کے مسلک کے قائل ہیں کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی، (لامع ص ۲۶/۲)

ایک اہم غلطی کا ازالہ: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع میں لکھا: قسطلانی نے کہا کہ ”اگر امام نماز کو ناقص کرے اور مقتدی کامل کر لیں تو ان کی نماز میں خلل نہ آئے گا، یہ مذہب شافعیہ کا ہے مثل مالکیہ کے اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے“ حالانکہ مالکیہ و امام احمد کا یہ مسلک نہیں ہے، نہ وہ شافعیہ (اور امام بخاری) کے عام اور پورے مسلک سے متفق ہیں البتہ صرف حدیث کے مسئلہ میں ان کے ساتھ

ہیں، یعنی امام اگر بھول کر بلا طہارت کے نماز پڑھا دے، اور نماز کے بعد بتلائے تو مقتدیوں کو نماز کو ٹھٹھانا ضروری نہ ہوگا۔ خفیہ کہتے ہیں کہ سب کو ٹھٹھانی پڑے گی۔ حضرت شیخ الحدیث نے ص ۲۶۷ میں اختلاف کی پوری تفصیل علامہ عینی حنفی اور علامہ موفقی حنبلی سے نقل فرما کر واضح کر دیا کہ علاوہ ایک مسئلہ حدیث کے مالکیہ و حنابلہ باقی تمام مسائل میں حنفی کے ساتھ ہیں۔ شافعیہ کے ساتھ نہیں ہیں جزا اہم اللہ خیر الجزاء۔

باب امامۃ المفتون والمبتدع وقال الحسن صل وعلیہ بدعتہ وقال لنا محمد بن یوسف حدثنا الاوزاعی قال حدثنا الزہری عن حمید ابن عبد الرحمن عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار انہ دخل علی عثمان بن عفان و هو محصور فقال انک امام عامۃ و نزل بک ماتری و یصلی لنا امام فتنۃ و نتخرج فقال الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساء و الفاجتنب اساء تہم وقال الزبیدی قال الزہری لا تری ان یصلی خلف المخت الامن ضرورۃ لا بد منها

(جتلانے فتنہ اور بدعتی کی امامت کا بیان حسن کا قول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز) پڑھ لو اس کی بدعت (کا گناہ) اس پر ہے، ہم سے محمد بن یوسف نے بواسطہ اوزاعی زہری حمید بن عبد الرحمن عبید اللہ بن عدی بن خیار سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس اس حالت میں گئے (جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے) (باغیوں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا) ان سے کہا کہ آپ امام کل ہیں اور آپ کی یہ کیفیت سے جو آپ دیکھ رہے ہیں ہمیں امام فتنہ نماز پڑھانا ہے جس سے ہم تنگ دل ہوتے ہیں تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ نماز آدمی کے تمام اعمال میں سب سے عمدہ چیز ہے جب لوگ عمدہ کام کریں طوتم بھی ان کے ہمراہ عمدہ کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے علیحدہ رہو اور زبیدی کہتے ہیں کہ زہری کا قول ہے کہ ہم فتنہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جانتے لیکن جب کہ لا چاری و مجبوری ہو)

۶۵۹: حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر عن شعبۃ عن ابی التیاح انہ سمع انس بن مالک قال قال

النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بی ذرا سمع واطع ولولجشی کان داسہ زبیبۃ ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اگر ایک جشی (کی اطاعت کے لئے تم سے کہا جائے) جس کا سر انگوڑ کی مثل ہو، جب بھی اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مفتون سے مراد وہ ہے جو دین کے بارے میں احتیاط اور شرعی آداب و عقائد کا پوری طرح لحاظ نہ کرتا ہو، وہ نہیں کہ جو اچھی طرح نماز نہ پڑھتا ہو یا اس میں کمی کرتا ہو، لہذا امام بخاری کا استدلال صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ائمہ جور کے خارجی حالات کے سبب لوگوں کی تشویش و فکر کا حال بیان ہوا ہے نہ کہ ارکان صلوٰۃ میں کمی کی بات تھی۔ حضرت نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے صحیح حالات پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اگرچہ انھوں نے اپنے اقارب و اعزہ عمال کی شکایات پر ان کو معزول نہیں کیا، مگر ان کی حمایت بھی نہیں کی، نہ ان کے غلط افعال کی تصویب کی، وہ فتنہ، فساد و خوئی ریزی سے بچنا چاہتے تھے۔

حضرت علیؓ، حضرت زبیر و حضرت طلحہؓ نے جب حالات زیادہ بگڑتے دیکھے تو اپنی اولاد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کا خیال یہی تھا کہ باغیوں کی شورش دب جائے گی، مگر پھر اچانک ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ان کو مل گئی، تو یزارنج ہوا، اور حضرت علیؓ بھاگ کر موقع پر گئے، حضرت حسینؓ کو سخت تنبیہ کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ حادثہ کیسے ہو گیا؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس کا بالکل علم نہیں ہوا، کیونکہ باغیوں نے دیوار پر سے گھر میں اتر کر حملہ کیا ہے، دروازہ سے داخل نہیں ہوئے، ہم یہاں پہرہ دے رہے تھے، یہ بھی تاریخ سے ثابت





نیز فرمایا کہ میں نے حدیث کے اس مضمون سے کہ حضور علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو نماز میں ہی باتیں سے داہنے کر لیا، یہ استنباط کیا کہ اگر نماز کے اندر کوئی کراہت آجائے تو اس کو نماز کے اندر ہی رفع کر دینا چاہیے۔ یہ مسئلہ فقہ والوں نے نہیں لیا۔

### باب اذا قام الرجل عن يسار الامام فحولہ، الامام الی یمینہ لم تفسد صلوٰتہما (اگر کوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اس کو اپنے دائیں طرف پھیر دے تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی)

۶۶۱: حدثنا احمد قال حدثنا ابن وهب قال حدثنا عمرو بن عبد ربہ بن سعید عن معمر بن سليمان عن كريب بن مولى ابن عباس قال نمت عند ميمونة والنبي صلى الله عليه وسلم عندها تلك الليلة فتوضا ثم قام يصلي فقممت عن يساره فاخذني فجعلني عن يمينه، فصلی ثلاث عشرة ركعة ثم نام حتى نفخ وکان اذا نام فنخ ثم اتاه المؤذن فخرج فصلی ولم يتوضا قال عمر وفحدثت به بكبراً فقال حدثني كريب بذلك

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت ميمونةؓ کے ہاں سویا، اور رسول اللہ ﷺ اس شب ان ہی کے یہاں تھے، تو (میں نے دیکھا کہ) آپ نے وضو فرمایا، اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے، میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھے پڑ کے اپنے داہنی جانب کر لیا، اور (کل) تیرہ رکعت نماز آپ نے پڑھی پھر سو رہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، اور جب کبھی آپ سوتے تھے سانس کی آواز (ضرور) آنے لگتی تھی، اس کے بعد مؤذن آپ کے پاس آیا اور آپ باہر تشریف لے گئے اور نماز فجر پڑھی۔ تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ امام احمد کے نزدیک مقتدی کے امام کی بائیں جانب کھڑے ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جمہور کے نزدیک باطل نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں امام بخاری نے امام احمد کا رد کیا ہے۔

قوله فصلی ثلاث عشرة ركعة: حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس رات میں ۱۳ رکعات ہی پڑھی تھیں، راوی نے سابق روایت میں پانچ رکعت ذکر کی تھیں، اور اختصار کر کے باقی کا ذکر چھوڑ دیا تھا۔ پھر فرمایا کہ اس روایت کی سند میں خرمہ ہیں اور طحاوی میں اس کی جگہ قیس ہیں، مگر خرمہ ہی صحیح ہے جو یہاں ہے اور ان خرمہ سے یہ روایت بھی ہے کہ آخر کی پانچ رکعات میں سے دو رکعات تہجد کی اور تین وتر کی تھیں۔ اور اس واقعہ میں لیث بن حضور علیہ السلام کا تہجد کے بعد اور سنن فجر سے قبل کا ہے۔

### باب اذا لم ينو الامام ان يؤم ثم جاء قوم فامهم

اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو پھر کچھ لوگ آجائیں اور وہ ان کی امامت کرے

۶۶۲: حدثنا مسدد قال حدثنا اسمعيل بن ابراهيم عن ايوب عن عبد الله بن سعيد بن جبیر عن ابيه عن ابن عباس قال بت عند خالتي ميمونة فقام النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل فقممت اصلي معه، فقممت عن يساره فاخذ براسي واقامني عن يمينه

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شب اپنی خالہ ميمونةؓ کے ہاں سویا تو (میں نے دیکھا کہ) نبی کریم ﷺ نماز شب پڑھنے کھڑے ہوئے، میں بھی آپ کے ساتھ بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا سر پکڑا، اور مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کر دیا۔ (۱) تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا حنفیہ کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے، البتہ محاذافہ کی صورت میں چونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے برابر والے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے وہ عورتوں کی اقتدا کے لئے نیت امامت کی شرط کرتے ہیں۔ اگر امام نے

عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی ہوگی اور کوئی عورت جماعت میں مرد کے پاس آکر نماز جماعت کی شرکت کرے گی تو مرد کی نماز باطل نہ ہوگی۔ امام مالک و شافعی کے نزدیک کسی کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ امام احمد فرض نماز کے لئے شرط کہتے ہیں نوافل کے لئے نہیں، مردوں و عورتوں کی تفریق ان کے یہاں بھی نہیں ہے۔ (الابواب ص ۲۷۰ و فتح الباری ص ۲/۱۳۲)

علامہ یعنی نے لکھا کہ حدیث الباب میں صراحت تو نہیں ہے نفی یا اثبات نیت کی، لیکن حضور علیہ السلام کے فعل سے اثبات نکلتا ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنے دائیہ طرف کر لیا۔ ہمارا (حنفیہ کا) مذہب یہ ہے کہ مردوں کے حق میں نیت امامت شرط نہیں ہے۔ عورتوں کے حق میں ہے کیونکہ عورت کی محاذاتہ سے مرد کی نماز فاسد ہونے کا احتمال ہے امام زفرؒ، اور امام مالک و شافعی کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ امام ثوریؒ اور ایک روایت امام احمدؒ سے یہ کہ اگر امام نے نیت نہ کی ہو تو مقتدی کو نماز کو ناپنی پڑے گی، دوسری روایت یہ ہے کہ فرضوں کے لئے شرط ہے نوافل کیلئے نہیں۔ ابن القاسمؒ سے بھی امام ابو حنیفہؒ کی موافقت منقول ہے (عمدہ ص ۶۸/۲)

آگے باب اذا كان بين الامام والقوم حائط (بخاری ص ۱۱۰) کی حدیث پر علامہ یعنی نے لکھا کہ مہلب نے اس سے امام کی نیت کے بغیر بھی اقتدا کو جائز ثابت کیا ہے، کیونکہ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے پیچھے اقتدا کی اور حضور کو خبر بھی نہ تھی تو امامت کی نیت بھی ظاہر ہے کہ نہ کی ہوگی، اور یہی قول امام مالک و شافعی کا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے، البتہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کے حق میں نیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ بجز امام زفرؒ کے۔ (عمدہ ص ۸۰۰/۲)

**بحث و نظر:** امامت کی نیت مقتدی مردوں یا عورتوں کے لئے کس درجہ میں اہم ہے، اس کی طرف شارحین حدیث نے کم توجہ کی ہے اور فقہاء میں سے بھی حنفیہ نے زیادہ توجہ کی ہے، وجہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدیث ”خیر صفوف النساء آخرها و شرها اولها“ کی وجہ سے محاذاتہ عورت کی صورت میں مرد کی نماز صرف مکروہ ہوتی ہے، جبکہ حنفیہ (علاوہ زفرؒ) کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے۔ حدیث مذکور کی روایت بجز امام بخاری کے دوسرے سب اصحاب صحاح نے کی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ محاذاتہ کا مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک اتنا عام نہیں ہے جتنا علامہ یعنی نے ادھر بتلایا ہے، کیونکہ اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک جمعہ و عیدین میں امامت نسوان کی شرط نہیں ہے۔ اور بعض حنفیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اگر محاذاتہ کی صورت پیش نہ آئے تو دوسری نمازوں میں بھی شرط نہیں ہے (رد المحتار ص ۶۰۲/۱) لہذا اس کی شرطیت مطلقاً نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شرطیت کا سبب مرد و عورت کا اپنے مقام متعین شرعی کو ترک کرنا ہے، اور تعین مقام کے دلائل شرعیہ یہ کہیں (۱) و لیسر جمال علیہم درجۃ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اور عورتوں کو اپنے اپنے درجات و اقامت کی رعایت رکھنا ہر معاملہ میں ضروری ہے اور خاص طور سے نماز جماعت میں بھی۔ (۲) و لا تبطلوا اعمالکم لہذا نماز کو فساد یا کراہت سے بھی بچانا ضروری ہوا (۳) محدث رزیں کی روایت ہے ”آخر وہن من حیث اخوہن اللہ“ اس سے بھی علاوہ دیگر امور کے نماز کے اندر عورتوں کو مردوں سے پیچھے رہنا ضروری ہوا خصوصاً جبکہ اس سے نماز کی کراہت پر تو سب ہی متفق ہیں۔ (۴) امام اعظمؒ نے بحوالہ بیہم و عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے جماعت پڑھائی، جس میں ایک مرد تھا جو آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت تھی وہ مرد کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ (۵) نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت عائشہؓ نے ہمارے پیچھے نماز پڑھی امام صاحب نے ان دونوں سے استدلال کیا کہ محاذاتہ (یعنی عورت کے مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے) سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ حضرت عائشہؓ سب کے پیچھے الگ اور تنہا کھڑی نہ ہوتیں کیونکہ جماعت کی نماز میں الگ اور تنہا کھڑا ہونا سب کے نزدیک مکروہ ہے امام احمد کے نزدیک تو مفید صلوٰۃ ہے۔ (عقود الجواہر المنید فی اولئہ مذہب لا امام ابی حنفیہ ص ۷۵/۱) (۶) بخاری

و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضور علیہ السلام کی اقتدا کی تو آپ نے ان کو داہنی طرف کھڑا کر لیا۔ (۷) مشہور حدیث لیلیسی منکم اولوا الاحلام والنہی سے بھی مؤکد ہوا کہ جماعت کی نماز میں مردوں کو امام کے قریب اور بچوں و عورتوں کو دور ہونا چاہیے۔ اور چونکہ یہ حکم اولاً مردوں کے لئے اور ثانیاً عورتوں کے لئے ہے، اس رعایت سے حنفیہ کے نزدیک عورت کی محاذ اۃ سے مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے، عورت کی نہیں اگرچہ گنہگار وہ بھی ہوگی۔ لیکن اسی کے ساتھ فقہاء حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت مرد کے پاس جماعت میں آکر کھڑی ہوئی۔ یا سامنے آگئی اور مرد نے اس کو پیچھے کر دیا یا خود آگے بڑھ گیا تو پھر اس مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر عورت پھر بھی پیچھے نہ ہوئی تو خود اس کی نماز فاسد ہوگی، مرد کی نہ ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک عورت کے نماز جماعت میں غلط مقام میں کھڑے ہونے سے تین مردوں کی نمازیں فاسد ہوں گی۔ ایک دائیں طرف برابر والے کی، دوسرے بائیں جانب والے کی اور تیسرے اس کی جو ٹھیک اس کے پیچھے ہو، اور وہ اس کے آگے ہو۔ اس کے علاوہ دوسری شرط بھی فساد صلوٰۃ کی ہیں مثلاً (۱) وہ عورت مشہبہ ہو خواہ اس مرد کی اپنی بیوی ہی ہو۔ (۲) امام نے اس کی نیت کی ہو (۳) دونوں کی نماز ایک ہو (۴) دونوں اول رکعت سے جماعت میں شریک ہوں مسبوق ہونے کی صورت میں حکم فساد نہ ہوگا (۵) دونوں ایک مکان میں ہوں (۶) دونوں ایک جہت کی طرف نماز پڑھ رہی ہوں یعنی اگر بیت اللہ کے اندر الگ الگ جہت میں پڑھ رہے ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی (۷) دونوں میں کوئی حائل نہ ہو (۸) دونوں میں کچھ فاصلہ نہ ہو۔ (قوانین التشریع علی طریقۃ ابی حنفیہ واصحابہ ص ۱۱۵/۲)

ہم نے کتاب مذکور سے کچھ تفصیل مذہب کی نقل کر دی ہے، جو بہت اہم و نافع ہے، اس کے ساتھ مؤلف نے ص ۱۱۷/۲ میں شروط صحت اقتدا بھی درج کی ہیں، وہ بھی دیکھ لی جائیں، پہلی اہم شرط حنفیہ کے نزدیک عدم تقدم المتقدم علی الامام لکھی ہے۔ اور یہی قول امام احمد و شافعی کا بھی ہے۔ امام مالک و اسحق کے نزدیک تقدم کی صورت میں نماز درست ہو جاتی ہے، اور یہ مسلک ان کا بہت عجیب ہے، اور مدینہ طیبہ میں ایام حج میں دیکھا گیا جب نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ مسجد نبوی کی دیوار قبلہ سے بھی آگے درتک صفیں بنا کر امام کی اقتدا کرتے ہیں، شاید وہ اسی خیال سے جائز سمجھتے ہوں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ امام احمد امام شافعی و امام ابو حنیفہ تینوں اماموں کے مسلک کے قہین کی نمازیں جماعت کے ساتھ اس طرح درست نہیں ہوتیں، اور چونکہ اقتدا صحیح نہ ہوتی، جس پر نماز کی بنا کی تھی، لہذا نماز ہی سرے سے صحیح نہ ہوگی۔ لہذا مالکیہ کے سوا کسی بھی دوسرے مسلک والے کو اس طرح نماز پڑھنی چاہیے۔ اور ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے بھی ایسے موقع پر اس مسئلہ کا اعلان کر دیا جائے کہ تاکہ عام لوگوں اور نادانوں کی نمازیں خراب نہ ہوں، معلوم نہیں سلفی حضرات (غیر مقلدین) کا اجتہاد اس بارے میں کیا ہے؟۔

## اہمیت تراجم ابواب البخاری

امام بخاری نے یہاں حدیث الباب سے قبل ترجمۃ الباب میں نیت امام کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کے فعل سے ثابت ہوئی اور غالباً ہی لئے آگے ص ۱۰۱ میں 'باب اذا كان بين الامام وبين القوم حائط' کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس سے عدم نیت ثابت نہیں کی، نہ اس پر نیت کا عنوان قائم کیا، لیکن عجیب بات ہے کہ صاحب اعلاء السنن نے ص ۳۱۷/۲ میں اسی حدیث پر عدم نیت کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور امام بخاری کی حدیث الباب کا بھی ذکر نہیں کیا۔ چونکہ حضور علیہ السلام سے قولی صراحت نیت و عدم نیت کسی کی نہیں ہے اور جو کچھ استنباط کیا گیا ہے وہ آپ کی جماعت نوافل سے کیا گیا ہے شاید اسی لئے امام احمد نے اس کو نوافل تک محدود رکھا اور فرائض میں نیت امام کو مردوں کے لئے بھی ضروری قرار دے دیا دوسرے ائمہ نے فرض و نفل کا کوئی فرق نہیں کیا، اور حنفیہ نے خاص صورتوں میں بوجہ دلائل مذکور بالا عورتوں کے حق میں نیت امامت کو ضروری قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب اذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى

اگر امام (نماز کو) طول دے اور کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے (نماز توڑ کر) نکل جائے اور اپنی نماز پڑھ لے  
۶۶۳: حدثنا مسلم قال حدثنا شعبه عن عمرو بن جابر بن عبد الله ان معاذ بن جبل كان يصلي مع  
النبي صلى الله عليه وسلم ثم يرجع فيوم فومه ح وحدثني محمد بن بشار قال ثنا عندرقال ثنا شعبه عن  
عمرو قال سمعت جابر ابن عبد الله قال كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم  
يرجع فيوم فومه ففصل العشاء فقرأ بالبقرة فالنصف الرجل فكان معاذ ينال منه فبلغ النبي صلى الله  
عليه وسلم فقال فنان فنان فنان ثلاث مرار او قال فنانا فنانا فنانا وامرة بسورتين من اوسط المفصل قال  
عمرو ولا احفظهما

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ (عشاء) کی نماز پڑھتے اس کے بعد (گھر)  
واپس جاتے، تو اپنی قوم کی امامت کرتے (ایک مرتبہ) انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی تو سورہ بقرہ شروع کر دی، ایک شخص چل دیا اس سبب  
سے معاذ کو اس سے رنج رہنے لگا۔ یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی، تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ فنان، فنان، فنان یا فرمایا کہ فنان، فنان،  
فنان اور آپ نے ان کو وسط مفصل کی دو سورتوں (کے پڑھنے) کا حکم دیا، عمرو (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ میں ان کو بھول گیا ہوں۔

تشریح: فنان کے معنی لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا اور فنان کے معنی یہی ہیں (فرق صرف یہ ہے کہ فنان میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔  
حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس باب اور حدیث کا تعلق بھی مسائل قدوہ سے ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے کہ مقتدی  
حالت نماز میں ہی اقتدا کی نیت کر لے یا چاہے تو اقتدا ترک کر کے مفرد بن جائے، اور حدیث الباب کے واقعہ کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں  
کہ مقتدی نے حالت نماز میں ہی انفراد اختیار کر لیا تھا۔ حالانکہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم اور پھر اپنی الگ  
ایک گوشہ میں جا کر پڑھی۔ جس کی علامہ نووی نے تاویل کر دی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف نیت سے نماز ختم نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے کوئی  
عمل مفصل صلوٰۃ کرنا ہوگا اور اس کو چاہئے کہ سلام پھیر کر نماز ختم کر دے، پھر دوسری نماز کی نیت کر کے شروع کرے۔

علامہ عینی نے لکھا:۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ امام کے ساتھ کچھ نماز پڑھ کر اس کو ترک کر سکتا ہے یا نہیں شافعیہ کے نزدیک اس  
اقتدا کو منقطع کر کے الگ اپنی نماز پوری کر سکتا ہے۔ امام بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، امام  
احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ (عمدہ ص ۷۴/۲) علامہ عینی نے اور حضرت نے بھی اس موقع پر دوسرے افادات کئے ہیں جو طویل ہیں لہذا عمدہ  
اور فیض الباری میں دیکھ لئے جائیں۔

## باب تخفيف الامام في القيام و اتمام الركوع والسجود

(قیام میں امام کے تخفیف کرنے اور رکوع و سجود کے پورا کرنے کا بیان)

۶۶۴: حدثنا احمد بن يونس قال ثنا هير قال ثنا اسمعيل قال سمعت قيساً قال اخبرني ابو مسعود ان  
رجلاً قال والله يا رسول الله اني لا تاخر عن صلوة الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فماریت رسول  
الله صلى الله عليه وسلم في موعظة اشد غضباً منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرین فايكم ماضی بالناس  
فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير وذا الحاجة

ترجمہ: حضرت ابو مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ خدا کی قسم میں صبح کی نماز سے صرف فلاں شخص کے باعث رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ نماز میں طول دیتا ہے، پس میں نے رسول خدا ﷺ کو کبھی نصیحت (کے وقت) اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ (آدمیوں کو عبادت سے) نفرت دلاتے ہیں۔ لہذا جو شخص تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی نماز پڑھانا چاہیے، کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تخفیف کی جائے وہ قیام میں ہے کہ قراءت مختصر ہو باقی رہا رکوع و سجود کو پوری طرح سے ادا کرنا چاہیے، ان میں قدر مستحب و مسنون سے کم نہ کرے۔ نہ تعدیل ارکان میں کمی کرے۔ فقہ کی کتاب بحر میں تردد کیا ہے کہ جو شخص کھڑے ہو کر مختصر نماز بلا جماعت کے پڑھ سکے اور جماعت کے ساتھ بیٹھ کر تو کون سی افضل ہے، میرے نزدیک دوسری افضل ہے کیونکہ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ پیاروں کو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مساجد کی نماز کے لئے لایا جاتا تھا۔

## باب اذا صلی نفسه فلیطول ماشاء

(جب کوئی شخص (تہا) نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے)

۶۶۵: حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیہم الضعیف والسقیم والکبیر واذا

صلی احدکم لنفسه فلیطول ماشاء

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے تخفیف کرنا چاہیے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بیمار اور بوڑھے (سب ہی) ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی الگ نماز فرض یا نفل کو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے، لیکن جب امام ہو کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی رعایت کرے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور بیمار ضرورت مند سب ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے چاہیے کہ امام قراءت کو بھی طویل نہ کرے اور رکوع و سجود میں تسبیحات بھی مسنون تین بار سے زیادہ نہ کہے، اور یہی وجہ ہے کہ نماز تراویح میں تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے کہ مقتدیوں پر شاق ہوگا۔

اور جتنا قرآن مجید ایک رات میں پڑھنا ہو اس کو بھی بیس رکعات پر مساوی تقسیم کر دے ایسا نہ کرے کہ مثلاً دس پارے پڑھنے ہیں تو پہلی رکعت میں ۸-۹ پارے مثلاً پڑھ دے کہ یہ بھی ضعیف مقتدیوں پر گراں ہوگا۔

عام طور سے حفاظ ان امور کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے نماز جماعت میں ایسی رعایتوں کی خاص طور سے ہدایت فرمائی ہے جیسا کہ اگلی احادیث سے بھی واضح ہوگا۔

## باب من شکى امامه اذا طول وقال ابو اسيد طولت بنایا بنی

جو شخص اپنے امام کی جب وہ نماز میں طوالت کرتا ہو اور ابو اسید نے (اپنے بیٹے سے ایک مرتبہ) کہا کہ بیٹے تو نے ہماری نماز کو حویل کر دیا

۶۶۶: حدثنا محمد بن يوسف قال ثنا سفین عن اسمعيل بن ابی خالد عن قيس بن ابی حازم عن ابی مسعود قال قال رجل يا رسول الله انى لا تاخر عن الصلوة فى الفجر مما يطيل بنا فلان فيها فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم ما رايته غضب فى مواظبة كان اشد غضباً منه يومئذ ثم قال يا ايها الناس ان منكم منفرين فمن ام منكم الناس فليتهجروا فان خلفه الضعيف والكبير وذو الحاجة

۶۶۷: حدثنا ادم بن ابی ایاس قال لنا شعبة قال لنا محارب بن دثار قال سمعت جابر بن عبد الله الانصاري قال اقبل رجل بنا ضحين وقد جنح الليل فوافق معاذاً يصلى فبرك ناضحه واقبل الى معاذ فقرأ سورة البقرة او النساء فانطلق الرجل وبلغه ان معاذاً قال منه فاتى النبى صلى الله عليه وسلم فشكا اليه معاذاً فقال النبى صلى الله عليه وسلم يا معاذ انت انت او قال افان انت ثلاث مرات فلو لا صليت بسبح اسم ربك الاعلى والشمس وضحاها والليل اذا يغشى فانه يصلى وراءك الكبير والضعيف وذو الحاجة احسب هذا فى الحديث وتابعه سعيد بن مسروق ومسعود الشيباني وقال

عمر وعبد الله بن مقسم وابو الزبير عن جابر قرأ معاذ فى العشاء بالبقرة وتابعه الاعمش عن محارب ترجمہ ۲۶۶: حضرت ابو مسعود روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک شخص نے (آ کر کہا، کہ یا رسول اللہ ﷺ) میں نماز فجر سے رہ جاتا ہوں، کیونکہ نماز میں فلاں شخص طول دیتا ہے پس رسول خدا ﷺ غضب تاکہ ہوئے کہ میں نے آپ کو اس دن سے زیادہ غصہ آتے ہوئے کسی نصیحت کے وقت نہیں دیکھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگو! تم میں سے کچھ لوگ (آدمیوں کو) عبادت سے تنفر کرتے ہیں۔ تو جو شخص لوگوں کا امام بنے، اس کو تخفیف کرنا چاہیے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی) ہوتے ہیں۔

ترجمہ ۲۶۷: حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پانی سچائی والے دواؤں لارہا تھارات کا اول وقت تھا، اس نے جو معاذ کو نماز پڑھتے پایا تو اپنے دونوں اونٹوں کو بٹھلادیا اور معاذ کی طرف متوجہ ہوا، معاذ نے سورۃ بقرہ یا سورۃ نساء پڑھنا شروع کی، تو وہ شخص (نیت توڑ کر) چلا گیا پھر اس کو بغیر پچھائی کے معاذ اس سے رنجیدہ ہیں، لہذا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اور آپ سے معاذ کی شکایت کی، تو نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ اے معاذ! کیا تو قنہ (برپا) کرنے والا ہے (اگر ایسا نہیں ہے) تو تو نے سبح اسم ربک الاعلى اورو الشمس وضحاها اورو اللیلی اذا يغشى کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی، کیونکہ تیرے پیچھے بوڑھے اور کمزور، اور صاحب حاجت (سب ہی طرح کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں، اور عمر و اور عبد اللہ بن مقسم اور ابو الزبیر نے جابر سے روایت کی ہے کہ معاذ نے عشاء میں سورۃ بقرہ پڑھی تھی اور اعمش نے محارب سے اس کی متابعت کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:۔ احادیث الباب سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت کسی خالص امر خیر کے بارے میں بھی شکایت و شکوہ کرنا جائز ہے، جس طرح یہاں کہ نماز اور اس کے تمام ہی ارکان خیر محض ہیں اور ان میں جتنی بھی زیادتی ہو سکے وہ خیر ہی ہونی چاہیے، مگر جب لوگوں پر وہ زیادتی شاق ہونے لگے تو اس کے لئے بھی بھلا و شکوہ کرنے کی اجازت دی گئی۔

پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ کی یہ خاص منقبت و دقیقہ رسی کی ہے کہ شکوے کا باب قائم کر کے متنبہ فرمادیا، ورنہ عام طور سے یہ خلیجان ہی رہتا کہ نماز ایسی عظیم و جلیل عبادت کے کسی رکن کی زیادتی و طوالت کسی مومن مخلص کے لئے وجہ گرائی و شکایت کیوں ہو، اب شارع علیہ السلام کی اجازت ملنے پر وہ خلیجان باقی نہ رہا اور امام بخاریؒ کی تنبیہ مذکور کی بڑی اہمیت ظاہر ہوئی۔

امام موصوف نے اسی طرح دوسری جگہ بھی تنبیہ فرمائی ہیں، جہاں دوسرے سے قرآن مجید سننے کی فضیلت آئے گی اور وہاں تلاوت کرنے والے کو تلاوت سے روک دینے کا جواز واضح ہوگا۔ چنانچہ

(۱) تفسیر سورہ نساء میں امام بخاریؒ ”باب قوله فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا“ میں آئے گا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ارشاد کیا کہ کچھ قرآن مجید سناؤ، انھوں نے سورہ نساء سنائی اور جب وہ آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب رک جاؤ اور دیکھا گیا کہ حضور علیہ السلام اس وقت زار و قطار رو رہے تھے اور شاید یہ فرط گرہی ہی روکنے کا سبب بنا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (بخاری ص ۶۵۹)

(۲) ”باب من احب ان يسمع القرآن من غيره“ میں بھی حدیث لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو، عرض کیا، کیا میں حضور کے سامنے قراءت کروں جبکہ وہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، تب انھوں نے تفصیل ارشاد کی اور آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بس اب بس کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، میں نے حضور علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ رو رہے تھے (بخاری ص ۷۵۵) (۳) ”باب اهلکاء عند قراءۃ القرآن“ قائم کر کے امام بخاریؒ اسی حدیث مذکور کو پھر سے لائے ہیں۔ (بخاری ص ۷۵۶) اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ کوئی امر کیسا ہی بڑا خیر کا ہوا اور اس کو روکنے میں کتنی ہی نفس پر گرائی ہو۔ مگر کسی صحیح ضرورت و سبب کے تحت اس کو بھی روک سکتے ہیں۔

افادۃ انور: حضرت نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب کے رجال روایت میں حضرت قیس بن ابی حازم بھی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ قیس بن ابی حازم اور ابو عثمان مہدی سے زیادہ افضل تابعی میرے علم میں نہیں ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ تابعین میں سے قیس کے سوا کسی نے عشرہ مبشرہ کی زیارت نہیں کی۔ صرف وہی ایک سب سے بڑے خوش قسمت تابعی تھے اور یہی قیس ترک رفع یدین کی روایت کرتے تھے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہؒ میں ہے۔ تو اگر ترک رفع معدوم محض ہوتا یا زاویہ غمول میں ہوتا جیسا کہ قائلین رفع یدین دعوے کرتے ہیں تو اس کو ایسی عظیم و جلیل شخصیت کیسے اختیار کر سکتی تھی، جس نے اجلہ صحابہ اور ان کے عمل کو دیکھا ہو۔ لہذا میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ ترک رفع کی نفی محض قیامت تک بھی ثابت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ لوگ کتنی بھی طاقت و قوت صرف کر لیں کیونکہ وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ہماری طرف سے ان لوگوں کی طرح یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ رفع یدین سنت نہیں ہے، یا وہ زاویہ غمول میں ہے، کیونکہ ہم تو دونوں کو سنت نبویہؐ مانتے ہیں اور اختلاف صرف انصافیت کا ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مخالفین حنفیہ کا یہ جذبات اور خواہش صحیح نہیں کہ ان کے سوا دوسروں کو جنت میں جگہ نہ ملے۔

حضرت کا اشارہ امام بخاریؒ وغیرہ کی طرف ہے، جنھوں نے اختلافی مسائل میں حنفیہ کے خلاف نہایت سخت اور غیر موزوں رویہ اختیار کیا ہے۔ ہم نے مقدمہ انوار الباری جلد دوم ہی میں تا بیانات حضرت امام بخاریؒ کے ذکر میں امام بخاریؒ کے رسالہ ”جزء رفع الیدین“ کا بھی تعارف کرایا تھا، اس میں امام بخاریؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں جیسے نامناسب کلمات استعمال کئے ہیں، ان کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔ خاص طور سے جبکہ امام اعظمؒ ان کے بالواسطہ استاذ بھی ہیں۔ یہاں چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مصنف ابن ابی شیبہؒ کا

حوالہ دیا ہے اس لئے اس امر کا ذکر مناسب ہوگا کہ صاحب مصنف مذکور بھی امام بخاریؒ کے کبار اساتذہ حدیث میں سے ہیں۔ اور انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اپنی تالیف مذکور میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ و تابعین کے آثار بھی ذکر کرتے ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قسم کی روایات ہوں تو ابواب بھی دو قسم کے باندھتے ہیں۔ مثلاً اس موقع پر ”باب من كان يرفع يديه اذا التحنن الصلوة“ قائم کیا تو پھر دوسرا باب لائے ”من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود“ اور مرفوع حدیث کے بعد، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اسود، حضرت علقمہ، حضرت ابن عباس اور افضل التابعین حضرت قیس بن ابی حازم (جن کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر دیا ہے) سب سے عدم رفع نقل کیا ہے۔ نیز حضرت علی و حضرت ابن مسعود کے اصحاب کا بھی یہی عمل نقل کیا کہ وہ صرف تکبیر اولیٰ پر رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رکوع وغیرہ کے وقت نہ کرتے تھے۔

راقم الحروف کا خیال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی شیبہؒ چونکہ دونوں جانب کی احادیث و آثار صحابہ و تابعین پیش کرتے ہیں اور ان پر ترجمہ الباب بھی قائم کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی محدث عبدالرزاقؒ نے بھی اپنے مصنف میں کیا ہے، اسی لئے امام بخاریؒ ان دونوں کے اس طریقہ سے خوش نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ وہ تو صرف اپنے ہی طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہوں گے کہ صرف ایک جانب کو لیں اور دوسری جانب کو بالکل حذف کر دیں۔ اور شاید حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ ”شرح تراجم ابواب صحیح البخاری“ کے مقدمہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔ بسا اوقات امام بخاریؒ کسی امر ظاہر قلیل الطبع کے لئے عنوان و ترجمہ الباب قائم کرتے ہیں، لیکن تامل کے بعد اس کا نفع معلوم ہوتا ہے، مثلاً باب قول السرجل ما صلینا لائے، جو بظاہر کوئی خاص نفع بخش بات نہیں ہے، مگر وہ اس طرف اشارہ کر گئے، کہ ایک جماعت جو ماصلینا (ہم نے نماز نہیں پڑھی) کہنے کو برا جانتی ہے اس کے خیال کی اصلاح مد نظر ہے لہذا ان کا رد کیا گیا، اور امام بخاریؒ کے اکثر تراجم ابواب میں مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے تراجم ابواب پر رد و قدح بھی ہے، کیونکہ ان کے تراجم ابواب میں آثار و شواہد سے استدلال کیا گیا ہے۔ ان کو امام بخاریؒ نے رد کیا ہے۔ اس امر کو یوں سمجھ سکتے گا، جو بخاریؒ کے ساتھ ان دونوں حضرات کے مصنفوں کا بھی مطالعہ کرے گا۔

لحمہ فکر یہ: امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں دو جگہ یہ دعویٰ کیا کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔ اور ان کے برخلاف محدث ابن ابی شیبہؒ نے مستقل باب عدم رفع یدین قائم کر کے نہ صرف متعدد اصحاب نبی اکرم ﷺ سے ان کے عدم رفع کا ثبوت پیش کر دیا، بلکہ مرفوع حدیث بھی عدم رفع کی پیش کر دی، خدا کا شکر ہے امت مسلمہ اور خاص طور سے حنفیہ کی یہ تمنا پوری ہوئی کہ مصنف عبدالرزاق منصف شہود پر آگئی مجلس علمی ڈائجیل و کراچی نے اس کو مکمل شائع کر دیا ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ بھی حیدرآباد میں چھپ رہی ہے۔ سر دست پانچ جلدیں اس کی شائع شدہ ہیں، ان دونوں کو سامنے رکھ کر تراجم ابواب بخاریؒ کا تراجم مصنفین مذکورین سے مقابلہ کریں اور امام بخاریؒ کی مجرد صحیح کے ساتھ احادیث مصنفین کا مطالعہ مع شواہد و آثار صحابہ و تابعین کریں گے تو فتنہ البخاری اور فتنہ حنفی دونوں اپنے صحیح خود خال میں رونما ہو جائیں گے۔ مطبوعہ مصنف ابن ابی شیبہ میں باب من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود جلد اول کے ص ۲۲۶ و ص ۲۲۷ پر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت رفع یدین بھی محدث ابن ابی شیبہؒ نے نقل کی لیکن پھر خود ان کا ہی اپنا معمول عدم رفع کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ان کی روایت کے مروج ہونے پر دال ہے۔ رفع یدین کی بحث اپنے موقع پر مفصل آئے گی۔ ان شاء اللہ

فقد بخاریؒ یا اجتہاد: امام بخاریؒ بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ بھی، اور اگرچہ وہ حضرت سفیان ثوریؒ یا امام اوزاعیؒ کی طرح صاحب مذہب مجتہد نہ تھے، اور اسی لئے ان کا مذہب مدون نہ ہوا بلکہ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذیؒ وغیرہ کسی نے بھی ان کے اقوال کو بطور صاحب مذہب کے نقل نہیں کیا، اسی طرح وہ مجتہد مطلق بھی نہ تھے۔ اسی لئے جلیل القدر محتاط اکابر امت میں سے کسی نے بھی ان کو مجتہد مطلق نہیں کہا۔ ہمارے



حضرت شاہ صاحب بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ ایک درجہ کا تفقہ واجتہاد ان کو حاصل تھا، جس کی وجہ سے وہ تقلید کے محتاج نہ تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے استنباط واجتہاد میں بہت توسع کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے بھی کیا کم کیا ہے کہ نصوص کے اشارات وعموم تک سے بھی مسائل نکالے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ضمن حالات امام بخاریؒ ان کے مجتہد ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا، صرف حدیث وفقہ میں مثل امام مالک نقل کیا ہے۔

ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ سے یہ مقولہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے۔ مگر ان کے اجتہاد میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ مجتہد مطلق مثل ائمہ مجتہدین (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ) نہ تھے، علامہ شیرازیؒ نے تو ان کو "طبقات الفقہاء" میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بظاہر ان کے رتبہ سے کم معلوم ہوتی ہے۔ محترم مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی عم فیضیہ نے حاشیہ دراسات الملیب ص ۳۰۱/۳۰۷ میں امام بخاریؒ کے تفقہ پر تاریخی اعتبار سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ بھی دیکھی جائے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں کسی مناسبت سے ظاہر یہ اور اصحاب ظواہر کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں بھی امام بخاریؒ کا ذکر ہوا ہے پھر دیکھا کہ شیخ معین سندی نے بھی دراسات الملیب ص ۳۰۰ میں امام بخاریؒ کو اصحاب الظواہر میں شمار کیا ہے۔ اور ہم نے حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی اصحاب الظواہر میں لکھا تھا پھر دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تذیل البیاض الادلہ ص ۷ میں داؤد ظاہریؒ و علامہ شوکانیؒ وغیرہ کے ساتھ علامہ ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ وغیرہ کا "عالمین علی الظواہر" کے زمرہ میں گنایا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی علامہ ابن تیمیہؒ کو اہل الظواہر میں سے قرار دیا ہے۔

(حاشیہ موطاء، امام محمد ص ۱۲۷/۱۲۹) واللہ تعالیٰ اعلم

مدارج اجتہاد: ہمارے نزدیک علوم نبوت کے ہر معنی الکلہ صحیح حامل ومحافظ ہر نبی ورسول کے جانشین وہ صحابہ رہے ہیں جو درجہ اجتہاد پر فائز تھے اور آخر میں خاتم النبیین ﷺ کے علوم و کمالات کے حامل ومحافظ بھی آپ کے ایسے ہی فقہاء ومجتہدین صحابہ تھے اور ان کے بعد ان کے جانشین اکابر مجتہدین امت محمدیہ نے اس منصب کو سنبالا ہے، اور ان ہی کی جلیل القدر علمی خدمات کے صدقہ میں اس دین کا کامل تحفظ قیام قیامت تک باقی رہے گا۔ دور رسالت ومصابہ کے بعد سب سے بڑے مجتہد مطلق و کامل ہمارے سامنے امام اعظم ابوحنیفہؒ آتے ہیں، جن کے اجتہادی کمالات وتفوق کی شہادت خود ان کے ہم عصر مجتہد و امام حدیث مالکؒ نے دی اور برسوں ان کے علوم سے استفادہ فرمایا، ان کے بعد تیسرے مجتہد اعظم امام شافعیؒ نے بھی ان کی اعلیٰ اجتہادی شان کا بھرپور اعتراف کیا، اور ان کے تلمیذ امام محمدؒ سے استفادات کئے، پھر چوتھے درجہ کے مجتہد معظم امام احمدؒ نے بھی ان کے تلمیذ امام ابو یوسفؒ سے استفادہ فرما کر اجتہادی بصیرت میں کمال حاصل کیا۔ تفسیر وحدیث، فقہ و اصول فقہ اور علم اصول وعقائد کی جو کچھ خدمات اب تک کی گئیں اور آئندہ ہوں گی وہ سب ان ہی چاروں اکابر مجتہدین کے فیضان علمی کا کرشمہ ہیں۔ اور ہمارا یقین ہے کہ مجموعی اعتبار سے ان حضرات کے جادۂ اعتدال سے جو بھی جتنا ہٹ گیا وہ اتنا ہی محرومی کا شکار ہوا۔

یہ بھی ایک دنیاوی فتنہ ہے کہ بڑے لوگوں پر حسد کرنے والے بھی بڑے ہو جاتے ہیں، امام اعظم کے حاسدین ومعاذین بھی کم نہ تھے، چنانچہ اسی دور کے امام حدیث وفقہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (جن کو امام بخاریؒ نے بھی اعظم اہل زمانہ کہا اور سب ہی موافق ومخالف ان کی جلالت قدر کے معترف تھے) لوگوں کے اعتراضات سے تنگ آکر فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی تو حدیث نبویؐ کا فساد ومقصد ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے بڑا اعتراض جو امام صاحب پر تھا وہ ان کے صاحب قیاس ورائے ہونے کا تھا، اور اس کی بڑی وجہ آپ کے مدارک اجتہاد سے ناواقفی اور آپ کے دقیق استنباطات تک نارسائی تھی۔ پھر اس کے ساتھ کچھ لوگوں کا غلط پروپیگنڈہ بھی تھا،

جس سے بڑے حضرات بھی متاثر ہو گئے تھے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ درس بخاری میں بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری وحیدی ہمیشہ امام صاحب کے مثالب ہی بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کو مناقب بھی پہنچے ہیں اور مثالب بھی اور متعدد سے نہیں بلکہ ایک ایک شخص سے بھی ہر دو قسم کے اوصاف پہنچے ہیں مگر انھوں نے اپنا رجحان مثالب ہی کی طرف رکھا۔ ایک روز فرمایا کہ ابو داؤد امام ابو حنیفہؒ کی دل بھر کر تعظیم کرتے ہیں، ترمذی نہ تحقیر کرتے ہیں نہ تعظیم، بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں، اپنی حدیثیں لاتے ہیں امام صاحب کی موافقت والی احادیث بھی نہیں لاتے، ایک دفعہ فرمایا کہ نعیم بخاری کا راوی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر برائیاں بیان کیا کرتا تھا، پھر فرمایا عیب سے جملہ بگفتی ہنرش نیز گو کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ نعیم ترک رفع یدین کے روایت کرنے والوں میں بھی ہیں، اور اسی وجہ سے شافعیہ نے ان کو گرایا ہے، میں نے کہا جو کچھ بھی ہو مگر وہ ہے تو بخاری کا راوی۔ اس کو کہاں تک گراؤ گے؟۔

اس زمانہ کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ علماء امت پر اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور ہمارے اہل حدیث بھائی تو بڑی طویل فہرست مجتہدین کی پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی طود پر ان تمام مجتہدین کو ملا کر بھی چاروں ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے بھی برابر کیا جاسکتا ہے؟ کلام کا۔ البتہ تھوڑی بہت استنباطی و اجتہادی شان کے ضرور کار امت میں تھے اور آئندہ بھی ہوں گے، ان کو بھی مجتہد کہہ لیجئے، مگر وہ ”مجتہد مطلق“ والی نرالی شان کہاں؟!

## باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالہا

(نماز کو مختصر اور پورے طور پر پڑھنے کا بیان)

۶۶۸: حدثنا ابو معمر قال حدثنا عبد الوارث قال حدثنا عبد العزيز عن انس بن مالك قال قال النبي

صلی اللہ علیہ وسلم یوجز الصلوٰۃ ویکملہا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو مختصر اور پوری پڑھتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا کہ ایجاز و اکمال دونوں کا اجتماع ایک نماز میں ہو سکتا ہے اور چونکہ ایسا کرنا حضور علیہ السلام کے فعل سے بھی ثابت ہے، اس لئے یہ مستحب بھی قرار پایا کہ نماز کو طول بھی نہ دے اور ارکان میں نقص بھی نہ آنے دے۔ آگے حدیث آنے والی ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے حضور علیہ السلام کے سوا آپ سے زیادہ ہلکی اور مختصر نماز نہیں پڑھی اور نہ حضور علیہ السلام سے زیادہ کامل و مکمل نماز کسی کے پیچھے پڑھی۔

## باب من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی

(اس شخص کا بیان جو بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دے)

۶۶۹: حدثنا ابراهيم بن موسى قال حدثنا الوليد بن مسلم قال حدثنا الاوزاعي عن يحيى بن ابی كثير

عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیہ ابی قتادة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لا قوم فی الصلوٰۃ

ارید ان اطول فیہا فاسمع بکاء الصبی فالتجوز فی صلاتی کراہیتہ ان اشق علی امہ تابعہ بشر بن

بکرو بقیۃ و ابن المبارک عن الاوزاعی

۶۷۰: حدثنا خالد بن مخلد قال حدثنا سليمان ابن بلال قال حدثنا شريك ابن عبد الله قال سمعت

انس بن مالك يقول ماصليت وراء ابام قط اخف صلوة ولا اتم من النبي صلى الله عليه وسلم وان

كان ليسمع بكاء الصبي فيخفف مخانته ان تفتن امه

ترجمہ ۶۶۹: حضرت ابو قتادہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اس میں طول دوں، لیکن بچہ کے رونے کی آواز سن کر میں اپنی نماز میں اختصار کر دیتا ہوں، اس امر کو برا سمجھ کر کہ میں اس کی ماں کی تکلیف کا باعث ہو جاؤں۔ بشر بن بکر، بقیہ اور ابن مبارک نے اوزاعی سے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ ۶۷۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز نہیں پڑھی۔ اور بے شک آپ بچہ کا گریہ سن کر اس خوف سے کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی، نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔

تشریح: احادیث الباب سے معلوم ہوا کہ امام لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ کرنے کے بعد نماز کے دوران میں کسی کی وجہ سے تخفیف کر دے یا شروع سے ہی ہلکی نماز پڑھانے کا ارادہ کرے تو دونوں باتوں کی شرعا اجازت ہے پھر شافعیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اختصار مذکور کی طرح امام کو تطویل کا بھی اختیار ہے، یعنی کسی کی وجہ سے نماز کو طویل کر دے تو یہ بھی جائز ہے مگر حنفیہ دونوں میں فرق کرتے ہیں، یعنی کسی کی وجہ سے مثلاً رکوع میں طوالت کر دے تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس طرح عبادت میں زیادتی غیر اللہ کے لئے ہوگی۔ جبکہ عبادت کا کچھ حصہ بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اور امام محمدؓ سے تو یہ بھی نقل ہوا کہ وہ اس پر کفر کا خطرہ بتلاتے تھے۔ تاہم ان کی مراد اس سے کفر عقیدہ نہ ہوگا بلکہ کفر نعمت جیسا مرتبہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے دل کو تو یہ بات لگتی ہے کہ تطویل کی ممانعت دنیا داری ذی وجاہت لوگوں کے حق میں ہوگی کہ اس میں شرک کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ ضرورت مند اور اہل علم و فضل کے لئے نہ ہوگی، اور اختصار کی سابق صورت تو اس لئے بھی باقی نہ رہی کہ فساد زمانہ کے سبب عورتوں کا مساجد کی نماز جماعت میں شامل ہونا ہی ممنوع ہو گیا ہے۔ اور فقہانے رکوع کی تطویل کو اس رعایت کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ لوگ رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالیں، بشرطیکہ وہ لوگ امام کے دوست و رفقاء نہ ہوں یا وہ رکوع میں آکر شریک ہونے والوں کو نہ پہچانتا ہو۔ اور بعض فقہاء نے اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ پہلے سے شرکاء نماز کو امام کے تطویل رکوع سے تکلیف بھی نہ ہو۔ کیونکہ ان کا حق بعد میں آنے والوں سے زیادہ ہے اس سے زیادہ تفصیل لائحہ الداراری ص ۲۷۲/۱ میں دیکھی جائے۔

فیض الباری ص ۲۳۳/۲ قولہ عن محمد بن سہوان خ ہے۔ کیونکہ یہ بخاری کا مقولہ نہیں ہے، بلکہ کتب فقہ سے نقل کیا گیا ہے۔

۶۷۱: حدثنا علي بن عبد الله قال حدثنا يزيد بن زريع قال حدثنا سعيد قال حدثنا قتادة ان انس بن

مالك حدثه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اني لا دخل في الصلوة وانا اريد اطلتها فاسمع بكاء

الصبي فاتجوز في صلوتي مما اعلم من شدة وجدامه من بكائه

۶۷۲: حدثنا محمد بن بشار قال انا ابن عدي عن سعيد عن قتادة عن انس بن مالك عن النبي صلى الله

عليه وسلم اني لا دخل في الصلوة فاريد اطلتها فاسمع بكاء الصبي فاتجوز مما اعلم من شدة وجدامه

من بكائه وقال موسى حدثنا ابان قال حدثنا قتادة قال خا انس عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله

ترجمہ ۶۷۱: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں (جب) نماز شروع کرتا ہوں تو اس کو طویل دینا چاہتا ہوں مگر بچہ کا رونا سن کر اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت پریشانی کو محسوس کرتا ہوں۔

ترجمہ ۶۷۲: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز شروع کرتا ہوں۔ تو اس کو طویل دینا

چاہتا ہوں، مگر بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں سخت پریشان ہو جائے گی، اور موسیٰ نے کہا کہ ہم سے ابان نے بہ سند قنادہ عن انس رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

## باب اذا صلی ثم ام قوماً

(جب خود نماز پڑھ چکا ہو اس کے بعد لوگوں کی امامت کرے)

۶۷۳: حدثنا سلیمان بن حرب و ابو العمان قالنا ناحماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن جابر

قال کان معاذ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یأتی قومه فیصلی بهم

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ لیتے تھے، اس کے بعد اپنی قوم کے پاس جاتے تھے، اور انھیں نماز پڑھاتے تھے۔

تشریح: حدیث الباب سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے اور کہا کہ حضرت معاذؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ عشا کی نماز بہ نیت فرض پڑھتے تھے، پھر جا کر امام بن کر اپنی قوم کو نماز عشا پڑھاتے تھے، لہذا فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے جائز ہوئی۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور اکثر تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اگر مقتدی کی نیت امام کی نیت سے مختلف ہو تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی، کیونکہ نیت کے اختلاف سے بڑھ کر اور زیادہ اختلاف کیا ہو سکتا ہے کہ نیت پر ہی اعمال کی صحت کا مدار ہے۔ اور موطا امام مالک میں حدیث ہے کہ ”امام اسی لئے ہے کہ مقتدی اس کا اتباع کریں، لہذا اس کی مخالفت نہ کرو“ محدث ابی نے شرح مسلم، میں لکھا کہ یہ حدیث امام مالک اور جمہور کے لئے دلیل و حجت ہے، جو کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی کی نماز باہم مرتبط ہونی چاہئیں، اور اس سے امام شافعی و محدثین کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز کی اقتداء درست ہے اور کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز اس امام کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں جو عصر کی نماز عصر پڑھ رہا ہو، وہ ممنوع اختلاف کو صرف ظاہری افعال کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں، اور امام مالک وغیرہ کہتے ہیں کہ دو الگ الگ فرضوں یا فرض اور دوسرے نفل کے اختلاف سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے بھی ہے۔ علامہ موفیؒ نے کہا کہ اسی کو ہرے اکثر اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن عربیؒ نے شرح ترمذی میں لکھا کہ حضرت معاذؓ والی حدیث کے معارض دوسری حدیث ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ۔ اور دوسری حدیث الامام ضامن بھی معارض ہے، کیونکہ نفل نماز کم درجہ کی ہے وہ فرض نماز کے لئے کفیل نہیں بن سکتی۔ اور ایسے ہی ایک فرض دوسرے مختلف فرض کے لئے کفیل و ضامن نہیں ہو سکتا اور حدیث معاذ میں احتمال ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں، پھر جا کر اپنی قوم کو فرض کی نیت سے پڑھاتے ہوں۔ علامہ ابن عربیؒ نے حدیث معاذ کے پانچ جواب دیئے ہیں، (ملاحظہ ہو جزاء المسد لک ص ۲۲/۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت معاذؓ نے حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی عشا ہی پڑھی ہے، لیکن یہ نیت اسقاط فریضہ نہیں پڑھی اور دوسری جوابی قوم کے ساتھ پڑھی ہے وہ اسقاط فریضہ کی نیت سے پڑھی ہے، امام محمدؒ کی پانچوں کتابوں میں اور امام طحاویؒ کی کتاب میں بھی یہ مسئلہ تین جگہ مذکور ہے کہ اگر گھر سے نماز پڑھ کر چلے اور مسجد میں پہنچے اور نماز ہو رہی ہو تو اہد ضروری ہے۔ اور یہی متقدمین سے منقول ہے۔ امام طحاویؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر پہلی بہ نیت عشا بھی پڑھے لیکن اسقاط فرض کا قصد نہ ہو تو وہ نفل ہوگی، اور اسی طرح اگر دو بارہ، سہ بارہ نماز ظہر کی ہی مثلاً پڑھے تو ان میں ایک فرض ہوگی جو بہ نیت اسقاط فرض ہوگی، باقی سب نفل ہوں گی۔ لہذا حضرت معاذؓ نے پہلے بھی عشا ہی پڑھی ہوگی بلحاظ شرکت نبی کریم ﷺ اور دوسری جو پڑھائی ہے وہ فرض کے اسقاط کے لئے ہوگی۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ سب سے پہلے فتح القدیر نے یہ غلطی کی ہے کہ خلاف متقدمین یہ مسئلہ لکھا کہ گھر سے پڑھ کر جب مسجد میں آیا تو

فرض میں شریک ہوا اور یہ نفل ہیں۔

اعادہ کے مسئلہ میں شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ پانچوں نمازوں کا اعادہ ضروری ہے اور یہی نفسیں ہیں خیمہ یا گھر پر پڑھی ہوئی، خفیہ کے یہاں صرف ظہر و عشاء میں اعادہ ضروری ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر شافعیہ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت درست ہے کہ پہلی نماز نفل ہوتی ہے اور بعد والی فرض، تو حضرت معاؤ کے لئے پہلی نماز حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھی ہوئی گھر اور خیمہ کے حکم میں ہونی چاہیے کہ ان کے لئے اپنی مسجد جس کے وہ امام تھے وہ بعد والی ہے، اور بظاہر وہ اپنی مسجد میں ہی اسقاط فرض کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں گے۔ اور اس سے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اقتداء متفل حلف المفترض کے مسئلہ میں محدثانہ و فقیہانہ اباحت بہت لمبی ہیں وہ شروع میں قابل مطالعہ ہیں۔ ہم نے یہاں بطور خلاصہ کچھ لکھ دیا ہے۔

## باب من اسمع الناس تکبیر الامام اس شخص کا بیان جو مقتدیوں کو امام کی تکبیر سنائے

۶۷۴: حدثنا مسدد قال نا عبدالله بن داؤد قال نا الاعمش عن ابراهيم عبدالاسود عن عائشة قالت لما مرض النبي صلى الله عليه وسلم موضعه الذي مات فيه اتاه بلال يؤذنه بالصلاة قال مروا ابابكر فليصل بالناس قلت ان ابابكر رجل اسيف ان يقيم مقامك يبك فلا يقدر على القراءة فقال مروا ابابكر فليصل فقلت مثله فقال في الثالثة او الرابعة الكن صواحب يوسف مروا ابابكر فليصل فصلى وخرج النبي صلى الله عليه وسلم يهادي بين رجلين كانى انظر اليه يحيط برجليه الارض فلما راه ابو بكر ذهب يتاخر فاشار اليه ان صل فتاخر ابو بكر وقعد السى صلى الله عليه وسلم الى جنبه وابو بكر يسمع الناس التكبير تابعه محاضر عن الاعمش

ترجمہ ۶۷۴: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے، تو آپ کے پاس بلالؓ نماز کی اطلاع کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا، ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، میں نے عرض کیا کہ ابو بکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں، اگر آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو روئے لگیں گے اور قراءۃ پر قادر نہ ہوں گے، آپ نے فرمایا، کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، میں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا، کہ تم یوسف کی عورتوں کی مثل ہو ابو بکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں، تو ابو بکرؓ نے نماز شروع کی (اتنے میں نبی کریم ﷺ کو مرض میں کچھ افادہ محسوس ہوا) اور نبی کریم ﷺ دو آدمیوں کے بیچ میں سہارا دیتے ہوئے باہر تشریف لے گئے، تو یہاں اس وقت بھی آپ کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ آپ کے کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں، جب حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھو، چنانچہ ابو بکرؓ پیچھے ہٹ گئے اور نبی کریم ﷺ ان کے پیلوں میں بیٹھ گئے اور ابو بکرؓ نوگوں کو تکبیر سناتے جاتے تھے۔ تشریح: مقتدیوں کو امام کی تکبیرات سنانے کے لئے ایک یا زیادہ مکبروں کا بلند آواز سے تکبیرات کہنا جائز ہے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات سنانے کے لئے زور سے کہتے تھے۔

اس بارے میں شیخ ابن ہمامؒ نے یہ لکھ دیا کہ اگر ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے مکبر تکبیر نہیں گے تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی حالانکہ یہ ان کی غلطی اور اسی نے ایک خفی عالم نے ہی مستقل رسالہ میں ان کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مقدار ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بھی تکبیرات سنانا موجب فساد صلوٰۃ نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ امام محمد کے نزدیک قائم کی اقتدا خفہ اتفاقاً جڑ نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث الباب کے مرض وفات کے واقعہ کو امام محمدؑ نے حضور علیہ السلام کی خصوصیت پر اتارا ہے۔ میرے نزدیک تو اس واقعہ میں حضور علیہ السلام کا نمازیوں کے سامنے سے گزرتا، نماز کے بیچ میں سے شروع کر دینا پہلے امام کو ہٹا کر، اور ایک مقتدی کو صف کے آگے رکھنا وغیرہ اور بھی خصوصیات میں سے ہیں، اور غالباً امام محمدؑ نے بھی اور سب چیزوں کو خصوصیت پر اتارا ہے۔

فائدہ ہمہ: امام محمد و امام مالک کے نزدیک امامۃ جالس للقيام کی حال میں درست نہیں، اور مرض وفات میں حضور علیہ السلام کی امامت خصوصیت پر محمول ہے امام احمد و ائمتہ کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر پڑھنی چاہیے، کیونکہ ایک حدیث میں یہی حکم ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہ جزو حدیث کا منسوخ ہے، اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام کسی عذر سے بیٹھ کر پڑھائے تو تندرست مقتدیوں کو کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہیے، علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ یہی مذہب جماعت فقہاء امصار کا ہے، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی اور اہل اللہ ہر وغیرہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ جمہور کا استدلال حضور علیہ السلام کی مرض وفات والی نماز سے ہے، الخ (لا مع ص ۶۶/۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے نوامیہ کہ مناجات نے جھگڑا ڈالا ہے اور کہا کہ اس واقعہ مرض وفات میں بھی امام ابو بکر ہی تھے اور حضور علیہ السلام مقتدی تھے، جیسی سند نے بھی حاشیہ بخاری میں اسی کی تائید کر دی ہے مگر میرے نزدیک صحیح بخاری سے اس کے لئے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ لکھا کہ ایک جماعت کا قول یہی ہے کہ بخاری و مسلم کی روایات حضرت عائشہؓ کے تحت اس امر کی صراحت ملتی ہے کہ آخر مرض وفات میں نماز کے امام حضور علیہ السلام ہی تھے اور حضرت ابو بکر صرف مبلغ و مکبر تھے۔ اور مزید بحث لایع میں ہے۔

## باب الرجل یاتم بالامام و یاتم الناس بالماموم و یدکر عن النبی

### صلی اللہ علیہ وسلم قال انتموا بی و لیاتم بکم من بعدکم

(اگر ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور (باقی) لوگ اس مقتدی کی اقتدا کریں اور نبی صلی ای علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم لوگ میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتدا کریں)

۶۷۵: حدثنا قتیبہ بن سعید قال نا ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشۃ قالت لما نفل النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء بلال یؤذنه بالصلوۃ فقال مروا ابابکر ان یصلی بالناس فقلت یارسول اللہ ان ابابکر رجل اسیف وانه منی یقوم مقامک لایسمع الناس فلوامرت عمر فقال مروا ابابکر ان یصلی بالناس فقلت لحفصۃ قولی له ان ابابکر رجل اسیف وانه منی ما یقوم مقامک لایسمع الناس لوامرت عمر فقال انکن لاتنن صواحب یوسف مروا ابابکر ان یصلی بالناس فلما دخل فی الصلوۃ وجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسه خفۃ فقام بہادی بن رجلین ورجلاه یخطان فی الارض حتی دخل المسجد فلما سمع ابو بکر حمۃ ذهب ابو بکر یتاخر فاوما الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی جلس عن یسار ابی بکر فکان ابو بکر تصلی قائماً وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قاعداً لفتدی ابو بکر بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس مقتدون بصلوۃ ابی بکر

ترجمہ:- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، تو بجالا آپ کے پاس نماز کی اطلاع کرنے آئے، آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، میں نے کہا یا رسول اللہ! ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں اور وہ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نہ سنا سکیں گے، کاش، آپ عمرؓ کو حکم دیتے، پھر آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تب میں نے حصہ سے کہا، کہ تم عرض کرو کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں، اس لئے جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی آواز میں نہ سنا سکیں گے کاش! آپ عمرؓ کو حکم دیتے (چنانچہ حصہ نے عرض کیا) اس پر آپ نے فرمایا کہ تم ان عورتوں کی طرح ہو، جو یوسف کو (گھیرے ہوئے) تھیں، ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں پھر جب وہ نماز شروع کر چکے تو رسول خدا ﷺ نے اپنے میں کچھ خفت (مرض کی) پائی تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا دے کر باہر تشریف لے گئے، اور آپ کے دونوں پیرزمین پر گھسٹتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے، جب ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ سنی، تو ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر رسول خدا ﷺ نے انہیں اشارہ کیا (کہ ہٹو نہیں) پھر نبی ﷺ آکر ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور رسول خدا ﷺ بیٹھے ہوئے نماز پڑھتے تھے، ابوبکرؓ رسول خدا ﷺ کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کے مقتدی تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے یہ نکالا ہے کہ اگلی صف والے امام کا اتباع و اقتدا کریں گے اور پچھلی صفوں والے اگلی صفوں کی۔ متقدمین میں سے شعسی اور متاخرین میں سے ابن جریر وغیرہ بھی اسی کے قائل ہوئے ہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں اگر بعد میں آنے والے کسی مقتدی نے اگلی صف والے کسی مقتدی کو بھی تحریرہ کر کے رکوع میں پالیا تو اس کو رکعت مل گئی، خواہ امام اور اس سے متصل صفوں والوں نے رکوع سے سر بھی اٹھا لیا ہو۔

علامہ یحییٰ نے بھی مسلک امام بخاری کا بھی قرار دیا ہے، مگر میرے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ یہ مسئلہ امام بخاریؒ کا اعتبار بھی ہو اور ہو سکتا ہے کہ صرف لفظ راوی کا اتباع کر کے انھوں نے ایسا ترجمہ قائم کیا ہو۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جب تک امام رکوع میں ہے اسی وقت تک رکعت مل سکتی ہے، دوسرے مقتدیوں کا اعتبار نہیں اور امام بخاریؒ نے تو جزء القراءہ میں یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ امام کو رکوع میں پانے سے بھی رکعت نہ ملے گی صرف اقتداء حاصل ہو جائے گی۔ جمہور کے نزدیک حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دین کے امور میں تم میری اتباع کرو اور بعد کو آنے والے تمہاری اتباع کریں گے۔ یعنی یہاں نماز کی امامت و اقتدا کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ قوله فلما دخل فی الصلوۃ وحد رسول اللہ ﷺ فی نفسه خفہ، پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں سے صراحت نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشا کی نماز میں نکلے تھے، واللہ اعلم۔

قلولہ انکن لانتن صواحب یوسف:- صواحب یوسف سے تشبیہ کی وجہ ظہار خلاف مافی الضمیر تھا کیونکہ درحقیقت حضرت عائشہؓ امامت سیدنا ابی بکرؓ سے اس لئے روک رہی تھیں کہ لوگ بعد کو یہ نہ کہہ دیں کہ ان کی امامت اسی نامبارک ہوئی کہ حضور علیہ السلام وفات پا گئے گویا دل میں تو یہ بات تھی اور ظاہر دوسری بات کی جو حدیث میں ذکر ہوئی ہے۔ جس طرح زینخانے بظاہر تو ان عورتوں کا اکرام کیا اور ضیافت کی تھی اور دل میں نیت یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ان کو دکھائیں تاکہ آئندہ وہ ان کو ملامت نہ کریں یا عورتوں کی خاص عادت ضد و ہٹ کی طرف اشارہ ہے (ص ۹۹ حاشیہ بخاری)

## باب هل يأخذ الامام اذا شك بقول الناس

امام کو جب شک ہو جائے تو کیا وہ مقتدیوں کے کہنے پر عمل کر لے

۶۷۶: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك بن انس عن ايوب بن ابي تميمة السخثاني عن محمد بن سيرين عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من اثنتين فقال له ذواليدین اقصر الصلوة ام نسيتم يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصدق ذواليدین فقال الناس نعم فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی اثنتين اخريين ثم مسلم ثم كبر فسجد مثل سجوده او اطول

۶۷۷: حدثنا ابو الوليد قال ناشبة عن سعد بن ابراهيم عن ابي سلمة عن ابي هريرة قال صلى النبي صلى الله عليه وسلم الظهر ركعتين فقبل قد صليت ركعتين فصلی ركعتين ثم سلم ثم سجد مسحدين

ترجمہ ۶۷۶: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز کی) دو رکعتیں پڑھ کر رسول خدا ﷺ غلغلا ہو گئے، تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا کہ یہ رسول اللہ! کیا نماز میں کمی کر دی گئی یا آپ بھول گئے تو رسول خدا ﷺ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں، لوگوں نے کہا، ہاں! پس رسول خدا ﷺ پھر کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں اور پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر اپنے معمولی سجدوں کی طرح سجدے کئے، یا اس سے تھوڑے سے طویل ہوں گے۔

ترجمہ ۶۷۷: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں، تو آپ سے کہا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، پس آپ نے دو رکعتیں (اور) پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) آپ نے کئے۔

تشریح: حدیث مذکورہ کا تعلق مسائل سہو سے ہے، جو اپنے موقع پر آئیں گے، چنانچہ بخاری ص ۱۶۳ و ۱۶۴ میں یہی حدیث ابی ہریرہؓ باب السہو کے تحت ذکر ہوگی، یہاں غالب اس لئے ذکر کیا کہ امام و مقتدی کے مسئلہ چل رہے ہیں۔

اس سے قبل ص ۶۹ میں بھی ابی ہریرہؓ باب تشہیک الاصابع فی کالمسجد میں گزر چکی ہے، کیونکہ اس روایت میں تشہیک کا بھی ذکر ہے پھر اس حدیث ابی ہریرہؓ کو ص ۸۹۳ میں باب ما يجوز من ذکر الناس نحو قولهم الطويل والقصور میں لائیں گے، کیونکہ ذوالیدین کا ذکر ہے اور کتاب اخبار الآحاد کے باب ما جافی اجازة الخبر الواحد ص ۷۷ میں بھی لائیں گے۔ کیونکہ امام بخاری مسائل کے استخراج اور مناسبات کے لحاظ سے ایک ہی حدیث کو متعدد جگہ لایا کرتے ہیں۔ غرض فقہی نقطہ نظر سے یہاں شک و سہو کے لئے باب قائم کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

شک و سہو امام کے مسئلہ میں متعدد صورتیں ہیں اور یہ مشہور اختلافی مسائل میں سے ہے، مذہب حنفی کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقتدیوں میں اختلاف ہو تو امام کی رائے جس طرف ہوگی وہ معتبر ہوگی خواہ اس جانب ایک ہی مقتدی ہو۔ اگر ایک شخص کو نماز کے پوری ہونے کا یقین ہو اور ایک کو ناقص ہونے کا اور دوسرے لوگ اور امام بھی شک میں ہو تو نماز کا اعادہ صرف یقینی نقص بتلانے والے کے ذمہ ہوگا۔ اگر امام کو نقص کا یقین ہو تب بھی سب پر اعادہ لازم ہوگا، بجز اس کے جس کو ان میں سے کامل ہونے کا یقین ہو، اگر کسی کا ایک مقتدی کو نقص کا یقین ہو لیکن امام اور دوسروں کو شک ہو تو سب کے لئے اعادہ اولیٰ ہے احتیاطاً۔ اگر (دو عادل نقص بتلائیں تو اعادہ لازم ہوگا نہ لامع ص ۶۷۸ ان قد من ابذل)

علامہ لابن المنیر نے لکھا کہ اختلاف صرف ان صورتوں میں ہے کہ امام کو بھی شک ہو ورنہ اگر امام کو اپنے فعل پر یقین ہو تو پھر کسی



مقتدی کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا (فتح الباری ص ۱۴۱/۲)

تو لو وقال عبد اللہ بن مقداد انا اس راوی کے بارے میں حافظ نے لکھا کہ وہ تابعی کبیر تھے۔ جن کو روایت کا شرف اور ان کے والد کو صحبت کا شرف حاصل تھا۔ (فتح ص ۱۴۱/۲)

علامہ یحییٰ نے لکھا کہ وہ تابعی کبیر جن کو روایت کا اور ان کے باپ کو صحبت کا شرف ملا تھا (غالب روایت کی جگہ روایت کا لفظ ناخ کی غلطی ہے، واللہ اعلم) پھر ذہبی سے نقل کیا کہ وہ قدامتے تابعین میں سے تھے، اور ان کی اس تعین کو سعید بن منصور نے موصول کیا ہے، (عمدہ ص ۸۶/۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ صغیر السن صحابی تھے، حضرت حمزہؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کیا تھا، اور وہ حدیث من کسان لہ امام قراءۃ الامام لہ قراءۃ کے راوی بھی ہیں تو اس سے تو کم درجہ نہیں ہے کہ ہم ان کی حدیث کو مرسل صحابی قرار دیں، حالانکہ وہ مرفوعاً بھی ثابت ہو چکی ہے جس کی تحقیق ہم نے فصل الخطاب میں کی ہے۔

## باب اذابکی الامام فی الصلوٰۃ وقال عبد اللہ بن شداد سمعت نشیج

### عمر وانا فی اخر الضفوف یقرأ انما اشکوا بشی وحزنی الی اللہ

(جب امام نماز میں روئے عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی حالانکہ میں سب سے پچھلی صف میں تھا وہ انما اشکوا بشی وحزنی الی اللہ پڑھ رہے تھے)

۶۷۸: حدثنا اسمعيل قال حدثني مالك بن اس عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ام المؤمنين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في مرضه مروا ابابكر يصلي بالناس قالت عائشة قلت له ان ابابكر اذا قام في مقامك لم يسمع الناس من البكاء فمر عمر يصلي بالناس فقال مروا ابابكر فليصل بالناس فقلت لعائشة فقلت لحفصة قولي له ان ابابكر اذا قام في مقامك لم يسمع الناس من البكاء فمر عمر فليصل للناس ففعلت حفصة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مه انكن لانتن صواحب يوسف مروا ابابكر فليصل للناس ففعلت حفصة لعائشة ما كنت لاصيب منك خيراً

ترجمہ: حضرت عائشہ ام المؤمنینؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے (اخیر) مرض میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے آپ سے کہا کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کے سبب سے لوگوں کو (اپنی قراءۃ) نہ سنا سکیں گے۔ لہذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر آپ نے فرمایا، کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم آپ سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، تو رونے کے سبب سے لوگوں کو (اپنی قراءۃ) نہ سنا سکیں گے، لہذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حفصہؓ نے (ایسا ہی کیا) اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔۔۔ چپ رہو! تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کی (اغوا) کرنے والی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی) ہو ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ میں نے کبھی تم سے کوئی (بھی) بھلائی نہ پائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اگر نماز میں رونا کسی تکلیف، درد وغیرہ کے سبب ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر جنت و دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو وہ مطلوب ہے، اس سے فاسد نہ ہوگی کہ وہ حضور علیہ السلام سے بھی ثابت ہوا ہے۔

اس باب میں امام بخاریؒ نے ترجمہ کے مطابق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، کیونکہ ان کی شرط کے موافق نہ ہوگی، لہذا حضرت عمرؓ کے اثر پر

اکتفا کیا ہے۔

یہ توجیہ اس لئے ہے کہ حدیث الباب میں امام حضور علیہ السلام تھے اور ان کے رونے کا کچھ ذکر نہیں ہے مگر علامہ عینی نے یہ دقیق بات نکالی کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل تک حضرت ابوبکرؓ ہی امام تھے اور ان کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا بارہا کا مشاہدہ تھا کہ وہ نماز میں تلاوت کے وقت ضرور رو دیا کرتے تھے لہذا امام کا نماز میں رونا ثابت ہوا، گو یہاں اس خاص واقعہ میں اس کے وقوع کا ذکر نہیں ہوا۔ علامہ عینی نے لکھا کہ اس کے بغیر ترجمہ الباب سے حدیث کی مطابقت نہیں ہو سکتی (عمدہ ۲/۷۸۷) حافظ نے فتح الباری میں مطابقت ترجمہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تراجم الابواب میں اور حضرت شیخ الحدیث نے الابواب والتراجم میں بھی کچھ نہیں لکھا۔

## باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها

(اقامت کے وقت یا اس کے بعد صفوں کے برابر کرنے کا بیان)

۶۷۹: حدثنا ابو الوليد هشام بن عبد الملك قال ناشبة قال حدثني عمرو بن مرة قال سمعت سالم بن

ابى الجعد قال سمعت النعمان بن بشير يقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتسون صفوفکم

اولیخالفن اللہ بین وجوهکم

۶۸۰: حدثنا ابو معمر قال ناعبد الوارث عن عبد العزيز بن صهيب عن الس ان النبی صلی اللہ علیہ

وسلم قال اقيموا الصفوف فانی اراکم خلف ظہری

ترجمہ ۶۷۹: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں، کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، کہ اپنی صفوں کو برابر کر لیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا

ترجمہ ۶۸۰: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ صفوں کو درست کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: صف کو سیدھا کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے کہ بغیر اس کے نماز میں کراہت تحریمی آئے گی اور یہ کام اقامت کے وقت بھی کر سکتے ہیں اور تحریرہ سے قبل اقامت کے بعد بھی، جیسی ضرورت ہو، اگرچہ جائز تحریرہ کے بعد بھی ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک تسویہ وصف سنت ہے، کیونکہ ان کے یہاں واجب کا درجہ نہیں ہے، ابن حزمؒ ظاہری نے اس کو فرض قرار دیا ہے کہ بغیر اس کے نماز جماعت درست نہ ہوگی۔

پھر یہ کہ اگر تسویہ صف کا نہ ہوا تو کیا جماعت کا ثواب ختم ہو جائے گا۔ علامہ سیوطی شافعیؒ نے شافعیہ سے دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ جماعت کا ثواب ملے گا۔ مگر نقصان کے ساتھ، دوسرے یہ کہ بالکل نہ ملے گا۔ ہمارے یہاں بھی مکروہ روزے کے بارے میں ایسی تفصیل موجود ہے۔ میرے نزدیک یوم نحر و فطر میں تو ثواب بالکل نہ ملے گا کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا جماعاً حرام ہے، باقی ایام تشریق میں ثواب کم ہوگا۔ اس لئے نماز میں میری رائے ہے کہ اس میں بھی جماعت کا ثواب تو ملے گا مگر صف سیدھی نہ کرنے والوں کے لئے بقدر کراہت کم ہو جائے گا۔ اور جو لوگ صف کو سیدھا کریں گے ان کا کم نہ ہوگا۔

صف سیدھی نہ کرنے کے ظاہری عمل خلاف کا اثر باطن پر یہ پڑے گا کہ ان لوگوں میں باہمی اختلافات رونما ہوں گے اور مودت و محبت نہ رہے گی حدیث میں اسی سے ڈرایا گیا ہے۔

قولہ فانی اراکم پر فرمایا کہ مطلوب یہ ہے کہ تم اگر خدا سے شرم نہیں کرتے تو کم سے کم مجھ سے ہی کرو کہ میں تم جس طرح آگے سے دیکھتا ہوں، پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، امام احمد و جمہور علماء نے کہا کہ ایسا عقلاً ممتنع نہیں ہے، اور وحی سے ثابت ہوا اس لئے اس پر یقین کرنا

چاہئے اور یہ بطور خرق عادت حضور علیہ السلام کا مجزہ تھا۔ (عمدہ ص ۸۹/۲)

قولہ حدیثی عمرو بن مرہ پر فرمایا کہ یہ راوی بخاری بھی کوئی ہیں اور ان کا مذہب ترک رفع یدین ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں یہی ترک تھا، مگر امام بخاری بھی کوفہ میں پہنچے ہیں لیکن کوئی حدیث ترک کی نہیں لائے۔ فالجحب کل العجب۔ ان ہی عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ کوفہ میں حضرمیوں کی مسجد میں گیا اور وہاں وائل بن حجر کی حدیث رفع یدین سنی تو آکر حضرت ابراہیم نخعی سے بیان کی، وہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا افسوس! کیا انھوں نے دیکھا اور حضرت ابن مسعود نے نہ دیکھا اور نہ ان کے اصحاب نے دیکھا (حاشیہ مولانا عبدالحی علی الموطا ص ۹۳) اور اسی حاشیہ میں ہے کہ مغیرہ نے بھی ابراہیم نخعی سے وائل کی حدیث کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اگر وائل نے ایک دفعہ دیکھا تو ابن مسعود نے پچاس مرتبہ حضور علیہ السلام کو نہ کرتے دیکھا ہے، اور ایک روایت ہے کہ کی وائل نے ہی دیکھا اور باقی صحابہ نے نہ دیکھا؟  
فتح الملہم ص ۲/۱۵ میں اس طرح نقل ہے کہ ابراہیم نخعی نے حدیث وائل بن حجر کو اوپر سمجھ اور کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ وائل ابن حجر حضرت علی و عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ علم والے تھے؟

شرح کتاب الآثار امام محمد ص ۱/۱۹۵ میں حضرت علامہ مولانا مفتی مہدی حسنؒ نے یہ نقل کیا کہ جب عمرو نے وائل کی حدیث سنائی تو ابراہیم نے فرمایا: میری سمجھ میں نہیں آیا شاید وائل نے ایک ہی دن حضور علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا تھا جس کو یاد رکھ کر یہ روایت کی اور اس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب نے یاد نہ رکھا، میں نے تو ان میں سے کسی سے بھی یہ بات نہیں سنی اور نہ کسی کو دیکھا کہ وہ نماز میں علاوہ جکیر تحریمہ کے دوسری کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے ہوں۔ چونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حضور علیہ السلام کے ساتھ سفر و حضر میں رہتے تھے اور آپ کے خصوصی خادم رہے ہیں، اس لئے ابراہیم نخعی نے اس طرح تعجب کا اظہار کیا ہے۔  
افسوس ہے کہ فیض الباری ص ۲/۲۳۵ میں صحیح اور پوری بات مع حوالہ کے نہ آسکی۔ اسی لئے ہم صحیح و تفصیل کر دی ہے۔

## باب اقبال الامام علی الناس عند تسوية الصفوف

(صفوں کو برابر کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا بیان)

۶۸۱: حدثنا احمد بن ابي رجاء قال نامعوية بن عمرو قال ناز أئدة ابن قدامة قال ناحميد بن الطويل قال

ناانس بن مالك قال اقيمت المصلوة فاقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوجهه فقال اقيموا

صفوفكم وترأوا فاني اراكم من وراء ظهري

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی تو رسول خدا ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کہ تم لوگ اپنی صفوں کو درست کرلو، اور مل کے کھڑے ہو، اس لئے کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتے ہوں۔

تشریح: حدیث الباب میں تو خود حضور علیہ السلام کا متوجہ ہونا مذکور ہے، اور ابوداؤد میں یہ ہے کہ حضور دوسروں کو تسویہ صفوف کا حکم کرتے تھے، اور خود حراب کے قریب ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑے رہتے تھے، جب دیکھتے کہ صفیں برابر ہو گئیں تو نماز کی تکبیر کہتے تھے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ ابوداؤد میں ہے کہ نمازیوں کی صفیں آسمانوں کے فرشتوں کی صفوں کے مقابل ہوتی ہیں۔ اسی لئے سیدھی صف کرنے کا اہتمام زیادہ کر دیا گیا اور اچھی طرح مل کر کھڑے ہونے کا بھی حکم ہوتا کہ مشابہت پوری ہو جائے۔ دوسرے کہ یہ اداء عبادت کا یہی طریقہ صف بندی کرنے کا سب سے زیادہ کامل بھی ہے، اسی لئے یہ امتیاز امت مرحومہ کے حصہ میں آیا، بنی اسرائیل کی عبادت میں حلقہ کا طریقہ تھا، صف بندی نہ تھی۔ نیز فرمایا: حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آدمی مقرر تھا جو صفوں میں سے ”اعتدلوا، استواء“ کہتا ہوا گدڑا تھا پھر نماز شروع ہوتی تھی۔

## باب الصف الاول (پہلی صف کا بیان)

۶۸۲: حدثنا ابو عاصم عن مالک عن سمي عن ابي صالح عن ابي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم الشهاداء الغرق والمطون والمهدم وقال لو يعلمون ما في التهجير لاستبقوا اليه ولو يعلمون ما في العنمة والصبح لأتوهما ولو حيوأ ولو يعلمون ما في الصف المقدم لاستهوا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہداء (یہ لوگ ہیں) جو ڈوب کے مرے اور جو پیٹ کے مرض میں مرے، اور جو طاعون میں مرے اور جو ڈوب کے مرے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ جان میں، کہ شروع وقت میں نماز پڑھنے میں کیا (فضیلت) ہے تو بے شک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر وہ جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (باجماعت) میں کیا ثواب ہے، تو یقیناً ان میں آخر شریک ہوں اگرچہ گھٹنوں کے بل (چلتا پڑے) اور اگر وہ جان لیں کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے، تو بے شبہ (اس کے لئے) قرعہ اندازی کریں۔ تشریح اور بحث: صف اول کی فضیلت میں ابوالشیخ ابو حیان سے نقل ہوا کہ وہ بہ نسبت دوسری صفوں کے شیطانی اثرات سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صف اول شمال سے جنوب تک کی پوری لمبی صف ہے وہ نہیں جس میں امام کے ساتھ اس کے مقصورہ میں چند لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، اگرچہ یہ بھی بعض کا قول ہے، اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ مسجد میں پہلے داخل ہو گئے وہ سب صف اول والے ہیں خواہ کہیں بھی کھڑے ہوں۔

راوی حدیث الباب ابو عاصم الضحیٰ ک النخعی کے بارے میں حضرت نے فرمایا کہ یہ امام زفر کے قلیڈ میں اور ان کے ساتھ آخر عمر تک رہے ہیں۔ نبیل معزز و شریف کو کہتے ہیں اور یہ لقب ان کو امام زفر کی باندی نے دیا تھا، جب دروازے پر جا کر دستک دیتے تو امام زفر کے پوچھنے پر کہ کون ہے باندی جا کر دیکھتی اور آکر کہتی کہ وہی نبیل ہیں۔ اس کے بعد ان کا یہ لقب ہی پڑ گیا۔

ہم نے مقدمہ انوار ابوریٰ ص ۸۰/۱ میں بھی ان کا تذکرہ کھا ہے کہ وہ امام عظیمؒ کے بھی شاگرد ہیں اور علامہ ذہبیؒ نے ان کو الحافظ (یعنی حافظ حدیث) اور شیخ الاسلام کے القاب سے ذکر کیا ہے۔ یہ امام بخاری کے حدیث میں استاذ ہیں جن سے یہاں روایت کی ہے امام زفر اور امام عظیمؒ کے ایسے تلامذہ خصوصی سے کیا یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ”الایمان قول و عمل“ کے قائل ہوں گے؟ جب کہ امام بخاری نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی، جس کا عقیدہ ”الایمان قول و عمل“ کا نہیں تھا۔ شاید امام بخاریؒ نے ان کو اس بارے میں کچھ نرم پایا ہو، مگر یہ بات تو سب نے تسلیم کر لی ہے کہ امام بخاریؒ کے اس دعوے کا تعلق صرف بلا واسطہ شیوخ سے ہے، کیونکہ اوپر کے شیوخ میں تو یہ دعوے عام طور سے درست نہ ہو سکا۔ ہمارے قریبی دور کے اہل حدیث علم مولانا عبدالسلام مہارکپوریؒ نے ”سیرۃ البخاری“ ص ۱۶۳ ۱۶۴ میں لکھا۔

”ہم یہ مانتے ہیں کہ امام بخاری کو ”الایمان قول و عمل“ میں خاص قسم کا کد اور تشدد تھا، جس کی شہادت بخاری کی کتاب الایمان سے بھی قی ہے، اور امام بخاری کا یہ قول مقدمہ فتح الباری میں نقل ہوا ہے کہ میں نے ہزار سے زائد شیوخ سے حدیث لی لیکن ایسے شیوخ کے پاس نہیں گیا جو ”الایمان قول و عمل“ کے قائل نہ تھے لیکن یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اس قول سے امام بخاری کا تشدد ان کے اپنے شیوخ تک محدود معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اوپر کے شیوخ میں اس قسم کی پابندی نہیں اسی وجہ سے شیوخ الشیوخ کیا اور بھی اوپر کے شیوخ ان کے سلسلہ روایت میں ایسے مل سکتے ہیں جن کا قول ”الایمان قول و عمل“ نہ تھا لہذا یہ توجیہ امام بخاری کے بلا واسطہ شیوخ میں چل سکتی ہے اوپر کے سلسلہ میں یہ توجیہ بالکل غلط ہو جاتی ہے“ غرض یہ سب کلام معلوم ہے کہ امام بخاری نے باوجود دعوائے مذکور کے ایسے رواقہ سے احادیث روایت کی ہیں جن کی نسبت ”مرجئی“

کہا گیا ہے، اور جو اعمال کو جزو ایمان نہیں جانتے تھے، جبکہ امام بخاری نے سب سے بڑا الزام امام اعظمؒ پر ”مرجی“ ہونے کا لگایا بھی ہے، پھر ایک امام عاصم النبیل موصوف الصدیر راوی حدیث الباب ہی پر کیا منحصر ہے محدث اعظمؒ کی بنیاد پر امام بخاریؒ کے بلا واسطہ استاذ تھے، جن سے امام بخاریؒ کو صحیح میں ۱۱۱ احادیث روایت کرنے کا بڑا فخر حاصل ہو سکا ہے۔

یہی بنی بن ابراہیم نہ صرف امام اعظمؒ کے تلمیذ بلکہ بڑے مداحین میں سے تھے، امام صاحب کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم کہا کرتے تھے جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، مسعر اور عبد اللہ بن مبارک وغیرہ صد با محدثین کہا کرتے تھے۔

اسی طرح عبد اللہ بن ادریس، شعیب دمشقی، یحییٰ بن مسرور، وکیع، قاسم بن معن، یزید بن رزین، زبیر بن معاویہ وغیرہ اور سب سے زیادہ نمایاں شیخ الحدیث عبد اللہ بن مبارک جن کو امام بخاریؒ نے بھی اعظم اہل زمانہ کہا، یہ سب بھی بلا واسطہ امام بخاریؒ کے استاذ حدیث اور امام اعظمؒ کے تلمیذ حدیث تھے، یقیناً یہ سب بھی ”الایمان قول و عمل“ کے قائل نہ ہوں گے، پھر اس تاویل بعید سے کیا فائدہ ہوگا کہ امام بخاریؒ نے بلا واسطہ ایسے عقیدہ کے لوگوں سے حدیث کی روایت نہیں کی، اور بالواسطہ والوں سے لی ہے۔ اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے، سلسلہ روایت کی کسی کڑی کا راوی بھی غلط عقیدہ کا ہوگا تو وہ ساری ہی روایت گر جائے گی۔

درحقیقت اس بارے میں بھی ہماری حضرت شاہ صاحبؒ کا ہی فیصلہ زیادہ صحیح ہے کہ امام بخاریؒ نے نہ معلوم کس مصلحت اور جذبہ کے تحت سارا تشدد اور زور صرف کتاب الایمان میں لگایا اور وہاں وہ کسی طرح بھی نرم نہیں ہوئے کہ اعتدال کی صورت بن جاتی، لیکن ۲۷ دین پارہ میں جا کر ص ۱۰۰۲ ”باب ما یسکوه من لیس شاب الخمور“ قائم کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبار معاصی مشرب خمر وغیرہ کی وجہ سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا کتاب الایمان میں اس کو نہیں لائے تھے،

امام بخاریؒ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ پر سو جان سے قربان ہیں اور ایسے ہی عبد الرحمن بن مہدی اور اتحق بن راہویہ وغیرہ مگر امام صاحب کی سوجھ بوجھ میں سے ایک بھی ان میں سے کسی کے دس میں جگہ نہ پاسکی، اس کے برخلاف عبد الرحمن بن مہدی، حمیدی، نعیم خزاعی جیسے معاندین امام اعظمؒ کی ایک بات کا اثر قبول کر لیا تھا۔ اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاریؒ میں تو کچھ رعایت بھی کی ہے اپنی دوسری تالیفات (رسالہ رفع یدین و رسالہ قراءۃ خلف الامام وغیرہ) میں تو غیر موزوں کلمات استعمال کئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

## باب اقامة الصف من تمام الصلوة

(صف کا درست کرنا نماز کا پورا کرنا ہے)

۶۸۳: حدثنا عبد الله بن محمد قال ما عبد المراق قال اما عمر عن همام عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه فاذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلى جالساً فصلوا جالساً اجمعون واقموا الصف في الصلوة فان اقامة الصف من حسن الصلوة

۶۸۴: حدثنا ابو الوليد قال ناشبة عن قتادة عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال سعووا صفوفكم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلوة

ترجمہ ۶۸۳: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا امام اسی سے بنایا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہذا اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ رکوع کرے، تو تم لوگ بھی رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمده کہے تو تم لوگ ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم لوگ بھی سجدہ کرو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم لوگ بیٹھ کر پڑھو، اور نماز میں صف کو درست کرو اس لئے کہ صف کا درست کرنا نماز کی خوبی کا ایک جز ہے۔

ترجمہ ۶۸۴: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اپنی صفوں کو برابر کرو۔ کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز کے درست کرنے کا جز ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: امام بخاریؒ نے حدیث نبوی کے الفاظ ہی سے ترجمہ الباب بنایا ہے اور امام راغبؒ نے تمام و کمال میں فرق کیا ہے کہ تمام کا اطلاق اجزائے میں ہوتا ہے اور کمال کا اوصاف میں۔ اس فرق سے ابن حزم کا استدلال صحیح ہو سکتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اوصاف بھی بعض اوقات اپنی اہمیت کی وجہ سے اجزاء کا حکم لے لیتے ہیں اور یہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ صف نیز صلی کرنے والے کی نماز باطل نہیں قرار دی گئی۔ اسی لئے اس کو اعادہ کا حکم نہیں دیا، پھر یہ کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ نماز کے علاوہ کوئی چیز ہے اسی لئے صلوا اور اقیما الصلوٰۃ میں فرق کیا گیا ہے لہذا ابن حزم کا تسو یہ صف اور اقامۃ صلوٰۃ کو فرض قرار دینا صحیح نہ ہوا (انہوں نے کہا کہ نماز فرض ہے لہذا جو فرض کا جزو ہے وہ بھی فرض ہوا) اس کی پوری وضاحت بیضاوی وغیرہ نے کر دی ہے۔

### ابن حزم وشوکانی کا ذکر

حافظ نے لکھا کہ ابن حزم نے افراط کی کہ صف نیز صلی کرنے والے کی نماز کو باطل ٹھیرایا ہے۔ جبکہ بخاری کی حدیث الباب میں من حسن الصلوٰۃ کا لفظ ہے اور حسن شئی تمام سے زائد پر دلالت ہوتا ہے، بلکہ ابن دقیق العید نے کہا کہ عرف میں تمام شئی بھی حقیقت پر زائد ہوتا ہے۔ (فتح ص ۱۴۳/۲) علامہ قسطلانی نے کہا کہ (سب سے الگ ہو کر) ابن حزم نے وعید مذکور کی وجہ سے بھی بطلان کا حکم کیا، حالانکہ یہاں وعید تعلیظ و تشدید کے لئے ہے۔ (لامح ص ۹۷/۱)

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں سے بہت ضرر پہنچا ہے امت کو اور ان سے اغلاط فاحشہ ہوئی ہیں۔

### باب اثم من لم يتم الصفوف

(اس شخص کا گناہ جو صفیں پوری نہ کرے)

۶۸۵: حدثنا معاذ بن اسد قال انا الفضل بن موسى قال انا سعيد بن عبيد بن الطائي عن بشير بن يسار

الاصمعي عن انس بن مالك انه قدم المدينة نقيلاً له ما أنكرت منا منذ يوم عهدت رسول الله صلى الله

عليه وسلم قال ما أنكرت شيئاً إلا أنكم لا تقيمون الصفوف وقال عقبه بن عبيد عن بشير بن يسار قدم

علينا انس بن المدينة بهذا

ترجمہ ۶۸۵: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ میں آئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ نے ہم میں کون سی بات اس کے خلاف پائی، جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیکھی تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے بجز اس کے کوئی چیز خلاف نہیں پائی کہ تم صفیں درست نہیں کرتے ہو، اور عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے اس کو یوں روایت کیا، کہ ہم لوگوں کے پاس جب حضرت انسؓ مدینہ آئے ان تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامح ص ۹۷/۱ میں لکھا: "تسو یہ صف ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک نماز کی سنتوں میں سے ہے، اور شرط صحت صلوٰۃ نہیں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ امر تو وجوب کے لئے ہے، خصوصاً جبکہ ترک پر وعید بھی وارد ہو، تو جواب یہ ہے کہ وعید بطور تعلیظ و تشدید کے ہے، تاکیدیاً و تحریضاً علی فعلها قالہ الکرمانی، اور علامہ عینی نے اس پر تعقب کیا ہے اور کہا کہ امر مقرون بالموعید وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا یہ کہنا چاہئے کہ تسو یہ واجب تو ہے مگر واجبات صلوٰۃ سے نہیں ہے کہ اس کے ترک سے فساد صلوٰۃ کا حکم ہو، البتہ اس کے ترک سے گناہ لازم آئے گا، اس لئے حافظ نے بھی کہا کہ وجوب مانتے ہوئے بھی



میں غلطی ہوگئی ہے، اگر تالیف کے وقت ان کا مطالعہ کر لیا جاتا تو نہ غلطی ہوتی، اور نہ استدراک کی ضرورت پیش آتی۔ کما لا یخفی۔  
انوار الباری کا مقصد یہی ہے کہ اکابر امت اور حضرت شاہ صاحب کے افادات عالیہ منقح ہو کر سامنے آجائیں اور حضرت کے اہالی میں جو بکثرت اغلاط، قلت حفظ و ضبط یا عدم مراجعت اصول کے سبب سے حضرت یا دوسرے اکابر کی طرف منسوب ہوگئی ہیں ان کی تصحیح ہو جائے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

## باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف وقال

### النعمان بن بشیر رایت الرجل منایلزق کعبہ بکعب صاحبہ

(صف کے اندر شانہ کا شانہ سے اور قدم کا قدم سے ملنے کا بیان اور نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہر شخص ہم میں سے اپنا ٹخنہ اپنے پاس والے آدمی کے ٹخنے سے ملا دیتا ہے)

۶۸۶: حدثنا عمرو بن خالد قال نارهیر عن حمید عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

اقیموا صفوفکم فانی راکم من وراء ظہری وکان احدنا یلرق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اپنی صفوں کو درست کر لیا کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں، اور ہم میں سے ہر شخص اپنا شانہ اپنے پاس والے کے شانے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا تھا۔  
تشریح: یہ الزاق المنکب کا عنوان جو بخاری میں ہے، ترمذی وغیرہ میں نہیں ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ فقہائے اربعہ اور جہور کے یہاں الزاق سے مراد یہ ہے کہ درمیان میں فرج نہ ہو، اور اس کو صرف غیر مقلدوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے، اور وہ نماز جماعت میں اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اور اس طرح تکلف کر کے اپنے دونوں پیروں کے درمیان اتنا فاصلہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں کہ دوسرے قریبی نمازی کے قدموں سے مل جائیں، اس طرح وہ تکلف و تصنع کر کے اوضاع طبعیہ اور ہیئت و صورت منہ سمہ محمودہ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ جو نماز کے ظاہری حسن و حالت خشوع کے بھی خلاف ہوتا ہے، اس کو وہ لوگ تمسک بالسنہ کا نام دیتے ہیں، جبکہ اصحاب مذاہب اربعہ اور متقدمین کے یہاں اس طرح کا معمول نہیں تھا اور تعال سلف و توارث بہت بڑی حجت ہے۔ اور وہ الزاق کا مطلب صرف ٹخنوں اور مونڈھوں کی برابری اور قرب کو سمجھتے تھے تاکہ صف سیدھی ہو اور دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ نہ رہے۔

۲ یہ کہ خود نمازی اپنے دو قدموں کے درمیان کتنا فاصلہ کرے، یہ نمازی کے حالت پر ہے کہ وہ سہولت کے ساتھ بلا تصنع و تکلف کے اس طرح کھڑا ہو جس سے خشوع و تذلل ظاہر ہو، نسائی باب القف بین قدمیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں دونوں قدم مل کر کھڑا ہے، فرمایا اس نے سنت کو چھوڑ دیا، اگر یہ مراد وہ کہتا تو مجھے اچھا لگتا کہ دونوں پیروں میں کچھ فاصلہ کر کے آرام و اطمینان کے ساتھ کھڑا ہوتا، لہذا سنت یہ معلوم ہوئی کہ نہ دونوں پاؤں کو ملا کر کھڑا ہوا اور نہ بہت چوڑا کر کھڑا ہو۔

حافظ نے فتح الباری ص ۱۳۴/۲ میں لکھا کہ حدیث الباب میں الزاق سے مقصود تعدیل صف و سد الخلل کے لئے مبالغہ ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں ہے کہ صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو ایک سیدھ میں رکھو۔ درمیان میں جگہ نہ چھوڑو کہ شیطان در اندازی کریں 'عمدہ ص ۷۴/۱ (طبع استنبول) میں بھی یہی مضمون ہے۔ غرض دوسری سب احادیث میں چونکہ حکم نبوی صرف تعدیل صف اور سد الخلل ہی کا ہے اس لئے شارحین حدیث نے الزاق کو رادوی مبالغہ پر محمول کیا ہے، چونکہ خود حضور علیہ السلام نے الزاق کا حکم نہیں فرمایا، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے معتدل طریقہ نماز میں کھڑے ہونے کا متعین فرمایا جو مغفرد و مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے۔



فائدہ فہمیدہ: ہماری کتب فقہ حنفیہ کبیری و شامی وغیرہ میں دو قدموں کے درمیان فاصلہ چار انگشت کا لکھا ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے میں کوئی تکلف و تصنع نہ ہونے کی وجہ سے خشوع و دل جمعی حاصل ہوگی، اور بحر و شامی میں یہ بھی ہے کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو اس کو پر کرے خواہ پچھلی صف کے نمازی کے آگے سے گزرنا پڑے یا تنگی رقبہ کرنی پڑے کہ اس صورت میں دونوں کا جواز ہے۔ کیونکہ خود ان لوگوں نے ہی اگلی صف پوری نہ کر کے اس مرد و تنگی کا موقع دے کر اپنی نمازوں کا احترام ساقط کر دیا ہے۔ (معارف السنن للعلوی ص ۲۳۰۰)

افادۃ النور: اس موقع پر حضرتؒ نے فرمایا کہ محدثین ہر جگہ اسناد سے بحث کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کس نے کس سے اور تعامل کو بالکل نہیں دیکھتے، یہی بخاری کو پیش آیا کہ اہل کوفہ کا ترک رفع یدین تو اتر کو پہنچا مگر اسنادیں وافر نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ٹھیرا دیا۔ اس لئے جہاں اسناد میں نفع ہے، نقصان بھی ہے، جہاں تعامل وغیرہ موجود ہو اور اس سے فیصلہ ہو سکے تو وہاں اسناد بے ضرورت ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ کعب کو کعب سے ملانا اور وضع یدین علی الصدر ہر دو چیزیں بے اصل ہیں، کیونکہ تعامل سے رد ہیں، ۲۰ سال پہلے یہ حکم لگا چکا تھا کہ نماز میں وضع یدین علی الصدر بدعت ہے۔ اب کتب المسائل الابی داؤد میں بھی دیکھ کہ ابو داؤد نے امام احمد سے دریافت کیا کہ وضع الیدین علی الصدر کیا ہے؟ تو فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کتاب میں امام ابو داؤد نے جو امام احمدؒ سے مسائل فہمیدہ میں سوالات کئے ہیں وہ اور ان کے جوابات درج ہیں، اتنا لکھنے کے بعد خیال ہوا کہ اس موقع پر سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ کی بحث بھی دیکھ لی جائے، کیونکہ ہمارے زمانے کے غیر مقلدین کو جہاں پاؤں چوڑا کر۔۔۔ نماز میں کھڑے ہونے کے مسنون ہونے پر غیر معمولی کدواصرار ہے اور اس کو انھوں نے اپنا امتیاز و صف بنا لیا ہے، وہیں وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کو سب سے زیادہ صحیح و احق خیال کرتے ہیں، چنانچہ تحفۃ الاحوذی اور مرعۃ میں یہ مضمون پڑھا، اور ان کے بلند بانگ دعوے بھی پڑھے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کے دلائل ہی سب سے زیادہ قوی ہیں، مگر درق میں لمبی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو تحفہ ص ۲۱۳/۱ تا ص ۲۱۷/۱) حاکم نے امام ترمذی نے صرف اتنا لکھا تھا کہ اہل علم صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے حضرات و مراعاتہ ص ۵۵۶/۱ تا ص ۵۵۸/۱ میں سے بعض ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے اور بعض نیچے، ان دو مسلکوں کے علاوہ اور کوئی مذہب ہی نہ تھا لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ صدیاں گزرنے کے بعد ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگا جو تیسری شکل نکالے گا اور اپنے زعم میں اسی کو حق و احق ثابت کر کے رہے گا، پھر امام ترمذی نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ کوئی اہم، خلاف و اختلاف نہیں ہے، ہر صورت کی گنجائش سب کے نزدیک ہے۔

زیادہ بحث و تحقیق تو اپنے مقام پر آئے گی، ایک ضروری بات یہاں بھی عرض کرنی ہے، جو فائدہ سے خالی نہیں کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث صحیح ابن خزیمہ میں ہے، جس کے دوراوی ضعیف ہیں، اس لئے صاحب تحفہ و مرعۃ دونوں نے اس کو صحیح و قوی ثابت کرنے کی پوری سعی کی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ خدا کا شکر ہے اب مکہ معظمہ سے شائع ہو رہی ہے حیرت ہے کہ سعودی دور حکمت میں مکہ معظمہ سے شائع ہونے والی کتاب میں اس ضعیف حدیث کی نہ صرف صحت بلکہ حاشیہ میں قوت بھی بتلائی گئی ہے جبکہ امام احمدؒ اس کو بے اصل فرما چکے ہیں اور محدث ابن المنذر نے بھی کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ (انوار المحمود ص ۲۶۸/۱) اور علامہ محدث ابو الطیب مدنی نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ انداز بعد میں سے کسی نے بھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کو اختیار نہیں کیا ہے (معارف ص ۲۳۶/۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ دور متقدمین کے لحاظ سے اب ساری قدریں ہی بدل گئیں اور تحقیق کے زاویہ بھی منت نئے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں، ہر نیا مسلک اپنی برتری و احقیت ثابت کرنے کے لئے کسی بھی صحیح و قوی حدیث کو ضعیف و بے اصل اور بے اصل کو قوی پا کر کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، اسحق بن راہویہ اور ابوالفتح مروزی شافعی تحت السرہ ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں، امام شافعی فوق السرہ، تحت الصدر کے قائل ہیں، ابن ہبیرہ نے مشہور روایت امام احمدؒ سے بھی امام ابو حنیفہ کے موافق نقل کی ہے، اور دوسرے دلائل کے علاوہ حنفیہ کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ کے آثار بھی ہیں۔ اس میں یہ جھگڑا پڑ گیا کہ کسی قلمی نسخہ میں وہ تھے کسی میں نہیں۔ اس لئے اہل احدث

حضرات کو موقع ملا اور انھوں نے بعض حنفی علماء کے اقوال بھی پیش کر دیئے کہ انھوں نے بھی قلمی نسخہ میں نہیں پائے۔ اس سلسلے میں ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشد فرمایا کہ ابوالطیب ہندی نے شیخ عبدالقادر کے مکتبہ کے نسخہ میں اس کو موجود پایا اور علامہ قاسم بن قطاء بغاء نے بھی جو مسلم جلیل القدر حافظ حدیث ہیں بتلایا کہ یہ آثار مصنف کے قلمی نسخہ میں موجود ہیں، لہذا ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے (العرف ص ۱۶۳) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قلمی نسخوں میں حذف والحاق اور کاتوں و ناقلوں کی اغلاط و مسامحات بہ کثرت رہی ہیں اور اب خدا کا شکر ہے مصنف ابن ابی شیبہ صحیح قلمی نسخوں سے مقابلہ کے بعد پوری صحت کے ساتھ حیدر آباد سے شائع ہو رہی ہے اور اس میں ص ۳۹۰/۱ و ص ۳۹۱/۱ میں تین جگہ تحت السره کی تصریح موجود ہے جن میں ایک قول حضرت علیؑ کا بھی ہے جو بحکم مرفوع ہے۔

باب اذا قام الرجل عن يسار الامام وحوله الامام خلفه الى يمينه تمت صلواته

(اگر کوئی شخص امام کے بائیں طرف کھڑا ہو اور امام اس کو اپنے پیچھے سے اپنے دائیں طرف سے آئے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی)

٦٨٤: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَادَاوُدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ كَرِيبِ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ

قال صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فقممت عن يساره فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم يدي

وسلم براسي من ورآني فجعلني عن يميني فصلي ورقد فجاءه المؤذن فقام يصلي ولم يتوضأ

ترجمہ ۶۸: حضرت کریم (ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز (تہجد) پڑھی، تو میں (ناواقفیت کی وجہ سے) آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، رسول خدا ﷺ نے میرا سر میرے پیچھے سے پکڑ کر مجھے (اپنی) دائیں جانب کر لیا اور آپ نے نماز پڑھی اور سورہ پھر آپ کے پاس موذن آیا تو آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ص ۹۷ میں بھی کچھ فرق کے ساتھ آچکی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہاں امام و مقتدی کا اصل مقام بتلانا مقصود تھا اور تجویل کا مسئلہ ضمناً آیا تھا، یہاں یہی مقصود ہے، یا وہاں مقصود عملِ قلیل و کثیر کا بیان تھا، اور یہاں یہ کہ نماز پوری ہوگئی، اگرچہ کچھ حصہ نماز کا خلافِ ترتیب موضعِ مقتدی بھی ہوا، امام بخاریؒ تھوڑی تھوڑی باتوں کا خیال فرما کر تراجم و عنوانات بدل کر احادیث بکثرت لاتے ہیں۔

باب المرأة وحدها تكون صفاء

تنہا عورت (بھی) ایک صف (کی طرح) ہے

٦٨٨ : حدثنا عبد الله بن محمد قال ثنا سفيان عن اسحاق عن انس بن مالك قال صليت انا وبتييم لي

بيتنا خلف النبي صلى الله عليه وسلم وامي خلفنا ام سليم

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے، اور ایک یتیم بچے نے اپنے گھر میں رسول خدا ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، تو میری ماں ام سلیمؓ ہم سب کے پیچھے تھیں۔

تشریح: فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر نابالغ لڑکا ایک ہو تو وہ بالغوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہو، زیادہ ہوں تو بالغوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہوں ان کی صف میں کھڑے ہوں گے تو کراہت ہوگی، لیکن عورت کی جگہ خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ مردوں کی صف کے پیچھے ہی ہے اور اسی لئے ہمارے امام اعظمؒ نے کہا کہ عورت کا مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مفید صلوٰۃ ہے، کیونکہ اس کے لئے مردوں کے برابر کھڑے ہونے کی کوئی مشروع صورت نہیں ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسی چیزوں کا فیصلہ شریعت مطہرہ کا مزاج پہچاننے والے ہی کر سکتے ہیں، وہ مس لم یذق لم یدر خود امام بخاریؒ نے بھی آخر کتاب الاذان (ص ۱۲۰) میں باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال قائم کیا ہے اور یہاں سے

بھی معلوم ہوا کہ عورت کا مقام نماز جماعت میں کیا ہے، اسی سے ترتیب سمجھ کر حنفیہ نے اوپر کے مسائل نکالے ہیں۔  
یہ تحقیق غالباً حضرت تھانویؒ کے افادات میں نہیں دیکھی ہے۔ لہذا مزید تحقیق و توثیق کر دی جائے تو بہتر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ نزول رحمت بھی اسی ثواب والی ترتیب کے موافق ہو۔ یہ نہ ہو کہ وہ پہلے سارے داہنی طرف والوں کے لئے ہو اور پھر سب بائیں جانب والوں کے لئے۔ کیونکہ قرب امام والی فضیلت بظاہر اس میں بھی مرئی ہوگی۔  
غرض رحمت و ثواب ہر دو انعامات کی تقسیم مطابق وحی نبوی ہوئی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

## باب میمنۃ المسجد والامام

(مسجد اور امام کی داہنی جانب کی رعایت)

۶۸۹: حدثنا موسى قال نا ثابت بن يزيد نا عاصم عن الشعبي عن ابن عباس قال قمت ليلة اصرى عن

يسار النبي صلى الله عليه وسلم فاخذ بيدي او بعصدي حتى اقامتي عن يمينه وقال بيده من ورائي ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب نماز (تہجد) پڑھنے کے لئے میں نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرا ہاتھ یا میرا شانہ پکڑ کر مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے پیچھے سے اشارہ کیا:-  
تشریح: امام بخاریؒ نے مسجد کی داہنی جانب بھی امام کے اعتبار سے متعین کی ہے، یعنی دونوں کا میمنہ ایک قرار دیا، حضرتؒ نے فرمایا:- اس مسئلہ کی طرف فقہاء نے تعرض نہیں کیا کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی البتہ حدیث والوں کو اس کی ضرورت ہے، کیونکہ حدیث میں وارد ہوا رحمت خداوندی نماز کے وقت اولاً امام پر اترتی ہے، پھر ان لوگوں پر جو اس کے دائیں جانب نماز میں ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد بائیں جانب کے نمازیوں پر اترتی ہے۔ یہ تو نزول رحمت کی کیفیت ہوئی، اور ثواب کی زیادتی کو کسی کا انحصار امام کے قریب کے ساتھ دائیں بائیں کی رعایت سے ہوتا ہے، مثلاً سب سے زیادہ ثواب اقرب الی الامام ہونے کی وجہ سے امام کے پیچھے والے مقتدی کے لئے ہوگا۔ پھر اس کے لئے جو اس پیچھے والے کی دائیں جانب ہوگا، کیونکہ دوسرے نمبر پر وہ قریب بھی ہے اور دائیں جانب بھی، تیسرے نمبر پر ثواب اس کے لئے ہوگا جو پیچھے والے کی بائیں جانب ہوگا کیونکہ وہ بہ نسبت ۲ کے یمن والے کے اقرب الی الامام ہے۔ پھر چوتھے نمبر پر زیادہ ثواب داہنی جانب والے دوسرے مقتدی کے لئے اور پانچویں نمبر پر بائیں طرف کے دوسرے کے لئے۔ اور پھر اسی طرح دائیں بائیں والے مقتدیوں کو کم و بیش ہو کر طے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب اذا كان بين الامام وبين القوم حائط او سترة وقال الحسن

لاباس ان تصلے و بينک و بينہ نہرو قال ابو مجلز تا تم بالامام

وان كان بينهما طريق او جدار اذا سمع تكبير الامام

اگر امام اور لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا ستروہ ہو اور حسن بصری کا قول ہے کہ اگر تمہارے اور امام کے درمیان نہر حائل ہو تو بھی اقتدا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابو مجلز کہتے ہیں کہ امام کی اقتدا کر لے اگرچہ دونوں کے درمیان میں کوئی راستہ یا دیوار ہو بشرطیکہ امام کی تکبیر سن لے۔

۶۹۰: حدثنا محمد بن سلام قال نا عبدة عن يحيى بن سعيد نا الانصاري عن عمرة عن عائشة قالت

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلی من الليل في حجرته و جدار الحجرة قصير قرأى الناس شخص النبي صلى الله عليه وسلم فقام اناس يصلون بصلوته فاصبحوا فتحذثوا بذلك فقام الليلة الثانية

فقام معه اناس يصلون بصلوته صعدوا ذلك لبنين او ثلثا حتى ادا كان بعد ذلك جلس رسول الله صلى

الله عليه وسلم فلم يجرج فلما اصبح ذكر ذلك الناس فقال انى حشيت ان تكتب عليكم صلوة الليل

ترجمہ: حضرت عائشہ روایت کرتی کہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز شب اپنے حجرے میں پڑھا کرتے تھے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی تو لوگوں نے نبی کریم ﷺ کا جسم دیکھ لیا، اور کچھ لوگ آپ کی نماز کی اقتدا کرنے کھڑے ہو گئے، جب صبح ہوئی، تو انھوں نے اس کا چرچا کیا، پھر دوسری رات کو آپ کھڑے ہو گئے دو رات، یا تین رات لوگوں نے یہی کیا، یہاں تک کہ جب اس کے بعد رات ہوئی تو رسول خدا ﷺ بیٹھ رہے، اور نہیں نکلے، صبح کو لوگوں نے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا مجھے یہ خوف ہو گیا کہ (اس التزام میں وجہ سے کہیں) نماز شب تم پر فرض کر دی جائے۔

تشریح: امام بخاری حدیث اباب سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر امام و مقتدیوں کے درمیان دیوار یا راستہ حائل ہو تب بھی اقتدا درست رہے گی (یہی مالکیہ کا مذہب بھی ہے) اور اس کی تائید آثار وحدیث اباب سے پیش کی حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ مسجد ساری ایک مکان کے حکم میں ہے، اگر مسجد کے اندر ایسی صورت پیش آجائے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان دیواریں حائل ہوں تو ایک قول تو یہ ہے کہ منفذ شرط ہے کہ اس میں امام کے انتقالات کو دیکھ کر اقتدا کریں۔ دوسرا یہ ہے کہ منفذ شرط نہیں بلکہ صرف انتقادات امام کا علم ہو سکے اتنا کافی ہے مثلاً اس کی یا مگر کی آواز سن لیں، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور صحراء میں جماعت ہو تو امام یا اس سے ملحقہ صف سے جدا شدہ صفوف کا بعد تین صف کی مقدار سے کم ہو، اگر اتنا ہو یا زیادہ تو اقتداء درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر جدا صفوں کے درمیان عام راستہ یا نہر حائل ہو جس پر کشتیاں چلتی ہوں تو اس کو الگ مکان سمجھا جائے گا۔ اور اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ امام اوزاعی لیث اور اشہب کا بھی یہی قول ہے، اور اس کے لئے ان کا متقدم حضرت عمر کا اثر ہے کہ جب امام و مقتدی کے درمیان راستہ ہو یا نہریہ دیوار تو اقتداء نہ ہوگی (عمدہ ص ۹۸/۲)

قولہ وجداد الحجره قصیر، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ بعض شراحین نے اس کو مسجد نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے اور کہا کہ جدار سے مراد مختلف کی دیوار ہے جو یورپ کی دیوار تھی، ان کے پاس بھی روایتیں ہیں، (الگلہ باب میں ۲-۳ حدیث بعد بخاری میں بھی ہے) میرے نزدیک یہ بہت بڑا حجاز ہے کہ جدار سے مراد یورپ کی دیوار ہو، اور میری رائے یہ ہے کہ دو واقعے الگ الگ ہوئے ہیں۔

## باب صلوة الليل (نماز شب کا بیان)

۶۹۱: حدثنا ابراهيم بن المنذر قال نا ابن ابی فديك قال نا ابن ابی ذئب عن المقبري عن ابی سلمة

بن عبد الرحمن عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان له 'حصير يسطه' بالنهار و يحتجره

بالليل فتاب اليه ناس فصفوا و رآه

۶۹۲: حدثنا عبد الاعلى بن حماد قال نا وهيب قال نا موسى بن عقبة عن سالم ابی النصر عن بسر بن سعيد

عن زيد بن ثابت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتحد حجره قال حسبته انه قال من حصير في رمضان

فصلی فيها ليالى فصلی بصلوته ناس من اصحابه فلما علم بهم جعل يقعد فخرج اليهم فقال قد عرفت الی

رايت من صبحكم فصولا ايها الناس فی بیوتكم فان افضل الصلوة صلوة المرأة فی بيته الا المكتوبة وقال

عفان نا وهيب قال نا موسى قال سمعت ابا النصر عن بسر عن زيد عن النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ ۶۹۱: حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک چٹائی تھی، جس کو آپ دن میں بچھا لیتے تھے اور رات کو اسی کا پردہ ڈال لیتے تھے، تو کچھ لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور انھوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی۔

ترجمہ ۶۹۲: حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں رسول خدا ﷺ نے رمضان میں ایک حجرہ بنایا تھا (سعید کہتے ہیں مجھے خیال آتا ہے کہ زید بن ثابتؓ نے یہ کہا تھا کہ وہ چٹائی کا تھا) اور اس میں چند شب آپؐ نے نماز پڑھی اس کا عم آپؐ کے اصحاب کو ہو گیا اس لئے انھوں نے، آپؐ کی نماز کی اقتدا کی، مگر جب آپؐ کو ان کا عم ہوا، تو آپؐ بیٹھ رہے، پھر (صبح کو) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارا فضل دیکھا، اسے سمجھیں (یعنی تم کو عبادت کا شوق ہے) تو اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نمازوں میں افضل نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں پر امام بخاری کا اس باب کو درمیان میں لے آنا عجیب سا ہے کیونکہ ابھی تو صلوٰۃ کے ابواب آئے بھی نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بخاری کا انجام ہے، گذشتہ باب میں چونکہ صلوٰۃ اللیل کا ذکر آ گیا تھا، اس لئے یہاں کا مستقل ترجمہ ہی قبل از وقت رکھ دیا کہ ان کی عادت ہے اس طرح صحنی تراجم و ابواب لانے کی۔ اور ممکن ہے گذشتہ باب کی حدیث کے قصہ کی تعیین مقصود ہو کہ یہاں حضور علیہ السلام کے لئے حصر ہونے کا ذکر ہے، اور شاید بعض شارحین نے اسی سے سمجھا ہو کہ اس واقعہ میں آپؐ کا حجرہ حصر (بورے) کا تھا۔  
قوله فان افضل صلوٰۃ المرء فی بيته۔ فرمایا: شریعت نوافل کو مساجد میں اور فرائض کو گھروں میں پسند نہیں کرتی۔ امام طحاوی کا مختار یہ ہے کہ ایک شخص اگر حافظ ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تراویح گھر پر پڑھے، ورنہ مسجد میں، حضور علیہ السلام عام طور سے سنتیں بھی گھر پر پڑھتے تھے اور صبح کی سنتیں تو مسجد میں ثابت ہی نہیں، حافظ زین عراقی (شیخ ابن حجر) اور حافظ عینی نے ایک روایت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر اور مسجد کے ثواب میں وہی نسبت ہے جو جماعت اور تنہا نماز کے ثواب میں ہے، اس حدیث کی اسناد جید ہے۔ علامہ عینی نے کچھ اور احادیث بھی یہاں ذکر کی ہیں، جو بہ نظر افادہ لکھی جاتی ہیں:-

فصل صلوٰۃ الرجل فی بيته علی صلوٰۃ حیث یرواہ الناس کفضل المكتوبة علی النافلة (مجموعہ کبیر طبرانی) عمدہ ص ۸۰۳/۲

صلوٰۃ المرء فی بيته افضل من صلوٰۃ فی مسجدی هذا الا المكتوبة و اسنادھا صحیح (ابو داؤد)  
فعلى هذا الوصلی نافلة فی مسجد المدينة کانت بالف صلوٰۃ علی القول بدخول النوافل فی عموم الحديث و اذا صلاھا فی بيته کانت افضل من الف صلوٰۃ. وهكذا حکم مسجد مکة و بیت المقدس الخ (عمدہ ص ۸۰۳/۲)  
آخر میں علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث ابن عمرؓ صلوا فی بیوتکم کے سلسلہ میں جمہور کی رائے قاضی عیاض نے یہ نقل کی ہے کہ نفل نماز میں اخفاء محبوب ہے، پھر بعض کی رائے فرضوں کے لئے بھی یہی نقل کی کہ بعض فرائض بھی گھروں میں ادا کئے جائیں تاکہ جو گھر سے باہر نہیں نکلتے ان کے لئے نماز کی ترغیب ہو، جیسے عورتیں، غلام مریض وغیرہ۔

علامہ نووی کی رائے یہی ہے کہ حدیث ابن عمرؓ میں مراد صرف نوافل ہیں۔ فرائض نہیں۔ گھر میں نوافل کا فائدہ علاوہ اخفاء کے یہ بھی ہے کہ اس میں ریاسہ دور رہی ہے اور نماز کا ثواب کم کرنے والی بہت سی چیزوں سے حفاظت ہوگی، گھر میں برکت و رحمت اور فرشتوں کا نزول ہوگا اور شیطان اس گھر سے مایوس و نفور ہوگا۔ (عمدہ ص ۸۰۳/۲)

## باب ایجاب التکبیر والافتتاح الصلوة

(تکبیر تحریر کے واجب ہونے اور نماز شروع کرنے کا بیان)

۶۹۳: حدثنا ابو الیمان قال انا شعيب عن الزهري قال اخبرني انس بن مالك ن الانصاري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ركب فرساً فحشش شقه الايمن وقال انس فصلى لنا يومئذ صلوة من الصلوة وهو قاعد فصلينا وراءه قعوداً ثم قال لما سلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا صلى قائماً فصلوا قياماً واذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا سجد فاسجدوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد ۶۹۴: حدثنا قتيبة بن سعيد قال نا الليث عن ابن شهاب عن انس بن مالك انه قال خر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فرس فحشش فصلى لنا قاعداً فصلينا معه قعوداً ثم انصرت فقال انما الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا

۶۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب قال حدثني ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلی جالساً اجلسوا اجمعون

ترجمہ ۶۹۳: حضرت انس بن مالک انصاریؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے (اور گر پڑے) تو آپ کی باتیں جانب کچھ زخمی ہو گئی، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دن آپ نے کوئی سی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی۔ تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ امام اسی سے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہذا جب وہ کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھو، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمده کہے، تو تم ربنا ولك الحمد کہو۔

ترجمہ ۶۹۴: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو (کچھ بدن آپ کا) چھل گیا، اس وجہ سے آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی تو ہم نے بھی آپ کے ہمراہ بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس اقتدا کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمده کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہو۔ اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو۔

ترجمہ ۶۹۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ امام اسی سے بنایا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمده کہے، تو تم ربنا ولك الحمد کہو، اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔

تشریح: محقق عینیؒ نے فرمایا: امام بخاریؒ احکام جماعت و اوقات و تسبیح و صوف کی ۱۲۲ احادیث اور ۱۷ آثار صحیحہ و تابعین کا ذکر کرنے کے بعد اب نماز کی صفت و کیفیت مع جمیع تعلقات کا بیان یہاں سے شروع کر رہے ہیں۔

یہ پہلا باب تکبیر تحریر کا ہے۔ جس کے ساتھ نماز شروع ہو گئی ہے۔ اس تکبیر تحریر کو امام ابو حنیفہؒ نے شرط صحت صلوٰۃ قرار دیا ہے، امام مالک،

شافعی و احمدؑ اس کو رکن صلوٰۃ مانتے ہیں، بعض حضرات اس طرف بھی گئے ہیں کہ نماز محض نیت کرنے سے اور بغیر تکبیر تحریمہ کے بھی صحیح ہو جاتی ہے۔  
دوسرا اختلاف اس بارے میں یہ ہے کہ کیا تکبیر تحریمہ کا اطلاق صرف ”اللہ اکبر“ پر ہوگا جو امام ابو یوسف، امام مالک، شافعی و احمدؑ فرماتے ہیں۔ یا اس کی جگہ تسبیح، تہلیل وغیرہ کلمات تعظیم بھی کافی ہیں، امام ابو حنیفہ و امام محمدؑ کے نزدیک ہر کلمہ تعظیم کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی، ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں سے کہ حضور علیہ السلام نماز کو تکبیر کے ساتھ شروع کرتے تھے، اور ایک حدیث میں اللہ اکبر کہنے کا بھی ذکر ہے، علامہ یعنی نے فرمایا کہ تکبیر تو بمعنی تعظیم ہے، جیسے آیت فلما رايه اكبروه اور وربك فكبر وغیرہ میں ہے، لہذا جس کلمہ سے حق تعالیٰ کی تعظیم ہوگی، اس سے نماز شروع کر سکتے ہیں، صرف اللہ اکبر کے ساتھ تخصیص کیوں کی جائے، پھر نص قرآنی بھی ہے و ذکر اسم ربہ فصلی، اس سے بھی معلوم ہوا کہ خدا کے کسی نام سے بھی نماز شروع کر سکتے ہیں لہذا الرحمن اعظم بھی اللہ اکبر کی طرح جائز ہوتا چاہیے۔ دوسری آیت میں ہے واللہ الاسماء الحسنی فادعوه بها اور حدیث میں ہے، امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، یا لا الہ الا الرحمن وغیرہ سے ایمان ثابت ہو جائے جو اسد م کی اصل ہے تو ان سب سے فروغ السلام نماز وغیرہ کیوں صحیح نہ ہوں گی۔ اور سنن ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ابوالعالیہ سے سوال کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کس چیز کے ساتھ نماز کو شروع کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ توحید سے اور تسبیح و تہلیل سے، علامہ شععی و نغنی نے فرمایا کہ خدا کے جس نام سے بھی نماز شروع کی جائے صحیح ہو جائے گی۔ (عمدہ ص ۳۲)

غرض دوسرے ائمہ کا استدلال اخبار آحاد سے ہے اور امام اعظمؒ کا استدلال نصوص قرآنی ہے، اسی طرح آیت وربك فكبر سے بھی مطلق تعظیم ہی نکلتی ہے، اس سلسلہ میں جو دوسرے امور ضمننا بحث طلب ہیں وہ معارف السنن ص ۵۴/۱ تا ص ۷۴/۱ میں قابل مطالعہ ہیں۔  
امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وجوب تکبیر کا ذکر کیا ہے، اس تکبیر کو بھی بمعنی لغوی تعظیم لے سکتے ہیں، تو حنفیہ کے خلاف نہ ہوگا۔ پھر پہلی حدیث الباب میں تو تکبیر کا بھی ذکر نہیں ہے، تاویل سے ہی مطابقت ترجمہ ہوگی، دوسری و تیسری حدیث میں تکبیر کا حکم ہے، جس سے خاص اللہ اکبر کی فرضیت نہیں نکلے گی۔ البتہ ایجاب و فرضیت سے امام صاحب کے خلاف ہوگا کہ وہ فرض نہیں، شرط کے درجہ میں مانتے ہیں۔  
حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہاں بھی الفاظ حدیث اسماء جعل الامام لیؤتم بہ الخ سے اقتداء قائم خف القاعد کا مسند آئے گا۔ جو دوسری جگہ بھی آیا ہے اور اس مسئلہ میں خلافیہ اور جمہور حنفیہ کے ساتھ ہیں کہ مقتدی تندرست ہوں تو وہ معذور کے پیچھے (جو بیٹھ کر نماز پڑھائے گا) کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ اور ان کے لئے اس امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام احمد یہ کہتے ہیں کہ تندرست مقتدیوں کو بھی امام کے اتباع میں نماز بیٹھ کر پڑھنی ضروری و واجب ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قاعد امام کے پیچھے اقتداء جائز ہی نہیں نہ کھڑے ہو کر نہ بیٹھ کر۔

حضرتؒ نے درمیان کے حالات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ سب پہلے کے وقتی احکام تھے، اور مصالح چمپنی تھے، آخر میں مرض وفات میں جو آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور پیچھے مقتدی سب کھڑے تھے، یہی حضور علیہ السلام کا آخری فیصلہ ہے اور اسی کو امام بخاریؒ اور جمہور حنفیہ سب نے ناخ مان کر معمول بہ قرار دیا ہے پوری تفصیل فیض الباری ص ۲۴۳ تا ۲۵۱ میں دیکھی جائے۔

## باب رفع الیدین فی التکبیر الاولیٰ مع الافتتاح سوآء

(پہلی تکبیر میں نماز شروع کرنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان)

۶۹۶: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابن شهاب عن سالم ابن عبد الله عن ابيه ان رسول الله صلى

الله عليه وسلم كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوة واذا كبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع

ورفعهما كذلك ايضاً وقال سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد وكان لا يفعل ذلك في السجود

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ شانوں کے برابر اٹھاتے، اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا الحمد (دونوں) کہتے (لیکن) سجدے میں یہ (عمل) نہ کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہاں چار باب قائم کئے ہیں، اور ان کے تحت پانچ حدیثیں لائے ہیں، جن میں رفع یدین کا ذکر ہے، اور تین میں ہاتھوں کو پہلی تکبیر پر مؤنذ ہوں تک اٹھانے کا بھی ذکر ہے، پہلے باب میں یہ بھی ثابت کیا کہ تکبیر تحریمہ اور رفع یدین ایک ساتھ ہوں۔

یہاں اگرچہ امام بخاریؒ زیادہ قوت کے ساتھ رفع یدین کا مسئلہ پیش کرنا چاہتے ہیں، اور ضمناً دوسری باتیں بھی آگئی ہیں، اس لئے ہم پہلے ان ذیلی امور پر روشنی ڈالیں گے، اور آخر رفع یدین پر بحث لائیں گے۔ ان شاء اللہ

### تکبیر تحریمہ اور رفع یدین کا ساتھ

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں کی مقارنت اور ایک ساتھ ہونا ہی ہے، حنفیہ تکبیر تحریمہ کی تقدیم کے قائل ہیں اور محدث ابن تیمیہؒ نے ”مستی“ میں شیخین اور ابوداؤد وغیرہ کی طرف، یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ جب حضور علیہ اسلام نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو مؤنذ ہوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر تکبیر کہتے تھے، اس سے حنفیہ کی ہی تائید ہوتی ہے، اور روایات کے الفاظ مختلف آئے ہیں، یہاں جو حدیث الباب امام بخاریؒ لائے ہیں، وہ مقارنت وغیرہ سے سکت ہے، (او جز ۲/۱) تاہم حذو اور یعنی نے ظاہر حدیث الباب سے اس کو ثابت مان کر مطابقت تسلیم کر لی ہے۔ حذو یعنی نے حدیث مسلم کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں ”رفع یدیه ثم کبر“ وارد ہے وہ تقدیم رفع یدین کے لئے صریح ہے۔ جو حنفیہ کا مختار ہے۔

## باب رفع الیدین اذا کبروا اذار کع واذارفع

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب تکبیر تحریمہ کئے اور جب رکوع کرے اور جب رکوع سے سر اٹھائے

۶۹۷: حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبد الله بن المبارك قال اخبرنا يونس عن الزهري قال

اخبرني سالم بن عبد الله عن عبد الله بن عمر قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام في

الصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكر للركوع ويفعل ذلك اذارفع

راسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلك في السجود

۶۹۸: حدثنا اسحاق الواسطي قال حدثنا خالد بن عبد الله عن خالد عن ابي قلابه انه راى مالك بن

الحويرث اذا صلى كبر ورفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه واذارفع راسه من الركوع رفع يديه

وحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صنع هكذا



ترجمہ ۲۹: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں شانوں کے برابر تک اٹھاتے، اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے ہیں (اس وقت بھی) کرتے، اور یہی جب آپ (رکوع سے) اپنا سر اٹھاتے (اس وقت بھی) کرتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (لیکن) سجدہ میں آپ یہ (عمل) نہ کرتے تھے۔

ترجمہ ۶۹۸: حضرت ابو قلابہؓ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے، ملک بن حویرث کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرنا چاہتے، تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور مالک بن حویرثؓ نے یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ نے کھل کر ”رفع یدین“ کا باب باندھا ہے، جس کے اثبات اور حقیقت کے لئے یہاں سے بھی زیادہ الگ مستقل رسالہ تالیف کر کے پورا زور صرف کیا ہے، اور اس کا نہایت مکمل و مدلل جواب ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی مستقل تالیف میں دیا ہے۔ جس طرح امام بخاریؒ نے ”فاتحہ خف الامام“ کے مسئلہ پر بھی مستقل رسالہ تالیف کیا اور اس کا بھی نہایت محققانہ و مددگار جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔ حضرت کے دونوں رسائل ”نیل الفرقان فی مسئلہ رفع الیدین“ اور ”فصل الخطاب فی مسئلہ ام الكتاب“ علماء امت کے لئے نہایت گراں قدر علمی ذخیرہ ہیں۔

حضرتؒ نے امام بخاریؒ کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہر جزوی تحقیق و جواب دہی کی ہے، جو اساتذہ حدیث کے لئے لائق مطالعہ ہے۔ امام بخاریؒ نے اس باب کی پہلی حدیث میں یہ بھی روایت کی کہ حضور علیہ السلامؐ بخود کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے تھے، حالانکہ نسائیؒ میں مالک بن الحویرثؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلامؐ نے سجدہ کو جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے بھی رفع یدین کیا ہے۔ حافظ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور ابویعلیٰ نے حضرت انسؓ سے حدیث روایت کی کہ حضور علیہ السلامؐ رکوع و سجود دونوں میں رفع یدین کرتے تھے، محدث بیہقی نے کہا کہ اس کے رجال، رجال صحیح ہیں وغیرہ (اوجز ص ۲۰۳/۱)

امام بخاریؒ اگلے باب کی حدیث میں بھی یہی روایت کریں گے کہ حضور علیہ السلامؐ سجدہ سے پہلے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ گویا جس طرح امام شافعیؒ نے دو جگہ (رکوع سے قبل و بعد) کے رفع یدین کو مسموم بہ بتایا ہے، وہی رائے امام بخاریؒ کی بھی ہے، دونوں نے مذکورہ بالا دوسری احادیث صحیحہ پر عمل ترک کیا ہے البتہ یہ فرق ہے کہ امام بخاریؒ آگے ایک مستقل باب رکھتین سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرنے کا قائم کریں گے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے دو کے علاوہ اس تیسرے رفع کے بھی قائل ہیں۔ اور امام بخاریؒ کی یہ عادت تو پہلے سے معلوم ہے کہ وہ صرف اپنی رائے کے موافق حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس کے مخالف کو ذکر بھی نہیں کرتے۔ برخلاف دوسرے محدثین مسلم، ترمذی، ابو داؤد نسائی و مصنف ابن ابی شیبہ و مسند احمد وغیرہ وغیرہ کے کہ وہ سب حضرات اپنے مسلک کے موافق و مخالف ساری ہی احادیث صحیحہ ذکر فرماتے ہیں۔

اس باب کی حدیث الباب میں علاوہ رفع یدین کے یہ امر بھی مذکور ہے کہ حضور علیہ السلامؐ دونوں ہاتھ موٹھوں تک اٹھاتے تھے، پھر اگلا باب صرف اسی امر کے لئے قائم کریں گے کہ ہاتھ کہاں تک اوپر اٹھائے جائیں،

ہم یہاں اور اگلے باب میں بھی دوسرے فوائد ذکر کریں گے، اور اصل معرکہ آراء و بحث رفع یدین کو مفصل طور سے آخری باب کے تحت لائیں گے۔ ان شاء اللہ

## رفع یدین کی حکمتیں

اس بارے میں اکابر ملت کی مختلف آراء ہیں، جو درج ذیل ہیں

- (۱) ہاتھ اٹھانا، علاوہ خدا کے نئی کبریاء اور اس کے بعد تکبیر اشبات وحدۃ التعلیٰ کی طرف اشارہ ہے، اس کو حسب ہدایہ نے بھی اختیار کیا اور کہا کہ اسی لئے رفع یدین کو تکبیر پر مقدم کرنا چاہئے۔
- (۲) نماز شروع کرنے والے کو جب دوسرا دیکھے گا خواہ وہ بہرہ بھی ہو کہ تکبیر نہ سن سکے، یا دور ہو تو وہ بھی نماز شروع کر سکے گا۔
- (۳) دنیا کو چھوڑ کر بالکلیہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے کی علامت ہے۔
- (۴) پوری طرح حق تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے کا اشارہ ہے۔
- (۵) نماز کی مکمل عظمت کا اقرار کرتا ہے جس کو وہ اب شروع کرنے والا ہے۔
- (۶) اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عابد و معبود اور سجد و مسجود یا مولیٰ اور بندہ کے درمیانی حجابات نماز میں اٹھ جاتے ہیں۔
- (۷) سارے بدن کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔
- (۸) قیام اللہ تعالیٰ کی تکمیل اس سے ہوتی ہے، قالہ الزرقانی
- (۹) حق تعالیٰ کی غایۃ تعظیم کے ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔
- (۱۰) ابن رسلان نے کہا کہ کفار قریش اور دوسرے مشرک لوگ اپنی نمازوں میں بھی جو حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھتے تھے، اپنے بتوں کو بخلوں میں دبائے رکھتے تھے۔ اسلئے حکم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے وقت رفع یدین کیا جائے تاکہ وہ بت گر جائیں۔
- (۱۱) بعض صوفیہ نے یہ کہا کہ دنیا کو پس پشت پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔ (اوجز ص ۲۰۲)

## باب الی این یرفع یدیه وقال ابو حمید فی اصحابہ

### رفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حذو منکبہ

(تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھائے اور ابو حمید نے اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر یہ بیان

کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ شانوں کے مقابل تک اٹھاتے تھے)

۶۹۹: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني سالم بن عبد الله بن عمر ان عبد الله

بن عمر قال رايت النبي صلى الله عليه وسلم افتتح التكبير في الصلوة فرفع يديه حين يكبر حتى

يجعلهما حذو منكبیه واذ اکبر للركوع فعل مثله واذ اقال سمع الله لمن حمده فعل مثله وقال ربما

ولك الحمد ولا يفعل ذلك حين يسجد ولا حين يرفع راسه من السجود

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو تکبیر کہتے وقت آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، کہ ان کو اپنے دونوں شانوں کے برابر کر لیا اور جب آپ نے رکوع کے لئے تکبیر کہی، تب بھی اسی طرح

کیا، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا، تب بھی اسی طرح کیا اور دینا ولک الحمد (بھی) کہا اور یہ (بات) آپ مجدد کرتے وقت نہ کرتے تھے، اور نہ اس وقت جب مجدے سے اپنا سر اٹھاتے۔

تشریح: ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ امام بخاری نے مونڈھوں تک کی روایت پیش کی ہے اور یہی مذہب امام مالک وشافعی کا ہے، امام احمد سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں بھی مونڈھوں تک کے لئے کہتا ہوں، لیکن جو کانوں تک ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں، وہ بھی میرے نزدیک اچھا ہے۔ حنفیہ مسلم شریف کی حدیث مالک بن الحویرث کے مطابق عمل کرتے ہیں جس میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں۔ قالہ الزرقانی۔ اور مختصر عبد الرحمن میں احرام کے وقت رفع یدین کو بھی کانوں تک لکھا ہے، علامہ حاجی مالکی نے کہا کہ ہم ہاتھوں کی ہتھیلیاں مونڈھوں تک کے مقابل اور انگلیوں کے سروں کو کانوں کے مقابل کرنے کو اختیار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک حنفیہ کے موافق ہیں، ملا علی قاری نے یہ بھی نقل کیا کہ امام شافعی مصر گئے اور ان سے کیفیت رفع کا سوال ہوا تو فرمایا کہ اس طرح اٹھائے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں مونڈھوں کے مقابل ہو جائیں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپری حصوں کے سامنے ہو جائیں۔ اس طرح مکسین، اذنین اور فروغ الاذنین والی تینوں روایات جمع ہو جاتی ہیں اور مذہب کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ حنفیہ ہاتھ اوپر اٹھانے میں دوسروں سے کچھ زیادہ مبالغہ کے قائل ہیں اور ان کے یہاں مرد و عورت کے عمل میں فرق بھی ہے، کیونکہ عورت کے لئے وہ صرف سینہ اور صدر بین تک ہی ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ ابن رسلان نے کہا کہ یہ تفریق صرف حنفیہ کے یہاں ہے، مگر امام احمد سے بھی دو روایت ہیں ایک یہ کہ ہاتھوں کو تھوڑا اٹھائے، یعنی مردوں سے کم، دوسری روایت یہ ہے کہ عورت کے لئے ہاتھ اٹھانا شروع ہی نہیں ہے۔ علامہ سیوطی نے التوحید میں طبرانی سے وائل بن حجر کی حدیث پیش کی ہے کہ مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور عورت حدِ ثین تک۔ لہذا معاملہ شوکانی کا یہ کہنا کہ حنفیہ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بڑی غلطی ہے، جس سے ان کی قلت نظر معلوم مطالعہ ہوتی ہے۔ (وجز ۱/۲۰۲)

## باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے

۷۰۰: حدثنا عیاش بن الولید قال حدثنا عبد اللہ بن علی قال حدثنا عبد اللہ عن نافع ان ابن عمر کان اذا

دخل فی الصلوۃ کبر و رفع یدیه و اذا رکع رفع یدیه و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیه و اذا قام من

الرکعتین رفع یدیه و رفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کرتے (تب بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (تب بھی) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دونوں رکعت سے اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور اس بات کو ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

تشریح: ترجمہ و حدیث اباب سے امام بخاری نے ثابت کیا کہ دو رکعت پوری کر کے تشہد کے بعد جب کھڑا ہو تب بھی رفع یدین کرے، اور بتلایا کہ حضرت ابن عمرؓ نے نہ صرف اس کو خود کیا بلکہ اس امر کو حضور علیہ السلام کی طرف بھی مرفوع کیا کہ وہ بھی ایسا کیا کرتے تھے، حالانکہ امام بخاری نے اسی صفحہ پر حضرت ابن عمرؓ سے ہی تین حدیث اوپر روایت کی ہیں اور ایک روایت مالک، بن الحویرث کی بھی ذکر کی ہے اور چاروں میں سے کسی میں بھی دو رکعت سے کھڑے ہونے پر رفع یدین نہیں ہے۔ اور اسی لئے بعض محققین کو یہ تصریح کرنی پڑی کہ گو حدیث ابن عمر کی تخریج بخاری و مسلم دونوں میں کی گئی ہے، مگر وہ مواضع رفع کے بارے میں مضطرب ہے، اور شاید اسی وجہ سے امام مالکؒ نے اپنے

مشہور قول و مذہب میں اس کو معمول بہ نہیں بنایا اور اسی وجہ سے مدونہ میں امام، لک کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ ”میں تکبیرات صلوٰۃ میں سے اٹھتے بیٹھتے کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کو نہیں جانتا۔ بجز تکبیر احرام کے جو شروع نماز میں ہوتی ہے“ اور اسی لئے ابن القاسم کا یہ قول بھی نقل ہوا کہ ”بجز تکبیر احرام کے دوسری جگہوں کے لئے رفع یدین امام، لک کے نزدیک ضعیف تھا۔“ اور علامہ نووی نے تصریح کی کہ یہی امام، لک سے مروی روایات میں سے سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے، (اوزار ص ۲۰۳)

اس موقع پر موطا امام مالک کی روایت ابن عمر میں واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك پر اوجز میں جو اضطراب و اختلاف روایات نقل کیا گیا ہے کہ کسی روایت میں رفعہما دونوں ذکر ہے، کسی میں رفع عند الركوع نہیں ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ائمہ اربعہ تکبیر احرام کے وقت رفع یدین پر متفق ہیں، اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تین جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ پر رفع یدین مستحب نہیں ہے، یعنی امام شافعی و امام احمد بھی جو رکوع سے قبل و بعد رفع یدین کو ضروری خیال کرتے ہیں، وہ بھی نہ دو رکعت سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کو ضروری مانتے ہیں، نہ مابین السجدتین نہ ہر خفض و رفع کے وقت، حالانکہ ان کے لئے بھی صحیح روایات موجود ہیں۔ جیسے کہ دو رکعت سے اٹھنے پر یہاں امام بخاری ہی حدیث صحیح لائے ہیں۔ ممکن ہے یہ خود امام بخاری کا مسلک و مختار ہو اور ایک قول امام شافعی کا بھی اس کے استحباب کا نقل ہوا ہے۔

**تفصیل مذاہب:** بدایۃ المجتہد ص ۱۱۴/۱ میں ہے کہ اہل کوفہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور ان کے سارے فقہاء صرف تکبیر احرام کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں اور صاحب مدونہ ابن القاسم نے امام مالک کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ کیونکہ امام مالک نے بھی (حنفی کی طرح) حدیث عبداللہ بن مسعود و حدیث براء بن عازب کی وجہ سے اور موافقت عمل اہل مدینہ کے سبب سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام شافعی، امام احمد، ابو عبیدہ، ابو ثور، اور جمہور اہل حدیث و اہل الظاہر رفع یدین علاوہ تکبیر احرام کے رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی مانتے ہیں، اور ایک روایت امام مالک سے بھی ایسی ہے مگر اس قول میں بھی یہ فرق ہے کہ وہ لوگ اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، امام، لک صرف سنت مانتے ہیں، دوسرے بعض اہل الحدیث مجتہد کو جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابن رشد نے لکھا کہ اختلاف کا سبب اس بارے میں آثار مرویہ کا اختلاف ہے اور یہ بھی خود مدینہ طیبہ میں بعض آثار مرویہ کے خلاف عمل ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث مثلاً عبداللہ بن مسعود اور حدیث براء میں تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام صرف تحریمہ کے وقت ایک مرتبہ رفع یدین کرتے تھے، اس سے زیادہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف حدیث ابن عمر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام علاوہ تکبیر تحریمہ کے رکوع کی تکبیر کے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے تھے، یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے، اور ان لوگوں کا گمان ہے کہ اس کو ۱۳ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ تیسری حدیث وائل بن حجر کی ہے، جس میں روایت ابن عمر سے بھی یہ امر زائد ہے کہ مجتہد کے وقت بھی رفع کرتے تھے، پس بعض حضرات نے تو حدیث عبداللہ بن مسعود و حدیث براء کو ترجیح دے کر رفع یدین کو صرف تحریمہ کے لئے خاص کر دیا اور یہی مذہب امام، لک کا ہے کیونکہ تعامل (اہل مدینہ) اس کے موافق پایا، اور دوسرے حضرات نے حدیث عبداللہ بن عمر کو ترجیح دے کر رکوع سے قبل و بعد میں بھی رفع یدین کو ضروری سمجھا، اور افتتاح کے وقت کے لئے اس کی شہرت کی وجہ سب کا اتفاق رہا۔

علامہ بخاری نے معارف السنن ص ۲/۴۵۳ میں لکھا: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر سب کا اتفاق ہے، جس طرح جمہور مواضع ثلاثہ میں المسجد تین بعد الركعتین اور ہر خفض و رفع میں یدین کے عدم استحباب پر متفق ہیں۔ اگرچہ ان کے لئے بھی روایات موجود ہیں۔ البتہ یہ رکوع امام، لک کے مذہب کے سب سے زیادہ مستند نقل یہی ہیں، اسی لئے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ امام، لک کا صحیح و راجح مسلک وہی ہے جو ابن القاسم نے نقل کیا ہے اگرچہ وہ روایات موطا کے موافق نہ ہوا و جزم ۲۰۹/۱ میں امام، لک کے روایت الباب ترک کرنے کے وجہ بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ بہت سے محدثین کا طریقہ رہا ہے کہ بطور سرور روایات متحدہ احادیث بیان کر دیتے ہیں۔ خواہ ان میں سے بعض معمول بہ نہ بھی ہوں بوجہ اضطراب و شد و ذغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم (مؤلف)

کے وقت اور بعد الرکوع رفع یدین میں اختلاف ہے، اور اسی کی وجہ سے رفع یدین کے مسئلہ میں مشہور اختلاف فی شکل اختیار کر گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب ترک رفع کے قائل ہیں یہی روایت ابن القاسم نے امام مالک سے بھی نقل کی ہے، اور اکابر مالکیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعیؒ و احمدؒ رفع کے قائل ہیں۔ علامہ ابن عبد البرؒ مالکی نے ابن القاسم سے امام مالک کا معمول غیر احرام میں عدم رفع کا ذکر کیا ہے۔ جو سفیان ثوریؒ، حنفی، شعبی و معتزہ وغیرہ سب کو فیوں کا بھی مذہب ہے۔ اور ابو مصعب، ابن وہب، اشہب وغیرہ نے امام مالک سے رفع نقل کیا ہے۔

محمد بن عبد الحکم شافعیؒ نے یہ بھی کہا کہ امام مالک سے ترک رفع صرف ابن القاسم نے نقل کیا ہے، اور ہم حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے رفع کو اختیار کرتے ہیں۔ علامہ اصیلی نے کہا کہ "امام مالک نے رفع یدین کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ رفع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت رفع کو موقوفاً روایت کیا ہے۔ اور یہ ان چار مواضع میں سے ہے، جن میں سالم و نافع کا اختلاف ہوا ہے۔ پھر علامہ اصیلی نے ان چاروں کو ذکر کر کے فرمایا کہ "ان سب کو سالم نے مرفوعاً اور نافع نے موقوفاً روایت کیا ہے۔" اس کے بعد علامہ زرقانیؒ نے حافظ ابن حجر کے ایک بے جا اعتراض کا رد کیا ہے۔

### حافظ ابن حجر کا مالکیہ پر اعتراض اور زرقانی کا جواب

اس سے حافظ ابن حجرؒ کا بے جا جملہ اور غلط اعتراض بھی بے نقاب ہو جاتا ہے کہ "مجھے مالکیہ کے لئے ترک رفع کی کوئی دلیل اور حجت نہیں ملی، بجز قول ابن القاسم کے۔" کیونکہ جب سالم و نافع کا رفع و وقف میں اختلاف موجود تھا تو اسی کی وجہ سے امام مالک نے اپنے مشہور قول میں رفع کو مستحب قرار نہیں دیا کہ نماز جیسی سکون و خشوع چاہنے والی عبادت کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ اس کو دوسری حرکات و افعال سے بچایا جائے (زرقانی ص ۱۵۸)

حضرتؒ نے بسط الیدین ص ۶۰ میں استدلال کا ابن عبد البرؒ سے یہ بھی نقل کیا۔ ان کی موافقت، ایک مرتبہ کے سوا عدم رفع یدین میں ثوری، حسن بن حمی اور دوسرے سب فقہاء کو فہ نے کی ہے اور یہی قول ابن مسعود اور آپ کے اصحاب کا بھی ہے۔ امام مالک نے ترک رفع کو اس لئے بھی ترجیح دی ہے کہ اہل مدینہ کا تعامل عدم رفع کے موافق تھا۔ کما صرح بہ ابن رشدؒ فی کتابہ بدایۃ المجتہد۔ اور علامہ ماردینی نے الجواب النہج ص ۱۳۶ میں علامہ ابن عبد البرؒ مالکی کے یہ الفاظ ان کی "التمہید" سے نقل کئے کہ "میں بھی افتتاح کے سوا رفع نہیں کرتا، روایت ابن القاسم کی وجہ سے" لہذا ماردینی نے ابن عبد البرؒ کو بھی ان حضرات میں شمار کیا جنہوں نے ترک رفع کو اختیار کیا ہے۔ اور شرح مسلم لعقیطی سے نقل کیا کہ یہی عدم رفع مشہور مذہب امام مالک کا ہے، اور "قواعد ابن رشد" میں ہے کہ یہی عدم رفع امام مالک کا مذہب ہے کیونکہ اہل مدینہ کا اس کے موافق ہے۔

### حافظ کی دوسری غلطی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انتباہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ درس ترمذی شریف میں حافظ کی ایک غلطی کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ جو المعروف الشذی ص ۱۶۴ میں تردد کے ساتھ نقل ہوا تھا، اور کچھ مالی لکھنے والے طالب علم نے بھی مطلب پوری طرح واضح نہ کر کے گھٹک پیدا کر دی تھی، جس کا ذکر علامہ بنوری مرحوم نے ص ۲/۳۵۴ میں کیا ہے۔ پھر اسی بات کو حضرتؒ نے نیل الفرقین کے حاشیہ بسط الیدین میں خوب واضح اور مدلل فرمادیا ہے۔ اصل صورت حال یہ تھی کہ علامہ ابن عبد البرؒ نے محمد بن عبد اللہ بن الحکم کی یہ بات نقل کی تھی کہ امام مالکؒ سے ترک رفع صرف ابن القاسم نے روایت کیا ہے، اور ہم رفع کو حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں الخ۔ شرح الزرقانی ص ۱۵۷ میں یہ بات واضح طور سے درج ہے مگر حافظ کو مغالطہ ہوا کہ یہ بات خود ابن عبد البرؒ نے کہی ہے چنانچہ انھوں نے فتح الباری ص ۱۳۹ میں بجائے محمد بن الحکم کے ابن عبد

الہ معارف السنن ص ۲/۳۵۳ میں اس موقع پر سطر ۲۱ "ثم قال الشيخ" نقل کی غلطی سے درج ہو گیا ہے۔ کیونکہ حافظ کا رد ۱۱۱ زرقانیؒ نے کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے نہیں کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ کے بے جا جملوں پر صرف حنفیہ نے ہی نہیں بلکہ مالکیہ نے بھی اعتراض کیا ہے، اور یہ بھی کہ مالکیہ کا مسلک عدم رفع ہی مشہور و معروف ہے، اسی لئے شافعیہ کے اعتراضات پر مالکیہ نے جواب دی کی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ معارف السنن ص ۲/۳۵۳ میں سطر ۲۲ "فما رواه ابن عبد البر" کے بعد سے ص ۲/۳۵۴ سطر اول تک ساری عبارت زرقانیؒ ص ۱۵۷ سے نقل ہے۔

اسری کی طرف اس کو منسوب کر دیا۔ حالانکہ کسی نے بھی ان کو رفع یدین کرنے والوں میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ تمہید میں خود انھوں نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ میں روایت ابن القاسم عن مالک کی وجہ سے رفع یدین صرف افتتاح کے وقت کرتا ہوں، اور اسی لئے عدم ماروئی حنفی نے الجواب التلی ص ۱۳۶ میں ابن عبدالمیر کو ترک رفع اختیار کرنے والوں میں ذکر کیا ہے۔

**افادہ مزید:** حضرت نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ یہ محمد بن عبد اللہ الحکم اگرچہ اصحاب امام شافعی میں سے تھے۔ لیکن انھوں نے امام شافعی کے اعتقاد علی، مالک کے جواب میں مستقل رسالہ لکھا ہے، امام شافعی کا نقد و اعتراض یہ تھا کہ امام مالک نے تعامل اہل مدینہ کی وجہ سے آثار کو ترک کر دیا ہے۔ اور ترک رفع کو بھی اسی میں شامل کیا ہوگا۔ (غالب ابن الحکم نے ہر مسئلہ کے لئے تعامل کے ساتھ آثار بھی پیش کئے ہوں گے) ابن الحکم کی غلطی: حضرت نے نیل الفرقین ص ۷۲ میں لکھا کہ امام شافعی نے بھی امام مالک کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ”معانی الاخبار شرح معنی الآثار“ للعلینی میں ہے، لہذا امام مالک سے ترک رفع کی روایت کرنے والے صرف ابن القاسم نہیں ہیں، بلکہ ان کے متابع امام شافعی ایسے جمیل القدر محدث ہیں۔

### مالکیہ کا ترک رفع کے لئے تشدد

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۷۰/۱ میں ہے کہ مالکیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت مونذھوں تک ہاتھ اٹھانا مندوب و مستحب ہے، اور اس کے سوا میں مکروہ ہے۔ اس کے برخلاف حنفیہ کے یہاں اتنی شدت نہیں ہے، نہ وہ رفع یدین کو مکروہ بتلاتے ہیں، البتہ وہ ہمارے یہاں غیر معمول بد اور غیر مندوب ضرور ہے، اور فقہاء حنفیہ میں سے جس نے مکروہ لکھا یا اس کی وجہ سے فساد صلوٰۃ کو کہا یا ایسی کوئی بات امام اعظم کی طرف منسوب کی تو وہ اس کی غلطی ہے کیونکہ کتب معتبرہ حنفیہ مثلاً ”الذخیرہ“ ”الواجبہ“ وغیرہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، مزید تفصیل ”فوائد بہیمہ“ میں ضمن ترجمہ کھول نفی مل حظہ ہو۔ علامہ ابوبکر رازی جصاص نے بھی ”احکام القرآن“ میں عدم کراہت کی صراحت کر دی ہے جو اس باب میں بہت موثق ہے اور اس کا مرتبہ علماء مذاہب میں محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم معارف السنن کے افادات پیش کرتے ہیں:-

**افادہ انور:** ہمارے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ رفع و ترک دونوں متواتر ہیں، کسی ایک کا انکار نہیں کیا جاسکتا، البتہ ترک کا تواتر تواتر عمل ہے تواتر اسناد نہیں ہے، رہا یہ کہ امام طحاوی نے نسخ کہا ہے، جس کا مفاد کراہت تحریمی ہو سکتا ہے، تو وہ نسخ بمعنی متعارف نہیں ہے، جس سے عمل برفع کو ناجائز کہا جائے۔ لہذا رفع و ترک دونوں کے متواتر ہونے کی وجہ سے تین صورتیں بن گئیں۔ رفع کو ترجیح ہو، ترک کو ترجیح ہو، یا دونوں کے لئے اختیار ہو اور ہر ایک کی طرف کچھ نہ کچھ حضرات مائل ہو گئے۔

پھر بعض احادیث میں رفع کی تصریح ہے، بعض سے ترک ثابت ہوتا ہے اور بعض ساکت ہیں۔ اگر ہم صریح ترک والی روایت پر نظر کریں تو ہماری احادیث کی تعداد کم ہے۔ اور احادیث رفع کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم ان احادیث کو بھی ساتھ مالیں جن میں صفت صلوٰۃ بین ہوئی ہے اور پھر بھی ان میں رفع کا ذکر نہیں ہے تو ترک رفع کی تعداد بڑھ جاتی ہے کیونکہ ضرورت بیان کے وقت سکوت کرنے کو ترک کی دلیل کہا جائے گا۔

ظاہر ہے جن احادیث صلوٰۃ میں سارے افعال صلوٰۃ کا ذکر ہے، ارکان، واجبات، سنن و آداب سب ذکر ہوئے اور صرف رفع یدین کا ذکر ان میں نہیں ہوا اور ہوا تو صرف تکبیر تحریمہ والے رفع کا، رکوع سے قبل و بعد والے کا کوئی ذکر نہیں تو ایسی صورت میں وہ احادیث حنفیہ و مالکیہ کی موافقت میں ہی شمار ہو سکتی ہیں۔ اور اس طرح ان کی احادیث تصریح ترک والی احادیث کے ساتھ مل کے رفع یدین والی احادیث سے کہیں زیادہ ہو جائیں گی۔

غرض یوں بھی یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے یا اس کو اختلاف مباح کہہ لو۔ اور اسی حقیقت کو حافظ ابو عمر (ابن عبد البر) نے مالکیہ میں ہے اور حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم نے حنابلہ میں سے تسلیم کیا ہے۔

ترک کا تعامل تو اتر کے ساتھ رہا ہے، اہل کوفہ تو تقریباً سارے ہی اس پر عامل تھے، بہ کثرت تارکین مدینہ صیبہ میں حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں تھے، جن کی وجہ سے امام مالک نے ترک کو اختیار کیا، اور اسی طرح دوسری بلاد اسلامیہ میں بھی رافضیوں کے ساتھ تارکین بھی رہے ہوں گے۔

ابن ہر جگہ کے بڑوں کا اثر ضرور پڑا ہے، مثلاً مکہ معظمہ میں حضرت ابن اثیر تھے جو رفع کرتے تھے تو وہاں پر زیادہ رفع کرنے والے ہوئے، اور اسی پر امام شافعیؒ نے بھی رفع کو اختیار کیا، اہل کوفہ نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کا اثر لیا اس لئے وہاں تقریباً سب ہی تارکین رفع ہوئے، حضرت عمرؓ کے پاس جو آتے جاتے تھے، وہ بھی آپ کے ترک کو دیکھ کر تارک ہو گئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ، عمرؓ اور حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ کے زمانہ میں رفع و ترک کی کوئی بحث نہ تھی نہ یہ بات قبل نزاع تھی۔ رافضیوں بھی تھے اور تارکین بھی، کوئی کسی کو برا بھی نہیں کہتے تھا، (ان کے بعد اس مسئلہ کو نزاعی و جدالی بنایا گیا، اور آگے امام بخاری کے رسالہ رفع یدین کا ذکر تفصیل سے آئے گا، اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے تو حدود و اعتدال سے بھی بہت گئے قدم بڑھادیے اور شاید ان ہی کی تقلید میں بعد کے سنی حضرات اور آج کل کے غیر مقلدین نے خوب میدان گرم کیا۔ (یلا سلف)

### سلف میں تارکین رفع یدین

حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور ان دونوں کے اصحاب، حضرت جابر بن سمرہؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت علقمہ بن قیسؓ، اسود بن یزیدؓ، مغیرہ، سفیان ثوریؓ، ابراہیم نخعیؓ، ابن ابی لیلیؓ، عامر الشعمیؓ، ابواسحق سہمیؓ، ضعیفہ، کعبہ، عاصم بن کلیبؓ، امام زفرؓ، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور دوسرے سب حنفیہ۔ امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب کا معمول بھی ترک رفع ہے، محدث علامہ باجی مکتیؒ نے کہا کہ مدونہ میں امام مالک سے روایت کی گئی کہ بجز افتتاح کے رفع یدین ضعیف تھا، امام بخاری کے استاذ حدیث ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت عمرؓ علیؓ اور آپ کے اصحاب سے غیر افتتاح میں ترک رفع روایت کیا ہے۔ حرب بن شداد نے کہا کہ ہمارے اصحاب کے یہاں احرام کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے کذا فی ابن رسلان۔ (او جز ۱/۲۰۳)

معارف السنن ص ۲۶۴/۲ میں کعب بن عجرہ کا اضافہ کیا، اور جہاں اہل کوفہ کے ساتھ کثیر من اہل المدینہ فی عہد مالک پھر لکھا یا اکثریت اہل مدینہ کی بلکہ سارے ہی اہل مدینہ کا تعامل ترک رفع پر تھا جیسا کہ مالکیہ نے نقل کیا ہے اور ابن قیم نے اس کا اعتراف کیا ہے، اگرچہ اس کو حجت نہیں بنایا اور ایسے ہی سارے شہروں میں تھے اگرچہ ان کے نام نہیں معلوم ہوئے، جیسا کہ عام تعامل و توارث کے لئے عام طور سے سندیں سلسلہ نہیں ہوتا، یہ بات بعد کے لوگوں نے پیدا کی کہ وہ سندیں طلب کرنے لگے، اور جب سند نہ ملی تو تواریخ کا بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن حزم کا بھی ”مخلی میں یہی طریقہ ہے کہ وہ واقعات و حقائق تاریخ کا انکار کر دیتے ہیں گویا ان کے نزدیک جب تک کسی واقعہ کی سند مسلسل نہ بیان کی جائے تو گویا وہ واقعہ دنیا میں ہوا ہی نہیں، اسی طرح وہ اجماعیت منقولہ کا بھی اخبار آحاد کے مقابلہ میں بہ کثرت انکار کر دیتے ہیں، اور تعمیر سے زیادہ تخریب کرتے ہیں، حالانکہ اگر قرآن مجید کی بھی ہر ہر آیت کا تو اتر اسنادی طلب کیا جائے تو وہ نہ ملے گا، اور صرف تو اتر طبقہ بعد طبقہ ہی سے اس کا ثبوت ہم تک پہنچا ہے۔ اور یہی روش علامہ ابن قیمؒ کی بھی ہے اعلام الموقعین میں الخ۔

## امام بخاری کا رفع کے لئے تشدد

مسکد رفع یدین میں خفیہ و مالکیہ کے مقابل شافعیہ نے سب سے زیادہ زور صرف کیا ہے، اور طرفین کے دلائل اکثر کتابوں میں مل جاتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں ایک بڑے معرکہ کی بحث و تحقیق و تدقیق امام بخاری نے بھی کی ہے، اور پوری قوت و شوکت و شدت وحدت کا مظاہرہ مستقل رسالہ لکھ کر کیا ہے۔ مگر یہ بات عجیب تر ہے کہ انھوں نے جہاں جہاں بھی اپنا لہجہ نہایت تلخ اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ دراز لسانی کی حد تک گرم گفتاری اختیار کی ہے اس کا نشہ نہ صرف امام اعظمؒ بنے ہیں، یہاں تک کہ ان کو جاہل اور غوی اور بھٹکنے والا وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ لکھ دیا ہے حالانکہ اس مسئلہ میں وہ منفرد نہیں ہیں، اور اسی لئے ہم نے اوپر ان کے شریک مسکد بہت سے اکابر امت سلف ہی میں سے گنوا دیے ہیں، اور سلف کے ہزار ہا اکابر کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ امام بخاری کے بعد آئے ہیں اور امام کو کی خبر تھی کہ بناء ملت خفی کے جس پتھر کو انھوں نے حقیر و بیکا کر رکھا نظر انداز کر دیا تھا وہی سب سے زیادہ قیمتی و کارآمد پتھر ثابت ہوگا۔

## ذکر امام بخاری کے رسالہ کا

رفع یدین کی تائید اور ترک رفع کی تردید میں امام بخاری کا رسالہ بہت مشہور ہے، اور اس میں اور اپنے رسالہ قراءۃ خفف الامام میں بھی انھوں نے امام اعظمؒ کے خلاف بہت ہی سخت زبان استعمال کی ہے اور شاید اسی سبب ہندوستان کے غیر مقلدین نے ان رسالوں کو بار بار اہتمام کر کے شائع کیا ہے، اور رسالہ رفع یدین کا ایک ایڈیشن تو اردو ترجمہ کے ساتھ بھی شائع کیا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت حال کو آشکار کرنے کے لئے ہم اس کے مندرجات کو ذرا تفصیل سے پیش کر دیں۔ پہلے امام بخاری کے ابتدائی کلمات خطبہ کا ترجمہ مد خطہ ہو۔

”امام بخاری نے فرمایا کہ یہ رسالہ اس شخص کے رد میں ہے جس نے رکوع کے لئے جھکتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کا انکار کیا ہے، اور عجم کے رہنے والوں کو اس سنت رسول ﷺ سے بے خبر رکھا، اور اپنی لاپرواہی بات کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کے لئے صحابہ کرام کے ذریعہ ثابت شدہ رسول اکرم ﷺ کے فعل کو اور آپ کے اصحاب و تابعین کے نقل کو نظر انداز کیا اور اس ضمن میں صحیح روایات کی بھی جو سلف سے ذریعہ ثبات خلف کو پہنچی تھیں، پرواہ نہیں کی کیونکہ اس کے سینہ میں کینہ و بغض بھرا ہوا تھا اور دل میں تنگی تھی۔ اور اس کو نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے نفرت تھی، اور حاطین سنت سے سخت عداوت تھی، بوجہ اس کے کہ اس کے گوشت پوست اور ہڈیوں و مغز میں بدعت سرایت کر چکی تھی، اور یہ چیز ان کو عجمیوں کے، حول میں محصور رہنے اور ان سے فریب کھانے کے سبب سے حاصل ہوئی تھی، ”وقال السبی علیہ السلام لا تنال طائفة من امتی الخ“

اس کے بعد وہ احادیث و آیات ذکر کی ہیں، جن میں مخالفین و معاندین اسلام کے لئے انذار و عید آئی ہے۔ اس کے بعد رفع یدین کی تائید کرنے والی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور درمیان درمیان میں اہل علم کی مدح اور امام اعظمؒ کو لاعلمی کے طعنے دیئے ہیں، اور بتلایا کہ اپنے زمانہ کے اہل علم وہی تھے جو رفع یدین کو ماننے اور کرتے تھے، اور ہرزہ نہ کے بے علم و جاہل ان کے خلاف تھے۔

ایک جگہ حدیث ام الدرداء (ص ۲۲) نقل کر کے لکھ کہ ان تارکین رفع سے تو بعض صحابہ کی بیویاں ہی زیادہ علم والی تھیں کہ وہ نماز میں رفع یدین کیا کرتی تھیں اور جہاں تارکین کی کوئی دلیل نقل کرتے ہیں تو اس عنوان سے کہ بعض بے علم لوگوں نے اس طرح استدلال کیا یا اس طرح ہمارے استدلال پر نقد کیا وغیرہ۔ اور اس کے مقابلہ میں قائلین رفع کے لئے اہل علم و اہل نظر کے القاب اختیار کرتے ہیں۔

حدیث ص ۳۲ کے تحت لکھا۔ ابن المبارک رفع یدین کرتے تھے جو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علم وادے تھے، اور جن کے پاس سلف کا علم نہیں تھا۔ وہ بجائے اس کے کہ انھوں نے بے علم لوگوں کی تقلید کی وہ اگر ابن المبارک کا اتباع کرتے تو اچھا تھا۔



حدیث ص ۳۴ کے تحت لکھا کہ بے علم لوگوں نے وائل بن حجر کے بارے میں طعن کیا ہے کہ وہ ابناء ملوک یمن میں سے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا اکرام کیا اور ان کو زمین کا ایک قطعہ دیا اور ان کے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا، اس جگہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان امور میں سے طعن کی بات کیا تھی؟

حدیث ص ۳۶ کے تحت لکھا کہ ان بے علم لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی حدیث حضور اکرم ﷺ سے ثابت بھی ہو جاتی ہے تب بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بڑوں نے اس کو اختیار نہیں کیا یا یہ ہمارے یہاں معمول ہے نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ تو حدیث کو اپنی رائے کے مقابلہ میں ٹھکھتے ہیں۔ اور لکھا کہ حضرت معمر کا ارشاد تو یہ تھا کہ اہل علم کے نزدیک پہلے لوگ زیادہ علم والے تھے، لیکن ان لوگوں نزدیک بعد کے لوگ زیادہ علم والے ہیں۔ حدیث ص ۳۷ کے تحت لکھا کہ عبد اللہ بن مبارک نے امام صاحب کو لا جواب کر دیا تو وہ تنہا ہو کر چپ ہو گئے، وھذا اشبه من الذین ہارون فی غیہم اذا لم یصلوا۔ جو لوگ گمراہی میں حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور ان کو مدد نہیں ملتی تو وہ اسی طرح حیران ولا جواب ہو جایا کرتے ہیں)

حدیث ص ۶۳ کے تحت لکھا کہ جس نے یہ دعوے کیا کہ رفع یدین بدعت ہے، اس نے صحابہ کرام، سلف اور بعد کے حضرات، اور اہل حجاز و اہل مدینہ و اہل مکہ اور کچھ اہل عراق و اہل شام و اہل یمن اور علماء اہل خراسان جن میں ابن المبارک بھی ہیں سب پر طعن کیا۔ الخ دعوائے عدم ثبوت ترک رفع یدین: امام بخاری نے دو جگہ اسی رسالہ میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ ترک رفع یدین کا ثبوت حضور عبید السلام یا کسی بھی صحابی سے نہیں ہوا۔ چنانچہ ص ۳۰ کے بعد لکھا کہ ہم نے جن اہل نظر علماء اہل حجاز و اہل عراق کو پایا جن میں عبد اللہ بن الزبیر، علی بن عبد اللہ بن جعفر، یحییٰ ابن معین، احمد بن حنبل و اسحق بن راہویہ ہیں، یہ سب لوگ اپنے زمانہ کے اہل علم تھے، اور ان میں سے کسی کو بھی حضور ﷺ سے ترک رفع یدین کا علم نہیں ہوا اور نہ کسی صحابی رسول سے بات پہنچی کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ حدیث ص ۶۳ کے تحت لکھا کہ ”کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ ترک رفع کی روایات رفع والی روایات سے زیادہ صحیح ہیں۔“

معذرت: جوابی معروضات سے پہلے یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ساتھ آپ کی عمر کے آخری دو سال میں رہنا ہوا، اور شب و روز میں جو کچھ سنا وہ قلم بند کیا، جو احوال آپ کے دیکھے وہ قلب و نظر کی امانت ہیں، درس بخاری میں فرمایا، ”امام بخاری کا ادب ہمیشہ مانع رہا، مگر اب صبر پر قدرت نہیں رہی، اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں، حنفیہ کے خلاف تعصب یا غلط فہمیوں کے تحت جو کچھ جس نے بھی کہا، اس سے ان کا دل نہایت آزرہ تھا، اس کو اس شعر میں ادا فرمایا تھا۔ ومن نفسشات الصدر ما لا یشہ ومن فجعات الدھر ما قد تھجما شاید کچھ ایسا ہی حال میرا بھی آخر وقت میں ہو گیا ہے، کسی کی بھی غلط بات برداشت نہیں ہوتی، اور پھر قلم کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے بڑوں کی شان میں کچھ لکھنے سے پہلے دس بار سوچنا پڑتا ہے، اور پھر مجبور ہو کر لکھنا پڑتا ہے۔

جوابی معروضات: معارف السنن ص ۶۶/۲ میں لکھا۔ امام بخاری نے جو عدم صحت ترک رفع عن الصحابہ کا دعویٰ کیا ہے وہ ان کا حسب عادت مبالغہ ہے کہ ان کو جب کسی بات کا یقین و اطمینان نہیں ہوتا تو اسی طرح اس کے خلاف بھرپور دعوے کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس کے رد کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کے جلیل القدر تلمیذ حدیث امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اور ابو نصر مروزی وغیرہ نے صراحت کر دی ہے کہ ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود حدیث حسن ہے۔ اور ترک رفع کے نقل اہل علم اصحاب النبی ﷺ اور تابعین بھی تھے، اور یہی قول و مذہب سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔ امام ترمذی نے تو سارے اہل کوفہ کا ہی یہ مسک بتلادیا جبکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ وہاں جا

کر آباد ہو گئے تھے اور ان میں ۲۴ تو وہ تھے، جنہوں نے غزوہ بدر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اگر کسی بھی صحابی متوطن کوفہ پر ترک رفع کا اعتراض کسی نے کیا ہوتا تو کیا وہ نقل نہ ہوتا۔ اور اہل کوفہ کے نزدیک تو ترک رفع ہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علقمہ، شععی، خنئی اور بہت سے صحابہ و تابعین سے قوی اور سناں روایات کے ذریعہ ثابت ہے۔ اور جو کچھ اہل کوفہ کونسا بعد نس اور طبقہ بعد طبقہ بطور توارث و نقل ترک رفع کی اجتماعی خصوصیت حاصل ہوئی وہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔

پھر حضرت امام، لک اور آپ کے قبیعین مالکیہ نے بھی تو ترک رفع ہی کو اختیار کیا، اور ان کے سامنے سب سے بڑی حجت اہل مدینہ کا تعامل تھا، جس پر امام شافعی نے امام مالک پر اعتراض بھی کیا کہ آثار کے مقابلہ میں نقل اہل مدینہ کو حجت بنا رہے ہیں، اور اس کا جواب اکا بر مالکیہ کے علاوہ خود امام شافعی کے جلیل القدر تمیز و مقلد محمد بن عبداللہ بن الحکم نے مستقل رسالہ لکھ کر دیا تھا اور امام مالک کی طرف سے چارہ دفاع کیا تھا۔ یہ کیا ہے، کیا امام اعظم ترک رفع میں سب سے الگ تھلگ تھے، اور ان کو اکیلا سمجھ کر ہر طرح ان کی تحقیر و تذلیل کوئی موزوں بات تھی؟ کیا عبدالرحمن بن مہدی کی طرح امام بخاری بھی اسی خیال پر تھے کہ مسائل شریعیہ کی وسیع وادی میں دوسرے سب ایک طرف ہیں، اور صرف امام صاحب ایک گوشہ میں سب سے دور اور منفرد ایک گوشہ میں ہیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے امام صاحب کی فقہ بقول محققین شریعہ و غرباء و محاسن ری روئے زمین پر ہمیشہ چھائی رہی، اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ کے دو تہائی یا تین چوتھائی افراد ان کے ہی فقہ پر عامل رہے ہیں، اور مجھے امام بخاری کے صمد و امام اعظم حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ مقولہ کبھی نہیں بھولتا کہ ”امام ابوحنیفہ کی رائے مت کہو، بلکہ جو کچھ انھوں نے کہا اور بتلایا وہ سب حدیث نبوی کی مراد اور منشا ہے“ یعنی وہ شارع علیہ السلام کے صحیح ترین ترجمان تھے۔ ان کے مختارات کو ان کی رائے کہہ کر اختلاف کرنا ارشادات نبویہ کے جس ثاروں کی شان سے بہت بعید ہے۔

راقم الحروف نے یہ پہلے بھی اپنے بڑوں سے نقل کیا تھا کہ ائمہ اربعہ کے اندر حق دائر ہے، اور وہ سب حق پر ہیں اور وہ سب تقریباً تین چوتھائی مسائل شرعیہ میں باہم متفق ہیں، اور ایک چوتھائی میں بھی حلال و حرام یا واجب و کراہت کا اختلاف بہت ہی تھوڑے مسائل میں ہے۔ پھر اس موقع کی رعایت سے یہ بھی عرض ہے کہ، جس طرح انبیاء و اولیائے کرام ایک دوسرے کے ساتھ محبت شفقت اکرام و عظمت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین بھی ایک دوسرے کی باوجود فروغی اختلاف کے نہایت قدر و منزلت کرتے ہیں، اسی لئے امام مالک، امام شافعی و امام احمد سب ہی امام اعظم کے قدر شناس اور مدحت گزار ہیں، جیسا کہ ہونا چاہیئے اس لئے جہاں کہیں اس کے خلاف دوسری قسم کا برتاؤ سامنے آتا ہے تو دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور بادل خواستہ اس کو نقل بھی کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے۔ فروغی اختلاف کی بات اس لئے کہی گئی کہ الحمد للہ اصول و عقائد میں کہیں بھی کسی مسئلہ میں ائمہ اربعہ کی کچھ اختلاف نہیں ہے اور وہ بقول حضرات اکابر ”کأسرة واحدة“ (ایک کنبہ قبیہ کی طرح) ہیں۔ رحمہم اللہ رحمة واسعة وجعلنا ممن يتبعونهم ويعظمونهم۔ آمین

اس کے بعد امام بخاریؒ کی دوسری تعریضات و تشبیہات کے مختصر جوابات لکھ کر ہم حنفیہ و مالکیہ کے وہ دلائل (احادیث و آثار) ہی ذکر کریں گے جن کی وجہ سے انھوں نے تکبیر تحریر کے علاوہ دوسرے مواضع صلوٰۃ میں ترک رفع یدین کو ترجیح دی ہے، امام بخاری نے التزام لگایا کہ امام صاحب نے عجم کے رہنے والوں کو سنت نبوی سے بے خبر رکھا، غیبت ہے کہ اتنی بڑی بات امام صاحب کی طرف منسوب کر دی گئی، جس کی جرات امام بخاری کے سوا کسی نے نہیں کی، جس کو امام بخاری نے ایک وجہ بھی قائم کی ہے کہ وہ عجمیوں میں گھرے ہوئے تھے، گو یا اول تو ان کا غلط اثر امام صاحب نے لیا اور پھر ان کو بھی بے راہ کرنا سن ہوا کہ وہ مرکز شرع شریف حرمین شریفین وغیرہ سے دور تھے، کیا کسی بھی اہل علم کے دماغ میں امام صاحب کے لئے ایسی بات آسکتی ہے؟! اچھا اگر تھوڑی دیر کے لئے امام بخاری کی اس بات کو درست بھی مان لیں تو امام مالکؒ گون سے عجیب، حول میں تھے، وہ تو مدینہ طیبہ کے ساکن تھے اور انھوں نے جو کچھ اثر لیا تھا وہ تو مدینہ کے ساکنوں سے لیا تھا، وہ ترک رفع

کے قائل و عامل کیوں ہو گئے تھے، پھر اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر کچھ کہ امام مالک کا موطا (جس کو صحیحین کی بھی اصل کہا گیا ہے) اس کا جو نسخہ مروج ہے (بروایت یحییٰ مسمودی) اس میں حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت بھی نہیں ہے، جس میں رکوع کو جاتے ہوئے رفع یدین کا ذکر ہے، بلکہ صرف تکبیر تحریر کے علاوہ صرف رکوع سے سرائیٹھنے کے وقت کے رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی طرح دوسرے راویان موطا یحییٰ بن عبد اللہ، قعنبی، امام شافعی، معن و یحییٰ نیشاپوری وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، جو امام بخاری و شافعی کے مسلک کے موافق نہیں ہوتا، لیکن امام محمدؒ نے جو امام مالک سے روایت کر کے موطا مرتب کیا ہے (جو آپ کی ترتیب و روایت اور کچھ اضافات کے باعث موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہوا) اس میں رکوع میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین کا ذکر موجود ہے امام بخاریؒ ایسے واسع العلم محدث جلیل کے علم میں وہ امام محمد والی روایت والا نسخہ بھی ضرور آچکا ہوگا، کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ جس سنت نبویہ کو امام اعظمؒ نے سنت سے دشمنی اور بدعت کی محبت میں یا عجیبوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کے لئے مبہم و پوشیدہ کرنے کی تدبیر کی تھی، اس کو ان کا ایک تمیز شدہ اس طرح روایت کر کے واشکاف کر دیتا۔

امام بخاریؒ نے یہ بھی امام معمر کا قول حنفیہ پر تعریض کرنے کے لئے نقل کیا کہ ترجیح الاول فالاول کو ہونی چاہئے اور یہ لوگ الاخر فالآخر کو مقدم کرتے ہیں، کیا ہم اس موقع پر کہہ سکتے کہ امام بخاریؒ سے قبل ایک سو کے قریب احادیث و آثار کے مجموعے تیار ہو چکے تھے، ان کے لکھنے والے امام بخاریؒ، حمیدی، عبد الرحمن بن مہدی، اٹحق بن راہویہ، نعیم بن حماد خراسانی و محمد بن عرعہ وغیرہ سے مقدم اور الاول فالاول کے مصداق تھے یا نہیں، اور ان کے لحاظ سے بعد کے محدثین کو الاخرین فالآخرین داخل کریں گے یا نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ امام بخاری وغیرہ کے اس تہ حدیث میں کسی نے بھی رفع یدین کے مسئلہ میں امام صاحب پر امام بخاری کی طرح تشفیج نہیں کی، اور حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے تو اپنی عظیم المرتبت کثیر المنفعت تالیف "مصنف" میں ۱۲۵ مواضع میں امام صاحب پر نقد کیا ہے کہ ان مسائل میں امام صاحب نے حدیث کے خلاف کیا ہے، لیکن ان مسائل میں رفع یدین کا مسئلہ شامل ہے نہ قراءۃ خلف الامام کا جبکہ امام بخاری نے دونوں پر مستقل رسالے لکھ کر امام صاحب کے خلاف مواد جمع کر کے سخت و کمرخت لہجہ میں طعن و تشنیع کو رو رکھا ہے۔

حافظ ابن ابی شیبہ کے جوابات کا براہ امت نے لکھے ہیں، مگر اس وقت ہمارے سامنے علامہ کوثریؒ کا رسالہ "الفتاویٰ الطریفہ فی التحدیث عن روداد بن ابی حمیہ علی ابی حنیفہ" شائع شدہ ہے، جو محدثانہ و محققانہ طرز پر کافی و شافی جواب ہے، مشتعلین علم حدیث کے لئے اس کا مطالعہ نہایت بصیرت افزا ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نعیم مذکور امام صاحب کے بارے میں جھوٹی روایات گھڑ کر برائیاں ان کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور وہ بخاری کے راوی بھی ہیں، اگرچہ وہ معانی الآثار میں ترک رفع یدین کے راوی بھی ہیں۔ (افادہ الشیخ الانوری)

موطا امام محمد وغیرہ میں امام محمدؒ وغیرہ کسی باب میں مختلف احادیث و آثار نقل کر کے یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ ان میں سے فلاں حدیث ہاری معمولی بہ ہے یا اس کو ہم لیتے ہیں، یہ تو کسی حنفی عالم نے نہیں لکھا کہ ہم فلاں حدیث و آثار کو اپنے بڑوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہیں لیتے یا اس کو معمول نہیں بناتے، موطا امام محمد، کتاب الحجج امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الآثار امام ابو یوسف، مسند امام اعظم، یا جامع المسانید امام اعظم کس میں امام بخاری کے الزام و اتہام کا ثبوت مل سکتا ہے؟ کلام کلام

افسوس ہے کہ اسی قسم کی تہمت اب تک بھی حنفی مسلک کو بدنام کرنے کے لئے اہل حدیث و غیر مقلدین اپنی کتابوں میں لکھ کر شائع کرتے رہتے ہیں۔ مولانا آزاد نے تذکرہ ص ۳۷ میں بلا کسی سند و حوالے کے یہ عبارت نقل کی۔ الاصل ان کل آیت و خبر تخالف قول اصحابنا فانها تحمل علی النسخ او علی الترجیع والاولی ان تحمل علی التاویل الخ یعنی جو آیت و حدیث بھی ہمارے اصحاب کے اقوال کے خلاف ہو، اس کو نسخ یا ترجیح پر محمول کرنا چاہئے، اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کی تاویل کر لی جائے اور یہ بھی نقل کیا کہ ہر

صورت میں اصحاب مذہب کے اقوال کی تصحیح ضروری ہے اور اسی پر ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک نیک نام مذہب کے خلاف بے سند باتیں شائع کر کے اس کو بدنام کیا جائے، پھر ہندوستان کا حال تو مور نا آزاد پر خوب روشن تھا کہ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کر خاندان شاہ ولی اللہ اور اکابر دیوبند نے جو کتاب و سنت کی روشنی پھیلائی اور ہمیشہ قال اللہ وقال الرسول ہی کا بول بالا کیا۔ کیا وہ اسی قسم کے غلط پروپیگنڈے کے مستحق تھے؟ جس طرح امام شافعیؒ سے یہ منقول ہے کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے، اسی طرح امام اعظمؒ سے بھی ماثور ہے کہ میرے قول و مسلک کے خلاف جب بھی کوئی حدیث و اثر سامنے آئے تو اس کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دیا جائے اور بدعت و شرک کی مخالفت میں بھی خفی مسلک سب سے آگے ہے، یوں بدنام کرنے والے بے سند و حوالے کے جو چاہیں کہیں۔

”مذکرہ“ میں اور بھی بہت کچھ مسلک حق اور صحیح تاریخی واقعات کے خلاف مواد موجود ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ وغیرہ کے خلاف بے سند واقعات بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، اگر چنانچہ غیر معتمد ہونے کا بھی اشارہ کر دیا ہے، بعد ایسے دروغ و بے فروغ کے نقل کرنے کا ہی کیا فائدہ تھا۔ بجز اس کے کہ غیر مقلدوں کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ واللہ المستعان۔

اعلام الموقعین بھی مولانا آزاد کی تحریک پر اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی گئی، جس میں خفی مسلک کے خلاف بہ کثرت غیر مستند باتیں درج ہیں۔ اور راقم الحروف نے کسی جگہ لکھا تھا کہ دو بڑوں میں کتنے فرق ہے، علامہ ابن تیمیہ فقہ خفی سے بڑی حد تک مطمئن نظر آتے ہیں اور اس کے بالکل برعکس ابن القیم اس سے سخت برگشتہ ہیں۔

مولانا آزاد اسے بڑے سلفی تھے، مگر انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ طلاق ثلاث کا مسئلہ سلف و خلف، متقدمین و متاخرین میں اور ائمہ اربعہ کے یہاں اور آٹھ سو سال تک کس طرح تھا، اور علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم نے آکر اس کو کس طرح بدل دیا، اور ان دونوں کی عقیدت میں ۸ سو سال کی ساری روایات بھلا کر اپنی تفسیر ”ترجمان القرآن“ ص ۳۱۴/۱ میں یہ لکھ دیا کہ ”طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ، تین مجلسوں میں، تین مہینوں میں اور ایک کے بعد ایک واقع ہوتی ہے، اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتہ نکاح قطع کر دیتی ہے، تیسری مجلس، تیسرے مہینے، اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے، اس وقت تک جدائی کے ارادے سے باز آجائے اور ملاپ کر لینے کا موقع باقی رہتا ہے۔“ علامہ مودودی نے بھی تفسیر القرآن ص ۴۷/۱ میں اس بات کو صاف طور سے نہیں بتلایا کہ اگر کوئی شخص خلاف طریقہ مسنونہ و مستحبہ بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ تینوں طلاق واقع ہوں گی یا نہیں یوں تو وہ ہر جگہ تفصیل مذاہب بھی کیا کرتے ہیں، مگر یہاں گویا کر گئے، اور ائمہ اربعہ و سلف و جمہور امت کا فیصلہ نہیں بتلایا کہ تینوں واقع ہو جائیں گی اور یہ کہ حالت حیض میں بھی طلاق دینے سے وہ واقع ہو جاتی ہیں، خلاف ما قالہ ابن تیمیہ۔ شاید وہ بھی مولانا آزاد کی طرح اس مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم سے متاثر ہو گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واضح ہو کہ امام بخاریؒ نے مستقل باب ”اذا طلقت الحائض یعنی بذلک“ قائم کیا ہے، اور امام مسلمؒ نے بھی حیض کی حالت میں طلاق واقع ہونے کو حدیث کی وجہ سے تسلیم کیا ہے نیز امام بخاریؒ نے بھی حدیث نبویؐ سے وہی بات سمجھی ہے جو ساری امت نے سمجھی ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق دینے پر وہ تینوں ہی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ امام بخاریؒ نے ”باب من اجاز طلاق الثلاث“ باندھا ہے اور حدیث طاعنہ، پھر حدیث عسیلہ اور حدیث عائشہؓ کو روایت کیا ہے، جو تین طلاق دینے کے بارے میں ہیں، پھر امام شافعیؒ و ابن حزمؒ نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ جواز ثلاث کے ساتھ کوئی گناہ بھی نہیں ہے، لیکن حنفیہ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ وقوع ثلاث گناہ کے ساتھ ہوگا (کم بطلہ ابن عبد البر فی الاستسکار) پھر بہ کثرت دوسری احادیث بھی مروی ہیں کہ جو ایک فقط سے بھی تین یا زیادہ طلاق دے گا تو تین واقع ہو جائیں گی، باقی لغو ہوں گی، یہی بات صحابہ و تابعین اور بعد کے حضرات سے ماثور ہے کافی الموطا و مصنف ابن ابی شیبہ و سنن البیہقی وغیرہا،

امام ابو بکر رازی بھاص نے احکام القرآن میں آیات، احادیث و اقوال سلف نقل کر کے لکھا کہ کتاب و سنت اجماع سلف کے بموجب تین طلاق ایک لفظ سے دینے پر واقع ہو جاتی ہیں اگر چہ اس طرح طلاق دینا معصیت ہے۔

علامہ ابوالولید باجی مالکی نے المستفی شرح الموطا میں لکھا: جو شخص ایک لفظ سے تین طلاق دے گا، وہ واقع ہو جائے گی یہ جماعت فقہاء کا فیصلہ ہے اور اس کی دلیل اجماع صحابہ ہے کیونکہ حضرت ابن عمر، عمر بن حصین، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ سے یہی مروی ہے اور ان کی مخالفت کسی نے نہیں کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے تمہید واستدکار میں سب سے زیادہ دلائل اس مسئلہ پر ذکر کئے ہیں اور اجماع کو بھی ثابت کیا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی اپنی صغریٰ سے ہی علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے بڑے معتقد و متبع تھے، پھر جب بہت سے مسائل میں ان کی غلطی محسوس کی تو عقیدت کم کر دی تھی اور مسئلہ طلاق ثلاث میں خاص طور سے ان دونوں کے رد میں رسالہ بھی لکھا ”بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة“ اس رسالہ میں آپ نے لکھا: اس کو اچھی طرح جان لو کہ کسی صحابی یا تابعی یا ان کے سلف سے (جن کا قول فتاویٰ حلال و حرام میں معتبر ہے، اس بات کی صراحت نہیں ملے گی کہ بعد دخول کے تین طلاق ایک شمار ہوں گی۔

ابو الوفا علامہ ابن عقیل حنبلی نے (جن کے علامہ ابن تیمیہ نہایت مداح و معتقد ہیں اور ان کے اقوال بڑے اہتمام سے نقل کیا کرتے ہیں) ”الذکر“ میں لکھا کہ اگر کوئی شخص ”الست طالق ثلاثاً الا طلقین“ کہے تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی، کیونکہ اس نے اکثر کا استثناء کیا اور ایسا استثناء صحیح نہیں ہے۔“

علامہ ابن تیمیہ کے جد ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام بن تیمیہ مؤلف مستفی الاخبار نے اپنے کتاب ”المحرر“ میں لکھا کہ ایک کلمہ یا دو یا تین سے تین طلاق دے گا تو وہ سب واقع ہوں گی، اگر چہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے۔

علامہ ابن حزم بھی جو اکثر مسائل میں جمہور سے الگ ہو جایا کرتے ہیں، وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اس مسئلہ کی تفصیل و دلائل اپنے موقع پر آئیں گے، ان شاء اللہ، یہاں چونکہ اسطر اتر جہاں القرآن کا ذکر آ گیا اور یہ معلوم ہوا کہ اس دور کے جاہل خفی ان کی تفسیر کے اس مسئلہ سے غلط فہمی میں پڑتے ہیں، تین طلاق کو ایک خیال کر کے بغیر حلال کے اپنی بیویوں سے رشتہ نکاح کو باقی سمجھتے ہیں اور اس طرح حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لئے یہاں کچھ لکھنا پڑا، نیز ملک میں دوسرے بعض بھی خیال حضرات بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک تصور کرنے کے ابن تیمیہ والے مسلک کو عام کیا جائے، اس لئے پیش بندی کے خیال سے یہ سطور بڑھادی گئیں۔ واللہ المسؤل لہدایہ، مسئلہ طلاق ثلاث کی بحث مکمل و مدلل ”الاشفاق علی احکام الطلاق“ للکوثری میں شائع شدہ ہے، اردو میں علامہ مفتی مہدی حسن (مفتی دارالعلوم دیوبند) کا رسالہ بھی جامع و مانع اور شائع شدہ ہے۔ اور ہمارے قریبی دوست مولانا عامر عثمانی مرحوم نے تو ”بجلی“ کے تین نمبروں میں اتنا کچھ مواد پیش کر دیا تھا کہ انصاف پسند اردو داں طبقہ کے لئے اس سے زیادہ مفید مؤثر و مدلل کافی و شافی لکھ دینا سہل منتفع ہے۔ جزاء اللہ عما وعن سائر الامۃ حیر الجراء

(نوٹ) افسوس ہے کہ عامر صاحب کو علامہ کوثری کا مذکور رسالہ باوجود تلاش بسیار کے بھی دیوبند وغیرہ میں نہ مل سکا تھا، پھر بھی انھوں نے مراجعت اصول کر کے اور بڑی محنت و کاوش برداشت کر کے جتن کچھ لکھ دیا وہ ان ہی کا حصہ و حوصلہ تھا، کیونکہ انھوں نے بہت سے جماعت اسلامی کے اپنے خصوصی احباب کے دیرینہ تعلقات کی بھی رعایت کلمہ حق کہنے کے مقابلہ میں نہیں کی تھی۔ اب ایسے دل گردے کے انسان کہیں ہیں؟! احقر کا احساس یہ ہے کہ آخر میں انھوں نے یہ مضمون اور قادیانیت کے خلاف جو کچھ لکھا، وہ ان کی آخرت کے لئے عظیم

القدر ذخیرہ بنا ہوگا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

رفع یدین کو بدعت کس حنفی نے لکھا؟ ہمارے سب اکابر متقدمین اور اب حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی ثابت کیا کہ رفع یدین بھی سنت نبویہ ہے اور ترک رفع بھی سنت نبویہ و سنت صحابہ و تابعین ہے، اختلاف صرف اولیٰ و افضل کا ہے، مکروہ و غیر مکروہ کا بھی نہیں، ہمارے حضرات میں سے آخری دور میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے رفع یدین شروع کیا تھا، اور ایک رسالہ بھی اس بارے میں لکھا تھا، ان کو خیل ہو گیا تھا کہ یہ سنت مردہ ہو گئی ہے، اس کو زندہ کرنے میں سوشیالوں کا ثواب ملے گا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے فرمایا: ان کو سمجھا دیں کہ رفع و ترک دونوں ہی سنت ہیں، اور دونوں ہی امت میں معمول بہا ہیں، ان میں سے کسی کو مردہ سنت خیال کر کے اس کو جاری کرنا غلط ہے، تو اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحبؒ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا اور رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ مولانا کرامت علی جوہری نے ”ذخیرہ کرامت“ ص ۲۲۴ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ مولانا شہیدؒ نے اپنے مرشد حضرت سید احمد صاحب قدس سرہ کے سمجھنے پر رجوع کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (برہان جولائی ۸۷ء)

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہؒ پر ایک زمانہ تک عدم تقلید کی طرف بھی رجحان رہا ہے اور انھوں نے رفع یدین کو بھی ترجیح دی تھی مگر آخر میں وہ حنفیت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے تھے اور شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ تو نہایت درجہ مسلک حنفی کے پابند تھے اس لئے میں نے لکھ تھا کہ ہمارے اکابر دیوبند کے فکری و مسلکی امام بکلی معنی اللہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام اعظمؒ کے نہ صرف تلمیذ اعظم بلکہ آپ کے عاشقین صادقین میں سے تھے اور شاہ ید صرف معدودے چند مسائل میں ہی امام صاحبؒ سے الگ رائے اختیار کی ہوگی اور ان میں سے ہی یہ رفع یدین کا مسئلہ ہے، اور یہ اختلاف بھی بہت معمولی نوعیت کا صرف اولویت کا تھا، اور امام صاحبؒ کے ظرف عالی کی داد دینی چاہیے تھی کہ اپنے شاگرد کی بات پر ذرہ بھر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اس کے برعکس امام ہم پر یدیمبارک کیا موزوں تھا کہ وہ گمراہ تھے اور غلطی گمراہوں کی طرح جواب دہی کے لئے مدد نہ ملنے پر سکت و حیران رہ گئے۔ والی اللہ المستغنی۔

### امام اعظم پر بے علمی کا طعنہ

آخر میں ہمیں اس پر بھی کچھ لکھنا ہے، کیونکہ اتنی بڑی جسارت بھی امام ہمام کے بارے میں امام بخاریؒ کے سوا کسی نے ہمارے علم میں نہیں کی ہے۔ اور اس کو انھوں نے اپنے رسالہ میں بار بار دہرایا ہے کہنے اور لکھنے میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہے، مگر کیا وہ مقتدر ہستی جس نے مسلسل تیس تیس سال تک درس و تدریس اور افتاء و قانون سازی کا وہ لافانی کام انجام دیا جو مذہب حنفی کی بنیاد ہے، اور جس نے چالیس عشاء فحول کی مجلس تدوین فقہ قائم کر کے ساڑھے بارہ لاکھ قانونی مسائل کے جوابات مرتب کرائے، جو ان کی زندگی ہی میں الگ الگ عنوانات کے تحت مرتب ہو کر عباسی، اسلوتی، عثمانی اور مغل سطوتوں کا قانون بن گئے تھے اور ان کے ساتھ آٹھ سو تلامذہ کبار دنیا کے مختلف علاقوں میں پہنچ کر درس و افتاء کے مسند نشین اور ساری امت مسلمہ کی عقیدتوں کے مرکز بن گئے تھے، ان کے تقریباً پچاس تلامذہ قانون اسلامی ایسے حذوق و ماہر نکلے کہ جو سلطنت عباسیہ کے قاضی اور جج مقرر ہوئے، اور ہر دور میں امت محمدیہ کے دو تہائی یا تین چوتھائی افراد علماء و عوام ان کے فقہ کی پیروی کرتے رہے ہیں، کیا ایسی عظیم و جلیل شخصیت کے لئے بے علمی کا طعنہ زیب دیتا ہے اور وہ بھی امام بخاریؒ ایسے عظیم المرتبت قابل صدا احترام کی جانب سے؟!۔

۔ بخت جان زحیرت کہ اس چہ یونہی است

یہاں امام اعظمؒ کی شاندار علمی زندگی اور ان کے زندہ جاوید علمی کارناموں کا تذکرہ موجب طوالت ہوگا، مقدمہ انوار الباری میں اور پھر ضمناً بھی کچھ نہ کچھ لکھا ہی گیا ہے، اور آئندہ بھی حسب ضرورت لکھیں گے ان شاء اللہ، قریبی دور میں علامہ کوثریؒ اور شیخ ابوزہرہ مصریؒ نے بھی نئے طرز میں کافی تحقیق سے لکھ دیا ہے۔

”خلافت و ملکیت“ میں علامہ مسودوی نے بھی باب ہفتم و ہشتم میں جو قیسی ذخیرہ امام اعظمؒ کے بارے میں یکجا کر دیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے، یوں ہمیں علامہ کے بہت سے نظریات سے اختلاف بھی ہے مذکورہ بالا کتاب میں بھی ہمارے نزدیک متعدد مقامات مخدوش ہیں، ان کے لئے مولانا محمد تقی عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب ”حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق شائع کردہ الجمعۃ بکد پودہ ملی کا مطالعہ کیا جائے۔ اور ان کی تفسیر پر بھی ہمارے تقریباً ایک سو اسیادات ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ کسی کی بہتر خدمت و سعی کی داد دینا بھی غیر موزوں بات ہے۔ واللہ المستول للحق والصواب۔

## ترجیح ترک رفع یدین کی احادیث

(۱) سب سے پہلی دلیل و حجت تو حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ ہے، جس کو خود امام اعظمؒ نے بھی امام اوزاعی سے مناظرہ کے وقت پیش کیا تھا، جبکہ امام اوزاعی نے یہی بخاری والی حدیث زہری عن سالم عن ابن عمرؓ پیش کی تھی، اور فرمایا تھا کہ اے امام! آپ کی بات ترک رفع کی کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ ایسی عالی سند کے ساتھ ہم رفع کی حدیث پیش کر رہے ہیں؟ اس پر امام اعظمؒ نے جواب دیا تھا کہ ہم سے حماد نے عن ابراہیم عن علقمہ والا سودی عن ابن مسعودؓ روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے، امام اوزاعی نے کہا کہ میں تو آپ کے سامنے ایسی عالی سند کے ساتھ زہری عن سالم عن ابیہ والی روایت پیش کر رہا ہوں اور آپ حماد الخ کو مقابلہ میں لا رہے ہیں جبکہ اس کی سند اتنی عالی نہیں ہے، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ آپ نے صرف سند کا غلو دیکھا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ہماری روایت کے ایک راوی حماد ہیں جو زہری سے افتد ہیں، دوسرے ابراہیم ہیں جو سالم سے افتد ہیں، تیسرے علقمہ ہیں جو فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں ہیں۔ اور اگر حضرت ابن عمر کے فضل و محبت پر نظر کی جائے تو علقمہ کے ساتھ اسٹھی ہیں جن کے لئے فضل کثیر ثابت ہے، پھر آگے روایت کرنے والے حضور اکرم ﷺ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں ان کی بڑائی عظمت و فضل کا تو ذکر ہی کیا؟ یہ سن کر حضرت امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

اس مناظرہ کا حال ہمارے شیخ ابن البہام صاحب فتح القدیر نے لکھ کر فرمایا کہ امام اوزاعی نے تو حدیث رفع یدین کی تائید علوسند سے کی تھی، ہمارے امام صاحب نے حدیث ترک کی تائید فقہ رواۃ سے کی، اور یہی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے (اور شاید اسی لئے امام اوزاعی نے سکوت اختیار فرمایا)

علامہ ملا علی قاریؒ (شارح مشکوٰۃ شریف) نے لکھا کہ بعض لوگوں نے یہ بات بھی چلتی ہوئی کہدی ہے کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو بخاری والی روایت نہ پہنچی ہوگی، حالانکہ یہی بخاری والی روایت تو مناظرہ کے وقت پیش کی جا رہی تھی جو بہت بعد کو امام بخاری کو پہنچی، اور اس کو انھوں نے صحیح بخاری میں درج کر دیا ہے اور چونکہ وہ اپنے اختیار کردہ مسلک کے خلاف والی حدیث کی روایت کرتے ہی نہیں، اس لئے عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کو بخاری میں نہیں لیا ہے، علامہ قاری نے اس موقع پر یہ بھی لکھا کہ احادیث نبویہ صحیحہ نصر اللہ امر اسمع منا شیئا الخ اور رب حامل فقہ غیر فقہ و رب حامل فقہ اے من ہو افتد منہ سے بھی امام صاحب ہی کے اصول کی تائید ہوتی ہے کہ راوی غیر فقہ سے فقہ و افتد راوی کی روایت زیادہ قوی و محکم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظمؒ کے شرعی فیصلے اپنی رائے سے نہیں بلکہ احادیث نبویہ ہی کی روشنی میں ہوتے تھے، اور حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کی یہ بات بالکل صحیح تھی کہ ابو حنیفہؒ کی رائے مت کہو کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حدیث نبویہ ہی کے مطالب و معانی ہوتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ترک رفع کی ترجیح کے لئے یہ رواد مناظرہ ہی کافی و وافی ہے کیونکہ یہ منظرہ امام صاحب کا کسی معمولی شخص سے نہیں

۱۔ اسود انص خانہ حضرت ابن مسعودؓ تھے، حضرت عائشہؓ سے مہمات امور شرعیہ میں بہ کثرت سوالات کیا کرتے تھے، برادر علقمہ کے بیٹے تھے کوئی سال نہیں ترک کیا جس میں حج نہ کیا ہو، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ہدایا جاتے تھے، روء کوفہ میں سے ہیں اور ان کا مذہب ترک رفع یہی تھا، اس سے ان کی جدانت قدر اپنے اکابر اساتذہ سے علمی استفادات کے بعد ان کے مختارات کی قیمت پہنچانی جائے (افادہ نور)

ہوا تھا، امام اوزاعی بڑے فقیہ، مجتہد و محدث و متکلم تھے، اسی لئے ایک عرصہ تک باقاعدہ ان کا مذہب بھی امت کے اندر جاری رہا تھا۔ اس لئے بعد کے حضرات، سے ان کا کیا مقابلہ جو دوسری صدی میں آئے، اور ان کے مذہب و مسلک کا چلن چند روز کے لئے بھی نہ ہوسکا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ امام صاحب کی دلیل سن کر خاموش ہو گئے، جس طرح امام صاحب اپنے تلمیذ ابن مبارک کی بات طیران والی سن کر خاموش ہو گئے تھے، اس کو امام بخاری نے امام صاحب کی غوایت (گمراہی بتلائی) حالانکہ حق بات سن کر خاموش رہنا یہ تسلیم ہی صحیح طریقہ ہے امام صاحب جانتے تھے کہ رفع و ترک دونوں ہی سنت ہیں اگر شاگرد نے دوسری سنت کو اختیار کر لیا اور اپنی ذہانت سے اس کے لئے ایک توجیہ بھی نکالی تو اس میں کیا مضائقہ ہے، پھر وہ اس لئے بھی خاموش ہوئے ہوں گے کہ عبداللہ بن مبارک کی اس توجیہ کے بعد کوئی یہ نہ کہہ دے کہ حضور علیہ السلام نے تشہد کے بعد سلام پھیرنے کے وقت جو تکبیر فرمائی کہ یہ کیا شریروں و شوخ گھوڑوں کی طرح ہاتھ اٹھا اٹھا کر اشارے کر رہے ہو۔

نماز میں سکون کو لازم پکڑو یہ حدیث صحیح مسلم شریف وغیرہ کی ہے، جب حضور علیہ السلام نے ختم نماز پر بھی سکون کی تاکید فرمائی، تو کیا نماز کے اندر بار بار ہاتھ اٹھانے کو پسند فرماتے، ہاں حسب تحقیق حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ صحیح صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائی دور رسالت میں توسع تھا، ہر تکبیر پر بھی رفع یدین ہوا ہے، جس کے بارے میں امام اوزاعی نے بھی فرمایا تھا کہ یہ پہلی بات تھی، پھر پانچ چھ بار ہاتھ اٹھانے کی بات باقی رہی کہ امام بخاری نے علاوہ قبل الركوع و بعد الركوع کے دوسرے رفع بھی حدیث سے ثابت کئے ہیں اور غالباً ان کا مسلک بھی امام شافعی وغیرہ سے زیادہ باری نماز میں رفع یدین کا ہے اس کے بعد یہ دوبارہ باقی رہا، جس کے امام احمد و امام شافعی قائل ہوئے، اور ابن عمر کی مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہیں، پھر آخر میں دائرہ اور بھی تنگ کر دیا گیا کہ صرف ابتداء صلوٰۃ میں رفع یدین باقی رہا، اور سب مرجوح ہو گئے اور اسی آخری سنت نبویہ پر اہل مدینہ عامل تھے اور سارے اہل کوفہ بھی جہاں پر سیکڑوں صحابہ جا کر آباد ہوئے تھے۔ اسی لئے حضرت امام مالک و امام ابو حنیفہ اور دونوں کے اصحاب و متبعین نے ترک رفع کو ترجیح دی، لیکن بدعت رفع یدین کو بھی نہیں کہا، اور امام مالک سے تو ایک قول کراہت رفع یدین کا ہے بھی، امام اعظم سے ایسا بھی نہیں ہے، نہ کبار حنفیہ میں سے کسی نے اس طرح طعن و تشنیع رافضیوں پر کی، جس طرح دوسروں نے حنفیہ و مالکیہ پر کی ہے،

حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری میں فرمایا تھا کہ یہ حدیث جو بخاری مائے ہیں مالک بن حویرثؓ کی ہے جو بصرہ میں تھے اور حدیث ابن عمرؓ کی لائے ہیں جو مدینہ میں تھے، پھر فرمایا کہ مکہ معظمہ کے لوگوں میں رفع یدین کے نفل کرنے والے سب کم عمر کے ہیں، اور اہل کوفہ تو سب ہی ترک رفع کی روایت کرتے ہیں، پھر صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت براء بن عازبؓ (بڑی عمر کے صحابہ) سب ترک رفع کرتے تھے (کمادواہ ابن ابی شیبہ فی مصنف ص ۱۸۳۶) ان بڑوں کے مقابلہ میں حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی روایت کو کیسے ترجیح دی جاسکتی ہے۔

امام بخاری نے جزیر رفع یدین میں اس بات پر بھی خفگی کا اظہار کیا ہے کہ ابن عمرؓ کو لوگ کم عمر کا بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں صغیر تھے، اور جوابی طور سے امام بخاری نے لکھا کہ حضور علیہ السلام نے ان کو رمل صالح کہا ہے، کوئی بتلائے کہ وصف صلاح کی وجہ سے ان کے صغیر اسن ہونے کی نفی کیسے ہو گئی، اور کیا صلاح کی وجہ سے وہ کبار صحابہ کی صف میں شامل ہو گئے؟ اس سے بھی بڑی مشکل یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے استفادہ حدیث محدث شہیر ابن ابی شیبہؒ نے (جو امام اعظم کے بڑے مخالفین میں بھی ہیں اگرچہ امام بخاری سے کم ہیں) ایک روایت اپنے مصنف ص ۱۸۳ میں ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد یہ بھی روایت کر دی کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو نہیں دیکھا کہ وہ بجز افتتاح صلوٰۃ کے نماز میں کسی جگہ رفع یدین کرتے ہوں،

اس سے معلوم ہوا کہ خود راوی حدیث بخاری ابن عمرؓ نے بھی عملاً ترک رفع کر دیا تھا۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو راوی خود اپنی روایت



کے خلاف عمل کرے وہ اس کی روایت کے مرجوح و متروک العمل ہونے کی علامت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد ملاحظہ کیجئے کہ امام ترمذی نے بھی اس حدیث عبد اللہ بن مسعود کی روایت کی اور تحسین بھی کی۔ بلکہ ایک نسخہ ترمذی کے مطابق ان کی حدیث پر ترک رفع یدین کا باب بھی باندھا، جو متداول مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

امام ابو داؤد نے مستقل باب من لم یذكر الرفع عند الركوع قائم کر کے حدیث ابن مسعود کو ذکر کیا، پھر دوسری حدیث حسن بن علی سے نقل کی کہ نماز میں ایک ہی بار شروع میں رفع یدین کیا ہے، پھر حضرت براء سے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ شروع نماز پر رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے، اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ سے بھی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ دراز کر کے اٹھاتے تھے۔ بذل المجہود میں رفع و ترک کی بحث پوری تفصیل و دلائل کے ساتھ قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔

امام نسائی نے باب رفع اليدين عند الركوع قائم کر کے حدیث ابن عمر روایت کی۔ پھر آگے دوسرا باب الرخصة في ترك ذلك لائے، جس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں صرف ایک بار رفع یدین تھا۔ اسی طرح محدث ابن ابی شیبہ نے ایک باب "من كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة" قائم کر کے رفع یدین کی روایات جمع کیں تو دوسرا باب "من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود" قائم کیا، جس میں ترک رفع کی احادیث ذکر کیں۔ (ص ۱۲۳۴ تا ص ۱۲۳۷) ابن حزم نے محلی میں حدیث ابن مسعود روایت کر کے اس کی تصحیح بھی کی۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے جو صحیح کے درج ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کو صحیح کے روایت کیا۔ ابن القطن و دارقطنی و امام احمد نے تصحیح کے ساتھ لفظ لم بعد کا منکر بتلایا اور یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ وہ ایک ایک لفظ پر ذرے ڈال کر چھان بین کرتے ہیں، اور جب کسی لفظ میں شبہ ہو تو منکر کہہ دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حدیث صحیح کا سارا مضمون ہی مشتبہ یا منکر ہو گیا بلکہ صرف اس لفظ کے بارے میں منکر ہونے کا حکم ہوتا ہے، اگرچہ اسی لفظ کے ہم معنی دوسرے الفاظ دوسری احادیث صحیحہ کے معروف اور غیر منکر ہوں، چنانچہ دوسری احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ شروع میں رفع یدین ہوا، یا افتتاح صلوة کے علاوہ نہیں ہوا، وہ الفاظ زیر بحث نہیں آئے ہیں۔

اس کے علاوہ امام محمدؒ نے اپنے موطا میں، امام طحاوی نے اپنی شرح معانی الآثار میں، امام بیہقی نے سنن میں، سب ہی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ذکر کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک کا قول جو امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کے بارے میں ذکر کیا وہ بھی اس روایت کے مرفوع ہونے کے بارے میں ہے خود حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے فعل ترک رفع کے وہ بھی منکر نہیں ہیں، چنانچہ خود ان کی اپنی روایت نسائی میں موجود ہے۔ جو امام نسائی نے ترک رفع کے باب میں نقل کی ہے۔ اور جس طرح محدثین نے ایک ایک لفظ پر بحث کی ہے، رفع و وقف کے بارے میں بحث و تحقیق سب نے کی ہے اور جس کو بھی مثلاً رفع کے بارے میں اطمینان نہ ہوا اس نے اس کا انکار کر دیا اور جس کو اطمینان ہوا اس نے مرفوع ہونے کی صراحت کر دی۔ پھر جبکہ اس امر کو سارے ہی محدثین کبار نے تسلیم کر لیا کہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ہمیشہ ترک رفع کیا، اور آپ کے اصحاب نے بھی، جن میں بہ کثرت صحابہ بھی تھے، اور سارے اہل کوفہ تارکین رفع تھے۔ مدینہ طیبہ کے ساکنین حضرت امام مالک کے زمانہ میں تارکین رفع تھے، اور دوسرے بلاد اسلام میں بھی ضرور حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ وغیرہ کہاں صحابہؓ کے عمل کو دیکھ کر ترک رفع ہی پر عامل ہوں گے، اور بقول حضرت علامہ کشمیریؒ مدینہ میں بھی تعامل ترک رفع کی وجہ سے ہی حضرت ابن عمرؓ کو یہ خیال آتا ہو گا کہ کہیں رفع یدین کی سنت بالکل متروک و منکر ہی نہ بن جائے، اور اسی لئے وہ کچھ لوگوں کو ننگری بھی مار کر توجہ دلاتے ہوں گے۔ اس سے کیا ہوا جبکہ سنت تو رفع و ترک دونوں ہی تھیں، حضرت ابن عمرؓ اپنے اس جذبہ میں سب سے ممتاز تھے ہی کہ حضور علیہ السلام کی کوئی سنت

مترک نہ ہونے پائے، اور وہ ہر سبب نبویہ پر بڑی سختی سے عمل کرنے کے عادی تھے۔ اس سے بعد کے حضرات نے خفی مسلک کو گرانے کے منصوبہ کے تحت سندوں کو آڑ بنا کر وہ سب کیا، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اور اب تک بھی معاندین خفیہ ایسے ہی طریقوں کو اپنا کر خلاف پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

### امام بخاری کا غیر معمولی تشدد

ان شاء اللہ العزیز اس مسئلہ کی پوری بحث پڑھ کر ناظرین فیصلہ کر لیں گے کہ کیا واقعی امام صاحب احادیث و آثار و سنن نبویہ سے نفرت کرنے والے تھے اور بدعت ان کے لحم دوم میں سرایت کر گئی تھی، جیسا کہ امام بخاری جیسے عالی مرتبت نے ان پر الزام لگایا، اور بخاری میں بھی کتاب الاکراہ ص ۱۰۲۷ اور ۱۰۲۸ میں دو جگہ قال بعض الناس کہہ کر امام صاحب کو مطعون کیا ہے، اسی موقع پر حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری میں فرمایا تھا کہ امام بخاری نے یہاں امام اعظمؒ پر تشنیع کی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں فقہ خفیہ سے پوری واقفیت حاصل نہ تھی اگرچہ وہ کہتے ہیں تھے کہ فقہ خفی کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان کی کتاب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہیں اس کا تحقیقی علم نہ تھا اور کچھ باتیں بے تحقیق بھی سنیں تھیں اور ان کا یقین کر لیا تھا، پھر ان پر اعتراضات کرتے رہے جو ان کی شان و جلالت قدر کے لئے موزوں نہ تھے، وہ اگر صحیح طور سے جانتے کہ فقہ خفی میں اکراہ کی حقیقت کیا ہے تو اعتراض نہ کرتے۔ ان مسائل کی تحقیق اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

حضرت نے پھر کتاب الخلیل میں بھی فرمایا کہ اس کتاب میں ۱۹ جگہ امام صاحب پر حملے کئے ہیں، اور یہاں تک کہہ دیا کہ امام صاحب نے مسلمانوں میں فداغ و فریب کو رائج کر دیا، ایک جگہ کہہ دیا کہ امام صاحب نے ہبہ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے اور زکوٰۃ ساقط کر دی ہے۔ (بخاری ص ۱۰۲۹ تا ۱۰۳۲)

حضرت نے فرمایا کہ امام بخاری نے جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ میں فرق نہیں کیا، اس لئے جتنے اعتراض توں بالجواز پر ہو سکتے تھے وہ سب قول بالنفاذ پر کر گئے۔ حالانکہ دونوں میں واضح فرق ہے کیونکہ ایک چیز کا ارتکاب شرعاً ممنوع و ناجائز ہوتا ہے تاہم اس کو کوئی کر گذرے تو اسکو واقع تو ماننا ہی پڑے گا، جس طرح کوئی زمانہ حیض میں طلاق دے جو شرعاً محظور و ممنوع ہے، تو اس کو واقع و نافذ تو ماننا ہی پڑے گا۔ الخ حضرت شاہ صاحب نے ہر بعض الناس پر پوری تفصیل کر کے دلائل و ثبانی جوابات دیئے ہیں جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کئے جائیں گے۔ (یہاں یہ بات ضمناً یاد آگئی، اس لئے اشارہ کر دیا گیا)۔

حدیث ابن مسعودؓ کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیشتر اکابر محدثین نے اس کو تسلیم کیا ہے اور اس سے تو کسی نے بھی انکار نہیں کیا کہ خدان کا ٹل ترک رفع ہی تھا اور ہمیشہ رہا، حتیٰ کہ ابن مبارک بھی اس سے منکر نہیں ہوئے، اس پر بھی امام بخاری کے اس دعوے کو کیا کہیں گے کہ کسی صحابی سے ترک رفع ثابت نہیں ہوا۔ کیا ابن مسعودؓ صحابی نہیں تھے؟ اور صحابی بھی ایسے کہ رسول حضور علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح بطور خادم خاص رہے، اور ایسے کمالات کے صحابی کہ حضرت عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابی اور دوسرے حضرات نے ان کے علم و فضل کی تعریف بے حد و رعایت کی ہے، اس کے باوجود اگر ان سے ساری عمر میں کوئی لغزش ہوگئی ہے یا نسیان کہ وہ معصوم تو بہر حال نہ تھے تو ان کی ترک رفع کو بات کو گرانے کے لئے اتنی باتیں نکالی گئیں کہ حدوس ہے، کیا یہی انصاف کا تقاضہ تھا؟ کیا امام بخاری کا یہ دعویٰ سارے محدثین کی تصریحات اور تاریخی حقیقت کے خلاف نہ تھا؟ اس پر اگر ہم کچھ عرض کریں تو سارے اہل حدیث بھی یوں کوشکوکہ کہ امام بخاری کا ادب نہیں کیا۔ "کوئی بتلائے کہ اب ہم کیا کریں؟" کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں امام بخاری کا بڑا ادب ملحوظ ہے، ورنہ سب ہی بڑے ان کی نظر میں ایک ہوتے ان کا مقصد وحید تو صرف اپنی مڑمڑ سلفیت کی تائید اور ائمہ مجتہدین کے خلاف اپنے الگ مسلک کی ترویج ہے، چونکہ حسب تصریح



کی تکبیرات کے وقت بھی رفع یدین ممنوع ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں کوئی استثناء نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے جابر بن سرہ کی دوسری حدیث بھی نقل کی اور لکھا کہ اس سے ڈرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کر دی جائے جو آپ نے نہیں فرمائی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اس کے حکم کے خلاف کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنے چاہئے کہ وہ کسی آزمائش وقتہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا خدا کی طرف سے ان پر عذاب الیم نازل نہ ہو جائے۔

اس کے بعد کم علم لوگوں کے جوابی معروضات ملاحظہ ہوں۔ امام مسلم نے ”باب الامر بالسکون فی الصلوۃ“ میں پہلے حمیم بن طرفہ کی روایت سے جابر بن سرہ سے حدیث نقل کی کہ حضور علیہ السلام ہر ری طرف نکل کر آئے اور فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے کہ گویا وہ بے چین و مضطرب گھوڑوں کی دم ہیں۔ نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ دوسری حدیث عبید اللہ بن القطیہ کی روایت سے جابر بن سرہ ہی سے اس طرح روایت کی کہ جب ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، تو ہم ایک دوسرے کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کرتے تھے، (راوی نے دائیں بائیں اشارہ کر کے بتلایا) تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی ہلتی ہوئی دمیں کی طرح ہاتھوں سے اشارے کیوں کرتے ہو؟ بس اتنا کافی ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے رہیں اور دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کہو۔

مسلم میں تیسری حدیث بروایت عبید اللہ ہی جابر بن سرہ سے اس طرح ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی پس جب ہم سلام پھیرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کے اشارہ کے ساتھ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کرتے تھے، رسول اکرم ﷺ نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا: یہ کیا تم گھوڑوں کی ہلتی ہوئی دمیں کی طرح ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے ہو؟ سلام پھیرتے وقت اپنی بھٹی کی طرف رخ کرنا کافی ہے، ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

ہم نے تینوں حدیث نقل کر دیں تاکہ بات صاف ہو جائے، اور ہر شخص سمجھ سکے کہ سب میں ایک ہی مضمون ہے یا الگ الگ موقع پر حضور علیہ السلام نے جدا جدا ہدایت دی ہے۔ ایک تو یہی فرق ہے کہ حضور نے باہر سے نماز کے اندر لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا، اور دوسرے موقع پر خود حضور علیہ السلام نے جماعت سے نماز پڑھائی اور سلام کے وقت ہاتھوں کے اشارے دیکھے، نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا رفع یدین کی صورت بناتا ہے اور سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ دوسری طرح ہوتا ہے، اس میں رفع یدین نہیں ہوتا۔

جس موقع پر آپ نے باہر سے دیکھا اور رفع یدین کو رد کا اس کے ساتھ نماز کے اندر سکون کا بھی حکم دیا، اور جب سلام کے وقت دیکھا تو نماز ختم ہو رہی تھی، اس موقع پر اسکنوا ہی الصلوۃ کا نہ موقع تھا اور نہ آپ نے فرمایا۔ نہ راوی نے اس کو ذکر کیا۔

بذل المجہود ص ۲۱۸ میں زیادہ بہتر طریقہ پر امام بخاری کے نقد کا جواب دیا گیا ہے۔ اس میں مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی و مسند احمد سب کی روایتوں کے حوالے نقل کئے ہیں اور نسائی میں راوی نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ حضور علیہ السلام ہماری طرف نکل آئے تو ہم نماز کے اندر تھے، اور ہم نے اپنے ہاتھ نماز کے اندر اٹھائے تھے، یہاں شوکانی نے بھی کچھ فضل دیا ہے، جس کا جواب ماعلی قاری اور زیلعی نے خوب دیا ہے۔ اور صاحب عون المعبود نے لکھا کہ طحاوی یعنی ایسا جواب دیتے تو تعجب نہ تھا۔ ام زلعی ایسے محدث کبیر و منصف کے جواب پر بہت تعجب ہے، اور کہا کہ جب راوی جابر بن سرہ ایک ہے تو حدیث بھی ایک ہی ہونی چاہئے، اس کو نقل کر کے صاحب بذل نے لکھا کہ اگر صاحب عون المعبود کو علوم نبوۃ سے کچھ حصہ ملتا تو نہ وہ ام زلعی کی تحقیقی پر تعجب کا اظہار کرتے اور نہ دوسری بات کہتے کیونکہ آج تک کسی بھی اہل علم نے وحدت راوی سے وحدت مرویات پر استدلال نہیں کیا، لیکن چونکہ وہ امام بخاری کے مقلد محض ہیں اور خود کے علم میں کمی ہے، اس لئے ایسی بات لکھ گئے اور امام بخاری کی تائید کر دی۔ رہا ام بخاری کا تکبیر تحریمہ و تکبیرات عیدین والا مشکل تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ

کے وقت کا رفع یدین حضور علیہ السلام سے بخلاف ثابت ہے (اور وہ نماز کے شروع کے لئے ہے، داخل صلوٰۃ بھی نہیں) اور اس کا ترک بھی حضور سے ثابت نہیں جس طرح رکوع کے وقت کا ترک احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ اور عیدین کا رفع یدین حنفیہ کے یہاں اختلافی ہے، امام ابو یوسف نے اس کا انکار کیا ہے۔ لہذا الزام تام نہیں۔ (بذل المجہود ص ۲۱۹)

(۷) حدیث سیدنا علیؑ کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے، پھر رفع نہیں کرتے تھے، یہ اثر صحیح ہے اور موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے، (طحاوی، ابن ابی شیبہ، بیہقی و کتاب الحج والموطا لئلام محمد) حافظ ابن حجر نے بھی اس کے رجال کی توثیق کی، یعنی نے اس کی سند کو شرط مسلم پر بتلایا۔ (اوجز ص ۱۲۰۶)

رجال ورواۃ احادیث رفع یدین کی زیادہ بہتر، مفصل و مدلل بحث اعلیٰ السنن ص ۳۱۳ و ص ۳۱۵ میں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے رسائل خیل الفرقہ دین وغیرہ میں ہے،

## ترجیح ترک رفع یدین کے آثار

(۱) اثر حضرت عمرؓ (طحاوی و بیہقی و ابن ابی شیبہ) سند علی شرط مسلم (اوجز ص ۱۲۰۶) (۲) اصحاب علیؓ (ابن ابی شیبہ) (۳) اصحاب ابن مسعودؓ (ابن ابی شیبہ) (۴) حضرت ابو ہریرہؓ (کتاب الحج من طریق مالک) (۵) حضرت ابن عمرؓ (موطأ امام محمد، طحاوی، ابن ابی شیبہ و بیہقی فی المعرفۃ و سند صحیح) (۶) ابو سعید خدریؓ (بیہقی) (۷) ابو بکر بن عیاشؓ نے (جو رجال بخاری میں سے ہیں اور ثوری، ابن مبارک و امام احمد وغیرہم کے مشائخ میں سے ہیں کہ) کہ میں نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا جو رفع یدین کرتا ہو بجز تکبیر تحریمہ کے۔ (طحاوی) (۸) قسمی (ابن ابی شیبہ) (۹) قیس (۱۰) ابن ابی لیلیٰ (۱۱) اسود (۱۲) علقمہ (۱۳) ابوالخثی (۱۴) یہ سب صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ نوٹ: ان میں سے حضرت علیؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ ایسے صحابی بھی ہیں جن سے مرفوعاً رفع یدین مروی ہے اور خود ان کے عمل سے ترک رفع عند الركوع بھی مروی ہے، تاہم حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً بھی اور خود ان کے عمل سے بھی ایک ہی بات نقل ہوئی ہے کہ بجز تحریمہ کے رفع یدین نہیں ہے۔ اصولی اعتبار سے جن صحابہ کرام سے باوجود روایت حدیث کے بھی خود اس کے خلاف عمل ثابت ہو تو وہ اس حدیث کے نسخ کی علامت قرار دیا گیا ہے، پھر حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب سے نیز حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے اصحاب سے بھی ترک رفع عملاً ثابت ہوا تو اس سے یہی بات راجح ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کا آخری عمل ترک ہی دیکھا ہوگا، مگر چونکہ یقینی بات نہیں ہے، اس لئے سنت رفع و ترک دونوں کو ہی مانا جائے گا، البتہ ترجیح ترک رفع یدین تعادل اہل مدینہ و اہل کوفہ اور آثار مرویہ کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

کوفہ کی مرکزیت: حرمین شریفین کے بعد سرزمین کوفہ کو ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ ہزاراں ہزار صحابہ کا وہاں ورود ہوا اور ڈیڑھ ہزار صحابہ نے تو اس کو اپنا وطن بھی بنالیا تھا، کوفہ کی تعمیر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی تھی، اور آپ نے اہل کوفہ کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ و حضرت عمارؓ کو بھیجا تھا، ان کے وہاں پہنچتے ہی کوفہ کے گوشہ گوشہ میں علمی حلقے بن گئے، اور کتاب و سنت کے دروس جاری ہو گئے تھے، پھر جب حضرت علیؓ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو حضرت ابن مسعودؓ کے حق میں بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ ان پر رحم کرے، انہوں نے اس بہت سی کوعلم کی دولت سے مالا مال کر دیا اور ان کے تلامذہ و اصحاب کو سرا جہائے امت محمدیہ کے لقب سے نوازا، آپ کے تلامذہ فقہ و حدیث کی تعداد چار ہزار بتلائی گئی ہے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ میں جب کوفہ گیا تو بیک وقت چار ہزار طلباء کو حدیث کا علم حاصل کرتے ہوئے پایا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ تحصیل علم کے لئے کتنی بار کوفہ و بغداد گیا ہوں، اس پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام بنوری و حمیدی نے کوفہ و بغداد کے لوگوں سے بہ کثرت امام اعظم کے مناقب و فضائل بھی ضرور سنے ہوں گے، مگر بجز

ان کی برائیوں کے کبھی کوئی منقبت ذکر نہیں کی۔ بات بڑے تعجب و افسوس کی ہے خصوصاً جبکہ امام بخاری کے مشائخ میں بھی اکابر حنفیہ ہیں۔ پھر بقول بعض محققین کے امام بخاری نے رِوَاۃ کی جانچ میں تو بڑی سختی کی ہے، مگر جہاں وہ کسی علمی بحث کے اندر دوسرے واقعات بھی اپنی تائید کیلئے پیش کرتے ہیں کیا ان واقعات کی صحیح سند ضروری تھی؟ نمبر ۳۷ میں بجائے حدیث کے امام بخاری نے استدلال میں صرف عبد اللہ بن مبارک کا ایک واقعہ پیش کیا ہے اور وہ بھی بلا کسی سند و حوالہ کے جس کے بعد امام اعظمؒ کو غوی و گمراہ لوگوں سے بھی تشبیہ دی ہے، کیا اتنے بڑے مقتداۓ اعظمؒ پر بلا سند و حوالہ کے اتنا بڑا ریمارک کر دینا درست تھا؟ نہ قال ابن المبارک کی کوئی سند ہے جبکہ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، تو انہوں نے امین مبارک کا قول کس سے سنا اس کا ذکر ضروری تھا، تاکہ مسند منقطع نہ ہوتی اور اس کڑی کی جانچ ہو سکتی ممکن ہے فہم خزاعی سے سنا ہو جو امام اعظمؒ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر پھیلایا کرتے تھے یا اپنے استاد حمید بن سناہو، وہ بھی امام صاحب کے بارے میں بے سند روایات بیان کیا کرتے تھے۔ اسی قصہ میں آگے امام بخاری نے قال و کتب کہا تو یہاں بھی ضروری تھا کہ بتلاتے کس سے سنا، کیونکہ امام و کتب کی وفات ۱۹۷ھ میں ہو گئی تھی، امام بخاری اس وقت تین سال کے تھے، جس واسطے سے کتب کی بات سنی تھی، ان کا نام کیوں نہیں بتلایا؟ اول تو ایک حدیث تحقیقی رسالہ کی شان سے ہی یہ بعید تھا کہ بجائے حدیث کے کسی کے قول یا واقعہ سے استدلال کیا جائے، اگر ہزار لاکھ بھی کسی بڑے سے بڑے کے اقوال و واقعات ہوں تو وہ حدیث رسول کی برابر نہیں ہو سکتے، اور پھر وہ اقوال و واقعات بھی بے سند و حوالہ کے ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے کہ ان کی بنا پر امام اعظمؒ جیسی مقتدر رستی کو گمراہوں سے مشابہ قرار دے دیا گیا۔

اس قسم کے استدراکات امام بخاری کے رسالہ رفع یدین و رسالہ قراءۃ ظلف الامام اور تاریخ صغیر و کبیر پر بہت سے ہو سکتے ہیں، جو یہاں موجب طوالت ہوں گے، اگر ضرورت ہوئی اور عمر نے وفا کی تو اس کے لئے مستقل تالیف پیش ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، لیکن یہ تو غیبت سے بھی کہیں زیادہ ہے کہ امام اعظمؒ کی طرف کتنی ہی بے سند اور غلط سلط سنی ہوئی باتوں پر یقین کر کے ان کو اپنی تاریخ صغیر و کبیر اور اپنے حدیثی رسائل میں نقل کر دیا۔ ہمارے حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ابن حزم کا طریقہ ہے کہ وہ بے سند باتوں کا طومار باندھ کر اور کہیں اجماع کا دعوے بے دلیل کر کے اور کہیں سخت کلامی اور زور بیان کے ذریعے اپنا مدعا ثابت کیا کرتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کیا امام بخاریؒ نے امام اعظمؒ و حنفیہ کے خلاف قرآن مجید کی آیات و وعید و احادیث اور سخت کلامی وغیرہ کا استعمال نہیں کیا؟ حضرت امام بخاری کیلئے بعض اوقات فرمایا کرتے تھے کہ ان کا حال وہ ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔

یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سارے حنفی امام بخاری سے پٹتے رہے اور ادب لحاظ یا ذر و خوف کے سبب سے کسی نے رونے کی بھی جرأت نہیں کی، لوگ مطعون کریں گے امام بخاری ایسے عظیم المرتبت انسان کے خلاف لب کشی کرتا ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ امام بخاری نے اپنے بڑوں کے بڑوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اب بوڑھا ہو گیا ہوں اس لئے صبر و ضبط نہ رہا، اور امام بخاری کے بارے میں کچھ کہتا ہوں، ورنہ ساری عمر ان کا ادب مانع رہا ہے، راقم الحروف بھی اپنی عمر کے آخری مراحل میں ہے، شاید اسی لئے اپنے شیخ کی سنت پر عمل کر رہا ہے اور حق بات کہنے میں کسی کی رعایت ہونی بھی نہ چاہیے نحن رجال و ہم رجال و اللہ یرحمنا و ایامہم۔ ترجیح ترک رفع یدین کے سلسلہ میں دوسرے دلائل کے علاوہ اہل مدینہ و اہل کوفہ کا تعامل، اور اصحاب ابن مسعود و اصحاب علیؓ کا ترک رفع بھی حنفیہ و مالکیہ کے پاس بہت بڑی حجت ہے۔ اس لئے صرف ترجیح کی وجہ سے ان کو ہدف طعن و تشیع بنانا انصاف سے بہت بعید ہے۔ اسی لئے ہم نے امام بخاری کے رسالہ کو خاص طور سے سامنے رکھ کر اس مسئلہ کی بحث کو زیادہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ واللہ یعق الحق و هو خیر الفاصلین۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

افادات اکابر: بطور تکمیل بحث مناسب معلوم ہوا کہ اپنے اکابر اساتذہ کے بھی چند افادات عیب کا اضافہ کر دیا جائے، واللہ المصوب والمعد۔

## حضرت استاذ الاساتذہ مولانا محمود حسنؒ

فرمایا:۔ حدیثی روایات تو اس باب میں مختلف و متنوع ہیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ کبھی تو صاحب شرع نے بعض احکام میں تدریجی طور سے تصدیق و تنقیح کے بعد تشہیل و وسعت کو اختیار کیا ہے جیسا کہ کلاب و اوائی خمر کے بارے میں کہ ابتداء میں کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا اور شراب کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع تھا، پھر ان احکام کو نرم کر دیا گیا، اور بعض احکام میں اس کے برعکس ہوا ہے کہ پہلے تو سح ہوا اور بعد کو پھر تنقیح آئی، جیسے نماز میں ابتدائی دور کے اندر کچھ اقوال و حرکات مباح تھے، پھر ان کو ممنوع کر دیا گیا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع و ترک کا زیر بحث مسئلہ بھی اس دوسری قسم سے ہے کہ شروع میں ہر رفع و خضف کی تکلیفات کے ساتھ رفع یدین بھی تھا (کما فی روایۃ الطحاوی فی مشکل الآثار و اعتراف الاوزاعی انہ کان فی الاول، پھر ۶ جگہ رہا، اس کے بعد تین مواضع میں باقی رہ گیا، جس کو شافعیہ نے اختیار کیا، پھر تکبیر تحریر کے علاوہ باقی دو بھی (قبل الکرکوع و بعد الکرکوع) والے رفع متروک ہو گئے،

پس اوجح المسالک ان کا ہے جو ہر تکبیر پر رفع یدین کے قائل رہے جیسے ابن حزم ظاہری اور دوسرے بعض اہل الظاہ پھر اس سے کم مواضع میں رفع یدین کے قائل ابن المذہب (و امام بخاری) وغیرہ ہوئے جن کا درجہ ان کے بعد سے اجتہاد میں نازل تھا، پھر امام احمد و شافعی کا مشہور مسلک ہے، اس کے بعد سب سے کم وسعت والا مسلک اس ذات والا صفات کا ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ساری امت کے فقہاء فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں کہ فقہائے امت محمدیہؐ کی سرپرستی امام صاحب نہ فرماتے تو وہ سب بے یار و مددگار اور لا وارث و بے کس یتیم کی طرح ہوتے۔ اور اسی مسلک کو امام دارالبحرۃ امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ و متبعین نے بھی اختیار کیا، اور اسی کی موافقت حضرات صحابہ کرام میں سے سیدنا حضرت عمرؓ و سیدنا علیؓ و سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے تعامل سے حاصل ہوئی، جو مجتہدین امت کے سردار اور فقہائے صحابہ کے قائد اعظم تھے امام مسلم نے تابعی جلیل القدر مسروق سے روایت کی کہ میں نے اصحاب الرسول ﷺ کے علوم و کمالات پر نظر کی تو دیکھا کہ ان سب کا علم چھ اصحاب کی طرف منتہی ہوتا ہے کہ وہ تفقہ میں سب سے آگے ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوامرؤء، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کہتے ہیں، پھر میں نے مکرر نظر کی تو دیکھا کہ ان سب میں حضرت علی و عبداللہ بن مسعود کا مرتبہ بلند تر ہے۔ پھر یہ سب بھی مثلاً حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عمر حضرت علی و ابن مسعودؓ کے بڑے قدردان اور ایک دوسرے کے مداح تھے۔ حضرت علی ابن مسعودؓ کی مدح میں رطب اللسان رہتے تھے۔

شیخ ابن الہمام نے لکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریع اسلام اور حدود و شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنی زندگی میں ہمیشہ احوال نبویہ کا تفقہ کرتے رہے، ہر وقت حضور کے ساتھ رہتے تھے اقامت میں بھی اور سفر میں بھی، اور حضور علیہ السلام کے ساتھ لاتعداد نمازیں پڑھی ہیں، لہذا تعارض روایات کی صورت میں بہ نسبت دوسروں کے ان ہی کے قول کو ترجیح ہونی چاہیے (فتح الملہم ص ۱۶/۲)

امام بخاری نے اپنے رسالہ میں پورا زور حضرت ابن عمرؓ کی روایات پر دیا اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو کوئی اہمیت نہیں دی، بلکہ ایک طرح سے اس کو گرانے کی صورت نکالی، جس کے جوابات مطولات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دو جگہ بڑے طعنائے سے دعویٰ کر دیا کہ کسی بھی صحابی سے ترک رفع ثابت نہیں ہے، جبکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ امام مالکؒ نے احادیث و آثار صحابہ و تابعین کے ساتھ تعامل اہل مدینہ پر نظر کر کے ہی ترک کا فیصلہ کیا تھا جو ان کا اور ان کے اصحاب و تابعین کا مشہور مذہب قرار پایا، اور سارے اہل کوفہ کا مذہب ترک رفع کو تو سب ہی محدثین و مورخین اسلام نے تسلیم کیا ہے، مدینہ طیبہ اور کوفہ کے کتنے ہی صحابہ و تابعین کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر اگر صرف ابن مسعودؓ ہی کے ترک رفع کو لیا جائے تو کیا وہ صحابی نہ تھے، کہ امام بخاری نے فرمایا کہ کسی صحابی سے بھی ترک ثابت نہیں

ہے۔ یادہ بجائے ترک رفع کے رفع یدین کیا کرتے تھے؟ جبکہ علماء امت میں کسی کا بھی قول اس کے لئے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیا امام بخاری نے یہ سمجھا تھا کہ دنیا میں صرف میری کتاب اور میری تاریخ اور میرے ہی رسائل کا چلن ہوگا اور جو فیصلہ بھی میں نے کر دیا اس کو چیلنج کرنے والا کوئی نہ ہوگا، افسوس ہے کہ اس طرح کی بات سواء قال اللہ وقال الرسول کے دنیا کے کسی بھی بڑے کی نہیں چل سکتی کہ اس کو چک نہ کیا جاسکے، ہم نے بطور نمونہ چند باتوں پر نقد کیا ہے اور ان کی جواب دہی ضروری سمجھی تھی اس لئے ان کو درج کر دیا ہے۔

حضرت شیخ الہند نے ایک دوسری بات بھی فرمائی کہ میرے نزدیک قوی رائے یہ ہے کہ یا تو قبول زیادۃ ثقات کے اصول سے اثبات رفع کو ہر شخص رفع کے لئے مان لیا جائے اور یا بجز تحریر کے ہر رفع کے ترک کو رائج سمجھا جائے، کیونکہ وہ نماز کی اصل و بنیاد کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی خشوع و سکون یا خشیت و انابت جیسا کہ وہ امام صاحب کا مذہب بھی ہے اور عمل بالبعض و ترک بعض انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے (فتح الملہم ص ۱۷۲)

### افادات علامہ کشمیری رحمہ اللہ

فرمایا: حضرت ابن عمرؓ نے جو اپنی روایات میں صرف دو جگہ کے رفع یدین پر زور دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ انھوں نے اکثر لوگوں سے ترک رفع دیکھا اور زیادہ لوگ اس کے منکر ہوں گے، کیونکہ بغیر دوسری صفات نماز کے بیان کے صرف اسی طرف ان کی وجہ و اصرار اسی لئے ہوا ہوگا کہ تارکین و جامدین و مناظرین کی کثرت ہوگی، اور سلف سے اس بارے میں کوئی نزاع و اختلاف اس لئے نقل نہیں ہوا کہ ان کے نزدیک دونوں جانب رفع و ترک کی برابر تھیں، اس کے بعد جب نزاع و اختلاف پیدا ہو گیا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ صرف ایک سنت پر اتکاف کیوں ہوا اور دوسری بھی کیوں نہ جاری رہے، اور اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعد کے زمانہ میں رافضیوں کی کثرت ہو گئی ہو۔ اور تارکین کم ہو گئے ہوں، اس لئے میری رائے ہے کہ جن امور میں اختلاف و نزاع عہد رسالت میں نہ تھا اور بعد کو پیدا ہوا ہے ان میں فیصلہ صحابہ و تابعین کی قلت و کثرت سے بھی نہ ہونا چاہیے، بلکہ صرف حضور علیہ السلام کے عمل کی قلت و کثرت پر فیصلہ کرنا چاہئے۔ اور جن امور میں صحیح طور سے آپ کے متعلق عمل کی قلت و کثرت متحقق نہ ہو سکے ان میں دونوں طرح کے عمل کو سنت قرار دینا چاہیے، اور جس امر کو بھی ترجیح دے کر عمل کر لیا جائے وہ اتباع سنت ہی ہوگا۔ کسی کے بھی عمل پر تکبر و تشبیح یا لعن و طعن کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالامور

یہ میری آخری درجہ پر رائے ہے ورنہ جس طرح امام مالک نے تعامل اہل مدینہ کو دیکھ کر ترک رفع کو رائج قرار دیا اور امام صاحب نے اور آپ کے اصحاب نے اہل کوفہ و اہل مدینہ دونوں کے تعامل کی وجہ سے بھی ترک رفع کو رائج کیا۔ اس سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ حضور علیہ السلام کے کثرت ترک کو دیکھ کر ہی صحابہ اہل مدینہ اور صحابہ و اہل کوفہ نے ترک کو اختیار کیا ہوگا۔ وہ حضرات بدوں اس کے رفع کو ترک نہ کر سکتے تھے، مگر پھر بھی چونکہ یہ چیز یقینی نہیں ہے، اس لئے ہم اس پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ واللہ ولی الامور

فرمایا: میرے نزدیک شافعیہ نے جو یہ اختیار کیا کہ وہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں اور انھوں نے اس کو کھڑے ہونے کے لئے سمجھا اس لئے اس سے پہلے کرتے ہیں وہ غلط ہے، وہ اس وقت ہونا چاہیے کہ جب بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ کتاب المسائل لابی داؤد میں امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے، کیونکہ وہ مجدد کے لئے جانے کے واسطے ہے۔ ایسے ہی میری رائے یہ بھی ہے کہ شافعیہ جو مقتدی کے لئے تسبیح و تحمید جمع کرنے کو کہتے ہیں وہ بھی درست نہیں، کیونکہ تحمید مقتدی تسبیح امام کے جواب میں ہے، لہذا اس کو کھڑے ہو کر کہنا چاہیے۔ انتقالی حرکت کے دوران میں نہیں ہے۔ شافعیہ کے طریقہ کے لئے نہ حدیث میں دلیل ہے اور نہ سلف میں کسی نے اس پر عمل کیا، بجز ابن سیرین کے۔ امام شافعی کے نزدیک چونکہ امام و مقتدی کا ربط ضعیف ہے، اس لئے ان کا اصول یہ ہوا کہ جو کچھ امام کرے وہ مقتدی بھی کرے، اور چونکہ امام تسبیح و تحمید دونوں کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے، اس لئے مقتدی کے لئے وہی حکم سمجھا گیا، حالانکہ تحمید، تسبیح کے جواب میں ہے اور مقتدی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے،



حضرتؒ نے محدثین کے مبالغات پر بھی اچھی روشنی ڈالی اور مشتغلین حدیث کے لئے بہت کام کی باتیں ذکر کیں، ان کا مطالعہ معارف ابنسنن ص ۴۶۳/۲ اور فیض الباری ص ۳۵۸/۲ میں کر لیا جائے۔ مختصر یہ کہ امام بخاری نے لکھ کہ سترہ صحابہ نے رفع کی احادیث روایت کی ہیں، علامہ ابن عبد البر نے رواۃ رفع کی تعداد ۲۳ لکھی، بیہقی نے ۳۰ لکھی، عراقی نے پچاس تک عدد پہنچا دیا۔ حالانکہ ان میں صرف تحریر والی بھی ہیں، جن میں مواضع تلاش کا کچھ ذکر نہیں، پھر بیہقی نے خود اقرار کر لیا کہ ۳۰ میں سے ۱۵ کی اسناد صحیح ہیں، حالانکہ ان میں بھی مشکلم فیہ حدیث ہیں، غرض عدد گھٹتے گھٹتے پانچ یا چھ کا رہ گیا، یہ محدثین کے مبالغات کا حال ہے۔ اور دوسری جانب بھی ترک رفع کی بھی چھ سات احادیث ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابو ہریرہ، ابن عمر، براء اور کعب بن عجرہ کی اور اوپر ان کا ذکر آچکا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر ان کے ساتھ وہ احادیث بھی شامل کر لیں کہ جن میں نماز کی ساری کیفیت بیان ہوئی ہے اور اول تکبیر تحریر پر رفع کا ذکر بھی ہے مگر ان میں رفع یدین عند الركوع کا کوئی ذکر نہیں ہے، تو ہماری احادیث کی تعداد رفع والی احادیث سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً دارقطنی باب ذکر الركوع والمسجود وما یجزی فیہما ص ۳۳۵/۱ (طبع السید عبداللہ ہاشم میمانی بالمدینۃ المنورۃ) میں حدیث انسؓ میں پوری نماز کی تفصیل اور صرف اول تکبیر پر رفع یدین ہے پھر نہیں ہے۔ اسی طرح التاج الجامع للاصول ص ۱۶۹/۱ باب الركوع واتباعہ فیہ میں ابو حنیفہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

### افادات شیخ الحدیث دامت برکاتہم

آپؒ نے اوجز ص ۲۰۸/۱ میں لکھا: احادیث صحیحہ مرویہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود امام بخاری نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح یاد ہیں، اور فرمایا کہ میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح درج کی ہیں مگر جو خوف طوالت ترک کر دی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اور وہ بھی صحیح ہیں۔ صحیح بخاری میں بحذف مکررات صرف چار ہزار حدیث ہیں، گویا ۲۵/۱ ذکر کی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ اور کچھ ہے، علامہ سیوطیؒ نے کہا: اگر بہت تتبع و تلاش کروں تو موجودہ مسانید، جوامع و سنن و اجزاء وغیرہ میں ایک لاکھ یا پچاس ہزار تک بھی تعداد غیر مکرر کی نہ ہو سکے گی۔ پھر رجال میں بھی کلام بہت زیادہ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ائمہ کبار کے عمل سے ان کی صحت پہچانی جائے، اور یہاں ترک رفع کی احادیث و آثار صحابہ و تابعین کو بھی ہم نے دیکھا کہ ان کو اکبر الائمہ امام اعظمؒ، آپ کے صاحبزادے، اور جعجع علماء کوفہ، اور امام مالک و امیر المومنین فی الحدیث ثورثیؒ نے معمول بہا بنایا ہے تو اس کے بعد مزید تصحیح و توثیق کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ علامہ شعرانی نے کشف النعمہ میں لکھا کہ میں نے اس کی احادیث کی تخریج اس لئے نہیں کی کہ یہ وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ مجتہدین نے اپنے مذاہب کے لئے معمول بہا بنایا ہے۔ لہذا ان میں دوسرے محدثین کی جرح بے اثر ہے، اور ہمیں کسی حدیث و اثر کی صحت کے لئے اس سے کسی مجتہد کا استدلال کافی ہے۔

حضرت دام ظلہم نے یہ بھی فرمایا کہ علاوہ احادیث و آثار مؤیدہ ترک رفع کے ہمارے پاس ایک وجہ وجہ یہ بھی ہے کہ جب کبھی روایات میں اختلاف پیش آتا ہے تو حنفیہ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے عمل کے لئے وہ شکل اختیار کرتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہوتی ہے جس کی نظائریہ کثرت ہیں مثلاً اذعیہ صلوۃ و قنوت و تر میں اوفق بالقرآن کو لیا، یا آیت و اذا قرأ القرآن فاستمعوا له و انصتوا سے مقتدی کے لئے قراءۃ کو مروج قرار دیا یا آیت قبل طلوع الشمس و قبل الغروب سے تاخیر فجر و عصر کو اختیار کیا۔ چنانچہ یہاں ترک رفع کو بھی ہم نے آیت قرآنی و قوموا للہ فانتہین کے موافق پایا تو اس کو ترجیح دے دی (فتح البلیغ ص ۱۴/۲) میں آیت قد اطلع المومنون الذین ہم فی صلوٰتہم خاشعون کو پیش کیا ہے) ایک وجہ ترجیح حضرت دام ظلہم نے یہ بھی ذکر کی کہ احادیث رفع کی روایت کرنے والے اکثر راویوں کی روایات میں تین جگہ سے زائد میں رفع کا ذکر ہے۔ لہذا وہ سب احادیث شافعیہ و حنبلیہ کے نزدیک بھی متروک ہوں گی۔ حضرت غم فیضہم نے اسی طرح ۱۲ وجوہ ترجیح ترک ذکر فرمائی ہیں۔ اوجز ص ۲۰۸/۲ جلد اول میں ملاحظہ کی جائیں۔ ولیکن هذا اختتام الکلام و مسک الختام۔ و الحمد للہ رب العالمین۔

اللَّهُمَّ  
 صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ  
 كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ  
 إِنَّكَ لَمُنِيكَ وَمُنِيكَ  
 اللَّهُمَّ  
 بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ  
 كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ  
 إِنَّكَ لَمُنِيكَ وَمُنِيكَ

كَتَبَهُ الْعَلَمَاءُ الْخَيْرُ وَالْأَفْهَمُ وَالْأَكْبَرُ وَالْأَعْلَى وَالْأَكْبَرُ وَالْأَعْلَى وَالْأَكْبَرُ وَالْأَعْلَى



انوار الباری

۱۶  
اردو شرح

صحیح البخاری

## تفکیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وبعد الحمد والصلوة گزارش ہے کہ انوار الباری کی مسلسل ۳ قسطیں شائع ہونے کے بعد ایک طویل فترت پیش آئی تھی، پھر خدا کا شکر ہے اس کی نشاۃ ثانیہ کی صورت پیدا ہوئی اور اب یہ سولہویں قسط پیش کی جا رہی ہے، قسط نمبر ۱ کی بھی کتابت شروع ہو چکی ہے اور توفیق خداوندی سے یہ امر بھی مستبعد نہیں کہ یہ سلسلہ اتمام تک پہنچے۔ ویدہ تم الصالحات قسط نمبر ۱۳ میں زیارت نبویہ اور توسل نبوی کی اہم ابحاث پیش ہوئی تھیں۔ قسط نمبر ۱۴ میں متفرق اہم علمی و حدیثی مباحث گذرے، قسط نمبر ۱۵ میں علاوہ دوسرے مسائل کے ”رفع یدین“ کی بحث مفصل دلائل کے ساتھ آئی ہے، اس قسط نمبر ۱۶ میں ”فاتحہ ظف الامام“ کی بحث کو بھی حق الوسخ مکمل کر دیا گیا ہے۔

عاجز کی وحشی رفتار کے جہاں دوسرے اسباب و عوارض تھے، ایک یہ بھی تھا کہ عاجز نے ہی اپنے ادارت ”مجلس علمی“ ڈابھیل کے زمانہ میں رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف بخاریؒ کو ڈابھیل بلا کر ”معارف السنن“ کا کام سپرد کیا تھا، اور پوری توقع تھی کہ وہ اس خدمت کو باحسن وجہ آخر تک مکمل فرمادیں گے، اور ان کو اس کے لئے کافی مدت بھی میسر ہوئی، مگر افسوس کہ پاکستان منتقل ہونے کے بعد وہ دوسرے اہم علمی و دینی مشاغل میں ایسے منہمک ہوئے کہ یہ کام بہت تھوڑا کر سکے، کیونکہ چھٹی جلد کا بھی کافی حصہ ڈابھیل میں لکھ چکے تھے، پھر اس کی تکمیل پاکستان میں کی ہے اور یہی جلد آخری ہو گئی۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ بہت سے اہم مباحث پر نظر ثانی بھی نہیں کر سکے۔

مولانا بخاریؒ نے خود فرمایا کہ میں نے حضرت علامہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث کے سال ترمذی باب مس الذکر تک اور بخاری باب حسب الانصار من الایمان تک پڑھی تھی، پھر حضرت شاہ صاحبؒ علیل ہو کر دیوبند تشریف لے گئے، اور ترمذی و بخاری کا درس حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ و مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے پورا کر لیا تھا اور اسی لئے وہ اپنے کو حضرت شاہ صاحبؒ سے اقل استفادہ بھی فرمایا کرتے تھے، مگر یہ اقلیت باعتبار درس کے تھی، یوں ان کو حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم حدیث سے بہت ہی بڑی مناسبت تھی اور انہوں نے اپنے وسیع و عمیق مطالعہ کی کثرت سے بہ نسبت دوسرے تلامذہ کے الگ امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا، اسی لئے خدا کی شان کہ دو اقل استفادہ تھا وہی اکثر افادہ ہوا۔ جس کا بین ثبوت ان کی ”معارف السنن“ ہے مگر صد افسوس کہ وہ پوری نہ ہو سکی۔ اور میں اب تنہا سب سے بار کو محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و تحقیقات حدیثیہ کو منظر عام پر لاؤں، پھر مجھے اس کا بھی نہایت افسوس ہے کہ پاکستان ناظرین انوار الباری تک میری کتاب نہیں پہنچ رہی ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

انوار الباری کے مباحث کو عام طور سے ارادہ مختصر ہی کر کے لانے کا کر لیا گیا ہے، مگر اہم فروعی و اصولی مسائل پر ابحاث مفصل اور مکمل و مدلل ہی آئیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ بھی ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ہمارے خوش نظر زیادہ اہمیت حنفی شافعی وغیرہ ائمہ اربعہ کے باہمی اختلاف کی نہیں ہے، کیونکہ ان حضرات کا اختلاف مہمات مسائل میں بہت کم ہے، اور اصول و عقائد کے باب میں تو چاروں ائمہ متفقہ کے درمیان کوئی اختلاف سرے سے ہے ہی نہیں۔

اس لئے سب سے بڑی اہمیت فقہ ظاہری کی ہے، جس کو داؤد ظاہری کے بعد علامہ ابن حزم پھر علامہ ابن القیم اور علامہ شوکانی اور جد

کے سنی حضرات نے فروغ دیا، جو نہ صرف حنفی مسلک پر ضرب کاری ہے بلکہ سب ہی ائمہ اربعہ مجتہدین کے خلاف ایک مہم ہے۔ موجودہ دور میں اس کی بڑی اٹھان علامہ رشید رضا مصری اور ان کے تلامذہ و تبعین کے ذریعہ ہوئی، جن کے مقابلہ میں مفتی دیار مصریہ شیخ یوسف وجوی اور علامہ کوثری وغیرہ نے احقاق حق کیا، اور خاص طور سے طلاق ثلاث کے ایک طلاق ہونے کا مسئلہ مصر میں اٹھایا گیا تو علامہ کوثری نے ”الا شفاق علی احکام الطلاق“ لکھ کر ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کی پر زور اور مکمل و مدلل تائید کی، اور مصری مجتہدات میں مقالات لکھے جن میں ثابت کیا کہ چاروں مذاہب سے الگ راہ اختیار کرنا یا تقلید ائمہ کو شرک بتلا کر عوام کو عدم تقلید کی تلقین کرنا بالآخر مادی کی دعوت دینا ہے، ہندوستان میں بھی اس قسم کے فتنہ کی ابتدا ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے ایضاً الاولیہ وغیرہ تالیف فرما کر شائع کیں اور دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ کے اساتذہ حدیث بھی درس حدیث و حدیثی تالیفات میں تعلقیات اہل حدیث وغیرہ مقلدین کا رد وافر کرتے رہے ہیں اسی طرح جب مصر میں سنی حضرات نے کتاب انقض للدارمی الجوزی، کتاب السنن للسنوب لعبد اللہ بن احمد اور کتاب التوحید لہ بن خزیمہ وغیرہ شائع کیں تو علامہ کوثری نے ان کی شیطیات و شواذ پر مفصل و مدلل تعقب کیا اور ان میں جو عقائد جمہور سلف و خلف اور ائمہ اربعہ کے متفقہ فیصلوں کے خلاف تھے، ان کا ابطال کیا۔ (ما حظہ ہوں مقالات الکوثری، السیف الصقلیل فتح الباری جلد نمبر ۱۳ وغیرہ (حافظ ابن حجر) مع دفع شبہ من شبہ و تمرد و نسب ذلک الی الامام احمد لامام الحسنی و دفع شبہ التشبیہ للامام ابن الجوزی الحسینی مع تعلیقات الکوثری) بوادر النوار حضرت تھانویؒ ص ۶۳ ص ۱۶۵ ص ۲۳۱ ص ۲۴۲ ص ۲۵۸ ص ۶۸۷ ص ۷۴۱ ص ۷۵۹ ص ۷۶۳ وغیرہ۔ فیض الباری جلد رابع کتاب التوحید، وسید بنوری نمبر ص ۱۷ خدام الدین لاہور) اس وقت ہندوستان میں بھی کچھ چیزیں آچکی تھیں تو ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مدنیؒ نے بھی اپنے درس حدیث میں متاخرین حنابلہ اور علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کے تفردات پر مفصل کلام اور نکیر شروع فرمادی تھی۔ وہ ہم انوار الباری میں اپنے مواقع پر پیش کرتے ہیں۔

اس وقت اہم ترین بات اس سلسلہ میں یہ عرض کرنی ہے کہ امام بخاریؒ اپنی صحیح کے آخر میں کتاب التوحید لائیں گے، اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ اسی کے تحت مکمل ابحاث علم کلام و عقائد کے مسائل پر کیا کرتے تھے، اگرچہ ضمنی کچھ ابحاث درمیان میں بھی جاتی تھیں۔ حضرت کی کچھ تحقیقات انوار المحمود کے آخر میں بھی ذکر ہوئی ہیں اور فیض الباری کی چوتھی جلد میں بھی موجود ہیں۔ اگر یہ عاجز آخر تک نہ پہنچ سکے تو حضرت کے ان دونوں امالی پر اکتفا کیا جائے۔

راقم الحروف نے حضرت شاہ صاحبؒ کے آخری دونوں سال کے درس بخاری شریف میں مکمل شرکت کر کے ملفوظات مبراہ کہ انور یہ قلم بند کئے تھے، اور بزمانہ قیام مصر علامہ کوثریؒ سے بھی استفادات کئے تھے۔

اب تو یہ بات خواب و خیال کی سی ہوتی جا رہی ہے کہ اپنی ان آنکھوں نے ایسے ایسے علوم و مکالات کے بخور بیکراں بھی دیکھے تھے

۔ نازم بخش خود کہ جمال تو دیدہ است

بہر حال! یہ بات سب جانتے ہیں کہ چند متاخرین حنابلہ نے جمہور سلف و خلف، ائمہ اربعہ و متفقہ میں حنابلہ اور اکابر علماء متکلمین و متاخرین کے عقائد سے الگ دوسرے عقائد و نظریات اختیار کر لئے تھے (جن کا رد علامہ ابن الجوزی حنبلیؒ م ۵۷۷ نے بھی کیا تھا) اور دور حاضر کے متبعین حنفیہ و غیرہ بھی اسی الگ ذکر پر قائم ہیں۔ یریدہم اللہ الی المصواب

عاجز کا ارادہ ہے کہ ان اصولی مباحث سے متعلق تمام ذخیرہ کتب علم کلام و عقائد کو سامنے رکھ کر علامہ کوثریؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقات عالیہ ایضاً و تفصیل کے ساتھ پیش کرے، مولانا بنوریؒ یہ کام کر جاتے تو میرا بڑا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ بظاہر عمر کا کارواں آخری منزل سے بہت قریب ہے، اس لئے بعید نہیں کہ ”و کم حشرات فی بطون القباہر“ والی بات صادق آجائے۔ والامر بید اللہ واللہ الامر من قبل ومن بعد وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ ومن تبعہم الی یوم الدین۔

احقر :- سید احمد رضا عفا اللہ عنہ۔ بجنور ۲۱ جمادی الاخرہ ۱۳۹۹ھ ۳۱ مارچ ۱۹۷۹ء

## تذکار الحبيب

نقل مکتوب گرامی مولانا السید محمود یوسف الہو ریؒ ۱۳۹۹ھ  
صاحب الماثر والفاخر محبت قدیم و صدیق حمیم زاد کم اللہ فضلا و کمالا

تحیہ و سلاما و اشواقا۔ نامہ گرامہ نے ممنون و مسرور و مطمئن فرمایا، انوار الباری کی تالیف و طباعت کی رفتار سے بہت مسرت ہوئی کل شام کو تیسری جلد بھی پہنچ گئی آنکھوں کو روشن کیا جزا کم اللہ خیرا، تیس ۳۰ چالیس صفحات بہت محنت میں دیکھے دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ امت کو جلد اس گوہر گراں مایہ سے مستفید فرمائے اور امام العصر حضرت شیخ کے علوم و جواہر سے امت کو اس اردو شرح کے ذریعہ فیضیاب بنائے کاش میں بجنور ہوتا یا آپ کراچی ہوتے تو حضرت شیخ کے انفاس قدسیہ کی خدمت میں اور تشریح و تہنیت میں میرا بھی حصہ ہوتا آپ کی جواں ہمتی تو میرے لئے قابل رشک ہے۔ انوس طبیعت جس وقت ذوق جستجو سے سرشار تھی اس وقت دماغی و عقلی اتنی نہیں تھی اور جس وقت عقلی حاصل ہو گئی بحث و تفتیش کی نہ فرصت اور نہ ہمت نتیجہ دونوں زمانوں میں بجز قصور کیا ہوتا مدرسہ کے غیر علمی مشغل نے بہت پریشان کر رکھا ہے اور اب تو تخلصین کی آمد و رفت بھی پریشانی کا باعث ہو رہی ہے غیر علمی امور میں سارا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ آپ کی جرأت مندانہ اظہار حق سے دل بہت خوش ہوتا ہے آپ سے جتنی پوری ملاقات کی آرزو ہے اتنی نصف ملاقات کی تمنا بھی رہتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ کسی قریبی فرصت میں ہم کلامی کا موقع ملے گا۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ کریں۔ اہل بیت و ذریعہ طیبہ کو سلام و دعوات اخلاص۔ شیخ کو شری کے نفاس منتشرہ جمع کرنا بھی بہت مفید رہے گا الحمد للہ کہ آپ خوب توجہ دے رہے ہیں۔ والسلام مسک الختام۔ تخلصکم القدیم و رفیقکم محمد یوسف الہو ری عفا اللہ عنہ۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۲۹، صفر الخیر ۱۳۸۹ھ

## باب وضع الیمنی علی اليسری فی الصلوۃ

### (نماز میں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنے کا بیان)

۷۰۱: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال كان ناس يؤمرون ان

يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة وقال ابو حازم لا اعلمه الا بنمي ذلك الى

النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: حضرت سهل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں، اور ابو حازم نے کہا: میں جانتا ہوں کہ وہ اس حکم کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سلف سے فوق السمرہ اور تحت السمرہ دونوں طرح ہاتھ باندھ کر نماز ثابت ہے، لیکن فوق الصدر (پینے کے اوپر) بے اصل ہے، اس کا ثبوت سلف سے نہیں ہے، اور اس کا وجود دو سو سال سے ہوا ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں علی الصدر کا لفظ ہے، جو ضعیف ہے، اسی لئے کسی مذہب میں بھی اس پر عمل نہیں ہوا۔ نکتہ یہ ہے کہ نماز میں احکم الحاکمین کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ایسا ہی ہے جیسے نوکر و غلام بطور تعظیم، آقاؤں اور بادشاہوں کے سامنے کمر پر ہٹنی باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا تعظیم کی کوئی صورت نہیں ہے، یہ بھی فرمایا کہ صحیح ابن خزیمہ میں وائل کی روایت ہے، جس کو اور بھی دوسرے راویوں نے روایت کیا ہے مگر کسی میں بھی ”علی الصدر“ کا اضافہ نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ زیادتی ایک زمانہ کے بعد ہوئی ہو، لہذا اس پر جمود کرنا صحیح نہیں خصوصاً جبکہ سلف

میں کسی نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔ اسی لئے امام ترمذی نے جو اختلاف مذاہب نقل کیا کرتے ہیں، سینے پر ہاتھ باندھنا کسی کا بھی مذہب نہیں نقل کیا۔ انھوں نے لکھا کہ اہل علم صحابہ و تابعین اور بعد کے حضرات بھی نماز میں داہنا ہاتھ بائیں پر رکھتے تھے، اور بعض ناف کے اوپر اور بعض ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے، اور ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات ہیں، چونکہ بعض قلمی نسخوں میں تحت السورہ کا لفظ نہیں ہے، اس لئے بعض علماء حنفیہ بھی متروک ہو گئے تھے، مگر وہ صحیح نسخوں میں ضرور موجود تھے، اسی لئے علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا تھا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخہ میں تین روایتوں میں یہ لفظ موجود ہے، ملاحظہ ہو ص ۳۹۰/۱ و ص ۳۹۱/۱ اور صحیح ابن خزیمہ کے مطبوعہ نسخہ ۲۴۳/۱ میں وائل کی حدیث مؤمل سے ”ملے صدرہ“ کے اضافہ کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح نہیں کی ہے، لہذا شوکانی کا نیل الاوطار میں یہ قول غلط ہے کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کی تخریج کی اور تصحیح بھی کی ہے، علامہ بخاری نے اس کے سامنے چونکہ مطبوعہ نسخہ نہیں آیا تھا، اس لئے انھوں نے لکھا کہ شوکانی صاحب نیل الاوطار حافظ ابن حجر کی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں خصوصاً تنقیص وقع الباری سے، لیکن ان میں کہیں تصحیح کا حوالہ نہیں ہے، اور نہ اس امر کا یقین ہے کہ شوکانی صحیح ابن خزیمہ ملی ہوگی، اور اگر ابن خزیمہ نے تصحیح کر بھی دی ہوگی تو اس بارے میں ان کا طریق و مذہب حافظ ابن حجر و سخاوی کے اقوال سے واضح ہو چکا ہے، پھر ان کی تصحیح پر دوسروں کو اعتماد کر لینا بھی ضروری نہیں کیونکہ اکابر امت نے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں اتنا کلام کیا ہے کہ ان کی روایت قابل تصحیح نہیں رہ سکتی۔

### حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تعصب

علامہ بخاریؒ نے بطور تنبیہ افادہ کیا کہ حافظ نے فتح الباری ص ۲۰۶/۹ میں لکھا کہ اسی طرح مؤمل بن اسماعیل اپنی روایت حدیث من الثوری میں ضعیف ہیں، پھر یہاں بھی وہی مؤمل ثوری سے صحیح ابن خزیمہ میں روایت کر رہے ہیں تو حافظ نے ان پر ضعف کا حکم نہیں لگایا، اور خاموشی سے گزر گئے اور یہ ان کا طریقہ ہے کہ جہاں کسی راوی سے اپنے مفید مطلب روایت ملے سکوت کرتے ہیں، اور جہاں اسی راوی سے ان کے خلاف مسلک روایت آئے تو اس کو ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ اسی روایت ابن خزیمہ میں مؤمل کے علاوہ حاصم بن کلیب بھی ہیں، جن کی یہاں ان لوگوں نے توثیق کر دی ہے، مگر حدیث ترک رفع یدین میں ان ہی حاصم کی تضعیف کر دی ہے (ذکر ذلک ابن القیم فی اعلامہ) اٹل پوری بحث و تفصیل معارف السنن ص ۴۳۵/۲ تا ص ۴۴۵/۲ لائق مطالعہ ہے۔

**تفصیل مذاہب:** اول تو اس مسئلہ میں اختلاف اولویت و افضلیت کا ہے، اسی لئے امام ترمذی نے بھی توسع کی طرف اشارہ کیا، تاہم جو ہے وہ ذکر کیا جاتا ہے، پہلا اختلاف تو وضع و ارسال کا ہے۔ ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام شافعی و احمد) اور ائمتہ اہل علم ہاتھ باندھنے کو مستحب فرماتے ہیں، اور یہی قول حضرت ملی، حضرت ابو ہریرہ اور ابراہیم نخعی و ثوری کا ہے اور ابن عبد القہم و ابن المنذر نے امام مالک سے بھی یہی قول نقل کیا ہے باقی ابن القاسم نے امام مالک سے ارسال نقل کیا ہے اور امام مالک سے ایک قول میں یہ تفصیل بھی ہے کہ فرائض میں ارسال کرنے اور نوافل میں ہاتھ باندھیں۔ ابن المنذر نے یہ بھی کہا کہ حضور علیہ السلام سے اس بارے میں کوئی چیز (قوت و صراحت کے ساتھ) ثابت نہیں ہے، لہذا اختیار ہے جیسے چاہے کرے اور امام احمدؒ سے بھی ایک قول خیر ہے۔

دوسرا اختلاف محل وضع میں ہے، امام اعظم ابو حنیفہ، سفیان ثوری، ابن راہویہ، ابوالحسن مروزی شافعی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو فرماتے ہیں۔ امام شافعی سینے کے نیچے بتلاتے ہیں جیسا کہ کتاب الامم اور الوسیط میں ہے۔ علامہ ابن مہیرہ نے روایت مشہورہ امام احمدؒ سے مثل مذہب امام ابو

حذیفہ نقل کی ہے جیسا کہ تعلیقات اشعخ میں ہے اور لکھا کہ ایسا ہی "میزان" میں ہے اور ای کو خرقی نے اختیار کیا ہے۔ اور علامہ ابو طیب مدنی نے شرن تردی میں لکھا کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا قائل نہیں ہے الخ (معارف السنن ص ۳۶/۲) (ابن القیم کا نقد، م مالک پر) ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف صرف افضلیت کا ہے اور امام مالک سے بھی ایک قول ہاتھ باندھنے کا موجود ہے، پھر بھی حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں حسب عادت امام مالک اور مالکیہ کے خلاف نہایت نامناسب الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آپ نے متعدد احادیث ذکر کیں جن میں ناف کے نیچے اور سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے پھر لکھا کہ "ان سب احادیث کو مقصدین نے اس لئے چھوڑ دیا کہ ان کے ایک امام مالک نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کو کہا ہے، لہذا سارے مالکی اسی طرح نماز پڑھنے لگے۔ ایسا اندھیرا کہیں نہیں دیکھا گیا اور ایسے لوگ خدا کے یہاں کیا جواب دیں گے وغیرہ۔ (اعلام ص ۶/۲)

اسی طرح علامہ موصوف نے اپنی کتاب مذکور میں جگہ جگہ مقلدین امر مجتہدین پر اعتراضات کئے ہیں، اور سخت زبان استعمال کی ہے حالانکہ ان اعتراضات کے مکمل و مدلل جوابات کتب متقدمین میں موجود چلے آتے ہیں، اور خود ان کے استاذ حافظ ابن تیمیہ نے امر مجتہدین کے بے شمار مسائل کی تصویب کی ہے اور وہ ان کے مذاہب کی نقل بھی، حافظ ابن القیم کے برخلاف نہایت ادب و احترام کے ساتھ کرتے ہیں، بجز ان چند مسائل کے جن میں انھوں نے جمہور سلف و خلف سے نفرد اختیار کر کے اپنی الگ راہ بنائی ہے۔ واللہ یعرف الحق وهو خیر الفاصلین

## باب الخشوع فی الصلوۃ

### (نماز میں خشوع کا بیان)

۷۰۲: حدثنا اسمعيل قال حدثني مالك عن ابى الزناد عن الاعوج عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هل ترون قبلى ههنا والله ما يخفى على ركو عكم ولا خشوعكم و انى لاراكم و رآء ظهري  
۷۰۳: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا عذر قال حدثنا شعبة قال سمعت قتادة عن انس بن مالك عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اقيموا الركوع والسجود فوالله انى لاراكم من بعدى و ربما قال من بعد ظهري اذا ركعتم و سجدتم

ترجمہ ۷۰۲: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ نے (ایک روز ہم لوگوں سے) فرمایا، تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میرا منہ (قبلہ) کی طرف ہے (لیکن) خدا کی قسم! تمہارا رکوع اور تمہارا سجدہ تمہارا خشوع اپنی پس پشت سے بھی، میں دیکھتا ہوں (جیسا سامنے سے) ترجمہ ۷۰۳: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رکوع اور سجدہ کو درست طریقہ پر کیا کرو (اس لئے) کہ جب تم رکوع سجدہ کرتے ہو تو میں پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں (جیسے سامنے سے دیکھا جاتا ہے)

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ نماز میں خشوع شرعی فقہی لحاظ سے مستحب ہے، حالانکہ وہ لازمی و ضروری ہونا چاہئے کیونکہ رون نماز کی وہی ہے، مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اس کو شریعت فرض و واجب قرار دے دیتی تو اکثر لوگوں کی نمازیں باطل ہوتیں شریعت کا منشا یہ ہے کہ لوگ اچھی بات اور صحیح راستہ کی اہمیت و قیمت پہنچائیں، اور اس پر نکلنے کی کوشش کریں، پھر بھی جو کوتاہی ہو اس کو شریعت نظر انداز کرتی ہے۔ اس لئے فقہ نے فیصلہ دیا کہ نماز بغیر خشوع کے بھی ہو جائے گی کوناقص اور روح سے خالی رہے گی امام غزالی وغیرہ کی نظر چونکہ باطن پر تھی۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی۔ انھوں نے اپنے منصب کے لحاظ سے بات کہی۔ فقہ کا



منصب ظاہر پر حکم کرتا ہے، وہ اپنے منصب کے اعتبار سے فیصلے کرتے ہیں۔

دوسری حدیث الباب میں اقیموا الرکوع پر حضرتؑ نے فرمایا کہ یہ حدیث مسنی الصلوٰۃ کا ایک ٹکڑا ہے، اور اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے رکوع و سجود میں بھی کوتاہی کی تھی، چنانچہ حدیث ترمذی میں انقاص کا لفظ موجود ہے، گویا وہ نماز کے ناقص ہونے کی طرف اشارہ تھا، لہذا تعدیل ارکان کے ترک سے نقصان آئے گا، بطلان نہ ہوگا، اور یہی واجب کی شان ہے، جس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں۔ مخالفین نے حنفیہ کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ انھوں نے حدیث پر عمل نہیں کیا، جبکہ حنفیہ نے ساری حدیثوں پر نظر کر کے نظر صحیح قائم کی ہے۔ حضرتؑ نے مزید فرمایا کہ شافعیہ کے یہاں جو چیزیں فرض ہیں مگر وہ شرط صحت صلوٰۃ نہیں ہیں۔ وہی ہمارے یہاں واجب کہلاتی ہیں، لہذا صرف نام کا اختلاف برائے نام ہے اور کچھ نہیں فرمایا اور اقیموا الرکوع میں فرق ہے، دوسرے میں زیادتی ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو چیز ہی نہ رہے گی، لہذا اقامۃ کے معنی پر پا کرنا ہے اور قائم رکھنا ہے کہ اگر ایسا نہ کریں تو وہ نماز یا رکوع باقی نہ رہے گا جیسے کہیں کہ فلاں شخص دیندار ہے اور فلاں نے دین کو تمام رکھا ہے۔ پس نماز پڑھنا یہ کم درجہ کی چیز ہے بہ نسبت اقامۃ صلوٰۃ کے۔

قولہ فواللہ انی لا راکم الخ پر فرمایا کہ حضور ملیہ السلام کا یہ پیٹھ پیچھے سے دیکھنا بطور معجزہ تھا جیسا کہ امام احمدؑ سے بھی نقل ہوا ہے اور اب جدید سائنس کی تحقیق بھی یہ ہے کہ قوت باصرہ ساری جلد انسانی کے اندر موجود ہے۔ پھر فرمایا کہ معجزہ میں یہ ضروری نہیں کہ وہ مستعمل ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس وقت مقابلہ میں کسی دوسرے سے نہ ہو سکے، خواہ بعد کو وہ ہوا کرے۔

## باب ما یقرأ بعد التکبیر

### (تکبیر (تحریمیہ) کے بعد کیا پڑھے)

۷۰۴: حدثنا حفص بن عمر حدثنا شعبۃ عن قتادة عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکرو

عمر کانوا یفتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العالمین

۷۰۵: حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال حدثنا عبد الواحد بن زیاد قال حدثنا عمارۃ بن القعقاع قال حدثنا

ابوزرعة قال حدثنا ابو ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسکت بین التکبیر و بین القراءة

اسکاتۃ قال احسبہ قال ہنیۃ فقلت بابی انت و امی یا رسول اللہ اسکاتک بین التکبیر و بین القراءة

ما تقول قال اقول اللہم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب اللہم نقنی من

الخطایا کما ینقی الثوب الابيض من الدنس اللہم اغسل خطایای بالماء و الفلج و البرد

ترجمہ ۷۰۴:۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ نماز کی ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے:۔

ترجمہ ۷۰۵:۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ تکبیر اور قراءت کے درمیان میں کچھ سکوت فرماتے تھے (ابوزرہ کہتے ہیں) مجھے خیال ہوتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کہا تھا ٹھوڑی دیر تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ آپ پر فدا ہوں، تکبیر اور قراءت کے مابین سکوت کرنے میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں پڑھتا ہوں اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان میں ایسا فصل کر دے جیسا تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان میں فصل کر دیا ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے پاک کر دے، جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی اور برف اور اولہ سے دھو ڈال

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں اور حنابلہ کے یہاں بھی تکبیر اولیٰ کے بعد سبحانک اللہم و بحمدک الخ پڑھنا

مستحب ہے، اور مسلم شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تعلیم دینے کے لئے نماز کے اندر بھی اسی کو بلند آواز سے پڑھا تھا، امام شافعیؒ نے اس دعا کو اختیار کیا ہے جو بخاری کی حدیث الباب میں سامنے ہے اللھم بسعد الخ، اور قوۃ اسناد کے لحاظ سے یہی اولیٰ ہے مگر تعامل پر نظر کرتے ہوئے ہماری دعا اعلیٰ ہے، امام احمدؒ نے بھی ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جس دعا کو حضرت عمرؓ نے اختیار کیا تھا اسی کو ہم بھی اختیار کرتے ہیں۔

## تعامل اور فن اسناد

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ قوت اسانید پر غرہ کرنے اور تعامل سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے دین کو بڑا ضرر پہنچا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسناد کا فن دین کی حفاظت کے لئے تھا تا کہ اس میں باہر کی غیر چیزیں داخل نہ وہ سکیں، لیکن پھر فن اسناد پر اتنا زیادہ زور صرف کیا گیا کہ تعامل نظروں سے اوجھل ہو گیا، حالانکہ وہی دینی احکام کے لئے میرے نزدیک فیصلہ کن چیز تھی حضرتؒ نے یہاں امام ترمذیؒ کی طرف اشارہ کیا کیونکہ انھوں نے حنفیہ و حنابلہ کی دعاء افتتاح والی حدیث ذکر کر کے اس پر سند کی کلام کر دیا ہے۔ پوری بحث معارف السنن ص ۳۵۹، ۲ میں دیکھی جائے، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے رجال بھی ثقہ ہیں اور کلام سے تو بہت کم راوی پہنچے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ کے صحیح اثر سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ آخری عمل حضور علیہ السلام کا انھوں نے وہی دیکھا ہوگا، جس کو اختیار فرمایا، یہ تعامل صحابہ کے شواہد ہی صحت حدیث کے لئے بڑی دلیل ہیں۔

محدث شہیر علامہؒ تو رشتہ حنفی نے لکھا کہ سبحانک اللھم والی حدیث افتتاح حدیث حسن مشہور ہے، جس پر خفاءؒ اور حضرت عمرؓ نے عمل کیا ہے اور اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ فقہائے صحابہ نے اختیار کیا تھا۔ اور علماء تابعین نے بھی۔ پھر اسی کو امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے جلیل القدر علماء حدیث مثل سفیان ثوریؒ، امام احمد و ابی حنیفہؒ بن راہویہؒ نے معمول بنایا، اور امام ترمذیؒ نے جس سند میں کلام کیا ہے اس کے علاوہ دوسری وجوہ روایت بھی ہیں، مثلاً ابوداؤد وغیرہ کی حدیث۔ الخ پھر فرمایا کہ مشہور یہ ہے کہ امام مالکؒ کے یہاں دعاء افتتاح نہیں ہے، مگر ابوبکر بن العربیؒ نے نقل کیا کہ وہ خود پڑھتے تھے، دوسروں کو حکم نہیں کرتے تھے، گویا اس کو امر مستحب خیال کرتے تھے۔

## بسم اللہ جز و سورت نہیں

پہلی حدیث الباب میں جو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر و عمرؓ نماز کو الحمد للہ رب العالمین شروع کرتے تھے، اس سے حنفیہ نے بسم اللہ آہستہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے، اور بسم اللہ کے جز و سورۃ فاتحہ نہ ہونے پر بھی خود امام شافعیؒ نے اس کا جواب دیا کہ مراد سورۃ فاتحہ ہے (کتاب الام ص ۹۳/۱) اور یہی جواب دوسرے شافعیہ بھی دیتے ہیں، حافظ زبیدیؒ نے اس جواب دیا کہ پوری آیت الحمد للہ رب العالمین تو سورۃ فاتحہ کا نام نہیں ہے، نام تو صرف الحمد ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کا استدلال درست ہے۔ پھر فرمایا کہ ظاہر روایت لی روئے بسم اللہ پڑھنا ہمارے یہاں سنت ہے مگر ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور شیخ سید محمود آلوسیؒ نے وجوب کو ہی ترجیح دی ہے۔

اس موقع پر الحمد سے قبل جہر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لئے جو خطیب بغدادی نے سب سے زیادہ زور صرف کیا ہے، اس کے جوابات مفصل و مدلل معارف السنن ص ۳۶۳ تا ۳۸۲ میں مطالعہ کئے جائیں۔ نہایت بصیرت حاصل ہوگی۔

## امام بیہقی کا غلط استدلال

قولہ بسکت بین التکبیر الخ پر فرمایا۔ اس سے اکثر ثلاثہ (امام ابو حنیفہؒ، امام احمد و شافعیؒ) اور جمہور نے دعاء افتتاح پر استدلال کیا ہے لیکن امام بیہقیؒ نے اس سے دوسری عجیب بات نکالی ہے وہ یہ کہ یہاں سکوت تھا اور دعا بھی پڑھی گئی، لہذا اسی طرح امام سے پیچھے فاتحہ بھی پڑھی جاسکتی ہے، اور وہ انصاف کے خلاف نہ ہوگا اور قراءت سراسر جائز ہوگی۔ حالانکہ یہاں سکوت کا اطلاق قراءت سراسر نہیں

ہوا ہے، بلکہ سکوت سے مراد سکون ہے، جس کا تعلق ماقبل سے ہے کہ یکبیر سے فارغ ہوئے چنانچہ ایک روایت میں بھی ہے کہ اللہ اکبر سے سکوت کیا، اور آیت ولما سکت عن موسیٰ الغضب میں بھی سکون ہی مراد ہے، نہ کہ اخفاء، پھر انصاف و سکتہ میں یوں بھی فرق ہے، خصوصاً جبکہ انصاف کے ساتھ استماع بھی ہو، جس کی تفصیل بحث قراءۃ خلف الامام میں آئے گی۔

قوله اللهم اغسل خطايای بالماء والثلج والبرد پر فرمایا کہ محقق ابن دقیق العید نے کہا کہ لوگ عام طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا برف اولہ وغیرہ برستا ہے اور زمین پر بیکار ہو کر بہ جاتا ہے، اس لئے دعا اس طرح کی گئی کہ یا اللہ! اس کو میرے گناہوں کے دھونے میں کار آمد کر دے، بعض نے کہا کہ مجھے برف اولہ کی طرح صاف و سفید اور گناہوں کی آلائش سے پاک کر دے۔ بعض نے کہا ان چیزوں میں شندک ہے، ان سے میرے گناہوں کی گرمی و حدت کو مٹا دے۔ وغیرہ

باب ۷۰۶: حدثنا ابن ابی مریم قال اخبرنا نافع بن عمر قال حدثني ابن ابی مليكة عن اسماء بنت ابی بکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الکسوف فقام فاطال القيام ثم رکع فاطال الركوع ثم قام فاطال القيام ثم رکع فاطال الركوع ثم سجد فاطال السجود ثم رفع ثم سجد فاطال السجود ثم رفع فاطال السجود ثم انصرف فقال قد دنت منی الجنة حتی لو اجترأت علیها جنتکم بقطاف من قطافها ودنت منی النار حتی قلت ای رب او انامعهم؟ فاذا امرأة حسبت انه قال تخذسها هرة قلت ماشان هذه قالوا احسبها حتی ماتت جوعاً لا اطعمتها ولا ارسلها تاکل قال نفاع حسبت انه قال من خشيش الارض او حشاش ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز کسوف پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے طویل قیام کیا، پھر طویل رکوع کیا، اس کے بعد قیام کیا، اور قیام کو (بھی) طویل کیا، پھر رکوع کیا، اور رکوع کو (بھی) بڑھایا۔ پھر سر اٹھایا اس کے بعد (دوسرا) سجدہ کیا۔ اور (اس) سجدہ کو (بھی) بڑھایا، پھر (دوسری رکعت کے لئے) آپ کھڑے ہوئے، اور آپ نے قیام کو بڑھایا اس کے بعد رکوع کیا، اور رکوع کو بڑھایا۔ پھر سر اٹھا کر سجدہ کیا، سجدے کو (بھی) بڑھایا۔ اس کے بعد پھر سر اٹھایا، تو (دوسرا) سجدہ کیا اور (اس) سجدے کو (بھی) بڑھایا اس کے بعد آپ نے (نماز سے) فراغت حاصل کی اور فرمایا کہ (اس وقت) جنت میرے اتنے قریب ہو گئی تھی کہ اگر میں چاہتا، تو اس کے خوشوں میں سے کوئی خوش تہارے پاس لے آتا، اور دوزخ بھی میرے اتنے قریب ہو گئی تھی کہ میں کہنے لگا کہ اے میرے پروردگار! کیا میں ان لوگوں کے ہمراہ (رکھا جاؤں گا) یکا یک ایک عورت (نظر پڑی) مجھے خیال ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ اس کو ایک بلی پنچہ مار رہی تھی، میں نے کہا، اس کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس نے بلی کو پال رکھا تھا، نہ اس کو کھلاتی تھی، اور نہ اس کو چھوڑتی تھی تاکہ وہ (از خود) کچھ کھالے، نافع کی روایت میں اس طرح ہے کہ (نہ اس کو چھوڑتی تھی) تاکہ زمین کے کیڑے کوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھرے۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ اس حدیث الباب میں صلوٰۃ کسوف کا ذکر کیا گیا ہے، اور بخاری و موطا امام مالک سے دو رکوع کا ثبوت ہوا ہے، دوسری روایات پانچ تک کی بھی ہیں جیسے ابوداؤد وغیرہ میں۔ مسلم میں تین کی روایت ہے۔ حافظ ابن حجر نے ایک واقعہ مانتا ہے۔ علامہ نووی وغیرہ نے اس کو تعدد و قائل پر محمول کیا، لیکن وہ غلط ہے کیونکہ کسوف کا واقعہ حضور علیہ السلام کی زندگی میں صرف ایک ہی بار پیش آیا ہے جیسا کہ محمود شاہ فرسادی نے اپنے رسالہ میں تحقیق کی ہے، جس میں قمری حساب کو شمسی پر منطبق کیا ہے، البتہ اس نے نسبی عند العرب سے انکار کر کے قطعی کی ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں لوہند لگتا تھا اور ایک سال میں دو ماہ ذی الحجہ کے ہو جاتے تھے، جس طرح ہندوستان میں لوہند لگتا ہے۔ حضرت شیخ ابنہذ بھی تعدد کے قائل تھے، کیونکہ وہ روادۃ پر بہت وثوق کیا کرتے تھے اور حتی الوحش ان کی تصحیح کرتے تھے، میں نے اس رسالہ کا ذکر کیا تو خاموش ہو گئے۔

پھر فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اگرچہ نماز کسوف میں ایک ایک رکعت میں دو دور کوع کئے تھے، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اسی طرح تم بھی پڑھنا کہ یہ قریب کی تشبیہ ہوتی بلکہ دور کی تشبیہ دے کر فرمایا کہ تم نئی نماز (فجر) کی طرح پڑھا کرنا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے یہ توجیہ فرمائی تھی، پھر بدائع صہبہؒ کر آئی تو اس میں بھی ابو عبد اللہؓ کی سے یہی توجیہ نقل ہوئی، جو کبار مشائخ حنفیہ میں سے ہیں، میں نے حضرت سے عرض کیا تو سن کر بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

### تعدد در کوع خضیرہ نبوی

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے بھی نکات نکالے ہیں حضور علیہ السلام کے دور کوع کے لئے مگر بہر حال! وہ آپ کی خصوصیت ہی رہے گی، مثلاً یہ کہ آپ نے نماز کے اندر جنت و دوزخ کو قبلہ کی دیوار میں متشکل دیکھا تھا، اور وہ ایک آیت تھی آیات اللہ میں سے جس کا آپ نے خطبہ میں بھی ذکر فرمایا، دوسرا از اندر کوع آیت اللہ کے سبب سے تھا کہ آپ نے اس کے سامنے تضرع و ابتهال کیا۔

### نماز کسوف کا طریقہ

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حنفیہ تو حضور علیہ السلام کے فعل مبارک اور واقعہ خاصہ دور کوع والے کو آپ کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ ابوداؤد میں حدیث ہے حضور علیہ السلام نے نماز کسوف پڑھا کر فرمایا کہ تم اس کو نئی نماز فرض (فجر) کی طرح پڑھا کرنا۔ اور مالکیہ، شافعیہ و حنابلہ نماز کسوف میں دو دور کوع کے ہی قائل ہیں۔ جو آپ سے فعلی حدیث میں ثابت ہے۔ پوری بحث اعراف الشہداء اور معارف السنن جلد پنجم میں ہے قولہ ہرۃ پرفرمایا کہ اس میں تاوحدت کی ہے تائید کی نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس عورت کو جہنم میں کیونکر دیکھ لیا؟ جبکہ اس کا دخول جہنم مستقبل ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ گہری نظر والے حال ہی میں مستقبل کی چیزوں کو دیکھ لیا کرتے ہیں خاص کر جبکہ اس آئندہ آنے والی چیز کا کسی نچ سے کچھ وجود بھی ہو۔ جیسے نچ کے اندر درخت کا تصور اور خیالی روایت ممکن ہے۔

نماز کسوف کے بارے میں مکمل اختلافی حدیثی اباحت اپنے موقع پر آئیگی، فتح الملہم جلد دوم اور معارف السنن جلد پنجم میں بھی دیکھی جائیں۔

باب رفع البصر الی الامام فی الصلوۃ وقالت عائشۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فی صلوۃ الکسوف رأیت جہنم یحطم بعضها بعضاً حین رایت منی تاخوت

(نماز میں امام کی طرف نظر اٹھانے کا بیان اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف کے بارے میں فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو توڑ پھوڑ رہا ہے۔ جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا تھا)

۷۰۷: حدثنا موسیٰ قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا الاعمش عن عمارۃ ابن عمیر عن ابی معمر قال

قلنا لخباب اکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقر فی الطھر والعصر قال نعم قلنا بما کنتم تعرفون

ذاک قال باضطراب لحيۃ

۷۰۸: حدثنا حجاج قال حدثنا شعبۃ قال انبانا ابو اسحاق قال سمعت عبد اللہ بن یزید یحطب قال

حدثنا البراء وکان غیر کذوب ابہم کانوا اذا صلوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرفع راسہ من

الركوع قاموا قائماً حتی یروہ قد سجد

ترجمہ ۷۰۷: ابو معمرؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت خبابؓ سے کہا کہ کیا رسول خدا ﷺ ظہر اور عصر (کی نماز) میں کچھ پڑھتے تھے، خبابؓ نے کہا۔ ہاں! ہم نے کہا، تم نے یہ کس طرح معلوم کر لیا، خبابؓ نے کہا کہ آپ کی داڑھی کے پٹنے سے۔

ترجمہ ۷۰۸: ابو اسحاق روایت کرتے ہیں، کہ میں نے عبداللہ بن یزید کو خطبہ پڑھتے میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم سے براء (بن عازب) نے بیان کیا (اور وہ جھوٹے نہ تھے) کہ صحابہ جب نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے۔ اور جب آپ اپنا سر رکوع سے اٹھا لیتے تو سب یہ کہہ رہے تھے یہاں تک کہ جب آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لیتے (تب سجدہ کرتے تھے)۔

۷۰۹: حدثنا اسماعیل قال حدثني مالك عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن عبد الله بن عباس قال خسمت الشمس على عهد النبي صلى الله عليه وسلم فصلى كالوایار رسول الله رايباك تناولت شيئاً في مقامك ثم رايناك تكعكعت فقال اني رايت الجنة فتناولت منها عنقوداً ولو اخذته لا كلتم منه ما بقيت الدنيا

۷۱۰: حدثنا محمد بن سنان قال حدثنا فليح قال حدثنا هلال بن علي عن انس بن مالك قال صلى لنا النبي صلى الله عليه وسلم ثم رقى المنبر فإشار بيديه قبل قبلة المسجد ثم قال لقد رايت الآن منذ صليت لكم الصلوة الجنة والنار ممثلتين في قبلة هذا الجدار فلم ار كان ليوم في اخير والشر ثلاثا

ترجمہ ۷۰۹: حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آفتاب میں گہن پڑا، تو آپ نے نماز کسوف پڑھی، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ کوئی چیز آپ نے اپنی جگہ پر (کھڑے ہوئے) لی تھی پھر ہم نے آپ کو دیکھا، کہ آپ پیچھے ہوئے، آپ نے فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے ایک خوشہ میں نے لینا چاہا، اگر میں اس کو لے لیتا، تو تم اس میں سے کھایا کرتے، جب تک کہ دنیا باقی رہتی۔ (یعنی وہ کبھی فنا نہ ہوتا)

ترجمہ ۷۱۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، اس کے بعد منبر پر تشریف لائے، اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلے کی طرف اشارہ کیا، پھر فرمایا کہ میں نے اس وقت جیسے کہ تمہیں نماز پڑھائی شروع کی، جنت اور دوزخ کی مثال اس دیوار کے قبلے میں دیکھی، میں نے آج کے دن کی طرح خیر اور شر کبھی نہیں دیکھی (یہ آپ نے) تین مرتبہ (فرمایا)۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: امام بخاری کے پیش نظر چونکہ حالت نماز میں نظر الی السماء کی ممانعت تھی، جو اگلے باب میں آنے والی بھی ہے، اس لئے بتلایا کہ بحالت نماز نظر الی الامام کی اجازت ہے، اور اس پر ”حین راہتمونی“ سے استدلال کیا ہے اور اس کی اجازت اس لئے بھی ہے کہ امام کی مکمل اتباع کا حکم ہے، اس کی طرف نظر نہ کرے گا تو اتباع نہ ہو سکے گا، پھر یہ امر بھی زیر بحث آگیا کہ نماز کی حالت میں نظر کہاں رکھنی بہتر ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ مالکیہ نے قول باری تعالیٰ فول وجھک شطر المسجد الحرام سے استدلال کیا کہ نماز میں نظر اپنے سامنے رکھے، نہ سجدہ کی جگہ پر جو امام ابو حنیفہؒ شافعی و احمد کا مختار ہے۔ زیادہ تفصیل لایم ص ۲۹۲/۱ میں ہے۔

قولہ حتی یروہ قد سجدہ پر فرمایا کہ یہ بات حضور علیہ السلام کے آخری زمانہ کی ہے جب جسم مبارک بھاری ہو گیا تھا اور ضعف آ گیا تھا، تناولت دینا پر فرمایا کہ بعض راویوں نے اخذت بھی روایت کیا ہے اور یہ سب راویوں کے تجوزات ہیں۔ کیوں کہ آپ نے صرف ارادہ فرمایا تھا، اس کو لیا نہیں تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں اردت بھی وارد ہوا ہے۔

عالم مثال کا ثبوت: قولہ لقد رايت الآن منذ صليت لكم الصلوة الجنة والنار ممثلتين الخ اس پر فرمایا کہ امام بخاری کی اس حدیث سے عالم مثال کا ثبوت واضح طور سے ہوتا ہے، نیز اس کو سمجھ لو کہ عالم غیب عالم مثال کے لئے بمنزلہ مبداء کے ہے، اور عالم مثال عالم اجسام کے لئے بمنزلہ مبداء کے ہے، اور ہر مبداء کے اندر بعد میں ہونے والے تطورات و تغیرات رونما ہوتے ہیں اور وہ اپنے وجود کا کسی نہ کسی درجہ میں ثبوت ضرور دیتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اس تمثال کا ثبوت علاوہ کسوف کے دوسرے واقعہ میں بھی ملتا ہے۔ اور سقراط و افلاطون نے بھی ثبوت عالم مثال کا اقرار کیا ہے، اور ارسطو نے بھی اثولوجیا میں، اور اس میں یہ بھی تحقیق کی کہ افعال باری تعالیٰ معلل بالاعراض نہیں ہیں۔ اور اس کو کما حقہ واضح و محقق کیا ہے، جس طرح سید جر جانی نے حاشیہ حکمۃ العین میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو خوب تر و واضح و بین کیا ہے وہ بھی لائق مطالعہ و مراجعت ہے۔

### علامہ قرطبی و شاہ ولی اللہ کا ارشاد

حضرت علامہ عثمانی نے فتح الملہم ص ۲/۲۵۶ میں فتح الباری کے حوالہ سے علامہ قرطبی کا قول نقل کیا کہ ہو جب مذہب اہل سنت و دوزخ اس وقت موجود ہیں، اور حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لئے ایک خاص ادرا کی قوت عطا فرمادی تھی۔ جس سے آپ نے ان دونوں کا ادراک حقیقہ فرمایا ہے۔ پھر علامہ عثمانی نے لکھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس قصہ کو روایت مثالیہ پر محمول کیا ہے اور باب ذکر عالم المثال میں لکھا کہ احادیث کثیرہ سے یہ امر ثابت ہے کہ اس عالم وجود میں ایک عالم غیر غسری بھی ہے جس میں معانی اجسام مناسبہ اندر متشکل ہوتے ہیں۔ اور وہاں اشیاء کا وجود قبل وجودارضی ہو جاتا ہے، الخ

### باب رفع البصر الى السماء في الصلوة نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا بیان

۷۱: حدثنا علي بن عبد الله قال حدثنا يحيى بن سعيد قال حدثنا ابن ابي عروبة قال حدثنا قتادة ان

انس بن مالك حدثهم قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ما بال اقوام يرفعون ابصارهم الى السماء

في صلواتهم فاشند قوله في ذلك حتى قال لينتهين عن ذلك او لتحطون ابصارهم

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگ یہ کیا کرتے ہیں کہ اپنی نماز میں اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، پس اس کے بارے میں آپ کی گفتگو بہت سخت ہو گئی، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے باز آئیں، ورنہ ان کی بینائیاں لے لی جائیں گی۔

تشریح۔ حدیث الباب میں نماز کے اندر نگاہ آسمان کی طرف اٹھانے کی سخت ممانعت وارد ہوئی، علامہ ابن بطال نے کہا کہ سارے علماء امت کا اس امر کی کراہت پر اجماع ہو چکا ہے، اور نماز کے باہر بھی شریعت وغیرہ نے مکروہ ہی کہا ہے، مگر اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔ یونہی جس طرح کعبہ معظمہ نماز کے لئے قبلہ ہے، اسی طرح آسمان دعا کا قبلہ ہے، قاضی میاض نے کہا کہ نماز کے اندر آسمان کی طرف دیکھنے میں ایک قسم کا اعراض ہے قبلہ سے اور نماز کے دائرے اور ہیئت سے گویا باہر نکلتا ہے۔ کذا فی الفتح۔ حافظ نے یہ بھی لکھا کہ ابن حزم نے افراط کی کہ اس کو حرام قرار دیا اور اس کی وجہ سے نماز کو باطل کہا ہے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ خارج صلوٰۃ میں دعا کے وقت نظر الی السماء کی اجازت شیخ عابد سندٹی نے بھی دی ہے جنہوں نے اسی موضوع پر مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔ اور ایسا ہی علامہ دوانی نے بھی کہا ہے۔

حافظ نے لکھا کہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی کہی گئی ہے کہ یہ نگاہوں پر شفقت کے لئے ہے کہ نمازیوں پر حالت نماز میں فرشتے جو انوار کی بارش کرتے ہیں۔ نظریں آسمان کی طرف کرنے میں شدت انوار کی وجہ سے ان کی روشنی سلب ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث اسید بن حنیر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو فضائل قرآن میں آئے گی۔

حضرت شیخ الحدیث دام ظہم نے اس پر لکھا کہ ممکن ہے اسی احتمال کے باعث وعید مذکور کو بجائے حرمت کے کراہت پر اتارا گیا ہوگا (راجع ص ۲۹۳/۱) امام ابن ماجہ نے باب الخشوع فی الصلوٰۃ میں حضرت عمرؓ سے حدیث روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اپنی نظریں آسمان کی طرف مت اٹھاؤ۔ ڈر ہے کہ تمہاری بصارتیں اچانک سبب نہ ہو جائیں، یعنی نماز کے اندر (ص ۷۲) اس سے بھی انوار و تجلیات ربانی کے سبب سے سلب بصارت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ واللہ اعلم

ابن ماجہ میں باب مذکور میں دوسری اور تیسری حدیث حضرت انسؓ و جابر بن سرہ والی روایت کی ہیں اور حضرت انسؓ والی یہاں بخاری نے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ میں اضافہ و تفصیل ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے ایک روز اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی۔ اور جب نماز پوری کر چکے تو فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، اور پھر غصہ و شدت کے ساتھ فرمایا کہ یا تو وہ ایسا کرنے سے رک جائیں، ورنہ ان کی بصارتیں سبب ہو جائیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی نماز کی حالت میں ہی صحابہ کرام کی اس حرکت کو ملاحظہ فرمایا تھا، جیسا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے آگے سے۔

### ملا علی قاری اور جہت کا مسئلہ

مسلم شریف میں باب النهی عن دفع البصر الی السماء کے تحت ابو ہریرہؓ سے حدیث میں عند الدعاء فی الصلوٰۃ کا بھی اضافہ ہے کہ کہ لوگوں کو نماز میں دعا کے وقت اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آ جانا چاہیے، ورنہ ان کی بصارتیں سبب ہو سکتی ہیں۔ اور اس روایت کو صاحب مشکوٰۃ نے ذکر کیا ہے، جس پر علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا: خاص طور سے دعاء صلوٰۃ میں اس کی ممانعت اور شدید وعید کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہ کا جہت علیا میں ہونے کا ایہام ہوتا ہے، حالانکہ وہ تمام جہت سے منزہ ہے ورنہ یوں نماز میں بغیر دعا کے بھی مطلقاً دفع البصر الی السماء مکروہ ہے۔ اس صورت میں وعید شدید اور نہی اکید کی وجہ اور بھی زیادہ روشنی میں آ جاتی ہے۔

حق تعالیٰ ابراہیم عظیم عطا فرمائے حضرت شیخ الحدیث ملا علی قاری حنفی (رحمۃ اللہ علیہ) کو کہ انھوں نے حدیث مسلم کی زیادہ مذکورہ کی روشنی میں وہ تحقیق فرمائی، جس کی طرف دوسرے شارحین مسلم نے نظر نہیں کی اور احقر نے اس موقع پر بڑے اشتیاق سے شرح نووی و فتح الملہم کو بھی دیکھا مگر کچھ نہ مل۔

احقر نے جہت کے مسئلہ پر انوار الباری جلد ۱۱ میں کافی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا تھا کہ ائمہ مجتہدین نے متفقہ طور سے ذات باری عزاسہ کو جہت سے مبرا قرار دیا ہے، مگر آٹھویں صدی میں علامہ ابن تیمیہؒ نے آکر اس کی بھی مخالفت کی، اور جہاں ان کے سلف و جمہور امت کے خلاف دوسرے اصول و فروع کے تفردات ہیں، ان میں جہت کا مسئلہ بھی ہے، اور آج کل کے حنبلہ نے جہاں دوسرے بہت سے مسائل امام احمد کو علامہ موصوف کی وجہ سے ترک کر دیا ہے (مثلاً طلاق ثلاث وغیرہ) اسی طرح جہت کے مسئلہ میں بھی وہ بے جہت ہو گئے ہیں۔

ہمیں علامہ ابن تیمیہؒ و علامہ ابن القیمؒ کے فضل و تبحر اور علمی کمالات و خدمات کا پورا اعتراف ہے، مگر کیا کریں کہ ان کے تفردات اور بہت سے مسائل میں مسلک جمہور سلف و خلف سے ان کا انحراف، نیز اکبر امت کے حق میں ان کی درشت کلامیوں اور تیز لسانیاں وغیرہ ہمارے لئے سخت اذیت و کوفت کا سبب بن گئی ہیں۔ واللہ المستعان۔

یہاں یہ بات بھی اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیث بخاری ”وان ربہ ہینہ و بین القبلة“ کی شرح کے وقت فرمایا تھا کہ شرح عقائد جلالی میں لکھا ہے کہ حاجات کیلئے آسمان ”قبلہ شرعی“ ہے۔ پھر حیرت و تعجب کے ساتھ لکھا کہ ایک حنبلی عالم نے اس کو جہت حقیقیہ قرار دیا ہے، حالانکہ اس کو جہت شرعیہ سمجھنا چاہیے تھا حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ حنبلی عالم ابن تیمیہؒ ہیں۔

لحہ فکریہ: حکومت سعودیہ ان لحاظ سے ہزار تحسین و تشکر کی مستحق ہے کہ اس نے حرمین شریفین کا نظم و نسق نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اور عمدہ کیا ہے، جو حق کرام کے لئے جو آسائش اور سہولتیں مہیا کی ہیں وہ بھی لائق صدمہ بار کباد ہیں، مگر یہ بات قابل اعتراض بھی ہے کہ وہ حجاز و نجد کی دولت کا بیشتر معتد بہ حصہ صرف نجدی، وہابی و تہیکی عقائد کی نشر و اشاعت پر صرف کر رہی ہے، حالانکہ اس کے مصرف کا تین ساری دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے مشورہ و مرضی کے مطابق ہونا چاہیے، کیونکہ دولت سعودیہ سارے دنیائے اسلام کی ایک مرکزی امانت ہیں، ابتداء میں وہاں کی حکومت سعودیہ نے مؤثر اسلامی منعقد کر کے یہ کوشش کی بھی تھی کہ وہاں کے طرز و طریق حکومت اور دیگر اہم امور کے لئے عالم اسلامی کے اہل حل و عقد کی رائے حاصل کرے، مگر پھر رفتہ رفتہ وہ بجائے ایک عالمی شور و خلاف یا سلطنت بننے کے۔۔۔۔۔ محض ایک شخصی حکومت بن کر رہ گئی ہے اور حد ہے کہ اس اسلامی مرکزی خطہ میں نجدی و تہیکی عقائد کے خلاف کوئی کتاب بھی داخل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر براہ راست کی ایسی کتابوں کے لئے وہاں داخلہ پر بھی سخت پہرہ و پابندی لگی ہوئی ہے۔ نہ وہاں باہر کے مسلمان ہجرت کر کے قیام کر سکتے ہیں، جبکہ شروع تارخ اسلام سے نجدی حکومت کے زمانی تک برابر ساری دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے حرمین شریفین میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت رہی ہے۔

افسوس ہے کہ اب باہر کے جن اعیان کا رابطہ موجودہ سعودی حکومت کے ارکان سے ہے، وہ ایسے امور کی اصلاح کے لئے کوئی جرأت مندانہ قدم نہیں اٹھاتے۔ ورنہ ہمیں پوری توقع ہے کہ وہاں کی حکومت شریعت مقدسہ کی روشنی میں جو بھی مطالبات و اصلاحات پیش کی جائیں گی نہ صرف یہ کہ ان کو ضرور سنے گی بلکہ ان کو منظور کر کے دنیائے اسلام کی رائے عامہ کو ان شاء اللہ مطمئن کرنے کی کوشش کرے گی۔ وما ذلک علی اللہ بعبیر

## باب الالتفات فی الصلوٰۃ

### نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کا بیان

۷۱۲: حدثنا مسدد قال حدثنا ابو الاحوص قال حدثنا اشعث بن سلیم عن ابیہ عن مسروق عن عائشة قالت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الالتفات فی الصلوٰۃ هو اختلاس یحتلسه الشیطان من صلوٰۃ العبد

۷۱۳: حدثنا قتیبہ قال حدثنا سفین عن الزہری عن عروۃ عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمیصۃ لہا اعلام فقال شغلنی اعلام ہذہ اذہبوا بہا الی ابی جہم وانتونی باہنجانیتہ

ترجمہ ۷۱۲:- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی بابت پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کی چوری ہے، کہ شیطان بندے کی نماز میں سے کر لیتا ہے۔

ترجمہ ۷۱۳:- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک روز) ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس میں نقش بنے ہوئے تھے (نماز تہ فارغ ہو کر) آپ نے فرمایا، کہ مجھ اس کپڑے کے نقشوں نے (اپنی طرف) متوجہ کر لیا اسے ابوجہم (تاجر) کے پاس لے جاؤ اور مجھ سے نبی لاؤ۔

تشریح:- امام بخاری نے باب دفع البصر الی الامام میں یہ ثابت کیا تھا کہ نماز بحالت اقتداء الہام کی حرکات و سکنات پر مطلع ہونے کے لئے امام کی طرف نظر و التفات رکھ سکتا ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا۔ پھر دوسرے باب میں بحالت نماز آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے روکا، اور اس سے یہ بھی بعض احادیث کے تحت معلوم ہوا کہ اگر نمازی کا عقیدہ یہ ہو کہ حق تعالیٰ جہت علیا میں یا آسمان پر ہیں، تب تو اس نظر اٹھانے پر سخت وعید بھی ہے، جو خرابی عقیدہ ہی پر مبنی ہے۔ اس کے بعد یہاں امام بخاری ایک تیسری صورت تیار ہے کہ نمازی اگر بلا ضرورت کے ادھر ادھر نظر کرتا ہے تو اس کا یہ فعل شیطانی حرکت ہے کہ شیطان اس طرح سے اس کی نماز کو ناقص بنا کر اس کے اجر و ثواب کو کم کرتا ہے۔



حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: میرے نزدیک عالم غیب کی ساری چیزیں حقیقت پر مبنی ہیں ان میں تاویل و استعارہ کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے اگر کسی کو اپنی التفات والی نماز متمثل کر کے دکھا دی جائے تو وہ ضرور اس کو دیکھے گا کہ وہ غفلت مجروح ہے یعنی جگہ جگہ سے ہنسی کھینچی ہوئی، التفات وغیرہ نقائص کی وجہ سے ہے۔

انواع التفات: (۱) نظر سے ملتفت ہونا۔ یہ تو سب کے نزدیک نماز میں جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے (۲) تحویل وجہ کے ساتھ باوجود ضرورت کے سب کے نزدیک مکروہ ہے (۳) سینہ بھی قبلہ سے پھر جائے تو حنیف و شافعیہ کے نزدیک مفید صلوٰۃ ہے، مالکیہ کے یہاں اگر دائیں بائیں مڑ جائے اور دونوں پاؤں قبلہ کی طرف قائم رہیں تو بجا ضرورت مکروہ ہے، حنابلہ کے نزدیک اگر بجا ضرورت مرض و خوف وغیرہ التفات ہو تو مکروہ ہے اور بطلان صلوٰۃ کا حکم صرف استدبار قبلہ سے ہوگا۔ (الابواب ۳/۲۸۳)

## باب هل يلتفت لامر ينزل به او يرى شيئاً او بصاقاً في القبلة

### وقال سهل التفت ابو بكر فرأى النبي صلى الله عليه وسلم

(اگر نماز میں کوئی خاص واقعہ پیش آجائے یا سامنے تھوک یا کوئی چیز دیکھے تو کیا یہ جائز ہے کہ دوزیدہ نظر سے دیکھے اور ہل کہتے ہیں کہ ابو بکر ملتفت ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا)

۱۴: حدثنا قتیبہ قال حدثنا الليث عن نافع عن ابن عمر انه قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم نعمة في قبلة المسجد وهو يصلي بين يدي الناس فاحتها لم قال حين انصرف ان احداكم اذا كان في الصلوة فان الله قبل وجهه فلا يتخمن احد قبل وجهه في الصلوة رواه موسى بن عقبة و ابن ابي رواد عن نافع  
۱۵: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال اخبرني انس بن مالك قال بينما المسلمون في صلوٰۃ الفجر لم يفجأهم الا رسول الله صلى الله عليه وسلم كشف ستر حجره عائشة فنظر اليهم وهم صفوف فبسم يضحك و نکص ابو بكر على عقبه ليصل له الصف فظن انه يريد الخروج وهم المسلمون ان يفتنوا في صلواتهم فاشار اليهم التواصلوا انكم و ارضى السر و توفي من اخر ذلك اليوم

ترجمہ ۱۴: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے مسجد کے قبلہ (کی جانب) میں کچھ تھوک دیکھا۔ اس وقت آپ لوگوں کے آگے (کھڑے ہوئے) نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اس کو پھیل ڈالا۔ اس کے بعد جب (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں ہو تو (یہ خیال کرے کہ) اللہ اس کے سامنے ہے لہذا کوئی شخص اپنے منہ کے سامنے نہ تھو کے۔ اس کو موسیٰ بن عقبہ، اور ابن ابی رواد نے نافع سے روایت کیا۔

ترجمہ ۱۵: حضرت انس مالک روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) مسلمان نماز فجر میں (مشغول) تھے، کہ یکایک رسول خدا ﷺ سامنے آ گئے، آپ نے حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ اٹھایا، اور مسلمانوں کی طرف دیکھا، اس وقت وہ صف بستہ تھے، پس آپ سرت کے سب سے مسکرانے لگے، ابو بکرؓ اپنے پچھلے پیروں بیٹھے لگے، تاکہ آپ کے لئے (امت کی جگہ خالی کر دیں، اور خود) صف میں شامل ہو جائیں، کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں، اور مسلمانوں نے (خوشی کے باعث) یہ قصد کیا، کہ اپنی نمازوں کو توڑ دیں، مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اپنی نمازوں کو پورا کر لو اور آپ نے پردہ ڈال دیا، اور اسی دن کے آخر میں آپ نے وفات پائی۔

تشریح۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا کہ نماز کی حالت میں کوئی خاص بات نئی پیش آجائے تو اس کی رعایت بھی نماز کی حالت میں کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی عمل منافی صلوٰۃ نہ کرنا پڑے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے امامت صلوٰۃ کی حالت میں خلاف توقع حضور علیہ السلام کو مسجد میں نماز کی شرکت کے لئے آتے ہوئے دیکھا تو اس طرف توجہ کی۔ حدیث ص ۱۵ میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، لیکن حدیث ص ۱۴ جو امام بخاریؒ یہاں لائے ہیں وہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ وھو یصلیٰ کی وجہ سے یہ سمجھ کر لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے اندر تھوک کو دیا اور قبلہ سے ہٹایا ہے، حالانکہ بظاہر واقعہ ایسا نہیں ہے، اور حافظ دہلویؒ نے بھی لکھا کہ۔ وایت الباب بخاری کی ترکیب و ترتیب جمل سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے جو بخاریؒ نے سمجھا ہے، مگر امام بخاریؒ خود ہی ابواب قبلہ میں باب حک الہذاق کے اندر ص ۵۸ میں حضرت مالک بن انسؒ، حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ و ابو سعید خدریؓ اور حضرت انسؓ کی روایات لا چکے ہیں۔ جن میں سے ایک میں بھی نماز کا ذکر نہیں ہے، اس لئے بظاہر حضور علیہ السلام نے نماز میں نہیں بلکہ خارج صلوٰۃ ہی ایسا عمل فرمایا تھا۔ پھر بقول حضرت شاہ صاحبؒ راویوں کے تجاویزات و تسمیحات کی بات ہے کہ الفاظ کو مقدم و موخر کر دیتے ہیں۔ جس سے مطلب خلاف مقصود و سراسر اہوج و تابہ اور ن پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ خاص طور سے زور دیا کرتے تھے کہ سارے طرق روایت اور متون پر جب تک نظر نہ ہو مسائل کا فیصلہ نہ کرنا چاہئے۔ اور ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ جو راویوں کے سب متون کو صحیح قرار دینے کی سعی فرمایا کرتے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ ان کے اس خیال کو ہٹانے کے لئے دلائل و شواہد پیش کیا کرتے تھے، جن کو حضرتؒ بڑی توجہ سے سنتے اور اثر لیا کرتے تھے۔

در حقیقت ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی محدثانہ شان اور تحقیقی تدقیقی نظر ہمارے اکابر و یوہند میں سب سے ممتاز تھے اور ان کا طرز بحث و تحقیق اکابر متقدمین محدثین سے بہت اشد و اقرب تھا۔ اس سے زیادہ میں کہوں تو شاید چھوٹا منہ بڑی بات سمجھی جاتے کی سربمٹے یقین ہے کہ انوار الباری کی تحقیقی محدثانہ اباحت پڑھ کر ناظرین حقیقت کو پالیں گے۔ اور اب بھی مجھے بعض علماء وقت نے انوار الباری کا ملاحظہ کرنے کے بعد اپنے اس قسم کے احساس و وجدان سے مطلع کیا ہے۔

لہذا حدیث ص ۱۴ میں ترجمہ کی مطابقت فقہاء کے ذریعہ نہ ہو سکے گی، اور نہ نماز کے اندر اتنا عمل کثیر درست ہوگا کہ دیا اور قبلہ تک جا کر اس سے تھوک وغیرہ صاف کرے، بلکہ نماز کے بعد اس کو صاف کرے گا، جس طرح حضور علیہ السلام نے بھی خارج صلوٰۃ کیا تھا۔

البتہ اسی حدیث میں آگے یہ بھی ہے کہ اگر نماز کے اندر تھوک بلغم کا غلبہ ہو (جیسا کہ شدت زکام و نزل میں ہو جایا کرتا ہے تو علم یہ ہے کہ سامنے قبلہ کی جانب نہ تھو کے بلکہ نیچے قدموں کی طرف یا کپڑے میں جا عمل کثیر اس کو لے لے، پھر نماز کے بعد اس جگہ یا کپڑے کو صاف کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ مناجاة، اقبال علی اللہ، اور مواجہہ سب ایک ہی شیئی یعنی تجلی ربانی کی طرف مشیر ہیں۔ یعنی حضرت حق جل ذکرہ کی خاص تجلی حالت نماز میں متوجہ ہوتی ہے، اور اسی لئے نماز مومن کے لئے ایک قسم کی معراج ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

## باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات

### كلها في الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت

(تمام نمازوں میں خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں 'سری ہوں' یا جہری 'امام اور مقتدی کے لئے قراءت کے واجب ہونے کا بیان)

۷۱۶: حدثنا موسى قال حدثنا ابو عوانة قال حدثنا عبد الملك بن عمير عن جابر بن سمرة قال شكى اهل الكوفة سعداً الى عمر فعزله واستعمل عليهم عماراً نشكوا حتى ذكروا انه لا يحسن يصلي فارسل اليه فقال يا ابا اسحاق ان هؤلاء يزعمون انك لا تحسن تصلي قال اما ان الله فاني كنت اصلي بهم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اخرم عنها اصلي صلوة العشاء فاركض في الاوليين واخف في الاخرين قال ذاك الظن بك يا ابا اسحاق فارسل معه رجلاً أو رجلاً الى الكوفة يسأل عنه اهل الكوفة ولم يدع مسجداً الا سأل عنه ويشنون عليه محرراً حتى مسجد النبي عسى فقام رجل منهم يقال له اسامة بن قتادة يكنى ابا سعدة فقال اما اذن شدتنا فان سعد الايسر بالسرية ولا يقسم بالسوية ولا يعدل في القصية قال سعد اما والله لا دعون بثلاث اللهم ان كان عبدك هذا كاذباً قام رياءً وسمعة فاطل عمره واطل فقره وعرضه بالفتن وكان بعد اذا سئل يقول شيخ كبير مفتون اصابتني دعوة سعد قال عبد الملك فانار ابته بعد قد سقط حاجباً على عينيه من الكبر وانتهى ليعترض للجوارى في الطرف يغمزهن

۷۱۷: حدثنا علي بن عبد الله قال حدثنا سفين حدثنا الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب

۷۱۸: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا يحيى عن عبيد الله قال حدثني سعيد بن ابى سعيد عن ابىه عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد قد دخل رجل فصلى فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فرد فقال ارجع نصل فانك لم تصل فارجع فصلى كما صلى ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ارجع فصل فانك لم تصل ثلاثاً فقال والذي بعثك بالحق ما احسن غيره فعملني فقال اذا قلت الى الصلوة فكبر ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تطمئن جالساً وافعل في صلواتك كلها

ترجمہ ۷۱۶: حضرت جابر بن سمرةؓ روایت کرتے ہیں کہ اہل کوفہ نے حضرت عمرؓ سے سعدؓ کی شکایت کی، تو حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو معزول کر دیا، اور عمار کو ان لوگوں کا حاکم بنایا، ان لوگوں نے (سعدؓ کی بہت سی) شکایتیں کیں، یہاں تک کہ بیان کیا کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو بلا بھیجا، اور کہا کہ اے ابواسحاق! یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے، انھوں نے کہا، سنو! خدا کی قسم ان کے ساتھ میں نے ویسی نماز ادا کی ہے، جیسے حضور ﷺ کی نماز ہوتی تھی، چنانچہ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا تھا اور اخیر کی دو رکعت میں تخفیف کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابواسحاق تم سے یہی امید تھی، پھر حضرت عمرؓ نے ایک شخص یا چند شخصوں کو سعدؓ کے ہمراہ کوفہ بھیجا تا کہ وہ کوفہ والوں سے سعدؓ کی بات پوچھیں (چنانچہ وہ گئے) اور انھوں نے کوئی مسجد نہیں چھوڑی، کہ جس میں سعدؓ کی کیفیت نہ

پوچھی ہو، اور سب لوگ ان کی عمدہ تعریف کرتے رہے یہاں تک کہ بنی عیسٰی کی مسجد میں گئے تو ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا، اس کو سامہ بن قنادر کہتے تھے، کنیت اس کی ابوسعہ تھی، اس نے کہا کہ سنو! جب تم نے ہمیں قسم دلائی، تو مجبور ہو کر میں کہتا ہوں کہ (سعد شمر سے امراء) (جہاد کو خود) نہ جاتے تھے اور غنیمت کی تقسیم برابر نہ کرتے تھے اور فیصلہ میں انصاف نہ کرتے تھے سعد (یہ سن کر) کہنے لگے کہ دیکھ میں تین بد دعائیں تجھ کو دیتا ہوں اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہو، نمود و نمائش کے لئے (اس وقت) کھڑا ہوا ہو، تو اس کی عمر بڑھا دے، اور اس کو فقر میں مبتلا کر، اور اس کو فتنوں میں مبتلا کر دے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور اس کے بعد جب اس سے (اس کا حال) پوچھا جاتا تھا، تو کہتا کہ ایک بڑی مہ والا بوزھا ہوں، فتنوں میں مبتلا، مجھے سعد کی بد دعا لگ گئی، عبدالملک (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے اس کو اب دیکھا ہے، اس دن دونوں ابرو اس کی آنکھوں پر بڑھا پے کے سبب سے جھک پڑی ہیں، وہ راستوں میں لڑکیوں کو پھینکتا ہے، ان پر دست درازی کرتا ہے۔

ترجمہ ۷۱: حضرت عبداللہ ابن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔  
ترجمہ ۷۱۸: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ) مسجد میں تشریف لے گئے، اسی وقت ایک شخص آیا، اور اس نے نماز پڑھی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو سلام کیا، آپ نے (سلام کا) جواب دیا، اور فرمایا، کہ چا نماز پڑھا، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ لوٹ گیا اور اس نے نماز پڑھی، جیسے کہ اس نے (پہلے) پڑھی تھی، اور نبی کریم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چا نماز پڑھا، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی (اسی طرح) تین مرتبہ (ہوا) تب وہ بولا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس سے بہتر اور انہیں کر سکتا، لہذا آپ مجھے تعلیم کر دیجئے، آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، اس کے بعد جتنا قرآن تم کو یاد ہو، اس کو پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان سے ہو جاؤ، پھر سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان سے ہو جاؤ، پھر سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، اور اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرو۔

تشریح: قراءت خلف الامام کا مسئلہ زمانہ قدیم سے ہی زیر بحث اور معرکہ الآراء رہا ہے، اور سب سے پہلے امام بخاری نے اس موضوع پر مستقل رسالہ "قراءۃ خلف الامام" لکھا جو جزاء القراءۃ کے نام سے زیادہ مشہور ہوا، اور وہ رسالہ طبع شدہ ہے، ہمارے سامنے بھی ہے، اس کے بعد علامہ شافعی نے بھی رسائل لکھے، جن میں امام بیہقی کا رسالہ "کتاب القراءۃ" بہت مشہور ہے، علامہ السنن وغیرہ میں غلطی سے بہ کثرت مواضع میں جزاء القراءۃ للاتباعی درج ہو گیا ہے، جبکہ جزاء القراءۃ کا انتساب امام بخاریؒ کی طرف اور کتاب القراءۃ کا بیہقی کی طرف معروف و مشہور ہے۔

واضح ہو کہ امام بخاری اور ابن حزم کے علاوہ کسی نے بھی قراءۃ خلف الامام کے وجوب و فرضیت کے لئے اثبات و تشدد کا مظاہرہ نہیں لیا ہے اور ان دونوں کے سوا کوئی بھی متقدمین و متاخرین کبار امت میں سے امام کے پیچھے جہری نماز میں وجوب قراءۃ کا قائل نہیں ہو رہا۔ اور امام شافعیؒ کی طرف جو اس کی نسبت کی گئی ہے، وہ بھی تحقیق سے غلط ثابت ہوئی ہے، جس کو ہم واضح کریں گے۔

### محدثین متقدمین اور مسئلہ قراءت خلف الامام

محدثین متقدمین میں سے احمد حنفیہ و امام مالک و احمدؒ سے تو اس لئے بھی وجوب کی نقل نہیں ہے، کہ وہ بھی وجوب کے قائل نہ تھے۔ محدث کبیر امام ابن ابی شیبہؒ اپنے مصنف میں پہلے بار "من رخص فی القراءۃ حلف الامام" قائم کر کے ۲۱-۲۲ آئندہ کر کے، جن میں وہ زیادہ ہیں جن سے قراءۃ فاتحہ خلف الامام کا ثبوت مطلقاً ہے، جہری نماز کی صراحت نہیں ہے، اور سری میں جواز سے منکر کوئی بھی نہیں ہے۔ اور وجوب و فرضیت کا ثبوت بھی کسی اثر سے نہیں ہوتا، اس کے بعد دوسرا باب انھوں نے "من سکرہ القراءۃ حلف الامام" قائم کر کے ۲۶-۲۷ آئندہ کر کے ہیں، جن سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ناپسندگی ملتی ہے یا کہ امام کی قراءۃ مقتدی کے لئے کافی ہے۔

امام ترمذی نے بھی شافعی المذہب ہونے کے باوجود باب القراءۃ خلف الامام کے بعد دوسرا باب ترک القراءۃ کا بھی ذکر کیا، علامہ ابن کثیر شافعی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ مقتدی کا امام کی فاتحہ پر آمین کہنا ہی اس کے لئے قراءۃ فاتحہ کے قائم مقام ہے۔ غرض شافعیہ کی طرف سے بھی اس معاملہ میں امام بخاری کی طرح شدت نہ تھی، لیکن تقریباً دو سو سال سے جب سے کہ غیر مقلدین نے تقلید وائزہ بہتدین کے خلاف جہنم اٹھایا تو اس قسم کے مسائل کو عوام میں شائع کر کے ان کو مسلک سلف و جمہور سے متنفر بنانے کا محبوب مشغلہ اختیار کیا ہے۔

### غیر مقلدین اور حنفیہ

چونکہ ہندوستان میں ہمیشہ حنفی مسلک ہی کی سیادت رہی ہے، اس لئے خاص طور سے اسی کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر بھی مستقل رسائل لکھ کر شائع کرائے، اور عوام کو حنفی مذہب سے بدظن کرنے کی مہم چلائی گئی۔ اسی لئے اکابر حنفیہ کو بھی جواب دی گئی پڑی۔

حضرت الشیخ الحق محمد ہاشم سندھی م ۱۲۶۱ھ "تبلیغ الکلام" لکھی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی م ۱۲۹۹ھ نے توثیق الکلام لکھی۔ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری م ۱۲۹۹ھ (حشی بخاری) نے الدلیل القوی لکھی، حضرت مولانا عبدالحق الکنوی م ۱۳۰۴ھ نے امام الکلام اور غیث الامام لکھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی م ۱۳۳۳ھ نے ہدایۃ المستندی لکھی۔ اور آخر میں ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ نے خاتمہ الخطاب اور فصل الخطاب دور سالے لکھے، اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ مولف اعلام السنن کا رسالہ فاتحۃ الکلام، اور حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر دام ظلہم کا رسالہ احسن الکلام بھی دو حصوں میں اعلیٰ علمی و حدیثی تحقیقات اور مسکت جوابات پر مشتمل ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

تفصیل مذہب: مجموعی اعتبار سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جمہور ائمہ کا عدم وجوب قراءۃ خلف الامام پر اتفاق ہے، جبکہ صرف امام بخاریؒ و ابن حزم و جوب پر مصر ہیں۔ دیگر تفصیل ملاحظہ ہو:۔ اور جس ۲۳۹/۱ میں ہے کہ تمام ائمہ حنفیہ ابن وہب مالکی، اشہب، اوزانی (فی روایت) ثوری، امام احمد (فی روایت) ابن المسیب و دیگر تابعین اور عروہ ابن زبیر، سعید ابن جبیر، زہری، شعبی، نخعی، ابن ابی لیل، حسن بن علی یہ سب جہری دوسری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے عدم قراءۃ کے قائل ہیں۔ امام مالک جہری میں عدم قراءۃ اور سری میں انتخاب قراءۃ کے قائل ہیں، تاکہ مقتدی کا ذہن غیر اللہ کی طرف نہ جائے جہری میں اگر کوئی قراءۃ کر لے تو نماز باطل نہ ہوگی، امام شافعیؒ کے روایت ہے کہ باطل ہو جائے گی۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر امام کی آواز سننے میں نہ آ رہی ہو تو پڑھ سکتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سری و جہری دونوں میں وجوب قراءۃ کا قول مشہور ہو گیا (لیکن یہ غلط ہے، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی)

شیخ محی الدین بن العربی (شیخ اکبر) کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ گو وہ ظاہری تھے، مگر قراءۃ خلف الامام کے مسئلہ میں امام اعظم و غیرہ کے ساتھ ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں امام اللہ ہے اس کا کلام پڑھا جا رہا ہے۔ لہذا اس کے پیچھے قراءۃ کیسی؟

حضرت شاہ صاحبؒ کے بعض امالی میں بھی یہی بات ذکر ہوئی ہے کہ امام شافعی کا قول قدیم مثل امام ابو حنیفہؒ مالک و احمد جہری میں عدم وجوب تھا اور اسی پر وہ پچاس سال کی عمر تک رہے، آخر میں جب مصر گئے تو وہاں قراءۃ کے قائل ہو گئے، پھر نہیں معلوم کہ وجوب کے قائل ہوئے یا صرف انتخاب کے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ان کے زمانہ مصر کی کتاب "کتاب الام" ہے جو آخری عمر کی ہے، اور اس کے ص ۸۹/۱ میں ہے کہ ترک قراءۃ میں عمد و خطا برابر ہے، کیونکہ بغیر فاتحہ کے نماز درست نہ ہوگی، مگر مقتدی کا حکم آگے آئے گا، پھر ص ۹۳/۱ میں ہے کہ منفرہ اور امام پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی کا حکم آگے بیان کروں گا، پھر آگے کئی جلدوں میں اس کا بیان نہیں ہے، جس کی وجہ سے مؤلفین نے عدم ذکر و

نسیان وغیرہ کا فیصلہ کیا ہے مگر ساتویں آخری جلد کے ص ۱۵۳ میں امام شافعیؒ کی یہ وضاحت ملتی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ جس نماز میں امام ای قراءت کر رہا ہو جو سنی نہ جاتی ہو تو مقتدی اس کے پیچھے قراءت کر لے یعنی امام کے جبر کی صورت میں اگر آواز سنی جاری ہو تو مقتدی کو قراءت کی اجازت بھی نہیں وجوب تو درکنار ہا اور یہ بعینہ وہی مذہب ہے جو امام احمد سے دوسری روایت میں اوپر بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ "امام کے سکوت کی حالت میں فاتحہ پڑھے" تو امام پر ایسے بڑے سکتے کا وجوب ماننا پڑے گا، جس میں مقتدی فاتحہ پڑھے اور اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے نہیں ہو سکا۔

علامہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ ص ۱۳۹/۲ اور تنوع العبادات ص ۸۷ میں صراحت کی کہ "امام کی جبری نماز میں مقتدی نے لے فاتحہ وجوب قول شاذ ہے، حتیٰ کہ امام احمدؒ نے اس کے خلاف پر اجماع نقل کیا ہے۔" اگر ان کے نزدیک امام شافعیؒ کا وجوب کا قول صحیح ہوتا تو اس و شاذ ایسے لفظ سے تعبیر نہ کرتے، البتہ اس سے اشارہ امام بخاری و ابن حزم ظاہری کی طرف ہو سکتا ہے۔

ارشاد امام احمد: امام ترمذی نے امام احمدؒ کا قول نقل کیا کہ حدیث نبویؐ "لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب" کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی تنہا ہو تو اس کی نماز بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی، پھر امام احمد نے حضرت جابرؓ کا قول پیش کیا جس میں ہے کہ جو شخص نماز کی کوئی رکعت بغیر قراءت فاتحہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ الایہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، اور اس کو پیش کر کے امام احمد نے فرمایا کہ دیکھو یہ صحابی رسولؐ ہے اس نے حدیث نبویؐ کا وہی مطلب لیا جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ تنہا نماز والے کے لئے ہے۔ ترمذی (باب ترک القراءۃ خلف الامام)

اس کے بعد ترمذی نے لکھا کہ امام احمد ہا وجود اس کے بھی قراءۃ خلف الامام کے قائل تھے، لیکن یہ مطلق طریقہ غلط ہے، کیونکہ وہ تو صرف سری میں جواز کے قائل تھے اور جبری میں صرف اس وقت کہ امام کی قراءت کی آواز نہ سنے، اور بڑا اختلافی نقطہ صرف جبری میں ہے، اور سری کا معاملہ تو اور بھی زیادہ اہون ہے۔

جوابات اور امام احمد سے امام ترمذی نے نقل کی ہے، وہی ایک راوی حدیث سفیان بن عیینہ "لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا" نے کہی کہ یہ حکم نبویؐ تنہا نماز والے کے لئے ہے (ابوداؤد ص ۱۱۹/۱ باب ترک القراءۃ) اور محدث اسماعیلی نے بھی یہی کہہ (عمدہ ص ۶۹/۳) غرض ان تینوں جلیل القدر محدثین نے وہ فیصلہ دیا جو امام بخاری و ابن حزم کے اطلاقی و عمومی فیصلہ کے خلاف ہے۔

مفتی ابن قدامہؒ میں ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا: اس امر پر اجماع ہے کہ آیت استماع و انصات نماز کے بارے میں اتاری ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ مقتدی پر خالت جبر میں امام کے پیچھے قراءت کرنا واجب نہیں، اور یہ بھی امام احمدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ یہ کہتا ہو کہ جبراً ہم کی صورت میں مقتدی کی نماز با قراءت کے نہ ہوگی، پھر فرمایا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے، اور آپ کے سارے صحابہ و تابعین ہیں، اور تبارک کے امام مالک، عراق کے ثوری، شام کے اوزاعی، مصر کے لیث ہیں، ان میں سے کسی نے بھی ایسے شخص کی نماز کو باطل نہیں قرار دیا جس نے اپنے قاری امام کے پیچھے قراءت نہ کی ہو۔ (مفتی ابن قدامہ ص ۱۰۶/۲) (بخاری ص ۱۲۲)

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جن احادیث سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے واجب و فرض بتایا جاتا ہے وہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ منفرد اور امام کے حق میں ہیں۔ مقتدی کے بارے میں نہیں ہیں۔ طرفین کی پیش کردہ احادیث پر جو تفسیری بحث و نظر آیا، امت نے کی ہے، اس سے بھی امام احمد کے ارشاد کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ جمہور کے ساتھ ہیں:۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام احمدؒ کے نزدیک امام شافعیؒ بھی آخر تک کسی وقت بھی وجوب قراءۃ خلف الامام کے قائل نہیں ہوئے، امام احمدؒ کا امام شافعیؒ سے بہت ہی قریبی تعلق تھا اور وہ ان کے مذہب سے بھی پوری طرح واقف تھے، اور آپ کی وفات بھی امام شافعیؒ سے ۳۷ سال بعد ہوئی ہے گویا امام احمدؒ کے وقت تک کوئی بھی ایسی قائل ذکر ہستی نہیں تھی، جو اجماع کے خلاف وجوب فاتحہ

خلف الامام کی قائل ہو، لہذا امام شافعی کا جو جدید مذہب و جوہ کا مشہور کیا گیا، وہ صحیح نہیں تھا۔ اور یہ مغالطہ صرف اس لئے کچھ بڑوں کو ہوا تھا کہ انہوں نے امام شافعی کی کتاب الام کو قدیم کتابوں میں سے سمجھ لیا تھا۔ پھر بعد والے بھی پہلوؤں کی وجہ سے مغالطہ میں پڑ گئے۔ والہ تعالیٰ اعلم۔

محترم علامہ ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صاحب صدر علم فیضیہ نے لکھا کہ اصل غلطی امام الحرمین جوینی شافعی م ۸۷۷ھ (استاذ امام فرائی شافعی م ۵۵۵ھ) سے ہوئی کہ انہوں نے کتاب الام کو امام کی کتاب قدیمہ میں سے سمجھ لیا۔ پھر دوسرے علماء بھی ان کی وجہ سے مغالطہ میں پڑ گئے، اور نتیجہ میں امام شافعی کا مسلک بھی غلط طور سے اقل ہونے لگا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ص ۲۵۲/۱۰ میں یہی بات لکھی ہے، اور علامہ سیوطی نے بھی حسن الحضرہ ص ۱۲۲/۱ میں کتاب الام کو امام شافعی کے زمانہ قیام مصر کی تالیف قرار دیا ہے، لہذا یہ پوری طرح ثابت ہو گیا کہ فاتحہ خلف الامام کا ترک امام شافعی کا قول جدید ہے۔ (احسن الکلام ص ۱۱۱)

علامہ بخاری نے بھی معارف السنن ص ۳/۱۸۵ میں لکھا کہ امام شافعی کے قول قدیم و قول جدید دونوں سے مقتدی کے لئے عدم جواز فاتحہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ الاماء بھی بقول خودی امام کی جدید تصنیف میں سے ہے، اور اس میں بھی ترک فاتحہ ہی ہے۔

علامہ بخاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجھے کتاب الام میں مقتدی کا حکم نہیں ملا، اس لئے کہ موصوف کا ذہن جلد سابع کی طرف نہیں سیا، وکا لیکن اس بات پر حیرت ہے کہ صاحب المہذب نے "الام" کے حوالہ سے امام شافعی کی طرف وجوب کیسے منسوب کر دیا؟!

### غیر مقلدین کا زعم باطل

اوپر کی تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ موجودہ دور کے اہل حدیث حضرات (غیر مقلدین) جو یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے امر مقتدی نے فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز باطل اور کلام عدم ہوگی، جن کے جواب میں احسن الکلام وغیرہ لکھی گئی ہیں، یہ ان کا دعوہ۔ بقول امام احمد کے سراسر غلط اور ناقابل قبول ہے، اور اگر ان کو اس دعوہ کی صداقت کے لئے کوئی تائید ملتی ہے تو ساری امت میں سے صرف امام بخاری اور ابن حزم سے، اور ان کے دلائل کا رد پہلے بھی ہو چکا ہے اور مختصر اہم بھی یہاں کریں گے۔ ان شاء اللہ

### امام بخاری کا دعوہ اور دلیل

آپ نے باب قائم کیا کہ "ساری نمازوں کے اندر خواہ وہ حضرت کی ہوں یا سفر کی اور خواہ وہ جہری ہوں یا سری، امام اور مقتدی دونوں پر قراءت کرنا واجب ہے" اسی طرح ابن حزم نے اپنی "مغلی" میں دعوہ کیا "سورۃ فاتحہ کی قراءت ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے، امام پر بھی اور مقتدی پر بھی، اور اس حکم میں فرض و نفل اور مرد و عورت سب برابر ہیں۔" (انوار المحمود ص ۲۹۸، ۲۹۹)

احادیث بخاری: یہاں چونکہ ہم شرح بخاری کر رہے ہیں اس لئے عرض ہے کہ امام بخاری نے اپنے اتنے بڑے دعوہ پر دلیل کیا دی ہے، ملاحظہ ہو، پہلی حدیث الباب میں حضرت سعد کے بارے میں اہل کوفہ کی شکایت کا بیان ہے، اس میں حضرت سعد کی قراءت کا بیان ہے، مقتدی کا کچھ نہیں، پھر دعوہ سے دلیل کی مطابقت کیا ہوئی؟ دوسری میں ضرور حضرت مبادہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اور یہ سب کو تسلیم ہے کہ امام و منفرد پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اور مقتدی پر جہری نماز میں کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، اور حسب تحقیق امام احمد، سفیان بن عیینہ و زہری حدیث مذکور کا تعلق صرف امام و منفرد سے ہے۔ مقتدی و اس حکم میں اس لئے داخل نہیں کیا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح سے یہ حدیث ثابت ہوئی کہ جو شخص کسی رکعت میں فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہ ہوگی، الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، (مواعظ امام مالک۔ ترمذی دہلوی)

## احادیث جزء القراءة

اصل صورت یہ ہے کہ امام بخاری اپنی شرط بخاری سے مجبوری کے باعث یہاں حضرت عبادہ کی محمد بن اسحاق والی روایت کی پیش نہیں کر سکے اور درحقیقت ان کا مقصد اسی سے حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ اس میں امام کے پیچھے بھی قراءۃ فاتحہ کی گنجائش نکلتی ہے اگرچہ وہ جوہر تو پھر بھی نہیں نکلتا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے پہلے تو امام کے پیچھے قراءت کرنے والوں کو روکا اور ان کے اس عمل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی، پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہیں قراءت کرنی ہی ہے تو فاتحہ پڑھ سکتے ہو، لیکن چونکہ یہ روایت محمد بن اسحاق کے واسطے سے ہے اور وہ بہت ضعیف و مجرد روایت ہیں اس لئے وہ روایت صحیح بخاری کے لئے موزوں نہ تھی، اور امام ترمذی نے بھی حضرت عبادہ کی دونوں روایت نقل کر کے دوسری روایت زہری کو محمد بن اسحاق والی روایت سے اصح بتلایا ہے اگرچہ امام ترمذی سے یہ غلطی بھی ہوگئی کہ آگے انھوں نے یہ بھی لکھ دیا کہ امام مالک و ابن مبارک و شافعی و احمد و اسحاق کا مذہب بھی خلف الامام قراءت کرنے کا ہے، حالانکہ یہ خلاف واقع ہے، کیونکہ امام مالک جہری میں قراءۃ خلف الامام سے منع کرتے ہیں (موطأ ص ۲۸ باب القراءۃ خلف الامام فیما لا یجہر فیہ بالقراءۃ) قید لگادی عدم جہر کی۔ اور وہ نہ مالکیہ ص ۷۰/۷۱ میں یہ بھی ہے کہ وہ سریہ میں وجوب کے قائل نہ تھے، ابن مبارک بھی جہریہ میں قراءت کے قائل نہ تھے، اور خود امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ان کا مذہب بھی خارج میں مخالفت کا ہی ثابت ہو چکا ہے، اور حضرت شاہ صاحب نے کتاب الآثار کی تعلیقات میں ان کا مذہب فقط سریہ میں قراءۃ کا ذکر کیا ہے۔ امام احمد کی مخالفت کا ذکر خود ترمذی کے حوالہ سے بھی آچکا ہے۔ محمد بن اسحاق کا مذہب بھی خارج میں مخالفت کا ہی ثابت ہو چکا ہے، اور حضرت شاہ صاحب نے کتاب الآثار کی تعلیقات میں ان کا مذہب امام مالک سے موافق نقل کیا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں امام ترمذی سے نقل مذہب میں تسامح ہو گیا ہے، الایہ کہ ان حضرات سے فی الجملہ کسی نہ کسی درجہ میں قراءت فاتحہ خلف الامام کا ثبوت مان لیا جائے، مثلاً سریہ میں جواز یا استحباب فاتحہ یا سکتا میں۔

غرض امام بخاری یہاں تو عبادہ والی روایت ابن اسحاق والی لائیں سکے۔ مگر اس کو اپنے رسالہ جزء القراءۃ میں بڑے زور شور سے لائے ہیں اور محمد بن اسحاق جیسے ضعیف و مجرد روایت کی توثیق کی بھی سعی مشکور فرمادی ہے جو امام بخاری کی جلالت قدر سے مستبعد تھی، مگر ان کو تو اپنی ایک الگ اجتہادی رائے کو ثابت کرنا تھا، وہ کر گئے۔

امام بخاری کی تیسری حدیث الباب سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں کچھ حصہ قرآن مجید کا پڑھنے کا حکم دیا جتنا بھی آسان ہو، اور وہ بھی ایک مفرد آدمی کے لئے، اس سے امام کی اقتدا میں قراءت کرنے کا اور وہ بھی قراءت فاتحہ کا ثبوت کیونکر ہو گیا، جس کے لئے ساری کوششیں اپنے رسالہ میں کی ہیں، لیکن امام بخاری ما شاء اللہ نہایت ذہین و زیرک اور محقق ہیں، انھوں نے یہاں بخاری سے ترجیح الباب میں خود ام الكتاب کا ذکر نہیں کیا، اس کو اپنے دل میں ہی رکھا، اور قراءۃ کا لفظ لائے، جس کی مطابقت تیسری حدیث سے ہوگئی۔ لمحہ فکر یہ: بخاری ص ۱۰۴ کے حاشیہ ۹ میں جو شافعیہ کو اس مسئلہ میں مقابل ٹھہرا کر جواب دے گی کہ یہ ہے، وہ بے محل ہے، جیسے کہ بات پوری طرح صحیح ہوگئی ہے، فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں ہمارے مقابل ساتہین میں سے قائل ذکر صرف امام بخاری و ابن حزم ظاہری ہیں (اور ہم نے ثابت کیا تھا اور آگے بھی واضح کریں گے ان شاء اللہ کہ امام بخاری بھی ظاہری ہیں) ان کے بعد اس زمانہ کے اہل حدیث (غیر مقلدین) ہیں، جن کا کام صرف مخالفین اور سب ائمہ کرنا اور تفریق کلمہ مسلمین ہے۔ اللہ یرحمنا و ابائہم

ارشاد انور: حضرت نے اس موقع پر درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ امام بخاری نے اپنے رسالہ جزء القراءۃ میں کبھی کبھی حدیثیں ذکر کی ہیں اور سخت کلامی کی ہے اور بعض چیزیں غلط بھی ہیں، مثلاً یہ کہ رکوع میں شامل ہونے والے کو رکعت نہیں ملتی، حالانکہ یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، اور صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور اب رکعت و ادراک الركوع پر۔ پھر فرمایا کہ سری نماز میں خفیہ سے استحباب ہے (کافی الہدایہ عن الامام محمد) اور شیخ



ابن الہمام نے انکار کر دیا کہ موطا اور کتاب الآثار میں نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ قول ہدایہ کا ہی درست ہے، کیونکہ اول تو ان دونوں کتابوں پر حصر نہیں ہے، دوسرے یہ ضروری نہیں ہے، کہ ہر بات کتابوں میں بھی ہو، بلکہ محض شہرت و نقل بھی کافی ہے۔ اس کے بعد حضرت نے اپنے رسالہ فصل الخطاب میں سے پڑھ کر سنایا، یہ بھی فرمایا کہ پانچویں صدی کے ہیں (۳۹۰ھ) باقی تفصیل فصل ص ۹۴ میں دیکھی جائے۔

پھر فرمایا کہ شیخ ابن الہمام نے سری و جہری میں قراءت کو مکروہ تحریمی کہہ دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت میں انفصال ہے یعنی دونوں کا حکم الگ الگ ہے، اور سری میں مکروہ نہیں ہے نہ تنزیہی نہ تحریمی۔ پس قول ابن الہمام جس پر آج کل کے حنفیہ چل رہے ہیں بمقابلہ قول سلف جس کا حوالہ میرے رسالہ میں ہے۔ میرے نزدیک مرجوح ہے۔ اور مقتدی کے مسئلہ میں جمہور حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

تعالیٰ صحابہ: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ آثار صحابہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نے قراءۃ خلف الامام کو بالکل ترک کیا ہے، اور بعض نے جہری نماز میں ترک کیا ہے اور بعض نے کبھی جہریہ میں قراءت کی اجازت دی ہے اور کبھی نہیں دی جیسے حضرت عمرو ابو ہریرہ نے، بعض نے اس کو موقوف طریقہ سے مستحب سمجھا جیسے حضرت عبادہ نے، بعض نے سکات کے اندر اس کی اجازت دی، اور وہ تو بہت ہی کم ہیں جنہوں نے جہریہ میں اس کو واجب قرار دیا ہو یا موقوف سمجھا ہو جیسے کچھول نے (ابوداؤد) حاصل یہ کہ سب سے کم تو وہ ہیں جو جہریہ میں امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، ان سے کچھ زیادہ وہ تھے جو سکات میں پڑھتے تھے پھر ان سے بھی زیادہ وہ تھے جو سریہ میں پڑھتے تھے، جہریہ میں نہیں پڑھتے تھے، یہی سب سے زیادہ تھے، اور کچھ وہ بھی تھے جو کبھی سریہ میں پڑھتے اور کبھی ترک کرتے تھے۔ (فصل الخطاب ص ۳ وغیرہ)

ذکر احادیث: فرمایا کہ احادیث مرفوعہ میں سے کسی سے وجوب قراءۃ خلف الامام ثابت نہیں ہوتا، نہ جہریہ میں نہ سریہ میں۔ اور صحابہ سے بھی صرف کسی ایک جانب کی ترجیح ہی ثابت ہو سکتی ہے، پھر یہ کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے ابتدائی و اصولی طور سے مقتدی کے حق میں نہ قراءت فاتحہ کی تشریع ہوئی ہے نہ کسی سورت کے پڑھنے کی، نہ جہریہ کے اندر نہ سریہ میں۔ بلکہ جب بعض صحابہ کی طرف سے قراءت خلف الامام ظاہر ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اس کو ناپسند کیا، گویا آپ اس سے پہلے ان کی قراءت کی طرف سے خالی الذہن تھے، اور جب ان میں سے کسی نے آپ کے پیچھے قراءت کی تو آپ کو نماز کے اندر ہی اس سے غلجان پیش آیا، اور ذہن مبارک میں الجھن پیدا ہوئی (کیونکہ خود آپ کے ارشاد سے ہی ثابت ہے کہ آپ پر آپ کے مقتدیوں کی ہر حرکت روشن ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کا قلبی خشوع و خضوع بھی، بخاری ص ۱۰۲ میں بھی حدیث گذری ہے کہ) (واللہ ما یخفی علی دعوکم ولا خشو عکم و انی اراکم من وراء ظہوری) پھر ظاہر ہے کہ جس مقتدی صحابی نے آپ کی قراءت کے ساتھ ساتھ قراءت کی ہوگی خواہ سری نماز میں یا جہری میں تو اس سے آپ کی غلطی و غلجان دفنی آپ کے لئے فطری امر تھی۔

سوال کی شان: اسی لئے آپ نے نماز کے بعد سوال فرمایا کہ کس نے میرے پیچھے نماز کے اندر قراءت کی ہے؟

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو بہت زیادہ اور خاص اہتمام صرف فاتحہ پڑھنے کا نہ تھا، چنانچہ آتا ہے کہ ایک صحابی نے آپ کی اقتدار کے سورۃ صبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی اور بعض نے تشہد پڑھا، گویا خود ہی انہوں نے جو کچھ میں آیا پڑھا، حضور مایہ السلام کی طرف سے نہ فاتحہ پڑھنے کی تلقین و تشریع تھی نہ صبح اسم کی نہ تشہد کی، اور اگر نماز عمت کی صورت پیش نہ آتی تو سرے سے قراءت خلف الامام کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا، خصوصاً جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ابتداء اسلام میں جب نماز کے اندر مقتدی بھی قراءت کیا کرتے تھے تو قرآن مجید کی آیت **لِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا** نازل ہوئی اور خاص طور سے نماز کے اندر قرآن مجید کی قراءت کے وقت اس کو کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کا حکم آگیا تھا، امام احمد وغیرہ کا ایرامت نے تصریح کی ہے کہ آیت مذکورہ نماز کی قراءت کے بارے میں اتاری ہے۔

قراءۃ سے اعتذار: غرض کہ جب حضور اکرم ﷺ کے علم مبارک میں یہ بات آئی کہ اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو امام کے پیچھے قراءت

کرتے ہیں تو آپ نے سوال فرمایا کہ کس نے ایسا کیا؟ جواب میں کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے قرائت کی ہے مگر ہذا کی ہے یعنی بہت تیزی سے پڑھا ہے، گویا یہ بطور اعتذار کے کہا کہ ہمارا دھین حضور کی قراءت کی طرف سے زیادہ نہیں ہٹا، بہت ہی معمولی وقت لگا جس میں تیزی سے کچھ پڑھ لیا۔ (یہ سمجھ کر کہ بغیر قرائت کے یا بغیر فاتحہ کے نماز صحیح نہ ہوگی) حضور علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر تمہیں ضرور ہی پتہ پڑھنا ہے تو خیر صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت ہے تو آپ کے اس طرح ارشاد فرما نے سے صرف اباحت مرحومہ کی صورت نکل سکتی ہے۔

ہذا امام بخاری و ابن حزم اور آج کل کے اہل حدیث حضرات کے لئے یہی غنیمت ہے کہ اس سے اباحت ثابت ہوگئی، لیکن وجوب و فرضیت ممکن نہیں۔ کیونکہ سوال کی صورت ہی بتا رہی ہے کہ شارع علیہ السلام کو اس کی اطلاع بھی نہ تھی چہ بیکہ آپ کے حکم سے ایسا نہ ہوتا ہذا نفس سوال کرنا ہی اس کی ناپسندیدگی کو ظاہر کر رہا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ اباحت مرحومہ بھی ختم ہوگئی جیسا کہ سنن کی دوسری حدیث ابی ہریرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے استنکار کے بعد فقہائے صحابہ تو سارے ہی جہری نماز میں قراءۃ خلف الامام سے رک مئے، پھر کچھ اقل قلیل رہ گئے ہوں گے۔

امر خیر محض سے روکنا: حضرت نے مزید فرمایا کہ یہاں ایک دوسرا نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ کسی امر خیر محض سے روکنے کا حق صرف صاحب وجہ کو ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کا واقعہ آتا ہے کہ آپ نے عید گاہ میں ایک شخص کو نفل پڑھتے دیکھا، لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اکرم ﷺ کو تو یہاں نفل پڑھتے دیکھا، لیکن اس کو منع اس لئے نہیں کرتا کہ ہمیں آیت کریمہ "ارایت الذی ینہی عبدا اذا صلے" کا مصداق نہ بن جاؤں،

## عورتوں کی نماز جماعت میں شرکت

اسی طرح حضور علیہ السلام نے عورتوں کو جماعت کی نمازوں میں شرکت کی رغبت نہیں دلائی تھی، تاہم ان کو اس سے روکا بھی نہیں، اور اسی سے حضرت عمرؓ نے بھی آپ کے طریقہ کی رعایت فرمائی کہ اپنی بیوی کو جماعت مسجد میں جانے سے نہیں روکا حالانکہ آپ کو ان کا گھر سے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مگر جانتے ہیں کہ وہ کورہ کے، نیز سائی نے دوسرے باب نوک قراءۃ فی الجہریہ قائم کر کے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں روایت کی جس میں اسی طرح سوال فرمایا اور ایک شخص نے کہا کہ میں نے قراءۃ کی ہے تو فرمایا اسی لئے تو میں دل میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے قرن مجید میں نہیں پڑا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان سننے کے بعد سب لوگ جہری نمازوں میں حضور علیہ السلام سے پیچھے قراءۃ سے روک گئے۔ ابوداؤد نے بھی اس قول کو حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے، کا بر محمد شین اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہی کہا ہے مگر امام بخاری نے اس بات کو کثرت دکھانے کے لئے ج۲، القراءۃ ص ۱۳ میں لکھا کہ یہ جہری کا قول ہے (حضرت ابو ہریرہؓ کا نہیں) مزید بحث ہم آگے کریں گے جب امام بخاری کے رسالہ کی باتوں کا منسل جواب آئے گا۔ ان شاء اللہ

المعجم المفہر ص ۳۳ کتاب ۳۳ سال محنت و ریسرچ کے بعد مستشرقین یورپ نے لیدن (ہالینڈ) سے شائع کی ہے، کاغذ جماعت ناپ و بعد میں بھی نہایت دیدہ زیب ہیں، سات جلدوں میں حروف چینی سے ۹ کتب حدیث (صحیح ست، دارمی، موسوطہ، مشکوٰۃ، مسند احمد) کے الفاظ حدیث کی نشان دہی کی ہے۔ اس ریسرچ اور طباعت وغیرہ پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ کیونکہ یورپ کے مستشرقین کی تحفہ میں دس بیس ہزار روپیہ ہوا رہی اس سے کم کیا ہوں گی۔ مگر مراجعت کے بعد اس میں نقائص پائے گئے، مثلاً آج ہی ہذا کی تلاش کی تو ص ۸۰ پر ابوداؤد نے مذکورہ لفظ ہذا کا حوالہ نہیں دیا۔ شاید ابوداؤد نے اس لفظ کو ہذا ہی سمجھ لیا ہوگا۔ درحقیقت دنیاوی طمع و دنیا کی نامرغوبد کے لئے کوئی کام کرنے اور خصوصاً ولایت کے جذبہ سے کام لےنے میں بڑا فرق ہے۔

دوسرے مولانا عبد العزیز صاحب کو جز انوار الکی "تبراس الیاری فی طرف البخاری" کی تصحیح قدر اس حجم کو دیکھنے کے بعد ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ امام بخاری کے ج۲، القراءۃ ص ۸ میں بھی انا لہذا لہذا، روایت کیا ہے، فتح المبین ص ۲۶ میں ترمذی وغیرہ کی طرف اس کی نسبت کی ہے، مگر مطبوعہ ترمذی اور دوسری کتب صحیح میں نہیں ملی، جز ابوداؤد نے جس کا حوالہ حضرت شاہ صاحب نے بھی درس میں دیا تھا جس وہی تصحیح ثابت ہو۔ التاج الی جمع الاصول ص ۵/۱۵ میں بھی سنن ار جکا حوالہ دیا ہے، مگر ابوداؤد کے علاوہ سنن میں نہیں ہے، بلکہ مسند احمد میں ہے، علامہ حلقہ ہوا الفتح العربانی ص ۱۹۴/۳ مگر اس میں حد کی جگہ ہذا چھپ گیا ہے۔ واللہ اعلم "مؤلف"

مسجد میں جانا سخت ناپسند تھا، اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ گھر ہی میں نماز پڑھیں، مسجد نہ جایا کریں۔ اور اس بات کو ان کی زبردست مطہرہ بھی جان چکی تھیں، لیکن ان سے کہتی تھیں کہ آپ مجھے روک دیں تو رک جاؤں گی، حضرت عمرؓ مزاج نبوی کے پوری طرح واقف اور اس کی رعایت و اتباع کرنے والے تھے، چنانچہ زبان سے روکنے سے ہٹک پاتے تھے، اور زبردست مزہ آپ کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتی رہیں تا آنکہ حضرت عمرؓ نے یہ ترکیب کی کہ ایک روز صبح کی نماز کے لئے جب وہ اندھیرے میں مسجد نبویؐ جا رہی تھیں، ان کے پیچھے ہوئے، اور کہیں موقع پا کر ان کی چادر پر پاؤں رکھ دیا، اس سے وہ سمجھیں کہ کسی نے بری نیت سے ایسا کیا ہے، چنانچہ اتانہ پڑھتی ہوئی گھر لوٹ گئیں اور کہا کہ واقعی ازمانہ بہت خراب ہو گیا ہے اور حضرت عمرؓ کی رائے صحیح ہے۔

نماز اوقات مکروہہ: اسی طرح اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کا مسئلہ بھی ہے کہ بعض حضرات فقہاء نے ان اوقات کی کراہت کا خیال کر کے ان اوقات میں نماز سے روک دیا ہے اور دوسرے فقہاء نے نماز ایسی خیر محض سے روکنا پسند نہ کیا اور اجازت دے دی۔

حضرتؓ نے ان مثالوں کے بعد فرمایا کہ ایسا ہی معاملہ قرآن مجید پڑھنے سے روکنے کا بھی ہے کہ وہ خیر موضوع ہے اور اس سے روکنا محل تامل و تردد ہے، اسی لئے جب کہ حضور علیہ السلام نے ان کو امام کے پیچھے قراءت کا کوئی حکم بھی نہیں دیا تھا۔ اور پھر بھی انھوں نے خود سے ہی پڑھا تو آپ اس سے راضی نہ ہوئے اور سوال وغیرہ کر کے اپنی ناپسند کا اظہار بھی فرمادیا مگر ان کو صاف طور سے روکا بھی نہیں، اور اس کا قتل فرمایا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک قراءۃ خلف الامام (جبر یہ نماز) کا مسئلہ حضور جماعات للنساء جیسا ہی ہے اور دونوں کی اباحت بھی ایک ہی درجہ کی ہے۔ پھر جس کا جی چاہے اس کو ترک کرے اور جو چاہے اس میں غلو کرے اور اس سے اقرب و اشبہ فقیہ حنفی علامہ طبرانی کا فتویٰ ہے کہ عام لوگوں کو نماز سے نہ روکا جائے خواہ وہ مکروہ اوقات ہی میں پڑھیں، کیونکہ وہ اگرچہ ہمارے مذہب میں مکروہ ہے مگر شافعیہ کے مذہب میں تو جائز ہے، اور ممکن ہے کہ وہ روکنے سے نماز کو بالکل ہی ترک کر بیٹھیں، اس سے تو اچھا ہی ہے کہ اپنی نماز کراہت کے ساتھ پڑھ لیں۔

میں کہتا ہوں کہ نمازوں کے بارے میں اس قسم کی سستی اور تہادون حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں نہ ہوا تھا، اس لئے ان نے ان کی یہی مناسب تھا کہ اوقات کراہت میں پڑھنے سے روکیں، پھر جب مذاہب کی اشاعت ہوئی اور لوگوں کو دوسرے مذاہب کی رخصتیں بھی معلوم ہو گئیں اور یوں بھی نماز میں غفلت اور نکال سل وغیرہ ہونے لگا، اور دینی امور پر عمل میں سستی آتی گئی تو فقہاء متاخرین نے یہی مناسب خیال کیا کہ عام لوگوں کو نماز وقت مکروہ سے نہ روکیں۔ اور خوف کیا کہ کہیں زیادہ سختی کرنے پر وہ سرے سے نماز ہی ترک نہ کر دیں۔

حاصل یہ ہے کہ خیر محض سے روکنے کا موقع صرف وہ ہے کہ جب اس کا قتل کسی طرح ہو ہی نہ سکے، اور اس کا حق بھی صرف شارع علیہ السلام کو ہے، دوسرے کسی کو نہیں، جیسے آپ نے رکوع و سجدے کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے سے روک دیا، کیونکہ وہ مناجات ہے، جو اس ہیئت و خشوع کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔ اگرچہ امام بخاری نے اس کا خیال نہیں کیا اور اجازت دے دی۔ اور حدیث صحیح مسلم شریف کو بھی ترک کر دیا، جس میں اس کی صریح ممانعت وارد ہے۔

یہاں بھی تم کہہ سکتے ہو کہ حضور علیہ السلام نے قراءۃ خلف الامام کی اجازت موجود بادل نخواستہ مرحمت فرمائی ہے، اور چاہو یہ کہو کہ اجازت بطور عزیمت نہیں دی، اور یہ صورت نا حضرات پر زیادہ گراں نہ ہوگی، جو فاتحہ خلف الامام کے وجوب و فرضیت کے مدعی ہیں۔

## موجبین کی ایک تاویل

ان لوگوں نے اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ حضور علیہ السلام کا سوال فرمائے انفس قراءت سے متعلق نہ تھا بلکہ جبر سے تھا کہ آپ کے پیچھے پڑھنے والے نے بلند آواز سے قراءت کی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ ایسی تاویل ہے جس کے لئے کوئی نقل پیش نہیں جاسکتی، پھر عقلاً بھی کسی عاقل صحابی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس اکیلے نے دوسرے تمام صحابہ کو ساکت وصامت دیکھتے ہوئے بھی بلند آواز سے قراءت کر دی ہو، اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تھا تو حضور علیہ السلام کا سوال تو جبر کے بارے میں نہیں ہوا اور نہ آپ نے اس پر کچھ نکیر فرمائی، بلکہ نفس قراءت پر ہی باز پرس فرمائی نہ پس معلوم ہوا کہ وہی آپ پر گراں گزری تھی۔

ان میں سے کچھ لوگوں نے یہ تاویل نکالی ہے کہ سوال قراءت فاتحہ سے متعلق نہ تھا بلکہ فاتحہ کے علاوہ جو پڑھا گیا ہو گا اس کے بارے میں تھا، لہذا فاتحہ خلف الامام باز پرس کی اور ناپسندیدگی کی زد سے محفوظ ہے، لیکن یہ تاویل بھی باطل ہے، کیوں کہ وارقلنی کی روایت میں حضور علیہ السلام کا سوال اس طرح مروی ہے:۔ ”هل منكم من احدى بقرا اشيا من القرآن؟“ (کیا تم میں سے کوئی شخص قرآن مجید کا کچھ حصہ میرے پیچھے پڑھتا ہے؟) ظاہر ہے کہ اس عمومی سوال سے قراءت فاتحہ بھی محفوظ نہ رہی ہوگی۔ اور سوال مطلق قراءت قرآن سے تھا، اسی خاص سورت کے بارے میں نہ تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک کسی ایک مقتدی پر بھی وجوب شرعی نہ تھا، ورنہ یوں نہ فرماتے کہ تم میں سے کوئی قراءت کرنے والا ہے؟ بلکہ سب ہی سے یوں سوال فرماتے کہ کیا تم قراءت کرتے ہو؟ کہ وجوب کی شان یہی تھی کہ سب پر ہوتا اور سب ہی آپ کے خیال میں قراءت کرتے، لہذا سب ہی مسئول اور سب ہی جواب دہ ہوتے، نیز معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے پیچھے قراءت کرنا منصب اقتدا کے خلاف تھا، اسی لئے آپ نے خلف امامکم فرمایا، ظلی نہ فرمایا، جو محل وقوع کے منصب تھا، اس سے آپ نے مطلقا منصب اقتدا کو سمجھا دیا کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا بے محل ہے۔

### وجوب کی دوسری دلیل کا جواب

حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد لا تفعلوا الامام القرآن سے تو ہم اباحت یا عدم وجوب تسلیم کئے لیتے ہیں مگر اس کے بعد جو حضور نے تعلیل کے طور پر ”لانه لا صلوة الا بها“ فرمایا اس سے تو وجوب ضرور ثابت ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بات تو کسی طرح بھی مقول نہیں ہو سکتی کہ ایک وقت میں ایک چیز کو صرف مباح اور وہ بھی بدرجہ اباحت موجود کہا جائے، اور پھر اسی کو اگلے جملہ میں واجب کا درجہ دے دیا جائے، اس لئے حدیث نبوی کی مقول شرح اس طرح ہو سکے گی کہ ممانعت اور پھر اباحت کا تعلق تو مقتدی کے ساتھ ہوا اور چونکہ سورۃ فاتحہ کو دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ایک بڑا تفوق و امتیاز بھی بخشا گیا ہے کہ وہ متعین طریقہ پر نماز کے لئے ضروری ہے، اور دوسری سورتوں کے لئے یہ وصف نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی سورت فاتحہ کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے، اس لئے تعلیل والے جملہ سے سورۃ فاتحہ کے تفوق کو امتیاز اور وصف خاص کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس کے بغیر دو نمازیں ایسی ہیں کہ وہ صحیح نہیں ہوتیں، ایک منفرد کی دوسرے امام کی لہذا تعلیل کا مقصد ایجاب فاتحہ نہیں ہے، بلکہ اس کے وصف خاص کا اظہار ہے اور خاص مقتدی کے حق میں اس کو واجب کرنا مقصود نہیں ہے کہ اس کے واسطے تو صرف اباحت کا درجہ مقرر ہو چکا ہے اور اسی لئے اس کے لئے صلیٰ ومعنی طور پر امام کی قراءت ہی کافی قرار دے دی گئی ہے، اور اب حکماً وہ ایسا ہی ہے کہ جیسے امام یا منفرد ہونے کی حالت میں خود پڑھتا ہے۔ یہاں یہ مجبوری ہے کہ امام کی قراءت کے وقت اس کے لئے انصاف و خاموشی ضروری ہے۔

### مثالوں سے وضاحت

حضرتؒ نے اس کو بھی مثالوں سے واضح فرمایا کہ ترمذی میں حدیث ہے کہ ”مومن کی گم شدہ چیز دوزخ کی آگ ہے“ وہاں بھی علم مذکور باعتبار تحقیق جنسی کے ہے تاکہ لوگ مسلمانوں کی چیزیں اٹھا کر حلال نہ سمجھ لیں، ورنہ اگر بالکل ہی مسلمان کی گم شدہ چیزوں کو نہ اٹھایا جائے گا تو یوں

بھی ضائع ہو جائیں گی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ترمذی باب البر میں ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ حضرت حسن یا حسین کو گود میں لئے باہر تشریف لائے اور ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم ہی اپنے ماں باپ کو بخل پر مجبور کرتے ہو، تم ہی ان کو بزدل بناتے ہو اور تمہاری ہی وجہ سے وہ جہالت و حماقت کی باتیں کرتے ہیں، اور تم ہی ان کے لئے بمنزلہ روح و روحان بھی ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ صاحبزادے ان اوصاف ثلاثہ مذکورہ کے کل نہ تھے، البتہ ان کی جنس کے بارے میں بات درست تھی، ایسے ہی حدیث فاتحہ کو بھی سمجھنا چاہئے کہ اس کی بھی تعلیل کے ذریعہ ایک جنس کا حکم بتلایا گیا ہے۔ جس کا تعلق منفرد امام سے ہے، موجودہ مقتدی والی صورت سے اس کا تعلق نہیں ہے اور یہ بتلایا کہ مقتدی کے لئے صرف قراءۃ فاتحہ کی اہمیت ہے (دوسری سورتوں کی وہ بھی نہیں) اس لئے کہ وہ اصل و بنیاد صلوٰۃ ہے کہ اس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی، اگرچہ اس وصف اصلیت کا تحقق مقتدی کے سوا منفرد امام کے حق میں ہوگا۔

چنانچہ اس بارے میں امام احمدی ترمذی میں صراحت بھی ہے کہ حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب منفرد کے حق میں ہے، مقتدی کے لئے نہیں ہے۔ اور ایسی ہی صراحت خود راوی حدیث مذکور حضرت سلیمان بن عیینہ سے ابوداؤد میں وارد ہے۔  
موجبین کی بھول: لیکن باوجود ایسے اکابر کی تصریحات کے بھی قرائۃ خلف الامام کے قائلین نے اس حدیث کو نماز جماعت کی طرف بھی نخل کر دیا، اور جو حکم ایک شخص کے لئے بطور خود تھا اس کو ایسے شخص کے لئے بھی کر دیا جو دوسرے کے ساتھ اقتدا کر کے نماز پڑھ رہا ہے۔

### مقتدی کے ذمہ بھی قراءت ہے

حضرت نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک شریعت کا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ مقتدی پر قراءت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ امام ہی کی قراءت اس کی قراءت ہے جو حدیث صحیح سے ثابت ہے، شیخ ابن ہمام نے ایک اسناد مسند احمد بن منیع سے ایسی بھی پیش کی ہے جو شرط شیخین کے مطابق ہے۔ یہ کتاب اب مفقود ہے، شیخ ابوالحسن سندھی کے حاشیہ فتح القدیر میں ہے کہ محقق علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے اپنے استاد شیخ ابن ہمام سے اس حدیث کی اسناد دریافت کی تھی، تو انھوں نے جواب میں لکھ کر بھیجا کہ وہ ”التحائف المخیره بزوائد المسانید العشرہ المصیرۃ“ میں ہے۔ علامہ موصوف نے بصری کا یہ بیان بھی نقل کیا کہ جب اس اسناد کو حافظ ابن حجرؒ پر پیش کیا گیا تو مسند تمام ہونے سے قبل ہی کہنے لگے کہ اس سے تو حدیث معنی کان لہ امام کی پواری ہے، اور مسکرا کر چپ ہو گئے، بظاہر اس سے خوش نہ ہوئے، مگر اس پر کوئی نقد بھی نہ کر سکے، کیونکہ اس کی سند علی شرط شیخین تھی۔ اور اپنے مسلک سے مجبور تھے، بلکہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے کہ ایسے مواقع میں فرمایا کرتے تھے، اس کی فقہ حدیث کی طرف کو چلی ہے، یعنی برعکس ہوا ہے چلنا تو حدیث سے فقہ کی طرف کو تھا، تا کہ فقہ حدیث نبوی کے تابع ہو، یہاں اگر حافظ ابن حجرؒ کے اس خواب کو بھی ذہن میں تازہ کر لیا جائے تو بہتر ہے، جو پہلے ذکر ہوا ہے کہ فقہ حنفی کے اصول جامعہ کا ملہ سے متاثر ہو کر آپ نے حنفی بن جانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر پھر ایک خواب کی وجہ سے رک گئے تھے۔

### فقہ حنفی کے خدام اکابر ملت

حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کو اگر امام محمد، امام عطاء، علامہ زبیدی، اور حضرت علامہ کشمیری ایسے حضرات کی طرح کامل تحقیق و وقت نظر کے ساتھ کتاب وسنت اور تعامل و آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں پیش کیا جاتا اور اس کی اشاعت بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی رہتی تو آج جو اس کی بے قدری و کم مائیگی دوسرے لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے محسوس کی جا رہی ہے، یہ صورت ہرگز رونما نہ ہوتی، ہم نے جو پہلے کئی اسباب تفصیل سے پیش کی ہیں اور یہ بحث بھی سامنے ہے، اس سے ہماری مذکورہ گزارش کی صداقت واضح ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

موجودہ دور انحطاط: بڑی تکلیف و درد کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس آخری دور میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت مدنیؒ ایسے محققین و کالمین سے حدیث کا درس لیا تھا، اگرچہ صحیح معنی میں دیکھ جائے تو ہمیں کچھ بھی نہ آیا کیونکہ ہماری استعداد و قابلیت اخذ ہی ناقص تھی، مگر جہد بنی اب تو ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ بیشتر ترمذی و بخاری پڑھانے والے ایسے ہیں جن میں علوم اکابر سلف و خلف کو سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں ہے، نہ ان کا مطالعہ و معلومات وسیع ہیں، بلکہ اس کیلئے ان کے پاس وقت بھی نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ فیہا للامسلف ولصیغۃ علم الحدیث۔

## تعمیم و تخصیص نہیں ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں تعمیم و تخصیص کی صورت نہیں ہے بلکہ اصل صورت یہ ہے کہ نظر شارح میں قراءت کے بارے میں مطلق نماز کا باب مستقل اور الگ تھا جس کے تحت منفرد امام آئے اور مقتدی کے احکام دوسرے تھے اس لئے اس کا باب الگ نہ تھا جیسے حدیث میں آتا ہے "البکر تستاذن فی نفسها و اذہا صماتها" (ہا کہہ سے اس کے نکاح کے لئے زبانی اجازت لینی چاہئے اور اس کی خاموشی اجازت ہے) تو یہاں اذہا صماتها بطور تخصیص کے نہیں ہے، بلکہ وہ مستقل الگ اسکے لئے شریعت ہے، اس لئے اگر وہی پہلے حکم کو عام قرار دے کر ہا کہہ کے لئے زبانی اجازت کو شرط قرار دے تو وہ غلطی ہوگی۔ البتہ دوسرے جملہ سے جو الگ سے اس کے ثبوت و منزلہ زبانی اجازت کے مقرر کیا ہے اجازت ثابت ہوگی، اسی طرح یہاں بھی جب شریعت نے اقتدا کے قواعد و احکام الگ باب میں قائم کئے ہیں، اور غیر اقتدا کے دوسرے باب میں، تو کسی کو حق نہیں کہ ایک کے احکام کو دوسرے باب میں جاری کر دے۔

احادیث اقتداء: چنانچہ اقتداء کی احادیث دیکھئے، کسی میں بھی مقتدی کو امامت کے ساتھ قراءت کا حکم نہیں کیا گیا، اور جس حدیث میں اقتداء کی پوری کیفیت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا کہ جب امام رکوع کرے تو تم رکوع کرو، سجدہ کرے تو سجدہ کرو وغیرہ وہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب امام قراءت کرے تو تم بھی قراءت کرو، حالانکہ قراءت نماز کا بنیادی رکن ہے بلکہ اس الارکان ہے، لہذا اس کا ذکر نہ کرنا اہل حدیث کے لئے جو موجبین قراءت خلف الامام ہیں، اچھا سبق تھا، پھر اس کے بعد یہ بھی وہ دیکھیں کہ ایک دوسری مستقل حدیث میں یہ زیادتی بھی صراحت کے ساتھ مل گئی کہ امام جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو، یہ حدیث مسلم شریف کی ہے (باب التہجد فی الصلوٰۃ) حضرت ابوہریرہؓ سے اشعریؒ سے مفصل روایت نماز کے بارے میں ہے، اور امام ابو بکر ابن ابی شیبہ کی روایت میں و اذا قرا اھانتوا بھی ہے، یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو جو پہلی روایت میں نہ تھا اور عام طور سے دوسرے راویوں نے اس جملہ کو نہیں لیا تھا، اسی لئے ابواسحاق (صاحب مسلم و راوی کتاب) نے امام مسلم کو اس کمزوری کی طرف توجہ دلائی تو وہ بولے کیا تم سلیمان تیمی سے بھی زیادہ حدیث کو یاد رکھتے ہو، ڈھونڈتے ہو (یعنی کیا اتنے کامل الحفظ و ضبط کی روایت زیادہ پرشربہ کرتے ہو صرف اس سبب سے کہ دوسروں نے اس کی روایت نہیں کی) پھر سوال کیا گیا کہ کیا حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے جس میں یہی زیادتی ہے؟ تو اس پر امام مسلم نے فرمایا کہ وہ بھی میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس پر کہا گیا کہ پھر آپ نے اس کو مسلم میں کیوں نہیں لیا؟ آپ نے کہا یہ کیا ضروری ہے کہ حنفی حدیثیں میرے نزدیک صحیح ہیں، وہ سب ہی یہاں جمع کر دوں، یہاں تو میں نے وہ جمع کی ہیں جن پر سب نے اتفاق کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس زیادتی کی امام مسلم نے تصحیح بھی کی ہے اور اس کی تصحیح جمہور مالکیہ و حنابلہ نے بھی کی ہے، بلکہ اس کی تصحیح سے احتراز صرف ان حضرات نے کیا ہے جو قراءت خلف الامام کو اپنا مسلک مختار قرار دے چکے تھے اور ان کی فقہی رائے مقدم بن کر حدیث کی طرف چلی تھی۔

## امام بخاری و ابو داؤد کے دعوے

حضرتؒ نے اس موقع پر نام تو نہیں لیا مگر احقر کے نزدیک اشارہ امام بخاری و ابو داؤد کی طرف بھی تھ جنہوں نے اس زیدتی پر کام کیا ہے، امام بخاری نے توجزء القرأۃ ص ۲۹ (طبع عثمی) میں سیمان تجمی کی روایت میں عدم ذکر سماع عن قتادہ کی بات نکالی اور دوسری حدیث ابی ہریرہؓ کو ابو خالد کی عدم متابعت کا دعوے کر کے گرائے کی سعی مشکور فرمائی۔ امام ابو داؤد نے بھی حدیث ابی ہریرہؓ باب الامام یصلی من فہود کے تحت روایت کر کے زیادۃ ابی خالد کو غیر محفوظ قرار دے دیا۔

سیمان تجمی کے بارے میں ابھی اوپر امام مسلم وغیرہ سے توثیق و تصحیح کا ذکر ہوا ہے اور علامہ عثمانی نے فتح الملہم ص ۲/۲۲ میں اور بھی موضحین و محسین گنائے ہیں، پوری بحث وہاں پڑھنے کے لائق ہے اور ابو خالد کی عدم متابعت کا جواب مکمل بذل المجہود ص ۳۳۸/۱ تا ص ۳۳۱/۱ قبل مطالعہ ہے، جس سے امام بخاری اور امام ابو داؤد دونوں کے بے دلیل دعووں کی مبالغہ آرائی واضح ہو جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم بہت سی محدثانہ تحقیقات یہاں ذکر نہیں کر سکتے۔

## اکابر محدثین اور فقہی اراء

اکابر محدثین خصوصاً اصحاب صحاح کی نہایت گراں قدر حدیثی خدمات کی تحسین و اعتراف ہزاراں ہزار بار اور ہماری کرو نہیں ان سے ملی احسانات کی گراں باری کے باعث جنم ہوئی ہیں۔ مگر جن مواضع میں انہوں نے محض اپنی فقہی آراء سے متاثر ہو کر مندرجہ بالا قسم کا کام بھی کیا ہے، یا تراجم ابواب کے ذریعہ اپنی فقہی آراء کے احقاق کی سعی فرمائی ہے وہ لائق شکوہ ہے اور خود مدح کے لئے تھوڑے سے کلمات منعش شاید نکل بھی سکتی ہے، اسی لئے امام بخاری کے رسالہ کی دوسری چیزوں پر بھی آئے بحث آئے گی۔ ہمارا خیال ہے اکابر محدثین سے ہزار بار بعد کے بعد (کہ وہ تو فقہاء محدثین کا مین کے سر تاج تھے، اور ہم ان کو بعد کے سارے محدثین اصحاب صحاح، وغیرہم سے بھی علم حدیث میں فائق سمجھتے ہیں) محدث کبیر امام ابن ابی شیبہؒ کا مرتبہ سب سے اوپر ہے جنہوں نے اصحاب صحاح سے قبل ہی احادیث و آثار رسالہ و تابعین کا ایسا بے نظیر مجموعہ تالیف کر دیا تھا، جو سارے انصاف پسند افراد امت محمدیہ کے لئے سراج راہ تھا اور ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة

فقہ و تقلید: فقہ امام اعظمؒ کے مسائل مدونہ میں سے (جن کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار تک منقول ہے) ۱۲۵ مسائل پر محدث موصوف کا محدثانہ نقد تھا وہ بھی ان کی "الدین النصیحة" کے تحت مخلصانہ خدمت تھی، ان کے کافی وشافی جوابات بھی بار بار دیئے گئے ہیں، پھر بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ "اذا صح الحدیث فہو مدہبنا" یعنی جب بھی ہمیں یہ ثابت ہو جائے گا کہ کسی مسئلہ میں ہمارے امام صاحب کی رائے کسی حدیث صحیح نبوی کے خلاف ہے تو ہم اس حنفی مسئلہ کو ترک کر کے اس حدیث پر عمل کریں گے۔ کیونکہ ہمارے امام صاحب اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی امت کو اتباع حدیث ہی کی طرف بلایا ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ اہل علم بمعانی الحدیث تھے، اس لئے ہم نے ان پر اعتماد کر کے ان کے مسائل مستخرجہ من الحدیث پر عمل کیا ہے۔

## زیادتی ثقہ معتبر ہے

اس موقع پر عدم متابعت کی بات اس لئے بھی بے محل ہے کہ زیادتی ثقہ کو سب ہی نے معتبر قرار دیا ہے، خصوصاً جبکہ وہ مضمون مزید یہ ہے۔ خلاف بھی نہ ہو، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اس "و اذا قرأنا لہا نصتوا" کی زیادتی کو زیادۃ ثقہ قرار دے کر معتبر قرار دیا اور کہا کہ یہ معنی مزید کے موافق و مؤید بھی ہے کیونکہ النصات الی قراءۃ المقتدی اتمام امام کا ایک فرد ہے، (فتح الملہم ص ۲/۲۳)

صحیح حدیث انصاف: حضرت شاہ صاحبؒ نے فصل الخطاب میں لکھا:۔ حدیث انصاف کی صحیح مندرجہ ذیل اکابر محدثین نے کی ہے:۔  
امام احمد، اہلق، ابوبکر اثرم، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابوعمر، ابن حزم، منذری، ابن کثیر، ابن تیمیہ حافظ ابن حجر وغیرہ اور جمہور مالکیہ وحنابلہ۔  
پھر لکھا کہ حدیث ابی ہریرہ (اذا قرا فانصتوا والی) نسائی وغیرہ میں بھی ہے، اور سب سے زیادہ مکمل مضمون ابن ماجہ باب اذا  
قرا فانصتوا میں ہے، ابوبکر ابن ابی شیبہ سے اس میں ہے کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتدا و اتباع کی جائے جب وہ بخیر کہہ کر نماز شروع  
کرے تو تم بھی بخیر کہو، جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو، جب غیر المعصوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو جب رکوع  
کرے تو تم رکوع کرو الخ مکمل نقشہ امامت و اقتدا کا پیش کیا ہے۔ (فصل ص ۲۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بخاری نے جس لفظ حدیث کو ساقط کرنا چاہا، اسی زیادتی والی حدیث کو امام احمد، امام نسائی و ابن ماجہ نے  
صحیح قرار دیا، حتیٰ کہ ابن حزم نے بھی صحیح کر دی، جبکہ ہم نے اوپر بتلایا کہ ہمیں اکابر امت میں سے صرف دو ایسے ملے جنہوں نے مزہ بھر کر قراء  
ت خلف الامام کو فرض و واجب قرار دیا اور اس کے خلاف آیات قرآنیہ احادیث صحیحہ بھی عن القراء خلف الامام کی رعایت نہ کی۔ کیونکہ  
دوسرے بعض حضرات نے تو اتنی رعایت کی تھی کہ امام کی آواز اگر نہ ارعی ہو تو پڑھ سکتا ہے، جیسے امام احمد و شافعی وغیرہ نے، مگر نہی کی رعایت کر  
کے قراءت خلف الامام کو مطلق طریقہ سے کسی نے بھی ان دو بیڑوں کے علاوہ واجب و فرض نہیں کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ  
امام ترمذی نے تو ان دونوں احادیث کی روایت ہی نہیں کی۔ شاید اپنے استاذ معظم امام بخاری سے متاثر ہو کر، امام ابو داؤد نے روایت کر کے غیر  
محفوظ کا نفل لگا دیا امام مسلم نے جرات کر کے روایت بھی کر دی اور صحیح بھی اس شان سے کر دی کہ باید و شاید، امام نسائی نے بھی روایت کر دی تو  
گو یا صحیح ہی کر دی، اور ابن ماجہ نے اور بھی آگے بڑھ کر مستقل باب ہی "اذا قرا فانصتوا" کا قائم کر دیا۔ یہیں تفاوت رہ از کجاست تا لجا  
امام بخاری و ابو داؤد نے حدیث صحیح کے جس قطعہ کو محلول و ساقط کرنا چاہا تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عظمت بخشی کہ سارے ہی اکابر محدثین نے  
اس کی صحیح و وثیق کر دی، حتیٰ کہ ابن حزم نے بھی جو اس مسئلہ میں فرضیت قراءت خلف الامام کا جھنڈا اٹھا کر امام بخاری کے ساتھ چلے تھے۔

اب صرف امام بخاری جماعت سے الگ رہ گئے، اور ہمیں درحقیقت ان ہی کے دلائل و اعتراضات کا جواب دینا بھی ہے اور بقول ہمارے  
حضرت شاہ صاحبؒ کہ ان ہی کی وجہ سے بہت سے شافعیہ وغیرہم نے قراءت خلف الامام کو واجب ثابت کرنے کے لئے زیادہ زور لگایا ہے، شاید  
حضرت کا اشارہ وار قطنی و بیہقی وغیرہ کی طرف ہوگا، کہ آخر الذکر نے تو امام بخاری کی طرح مستقل رسالہ بھی لکھا ہے "کتاب القراءۃ خلف الامام"

## تمام صحیح احادیث بخاری و مسلم میں نہیں ہیں

ابھی امام مسلم نے فرمایا کہ ہم نے مسلم میں ساری صحیح احادیث ذکر کرنے کا التزام نہیں کیا، امام بخاری کو ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو  
لاکھ غیر صحیح یا تھیں مقدمہ فتح الباری ص ۲۸۸) لیکن ان ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے اپنی صحیح بخاری میں غیرہ مکرر موصول احادیث صرف  
۲۲۵۳ درج کیں اور خود بھی فرمایا کہ جو میں نے درج نہیں کیں وہ زیادہ ہیں، پھر جو روایات لائے ہیں۔ وہ بھی دوسرے محدثین کے طریقہ  
سے الگ صرف اپنے اجتہاد و رائے کے موافق لائے ہیں، دوسرے فقہاء مجتہدین کی رعایت نہیں کی۔

## امام بخاری کے تفردات

یہاں وجہ ہے کہ بہت سے مسائل میں ان کا مسلک جمہور اور اجماع کے خلاف تک ہے مثلاً سب نے اجماع کیا کہ رکوع و جعدہ میں  
قرآن مجید کی قراءت ممنوع ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں "باب النهی عن قراءۃ القرآن فی الركوع و السجود" کے تحت  
آٹھ احادیث صحیحہ روایت کی ہیں، پھر بھی امام بخاری نے ان سب سے صرف نظر کر کے اپنا یہ مسلک قائم رکھا کہ رکوع و جعدہ کے اندر قراءت



درست ہے۔ امام احمدؒ نے لکھا کہ میرے علم میں کسی کا بھی ایسا قول نہیں ہے کہ جس نے امام کے پیچھے نماز میں قراءت نہ کی، اس کی نماز نہ ہوگی، لیکن امام بخاری سب سے الگ ہو کر وجوب قراءت خلف الامام کے قائل ہوئے، اور جمہور کے خلاف جواز تقدیم تحریر علی الامام کے بھی قائل ہوئے، جمہور نے فیصلہ کیا کہ امام کے ساتھ رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے، مگر امام بخاری نے فرمایا کہ نہیں ملے گی۔ اس قسم کے تفردات امام بخاریؒ کے بہت ہیں جن کو ہم کسی موقع پر یکجا پیش کریں گے۔

### غیر مقلدین زمانہ کا فتنہ

یہاں ذکر کرنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے غیر مقلد حضرات خفی عوام کو پریشان کرنے کے لئے اختلافی مسائل میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ لاؤ خفی مسئلہ کے لئے بخاری کی حدیث، اگر وہ ایسے ہی امام بخاری کے بڑے معتقد ہیں تو بجائے شوکانی وغیرہ کے ان ہی کا اتباع کر لیں تو اچھا ہے۔ امام بخاری کا مسلک ہمیں ان کے تراجم سے معلوم ہو چکا ہے، ان سے ہم منٹ لیں گے، یہ جو غیر مقلدین نئے نئے مسئلے پیدا کر کے نئے نئے جھگڑے نکالا کرتے ہیں ان سے تو نجات ملے گی۔

سیاق استثناء: حضرتؒ نے فرمایا: کہ موجہین قراءت خلف الامام کو چاہئے تھا کہ وہ فلا تفعلوا لا اہام القرآن جیسا استثناء انصات کے مقابلہ میں بھی پیش کرتے مثلاً انصوا الا بمفادحہ، مگر ایسی کوئی روایت نہیں ہے، تاہم انھوں نے اسی جیسا درجہ دے کر انصات کے حکم کو لغو کر دیا، ہم کہتے ہیں کہ جب قراءت امام کے وقت انصات و خاموشی کا صریح حکم آگیا اور کوئی استثناء بھی فاتحہ کے لئے وارد نہیں ہوا تو اس سے واضح ہوا کہ فاتحہ اور غیرہ فاتحہ سب برابر ہیں، امر انصات کے تحت صرف خاموشی ہی متعین ہے۔

حضرتؒ نے دوسرے دلائل بھی انصات للمتحدی کے لئے ارشاد فرمائے، پھر آخر میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہمارے پاس نص قرآنی بھی ہے اذ اقروا القرآن فاستمعوا له وانصتوا، اور احادیث صحیحہ بھی ہیں، اور مقابل میں دوسروں کے پاس مقتدی کے لئے ایجاب قراءت خلف الامام کے لئے صحیح دلائل کا فقدان ہے، جبر یہ میں بھی اور سر یہ میں بھی، البتہ ان کے پاس دعاوی و مبالغات ضرور ہیں، جن کو وہ بڑے طعناق کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

رکنیت فاتحہ کا مسئلہ: فاتحہ خلف الامام کی مزید بحث سے قبل یہ بتلادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فی نفسہ صحت نماز کیا قراءت فاتحہ پر متوقف ہے جو امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے یا قرآن مجید کا کوئی حصہ بھی کہیں سے پڑھ دینا صحت نماز کے لئے کافی ہے جو امام ابوحنیفہ وغیرہ کا مسلک ہے، امام شافعی و مالک کے نزدیک پوری سورۃ فاتحہ ہی متعین طور سے فرض و رکن صلوٰۃ ہے کہ اس میں سے ایک حرف بھی رہ گیا یا غلط پڑھ دیا تو نماز باطل ہوگی، امام احمد سے دو روایت ہیں۔ مشہور یہی قول ہے جو امام شافعی کا ہے، دوسرا قول امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہے، جیسا کہ نخل المارب اور السنن لابن قدام میں ہے، اور امام اوزاعی و ثوری بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں (او جزم ۱/۲۳۷) پھر لکھا کہ اس بارے میں کوئی شدید اختلاف نہیں ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی واجب ہے کہ عدا ترک سے گنہگار ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا اور سدا ترک پر سجدہ سہوا واجب ہوگا، اگر سجدہ سہوا نہ کیا تب بھی نماز واجب الاعادہ اور ناقص رہی۔

امام شافعی کے یہاں چونکہ واجب کا درجہ نہیں ہے، انھوں نے فرض کہا، لہذا گویا نزاع لفظی ہے۔ اور واجب و فرض کا فرق وفاق حنفیہ میں سے ہے، دوسروں کے یہاں یہ وقت نظر نہیں ہے۔

طریق ثبوت فرض: حنفیہ کے یہاں فرض و رکن کا ثبوت صرف قرآن مجید، یا متواتر احادیث یا اجماع سے ہوتا ہے، اسی لئے صرف قراءۃ قرآن کا ثبوت تو ان کے نزدیک آیت ہاقرؤا ما تیسر من القرآن اور دوسری آیت ہاقرؤوا ما تیسر منہ سے ہوا اور اس ارشاد نبوی سے

بھی جو آپ نے نماز غلط طور سے پڑھنے والے کو فرمایا کہ پھر تم جو آسان ہو قرآن مجید میں سے وہ پڑھنا، اور دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نماز بغیر قرآن مجید پڑھنے کے نہیں ہوتی خواہ وہ سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور ہو اور حضور علیہ السلام نے جو کسی صلوٰۃ کو فرمایا کہ جاؤ پھر نماز پڑھو کیونکہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، وہ بھی حنفیہ کے خلاف اس لئے نہیں کہ وہ بھی اسکی نماز کو واجب الاعادہ کہتے ہیں، اس میں واجبات چھوٹ گئے ہوں،

۱ حنفیہ جواب میں یہ بھی کہتے ہیں کہ عام احادیث و آثار سے کسی چیز کو فرض ورکن قرار دینا فرق مراتب کے خلاف ہے، خصوصاً جب وہ آثار موم قرآن مجید کے خلاف بھی ہوں، جیسے یہاں ہے کہ قرآن مجید و دیگر آثار سے تو نماز میں صرف قرآن مجید پڑھنے کا حکم ہوا اور ہم صرف آثار کے ذریعہ فاتحہ کو فرض ورکن قرار دے دیں۔ البتہ احادیث متواترہ کے ذریعہ ضرور فرض ورکن کا درجہ ثابت ہو سکتا ہے (اوجز)

### نزاع لفظی یا حقیقی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس اختلاف کو نزاع لفظی کا درجہ دینا تو مکمل تامل ہے، کیونکہ یہ تو ضرور ہے کہ شافعیہ کے یہاں بھی اداۃ نج وغیرہ کے سلسلہ میں بعد فرض ایسے ملتے ہیں جو ان کے یہاں بھی واجب کے درجہ میں ہیں کہ ان کا تدارک ہو سکتا ہے، اور فرض ورکن کا درجہ واجب سے اوپر اسی لئے ہے کہ اس کا تدارک نہیں ہو سکتا، اور جس کا ہو سکے وہ درحقیقت فرض ورکن نہیں ہے تاہم مل کے لحاظ سے فرض واجب بظاہر یکساں ہوتے ہیں اس لئے بات وہی صحیح ہے کہ فرض و واجب کے فرق دقیق کو صرف حنفیہ نے سمجھا ہے، شافعیہ کے یہاں فرض فرض ورکن ایسے بھی ملتے ہیں جن کو فرض ورکن بکل المعنی الکلمہ نہیں کہہ سکتے لیکن تدارک سے یہ بات نکلی کہ وہ ہمارے یہاں کے واجب مرتبہ میں ہیں، اس لئے نزاع لفظی کی بات صحیح ہونا مشکل معلوم ہوتی ہے چنانچہ زیر بحث مسند میں بھی ان کے فرض ورکن اور ہمارے واجب میں فرق بین ہے کہ وہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز کو کسی طرح بھی درست نہیں مانتے اور حنفیہ صرف ناقص بتلاتے ہیں جس کا تدارک ترک سہو و تہۃ سہو سے اور عمدہ ہو تو اعادہ سے ہوتا ہے، اور پہلی نماز بھی اجر سے خالی نہ ہوگی اگرچہ اجر ناقص ہوگا جبکہ شافعیہ کے نزدیک باطل ٹھنسنے کی وجہ سے اجر صلوٰۃ اس کو کچھ بھی نہ ملے گا یا یوں تسبیحات وغیرہ کا اجر شاید وہ بھی مانتے ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن قیم کا اعتراض: حافظ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین (ترجمہ ۸۶/۴) میں اسی مسئلہ پر سخت تنقید کی ہے اور لکھا کہ حنفیہ نے مقام داول و ترک کر دیا، گویا قرآنی آیات کے مقابلہ میں اخبار آحاد کو محکم دلائل قرار دیا، اور جو احادیث حنفیہ کی مستدل ہیں ان کو کشابہ بتلایا، نیز لکھا کہ اعرابی (مسئ صلوٰۃ) والی حدیث کو حنفیہ کا پیش کرنا بتلاتا ہے کہ وہ حدیثی اعتبار سے بالکل مفلس ہیں، کیونکہ ابوداؤد کی روایت میں حضور خایہ السلام کا حکم سورۃ فاتحہ پڑھنے کا صریح موجود ہے۔

جواب ۱: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد "باب صلوٰۃ من لا یقیم صلبہ فی الركوع و السجود" میں ہے اور اس میں چار حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ تین روایتوں میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں سے جتنا آسان ہو وہ نماز میں پڑھا جاوے اور صرف ایک روایت میں یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف سورۃ فاتحہ متعین نہیں ہے، ورنہ ابوداؤد کی تین روایتوں میں بغیر ذکر فاتحہ کے ماتیسر من القرآن پڑھنے کا ارشاد نہ فرماتے، پھر قصہ بھی ایک ہی ہے اس لئے بھی تعین فاتحہ میں شبہ پڑ گیا، اور فاتحہ کو واجب حنفیہ بھی کہتے ہیں، صرف رکن نہیں کہتے، کیونکہ رکینیت اور فرض کا درجہ ثابت کرنے کے لئے قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ اور اخبار آحاد سے ثبوت ملتا ہے جس سے وجوب کا درجہ ثابت کرتے ہیں جو علم و یقین کے لحاظ سے فرض سے کم مرتبہ ہے، اگرچہ ممکن فرق زیادہ نہیں ہے۔

جواب ۲: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شافعیہ اور ابن قیم وغیرہ جو رکینیت فاتحہ پر حدیث ابوداؤد مذکور سے استدلال کرتے ہیں اس میں

صرف ام القرآن کا ذکر نہیں بلکہ دو چیزوں کا حکم ہے کہ تم ام القرآن پڑھو اور اس کے ساتھ اور بھی جو کچھ اللہ نے چاہا ہے (ام القرآن کے علاوہ) وہ بھی پڑھو، لیکن شافعیہ اور ابن القیم وغیرہ نے (جو صرف فاتحہ کو رکرنے کو فرض کہتے ہیں اور اس کے علاوہ سورت وغیرہ کو صرف سنت بتلاتے ہیں) آدمی حدیث پر عمل کیا اور آدمی کو چھوڑ دیا۔ اگر اس حدیث ابی داؤد کی وجہ سے ام القرآن فرض ہوئی تو دوسری سورت بھی فرض ہونی چاہیے، مگر وہ اس کو واجب تک کا بھی درجہ نہیں دیتے اور صرف سنت مانتے ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک حدیث نبوی کی وجہ سے سورہ فاتحہ بھی نماز میں واجب ہے اور دوسری سورت بھی۔

## ائمہ ثلاثہ درجہ وجوب کے قائل ہیں

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حافظ ابن تیمیہ (استاذ علامہ ابن القیم) نے لکھا کہ "ائمہ ثلاثہ" (امام ابو حنیفہ، امام مالک و امام احمد) کے نزدیک نماز کی ترکیب، فرائض، واجبات و سنن سے ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی ترکیب صرف فرائض و سنن سے ہے۔ "تو جب حنبلیہ کے نزدیک بھی وجوب کا درجہ تسلیم شدہ ہے تو حنفیہ پر مرتبہ واجب کی وجہ سے استراحت کیوں کرتے ہیں، نیز فرمایا کہ عمدۃ القاری ص ۳/۶۴ میں ہے کہ جو امام صاحب کا مذہب ہے وہ امام مالک سے بھی ایک روایت ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جس نے کسی رکعت میں بھول کر فاتحہ ترک کر دی اور جگہ سہو کر لیا تو نماز صحیح ہو جائے گی، اور ابن القیم وغیرہ سے بھی اسی طرح امام مالک سے منقول ہے۔ اور وزیر ابن ہبیرہ حنبلیہ بھی ان کے نزدیک عدم رکعتی فاتحہ کی روایت "الاشراف مذاہب الاشراف" میں نقل کی ہے (معارف السنن ص ۳۸۲/۲)

افادہ مزید: حضرتؒ نے فرمایا: جو کچھ اختلاف ہے وہ "واجب الشیء" میں ہے، "الشیء الواجب" میں نہیں ہے، اور واجب الشیء صرف نماز و حج میں ہے، البتہ الشیء الواجب کا درجہ وہ سب چیزوں میں ہے، پھر یہ کہ جو چیز دلیل قاطع سے ثابت ہوتی ہے اس کے ارکان و شروط و دلیل ظنی سے ثابت نہیں ہو سکتے، البتہ جو چیز دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کے شروط و ارکان و دلیل ظنی سے بھی ثابت ہو سکتے ہیں، جیسے نماز استسقاء وغیرہ۔ (العرف الہدی ص ۱۳۷)

امام بخاری کے دلائل: امام ہمامؒ نے وجوب قراءۃ خلف الامام ثابت کرنے کے لئے مستقل رسالہ لکھا، جو ۳۲ صفحات میں مطبوعہ طبع دہلی سے طبع شدہ ہمارے سامنے ہے اس میں ۱۲۵ آثار مرفوعہ و موقوفہ درج کئے۔ جن میں مطلق قراءت کے ۲۹۔ مطلق قراءت فاتحہ کے ۴۷۔ مطلق قراءت فاتحہ خلف الامام کے ۱۵۔ قراءۃ خلف الامام جہر یہ کے ۱۳۔ قراءۃ دیگر سور کے ۶۔ نبی عن القراءۃ خلف الامام کے ۱۱۔ اور آثار فیہ مطابق و مخالف ترجمہ امام بخاری ص ۴ ہیں۔

(۱) مطلق قراءت کی فرضیت سب کے لئے تسلیم شدہ ہے (۲) مطلق قراءت فاتحہ کا بھی کوئی منکر نہیں، صرف رکعت و وجوب کا اختلاف ہے (۳) مطلق قراءت فاتحہ خلف الامام کا بھی انکار نہیں کیونکہ سری نمازوں میں سب جائز مانتے ہیں۔ (۴) قراءۃ خلف الامام جہری کی ضرورت اختلافی ہے لیکن اس کے لئے ۱۲۵ میں سے امام کے رسالہ میں صرف ۱۳۔ آثار ہیں۔ ہم ان پر بحث کریں گے (۵) دوسری سورت فاتحہ کے ساتھ پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور شافعیہ نیز امام بخاری اس کو صرف سنت مانتے ہیں، لہذا وہ ۶۔ آثار ہمارے ووافق اور ان کے مخالف ہیں۔ (۶) ۱۱۔ آثار بھی ان کے مخالف ہیں اور خاص طور سے امام بخاری و ابن حزم کے مخالف ہیں کہ وہ باوجود ممانعت شریعہ کے بھی جہری ہیں۔ قراءۃ خلف الامام کو نہ صرف جائز بلکہ واجب و فرض کہتے ہیں، اس کو کیا کہا جائے اور ایسے بڑوں کے لئے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ پھر یہ بات آیت قرآنی اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث مسلم و نسائی و ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہ "قرا فاستصوا" کے بھی خلاف ہے، امام بخاری نے تو یہ مذر کر دیا کہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور حدیث کے راوی کو ضعیف بتلا

دیا۔ حالانکہ آیت سورہ اعراف کی ہے جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ جمعہ کی نماز شروع بھی نہ ہوئی تھی تو خطبہ کہاں ہوتا، اور حدیث مذکور کی تصحیح سارے اکابر محدثین نے کی ہے۔ اور ابن حزم نے بھی کی ہے پھر معلوم نہیں انھوں نے اس کی مخالفت سے بچنے کی کیا سبیل نکالی ہوگی۔

(۷) آخر میں امام بخاری نے باب القراءة فی الطہور الرابع کلھا قائم کیا (ص ۳۰) اس میں سب سے پہلا اثر نہ صرف ترجمہ و عنوان سے غیر مطابق ہے بلکہ اس میں یہ بھی ہے کہ جس نے کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ یہ اثر امام بخاری کے مسلک اور رسالہ کے مقصد سے بھی مختلف ہے۔ پھر آگے بھی ابوالدرداء کا اثر ص ۳۱ میں ہے جس میں ترجمہ الباب سے نامطابقت ہے کہ اس میں صرف یہ ہے کہ ہر نماز میں قراءت ہوئی چاہئے، نماز ظہر کا کوئی ذکر نہیں، اس کے یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی اور کون اس کا منکر ہے؟ ص ۳۲ میں عبادہ کا اثر ہے جس کا ترجمہ الباب سے کوئی تعلق نہیں، اور سب سے آخر میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ نماز بغیر فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری آیات یا سورت ملائے بغیر نہیں ہوگی، حالانکہ امام بخاری نے ابتداء رسالہ میں سب سے پہلے صفحہ پر حدیث کے لفظ فصحاء کو گرایا تھا اور لکھا تھا کہ یہ معمر کی روایت ہے اور عامہ ثقافت نے معمر کی تائید نہیں کی ہے، اب یہاں آخر میں کوئی بھی اعتراض نہیں کیا حالانکہ فصحاء اور نماز زاد کے مقصد اور مطلب میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

### امام شافعی وجوب کے قائل نہ تھے

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ قدامت شافعیہ امام شافعیؒ کے دونوں قول ذکر کیا کرتے تھے، متاخرین جدید پر اقتدار کیا اور میری رائے یہ ہے کہ امام شافعیؒ آخر تک جہر میں اختیار و استحباب ہی کے قائل رہے، ایجاب کے قائل نہیں ہوئے۔

ابن خزیمہ اور بیہقی نے جزم البخاری کا اتباع کر کے ہر مصلیٰ کے لئے ایجاب فاتحہ کا قول اختیار کیا ہے (معارف ص ۳۸۴/۲ و فصل ص ۳) حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ سلف میں اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ امام کے پیچھے بطور استحباب فاتحہ پڑھیں یا ترک کریں۔ ان کے دور کے بعد ایجاب و عدم ایجاب کا اختلاف بن گیا۔ اور ایسا بہت ہوا ہے کہ سلف میں اختلاف ہلکا تھا، بعد کے حضرات نے اس کو بڑھا دیا اور یہی بات ابن حبان نے کوفیوں سے نقل کی ہے کہ وہ ترک کو اختیار کرتے تھے، یہ نہیں کہ اس کو مکروہ یا حرام کہتے تھے، کمائی فتح القدیر، اگرچہ ابن ہمام کی خود اپنی رائے اس کے خلاف ہے۔ تاہم میری رائے ہے کہ ان کا مذاق بعض سلف کے مبالغہ کے الفاظ ہیں، جبکہ مبالغہ بعض اختیار و ترک والوں سے بھی ہوئی جاتا ہے حالانکہ ان کی نیت ایجاب و تحریم کی نہیں ہوتی (فصل ص ۴) ہم نے اوپر یہ بھی کتاب الام سے ثابت کیا ہے کہ امام شافعیؒ کا قول جدید بھی وجوب کا نہیں تھا، بعض حضرات کو کتاب الام امام شافعیؒ کی قدیم تالیف سمجھنے کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی تھی، اور امام احمد سے زیادہ امام شافعیؒ کے مسلک کو جاننے والا کون ہوگا جنھوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے زمانہ تک کوئی بھی وجوب فاتحہ خلف الامام فی الجہر یہ کا قائل نہیں تھا۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ امت میں سے وجوب و فرضیت مذکورہ کے قائل بڑوں میں سے صرف امام بخاری و ابن حزم ظاہری ہوئے ہیں، اور چونکہ ہم شرح بخاری کر رہے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ ان کے دلائل پر بحث و نظر کریں۔ واللہ الموفق

اکابر کا شکوہ: ابھی اوپر حضرت کا ارشاد نقل ہوا کہ بعض سلف سے بھی چونکہ کچھ مسائل میں مبالغہ آمیز کلمات نقل ہوئے تھے، اس لئے بعد والوں نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر اختلاف کی خلیج میں اضافہ کر دیا۔ قراءۃ خلف الامام کے مسئلہ میں درحقیقت اختلاف صرف اختیار و ترک کا تھا جس کو امام بخاری نے ایجاب و تحریم کی شکل دے دی، آپ ہی کی روش ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ نے اپنائی، اور اس زمانہ کے فیہ تقلدین نے تو آسمان سر پر اٹھالیا کہ امام کے پیچھے جہر نمازوں میں بھی اگر کوئی قراءت نہ کرے تو اس کی نماز کو باطل اور کالعدم قرار دینے پر تل گئے۔ جن کے جواب میں پاکستان میں مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفحہ ۱۸۱ حسن الکلام دو حصوں میں لکھی اور حضرت مولانا ظفر احمد

صاحب عثمانی نے فاتحہ الکلام لکھی۔ دونوں نے اتفاق کا فریضہ بحسن و خوبی ادا کر دیا ہے، جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ جب بات مبالغہ آرائی کی آئی، تو امام بخاری کا ذکر خیر بھی ناگزیر ہو گیا، وہ صحیح بخاری میں تو بڑی حد تک محتاط بھی رہے ہیں مگر باہران کا طریق دوسرے مبالغہ کرنے والوں سے الگ نہیں ہوا۔ اور راقم الحروف کا حاصل مطالعہ تو یہ ہے کہ امام بخاری کے علاوہ دوسرے بھی متعدد اکابر نے کچھ مسائل میں جو نہایت شدت و عصبيت کا رنگ اختیار کیا، وہ بھی امام بخاری ہی کا اتباع ہے۔ جس کی طرف حضرت نے بھی اشارہ فرمایا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم و احکم

مثال کے طور پر حافظ ابن حجر کا حکمہ تو اکثر ہوتا ہی آیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کا طریقہ بھی ہم نے جلد ۱۱ میں زیارت و توسل وغیرہ مسائل کے تحت ذکر کیا ہے، اور ان کے تفردات بھی گنائے تھے، حافظ ابن قیم کی اعلام المؤمنین بھی سامنے ہے جو ائمہ مجتہدین کے خلاف شدت و حدت میں لاجواب ہے، بلکہ علامہ موصوف کی دوسری تالیفات قیہ نافذہ کو پڑھنے والا تو مشکل ہی سے یقین کرتا ہے کہ آپ نے اسی دل آزار کتاب بھی لکھی ہے، اسی لئے ہندوستان کے غیر مقلدین نے تو اس کا اردو ترجمہ ایسے شوق و ولولہ سے شائع کیا ہے کہ گویا دین قیم کی انھوں نے اتنی عظیم الشان خدمت ادا کر دی ہے، جس سے ان کے لئے جنت کی اعلیٰ درجہ کی سیٹیں ریزہ ریزہ ہو گئیں حالانکہ مسائل ائمہ مجتہدین خصوصاً حنفیہ کے خلاف ان کے دلائل صرف مبالغہ آرائی اور مغالطہ آمیزی پر مشتمل ہیں، ہم نے اسی لئے پہلے کہیں دو بڑوں کا فرق بھی دکھلایا تھا کہ جتنے حافظ ابن تیمیہ فقہ حنفی کے لحاظ سے ہم سے قریب بلکہ اقرب ہیں، اتنے ہی ابن قیم حنفیہ سے بعید اور ابعد ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبادہؒ والی حدیث کا جتنا حصہ اصح تر تھا، وہ صحیح بخاری میں ذکر کر دیا، جس کی سند بھی لاکلام ہے، اور اتنے حصہ سے چونکہ صرف قراءت فی الصلوٰۃ کا وجوب نکل سکتا تھا، اسی لئے باب کا ترجمہ بھی وجوب القراءۃ کا قائم کیا، اور تینوں احادیث الباب سے بھی صرف قراءۃ یا سورۃ فاتحہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے، خلف الامام اور وہ بھی جبریہ کا ثبوت مقتدی کے لئے کسی طرح بھی ان سے نہیں ہوتا، جس میں امام بخاری نے سب سے الگ روش اختیار کی ہے۔

لیکن چونکہ امام بخاری کو اس مسئلہ میں بہت ہی کدواصر تھا، اس لئے الگ سے مستقل رسالہ تالیف فرمایا، جس کا کچھ تعارف ہم نے اوپر کر دیا ہے، مزید یہ کہ دلائل کے علاوہ پورے رسالہ میں جگہ جگہ فقہ حنفی پر تنقید بھی بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے دراز لسانی کی حد تک کر گئے ہیں۔ اور مبالغہ آرائی بھی رسالہ رفع یدین کی طرح کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کی وہ مثال ہے کہ زور و لالامارے اور رونے نہ دے، یہ حضرت کا نہایت ہی اعلیٰ و ارفع وسیع ظرف تھا، جس کا اظہار اس مثال سے فرمایا اور ہم نے فتنہ دیوبند میں بھی حضرت کے صبر و تحمل کی بے نظیر شان دیکھی ہے، لیکن عاجز و ضعیف راقم الحروف کے قلب میں اتنی قوت و طاقت صبر و تحمل کہاں؟ اس لئے امام اعظم و فقہ حنفی پر امام بخاری کی تعدی و ظلم کی تاب نہ لا کر پہلے بھی رو دیا ہے (دیکھو مقدمہ انوار الباری ص ۲۱/۲) اور اب بھی امام بخاری کی، رکھا کھا کر برابر روؤں گا اور داستان مظلومیت سب کو سناؤں گا۔ نوار تلخ تر سے زن جو ذوق گریہ کی مانی۔ عدی را تیز بر خاں چو محل را گراں بینی۔

اور یہ بھی شاید کسی نے احقر جیسے کے لئے ہی کہہ ہوگا۔ ضبط کروں میں کب تک آہ؟۔ چل مرے خاتہم اللہ بحث و نظر: (۱) امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ ص ۵ میں حضرت عبادہ ابن الصامتؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت پیش کی کہ نماز فجر میں کسی مقتدی صحابی نے آپ کے پیچھے قراءت کی تو آپ نے فرمایا کہ ہرگز کوئی شخص امام کی قراءت کے وقت قراءت نہ کرے۔ جزاء القرآن کے۔ پھر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ دو حدیث ہیں ایک یہ اور دوسری میں کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ تو اگر یہ دونوں صحیح ہیں تو لا باہم القرآن کے ذریعہ فاتحہ کو مستثنیٰ قرار دینا چاہیے، جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ساری زمین میرے لئے مسجد و مطہر بنا دی گئی پھر دوسری حدیث میں الا الحقیقہ فرما کر اس

کو مستثنیٰ کر دیا۔ اسی طرح فاتحہ کو من کان لہ امام کے عموم سے خارج کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس حدیث میں انقطاع کی علت ہے۔ دوسری بات تارکین قراءت خلف الامام سے یہ کہنی ہے کہ اہل علم اور آپ بھی اس سے متفق ہیں کہ امام قوم کے کسی فرض کا مقمّل نہ ہو گا۔ تو قراءت کو بھی تم فرض مانتے ہو مگر کہتے ہو کہ اس فرض کو امام اٹھالے گا، جبری نماز ہو یا سری، اور یہ بھی کہتے ہو کہ امام سنتوں میں سے کسی کا مقمّل نہ ہو گا، جیسے ثناء، تسبیح، تہجد، تو اس طرح تم نے فرض کو نفل سے بھی کم درجہ کر دیا، حالانکہ تم بھی عقل و قیاس سے یہی کہتے ہو کہ نفل فرض کی برابر نہیں ہو سکتا، اور فرض کو تلوغ سے کم درجہ کا نہ ہونا چاہیئے۔

اور یہ بھی تمہارے نزدیک معقول ہے کہ فرض یا فرع کو اسی قسم کے فرض کے برابر کرنا چاہیئے، لہذا یہی بہتر ہے کہ تم قراءت کو رکوع، جود و تشہد کے برابر کرو جبکہ یہ سب ایک طرح کے فرض ہیں پھر اگر ان میں کسی فرض میں اختلاف ہو تب بھی قیاس والوں کے نزدیک بہتر یہی ہو گا کہ وہ فرض یا فرع کو فرض ہی کے برابر کریں۔

## جواب امام بخاری

امام بخاری نے اپنے رسالہ میں سب سے پہلا اثر حضرت علی کا ذکر کیا، جس میں ان کا ارشاد ہے کہ جب امام جبر سے قراءت نہ کرے تو تم سورہ فاتحہ پڑھو اور اس کے ساتھ ظہر و عصر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں کوئی سورت بھی ملاؤ، اور باقی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھو اور مغرب کی آخری اور عشا کی آخری دو رکعت میں بھی اسی طرح پڑھو، ظاہر ہے کہ غیر جبری رکعات میں جواز قراءت سب کے یہاں ہے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے حضرت عبادہ والی روایت ذکر کر کے جو یہاں صحیح بخاری میں بھی دوسری حدیث الباب ہے۔ یہ منفرہ امام کے لئے ہے، خلف الامام کا اس میں ذکر نہیں تو یہ بھی کسی کے خلاف نہیں۔ پھر آگے حدیث لائے جس میں فصاعدا ہے تو اس کو گرا گئے، حالانکہ اوپر پہلے ہی اثر علی میں فاتحہ میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کا ثبوت لایا ہے، پھر اس کو تو گرایا اور خود اسی اپنے رسالہ میں فصاعدا کے ہم معنی کلمات گیارہ جگہ احادیث و آثار میں لائے ہیں۔ پھر دوسرا کمال آگے یہ دکھائیں گے کہ اسی حدیث عبادہ کو محمد بن اسحاق کی روایت سے لائیں گے جس میں یہ اضافہ ہے کہ امام کے پیچھے جبری نماز میں بھی سورہ فاتحہ ضروری پڑھنی چاہیے (ورنہ نماز صحیح نہ ہو گی) حالانکہ محمد بن اسحاق نہایت ضعیف راوی ہیں اور اسی لئے ان کی روایت بخاری میں نہیں لائے، ورنہ اپنی شرط پر زور دیتی۔ غرضیکہ باوجود سخت ضرورت کے بھی کہ ترجمہ الباب میں دعویٰ وجوب قراءت خلف الامام کا جبری نماز کے لئے بھی کر چکے تھے، اس روایت محمد بن اسحاق کو نہیں لائے، پھر ایک نکتہ ملاحظہ ہو کہ ص ۵۵ میں بھی پوری سند ذکر نہیں کی، کیونکہ مجروح راوی محمد بن اسحاق سامنے آ جاتے، اور ص ۱۸ پر جابر ان کو ظاہر کیا اور اپنی بات پختہ کرنے کے لئے ان کی شان میں شعبہ کا قول ”امیر المحدثین“ کا نکل لائے۔

معلوم نہیں ایسے بڑے ”امیر المحدثین“ سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں کیوں اجتناب کیا کہ کہیں بھی ساری بخاری میں ایک حدیث بھی ان سے روایت نہیں کی، اگر احکام شریعہ کی روایات میں وہ ضعیف یا ضعیف تر تھے جیسا کہ سب کہتے ہیں تو سیر و مغازی میں تو وہ معتبر مانے گئے ہیں، امام بخاری نے تو ان سے مغازی میں بھی کوئی روایت نہیں لی۔ فی اللجب!؟

علامہ تاج الدین سبکی نے ابو طاہر فقیہ کو امام المحدثین والفقہاء لکھا تھا۔ جس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے ص ۵۷/۲ میں لکھا کہ امام المحدثین ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی ہو اور محقق نیوی نے ابو عبد اللہ فنجو یہ دینوری کو کبار محمد ثین میں لکھا تو صاحب تحفہ نے ص ۵۷/۲ میں لکھا کہ ان کے کبار محمد ثین میں سے ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ ثقہ بھی ہوں۔

محمد بن اسحاق کو ائمہ جرح و تعدیل نے جب کذاب اور دجال تک کہا ہے تو شعبہ کے امیر المحدثین کہنے سے کیونکر توثیق ہو جائیگی؟

امام احمد ان سے سنن میں احتجاج نہیں کرتے تھے، اور کہا کہ وہ تدلیس کرتے تھے، اور وہ حجۃ نہیں تھے (جن کی حدیث سے استدلال کیا جائے) یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ تھے، مگر حجت نہیں تھے، امام مسلم نے ان سے صرف متابعت میں روایت لی ہے، امام مالک نے ان کو دجال جیسا جھوٹا کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ شعبہ سے سوال کیا گیا آپ محمد بن اسحق کی امیر المؤمنین فی الحدیث کیوں کہتے ہیں تو جواب دیا کہ ان کے حفظ کی وجہ سے (تہذیب ص ۱۸۸) مگر امام ترمذی نے لکھا کہ بعض محدثین نے ان میں کلام حافظ کی خرابی کی وجہ سے کیا ہے۔ (کتاب مطل ص ۱۸۳) غرض متضاد باتیں بھی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بھی محمد بن اسحق کی توثیق کے لئے سعی کی ہے، اور یہ بھی کہا کہ امام مالکؒ نے رجوع کر لیا تھا، حالانکہ خطیب بغدادی نے لکھا کہ امام مالک نے جو محمد بن اسحق میں کلام کیا ہے، وہ کسی بھی فن حدیث کے واقف سے مخفی نہیں ہے (تاریخ خطیب ص ۱/۲۲۳) امام بخاری نے علی بن المدینی سے بھی توثیق نقل کی ہے، جبکہ ان سے یہ بھی نقل ہوا کہ لوگوں نے محمد بن اسحق کی تضعیف اس لئے کی ہے کہ وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے روایات لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ (تہذیب ص ۹/۳۵)

رہی یہ بات کہ بعض مسائل میں حنفیہ نے بھی ان کی روایات ذکر کی ہیں تو وہ بطور استشہاد اور متابعت کے لی گئی ہیں۔ ان کی روایات پر حنفیہ کے مسلک کا مدد اگر کسی مسئلہ میں بھی نہیں ہے، اور اگر کسی حنفی نے ایسا کیا بھی ہو تو یہ اس کی غلطی ہے۔ امام بخاری نے حدیث عن کان له امام فقراء الامام له قراءۃ میں انقطاع کی علت بتلائی، جبکہ اس کی تصحیح کبار محدثین نے کی ہے وہ ہم آگے لکھیں گے۔ اور امام بخاری نے جو عقل و قیاس والے اعتراضات کئے ہیں وہ اس لئے بے ثمر ہیں کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قراءت سے روکنے کی وجہ قرآن مجید اور حدیث نبوی کا اتباع ہے، امام نقل یا فرض کا تحمل ہو گا یا نہ ہو گا یا کس چیز کا تحمل اسکے لئے عقلاً درست ہے اور کس کا تا درست، یہ سب موشگافیاں نقلی و شرعی احکام میں لا یسمن ولا یغنی من جوع کے قبیل سے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و اعظم۔

## امام بخاری کے قیاسی و عقلی اعتراضات

صاحب نصب الراية علامہ محدث محقق زلیخیؒ نے امام بخاریؒ کے عقلی اعتراضات درج شدہ جزء القراءۃ کا ذکر ایک جگہ کر دیا ہے (نصب الراية ص ۱۹/۲ تا ص ۲۱/۲) اور یہ بھی صراحت کر دی کہ یہ اعتراضات حنفیہ اور دوسرے غیر موجبین قراءت خلف الامام پر عائد کئے گئے ہیں۔ مگر جوابات کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اور سب سے آخر میں امام بخاری کا یہی اعتراض نقل کیا کہ امام جب سنن کا تحمل نہیں کرتا تو اس کو فرض (قراءت) کا بھی تحمل نہ کرنا چاہیے، ورنہ فرض کا درجہ سنن سے بھی کم ہو جائے گا۔ ہمارے دوسرے اکابر نے بھی زیادہ جوابات بخاری کا رخ تحقیقی محدثانہ ہی رکھا ہے، البتہ حضرت اقدس نانوتویؒ نے قیاسی و عقلی جوابات پر بھی توجہ فرمائی ہے۔ جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

## حضرت نانوتویؒ کے عقلی جوابات

(۱) امام اور مقتدی کی نماز متحد (ایک) ہے یعنی جماعت سے پڑھی جانے والی نماز عرض (چوڑائی) میں ایک نماز ہے، اور نماز کے ساتھ حقیقۃً امام متصف ہے، اور مقتدی اس کے واسطے نماز کے ساتھ متصف ہے، یعنی مقتدیوں کے وصف نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے امام واسطیٰ العروض ہے۔

(۲) نماز کی اصل حقیقت قراءت قرآن ہے اس لئے وہ صرف امام کے ذمہ رہے گی، اور جو چیز بالعرض نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے ضروری ہے، یعنی اقتداء کی نیت اس کی حاجت صرف مقتدیوں کو رہے گی، کیونکہ وہی موصوف بالعرض ہیں البتہ حضوری دربار خداوندی کے لحاظ سے جو چیزیں ضروری ہیں مثلاً رکوع، سجدے، قیام، ثناء وغیرہ ان کی حاجت دونوں کو ہوگی۔

(۳) نماز کو "صلوٰۃ" اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کی اصل حقیقت دعا ہے، اور دوسری چیزیں قیام، رکوع، سجدے وغیرہ اس کے متعلقات

دملکحات ہیں اور دعاء سورۃ فاتحہ میں ہے، جس کا جواب دوسری سورت میں ہے، جو فاتحہ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ پس یہی دونوں چیزیں نماز کی اصل حقیقت ٹھہریں۔ جو صرف اس شخص کے ذمہ ہیں گی جو نماز کے ساتھ حقیقتہً متصف ہے، یعنی صرف امام کے ذمہ۔

(۳) عبادت نام ہے معبود کی مرضی کے موافق کام کرنے کا، اس لئے شوق عبادت کا تقاضہ یہ ہے کہ معبود ہی سے درخواست کی جائے کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائے، لہذا یہی نماز کی اصل غرض ہے، یعنی معبود حقیقی کی تعریف اور عظمت و بڑائی بیان کر کے درخواست ہدایت پیش کرنا اور اس کا جو جواب ملے اس کو غور سے سننا۔ اور اسی کے لئے یہ افضل عبادات (نماز) مقرر ہوئی ہے۔

(۵) قیام وغیرہ کو اس طرح سمجھو کہ قیام درخواست حالی ہے کہ نمازی دست بستہ غلاموں کی طرح قیام کی حالت میں سر اپا سوال و درخواست بن جاتا ہے، اور ساتھ ہی زبان قال سے بھی اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتا ہے، پھر سبحانک اللہم ارفع اس کے وصف بے غمی، اور بابرکت و عالی شان ہونے کا ذکر کرتا ہے، یہ گویا سلام دربار ہے، پھر شیطان سے استعاذہ کر کے، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر الحمد شریف پڑھتا ہے، جس میں اول اللہ تعالیٰ کی تعریف، اس کی تربیت عامہ و رحمت خاصہ کا ذکر کرتا ہے، اس کی مالکیت اور جزاء و جزاء کے اختیار مطلق کا اعتراف کرتا ہے، اس کے بعد ہدایت کی درخواست پیش کرتا ہے، اور اس کا جو جواب ملتا ہے، اسے غور سے سنتا ہے، پس فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی دوسری آیات و سورت کا پڑھنا ہی درخواست کا جواب ہے۔ پھر درخواست منظور ہونے کے شکر یہ میں نمازی آداب و نیاز بجالاتا ہے، یعنی رکوع و سجدہ کرتا ہے۔

(۶) رکوع کو ایک لحاظ سے سوال حالی بھی کہہ سکتے ہیں کہ نمازی کا اس سے حضرت حق کی طرف میلان اور جھکاؤ ثابت ہو رہا ہے، جو ایک سر اپا احتیاج کا غنی و مغنی کی طرف ہونا ہی چاہئے اور اس کے بعد سجدہ میں گر کر اپنے کامل انقیاد و امتثال کو ظاہر کر رہا ہے، کہ منقاد کا زیر حکم و منقاد ہو اس ذات باری کے ترفع اور اس کے تسفل پر اور اس کے تعز و اور اس کے تذلل پر دلالت کرتا ہے۔

(۷) اگر مقتدی امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو مقتدی سے فریضہ قیام (جو نماز کے اہم ارکان میں سے ہے) ساقط ہو جاتا، اسی لئے مقتدی کو چاہیے کہ قیام کی حالت میں صرف تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً امام کے ساتھ رکوع میں جا ملے۔

یہ مسئلہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ مقتدی مجازاً مصلیٰ ہے اور چونکہ اس پر امام کے پیچھے قراءت واجب نہیں ہے، اس لئے رکوع سے پہلے

لے اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام جو روئے حدیث صحیح ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و مسند احمد (الامام ضامن) اپنے سارے عقیدوں کا ضامن و کفیل ہے، وہ اصل حقیقت نماز قراءت فاتحہ و سورت کی وجہ سے ہے اسی لئے اس کی قراءت کی وجہ سے در رک رکوع کو نہ قراءت کی ضرورت رہی نہ قیام کی، اور یہ مسئلہ سب کا مستحق و اجماعی ہے، جو امام بخاری کے کہ صرف ان کے نزدیک در رک رکوع در رک رکعت نہیں ہوتا اور انھوں نے اپنے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی ملانا چاہا اور ص ۷۱ جزۃ القراءۃ میں لکھا کہ در رک رکعت ہار رکوع کے قائل صحابہ میں سے وہ حضرات تھے جو قرآنہ خلف الامام کے قائل تھے، لیکن قراءت خلف الامام کے قائل حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے یہی ہے کہ رکوع پانے والے مقتدی کی وہ رکعت جب تک محسوب نہ ہوگی کہ وہ امام کو قیام کی حالت میں نہ پالے۔

اس بارے میں گذارش ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے صرف یہ ہے کہ امام کو رکوع سے قبل پالینا چاہئے، یعنی جھکنے سے قبل شریک ہو جانا ضروری ہے، یہ نہیں ہے۔ مقتدی امام کے پیچھے قراءت فاتحہ بھی کر لے تو اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کا قائلین و جواب قراءۃ فاتحہ خلف الامام میں شامل کرنا کیسے درست ہو گیا؟ دوسرے یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ ثابت ہوا کہ آپ نے فرمایا: "انقر ایھا فی نفسک یا فارسی" اس کی مراد میں اختلاف ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے فاتحہ کی نہایت اہمیت کا خیال فرما کر یہ چاہا کہ نمازی دل میں ہی ان مضامین کا خیال و دھیان قائم رکھے جو فاتحہ کے ہیں۔ اور حسب تحقیق حضرت نانوتویؒ حقیقت نماز ہی فاتحہ و سورت کی قراءت ہے، اور حدیث صحیح لسمعت الصلوۃ ارفع سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ نماز کی روح فاتحہ ہی ہے۔ غرض حضرت ابو ہریرہؓ کی بھی سارے کا سارہا صحابہ سے الگ یہ رائے بظاہر نہیں تھی کہ جہری نماز میں مقتدی امام کے پیچھے قراءت کریں۔ پھر مصنف ابن ابی شیبہ ص ۷۷/۴ ابواب من کوہ القراءۃ خلف الامام میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی یہ مرفوع روایت بھی مروی ہے کہ حضور ملیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "امام اسی لئے ہے کہ اس کی اتباع کی جائے لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کو اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔"

امام بخاری نے اپنے جزۃ القراءۃ ص ۵ میں حضرت عائشہؓ کی طرف بھی یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ قراءت خلف الامام کے لئے حکم کرتی تھیں، حالانکہ ان کا قول مذکور بھی صرف غیر جہری نماز کے لئے ہے، جہری کے لئے نہیں ہے (اور سری میں سب کے نزدیک مجابائش ہے) (دیکھو فصل الخطاب ص ۳۶)



اس کے لئے قیام بھی فرض نہ رہا۔ قیام قرائت ہی کی وجہ سے تھا، جب قراءت اس کے ذمہ نہیں تو قیام کا مطالبہ بھی ختم ہو گیا، پھر باقی رکعتوں میں جو جو قیام ہو گا وہ بحکم حضور در بار خداوندی ہے، بحکم صلوٰۃ نہیں۔

(۸) بعض حضرات یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اگر امام موصوف بالذات ہے اور اس وجہ سے امام اور مقتدیوں کی نماز واحد ہے تو مقتدیوں کے ذمہ طہارت، ستر عورت، استقبال کعبہ، رکوع و سجدہ بھی نہ ہونا چاہیے۔ اس بار کا تحمل بھی قراءت کی طرح صرف امام کے ہی سر رہتا، بلکہ سجا تک، تسبیحات، التہیات، درود و دعا اور تکبیر کو تسلیم بھی جس درجہ میں مطلوب ہیں، امام سے ہی مطلوب ہوتی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی بصورت حضور در بار خداوندی ہوتی ہے، اور یہ بات اس کے ہر قول و فعل سے ظاہر ہوتی ہے، سجا تک میں کاف خطاب، اہدنا میں صیغہ خطاب، اور دست بستہ کھڑا ہونا، پھر کبھی جھکنا، کبھی سر زمین پر رکھ دینا، اور نماز سے فارغ ہونے پر دائیں بائیں سلام پھیرنا کہ بوقت نماز گویا اس عالم امکان اور عالم ظلماتی سے باہر عالم وجوب یعنی بارگاہ ذی الجلال والا کرام میں چلا گیا تھا، یہ سب امور بتلاتے ہیں کہ نماز نام ہے حضور در بار خداوندی کا پھر نماز جماعت میں چونکہ امام واسطہ بنتا ہے خالق و مخلوق کے درمیان، اور اسی لئے وہ سب سے آگے اور قبلہ کی دیوار سے قریب کھڑا ہوتا ہے اور سارے مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو گویا اس وقت امام و مقتدی سب در بار خداوندی میں حاضر ہیں، تو جس طرح احکام دنیا کے دربار میں حاضری کے لئے صفائی پاکی، لباس کی درنگی، بوقت حاضری ان کی طرف توجہ اور آداب دربار کی سجا آوری ضروری ہوتی ہے، اسی طرح در بار خداوندی میں حاضری کے لئے یہ سب امور ضروری ہوں گے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب امور وصف صلوٰۃ (نمازیت) کے تقاضے سے نہیں ہیں، ورنہ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب کے پیش نظر لازم ہوتا کہ شروع سے آخر تک صرف فاتحہ ہی فاتحہ ہوتی، دوسرا کوئی امر نہ ہوتا، پس ثابت ہوا کہ یہ سب دوسرے امور حضور در بار کے تقاضے سے ہیں، نماز کے مقتضیات نہیں ہیں کہ نماز کی حقیقت اور مقتضی صرف قراءت ہے،

اس کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ حضور دربار میں امام و مقتدی سب مشترک ہیں تو اس کے مقتضیات میں بھی سب مشترک رہیں گے، اور نماز کی حقیقت مذکورہ کے لحاظ سے امام تنہا ہے، تو قراءت صرف اس کے ذمہ رہے گی۔

اس تفصیل سے امام بخاری کا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ثناء، دعا اور تسبیحات جو چنداں ضروری نہیں ہیں وہ تو مقتدیوں کے ذمہ ہیں اور قراءت بالخصوص فاتحہ (جو نماز کا اہم رکن ہے) مقتدی کے ذمہ نہ رہے، یہ عجیب بات ہے۔

خلاصہ یہ کہ آداب دربار و سلام وغیرہ تو سب ہی حاضران دربار بجالایا کرتے ہیں اور عرض مطلب و استماع جواب کے لئے کسی ایک ہی کو آگے بڑھایا کرتے ہیں، اور وہ بھی جس کو سب سے لائق و فائق خیال کرتے ہیں۔ اس لئے اگر ثناء، تسبیحات، التہیات اور تکبیرات سب ہی بجالائیں، اور قراءت جو درحقیقت عرض مطلب ہے، یہاں تک جواب، وہ فقط امام ہی کے ذمہ پر رہے تو کیا ہے؟

آخر میں حضرت نانوتویؒ نے لکھا کہ نماز جماعت کی ایسی محفل و مقبول صودت کے باوجود اگر امام ابوحنیفہؒ پر طعن کئے جائیں اور غیر مومنین قراءت خلف الامام پر الزامات دھرے جائیں تو یہ انصاف کی راہ نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم حضرت گنگوہیؒ کے نقلی جوابات کا بھی خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

### حضرت گنگوہیؒ کے نقلی جوابات:

حضرتؒ نے جو مستقل رسالہ (ہدایۃ المستندی فی قراءۃ المقتدی) زیر بحث مسئلہ پر لکھا تھا، اس کا جو خلاصہ اعلاء السنن ص ۱۱۵/۴ میں نقل کیا گیا ہے اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) قراءت خلف الامام ابتداء اسلام میں تھی، محدث یہی نے روایت پیش کی کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے تلقی کرتے تھے کہ

جب آپ قراءت فرماتے تو وہ بھی آپ کے ساتھ قراءت کرتے تھے، حتیٰ کہ سورۃ اعراف کی آیت اتری واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اس کے بعد آپ پڑھتے تھے تو وہ خاموش رہتے تھے۔

دوسری روایت بیہقی و عبد بن حمید و ابوالشیخ نے نقل کی کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے اور قراءت کرتے تو آپ کے اصحاب بھی قراءت کرتے تھے، پھر آیت فاستمعوا له وانصتوا اتری تو سب لوگوں نے سکوت اختیار کیا اور صرف حضور علیہ السلام پڑھتے تھے۔ نیز بیہقی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے روایت کی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی تو کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ آپ کے پیچھے قراءت کرتے تھے، آپ نے نماز کے بعد فرمایا۔ کیا تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ تم آیت قرآنی واداء قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کا مطلب سمجھو۔

(۲) مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ قراءۃ خلف الامام شروع زمانہ میں تھی، پھر آیت مذکورہ سے منسوخ ہو گئی۔ اور جس نے یہ کہا کہ آیت مذکورہ خطبہ کے بارے میں اتری تھی، وہ ہرگز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اول تو جمعہ کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور جو لوگ مکہ معظمہ میں آیت ہیں، وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اس کو مکہ معظمہ میں قائم نہ کر سکے تھے، اور جب وہاں جمعہ نہیں پڑھا گیا تو خطبہ کیسے ہوا اور کس طرف صحابہ نے انشاء خطبہ میں کلام کیا، جس پر آیت مذکورہ اتری؟ اگر کہا جائے کہ صرف یہ آیت مدینہ طیبہ میں اتری ہوگی، تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سارے محدثین و مفسرین نے پوری سورۃ اعراف کو بلا کسی آیت کے استثناء کے یکہ کہا ہے، پھر یوں بھی حکم عموم لفظ پر ہوتا ہے خصوص مورد پر نہیں، لہذا قرآن مجید کی تلاوت کے وقت استماع و انصات کا حکم عام ہی رہا ہے گا، اور جن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ، نماز و خطبہ دونوں کے بارے میں اتری ہے ان کا مطلب بھی یہ ہے کہ آیت کا حکم دونوں کو شامل ہے۔

(۳) غرض یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن مقتدی آیت مذکورہ کے ذریعہ مکہ معظمہ ہی میں منسوخ ہو گئی تھی، اور اس سے مہاجرین سابقین واقف بھی ہو گئے تھے، جیسے عبد اللہ بن مسعود وغیرہ، پھر جب حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی، اور نماز جماعت کبیرہ کے ساتھ ہونے لگی۔ جس میں نسخ قراءت خلف الامام سے واقف مہاجرین سابقین بھی تھے، اور اس سے ناواقف دوسرے حضرات بھی تھے، لہذا انچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءت کی، اور وہ آپ پر بھاری ہوئی اور وہ تھی بھی بغیر آپ کے حکم و علم کے۔ اسی لئے حسب روایت حضرت عبادہ آپ نے نماز کے بعد فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، دوسری روایت میں ہے کہ شاید تم پڑھتے ہو، ایک اور روایت میں بطور سوال فرمایا کیا تم پڑھتے ہو؟ تو اگر ان کی قراءت آپ کے حکم و علم سے ہوتی تو ظاہر ہے اس طرح استفسار نہ فرماتے۔ بلکہ آپ کے حکم میں یہ ہوگا کہ آیت اعراف کی وجہ سے سب ہی صحابہ نے قراءت ترک کر دی ہوگی، اور جب ان کی قراءت کا علم و احساس ہوا تو وہ آپ پر گراں ہوئی اس لئے استفسار فرمایا، اور ان کے اعتراف کے بعد منازعت امام سے ان کو روک دیا جس سے سکرات کے اندر ان کو قراءت بلا منازعت کی اجازت پھر بھی باقی رہ گئی۔

(۴) بعض حضرات سے حکم مذکور کی رعایت نہ ہو سکی، اور مکرر حضور علیہ السلام پر ان کی قراءۃ بار خاطر ہوئی تو آپ نے پھر ان کو قراءۃ سے روکا اور صرف فاتحہ پڑھنے کی اجازت سکوتوں کے اندر باقی رکھی۔ کیونکہ اس میں منازعت کم تھی کہ وہ اکثر لوگوں کو یاد تھی، سہولت سے اس کو سکوتوں کے اندر تیزی سے پڑھتے سکتے تھے۔

(۵) پھر جب نماز جماعت میں اور بھی زیادہ اجتماع ہونے لگا، اور ان کی محتاط سری قراءت سے بھی تشویش کی صورت پیدا ہوئی تو آپ نے ان کو اذا قرأ فانصتوا اور من کان له امام فقرأتہ له قراءۃ فقرأ ما کر بالکل ہی قراءت سے روک دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (نوٹ) صاحب اعلاء السنن نے حضرت گنگوہی کے ارشادات ختم کر کے لکھا کہ توجیہ مذکور بہت اچھی ہے جس سے ساری روایات

جمع ہو جاتی ہیں، لیکن اس میں بعض احادیث کے تقدم کا اور بعض کے تاخر کا دعوے، بغیر تاریخی معرفت و وثوق کے محل تامل ہے البتہ ہمارے حنفی اصولین کا یہ قاعدہ یہاں چل سکتا ہے کہ جہاں تقدم و تاخر کا یقینی علم نہ ہو سکے تو ممانعت والی احادیث احادیث مجیدہ کے لئے ناسخ ہوتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۔۔ ۱۱/۴)

حضرت گنگوہیؒ نے اپنے رسالہ میں منقولات و قرآن کے ذریعہ یہ بھی ثابت فرمایا کہ اکثر صحابہ کرام کا مذہب مطلقاً ترک قراءۃ خلف الامام تھا اور یہ بھی محقق کیا کہ قراءۃ خلف الامام والی روایات الباب سے وجوب قراءۃ ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ وغیرہ پورا رسالہ پڑھنا چاہیے، (امام بخاری کا استدلال صحابہ و تابعین سے) ص ۵ جزء القراءۃ میں امام بخاری نے بہت سے صحابہ و تابعین کے نام لکھے اور ان کو قائلین قراءۃ خلف الامام کے زمرے میں شامل کیا، حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے، بلکہ سری نمازوں میں یا جہری میں سکتات کے اندر پڑھنے کے قائل تھے، جس کا کوئی مخالف نہیں ہے، حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیرؒ سے بھی سکتۃ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۶/۱ میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ صحابہ سے قراءۃ خلف الامام کی مخالفت ثابت ہے، اور امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی طرف بھی امر قراءۃ خلف الامام کی نسبت غلط کی ہے، کیونکہ ان کا قول بھی غیر جہری کے لئے ہے۔

### امام بخاری اور سکتات کی بحث

جزء القراءۃ ص ۶ میں امام بخاریؒ نے بعض آثار سے یہ ثابت کیا کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قراءۃ فاتحہ سکتات کے اندر ہونی چاہیے، چونکہ اسی بات کو امام بخاریؒ آگے ص ۲۹ میں مستقل باب قائم کر کے لائیں گے، اس لئے یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ وغیرہ میں اس کی تضعیف کے لئے بہت کافی لکھ دیا ہے، جس کو غالباً اس زمانہ کے غیر مقلدین بھی ضرور تسلیم کریں گے۔ پھر اس کے بعد امام بخاریؒ نے امام اعظمؒ پر سخت لہجہ میں اعتراضات کئے ہیں، مثلاً یہ کہ انھوں نے قراءۃ بالفارسی کی اجازت دی حالانکہ یہ مسئلہ رجوع شدہ ہے، اور یہ کہ انھوں نے فرض کو تطوع سے کم درجہ میں کر دیا، اور بعض امور شرعیہ میں حضور علیہ السلام کے ارشادات کے برعکس حکم کر دیا ہے، ان سب اعتراضات کی حقیقت اور جوابات ہم الگ سے ایک جگہ کر کے تحریر کریں گے، ان شاء اللہ۔

اثر حضرت عمرؓ وغیرہ ص ۷ میں امام بخاریؒ نے حضرت عمرؓ کا اثر ذکر کیا کہ وہ امام کے پیچھے بھی قراءۃ کی اجازت دیتے تھے اور حضرت ابی بن کعب سے بھی ایسا ہی نقل کیا، لیکن ان دونوں اثر میں جہری کی صراحت نہیں ہے، اور سری میں سب جواز کو مانتے ہیں، پھر حضرت علیؓ سے نقل کیا کہ وہ ظہر و عصر میں قراءۃ فاتحہ و سورت پڑھنے کو اچھا سمجھتے تھے، تو یہاں تو جہری کی خود ہی نفی موجود ہے دوسرے یہ کہ امام بخاریؒ وغیرہ فاتحہ کی طرح سورت پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، تو یہ ان کی تحقیق فصحاء و ادالی کے خلاف ہو گا۔

روایت محمد بن اسحق وغیرہ ص ۸ میں امام بخاریؒ نے وہی حضرت عبادہ والی روایت محمد بن اسحق کے واسطے سے نقل کی، جس کے کمال ضعف کا حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں، پھر ص ۹ میں روایت ابو قلابہ عن محمد بن ابی عائشہ عن من شہد ذلک نقل کی، اس میں یہ بڑی کمزوری ہے کہ ابو قلابہ اگرچہ ثقہ تھے، مگر نمبر ایک کے مدلس تھے، کہ بقول علامہ ذہبی ان سے بھی تدلیس کرتے ہیں جن سے ملے ہیں اور ان سے بھی جن سے نہیں مل سکے، (میزان ص ۲/۳۹)

علامہ اصول حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ حدیث صحیح کی صفت یہ ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام سے روایت ایسے صحابی کے ذریعہ ہو، جس کے نام وغیرہ میں کوئی جہالت نہ ہو، یعنی وہ پوری طرح معلوم و مشخص ہو (معرفۃ علوم الحدیث) مقدمہ مسلم وغیرہ علامہ جزائری نے اس کی وجہ بھی بیان کی کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں منافق بھی تھے اور مرتد بھی، جب تک راوی صحابی کا نام نہ بتلائے گا اور اس کا صحابی ہونا معلوم نہ ہو گا اس

کی روایت قابل قبول نہ ہوگی۔ اس پر پوری تفصیل اور استدلال بخاری دہشتی کا جواب احسن الکلام ص ۸۹ تا ۹۳ جلد دوم میں قابل مطالعہ ہے۔ حدیث سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ: ص ۱۰۱ میں امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی آٹھ روایات درج کی ہیں ان میں سے کسی میں یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی، یہ سب ہی کو تسلیم ہے، کیونکہ حنفیہ بھی بغیر فاتحہ کی نماز کا اعادہ ضروری بتلاتے ہیں البتہ اس حدیث کو سارے ائمہ نے صرف منفرد کے لئے قرار دیا ہے، ترمذی شریف میں خود راوی حدیث اور حضرت امام احمدؒ سے نقل ہوا کہ یہ حکم تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے یا امام کے لئے۔ مقتدی کے لئے نہیں ہے۔

اور کسی حدیث میں ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوگی، یہ بھی سب کو تسلیم ہے، اور مقتدی کے لئے جہری نماز میں سب یہ کہتے ہیں کہ امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے، لہذا اس کی نماز بھی بغیر فاتحہ کے نہ ہوئی۔

حدیث قدسی: ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصفاً نصلی کر کے تقسیم کر دیا ہے، جب وہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اس نے میری حمد کی، اور اس کو جو چاہے گا ملے گا، پھر وہ الرحمن الرحیم کہتا ہے تو اس نے میری ثناء کی اور اس کو جو چاہے گا ملے گا، پھر وہ مالک ہوم الدین کہتا ہے تو اس نے میری بڑائی بتلائی، پھر وہ ہاسک نعبد و ہاسک نستعین کہتا ہے تو یہ آیت آدمی میری ہے اور آدمی بندے کے لئے، پھر وہ عرض کرتا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الدین العمت علیہم غیر المعصوب علیہم ولا الضالین۔ یہ سب بندے کے لئے ہیں، اور میرے بندے کو وہ سب ملے گا جس کی اس نے خواہش کی۔ درحقیقت یہ حدیث البخاری کامل و مکمل طور سے ہماری حجت ہے، کیونکہ اس میں پوری نماز کی حقیقت سورۃ فاتحہ بتلائی گئی ہے، اور اس کی قراءت نماز میں سب کے نزدیک منفرد امام کے لئے ضروری ہے، اور پہلے مقتدی بھی امام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن جب سے آیت مکیہ ”واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا“ نازل ہوئی، مقتدیوں نے امام کے پیچھے قراءت کو ادب قراءۃ امام کے خلاف سمجھا اور تھیل ارشاد خداوندی میں صرف استماع و انصات کو اختیار کر لیا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قراءت مقتدی کا ترک کسی اور وجہ سے نہیں ہے کہ غیر موجبین پر عقلی اعتراض کیا جائے کہ انھوں نے فرض کو تطوع سے کم درجہ میں کر دیا وغیرہ۔

اثر عطاء کا جواب: امام بخاری نے ص ۱۲ میں حضرت عطاء کا اثر ذکر کیا کہ امام جب جہری قراءت کرے تو اس سے پہلے یا بعد اس کے سکوت کے سورۃ فاتحہ پڑھ لے، لیکن جب امام قراءت کر رہا ہو تو خاموش رہے لقولہ عز و جل واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا۔ حضرت عطاء کا فتویٰ مذکورہ بھی امام بخاری اور غیر مقلدین کے موافق نہیں ہے، بلکہ حنفیہ وغیرہم کے موافق ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ حضرت عطاء کے نزدیک بھی قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے بارے میں نہیں جو امام بخاری کا خیال ہے، اور ہم بھی اس سے منع نہیں کرتے کہ کوئی موقع مل سکے تو پڑھ لے، جیسے سری میں جواز ہے، مگر وجوب نہیں مانتے، نہ امام بخاری و ابن حزم کے علاوہ اکابر امت میں سے کوئی امام کے پیچھے اس کا قائل ہوا ہے۔

حدیث حضرت انسؓ سے استدلال: ص ۲۸ جزاء القراءۃ میں امام بخاری نے حدیث انسؓ سے استدلال کیا، حالانکہ یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابوقلاہد بس موجود ہیں اور بدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس روایت میں ابوقلاہد نے عن انسؓ روایت کی ہے، دوسرے اس کی سند میں اضطراب بھی ہے یہاں بھی جزاء القراءۃ کے اندر کسی میں عن انسؓ اور کسی میں عن النبی ﷺ ہے، اور دارقطنی و دہشتی وغیرہ میں عن محمد بن ابی عائشہ عن رجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ ہے، اور متن میں بھی اضطراب ہے کہ یہاں جزاء القراءۃ کی ایک روایت میں و لیقرأ احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسه اور دوسری میں صرف لیقرأ بفاتحة الكتاب ہے کتاب القراءۃ کی ایک روایت میں یہ عبارت فلا تفعولوا پر فتم ہو گئی ہے دوسری میں جملہ استثنائیہ بھی ہے، پھر فی نفسه کا مطلب دل میں پڑھنے کے بھی ہیں یا دھیان کرنے کے، لہذا اس سے قراءت خلف الامام

کا ثبوت نہ ہوگا۔ نیز حضرت انسؓ سے سند صحیح یہ روایت مروی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو (کتاب القراءۃ ص ۹۲)

### اثر سعید بن جبیر کا جواب

امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ ص ۲۹ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا فتوے نقل کیا ہے کہ ان سے عبد اللہ بن عثمان بن غنم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ فرمایا ہاں! اگرچہ تم اس کی قراءت بھی سنتے ہو، لوگوں نے نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے، سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام ہوتا تو وہ تکبیر کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اس کے خیال میں مقتدی فاتحہ پڑھ لیتے تھے، پھر وہ قراءت کرتا اور مقتدی خاموش رہ جاتے تھے۔

اس سے حالت سکوت میں قراءۃ کا ثبوت ہوا، جن سے کسی کو اختلاف نہیں، اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ امام پر سکتا طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہوا، حافظ ابن تیمیہؒ بھی یہی کہتے ہیں، پھر یہ کہ تکبیر تحریر کے بعد کا سکتا تو ثناء کے لئے ہے، جس میں امام بھی ثناء پڑھتا ہے، اور یہ مختصر وقفہ ہوتا ہے اور دونوں سورتوں کو جدا کرنے کے لئے امام کے ساتھ آمین کا توافق ہونا چاہیئے، اور اس طرح یہاں مقتدیوں کی آمین ان کی فاتحہ سے قبل ہو جائے گی جو قلب موضوع ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱/۳۷۷ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا فتویٰ دوسری طرح ہے کہ ان سے قراءت خلف الامام کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے لہذا ان کا جوفتوے نص قرآنی و اذا قرأ القرآن فاستمعوا له و انصتوا اور حدیث صحیح و اذا قرأ فانصتوا اور حدیث صحیح من کان له امام فليقرأ معه له قرآنہ کے موافق ہوگا وہی رائج و صحیح ہوگا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا:۔ جب تم امام کی قراءت نہ سن رہے ہو تو اگر چاہو اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ (مصنف ص ۱/۳۷۷)

ایک روایت امام ابن جریرؒ نے عبد اللہ بن مبارک کے طریق سے روایت کی کہ ثابت بن عجلان نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے سنا کہ آیت اذا قرأ القرآن فاستمعوا له و انصتوا اور جہاں جہریہ نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کے بارے میں تازل ہوئی ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۴/۴۳۳) آخر میں یہ امر بھی امام بخاریؒ کے استدلال کے سلسلہ میں قابل ذکر ہے کہ ان کی اس روایت میں ایک راوی عبد اللہ بن ربیع الجلی ہے جس کے لئے امام احمد و اوزاعی نے کہا کہ اس کی روایت میں نکارت ہوتی ہے، ساجی نے ”عندہ منا کبر“ کہا (میزان ص ۲/۲۷۷) تہذیب ص ۵/۲۱۱ دوسرا راوی عبد اللہ بن عثمان بن غنم ہے، امام رجال بھی بن معین نے کہا کہ اس کی احادیث قوی نہیں ہیں۔

ابو حاتم نے کہا کہ قابل احتجاج نہیں۔ امام نسائی نے اس کو لین الحدیث کہا (میزان الاعتدال ص ۲/۵۶) ابن حبان نے صاحب خطا کہا، ابن الدبی نے منکر الحدیث بتلایا، (تہذیب ص ۵/۳۱۵) دارقطنی نے کہا کہ دوسرے محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (نصب الراية ص ۱/۳۵۳)

### امام بخاریؒ کے دلائل نمبر ۲ اور اعتراضات رسالہ جزء القراءۃ میں

اوپر ہم نے امام بخاریؒ کے دلائل نمبر ۱ جہریہ نمازوں میں وجوب قراءۃ خلاف الامام کے مع جوابات ذکر کئے ہیں، ان کے علاوہ یا تو انہوں نے وہ احادیث و آثار پیش کئے ہیں جن سے مطلقاً قراءۃ فاتحہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ یا مطلقاً قراءۃ خلف الامام کا، کہ جہری و سنی کی تعیین کچھ نہیں ہے اور ہم نے اوپر بتلایا ہے کہ نماز کے لئے ہمارے سب کے نزدیک بھی نہ صرف مطلق قراءۃ قرآن مجید ضروری، بلکہ تعیین کے ساتھ سورۃ فاتحہ کے ساتھ چند آیات یا سورت کا پڑھنا بھی ضروری ہے، ورنہ نماز قابل اعادہ ہوگی۔ اختلاف صرف اقتدا کی صورت میں ہے کہ سارے صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین و مفسرین جہری نماز میں امام کے پیچھے وجوب قراءۃ فاتحہ کے منکر ہیں، حتیٰ کہ امام شافعیؒ کا بھی

آخری فیصلہ یہ ہے کہ صرف اس صورت میں کہ امام کی آواز مقتدی کو نہ آ رہی ہو تو فاتحہ پڑھ لے۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر آواز آ رہی ہو تو بغیر پڑھے بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔

## امام بخاری وغیرہ کے خلاف امام احمد کا اہم فیصلہ

اور یہی مذہب امام احمد کا بھی ہے، اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی یہ کہتا ہو کہ جس نے امام کے پیچھے قرائۃ فاتحہ نہ کی۔ اس کی نماز نہ ہوگی چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک، اہل عراق میں سفیان ثوری، اہل شام میں اوزاعی، اہل مصر میں لیث بن سعد، ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جب امام قرائۃ کر رہا ہو اور مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔ (معنی ابن قدامہ ص ۱۸۶۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام احمد کے زمانہ تک کوئی بھی اس امر کا قائل نہ تھا، جس کے قائل امام احمد کے بعد سب سے پہلے امام بخاری ہوئے اور ان کی وجہ سے کچھ شافعیہ بھی وجوب کے قائل ہوئے، مثلاً ابن خزیمہ و بیہقی وغیرہ (کما حقہ الشیخ الانور) اور کچھ شافعیہ بھی اس لئے وجوب کے قائل ہو گئے کہ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ امام شافعی کا یہ قول وجوب کا تھا، حالانکہ کتاب الام کی آخری جلد نمبر ۷ میں امام شافعی کا قول عدم وجوب کا آچکا تھا، اور امام احمد کی تصریح بھی یہی بتلا رہی ہے جو امام شافعی کے مذہب سے بھی پورے واقف تھے، مگر کچھ لوگ اس مغالطہ میں پڑ گئے کہ کتاب الام امام شافعی کی طرف منسوب قدیم تالیف ہے۔ حالانکہ وہ جدید اور زمانہ قیام مصر کی ہے۔

## امام بخاری اور غیر مقلدین زمانہ

امام بخاری کے بعد جہری میں وجوب کے قائل ابن حزم ظاہری ہوئے ہیں اور ان کے بعد ہند و پاک کے غیر مقلدین جو دعوت کرتے ہیں کہ اگر جہری نماز میں امام کے پیچھے مقتدی نے فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز باطل اور کا اہم ہوگی جیسے اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اور اپنے اس غلطہ دعوت کو ثابت کرنے کے لئے پوسٹر اور رسالے لکھ کر شائع کرتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

## مخالفین امام احمد کے لئے حنا بلہ کی سرپرستی

بڑی حیرت اس پر ہے کہ امام احمد کے مذکورہ بالا صریح فیصلے کے خلاف کرنے والوں کو سعودی حکومت کی سرپرستی اور بڑی بڑی امدادیں مل رہی ہیں، جس حکومت کے علماء و اعیان کا مذہب حنبلی ہے۔

## مسئلہ طلاق ثلاث اور غیر مقلدین کا فتنہ:

اسی طرح یہ غیر مقلدین جو اپنے کو سلفی بھی کہتے ہیں امام احمد کے صریح فیصلے کے خلاف ایک ساتھ تین طلاق دینے والے کا نکاح منع نہیں مانتے اور سارے ہند و پاک کے مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ ایسے آدمی اپنی بیویوں سے بدستور تعلق رکھیں، اور امام احمد و دیگر سارے ائمہ مجتہدین، اور سلف و خلف کے خلاف حرام کو حلال بتلاتے ہیں۔ مولانا عامر عثمانی مرحوم نے ان لوگوں کے اس فتنہ سے متاثر ہو کر "تجلی" کے تین نمبر ضخیم نکالے تھے جن میں غیر مقلدین اور ارکان جماعت اسلام کے ان تمام مضامین کا جو یہاں شائع ہوئے تھے، کھل و مدلل رد کیا تھا، اور پوری تحقیق و مطالعہ کے بعد سلف و جمہور اہل سنت کی نہایت موثر انداز میں تائید کی تھی۔ مرحوم نے اس سلسلے میں راقم الحروف نے بھی رابطہ قائم کیا تھا اور کچھ معلومات طلب کی تھیں۔ وہ تینوں نمبر جو بھی پڑھے گا، یقیناً مسلک جمہور کی حقانیت کا قائل ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے غیر مقلد بھائیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر اپنی ریشہ و دانیوں میں مشغول رہتے ہیں۔

سعودی حکومت سارے عالم اسلامی کی نمائندہ مرکزی حکومت ہے، اس لئے وہاں کے اعیان و علماء کو سارے ہی صحیح الخیال مسلمانان عالم سے رابطہ رکھنا چاہئے اور ان کو اپنے یہاں نمائندگی دینی چاہئے تاکہ اس کا کوئی اقدام غلط نہ ہو، وہاں کا مسلک ضلیٰ ہے اور دشرک و بدعت کے سلسلے میں ان کے لئے سب سے قریب تر خفی مسلک ہے، اور ہندو پاک کے سماء دیو بند اس کے صحیح ترجمان ہیں۔ اس لئے ان کے مفید علمی و مذہبی مشورہ سے سعودی اعیان و علماء کو مستفید ہونا چاہئے۔ واللہ الموفق۔ اب جزء القرآن کی تحقیقات ملاحظہ ہوں:-

### بغیر فاتحہ کے عدم جواز صلوٰۃ مقتدی

امام بخاری نے ابتداء سے ہی یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی کہ بغیر فاتحہ کے کسی کی نماز نہیں ہوتی، جو آج کل غیر مقلد بھی دعوے کے ساتھ کہتے ہیں اور شروع صفحہ میں ہی یہ بھی فرمایا کہ جس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے لئے فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی قرائۃ قرآن مجید میں سے کرنی چاہئے، وہ زیادتی فصاعدا کے لفظ سے ناقابل ثبوت ہے، حالانکہ خود ہی سب سے پہلے جواثر حضرت علیؓ کا پیش کیا ہے اس میں انہوں نے بھی غیر جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ کے ساتھ پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانے کو فرمایا ہے، اور بعد کی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھنے کو فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت علیؓ نے امام کے پیچھے بھی غیر جہری میں فاتحہ کے ساتھ سورت پڑھنے کو فرمایا تو بغیر امام کے منفرد کے لئے تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا، اور حنفیہ تو امام و منفرد کے لئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ و سورت دونوں کو واجب مانتے ہیں جبکہ دوسرے سب حضرات شافعیہ وغیرہ دوسری سورت ملانے کو صرف مسنون یا مستحب کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ امام بخاری نے لفظ فصاعدا کو تو گریا ہے مگر اگلے ہی صفحہ پر وہاں زاد اور ہا تبسور کی احادیث کو بغیر نقد کے مان لیا ہے، اور اسی طرح اپنے رسالہ میں گیارہ جگہوں میں اس کے مرادف الفاظ کو مان لیا ہے اور مطلب سب کا ایک ہی ہے، لیکن سب کا زور فاتحہ کے اثبات اور زائد کے اسقاط پر ہے، کیونکہ حنفیہ کے سوا ان سب نے سورت ملانے کو واجب ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

### سری و سکتات میں جواز قرائت

یہ بات پہلے بھی واضح کر دی گئی ہے کہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں یا جہری نمازوں میں سکتات کے اندر مقتدی فاتحہ پڑھ سکے تو اس کو حنفیہ بھی منع نہیں کرتے، صرف حالت جہر امام بالقرآن میں خاموش رہ کر اس کی قرائت سننے کا، اور یہاں تک امام بخاری و ابن حزم کے سوا ساری امت متحد ہے، نہ کسی کے نزدیک امام کے پیچھے جہری نماز میں قرائت فاتحہ واجب ہے نہ ثابت ہے، اسی لئے امام احمد نے اوپر کا فیصلہ دونوں کو رد کیا ہے، مگر امام بخاری کو نہایت اصرار ہے کہ سب کے اجماعی فیصلہ کے خلاف مقتدی پر فاتحہ پڑھنے کو واجب ضرور ثابت کر کے رہیں گے اور اگرچہ اس بارے میں ساری امت کے اکابر متفق ہیں، مگر شاید انہوں نے اپنے زعم میں سب سے زیادہ کفر و امام اعظمؒ اور ان کے قسین کو سمجھا تھا، اس لئے نزلہ صرف اسی عضو ضعیف پر گرانے کی سعی کی ہے، چنانچہ ص ۴۵ پر اعتراضات کی بھرمار کر دی ہے، تفصیل ملاحظہ ہو۔

### دعویٰ وجوب قرائۃ للمقتدی

ص ۴ میں باب وجوب القرائۃ باندہا جس میں امام و مقتدی پر کم سے کم کتنی قرائۃ فرض ہے، وہ بتلائی ہے، پہلے آیت لائے "فاقرؤا ما تبسرو منہ" (یعنی قرائۃ آسان ہو وہ پڑھو) پھر دوسری آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا ذکر کی اور لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس کو مکتوبہ و خطبہ کے لئے بتلایا ہے، پھر ابوالدرداء کی حدیث نقل کی کہ ہر نماز میں قرائۃ ضروری ہے، یہاں تک تو نماز کے لئے قرآن و حدیث سے خود امام بخاری کے ہی اقرار سے صرف قرائۃ قرآن ضروری تھی۔ جو ترجمۃ الباب سے بھی مطابق ہے، آگے امام بخاری

اپنے خصوصی مسلک کی طرف بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خیر متواتر سے ثابت ہوا کہ نماز بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی۔ اور امام اعظم پر تعزیر کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں فارسی زبان میں صرف ایک ایک آیت کا ترجمہ کافی ہے اور آخر کی دو رکعت میں کچھ نہ پڑھے۔ حالانکہ ابوقحافہؒ نے یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ چاروں رکعت میں قرائت کرتے تھے، اور بعض لوگ (امام اعظم) یہ کہتے ہیں کہ چاروں میں کچھ بھی نہ پڑھے تو نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ بات ارشاد نبوی کے خلاف ہے کہ نماز بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی۔

شہد و جواب: پھر امام بخاری نے فرمایا کہ اگر یہ بعض لوگ اس امر سے استدلال کریں تو نبی کریم ﷺ نے تو لا صلوة فرمایا ہے، لا یجزی تو نہیں فرمایا کہ بالکل صحیح ہوگی ہی نہیں کیونکہ نماز نہیں کا مطلب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کامل نماز بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی، جیسے حدیث میں ہے کہ مسجد سے قریب رہنے والے کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی، حالانکہ ہو جاتی ہے صرف کمال کی نئی ہے یا حدیث میں ہے کہ کھانا سامنے آ جائے تو بغیر کھائے نماز نہیں، حالانکہ ہو جاتی ہے، البتہ کامل جب ہی ہے کہ پہلے کھانا کھا کر پھر اطمینان سے دل جمعی کے ساتھ پڑھے، بھوک کی حالت میں اور وہ بھی کھانا سامنے آ جانے پر، اگر نماز پڑھے گا تو دل بجائے نماز کے کھانے میں رہے گا اور اس نوع کی اور بھی احادیث وارد ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو اس کا حکم اس کے الفاظ اور عموم پر ہی رکھنا چاہئے، الا یہ کہ دوسری حدیث ہی کی وجہ سے دوسرے معنی خاص لئے جائیں اور حضرت جابرؓ نے یہ الفاظ بھی روایت کئے ہیں کہ نماز بغیر فاتحہ کے جائز ہی نہ ہوگی، اور اگر وہ اس سے استدلال کریں کہ (اجماعی مسئلہ ہے) رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کی وہ رکعت ہو جاتی ہے تو جس طرح یہ رکعت بغیر فاتحہ کے جائز ہوگئی، باقی رکعتیں بھی ہو جائیں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رکوع میں شامل ہو جانے سے رکعت مل جانے کا مسئلہ بھی صرف ان حضرات نے تسلیم کیا ہے جو قرائت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں، مثلاً حضرت ابن عمرؓ اور زید بن ثابت وغیرہ، لیکن جو حضرت امام کے پیچھے بھی قرأت کو ضروری سمجھتے ہیں مثلاً ابو ہریرہؓ وہ کہتے ہیں کہ رکعت جب ہی مانی جائے گی کہ وہ مقتدی مذکور اپنے امام کو قیام کی حالت میں پالے (یعنی رکوع میں جھکنے کے بعد امام کے ساتھ ملنا رکعت پالینے کے لئے کافی نہ ہوگا) اور حضرت ابوسعید و حضرت عائشہؓ کا بھی ارشاد ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے رکوع نہ کرنا چاہئے، لہذا اول تو جس مسئلہ کو وہ لوگ اجماعی بتلاتے ہیں، وہ اجماعی نہیں ہے، اور اگر ہے بھی تو ہم اس اور اک رکعت ہادراک رکوع والی صورت کو حکم عام سے مستثنیٰ جزئی کے طور پر مانیں گے۔

## استدلال امام بخاری کا جواب

رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے، یعنی بغیر فاتحہ پڑھنے کے بھی وہ رکعت صحیح مانی گئی ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کو جہری نماز میں قرائت مقتدی کا قائل سمجھنا یا دراک رکعت والے مسئلہ میں ان کا قرائت فاتحہ نہ کرنے کی وجہ سے دراک رکعت نہ ماننا بھی غلط ہے، کیونکہ وہ تو دوسروں سے صرف اس امر میں مختلف ہیں کہ امام کو رکوع میں جھکنے سے قبل قیام میں پالے، یہ وہ بھی نہیں کہتے کہ اتنا پہلے امام کو قیام میں پالے کہ فاتحہ پڑھ سکے، یا ضرور پڑھے تب دراک رکعت ہوگا۔ یہ سب تفصیل کہیں سے بھی ثابت نہیں کی جاسکتی۔

یہاں امام بخاری نے صرف اپنے الگ مسلک کی بات ظاہر کی ہے کہ دراک رکوع سے رکعت نہ ملے گی کیونکہ اس کو فاتحہ نہیں ملی، جو ہر رکعت کے لئے خواہ امام کے پیچھے ہو اور خواہ جہری نماز ہو یا سری، ہر حالت میں مقتدی کو فاتحہ پڑھنی فرض و واجب ہے، اس کے بغیر کوئی رکعت یا نماز صحیح نہ ہوگی، اور اس مسلک کے لئے حضرت ابو ہریرہؓ کو انہوں نے اپنا ہم نوا بنانا چاہا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات تو خود امام بخاری ہی کے اعتراف سے ثابت ہوگئی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک اگر امام کے رکوع میں جھکنے سے قبل مقتدی امام کے ساتھ مل کر رکوع میں بغیر فاتحہ پڑھے چلا گیا تو اس کی وہ رکعت صحیح ہو جاتی ہے اور موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ جس نے



رکعت (رکوع) کو پالیا اس نے سجدہ کو بھی پالیا، (رکعت پوری ہوگئی) البتہ قرآن فاتحہ کے فوت ہونے سے بڑی خیر سے محروم ہوئی۔ (اوجز ص ۱۱۹)  
مگر امام بخاری کے نزدیک وہ رکعت صحیح نہیں ہوتی، پھر ایک صورت خاص طور سے امام بخاری کے لئے یہ نکل سکتی تھی کہ مقتدی امام کے پیچھے رکوع میں فاتحہ پڑھ لے تو اس طرح وہ اجماع کے ساتھ ہو جاتے، ان کے یہاں رکوع و سجدہ سے میں قرآن پڑھنا جائز بھی ہے، جبکہ یہ صریح و صحیح احادیث ممانعت کے خلاف ہے، اور بقول ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے امام بخاری نے اس مسئلہ میں مسلم شریف کی احادیث صحیح کو ترک کر دیا ہے، (مسلم شریف کے باب النبی عن قرآن القرآن فی الركوع والجموع میں آٹھ احادیث کے اندر صریح ممانعت مروی ہے) (ج ۱ ص ۲۱۹)

شیخ اکبر نے فرمایا کہ نماز کے اندر صرف قیام کی حالت میں قرآن جائز ہے، کیونکہ نماز کو بوجہ صورت مناجات و حاضری دربار خداوندی کے حق تعالیٰ کی شانِ قیومت کے ساتھ ایک گونہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے، اور رکوع و سجدہ چونکہ تذلل و خضوع اور تسلل کی حالتیں ہیں، اسلئے وہ قرآن کا ماحظ کیلئے موزوں محل نہیں ہیں، اسی لئے انکے مناسب صرف تسبیح و تہلیل ہیں۔ (ج ۱ ص ۲۱۹)

لیکن امام بخاری کے لئے حضرت ابوسعید و حضرت عائشہ کا قول رکاوٹ بن گیا کہ کوئی شخص قرآن فاتحہ سے پہلے رکوع نہ کرے حالانکہ ان کا یہ ارشاد ظاہر ہے کہ مسبوق و مقتدی کے لئے نہیں ہے، تاہم امام بخاری نے ان کا قول اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔

### فارسی میں قرآن کا اعتراض و جواب

امام بخاریؒ نے امام عظیمؒ پر یہ تعریض بھی کی کہ وہ فارسی زبان میں ایک ایک آیت کی ہر رکعت کے لئے قرآن کو کافی اور جائز کہتے ہیں، حالانکہ حسب تصریح کتب فقہ حنفی فارسی وغیرہ زبانوں میں قرآن کے جواز سے امام صاحبؒ نے رجوع فرمایا تھا، اور پھر وہی مذہب اختیار کر لیا تھا جو امام ابو یوسف، امام محمد و امام شافعی وغیرہ کا ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہی ضروری ہے، اگرچہ امام صاحب کے قول کے بھی نقلی و عقلی دلائل کافی تھے، تاہم رجوع کے بعد طرہ تعریض کا کوئی موقع نہیں تھا، اور یہ امر قرین قیاس نہیں کہ امام بخاری کو امام صاحب کے رجوع کی خبر نہ پہنچی ہو۔ اور ایک آیت کا اعتراض اس لئے صحیح نہیں کہ وہ بھی قرآن ہے اور حکم بھی ہے کہ قرآن پڑھو جتنا آسان ہو، اور کم سے کم قرآن کا اطلاق ایک آیت پر ہی ہو سکتا ہے۔

### امام صاحب کی طرف مسئلہ کی غلط نسبت

آگے جو امام بخاری نے امام صاحب کی طرف یہ بھی منسوب کیا کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں ایک ایک آیت پڑھنے پر دوسری دو رکعتوں میں کچھ بھی نہ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، یہ غلط ہے، کیونکہ کتب فقہ حنفی (ہدایہ وغیرہ) میں تفصیل اس طرح ہے:-

پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ مع دوسری سورت کے وجوہاً پڑھے گا، یا دوسری سورت کی جگہ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی پڑھے گا، پھر دوسری آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے گا، کیونکہ حضور علیہ السلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک دوسری آخری رکعتوں میں بجائے فاتحہ کے تین ہار تسبیح بھی کافی ہے، اگرچہ فاتحہ افضل ہے، کیونکہ پہلی دو رکعتوں کی قرآن فاتحہ دوسری دو رکعتوں کے لئے کفایت کرتی ہے کہ فرض نماز کے لئے قرآن فاتحہ واجب و ضروری ہے، اور وہ پہلی دو رکعت میں ادا ہوگئی لہذا بعد والی میں افضل فاتحہ اور کافی تسبیح ہوگی۔ لیکن اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں کسی نے صرف سورت پڑھی اور فاتحہ نہ پڑھی تو آخری دو رکعت میں فاتحہ وجوہاً پڑھے گا، کیونکہ پوری نماز فاتحہ سے خالی نہ ہونی چاہئے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کی طرف عدم قرآن فی الاخرین کی نسبت صحیح نہیں، جبکہ وہ اس کو افضل فرماتے ہیں، اور حضور علیہ السلام

ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسریں ملا کر پڑھتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی آپ زور سے پڑھتے تھے، تاہم نے ایسا ہی سن رکھا ہے۔ "مولف"

سے جو چاروں رکعت میں قرائۃ کا ثبوت ہوا یہ اس کے بھی منافی نہیں ہے، کیونکہ آپ نے بھی آخری دونوں رکعت میں قرائۃ استحباً پڑھی ہوگی۔

## نماز بلا قرائۃ کا اعتراض

اس کے بعد امام بخاری نے یہ اعتراض کیا کہ حضور علیہ السلام نے تو فرمایا کہ نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، مگر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر چاروں رکعتوں میں بھی قرائۃ نہ کرے تو نماز درست ہو جائے گی۔

جواب: یہ بھی مغالطہ آمیز بات ہے کیونکہ امام صاحب ہی نہیں بلکہ امام احمد و مالک وغیرہ سب ہی یہ کہتے ہیں کہ حدیث مذکور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے، مقتدی کے لئے نہیں۔

امام احمد کا ارشاد: ترمذی شریف باب ترک قرائۃ خلف الامام میں امام احمد سے نقل کیا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد لا صلوة لمن لم یقرا بفاتحة الكتاب منفرد کے لئے ہے، جس کی دلیل دوسری حدیث جاہلگی ہے کہ جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی، اس کی نماز نہ ہوگی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، امام احمد نے فرمایا کہ یہ حضرت جابرؓ رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا حدیث رسول کا یہی مطلب سمجھا کہ وہ تنہا نماز والے کے لئے ہے، اس کے بعد امام ترمذی کا یہ نقل کرنا کہ خود امام احمد کا یہ عمل تھا کہ وہ قرائۃ خلف الامام کے قائل تھے، مطلقاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ صرف سری نماز میں اس کو کہتے تھے، وہ بھی وجوہاً نہیں، اور یہ کہ جبری میں جہاں تک امام کی آواز مقتدی کو پہنچتی ہو وہ بھی قرائۃ نہ کرے البتہ جس کو نہ پہنچتی ہو اس کے لئے قرائۃ جائز بتلاتے تھے، واجب اس کے لئے بھی نہیں، کیونکہ خود فرمایا کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے پیچھے قرائۃ نہ کرنے والے کی نماز باطل ہوگی۔

## عبداللہ بن مبارک کا ارشاد

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول بھی اسی باب میں امام ترمذی نے نقل کیا کہ میرے نزدیک جو شخص امام کے پیچھے قرائۃ نہ کرے اس کی نماز جائز ہوگی، اور بعض لوگوں نے اس بارے میں سختی کی ہے کہ یہ حکم لگا دیا کہ بغیر فاتحہ کے کسی کی نماز نہیں ہوتی خواہ وہ تنہا ہو یا مقتدی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا ارشاد یہاں ذکر کرنا اس لئے بھی مناسب ہوا کہ ہم امام بخاری کا جواب لکھ رہے ہیں جو عبداللہ بن مبارک سے بڑے مداحین میں ہیں، ان کے اہل زمانہ نے بھی زیر بحث مسئلہ میں امام صاحبؒ کی تائید کر دی ہے کہ امام کے پیچھے قرائۃ کی ضرورت نہیں اور امام اعظمؒ کی رائے ہی درست ہے کہ امام کے پیچھے چاروں رکعتوں میں قرائۃ نہ کرنے سے بھی نماز صحیح رہے گی، اور جو لوگ اس بارے میں تشدد کرتے ہیں، وہی غلطی پر ہیں۔ (یعنی امام بخاری وغیرہ)

## شنا پڑھنے کا اعتراض

امام بخاریؒ نے ص ۴۲ میں ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ یہ لوگ ترک قرائۃ خلف الامام کے لئے قول باری تعالیٰ فاستمعوا له واطعوا بھی استدلال کرتے ہیں، حالانکہ خود ہی یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام کی قرائۃ کے وقت شنا پڑھنی جائز ہے۔ تو انہوں نے ثنا کو جو ان کے نزدیک بھی صرف اُطوع ہے، اور اس کے مقابلہ میں قرائۃ واجب ہے، اس کو تو ساقط کر دیا اور ثنا کو ساقط نہ کیا جو کم درجہ کی تھی، اس طرح فرض کا درجہ نفل سے بھی گرا دیا۔ جواب: اس بارے میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جبری نماز میں امام کی قرائۃ کے وقت مقتدی کو سب حائک اللہم پڑھنا جائز نہیں، بلکہ تکبیر کہہ کر خاموش رہے اور موقع ملے تو سکرات میں شاء پڑھ لے، اور سکرات میں فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے اگر چہ دشواری یہ ہے کہ امام پر سکنت طویل کرنا جس میں فاتحہ پڑھی جاسکے، کسی بھی دلیل شرعی سے اس پر واجب ثابت نہیں ہو سکا ہے اور سری نمازوں میں حنفیہ بھی قرائۃ فاتحہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سنت فجر کا اعتراض: ان لوگوں (حنفیہ) نے یہ بھی کہا کہ جب کوئی مسجد میں جائے اور امام فجر کی نماز پڑھا رہا ہو تو یہ دو رکعت سنت پڑھنے لگے، نہ امام کی قرآن سے نہ اس کی آواز کی طرف کان لگائے، جبکہ یہ بات حدیث نبویؐ "اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة" کے بھی خلاف ہے، اور یہ لوگ جواب میں حدیث "من كان له امام فقرأه الا صام له قراءة" پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث جازو عراق وغیرہ کے اہل علم کو تسلیم بھی نہیں، اور مرسل و منقطع بھی ہے کیونکہ ابن شداد نے براہ راست (یعنی واسطہ حذف کر کے) حضور علیہ السلام سے روایت کر دی ہے۔

جواب: حافظ ابن ہمامؒ نے لکھا: صحیح مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کوئی جگہ ہو تو وہاں سنت پڑھے، ورنہ جماعت صبح ہوتے ہوئے مسجد کے اندر سنتیں پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ ترک مکروہ، فعل سنت پر مقدم ہے، پھر یہ تو بہت ہی شدید طور سے مکروہ ہے کہ جماعت کی صفوں سے قریب پڑھے جیسا کہ بہت سے جاہل پڑھ لیا کرتے ہیں (فتح القدیر ص ۱۳۴۱ طبع مصر) ہم نے اس کی مفصل بحث پہلے بھی کی ہے۔ حدیث ابن خزیمہ: وہاں ہم نے صحیح ابن خزیمہ کی وہ حدیث بھی پیش کر دی ہے، جس کی وجہ سے حنفیہ نے صبح کی دو سنتوں کے مسجد سے باہر ادا کرنے کا فیصلہ ارشاد نبویؐ کی روشنی میں حاصل کیا ہے، یہ حدیث چونکہ ایسی صراحت کے ساتھ دوسری کتب حدیث کے پورے ذخیرہ میں نہیں ہے، اس لئے بہت سوں کو حنفیہ کا مذکورہ فیصلہ اوپر معلوم ہوتا رہا ہے، اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی شک ہی رہا تھا کہ یہ حدیث واقعی صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہے یا نہیں۔ بہر حال! امام شافعیؒ وغیرہ کے اس فیصلہ کے مقابلہ میں کہ صبح کے فرضوں کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد مسجد یا مسجد سے باہر کہیں بھی دو سنتیں نہ پڑھی جائیں لقولہ علیہ السلام اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة جس کا حوالہ یہاں امام بخاریؒ نے بھی دیا ہے اور حنفیہ پر اعتراض وارد کر دیا ہے، حنفیہ کا فیصلہ اور صحیح حدیث ابن خزیمہ کی وجہ سے مسجد کی قید لگانا نہایت ہی صحیح فیصلہ ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے خود ہی رہنمائی فرمادی کہ صبح کی دو سنتیں جماعت شروع ہونے پر مسجد کے اندر نہ پڑھی جائیں۔

### طعن امام بخاری کی وجہ

بظاہر یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے سامنے بھی حدیث مذکورہ نہ ہوگی ورنہ وہ یہ اعتراض نہ کرتے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ امام بخاریؒ کو بہت سے مسائل حنفیہ کے صحیح طریقے سے نہیں پہنچے، یا حمیدی یا ابن مہدی وغیرہ نے ان کو مغالطہ میں ڈال دیا تھا، اگرچہ ان کا دعویٰ تو حنفی مسلک کے جاننے کا ہی ہے اور انہوں نے خود بھی فرمایا کہ پہلے جب میں نے (اپنے وطن ہی میں) حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی مصنفات کو ازبر کر لیا اور اہل الرائے کے کلام کو خوب سمجھ چکا تو پھر میں نے حجاز کا سفر کیا۔ تو ایسی صورت میں ان کو واقعی پوری طرح حنفی مسلک سے واقفیت ہو بھی جانی چاہئے تھی۔ مگر ان کے بہت سے اعتراضات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا رائے ان کے بارے میں درست تھی، ورنہ بدگمانی کرنے والے تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ جان بوجھ کر حنفی مسلک کو گرانے کی سعی کی ہے، مگر ہمارے نزدیک یہ بات امام عالی مقام کے مرتبہ سے بعید ہے، جس طرح محدث کبیر امام ابن ابی شیبہؒ نے بھی بہت سے مسائل غلط طور سے حنفی مسلک کی طرف منسوب سمجھ کر مصنف میں بہت سے اعتراض کر دیئے تھے، اور ہندوستان کے غیر مقلدوں نے ان سے حنفیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مدد حاصل کی تھی۔

### امام اعظم رحمہ اللہ امام المحدثین والعلمم بالناسخ والمنسوخ

بہر حال! جب بات یہاں تک آئی تو یہ بھی عرض کر دوں کہ امام الحنفیین امام اعظمؒ نے جو حسب اعتراف غیر حنفی اکابر محدثین بھی سب سے پہلے علم حدیث کی تالیف و تدوین فقہ کے بانی تھے، اور سارے محدثین عظام کے اندر ان کا ایک نہایت ممتاز وصف یہ بھی تھا کہ وہ

احادیث کے ناخ و منسوخ ہونے کے علم پر بہت بڑی دسترس رکھتے تھے۔

## امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ

پھر بھی انہوں نے صرف اپنے علم پر اعتماد نہیں کیا بلکہ چالیس محدثین و مفسرین و فقہاء کی ایک جماعت قائم کر کے برسہا برس تک حدیث و فقہی بحثیں کیں اور کرائیں، اور لاکھوں مسائل کے فیصلے کتاب و سنت و تعامل صحابہ و تابعین کی روشنی میں طے کرنا اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ لہذا ان کی کسی تحقیقی کو بھی اتنی آسانی سے نہیں گرایا جاسکتا، جس طرح امام بخاری اور ان کے اتباع نے خیال کیا تھا۔ واللہ علیہ ما نقول وکیل۔ ان شاء اللہ وبہ نستعین۔

## امام بخاری کا دعویٰ

امام بخاری کا یہ ارشاد موجب حیرت ہے کہ حدیث من کسان لہ امام کو حجاز و عراق کے اہل علم نے تسلیم نہیں کیا۔ جبکہ اس کی روایت امام محمد نے موطا میں امام مالک سے بھی کی ہے، اگرچہ الفاظ کا کچھ فرق ہے اس طرح کہ حضرت ابن عمرؓ سے جب پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کرے؟ وہ جواب میں فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس امام کی قرأت کافی ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ خود بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (نصب الراية ص ۲۱۲) اور امام احمدؒ کی مسند ص ۳۱۳۳۹ میں بعینہ الفاظ بھی یہی ہیں جو امام اعظمؒ وغیرہ کی روایت میں ہیں، کیا بغیر تسلیم کے ہی امام مالک نے حدیث مذکور روایت کر دی تھی اور اپنا عمل بھی ترک قرأت خلف الامام کا بنالیا تھا، یا وہ حجازی نہ تھے یا حجاز میں ان کا شمار اہل علم میں سے نہیں تھا؟ اور کیا امام احمد عراق کے اہل علم میں سے نہ تھے، اور انہوں نے بھی بغیر تسلیم ہی حدیث مذکور کی روایت کر دی تھی اور اپنا مسلک بھی ترک قرأت بنالیا تھا؟ افسوس ہے کہ امام بخاری ایسے دینی نازک مواقع میں بھی مبالغوں سے کام لیتے رہے، اس کے بعد حدیث مذکور پر مرسل و منقطع ہونے کا بھی نقد کیا ہے۔

## مرسل و منقطع کی بحث

اول تو جمہور کے نزدیک مرسل حجت ہے، خاص طور سے جبکہ ارسال کرنے والا راوی صحابی ہو، اور یہاں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ عبداللہ بن شداد صغیر اسن صحابی ہیں۔ اور جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، پھر ایسی مرسل جو فتاویٰ صحابہ سے مؤید ہو سارے محدثین کے یہاں حجت ہوتی ہے اور ترک قرأت خلف الامام کے بارے میں بہ کثرت صحابہ کے فتاویٰ منقول ہیں، ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ و معارف السنن ص ۳۱۲ و اعلام السنن وغیرہ۔

## مرسل کی مقبولیت

امام شافعیؒ بھی کبار تابعین کے مراسیل قبول کرتے تھے جبکہ وہ کسی مسند سے مؤید ہوں، یا کسی صحابی کے قول یا فتویٰ اہل علم سے مؤید ہوں۔ اور انقطاع کی بات بھی درست نہیں، جس کی تفصیل معارف السنن و اعلام السنن میں ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے کہ اس مرسل کی تائید ظاہر قرآن و سنت سے ہو رہی ہے اور اس کو جمہور اہل علم صحابہ و تابعین نے قبول کر لیا ہے وار اس کا ارسال کرنے والا راوی اکابر تابعین میں سے ہے، اس قسم کا مرسل باتفاق ائمہ اربعہ و غیرہم حجت و قابل استدلال ہے۔ (نصل الاطباء ص ۹) ناظرین نے ملاحظہ کیا کہ حدیث من کسان لہ امام چونکہ امام بخاری کے مسلک کے خلاف تھی، اس کو گرانے کی کتنی سعی فرمائی، لیکن ان کے برعکس حافظ ابن تیمیہ نے بھی اسی مرسل کو اونچا اٹھانے کی پوری کوشش کر دی ہے۔

## امام احمد بھی وجوب کے قائل نہ تھے

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فصل ص ۹۷ میں فتاویٰ ابن تیمیہ کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا کہ امام احمدؒ کا مشہور مذہب سریہ میں بھی امام کے پیچھے صرف استہاب قرائۃ فاتحہ تھا، وجوب نہیں تھا، جبکہ امام بخاری نے جمہور سلف و خلف سے الگ ہو کر اپنا یہ مسلک بنایا کہ نہ صرف سری میں بلکہ جہری نماز میں بھی امام کے پیچھے قرائت فاتحہ فرض و واجب ہے، اس کے بغیر نماز نہ ہوگی حتیٰ کہ رکوع میں ملنے سے اجماع امت کے خلاف یہ فیصلہ دے دیا کہ رکعت نہ ملے گی، کیونکہ اس سے فاتحہ رہ گئی جو ہر رکعت میں امام کے پیچھے بھی ضروری ہے۔

## غیر مقلدوں کا تشدد

اسی رائے مذکور کا اجماع غیر مقلدین نے بھی کیا ہے، اسی لئے وہ ساری امت مسلمہ متبعین احمد اربعہ کی نمازوں کو باطل و کاہنم بتلاتے ہیں جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے، سوال یہ ہے کہ جب کسی مذہب احمدی مجتہدین میں بھی قرائۃ خلف الامام واجب و ضروری نہیں ہے نہ سری میں نہ جہری میں، تو وہ اس کا التزام واجب و فرض کی طرح کیوں کریں گے۔ اور جب امام احمدؒ نے یہ تصریح کر دی کہ حضور علیہ السلام کے زمانے سے اب تک اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس امر کا قائل نہیں ہوا کہ امام کے پیچھے قرائۃ فاتحہ کرنے سے نماز درست نہ ہوگی، تو اول فالاول کا فیصلہ نہ امام بخاری کی تائید میں ہے اور نہ اس زمانے کے غیر مقلدوں کی حمایت میں۔ امام بخاری تو فرما چکے کہ پہلوں کے مقابلہ میں بعدہ الاول کا فیصلہ قائل رو ہے، معلوم نہیں غیر مقلدین کیا ارشاد فرمائیں گے؟ آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ حدیث حسن کسان لہ امام طرق کثیرہ سے مروی ہے اور وہ معنی و مضمون کے لحاظ سے نہایت قوی و صحیح ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

## تکبیر تحریمہ کا اعتراض بخاری

امام بخاری نے ایک اعتراض حنفیہ پر یہ بھی کیا ہے کہ یہ لوگ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ امام کی قرائۃ کے وقت خاموش رہو مگر حال یہ ہے کہ جب امام کے پیچھے نماز شروع کرتے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ تکبیر کہہ کر نماز شروع کی جائے اور امام کی قرائۃ کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ تکبیر کہنا فرض ہے بغیر اس کے نماز نہ ہوگی مگر یہ نہیں سوچتے کہ حنفی دیر میں اس نے تکبیر کہی امام کی قرائت تو نہیں سنی کیا یہ اجماع مامور کے خلاف نہ ہوا؟ اگرچہ یہ اعتراض جزء القرائۃ کے ص ۱۹ میں ہے مگر یہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے، اس لئے اس کا جواب بھی ہم اسی جگہ لکھتے ہیں۔

جواب: یہی اعتراض اور دوسرے بھی امام بخاری کے اجماع میں اس زمانہ کے غیر مقلدین نے بھی کئے ہیں، کیونکہ ان کو امام بخاری جیسا جلیل القدر وکیل امت میں سے دوسرا کہاں میسر ہو سکتا تھا، اور غیر مقلدین کے کسی اعتراض میں بھی اگر کچھ تھوڑی بہت جان یا وزن ہے تو صرف اس ہی میں ہے جو امام بخاری وغیرہ کا براہ امت کر گئے ہیں، اور ان کے جوابات بھی ہمیشہ دیئے گئے ہیں کتابیں بھری ہوئی ہیں، مگر وہ عربی میں ہیں، آج کل جیسے پڑھنے پڑھانے والے محروم اطلاع اور کم استعداد لوگ ہیں، ان کو اور عوام کو گمراہ کرنے اور مذہب اربعہ سے بدظن کرنے کا جو بھی طریقہ نکال دیتا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر غیر مقلدین کے لئے فضا بناتے رہتے ہیں۔ اور اردو زبان میں چونکہ تحقیق حدیثی مباحث بہت کم آئے ہیں، اس لئے ہندو پاک کے غیر مقلدین اردو زبان میں اپنا پروپیگنڈہ زیادہ کامیابی سے کر لیتے ہیں۔ اور اب ملی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ گیا ہے کہ سعودی حکومت کو اپنے فیور میں لینے کے لئے یہ باور کراتے ہیں کہ سارے ہندو پاک میں مسلمان نام کے شرک آباد ہیں، اور یہ سارے قبر پرست ہیں حتیٰ کہ دیوبندی مشرب کے مسلمانوں کے بارے میں بھی یہ باور کرایا گیا ہے کہ یہ بھی قبوری ہیں کیونکہ یہ لوگ قبر معظم نبوی علی صاحبہا الف تحیات کی زیارت کے لئے سفر کو جائز بتلاتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ

توسل کو جائز کہتے ہیں تھنہ الاحوذی شرح ترمذی شریف میں علامہ مبارک پوری نے بھی سب ہی کو قبوری لکھا ہے فلیراجع الیہ اور صرف یہ دونوں مسئلے ہی ان کو ایسے مل گئے ہیں کہ موجودہ سعودی حکومت کے اعیان و علماء کو ہم سے بدظن کرانے کے لئے کافی و وافی ہیں۔ کیونکہ غیر مقلدیت کی بات کا اثر ان پر اتنا زیادہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خود بھی جنبی مسلک کے ہیں اور ہندوپاک کے غیر مقلدوں کے مسلک سے بمرہل دور ہیں۔

### امام احمد اور نجدی علماء

دوسری بات ان غیر مقلدوں کی ہی خوئی قسمت سے یہ بھی ہو گئی کہ نجدی علماء نے کئی بڑے مسائل میں امام احمد کا مسلک ترک کر کے حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کے تفردات کو اپنا لیا ہے، اور انہوں نے ان ہی تفردات پر امام احمد اور اکابر حنابلہ کے فیصلوں کے خلاف جمود کر لیا ہے، پھر بڑی تکلیف دہ بات یہ بھی ہے کہ حضرت مولانا ظلیل احمد صاحبؒ کے بعد اکابر دیوبند میں سے کسی نے بھی نجدی علماء سے قریب ہو کر تبادلہ خیالات کر کے احقاق حق کی سعی نہیں کی، الا یہ کہ حضرت مولانا عثمانی نے فتح المسلمین میں یا مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں کچھ لکھا، یا حضرت شاہ صاحبؒ کے امالی درس میں کچھ آیا ہے، ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا مدنیؒ بھی درس بخاری شریف میں بہت کچھ فرمایا کرتے تھے، مگر ان کے علوم و تحقیقات بھی پوری طرح سامنے نہ آسکیں۔ اور آج کل کے حضرات جن کا رابطہ سعودی عرب سے ہے، وہ بظاہر کچھ کمی و سبب مطالعہ کے سبب سے اور کچھ اپنی مصالح کی وجہ سے خاموش معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

### الزامی اعتراض کی حقیقت

امام بخاریؒ کا مذکورہ بالا الزامی اعتراض جتنا بے وزن ہے وہ ظاہر ہے، اول تو یہ کہ تکبیر تحریر شرط دخول صلوٰۃ ہے اور شرط شئی اس سے خارج ہوتی ہے، لہذا ابھی مقتدی امام کے ساتھ شریک بھی نہیں ہوا تو اس پر امام کی قرائت سننے کا فریضہ کیسے لاگو ہو گیا؟ دوسرے وہ ایک لمحہ کا کام ہے۔ اس کی وجہ سے قرائت نہ سننے کا بڑا چارج اس پر کیسے لگ سکتا ہے۔ پھر اس پر تو سب ہی علماء امت متفق ہیں کہ امام کی قرائت سننے ہوئے بھی تکبیر تحریر کہہ کر نماز میں شریک ہونا درست ہے، خاص طور سے حنفیہ کو مطعون نہیں کیا جاسکتا۔ اور قرائت امام کے وقت خاموش رہنے کا مسئلہ بھی سب کا اتفاق و اجماعی ہے اور پر تزلایا گیا کہ امام شافعی جن کو بعض لوگوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ مومنین قرائت خلف الامام میں سمجھا تھا وہ بھی دوسرے سب احمدی کے ساتھ ہیں اور وہ قرائت خلف الامام کو نہ واجب کہتے ہیں نہ انہوں نے یا کسی بھی امام نے یہ کہا کہ امام کی قرائت جبری کے وقت تکبیر کہہ کر نماز میں شرکت نہ کرو۔

### تکمیل البرہان کا ذکر

پاکستان کے کسی غیر مقلد عالم نے ”تکمیل البرہان فی قرأۃ القرآن“ لکھی ہے، جس میں قرأت فاتحہ خلف الامام کو فرض و لازم ثابت کرنے کی سعی ناکام کی ہے اور اس کو اجماعی مسئلہ بتلایا ہے، اس کے جواب ورد میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے رسالہ فاتحہ الکلام لکھ کر شائع کیا ہے۔ اس میں ص ۱۱۹ میں مذکورہ مسئلہ کے رد و جواب کے بعد لکھا کہ ”صاحب تکمیل کو اپنی فہم و دانش کا ماتم کرنا چاہئے“ مگر یہ اعتراض بھی تو سب سے پہلے اب سے گیارہ سو سال قبل امام بخاریؒ کر چکے ہیں۔ اس کی طرف مولانا مرحوم کا ذہن نہیں گیا۔ البتہ مولانا نے اسی موقع پر ایک دوسرا اعتراض امام بخاریؒ کا جزء القرائت سے نقل کیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک بچہ کو سبق دیتا ہے اور باقی بچے بھی قرائت کرتے ہیں وہاں آیت و اذا قرأ القرآن فامسمعوا له و انصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا۔ پھر مولانا نے لکھا کہ اس کا ایک جواب تو دینی ہے جو اوپر ذکر ہوا کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے، غیر مقتدی کے بارے میں نہیں ہے، دوسرے بچوں کو بڑوں پر قیاسی

کرنا بھی غلط ہے، بچے تو بے وضو بھی قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

## غیر مقلدین کے فتنے

دوسری ایک کتاب کراچی سے "فصل الخطاب فی قرائۃ ام الکتاب" کے نام سے مفتی صاحب کلانوری نے شائع کی تھی، جو بارہ ہزار کی تعداد میں طبع کرنا کر علماء و جہلاء کے ہاتھوں میں پہنچائی۔ اس میں بھی یہ دعویٰ کیا کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے اور بیکار و باطل ہے۔ اس کا مکمل و مدلل جواب مولانا ابوالزہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر علم فیضیہم نے دو جلدوں میں لکھ کر سبجرائوالہ سے شائع کیا وہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس میں بھی ص ۱۰۶/۱ میں جزء القراءۃ امام بخاری، تحقیق الکلام غلام مبارکپوری اور فصل الخطاب مفتی کلانوری صاحب یہی اعتراض والا زام نقل کر کے جواب دیا کہ آیت کا مخاطب مقتدی ہے اور امام الحسن بن ابی جریطر بن شافعی کا قول نقل کیا کہ جو آدمی امام کی اقتدا کر چکا ہے، اس کو امام کی قراءت سننے کے لئے خاموش رہنا واجب ہے (دوسرے اس کے مکلف نہیں ہیں) اور تکبیر تحریرہ حنفیہ کے نزدیک شرط صلوات ہے رکن نہیں (فانی ص ۴۰، اسراجیہ ص ۱۰، اہدایہ ص ۸۲/۱ اور شرح وقایہ ص ۱۶۰ وغیرہ) لہذا اقتدا سے قبل مقتدی بھی مکلف نہیں، البتہ اقتدا کے بعد اس کا قراءت کرنا ضرور ممنوع ہوگا۔ (احسن الکلام ص ۱۰۶/۱) کیونکہ آیت فاستمعوا و انصتوا کا شان نزول قراءت خلف الامام ہی ہے۔ خطبہ وغیرہ پر اس کا اجراء عموم حکم کے تحت ثانوی درجہ میں ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ وہ خطبہ کے بارے میں اتنی تھی، تاکہ قراءت خلف الامام سے اس کا تعلق ہی نہ ہو یا ہو تو ثانوی درجہ میں۔ واللہ اعلم۔

## امام بخاری رحمہ اللہ کے دعاوی و مبالغات

جس طرح مسئلہ رفع یدین میں مبالغات کا ذکر ہوا ہے، یہاں قراءت خلف الامام کے مسئلہ میں ایسا جگہ جگہ بار بار رسالہ جزء القراءۃ میں ہوا ہے، مثلاً ص ۵ پر پہلے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث ذکر کی کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے، اور اس سے کسی کو انکار بھی نہیں اگرچہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ترمذی نے امام احمد کا قول نقل کیا کہ یہ حدیث منفرد کے لئے ہے امام کے لئے نہیں، پھر اس کو یہاں بار بار مختلف طرق و متون سے پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ مقصد امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کا اثبات ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کا ارشاد ذکر کیا کہ امام کے پیچھے قراءت کی جائے، اس میں جہری نماز کا ذکر نہیں ہے، اور سری میں کوئی منکر نہیں ہے اور جس اثر میں جہری کا ذکر ہے وہ نہایت ضعیف ہے اور غالباً اسی لئے امام بخاری نے اس جملہ والی روایت کو اختیار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر لکھا کہ حضرت ابی بن کعب، حذیفہ اور عبادہؓ اور ایسے ہی حضرت علی، عبداللہ بن عمروؓ و ابوسعید خدریؓ اور کئی دوسرے صحابہ سے بھی قراءۃ خلف الامام روایت کی گئی ہے، یہاں بھی جہری کی صراحت نہیں ہے، پھر لکھا کہ قاسم بن محمد نے کہا کہ رجال ائمہ قراءت خلف الامام کرتے تھے، یہاں بھی جہری کی تصریح نہیں ہے، پھر ابو مریم کا قول نقل کیا کہ میں نے سنا ہے حضرت ابن مسعودؓ قراءت خلف الامام کرتے تھے۔ یہاں بھی جہری کا ذکر نہیں ہے آگے لکھا کہ ابو داؤد نے حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد نقل کیا کہ "امام کے لئے خاموش رہو"، اور ابن مبارک نے کہا کہ اس سے مراد جہری نماز معلوم ہوتی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ امام کے پیچھے صرف سکوت امام کی حالت میں قراءت کرتے تھے۔ یہاں خود امام بخاریؒ کے مدوح اعظم نے ہی ان کے خلاف فیصلہ دے دیا ہے، ہم کیا کہیں؟ آگے امام بخاریؒ نے لکھا کہ حسن، سعید بن جبیر، میمون بن مہران اور تابعین و اہل علم میں سے اتنے لوگ جن کا میں شمار بھی نہیں کر سکتا، وہ سب یہی کہتے تھے کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں بھی قراءت کی جائے۔ اور حضرت عائشہؓ بھی قراءت خلف الامام کا حکم کیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ و حضرت ابو ہریرہؓ جہری میں قائل قراءۃ نہ تھے: امام بخاریؒ نے یہاں حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا اور ص ۴۷ میں

حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں بھی لکھا کہ وہ دوسرے صحابہ حضرت ابن مسعودؓ و زید بن ثابتؓ و ابن عمرؓ وغیرہ کے خلاف قراءت خلف الامام کے قائل تھے اور ان دونوں کا ذکر امام بخاری ایسے مواقع پر لائے ہیں کہ جیسے وہ دونوں جہری میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے، حالانکہ اس کے خلاف سنن کبریٰ ہی ص ۱۷۱/۲ میں صراحت موجود ہے کہ ابو ہریرہؓ و حضرت عائشہؓ دونوں غیر جہریہ یعنی سری نماز میں قراءت کا حکم کرتے تھے، دوسری جگہ سنن ہی ص ۱۷۱ کے اسی صفحہ پر ہے کہ وہ دونوں امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعت میں فاتحہ اور کچھ قرآن پڑھنے کو فرماتے تھے، اور حضرت عائشہؓ خری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھا کرتی تھیں۔ ان دونوں روایتوں سے واضح ہوا کہ حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہ تھے اور وہ دونوں فاتحہ کے ساتھ اور کچھ بھی قرآن پڑھنے کا حکم کرتے تھے۔ جس پر صرف حنفیہ کا عمل ہے، ورنہ سارے ہی دوسرے حضرات نے فاتحہ کا ساتھ سورت ملانے کو صرف سنت کا درجہ دے دیا ہے، کتنی ہی احادیث میں فاتحہ کے ساتھ ہازاد اور اھالیس وغیرہ آیا ہے۔ خود امام بخاری نے بھی اپنے اسی رسالے جزء القراءۃ میں گیارہ جگہ یہ کلمات روایت کئے ہیں مگر سب ہی نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ تو فرض و رکن کے درجے میں ہے اور سورۃ ملانا یا کچھ اور قرآن مجید سے پڑھنا صرف سنت یا مستحب ہے۔

مسئلہ قراءت: امام اعظم اور حنفیہ نے قرآن مجید سے نفس قراءت کو تو فرض و رکن قرار دیا اور پورے ذخیرہ احادیث و آثار اور تعامل صحابہ و تابعین پر نظر کر کے فاتحہ و سورت دونوں کو واجب قرار دیا ہے، حیرت ہے کہ نہ صرف حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کو بلکہ اس بارے میں دوسری احادیث و آثار کو بھی اپنی منشا پر ۳۱ رلیا گیا ہے۔ اور بدنام حنفیہ ہوئے کہ یہ احادیث و آثار کو نظر انداز کر کے اپنی رائے اور منشا پر عمل کرتے ہیں، خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا سن کر شہ ساز کرے سنن کی اوپر کی نقل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ ظہر و عصر کی آخری دو رکعت میں امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے، کیونکہ صرف حضرت عائشہؓ کا عمل ذکر کیا گیا ہے۔

## امام بخاری کے اعتراض کا جواب

اس سے امام بخاری کے ص ۱۷۱ والے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ بعض الناس (امام اعظم) پہلی دو رکعتوں میں تو ایک ایک آیت پڑھنے کو کافی بتلاتے ہیں۔ اور دوسری بعد کی دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھے تو حرج نہیں ہے، یہ صورت ظاہر ہے کہ امام صاحب کی طرف صرف امام کے پیچھے بن سکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض بھی کر چکے ہیں (منفرد یا امام کی نماز کے لئے حنفیہ کے نزدیک بھی پہلی دو میں فاتحہ و سورت دونوں واجب ہیں اور آخر دو میں بھی امام صاحب کے ایک قول سے فاتحہ واجب ہے، دوسری میں مستحب ہے) تو اگر سری نماز خلف الامام (ظہر و عصر) میں مقتدی پہلی دو میں کچھ پڑھ لے اور دوسری آخر میں کچھ نہ پڑھے تو اس سے کیا قباحت ہوئی، جبکہ یہی طریقہ حضرت ابو ہریرہؓ ایسے صحابی طویل القدر کا بھی تھا، جو نماز وغیرہ کے احکام پر شتر صحابہ سے زیادہ جانتے تھے۔

## صحابہ و تابعین کا مسلک

اس کے بعد ہم یہاں مزید وضاحت اس امر کی کرتے ہیں کہ صحابہ و تابعین یا سلف و خلف کی رائیں قراءت خلف الامام کے لیے کیا تھیں؟ حافظ ابن تیمیہؒ نے ”تووع العبادات“ ص ۸۶/۸۵ میں لکھا:-

امام کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت کو (تا کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) امام احمدؒ پسند نہیں کرتے تھے، اور نہ امام مالکؒ و ابو حنیفہؒ نے اس کو مستحب سمجھا ہے، اور جمہور نے اس امر کو مستحب نہیں قرار دیا کہ امام سورۃ فاتحہ کے بعد سکوت کرے تا کہ مقتدی قراءت کر لے، اس لئے کہ ان کے نزدیک مقتدی کی قراءت جہری نماز میں نہ واجب ہے نہ مستحب ہے، بلکہ وہ ممنوع ہے، بلکہ امام احمدؒ کے مذہب میں ایک قول پر



اس کی قراءت مہطل صلوٰۃ بھی ہے۔“

نیز لکھا کہ ”جمہور سلف نے جہری نماز میں قراءت خلف الامام کو مکروہ قرار دیا ہے اور اکثر ائمہ فاطحہ کے بعد امام کے سکوت طویل کے قائل نہ تھے اور جو حالت جہری قراءت کرتے تھے وہ کم تعداد میں تھے اور یہ کتاب و سنت سے ممنوع بھی ہے، اور اسی نئی و ممانعت کے قائل جمہور سلف و خلف تھے۔ پھر اس کی وجہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہوا ہے اور بعض علماء اس طرف بھی گئے ہیں کہ حالت جہری میں مقتدی فاطحہ پڑھے، اور اگر نہ پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی یا باطل ہوگی، اس میں ان کا اختلاف ہوا ہے فرض نزاع طرفین سے ہے، لیکن جو حضرات قراءت مع الامام سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کے ساتھ کتاب و سنت صحیح ہے، اور جنہوں نے مقتدی پر قراءت کو واجب کہا ہے ان کے پاس ابوداؤد کی حدیث ضعیف ہے جس کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، اور حدیث ابی موسیٰ میں (جو جمہور کا مستدل ہے) جملہ و اذا قسروا فليصلوا کو امام احمد و اسحاق و امام مسلم وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے، امام بخاری نے اس کی تعلیل کی ہے مگر ان کی تعلیل سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خلاف حدیث ابی عبادہ کے (جس میں لا تعلقوا الاہم القرآن ہے) کہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی ہے اور اس کا ضعیف ہونا چند وجوہ سے ثابت ہو چکا ہے اور درحقیقت وہ حضرت ابوعبادہ کا قول ہے۔“ (یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے) بحوالہ اعلام السنن ص ۱۱۵/۴

افادۃ انور: معارف السنن ص ۱۹۱/۳ میں عنوان ”بیان مذاہب الصحابہ والاتباعین“ کے تحت تفصیل و تحقیق بھی قابل مطالعہ ہے، جس میں اسی (۸۰) صحابہ کبار سے قراءۃ خلف الامام کی ممانعت نقل ہے، اور صحابہ عشرہ مبشرہ سے بھی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سلف میں سے اقل قلیل و جب کی طرف گئے ہیں، ہیں، جیسے کھول۔ اور امام کے پیچھے قراءت کرنے والے بھی اقل قلیل ہی تھے، البتہ سکنت میں پڑھنے والے ان سے زیادہ تھے اور صرف سریہ میں قراءت کرنے والے ان سے زیادہ تھے، اور ان میں ہی وہ بھی تھے کہ کبھی سریہ میں پڑھ لیتے اور کبھی ترک کرتے تھے، پھر فرمایا کہ یہ سب تفصیل سارے آثار صحابہ و تابعین کی تلاش و مراجعت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہی (امام بخاری کی طرح سے) ایک جانب اختیار کر کے اور ایک ذہن بنا کر اپنے موافق آثار نکال لینے سے کچھ نہیں ہوتا، اور حافظ علاء الدین ماردی نے ”الجواہر النقی“ میں اسانید صحاح سے حضرت جابر، حضرت ابن مسعود، زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر کا تعامل عدم قراءت خلف الامام کا محدث کبیر ابن ابی شیبہ، محدث شہیر عبدالرزاق اور حافظ حدیث بزار سے نقل کر دیا ہے۔ ص ۱۹۵/۳ تک تفصیل قابل مطالعہ ہے، پھر حضرت شاہ صاحب کا ارشاد نقل کیا کہ امام بخاری نے بہت سے تابعین کے نام لکھ دیئے ہیں کہ وہ سب بھی قراءت کے قائل تھے، مگر اجمال کر گئے، یہ نہ بتلایا کہ ان میں سے کون جہریہ میں قراءۃ کا قائل تھا اور کون سریہ میں؟ اور علامہ ماردی نے حضرت اسود علقمہ اور ابراہیم نخعی سے قراءت خلف الامام کے لئے جو نبی اور کبیر شہید مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ سے ہوا اسانید قویہ نقل کی ہے، ان اسانید قویہ و اقوال کے بارے میں چونکہ امام بخاری کوئی طعن بھی نہیں کر سکے اس لئے طعن کا دوسرا طریقہ اختیار کیا کہ یہ مضامین جو ان آثار میں ذکر ہوئے ہیں یہ اہل علم کے شایان شان نہیں ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ کسی پر لعنت نہ بھیجو، کسی کو آگ کا عذاب مت دو، اور کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اصحاب نبی کریم ﷺ کے لئے اس طرح کہے کہ اگر وہ امام کے پیچھے قراءت کرے گا تو اس کے منہ میں خاک بھر جائے اس سے بہتر ہے وغیرہ اور یہ بھی کہ حدیث نبوی (باب قراءۃ فاطحہ خلف الامام) ثابت ہو جانے کے بعد اسود وغیرہ کے اقوال سے استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (جز القراءۃ بخاری ص ۷)

افادۃ بخوری: اس پر علامہ بخوری نے لکھا کہ عمل اور ڈرانے میں تو بڑا فرق ہے، لہذا ممانعت تو آگ سے جلانے کی ہے یا کسی کے منہ میں مٹی بھرنا تو ضرور برا ہے مگر اس سے ڈرنا بھی اسی درجہ میں کیسے ہو جائے گا؟ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت علقمہ، حضرت اسود اور حضرت ابراہیم نخعی ایسے جلیل القدر اکابر امت رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کا مطلب بعد کے لوگوں سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے۔ اور وہ احوال صحابہ کرام سے بھی زیادہ واقف تھے۔

ائمہ و تابعین کا مسلک: نیز محقق ابن قدامہؒ نے ”المغنی“ ص ۶۰۴/۱ میں لکھا کہ جب مقتدی قراءۃ امام بن رہا ہو تو اس پر قراءت واجب نہیں ہے نہ مستحب ہے، یہی قول مندرجہ ذیل حضرات کا ہے: امام احمد، زہری، ثوری، امام مالک، ابن عیینہ، ابن مبارک، اسحاق، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، سعید بن جبیر اور جماعت سلف کا نیز دوسرا قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ الخ مذکورہ تفصیل سے امام بخاری کے مبالغات کی نوعیت واضح ہو گئی ہے۔

## تفریق مجموع و جمع مفرق کا اعتراض

امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ ص ۶ میں پھر اپنے سابقہ اعتراض کو دہرایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرض و واجب کو نفل سے بھی کم درجہ کا کر دیا کہ مقتدی کو ثنا کی تواجہات دیدی جو بدرجہ نفل تھی بلکہ بعض حضرات (مالکیہ) کے نزدیک تو نہ وہ امام پر ہے نہ مقتدی کے لئے بلکہ تکبیر تحریر کے بعد وہ فوراً قراءت کے قائل ہیں، اور قراءت فاتحہ جو مقتدی پر بھی فرض تھی اس سے روک دیا گیا، اس طرح گویا ان حضرات نے دو الگ الگ چیزوں کو جوڑ دیا یعنی نفل و فرض کو یکساں کر دیا۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظہر، عصر و عشا کی کسی دو رکعت میں قراءت کرے اور باقی دو میں نہ کرے تو نماز ہو جائے گی، لیکن اگر چار رکعت نفل کی نماز میں کسی ایک رکعت میں بھی قراءت نہ کرے گا تو وہ نماز درست نہ ہوگی، اسی طرح اگر فرض مغرب کی تیسری رکعت میں قراءت نہ کرے تو نماز درست رہے گی اور ترکی تیسری میں نہ پڑھے تو نماز نہ ہوگی، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی رکعت بھی بغیر فاتحہ کے درست نہ ہوگی، آپ نے ہر نماز نفل و فرض کی رکعات کا حکم ایک کیا تھا، امام ابوحنیفہؒ نے الگ الگ کر دیا۔ گویا امام ابوحنیفہؒ اس بات پر بڑے ہی حریص اور ”مولع“ تھے کہ جن چیزوں کا حکم شارع نے ایک کیا ہے، ان کو الگ الگ کر دیں، اور جن کا حکم الگ تھا ان کا حکم ایک کر دیں۔

جواب: ہدایہ وغیرہ تمام کتب فقہ حنفی کی تفصیلات و دلائل سے جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ امام اعظمؒ نے اوپر کے سارے مسائل کا فیصلہ صرف شارع علیہ السلام ہی کی ہدایات کے تحت کیا ہے، اپنی رائے سے کچھ نہیں کیا، اور اگر خدا خواستہ وہ ایسے ہی مخالفت شریعت کے حریص و مشتاق ہوتے جیسا امام بخاریؒ نے خیال کر لیا تھا، تو کیا ہزار ہا اکابر امت محمدیہ ان کے علم و تفقہ کے مداح ہوتے اور ہمیشہ ہر دور میں دو تہائی امت محمدی کے افراد ان کے پیرو ہو سکتے تھے؟

افسوس ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی اور حمیدی و نعیم خزاعی جیسے حضرات اساتذہ امام بخاریؒ نے ان کو امام صاحبؒ سے سخت بدظن کر دیا تھا، اور نعیم خزاعی تو جھوٹ باتیں گھڑ کر بھی امام صاحبؒ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، عبدالرحمن بن مہدی کا واقعہ بھی ہم نے نقل کیا تھا کہ امام صاحبؒ کے فقہ کا نقشہ اس طرح کھینچا کرتے تھے کہ گویا ساری امت کے فقہاء ایک وادی میں ہیں اور امام صاحبؒ سب سے الگ اور تنہا اپنا اونٹ چرا رہے ہیں۔ اس سے بڑا افتراء امام صاحبؒ پر کیا ہو سکتا ہے؟

## فقہ حنفی شوروی و اجتماعی ہے

جس امام اعظمؒ کی فقہ شوروی و اجتماعی تھی اور چالیس اکابر محدثین و فقہاء کی تدوین کردہ۔ اس کی پوری تفصیل ہم نے مقدمہ انوار الباری حصہ اول میں کی ہے اور اس کا بہترین خاکہ مولانا الحرم بخاریؒ نے معارف السنن ص ۲۶۴/۳ تا ص ۲۶۸/۳ میں پیش کیا ہے، اس کی فقہ کو مطعون کیا جائے، بڑا فظلم ہے، اور جس مسئلہ کی بحث اس وقت ہمارے سامنے ہے، یعنی جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام اس کو بھی دیکھ لیا جائے کہ امام اعظمؒ نے جو فیصلہ کیا تھا اسی کو امام مالک، امام شافعی و امام احمد اور دوسرے سارے اکابر امت نے بھی اختیار کیا، اور ان سب سے الگ رہنے والے صرف امام بخاریؒ و ابن حزم یا اس دور کے غیر مقلد اہل حدیث ہیں جو امام کے پیچھے جہری نماز میں بھی قراءت فاتحہ کو

واجب و فرض تلاوت ہیں اور اس کے بغیر نماز مقتدی کو کالعدم اور باطل محض قرار دیتے ہیں۔ پھر جس طرح امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ جزء القراءة میں امام اعظم کے خلاف سخت غضب و غصہ کا اظہار کیا ہے اور طرح طرح سے مطعون کیا ہے، وہی طریقہ غیر مقلدوں کا بھی ہے، آگے امام بخاری ۱۳ صفحہ کے بعد ص ۱۹ میں یہ بھی لکھیں گے کہ امام اعظمؒ خنزیر بری کو حلال کہتے تھے، اور امت مسلمہ میں باہم قتل و خونریزی کو جائز بتلاتے تھے، اور نماز کو ذمہ مسلم پر لازم نہیں سمجھتے تھے، اور برخلاف نص کلام اللہ مدت رضاءت ذہائی سال قرار دیتے تھے۔

سبب طعن و تشنیع: ان سبب مطاعن کا جواب بھی آگے آئے گا، اور پہلے بھی بارہا دیا گیا ہے، غرض یہ ہے کہ امام بخاریؒ معاندین امام اعظمؒ کے غلط پروپیگنڈے سے اس درجہ متاثر ہو گئے تھے کہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری میں تو احتیاط کی ہے، اس کے علاوہ اپنی دوسری تالیفات میں سخت کلامی اختیار کی ہے، اور غیر معمولی برہمی کا اظہار کیا ہے، اسی طریقہ کو غیر مقلدوں نے بھی اپنایا اور یہ نہ دیکھا کہ امام بخاریؒ وغیرہ چند حضرات کے علاوہ ساری امت کے اکابر سلف و خلف نے کیسی کیسی مدح سرائی امام صاحب کی شان میں کی ہے، پھر جن مسائل میں امام صاحب کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین اور اکابر امت بھی ہیں ان میں بھی صرف امام صاحب اور حنفیہ ہی کو مطعون بنانا کہاں کا انصاف ہے!!

ائمہ اربعہ کا اتفاق: ہم پہلے لکھا تھا کہ پوری فقہ اسلامی کے تین چوتھائی مسائل میں سارے ائمہ فقہ کا اتفاق ہے اور باقی چوتھائی میں بھی بڑا اختلاف حلال و حرام یا ممنوع و واجب کا بہت ہی تھوڑے سے مسئلہ میں ہے۔ اور عقائد و اصول میں تو کسی ایک مسئلہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

### مطاعن مذکورہ امام بخاریؒ کا جواب

ہم نے مقدمہ انوار الباری میں امام بخاریؒ کے متعدد بڑے مطاعن کا ذکر کر کے جوابات لکھے تھے، وہاں دیکھے جائیں، مثلاً امام صاحب کو مرجعی قرار دینا، حالانکہ امام صاحب کا مسلک وہی ارجاء اہل سنت تھا، جو تمام اکابر امت اور سلف و خلف کا ہے، وہ اس بارے میں جمہور اہل سنت کے ساتھ ہیں، مگر چونکہ مرجع کی ایک قسم اہل بدعت بھی تھے، اس لئے مطلقاً مرجعی نام دھڑ کر رد کرائی گئی۔

دوسری بڑی منقصت امام بخاریؒ نے امام صاحب کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ لکھی کہ ان کی رائے اور حدیث سے لوگوں نے سکوت کیا، صاحب ذب ذہبات الدراسات علامہ محدث محمد ہاشم سندھی (م ۱۸۹۷ھ) نے یہ جملہ دیکھا تو بڑے تذبذب میں پڑ گئے، انھوں نے لکھا کہ خاتمہ الحمد شین نے اپنی ”عقود“ میں اور دوسرے حضرات نے اپنی مصنفات میں جو امام اعظمؒ کی محدثانہ شان واضح کی ہے، اس سے یہ بات بہ صراحت ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے اکابر محدثین نے امام صاحب کی حدیث اور رائے دونوں کو قبول کیا ہے، لہذا امام بخاریؒ کے حکم یا سکوت کو اگر طعن کے طور پر تسلیم کر لیں تو امام بخاریؒ پر کذب صریح کی بات آتی ہے، جو ان کے شایان شان نہیں، لہذا میرے نزدیک ان کے جملہ مذکورہ بالا کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں نے ان کی حدیث و رائے میں جرح نہیں کی اور اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کے سوا دوسرا مطلب امام بخاریؒ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم ان کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ (ذب ص ۳۰/۲)

اس پر ہمارے مولانا محقق نعمانی دام فیضہم نے حاشیہ میں استدراک کیا کہ یہ تو جیہ درست نہیں ہو سکتی، کیونکہ امام بخاریؒ کا ان جملوں سے جو مقصد ہوتا ہے وہ سب معلوم ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے الباعث الحسین ص ۳۴ میں لکھا کہ خاص لوگوں کی خاص اصطلاحات ہیں ان سے واقفیت ضروری ہے، مثلاً امام بخاریؒ جب کسی کے لئے ”سکتوا عنہ“ لکھیں گے یا ”فیہ نظر“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ان کے نزدیک کم تر اور ادنیٰ مرتبہ کا ہے، چونکہ وہ جرح میں اپنا ایک خاص لطیف مزاج رکھتے ہیں، اس لئے یہ ہیرا یہ اختیار کرتے ہیں، اور اس کو جاننا چاہیے،

علامہ محدث سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۱۲۷ میں لکھا کہ امام بخاریؒ فیہ نظر یا سکتوا عنہ ان لوگوں کے لئے کہتے ہیں جن کی حدیث کو لوگ قبول نہیں کرتے۔

پھر علامہ نعمانی نے لکھا: جو لوگ امام بخاری کی تصانیف میں امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ مطالعہ کریں گے، مثلاً آپ کی تینوں تاریخوں میں یا الضعفاء والحزب وکین میں اور ان تعریضات سے بھی واقف ہوگا جو انھوں نے جامع صحیح اور جزء القراءة خلف الامام اور جزء رفع الیدین میں امام صاحب پر کی ہیں، تو وہ ان کے امام صاحب کے لئے شدت تعصب اور سخت حملوں پر تعجب و حیرت کے بغیر نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مسامحت کا معاملہ کرے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے بطل الیدین میں لکھا: امام ابو حنیفہؒ کے مناقب اور مثالب دونوں ہی لوگوں کی زبانوں پر تھے مگر امام بخاریؒ نے سارے مناقب کو تو نظر انداز کر دیا اور مثالب جمع کر دیے۔

علامہ حافظ ابن رشدؒ نے لکھا: امام بخاریؒ حنفیہ کی بہ کثرت مخالفت کرنے والے تھے (اتحاف شرح احیاء الغزالی ص ۴/۹۴) علامہ زبیلی (صاحب نصب الراية) جن کے بارے میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النلاء ص ۳۶ میں حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا کہ وہ کثیر الانصاف تھے، انھوں نے نصب الراية میں جہر بسم اللہ کی بحث کرتے ہوئے دائرۃ فنی کی پیش کردہ احادیث موضوعہ و ضعیفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: اپنے مختار مسلک کو ثابت کرنے کے لئے ضعیف کو صحیح قرار دینا یا صحیح کو ضعیف و معلول دکھانے کی سعی کرنا اہل علم و انصاف کے لئے کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے، بلکہ اہل علم و دین کی شان تو یہ ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں کسی قسم کا بھی تعصب اور بے انصافی روا نہ رکھیں پھر لکھا:

”احادیث جہر کے ضعیف اور ناقابل عمل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کی روایت سے اصحاب صحاح و سنن و مسانید مشہورہ نے اعراض کیا ہے، اور امام بخاریؒ بھی جن کا مسلک امام ابو حنیفہؒ کے خلاف شدید تعصب اور فرط تحمل (جارجیت) سب کو معلوم ہے کوئی ایک حدیث بھی جہر بسم اللہ کی اپنی صحیح میں نہیں لائے، اور امام مسلم بھی کوئی حدیث نہیں لائے، بلکہ حدیث انس لائے جو انھما پر دال ہے اگر کہا جائے کہ ان دونوں نے ساری احادیث صحاح لائے کا التزام ہی کب کیا ہے؟ اور ممکن ہے کہ متروکہ احادیث صحاح میں احادیث جہر بھی ہوں، لیکن یہ بات ایسے موقع پر کوئی کٹ جھتی ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ جہر بسم اللہ کا مسئلہ اعلام مسائل اور مشکلات فقہ میں سے ہے، جن پر مناظرے اور مباحثے جاری رہے ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے خاص طور سے امام ابو حنیفہؒ کے رد میں بڑا مجمع و یرسج کی ہے، چنانچہ ایک حدیث ذکر کریں گے، پھر امام صاحب پر تقریض کریں گے کہ رسول اکرم ﷺ کا تو یہ ارشاد ہے اور بعض الناس (امام صاحب) ایسا ایسا کہتے ہیں۔ (یعنی حدیث مذکور کے خلاف) اس طرح امام صاحب پر مخالفت حدیث کا طعن اور تشنیع و ملامت کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی حدیث بھی جہر بسم اللہ کی ان کی نظر میں صحیح ہوتی تو وہ ضرور اپنی صحیح بخاری میں لائے۔

امام بخاریؒ نے شروع بخاری میں باب الصلوٰۃ من الایمان قائم کیا پھر احادیث الباب لائے اور ان کا ارادہ امام صاحب کے قول ”ان الاعمال لیست من الایمان کا رد تھا، حالانکہ یہ مسئلہ تو دقیق تھا اور صرف فقہاء کے سمجھنے کا تھا، جبکہ جہر بسم اللہ کے مسئلہ کو عوام و جنال بھی جانتے تھے، لہذا یہ بات تو میرے نزدیک واللہ باللہ ناممکن بلکہ محال ہے کہ امام بخاری کے نزدیک کوئی بھی صحیح حدیث جہر بسم اللہ کی ان کی شرع موافق یا اس سے کچھ قریب بھی ہوتی اور وہ اس کو بخاری میں نہ لائے“ (نصب الراية ص ۱/۲۵۵)

علامہ محدث سخاوی شافعیؒ نے الاعلان بالتوبخ میں لکھا کہ شیخ ابو حیان نے کتاب السنہ میں جو کام بعض ائمہ مجتہدین (امام ابو حنیفہؒ) پر کیا ہے، اور ایسے ہی ابن عدی نے اپنی کامل میں اور خطیب نے اپنی تاریخ میں اور دوسروں نے اس سے پہلے جیسے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور بخاری و نسائی نے بھی جن کو ایسی باتوں سے دور رہنا ہی زیادہ بہتر تھا، میرے نزدیک اس بارے میں ایسے حضرات کا اتباع ہر گز نہ کیا جائے۔ (اب ص ۲/۲۹۸)

حافظ حدیث علامہ صالحی شافعیؒ مؤلف ”السیرۃ الکبریٰ الشامیہ“ نے عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان میں لکھا: میرے عزیز

بھائی! ہرگز ہرگز ان کتابوں کا مطالعہ نہ کرنا جو بعض لوگوں نے کسی امام مجتہد کے مشابہ اور برائیوں میں لکھی ہیں، کہ اس سے تمہارے دلوں میں سے ان اکابر کی عظمت نکل جائے گی، اور تمہارا قدم ہدایت کے راستے پر مستقیم ہو جانے کے بعد پھر سے پھسل جائے گا، اور تم خطیب بغدادی کی ان نقول پر بھی بھروسہ نہ کرنا جو امام ابوحنیفہ کی شان و فہم کے خلاف درج کر دی ہیں، انھوں نے اگرچہ ماضی کے اقوال بھی ذکر کئے ہیں مگر اس کے بعد مذمت کرنے والوں کے ہمنامات بھی نقل کر دیے ہیں جن سے ان کی کتاب کو بڑا ہلکا لگ گیا ہے اور ہر ایک بڑے چھوٹے کو ان کی تاریخ پر اعتراض کا موقع مل گیا ہے۔ درحقیقت انھوں نے یہ مشابہ کا باب درج کتاب کر کے ایسی گندگی پیدا کر دی ہے کہ وہ سات سو برسوں کے پانی سے بھی نہیں دھل سکتی (۔۔ ص ۲۹۹/۲)

علامہ ابن حجر کی شافعی نے ”الخصایر الحسان فی مناقب العسمان“ میں مستقل فصل قائم کر کے خطیب کی چیزوں کا رد کیا ہے اور ان کی اسانید ساقطہ و ضعیفہ کی پول کھول دی ہے۔ اور پھر یہ بھی لکھا کہ اجماعی و اتفاقی مسئلہ ہے کہ اس طرح کسی معمولی مسلم کی آبروریزی بھی جائز نہیں تو ائمہ مسلمین میں سے کسی امام کی تو حین و حقیر کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ (۔۔ ص ۳۰۰/۲)

علامہ محمد ہاشم سندھی نے لکھا کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں دارقطنی و خطیب کی جرح و تحصب کی جرح کہلائے گی، اور وہ اس میں تعصب کی وجہ سے غم ہو گئے۔ لہذا وہ مقبول نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کچھ لوگوں نے امام بخاری پر بھی جرح کی ہے جس طرح جہمین ہاتھب کی جرح کو جہمین کے حق میں قبول نہیں کرتے، امام صاحب کے بارے میں بھی جہمین ہاتھب کی جرح کو قبول نہیں کریں گے (ص ۲۸۳/۲) اس کے بعد ہم جزاء القراء کے مطابق کا مختصر جواب بھی عرض کرتے ہیں:-

خنزیرہ بری کی حلت: علامہ کوثری نے لکھا کہ امام بخاری نے امام اعظمؒ پر ارجاء کا تعین اور خنزیرہ بری کی حلت کا الزام غسان مرجئی اور حموی معتزلی کے اجماع میں لگایا ہے، حالانکہ یہ دونوں ہاتھب غلط اور بے اصل ہیں:-

ارجاء کی بحث تو کئی جگہ اور تفصیل سے آچکی ہے، خنزیرہ بری کی حلت کے بہتان پر حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا:- اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کی لوگوں نے کچھ مسائل میں مخالفت کی ہے مگر اسے علم و فہم اور فقہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، بعض لوگوں نے ان کی طرف ایسی ہاتھب بھی منسوب کر دی ہیں جن سے مقتصدان پر تشبیح ہے، حالانکہ وہ قطعاً جھوٹ اور ان پر بہتان ہیں مثلاً خنزیرہ بری کی حلت وغیرہ (منہاج الدین ص ۱۱/۹)

### شمزوی و ابن عبید کا ذکر

عمرو بن ابی عثمان الشمزوی بقول سعانی معتزلہ کا سرور تھا، جس نے عمرو بن عبید اور واصل ابن عطا سے روایت کی ہے، علامہ نعمانی نے لکھا کہ تعصب کا بھی عجیب معاملہ ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی یہ بھی نہیں دیکھتا کہ جو بات کسی بڑے شخص کی طرف منسوب کی جا رہی ہے، اس میں انتظام، عدم ضب، جہمہ کذب، جہلہ، بدعت، حسد، بغض، مصیبت وغیرہ میں سے تو کوئی نقص یا علت نہیں ہے۔ جبکہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی روایت کو گرا کرنے کے لئے کافی ہے، مگر ایسی کوئی روایت جو امام ابوحنیفہؒ کے مشابہ میں ہاتھب آجائے تو اس کو ضرور معتبر و معتد روایت کی طرح بے تامل نقل کر دیا جاتا ہے۔

کیا اتنے بڑے نام اعظمؒ کے حق میں یہی بات موزوں تھی؟ جس کو ہمیشہ سے امت کے دو ٹوٹ افراد نے اپنے دین اور عقائد و اعمال کے لئے معتد اور ہر جوڑ کیا ہے؟ ان کے بارے میں ہر گری پڑی روایت خواہ وہ کسی کذاب، مرجئی اہل بدعت یا افتراء پر داڑ معتزلی ہی نے گھڑ کر چلائی ہو، قبول کرنا اور اس کو نقل کر کے آگے بڑھنا علم و انصاف کی شان سے بہت بعید ہے۔

یہ رئیس المعتزلیں حمزہ بن عمرو بن عبید (عابد شیوخ الاعتزال) کا شاگرد تھا، اس کا بہتان و افتراء قبول کر لیا گیا حالانکہ خود اس کے استاذ

ذکور کی حیثیت بھی امام اعظم کی وجاہت و جلالت قدر کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی، علامہ آجری نے امام حدیث ابو داؤد سے نقل کیا کہ "ابو حنیفہ ہزار عمرو بن عبید جیسوں سے افضل و بہتر ہیں۔" (تہذیب ص ۸۶۰ ترجمہ عمرو بن عبید)

قابل غور و فکر ہے یہ بات کہ امام بخاری تعصب کی وجہ سے کہاں تک پہنچ گئے کہ شمری کی بات پر امام اعظمؒ کے خلاف اعتقاد کر لیا، اور امام ابو داؤد صاحب سنن ابی داؤد امام اعظمؒ کا کتابیاد امر تبہ و عظمت ماننے ہیں کہ ہزاروں عمرو بن عبید کو بھی ان کے مقابلہ میں نظر انداز کرتے ہیں، جو شمری کے استاد تھے، اور وزیر یمنی جیسے با بصیرت نے پھر بھی دھوکہ کھایا کہ ایک جگہ "نتیجہ الانظار" میں یہ لکھ دیا کہ عمرو بن عبید حفظہ و اتقان میں امام ابو حنیفہؒ سے کم نہ تھے۔ بہر حال! اگر انہوں نے اس بات کو صحیح سمجھ کر ہی کہا تب بھی امام ہمام ابو داؤد کے مقابلہ میں ان کی رائے کا کیا وزن ہو سکتا ہے؟!

### امام بخاری و ابو داؤد کا فرق

امام ابو داؤد سے یہ بھی نقل ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ذکر پر فرماتے تھے رحمہ اللہ اہل حدیث کان اماما (اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحمتیں نازل فرمائے کہ وہ امامت کے مرتبہ پر سرفراز تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ صحیح فرماتے تھے کہ اصحاب صحاح میں سے امام ابو داؤد امام صاحب کی منہ بھر کر تعریف کرتے تھے، نہایت افسوس و رنج ہوتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں امام بخاری کذا جین و وضائین کی جھوٹی خبروں پر مجروحہ کر کے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کر گئے۔

امام بخاری نے شمری معتزل کی بات پر یقین کر لیا، اور یہ نہ دیکھا کہ امام ابو حنیفہؒ نے معتزلہ کے عقائد باطلہ کا رد کیا تھا، اور ان کو اہل اہواء میں قرار دیا تھا اس لئے وہ لوگ عناد و حسد کی وجہ سے امام صاحب کے دشمن تھے اور جھوٹے الزامات امام صاحب پر لگایا کرتے تھے، یہ بھی انہوں نے ہی مشہور کیا تھا کہ امام صاحب اور عمر بن عثمان شمری مکہ معظمہ میں ایک جگہ ملے اور ان کے مابین ایمان کے بارے میں مناظرہ ہوا یہ بھی سراسر جھوٹی روایت امام صاحب کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئی تھی، جس کا ذکر علامہ زبیدیؒ نے اتحاف السادہ میں کیا ہے۔

علامہ زبیدیؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ امام صاحب پر ایسے لوگوں کا جھوٹ کیسے چل سکتا ہے جبکہ ان کے معاصر امام مالک، سفیان، اوذاعی وغیرہ اور پھر امام شافعی، امام احمد، اور ابراہیم بن ادہم جیسے بڑوں نے امام صاحب کی مدح و ثنا کی ہے، اور ان کے معتقد، ان کی فقہ، ورع و زہد، علوم شریعت میں مہارت اور اجتہاد و احتیاط امور دین کے بارے میں بہت کچھ تعریف کی ہے جو کتابوں میں ثابت ہے۔

### مناظرہ امام صاحب و جہم بن صفوان

امام صاحب نے جو مناظرہ جہم بن صفوان سے کیا تھا وہ بھی مشہور و مسطور فی الکتاب ہے، وہ صرف تصدیق قلبی کو ایمان کہتا تھا، امام صاحب نے اس کے ساتھ اقرار باللسان کا ضروری ہونا ثابت کیا تھا، لہذا جن حضرات نے امام صاحب یا امام ابو یوسف کو جہمی سمجھا یا امام بخاری نے امام محمد کو جہمی کہا، یہ سب ان حضرات پر افتراء ہے، ائمہ اربعہ اور ان کے تابعین سب کے عقائد ایک تھے، اس بارے میں ان کے اندر کوئی اختلاف نہیں تھا۔ (حاشیہ ص ۲۷۵)

### مسئلہ خلق قرآن اور امام بخاری کا جواب

امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ ص ۱۹ میں الزام قائم کیا کہ امام صاحب کا عقیدہ امر اللہ من قبل ومن بعد کے مخلوق ہونے کا تھا، اس کے بارے میں محشی علامہ نے لکھا:۔ امام اعظم کی شان رفیع اور ان کا علم و فہم عظیم اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ کلام نفسی باری تعالیٰ کو مخلوق کہیں یا حروف و اصوات اور حافظوں کے دماغوں میں حادث ہونے والے حروف کو غیر مخلوق قرار دیں، اور یہ قرآن مجید تو خدا تعالیٰ کے اوامر و

نوابی کا ہی مجموعہ ہے، امام بیہقی نے اپنی کتاب ”الاسماء والصفات“ میں امام محمدؒ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے ”جو قرآن کو مخلوق کہے اس کے پیچھے نماز مت پڑھو“ اور محمد بن سابق نے امام ابو یوسفؒ سے سوال کیا کہ کیا امام ابو حنیفہؒ قرآن مجید کو مخلوق کہتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا۔ معاذ اللہ! نہ وہ یہ بات کہتے تھے اور نہ میں کہتا ہوں، دوسرا سوال کیا کہ کیا امام صاحب کی رائے جم کے موافق تھا؟ جواب دیا:۔ معاذ اللہ! اور نہ میری رائے یہ ہے، اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

اسکے بعد دوسری روایت ذکر کی کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا میں نے ایک دفعہ امام صاحب سے قرآن مجید کے قلوب و غیر قلوب ہونے کے بارے میں گفتگو کی تو ہم دونوں کی رائے اس امر پر متفق ہو گئی کہ جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۱۳۵ طبع مصر)

### امام ابو حنیفہ کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ حنبلی کی رائے

حافظ ابن تیمیہؒ نے کتاب الایمان میں لکھا:۔ خدا کی بڑی رحمت و فضل ہے اپنے مسلمان بندوں پر کہ سارے وہ ائمہ جن پر امت مسلمہ کا مکمل اعتماد و اطمینان ہے اور ان کی بات مانی جاتی ہے، ائمہ اربعہ وغیرہم جیسے امام مالک، ثوری، اوزاعی، لیث ابن سعد، اور جیسے امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو عبیدہ، امام ابو حنیفہ، ابو یوسف و محمد، یہ سب ہی فرقہ جمیہ کے اہل کلام پر تکبیر و رد کرتے رہے ہیں، ان کے عقیدہ خلق قرآن کے بارے میں بھی اور ایمان و صفات باری کے متعلق بھی۔ اور یہ سب ہی حضرات ان امور پر متفق تھے جو سلف سے منقول تھے۔ (ص ۶۳۱/۶۳۲ طبع مصر)

### امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ

پھر خود امام احمدؒ جو مسئلہ خلق قرآن کے فتنہ میں جلا ہوئے اور حکومت وقت سے سخت تکالیف بھی اٹھائیں، ان کے حالات سب کو معلوم ہیں اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ جو قرآن کو مخلوق کہتا تھا امام احمدؒ اس کے شدید مخالف تھے، لیکن وہ بھی امام ابو حنیفہ کو امام بخاری والے اوپر کے اہتمام سے بری سمجھتے تھے اور یوں بھی امام صاحبؒ کی نہایت تعظیم کرتے تھے انفس ہے کہ امام بخاری نے اپنے استاذ معظم امام احمدؒ کا بھی اس بارے میں کچھ خیال نہیں کیا۔ علامہ طوئی حنبلی نے شرح مختصر الروضہ میں اصول متناہلہ کے ذکر میں لکھا:۔

### امام ابو حنیفہ کے لئے علامہ طوئی حنبلی کا خراج عقیدت

”امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو کچھ لوگوں نے کہا اور ان کو بہت سے امور کے ساتھ متہم کیا، واللہ میں ان کو ایسی تمام باتوں سے بری اور منزہ سمجھتا ہوں، اور امام صاحب کے بارے میں میری قطعی رائے یہ ہے کہ انہوں نے کسی مسئلہ میں بھی جان بوجھ کر یا عناداً سنیہ نبویہ کی مخالفت نہیں کی ہے، اگر کہیں مخالفت ہوئی ہے تو وہ اجتہادی مسائل میں اور وہ بھی واضح حجتوں اور صالح و روشن دلائل کے ساتھ ہوئی ہے، اور ان کی حج و دلائل سب لوگوں کے سامنے موجود ہیں، لیکن ان کے مخالفین میں کم ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے انصاف سے کام لیا ہو، جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بہ صورت خطا بھی امام صاحب کے لئے ایک اجر ہے اور صواب میں دو اجر ہیں، ان کے بارے میں طعن کرنے والے یا تو حاسد ہیں یا ان کے مواقع اجتہاد سے ناواقف و جاہل ہیں، پھر لکھا کہ امام احمدؒ سے جو آخری رائے اور فیصلہ امام صاحب کے بارے میں ہمیں پہنچا ہے وہ ان کی شان میں بہتر اور مدح و ثناء ہی کا ہے جس کو ہمارے اصحاب میں سے ابو الورد نے کتاب اصول الدین میں ذکر کیا ہے۔ (ماہیہ زم ص ۵۷۷)

علامہ کوثریؒ نے بھی تانیہ ص ۱۴۴ میں اس کو نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا کہ امام احمدؒ نے مسائل کتب ابی حنیفہ میں سے صرف چند مسائل سے اختلاف کیا ہے جو امام شافعیؒ وغیرہ کے اختلاف سے بہت کم ہے۔ اور لکھا کہ شواہد اس پر دال ہیں کہ امام احمدؒ نے اہمات مسائل خلاف میں امام ابو حنیفہؒ کی متابعت کی، علامہ خوارزمیؒ نے جامع المسانید ص ۱۸۶ میں یہ بھی لکھا کہ اصول المسائل میں سے میں نے ایک سو پچیس

سکے ایسے جمع کئے ہیں، جن میں امام احمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کی ہے اور امام شافعیؒ نے ان میں مخالفت کی ہے (اس کے باوجود دور حاضر کے متابعین کا مخالفین امام احمدؒ (غیر مقلدین) سے قرب اور ہم سے بعد موجب حیرت ہے)

علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ مفتی ابن قدامہؒ بھی اس کے لئے کافی دلیل و شاہد ہے اور الانصاح لابن ہبیرہ وزیر حنبلی بھی باوجود مختصر ہونے کے اس کا اچھا ثبوت ہے۔ پھر علامہ کوثریؒ نے یہ بھی حوالہ دیا کہ میں نے بلوغ الامانی میں امام احمدؒ سے امام صاحب کے بارے میں مختلف روایات کے اسباب و وجوہ پر بحث کر دی ہے اور الاختلاف فی اللفظ کے حاشیہ میں بھی ان کو واضح کیا ہے۔

علامہ محمد ہاشم سندتیؒ نے ابوبکر مروزی سے نقل پیش کی کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک یہ بات صحت کو نہیں پہنچی کہ امام ابوحنیفہؒ قرآن کو قلوبی کہتے تھے۔ اس پر میں نے کہا کہ ایسا ہے تو خدا کا بڑا شکر ہے۔ وہ (امام ابوحنیفہؒ) علم کے بھی بڑے مرتبہ پر فائز تھے، امام احمدؒ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا کہنا، وہ تو علم و ورع، زہد و ایثار و رادار آخرت، کے اعتبار سے ایسے مقام پر تھے، جس کو دوسرا کوئی نہیں پہنچ سکتا، ان کو کوڑوں سے مارا گیا تاکہ خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے پیش کی ہوئی قضا کو قبول کر لیں مگر انھوں نے اس کو رد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور رضوان ان کو حاصل ہوں (ذب ص ۶۰/۲)

علامہ سندتیؒ نے یہ بھی لکھا کہ میں تو امام بخاری کی کتاب الایمان کے طرز و طریق کے ظاہر سے متاثر ہو کر ان کو بھی بعض لوگوں نے اہل اعتزال میں شمار کر دیا ہے، حالانکہ وہ ان سے اور ان کے مسلک سے قطعاً ہیروید تھے، بلکہ ایمان و غیرہ کی مسئلہ میں بھی معتزلہ کے ہمواد ہم عقیدہ نہیں تھے۔

اسی طرح ہم اہل سنت و الجماعت کی تعداد کثیر کے سردار و امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کے کسی کلام سے اگر کسی نے غلط فہمی کی وجہ سے، بلا تحقیق کے کوئی بات منسوب کر دی ہے، مثلاً اور جاہ وغیرہ، تو امام صاحب بھی یقیناً امام بخاری کی طرح بری ہیں۔

### حنفی و حنبلی مسلک کا تقارب

آگے بڑھنے سے قبل ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین انوار الباریؒ کئے ہنوں میں یہ بات تازہ کر دیں کہ جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا حنفی مسلک امام احمدؒ کے مسلک سے قریب تر ہے، اور وہ بدعت و شرک کے بارے میں تو شافعی و مالکی مسلک کے اعتبار سے بھی زیادہ موافقت و مراقت حنبلی مذہب کے لئے حنفی مسلک کو حاصل ہے، اور حنبلی مسلک کے بعد مالکی ہم سے زیادہ قریب ہیں، پھر شافعی کہ وہ فروغ میں کچھ زیادہ ہم سے الگ ہوئے ہیں، لیکن اصول و عقائد کے باب میں چاروں مسلک متحد و متفق ہیں، اور اس وقت جو علماء نجد نے باوجود حنبلی المسلک ہونے کے علامہ ابن تیمیہؒ کے تفروات اصول و فروغ کو اختیار کر کے امام احمدؒ کے مسلک اور ارشادات سے اعتراض کی صورت اختیار کر لی ہے وہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ پوری دنیا کے اسلام کے با احساس اور متیقظ علمائے اسلام و عوام کے لئے سخت تکلیف و تشویش کا موجب بن گئی ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔ و یمدھ لزمۃ الامور۔ علیہ توکل و الیہ ینیب۔ وما تو لیفینا الا باللہ العلی العظیم۔ ہو حسبننا و نعم الوکیل۔

### امام صاحب کی مدت رضاعت پر اعتراض کا جواب

امام بخاریؒ نے جزاء القراءت ص ۱۹ میں لکھا کہ امام ابوحنیفہؒ نے مدت رضاعت اُحائی سال قرار دے کر نص قرآنی کا خلاف کیا ہے۔ امام مجتہد ابوبکر جصاص نے اپنی تفسیر ”احکام القرآن“ میں اس کا جواب یوں دیا کہ لفظ اتمام مانع زیادت نہیں ہے کیونکہ نص قرآنی نے ایک آیت میں وحملہ و فصالہ ثلاثون شهراً بتلایا اور دوسری میں و فصالہ فی عامین ارشاد کیا، دونوں نے صراحت کر دی کہ مدت حمل ۶ ماہ ہے، حالانکہ زیادہ بھی ہوتی ہے اور ۶ ماہ کم سے کم مدت بتلائی ہے، تو جس طرح یہاں ۶ ماہ کی نص قرآنی پر زیادتی جائز ہے۔ اسی طرح مدت رضاعت کی زیادتی بھی ممنوع ہوگی۔



دوسرے یہ کہ یہاں مقصود اجرت رضاعت کا بیان ہے کہ دو سال سے زیادہ پر شوہر کو مجبور نہیں کر سکتے، لیکن وہ خود دونوں زیادتی پر فیصلہ کر لیں تو وہ بھی جائز ہوگی جو آیت طہان ارادہ فصلا اور دوسری آیت توان اردسم ان تسعوا سے ثابت ہوئی لہذا مدت رضاعت وہی شرعاً ثابت ہوگی، جس پر زیادہ کی حد تک متفق ہوں، اور وہ ڈھائی سال ہے اس سے زیادہ کسی کے یہاں بھی نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے طہان ارادہ فصلا فرمایا، اگر فصال کی مدت دو سال تک محدود ہوتی تو وہ متعین تھی، دو سال کے بعد ان کے ارادہ پر کیوں رکھا جاتا، اور فصال کو کمرہ لائے، الفصال نہیں فرمایا، جس دو سال پر فصال معبود شرعی مراد ہوتا، اس سے بھی ظاہر ہوا کہ دو سال رضاعت کی مدت مقررہ شریعہ نہیں ہے۔ اس سے آگے ڈھائی سال تک بکری شرعی مدت ختم ہوگی۔

### امت پر تلوار کا اعتراض و جواب

امام بخاریؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ امت میں قتل و قتال اور خون ریزی کرانے کا قائل تھے۔ جواب یہ ہے کہ امام صاحب کا مسلک یہ ضرور تھا۔ اہل حق کو اہل باطل کے خلاف تلوار ضرور اٹھانی چاہیے تاکہ باطل پر جمود کرنے والے حق کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوں، علامہ ابو بکر صامی نے احکام القرآن میں لکھا کہ "امام صاحب کا مذہب ظالموں اور ائمہ جور سے قتل کرنے کا مشہور تھا۔"

اسی لئے امام اوزاعی نے کہا کہ ہم کو امام ابو حنیفہ نے ہر بات پر آمادہ کر لیا تھا، تا آنکہ وہ تلوار تک بھی آگئے، یعنی ظالمہا مکوں سے قتل کے لئے حکم دیا تو ہم اس کا قتل نہ کر سکے۔ وہ فرماتے تھے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اولاد زبان سے فرض ہے، پھر اگر وہ لوگ نہ مانیں تو تلوار سے ان کو درست کیا جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔

امام صاحب نے جو معاملہ حضرت زید بن علیؒ کے ساتھ کیا وہ بھی مشہور ہے کہ ان کی خفیہ طور سے نصرت کی اور ان کی مالی امداد بھی کی، اور ایسے ہی حضرت عبداللہ بن حسن کے صاحبزادے حضرت محمد داہر اہم کی بھی نصرت کی تھی۔

ایما علیؒ فرامی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے کہا آپ نے میرے بھائی کو ہمارا جہیم کے ساتھ لٹکنے کا مشہدہ کیوں دیا کہ وہ قتل کیا گیا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ تمہارے بھائی کا ان کے ساتھ لٹکنا تمہارے لٹکنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ یہ ایما علیؒ قاتل ظلمہ سے بچنے کے لئے بصرہ چلے گئے تھے۔

اس کے سوا بھی امام صاحب کی تلقین قاتل ظلمہ و اہل جور کے واقعات قتل کر کے آخر میں لکھا کہ درحقیقت اس دور میں امام صاحب کے خلاف "ہمیری السیف علی الامۃ" کا اعتراض ان بھولے بھالے غیر سیاسی شعور والے اہل حدیث نے چلایا تھا، جنہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اسلامی معاملات پر ظالموں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ کیونکہ ان کی مقاومت و مقابلہ مفلوج ہو گیا تھا۔ (۔۔۔ ص ۸۱/۱)

(۱) اور اک رکوع سے رکعت نہ ملے گی:۔ امام بخاریؒ نے ص ۱۹ میں لکھا کہ ایسے لوگ جو مدت رضاعت کا تعین نص قرآنی کے خلاف کرتے ہیں اور خنزیر بری کو حلال کہتے ہیں اور امت مسلمہ کے درمیان قتل و قتال اور خون ریزی کو محبوب رکھتے ہیں اور خلف قرآن کے قائل ہیں اور ان سب چیزوں کو اجماعی و اتفاقی مسائل بتلاتے ہیں، اور اپنے مقابلہ میں قول رسول اللہ ﷺ پر اعتماد کر کے قراءت فاتحہ کو ضروری و فرض قرار دینے والوں کو غلطی پر بتلاتے ہیں کیا واقعی ایسے لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرنا صحیح ہو سکتا ہے، خاص طور سے جبکہ وہ لوگ مسلمانوں کی عزت و جان و مال وغیرہ کے ضائع کرنے کو بھی مباح جانتے ہیں؟ اور یہ لوگ اس مسئلہ کو بھی اجماعی و اتفاقی بتاتے ہیں کہ بغیر قراءت کے امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے سے وہ رکعت مل جاتی ہے، اور جو یہ کہتا ہے کہ رکوع کا اعتبار جب ہی ہے کہ قراءت کے بعد امام کے رکوع میں شریک ہو،

ور نہ وہ رکوع رکعت نہ بنائے گا تو اس کو کہتے ہیں کہ وہ اہل نظر میں سے نہیں ہے، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید بتلاتے ہیں کہ کوئی رکوع نہ کرے جب تک فاتحہ نہ پڑھ لے، اور سب اہل صلوٰۃ کا سارے اسلامی شہروں میں بسنے والوں کا اجماعی فیصلہ ہے کہ نماز بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی، اور قرآن مجید میں بھی صراحت ہے کہ جتنا آسان ہو وہ ضرور پڑھو، ہر منصف کا فرض ہے کہ وہ انصاف سے فیصلہ کرے کہ انکل سے باتیں کرنے والے جو اپنے کو اہل علم سمجھتے ہیں، صبح راستے پر ہیں، یا یہ جو قرآن وحدیث اور سارے مسلمانوں کے نزدیک تسلیم شدہ حقیقت پر عامل ہیں؟!

(۲) خطبہ کے وقت نماز کا جواز:- اس کے بعد امام بخاری نے ص ۱۹ میں ہی لکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ آیت قرآن مجید "لما سمعوا اللہ کی وجہ سے امام کے پیچھے قرائے جائز نہیں، پھر یہ سکات امام کی بھی لگی کرتے ہیں، تو ان سے ہم کہیں گے کہ حضرت ابن عباس وسعد بن جبیر سے تو یہ نقل ہوا ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے جبکہ جمعہ کے دن امام خطبہ پڑھا ہو، دوسری طرف حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی ہے کہ کوئی نماز بغیر قرائے کے صحیح نہ ہوگی، پھر یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے خطبہ کی حالت میں کلام کرنے سے بھی روک دیا اور فرمایا کہ امام کے خطبہ کی حالت میں تم اگر دوسرے کو یہ بھی کہو گے کہ چپ رہو تو یہ بھی لغو ہوگا لیکن ان سب کے باوجود حضور علیہ السلام نے خطبہ کی حالت میں مسجد آنے والے کو دو رکعت پڑھنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ جب ایسا ہی ہے تو ہم بھی قرائے خلف الامام کو نہیں روک سکتے۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنے عمل سے بھی بتلادیا کہ خطبہ کی حالت میں نماز جائز ہے کیونکہ سلیک غلط فانی کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

### (۳) احادیث اتمام سے وجوب قرائے خلف الامام کا ثبوت

امام بخاری نے ص ۲۰ میں لکھا کہ متعدد اہل علم کا قول ہے کہ ہر مقتدی اپنے فرائض ادا کرے گا، اور قیام، قرائے، رکوع و سجود سب فرض ہیں اسی لئے ان کے نزدیک بھی رکوع و سجود مقتدی سے کسی حال میں ساقط نہ ہوگا لہذا قرائے کا بھی یہی حکم ہوتا چاہئے کہ وہ کسی حال میں بھی مقتدی سے ساقط نہ ہو والا یہ کہ کتاب وسنت ہی سے اس کا ساقط ہونا ثابت ہو، اور حدیث نبوی سے یہ ثابت ہوا کہ جب تم نماز کو پہنچو تو جتنی امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اس کو خود پورا کر لو۔ لہذا جب کسی سے قرائے یا قیام کا فرض رہ جائے تو اس کو بھی خود پورا کرے گا، جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اسکے بعد امام بخاری نے ص ۲۳ تک احادیث وآثار ذکر کئے ہیں، جن میں سے کسی میں یہ ہے کہ جو امام کے ساتھ رہ گیا اس کو پورا کرے اور کسی میں ہے کہ جو رہ گیا اسے بعد کو ادا کر لے۔

امام بخاری ان آثار سے اپنا خاص مسلک یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی رکوع میں ملتا تو اس کی رکعت نہیں ہوئی، کیونکہ اس سے قیام و قرأت رہ گئی، لہذا اس رکعت کے لئے قیام و قرائے بعد کو کرے گا، جب رکعات پوری ہوں گی، اس کے لئے انہوں نے نئی جگہ حضرت ابو ہریرہ کو بھی ہموا ثابت کیا ہے، حالانکہ وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ رکوع امام سے قبل اس کے قیام میں ملنے سے رکعت طے کی خواہ قرائے نہ بھی کر سکے۔ ان کے سوا سب کے نزدیک بالاتفاق بغیر قیام کے شمول کے بھی صرف رکوع میں شامل ہونے سے رکعت مل جاتی ہے۔

### (۴) من ادرک رکعة سے استدلال بخاری

ص ۲۴ میں امام بخاری نے حدیث ابی ہریرہ من ادرک رکعة من الصلوة فقد ادرک الصلوة سے استدلال کیا اور اس کو مختلف طرق و متون کے ساتھ نقل کیا اور اس ضمن میں دوسری چیزیں بھی ثابت کیں مثلاً یہ کہ حضرت ابو ہریرہ کی مراد رکعت سے رکوع نہ تھی، اور جس روایت میں ایسا کوئی جملہ نقل ہوا ہے وہ بے وجہ بے معنی ہے، یہ بھی لکھا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کی بہت سی روایات اس لئے نقل کی ہیں کہ بقول ظلیل بار بار اور زیادہ کلام سے بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے، اور کسی بات کی اگر غرض و غایت بھی بیان کر دی جائے تو وہ

بات خوب یاد رہتی ہے، پھر یہ کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد تو رکعت کے لئے ہے رکوع کے لئے نہیں ہے۔ نہ آپ نے رکوع، سجود و تشهد کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے ان کو پالیا اس نے رکعت پالی، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان سے نماز خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے، اور حضور علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو نماز خوف کی ایک رکعت پڑھائی، پھر دوسروں کو دوسری رکعت پڑھائی پس جو شخص امام کے ساتھ نماز خوف کے صرف رکوع و سجود کو پائے گا اور وہ رکعت ہوگی تو اس نے اپنی نماز میں پوری طرح قیام نہیں کیا اور نہ اس نے قرائۃ کا کچھ حصہ پایا، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد تو یہ ہے کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ "جذاج" ہے۔ اور آپ نے کسی ایک نماز کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ اور ابو عبیدہؓ نے کہا کہ "اخیر جت النافۃ" کہا جاتا ہے جبکہ وہ اونٹنی بچڑا لے دے، اور ڈالا ہوا بچہ مردہ کسی کام کا نہیں۔ (یعنی اسی طرح بغیر فاتحہ کے نماز باطل و بے سود ہوگی) جیسا کہ اس زمانہ کے غیر مقلدین بھی امام بخاری کی زبان میں باطل و کاہنہ کہتے ہیں۔

آگے لکھا کہ وتر میں بھی ایک ہی رکعت ہے، جیسا کہ اہل مدینہ کے فعل سے ثابت ہے، لہذا جس کو وتر کی رکعت کا قیام و قرائۃ نہ ملے گی اس کی نماز بھی بلا قرائۃ کے ہوگی اور وہ بھی حضور علیہ السلام کے ارشاد "لا صلوة الا بفاتحة الكتاب" کی وجہ سے صحیح نہ ہوگی۔ الخ تا ص ۲۸۸ گئے نمبر وار جواب ملاحظہ ہوں:-

### (۱) ادراک رکوع سے ادراک رکعت کا مسئلہ اور امام بخاری کا جواب

تمام حضرات صحابہ و تابعین، ائمہ اربعہ مجتہدین اور جمہور محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ امام کے ساتھ رکوع ملنے سے وہ رکعت مل جاتی ہے لیکن امام بخاریؒ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے، لہذا سارے رسالے قرائۃ خلف الامام میں جگہ جگہ اس کی جگہ چسپی ہے، اور طرح طرح سے نقلی و عقلی استدلال کر کے اپنی بات منوانے کی سعی کی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویہ احادیث میں ادراک رکعت سے بھی استدلال کیا، اور ایک روایت ان سے ص ۳۰ میں قبل باب الفرائض فی الادب کلھا یہ بھی لائے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا جب تم قوم کو رکوع میں پاؤ تو تمہاری یہ رکعت محسوب نہ ہوگی، لیکن یہ روایت قابل استدلال نہیں، اولاً:- اس روایت میں ایک راوی معقل بن مالک ہیں، جس کو علامہ ابوالفتح ازہویؒ نے متروک قرار دیا (میزان ص ۳۱۸۵ و تہذیب ص ۱۲۳۳) ثانیاً:- اس کی سند میں محمد بن اطلق ہے، جس پر علماء رجال نے سخت نقد و جرح کی ہے۔ اور حدیث عبادہؓ بھی اسی راوی ضعیف کی وجہ سے گری ہے۔

جس کی بحث بہت مشہور ہے اور خود امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس کی حدیث لا کر استدلال نہیں کیا، حالانکہ جیسا طویل و عریض دعویٰ امام بخاریؒ نے خاص طور سے جبری نماز کے لئے بھی وجوب قرائۃ خلف الامام کا کیا ہے، اس دعوے کے ثبوت میں امام بخاریؒ کو یہ حدیث ضرور لانی تھی، مگر انہوں نے صحیح کا معیار قائم رکھا کہ ایسے ضعیف راویوں سے احادیث نہیں لائے، یہ امام بخاریؒ کی بہت ہی بڑی مضبوط حریت ہے، اگرچہ ان جیسے امام المحدثین اور عظیم و جلیل شخصیت سے صحیح بخاریؒ سے باہر بھی دوسرے رسالوں میں گری پڑی اور ضعیف و ساقط روایات سے اپنی الگ مجتہدانہ رائے ثابت کرتا اور امام اعظم و اکابر حنفیہ پر قریضات کرتا اور غلط باتیں بھی بے سند صحیح و قوی ان کی طرف منسوب کر دینا کسی طرح بھی ان کے شایان شان نہ تھا۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کا معمول تھا کہ غیر حنفی اکابر پر بھی نقل مذہب حنفی میں اعتماد فرما لیتے تھے، اب اگر کوئی شخص امام بخاریؒ کی عظیم و جلیل شخصیت پر اعتماد کر کے یہ باور کرے کہ واقعی امام اعظم ابو حنیفہؒ نے خنزیر بری کے لئے لا ہاس بہ کہہ دیا ہوگا، جیسا کہ امام بخاریؒ نے بلا تحقیق اس کو اپنے رسالہ جزء القرائۃ میں نقل کر دیا، تو اس کا کتنا بڑا ضرر امشب مسلک کو پہنچ سکتا ہے جبکہ اس بات کو ایک معتزلی عقیدہ والے

چھوٹے مفتزی نے امام اعظم کو بدنام و رسوا کرنے کے لئے کھڑا تھا۔

حالات: محمد بن اطلق مدلس ہیں اور مدلس کا معنی مقبول نہیں ہوتا، یہاں امام بخاری کی پیش کردہ روایت میں ان سے معنیٰ بھی موجود ہے۔  
 رابعاً: یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف ہے، اور موقوف صحابی جب کسی مرفوع حدیث کے خلاف ہو تو وہ بھی ناقابل عمل ہوتی ہے۔

### حدیث ابی بکرہ بخاری

اس کے مقابلہ میں حضرت ابو بکرہؓ کی مرفوع روایت خود صحیح بخاری کی موجود ہے، جس کو دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے اور بخاری میں اسی زیر بحث باب سے دو ورق بعد ص ۱۰۸ میں حدیث نمبر ۴۴۷ حضرت ابو بکرہؓ ہی کی ہے، اور خود امام بخاری نے اس کا باب اذا رکع دون الصف باندھا ہے۔ یعنی کوئی صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر کے جماعت میں شامل ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔

اس میں ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ مسجد نبویؐ میں پہنچے، حضور علیہ السلام رکوع میں جا چکے تھے (حضرت ابو بکرہؓ نے سوچا ہو گا کہ صف تک پہنچنے میں حضور رکوع سے سر مبارک اٹھالیں گے لہذا) صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا، حضور علیہ السلام نے نماز کے بعد ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی نیکی پر حریص کرے۔ مگر پھر ایسا نہ کرنا۔ (کیونکہ نماز کا ادب یہی ہے کہ اطمینان سے صف تک پہنچ کر امام کے ساتھ جس حالت میں بھی وہ ہو اس کے ساتھ شامل ہو جائے)۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے، رکوع میں شامل ہوئے تھے اور ان کے رکوع کو رکعت کے لئے صحیح مان لیا گیا، اگر وہ صحیح نہ ہوتا اور امام بخاری کی بات درست ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت ابو بکرہؓ سے اس رکعت کا اعادہ کراتے۔

اس حدیث میں جو حضور علیہ السلام نے آخری کلمہ لاتعد ہے، (کہ پھر ایسا نہ کرنا کہ نماز جماعت کے لئے تاخیر سے آؤ، اور صف سے پہلے ہی رکوع کر لو) یہ کلمہ لاتعد بھی نقل ہوا ہے جیسا کہ امام نووی اور حافظ ابن حجر نے ذکر کیا (حاشیہ مشکوٰۃ نووی وفتح الباری ص ۱۸۴۳) اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ تیسری روایت لاتعد کی ہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر نہ آیا کرو۔

### اکابر صحابہ کا مسلک

امام بیہقی نے لکھا کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو بکرہؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ بڑی محنت و مشقت سے رکوع طے کی کوشش کیا کرتے تھے، یہ بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت مل جاتی ہے۔

### دوسری مرفوع حدیث

امام بیہقی نے ایک مرفوع روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی نقل کی ہے کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔ (سنن کبریٰ ص ۲۱۹۰) نیز اسی مضمون کی ایک اور حدیث مرفوع بھی امام موصوف نے نقل کی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا بھی اسی پر عمل تھا (الادب المفرد ص ۱۵۳)

مذکورہ بالا حدیث ابی بکرہؓ سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ کی قرائت واجب و ضروری نہیں ہے، اور اسی حدیث سے جمہور اہل اسلام اور ائمہ اربعہ نے مد رک رکوع کے مد رک رکعت ہونے پر استدلال و احتجاج کیا ہے۔

### ابن حزم کی تائید

علامہ ابن حزم نے ایک موقع پر حضرت ابو بکرہؓ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ یہ فعل اور عمل آں

آخری مل ہے، کیونکہ اس میں ابوبکر موجود تھے، اور وہ فتح مکہ اور حنین کے بعد طائف کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ (محل ص ۱۲۴۷)  
دوسرا استدلال حضور علیہ السلام کے مرض و فات والی حدیث سے بھی بہت قوی ہے کہ وہ بھی حضور علیہ السلام کا آخری عمل تھا، جس میں آپ حجرہ مبارک سے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے، وہ پیچھے ہٹ آئے اور حضور علیہ السلام نے وہیں سے قرائۃ شروع فرمادی جہاں تک حضرت ابوبکر پڑھ چکے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۸۸)

اور مسند احمد ص ۱۲۰۹ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورت کے اسی مقام سے قرائۃ شروع کی جس تک حضرت ابوبکر پڑھ چکے تھے۔ سنن کبریٰ ص ۸۱/۳ میں ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے اس حصہ سے قرائۃ شروع کی جس تک حضرت ابوبکر قرائۃ کر چکے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا کہ مسند احمد وابن ماجہ کی سند قوی ہے (فتح ص ۵۱۶۲۹) ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر فاتحہ پوری پڑھ چکے تھے اور آگے سورت پڑھ رہے تھے کہ حضور تشریف لے آئے، اور بالفرض اگر تھوڑی ہی فاتحہ پڑھ چکے تھے، جب بھی جن کے نزدیک پوری فاتحہ کے بغیر رکعت نہیں ہوتی، حضور علیہ السلام سے پوری فاتحہ یا کچھ رہ گئی، تو وہ اس نماز سے کیا کہیں گے؟ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ حضور علیہ السلام کی نماز بھی خدانہ کردہ کا عدم اور باطل ہو گئی تھی، لہذا ان کو بھی مان لینا چاہئے کہ امام کے پیچھے قرائۃ فاتحہ ضروری یا واجب نہیں ہے۔ پھر متبعین امام بخاری کو تو اوپر کی دونوں حدیثوں کی وجہ سے فاتحہ خلف الامام کے وجوب سے رجوع کر لینا ہی چاہئے، کیونکہ امام بخاری صحیح بخاری کے باب انما جعل الامام لیؤتم بہ کے آخر میں ص ۹۶ پر فرما چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے الاخر فالآخر فعل پر ہی عمل کرنا چاہئے۔

غرض جمہور سلف و خلف کا مسلک جس طرح احادیث نبویہ اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہوا، حضور علیہ السلام کے آخری فعل و عمل سے بھی مؤید ہو گیا۔ (احسن الکلام ص ۱۵۲)

## امام بخاری کے دوسرے دلائل

امام ہمام نے کئی جگہ حضرت ابو ہریرہؓ کے موقوف آثار اس بارے میں بھی پیش کئے ہیں کہ ان کے نزدیک رکوع جب ہی رکعت بنائے گا جبکہ امام کے ساتھ رکوع سے قبل قیام کے اندر ہی مل جائے، لیکن ان کی سند میں بھی محمد بن اسحاق ہے اور سند بھی ہے، دوسرے یہ کہ خود حضرت ابو ہریرہؓ ہی سنن بیہقی ص ۲۱۹۰ میں حدیث مرفوعہ کے راوی ہیں کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اس نے وہ رکعت پالی، تو وہ اپنی روایت کردہ حدیث مرفوعہ کے خلاف کیوں کرتے اور قیام میں ملنے کی قید اپنی طرف سے بڑھا دیتے، یہ بات بہت مستبعد ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے رکوع پانے کے لئے قیام کی حالت میں ملنے کی قید کو بطور احتیاط کے فرمایا ہو، پھر یہ کہ امام بخاری کا مقصد تو ان کی قید مذکور سے بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے کوئی قول ایسا کہیں مروی نہیں ہوا کہ رکوع سے پہلے مقتدی امام کے ساتھ اتنا پہلے مل جائے کہ فاتحہ بھی پڑھ لے۔ اور جب یہ نہیں تو بار بار ان کی روایت لانے سے کیا فائدہ ہوا؟ حاکم ضعیل نے یہ کب کہا تھا کہ آدمی بات کو بار بار دہراتے رہو تو اس سے تمہارے دل کی ساری بات کسی کے دل میں اتر جائے گی، بغیر اس کے کہ اس پوری کاثبت خارج میں موجود ہو۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول بھی اپنی تائید میں پیش کیا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کسی کو رکوع نہیں کرنا چاہئے، مگر اس سے بھی امام کو کچھ فائدہ نہ ہوا، کیونکہ اس میں راوی متکلم فیہ ہیں، اور یہ بھی موقوف اثر ہے، پھر اس میں مقتدی و امام کا کچھ ذکر نہیں، اور اس سے کس کو انکار ہے کہ مفرد پر تو بہر حال یہ لازم ہے کہ وہ پہلے سورۃ فاتحہ پڑھے اس کے بعد رکوع کرے۔

امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ میں حضرت مجاہدؒ کا بھی ایک موقوف اثر پیش کیا کہ کوئی شخص سورۃ فاتحہ پڑھنا بھول جائے تو اس رکعت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، مگر اس روایت میں لیٹ ہے جو ضعیف ہے۔ (دارقطنی ص ۱۱۲۶)

الغرض کتب حدیث میں کوئی صحیح صریح مرفوع روایت ایسی موجود نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونے والے کی وہ رکعت قابل اعتبار نہیں ہے، اور اس کے برخلاف صحیح مرفوع احادیث سے اور جمہور سلف و خلف کے متفقہ فیصلہ سے بھی مدرک رکوع کا مدرک رکعت ہونا ثابت و متحقق ہے اور اس طرح بغیر فاتحہ کے رکعت درست ہوگئی، لہذا امام کے پیچھے اور جہری نماز میں وجوب قرائے کا قول اور یہ دعویٰ بھی کہ وہ رکعت نہیں شمار ہوگی، جس میں قرائے فاتحہ نہیں ہو سکی، قابل قبول نہیں ہے۔ (احسن الکلام ص ۲۸۳۴)

### حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد

آپ نے فصل الخطاب ص ۸۲ میں مستقل فصل قائم کر کے لکھا کہ صحابہ کرام میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو یہ کہتا ہو کہ مدرک رکوع بلا قرائے کے مدرک رکعت نہ ہوگا، آپ نے فتح الباری اور زرقانی شرح موطاً وغیرہ سے بھی اپنی تائید میں اقوال پیش کئے، پھر لکھا کہ یہ گویا سب کے نزدیک بطور بدیہی حکم شریعت کے معلوم تھا کہ ادراک رکوع سے ادراک رکعت ہوتا ہے اور جب سارے صحابہ دیکھتے تھے کہ رکوع تک امام کے ساتھ مل جانے میں رکعت مل جاتی ہے، تو ان کو اس بارے میں بھی کوئی تردید نہیں تھا کہ مقتدی پر قرائے فاتحہ واجب نہیں ہے، اور اس میں تردد وہی کر سکتا ہے جو ایک بداہت اور کھلی ہوئی حقیقت کو لغو قرار دے، اور صرف الفاظ کو پکڑ کر بیٹھ جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس موقع پر صلوٰۃ خوف کو پیش کرنا بھی مفید نہیں (جیسا کہ امام بخاری نے کیا، کیونکہ اس کی صورت سب نمازوں سے الگ ہے، کہ تحریر میں سب شریک باوجود آگے پیچھے آنے کے، رکعات و سجدات میں تقسیم ہوگئی، لیکن رکوع میں تعاقب واقع نہیں ہوا، کیونکہ اس سے رکعت رکعت بنتی ہے اور جس نے رکعت پالی اس نے امام کے ساتھ جماعت کو پالیا، یہاں بھی سارا معاملہ عدم وجوب قرائے خلف الامام پر ہی مبنی قرار پائے گا۔ لہذا اپنے بے سود زبانی احتمالات کو ترک کر دو جن کو تمہارا دل بھی اندر سے تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہم بے کار و بے مقصد باتوں میں الجھنے کے لئے فارغ نہیں بیٹھے ہیں۔

### نماز بوقت خطبہ کی بحث

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں پہنچے اور خطبہ شروع ہو چکا ہو تو کوئی نماز نہ پڑھے، بلکہ خاموش بیٹھ کر خطبہ سنے، امام کی آواز خطبہ نہ آرہی ہو تب بھی خاموش بیٹھا رہے امام شافعی و احمد کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی تحیۃ المسجد پڑھے، امام صاحب اور امام مالک کے ساتھ جمہور صحابہ و تابعین بھی ہیں، اور حضرت عمر، حضرت عثمان و حضرت علیؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور لیث و ثوری سے بھی (کافی النووی شرح مسلم ص ۱۸۲۸) ابن قدامہؒ نے ”المغنی“ ص ۱۱۶۵ میں حضرت شریح، ابن سیرین، نخعی اور قتادہ سے بھی نقل کیا ہے، محدث ابن ابی شیبہ نے حضرت علی، ابن عمر و ابن عباس، ابن المسیب، مجاہد، عطاء اور عروہ سے بھی امام صاحب و امام مالک کے موافق نقل کیا ہے۔ (شرح الترمذی ص ۳۷۸۳)

حضرت قاضی عیاضؒ نے حضرت ابو بکرؓ سے نقل کیا کہ وہ بھی بوقت خطبہ نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے (معارف السنن ص ۳۶۷) پھر علامہ بنوریؒ نے لکھا: جب کہ خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ و تابعین و فقہائے بلاد کا وہی مذہب ہے جو امام ابو حنیفہؒ کا ہے تو پھر اس میں کیا شک رہا کہ وہی مذہب تعامل و توارث کے لحاظ سے سب سے زیادہ قوی ہے، اور وہی سلف سلف رہی ہے اور ایسے معرکہ اتار مسائن میں تعامل سلف ہی سے فیصلہ ہو بھی سکتا ہے نہ کہ اخبار آحاد سے۔ پھر یہ کہ تعامل کا استناد بھی اخبار قولیہ پر ہوتا ہے جو مقصود پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، لہذا وہ دوسروں کے دلائل سے زیادہ قوی ہوتے ہیں جیسا کہ ہم آگے اس کی تفصیل کریں گے۔

## حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تعجب خیز رویہ

علامہ بنوریؒ نے اس موقع پر لکھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں یہ قول بہت ہی عجیب اور موش ہے کہ ”تم اپنے اہل بلد کے تعامل و طریقہ سے دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ حدیث صحیح ہے اور اس کا اتباع واجب ہے۔“ اس لئے کہ اہل بلد کا اتباع دوسرے اہل بلاد کے کیا اور ان سب کو خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ و تابعین کے تعامل کو اپنے لئے اسوہ بنانا ہی چاہئے، اور وہی فقیہ الملت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور عالم مدینہ طیبہ امام مالکؒ نے بھی علی وجہ البصیرت تعامل و توارث اہل ہمدی کی روشنی میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

علامہ بنوریؒ نے مزید لکھا کہ باوجود جلالہ قدر حضرت شاہ ولی اللہ کے ان کی تالیفات میں ایسی آراء و افکار ملتے ہیں جن کے ساتھ موافقت و ہموائی کرنا مشکل و دشوار ہے۔

**دو بڑوں کا فرق:** مولانا بنوریؒ نے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے بعض افکار سے نا موافقت کی جانب اشارہ کیا ہے اور فیض الباری نیز معارف السنن میں کئی جگہ اس اجمال کی تفصیل بھی ملے گی، اسی لئے راقم الحروف نے بھی پیچے عرض کیا تھا کہ مکتب دیوبند کے ذہنی و فکری امام بکل معنی الکلمہ حضرت شاہ ولی اللہ نہیں بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ علامہ کردی شافعیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے نظریات سے متاثر ہو گئے تھے، اور ان کے یہاں کچھ شیطیات و تغیرات بھی ملتے ہیں۔ اور محترم مولانا محمد عبدالعلیم چشتی دام فیضہم نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے رسالہ بحالہ نافعہ پر جو فوائد جامعہ لکھے ہیں وہ نہایت مفید علمی تحقیقاتی سرمایہ ہیں۔ اس میں آپ نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حالات بھی ۴۴ صفحات میں بڑی عمدہ تحقیق سے تحریر کئے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ برائے ملاحظہ پیش ہے۔

ص ۲۶ پر انہوں نے لکھا: شیخ علی تفتیؒ کی مذکورہ بالا ہدایات اور شیخ موصوف کی تصریحات پر غور کیا جائے تو شیخ عبدالحق اور شاہ ولی اللہ کے طریق کار، انداز فکر اور طرز تالیف میں جو بنیادی فرق ہے وہ بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے، ملاحظہ دیگر وہ باتیں حسب ذیل ہیں۔

- (۱) شیخ محدث دہلوی کو تصوف کی زبان میں گشتگو کی اجازت نہیں اور شاہ ولی اللہ پر اس باب میں کوئی قدغن نہیں۔
- (۲) شیخ عبدالحق جمہور امت کے مسلک سے سر مو انحراف نہیں رکھتے، شاہ ولی اللہ اپنے اذکار میں کہیں کہیں مفرد بھی نظر آتے ہیں۔
- (۳) شیخ موصوف وسبب نظر میں فائق ہیں تو شاہ ولی اللہ دقیق نظر میں ممتاز ہیں۔

(۴) شیخ عبدالحق محقق ہیں، اور شاہ ولی اللہ مفکر ہیں، شاہ صاحب موصوف کی سنر ہمہ گیر اور افکار کا دائرہ نہایت وسیع ہے ہاں ہمہ فضل و کامل شاہ ولی اللہ نے طبقات کتب حدیث کی بحث میں بالغ نظری کا ثبوت نہیں دیا، ان کا دائرہ فکر اس باب میں محدود ہو گیا ہے، کیونکہ وہ طبقات کتب حدیث کی بحث میں شیخ ابن الصلاح جیسے خوش عقیدہ تنگ نظر، متعصب مقلد کے تابع نظر آتے ہیں، کیونکہ دونوں نے رجال سند اور اصول نقد کو نظر انداز کر کے مدارِ صحت کتابوں کو قرار دیا ہے، اور تعارض کے وقت ان ہی کتابوں کی حدیثوں کو قابل ترجیح ٹھہرایا ہے۔

## شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شان تحقیق

یہ بات متقدمین و متاخرین محدثین کے مسلک ہی کے خلاف نہیں بلکہ مسلمہ اصول و روایت و روایت کے بھی خلاف ہے۔ اس کے برعکس شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی روش اس باب میں مقلدانہ نہیں، محققانہ ہے، کیونکہ انہوں نے محقق ابن ہمام کی طرح مدارِ صحت کتابوں کو قرار نہیں دیا بلکہ صحیح حدیث کا مدار رجال سند اور اصول نقد پر رکھا ہے، چنانچہ شیخ موصوف ”المنہج القدر فی شرح الصراط المستقیم“ میں فرماتے ہیں۔

”ترتیب جو محدثین نے صحیح احادیث اور صحیح بخاری و مسلم کے مقدم رکھنے میں ملحوظ رکھی ہے، زبردستی کی بات ہے۔ اس میں کسی کی پیروی جائز نہیں، کیونکہ صحیح اور صحیح تر ہونے کا دار و مدار راویوں کا ان شروط پر پورا اترنا ہے جن کا بخاری و مسلم نے بھی اعتبار کیا ہے (اور امام اعظم

کے یہاں تو شرط روایت میں ان دونوں سے بھی زیادہ سختی تھی جیسا کہ سب جانتے ہیں، اور جب وہی شروط ان دونوں کتابوں کے علاوہ کسی اور حدیث کے راویوں میں بھی پائی جائیں تو پھر ان ہی دو کتابوں کی حدیث کو صحیح تر کہنا زبردستی نہیں اور ناقابل قبول بات منوانا نہیں تو کیا ہے؟ اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ بخاری و مسلم کے کسی مخصوص راوی میں ان شروط کے جمع ہو جانے کا حکم کرنے سے اس پر جزم و یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حکم واقع اور حقیقت کے مطابق ہی ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ واقع اس کے خلاف ہو۔

لہذا ان کے حکم صحت پر دلیل قطعی کا پایا جانا اور اس پر جزم و یقین کرنا محل نظر ہے، یہ بات تحقیق سے معلوم ہے کہ مسلم نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں سے روایت کی ہے جو جرح و قدح سے نہیں بچ سکے ہیں۔ اور اسی طرح بخاری میں بھی راویوں کی ایک جماعت ایسی ہے جس پر کلام ہوا ہے، پس راویوں کے معاملہ میں مدار کا رعناء کے اجتہاد اور ان کے صوابدید پر ہوگا۔ اور اسی طرح شروط صحت حسن و ضعف کا حال ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ ”صحیح حدیث صحیح بخاری و مسلم میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ بخاری و مسلم نے ان ساری صحیح حدیثوں کا جو ان کے پاس ان کی شرط کے مطابق تھیں احاطہ نہیں کیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک نے تمام صحاح کے احاطہ و استیعاب نہ کرنے کا خود بھی صاف اقرار کیا ہے۔ اس کے بعد بھی علامہ محقق شیخ محدث دہلوی کے افادات قیامہ نقل کئے گئے ہیں جو قابل مطالعہ ہیں، ہم ان کو بوجہ خوف طوالت نقل نہیں کرتے۔

### شرح سفر السعاده کا ذکر

واضح ہو کہ علامہ محمد الدین فیروز آبادی مے ۸۱ھ (صاحب القاموس) نے ایک کتاب ”سفر السعاده فی تاریخ الرسول قبل نزول الوہی و بعدہ“ لکھی تھی جو ”صراط المستقیم“ کے نام سے بھی مشہور ہے، علامہ موصوف چونکہ ظاہری المشرّب تھے، اس لئے انہوں نے اکثر مواقع میں ان حدیثوں کو بیان کرنے سے گریز کیا ہے جس پر مجتہدین امت کامل ہے، اور زیادہ تر ایسی حدیث نقل کر دی ہیں جو ائمہ مجتہدین کے یہاں معمول بہا نہیں ہیں، اور آخر میں احادیث موضوعہ کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ کر کے ابن جوزی وغیرہ ایسے تشدد محمدیہ کی طرح صحیح حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا جس سے عوام کے دلوں میں شبہات پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا۔

ان امور کی اہمیت کا احساس فرما کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب مذکور کی شرح لکھی، جس میں مصنف مذکور کے پیدا کردہ تمام شبہات کا ازالہ کر دیا اور احقاق حق کا فریضہ کامل تحقیق و تدقیق کے ساتھ ادا فرما دیا۔ چونکہ اصل کتاب کے وہ نام تھے اس لئے شیخ موصوف نے بھی اس کی شرح کے وہ نام رکھے ایک ”کنج القویم فی شرح الصراط المستقیم“۔ دوسرا ”طریق الافادہ فی شرح سفر السعاده“ اور موصوف نے اس کا ایک نہایت محققانہ مبسوط مقدمہ بھی لکھا، جو درحقیقت اس شرح کی جان ہے، اس کے ایک باب میں مصطلحات حدیث بتائیں، اور اب باب صحاح ستہ کا تذکرہ کیا تحقیق و تنقید کے اصول واضح کئے اور مذہب حنفی پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت واضح کی، نیز اصول مطابقت کو سمجھایا ہے، دوسرے باب میں ائمہ مجتہدین کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ موصوف نے یہ شرح اور مقدمہ لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ ائمہ مجتہدین کا مسلک احادیث صحیح کے خلاف ہرگز نہیں ہے اور خاص طور سے حنفی مسلک پر احادیث سے بعد کا الزام و اتہام سراسر غلط ہے۔

یہ کتاب سنہ ۱۲۱۷ھ میں مکتبہ افضل المطالع سے نائپ کے ذریعہ بڑی تقطیع کے ساتھ سات سو بیس صفحات پر چھپی تھی پھر نول کشور لکھنؤ سے تین بار شائع ہوئی۔ مگر افسوس کہ اب نایاب و نادر ہے، اور ہم جیسے ضرورت مند بھی اس کی دید کو ترستے ہیں۔ کیونکہ اب تو غیر مقلدیت پھیلا نے والی کتابوں کی اشاعت کا دور دورہ ہے، جس کے لئے بعض سرمایہ دار مسلمان حکومتیں لاکھوں روپے سالانہ صرف کر رہی ہیں۔



## اشعة اللمعات اور لمعات النسخ کا ذکر

شیخ محدث دہلوی کا دوسرا حدیثی کارنامہ کہ وہ بھی آب زر سے لکھنے کا مستحق ہے، مشکوٰۃ شریف کی شرح ”اشعة اللمعات“ بزبان فارسی ہے۔ یہ بھی پہلے فلک سے چار ضخیم جلدوں میں چھپی تھی، پھر بمبئی سے، پھر نول کشور سے آٹھ مرتبہ شائع ہوئی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب وہ بھی نایاب ہے۔ شیخ موصوف نے مشکوٰۃ شریف کی دوسری شرح عربی میں ”لمعات النسخ“ لکھی تھی، یہ شرح اگرچہ حجم میں ملاطی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے کم ہے مگر افادیت و حسن انتخاب میں اس سے بڑھ کر ہے، علامہ قاری کے پاس کتابوں کا ذخیرہ کافی زیادہ تھا مگر انتخاب اتنا بہتر نہ ہوسکا، شیخ محدث دہلوی کے پاس کتابوں کا ذخیرہ زیادہ تھا، مگر جن کتابوں سے جو غرر نقول اخذ کی ہیں وہ ان کے سلیقہ انتخاب اور حسن اختیار کی بہترین مثال ہیں۔ پھر کہنے کو تو یہ مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ لیکن اس شرح نے صحاح ستہ کی شروع سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ ہم نے مقدمہ انوار الباری ص ۲۷۸۲ میں بھی اس کتاب کا تعارف کرایا تھا اور خود موکلف علام کا یہ جملہ مکرر قابل ذکر ہے کہ ”اس شرح کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضرت امام اعظم اپنے مسائل میں احادیث و آثار کا تتبع اس قدر کرتے ہیں کہ ان کو اصحاب المذاہب میں شمار کرنے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے اور ان کے مقابلہ میں امام شافعی کو اصحاب الرائے میں شمار کرنا پڑے گا۔“ اس کا مقدمہ بھی نہایت نافع ہے اور وہ شائع بھی ہوا تھا مگر شرح مذکور عربی آج تک شائع نہ ہو سکی۔

ہمارے دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا فرض تھا کہ ایسی اہم کتابوں کو شائع کرنا، جس کا سالانہ بجٹ ۲۵-۲۶ لاکھ سالانہ کا بنتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہاں تو جدید مطبوعات مصر و شام وغیرہ منگانے کا بھی اہتمام نہیں، والی اللہ العزیز۔

## حدیث و حنفیت اور تقلید ائمہ کا ذکر

جب بات یہاں تک پہنچی تو اتنا اور بھی عرض کر دوں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو حدیث و حنفیت کی نہایت گراں قدر خدمات انجام دی تھیں، ان کے مقابلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی دوسری عظیم القدر علمی خدمات کے ساتھ تقلید و حنفیت کو ضرر بھی پہنچا ہے، آپ نے تو یہاں تک بھی حجۃ اللہ میں لکھ دیا کہ تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے، جس کا جواب نہایت تحقیق و تفصیل سے حضرت الحدیث العظام مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہا پوروی، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے مقدمہ شرح کتاب الآثار امام محمد ص ۴ میں تحریر کیا ہے اور کچھ تاویل کر کے ان کی بات کو سنبھالا بھی دیا ہے، علامہ کوثری نے حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم و تحقیقات عالیہ کے اعتراف سے ساتھ جو نقد کیا ہے، وہ ہم نے حضرت کے حالات میں نقل کر دیا تھا، ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری ص ۲۸۹۶۔ اور فوائد جامعہ ص ۲۸۶ میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے اتحاف النبلاء کے اس جملہ پر نقد بھی قابل مطالعہ ہے کہ ”حجۃ اللہ جیسی کتاب بارہ سو سال کے اندر عرب و عجم کے علماء میں سے کسی ایک نے بھی تصنیف نہیں کی ہے“ آپ نے لکھا کہ شاہ صاحب سے بہت عرصہ پہلے حضرت شیخ علی بن احمد المہامی م ۸۳۵ھ صاحب تفسیر تمہیر الرحمان (مطبوعہ مصر ۴۳۲ جلد) نے ”انعام الممالک العظام“ علم اسرار شریعت میں لکھی تھی، جس کا ذکر علامہ بخاری نے بھی حیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن میں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

## نماز بوقت خطبہ

بحث یہاں سے چلی تھی، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ بوقت خطبہ دو رکعت تحریۃ المسجد پڑھی جائیں، اور حدیث سلیک سے استدلال کرتے ہیں، حنفیہ و مالکیہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ سبک کا ایک خاص واقعہ تھا اور اس میں حضور علیہ السلام نے خطبہ جاری بھی نہ رکھا تھا بلکہ ان کی غربت و مسکنت اور ان کا پھنپھنا کر حال لوگوں کو دکھانے کے لئے ان کو نماز پڑھنے کا حکم دے کر لوگوں سے چندہ جمع کرایا تھا، پھر

دوسرے جمعہ کو بھی ایسا ہی کیا، تیسرے جمعہ کی روایت ضعیف و مشکوک ہے، مگر شافعیہ و حنابلہ کو اصرار ہے کہ قصہ سلیک کی وجہ سے بوقت خطبہ بھی نماز تحیۃ المسجد درست ہے۔ ابن ماجہ میں جو حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے ہوئے ایک آنے والے شخص سے دریافت کیا کہ کیا تم مسجد میں آنے سے پہلے نماز (سنت جمعہ) پڑھ کر آئے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ دو رکعت پڑھ لو۔ تو اس پر جو ابن تیمیہ ابو البرکات محدث بن تیمیہ نے اپنی کتاب "منتقى الاخبار" میں لکھا کہ قبل ان نجیسی سے ثابت ہوا کہ جن دو رکعت پڑھنے کا حکم حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ سنت جمعہ تھیں، تحیۃ المسجد نہ تھیں، مگر حافظ ابن تیمیہ نے اپنے جید احمد کے خلاف یہ فیصلہ دیا کہ نہیں وہ تحیۃ المسجد ہی تھیں اور ابن ماجہ سے غلطی ہوگئی کہ بجائے قبل ان مجلس کے قبل ان تجبی روایت کر دیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے جزء القراءۃ (ص ۱۹) میں حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے کہ ان کو یہ پسند تھا کہ جمعہ کے دن دو رکعت مسجد میں جا کر پڑھا کریں، اس سے بھی سنت جمعہ ہی معلوم ہوتی ہیں، نہ کہ تحیۃ المسجد۔ (کیونکہ تحیۃ المسجد تو صرف مسجد ہی میں ہوتی ہیں، ان کو مسجد میں پسند کرنے کا کیا مطلب؟)

اور مسند احمد ص ۳۱۳-۳۱۴ میں تو جابر کا قول اس طرح مروی ہے کہ اگر وہ اپنے گھر میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے، تب بھی مسجد میں پہنچ کر پڑھنے کو زیادہ پسند کرتے تھے، ظاہر ہے کہ تحیۃ المسجد تو گھر پر نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد سنت جمعہ ہی کے لئے تھا اور اسی لئے حضرت جابر اس بات کو پسند کرتے تھے کہ گھر پر پڑھنے کے باوجود بھی مسجد پہنچ کر سنت جمعہ پڑھا کریں تاکہ حضور علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل ہو اور یہ بھی حضور علیہ السلام کے ہی ارشاد کی تعمیل تھی کہ نوافل و سنن گھروں میں پڑھے جائیں لیکن حضرت جابر کے عمل مذکور سے امام بخاری وغیرہ کا یہ خیال کرنا کہ حضرت جابر خطبہ کے وقت بھی دو رکعت پڑھتے تھے یا اس کو پسند کرتے تھے، کسی طرح صحیح نہیں، اور اسی طرح امام بخاریؒ اور شافعیہ و حنابلہ کا حدیث شعبہ بخاری و مسلم سے استدلال کرنا بھی مروج ہے، جس میں ہے کہ "جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ جمعہ دے رہا ہو تو دو رکعت ضرور پڑھ لے۔"

## امام دارقطنی کا نقد

محدث دارقطنی نے ایک رسالہ لکھا تھا بنام "کتاب التبع علی الصحیحین" جس میں تقریباً ایک سو احادیث صحیحین پر نقد کیا ہے اور وہ سب انتقادات اسانید سے متعلق ہیں، بجز حدیث مذکور شعبہ والی کے، کہ اس کے متن کو بھی معلول قرار دیا ہے اور لکھا کہ اس کے راوی شعبہ نے دوسرے اسی حدیث کے چھ راویوں کی مخالفت کی ہے، جو ابن جریج، ابن عیینہ، حماد بن زید، ایوب۔ ورقاء اور حبیب بن یحییٰ ہیں۔ یہ سب عمرو بن دینار سے اس طرح سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا، حضور علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم نے نماز پڑھ لی ہے، پھر آپ نے اس کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ ایک خاص واقعہ تھا، مگر شعبہ نے اس کو حضور علیہ السلام کا عام حکم سمجھ کر اس طرح روایت کر دیا کہ جب بھی کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعت ضرور پڑھ لے۔

نقطۃ النور: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جب ان کو کسی حدیث سے استدلال میں تردد ہوتا ہے تو وہ اس کو اس مسئلہ کے باب میں نہیں لاتے، بلکہ کسی دوسری جگہ دوسرے باب میں ذکر کرتے ہیں، اور غالباً ایسا ہی یہاں بھی ہوا ہے کہ وہ جمعہ کے ذیل میں مذکورہ قولی حدیث شعبہ کو نہیں لائے حالانکہ ان کا مسلک اس بارے میں وہی ہے جو شافعیہ کا ہے۔ بلکہ اس کو "باب ما جاء فی المتطوع منی منی" میں لائے ہیں، اس لئے خیال ہے کہ اس حدیث سے استدلال کو کمزور سمجھا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ عمرو بن دینار کی روایات میں ابن عیینہ سب سے زیادہ اثبت و اقویٰ ہیں (کما ذکرہ فی الفتح فی مسئلۃ اقتداء المفتی من خلف المتفل) لہذا

ابن عیینہ کی روایت سب سے زیادہ قوی ہوگی، خاص کر جبکہ اس کی متابعت و تائید کرنے والے بھی سارے ثقہ ہیں۔ جیسے ابن جریج، حماد، ایوب وغیرہم۔ اور ابن جریج تو عمرو بن دینار کے اجل اصحاب میں سے ہیں۔ غرض عمرو بن دینار کے دوسرے سارے ہی چھ راوی بہت بڑے ثقہ ہیں، تو کیا ان سب کی متفقہ روایت معیار ترجیح نہ ہوگی۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ امام بخاری کی روایت کے لفظ ”اذا جاء احدکم والامام یخطب او قد خرج“ میں شک والی بات بھی ہے یا اس کو قرب وقت خطبہ پر محمول کریں گے، تب بھی وہ ان کے موافق اور ہمارے مخالف نہ ہوگی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ہماری تائید میں ایک بات بطور معارضہ یہ بھی ہے کہ متعدد احادیث صحیحہ میں ایسا وارد ہے کہ حضور علیہ السلام کے خطبہ جمعہ کے وقت کوئی مسجد میں آیا تو آپؐ نے اس کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا مثلاً:-

بوقت خطبہ عدم امر بالصلوٰۃ کے واقعات:

(۱) صحیح بخاری "باب الاستسقاء فی المسجد الجامع" وغیرہ میں کئی جگہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن منبر نبوی کے سامنے والے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا، حضور علیہ السلام اس وقت خطبہ دے رہے تھے، وہ حضور کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! اموال میں ہلاکت آگئی ہے، راستے منقطع ہو گئے، بارش کے لئے دعا فرمائیے! آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور اس شخص کو دو رکعت پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

(۲) اسی حدیث کا آگے یہ نکتہ ابھی ہے کہ اگلے جمعہ کو بھی ایک شخص اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوا اور حضور علیہ السلام خطبہ دے رہے وہ سامنے آ کر کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! اب دوسری قسم کی ہلاکت و تباہی آگئی ہے دعا فرمائیں کہ بارش رک جائے، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، یہ دوسرا واقعہ ہے کہ آپ نے اس آنے والے کو بھی دو رکعت خطبہ کے وقت پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

(۳) نسائی و ابوداؤد و باب النہی عن تحطی رقاب الناس میں حدیث ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے آیا، جبکہ حضور علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے، تو آپ نے اس کو فرمایا: بیٹھ جاؤ! تم نے لوگوں کو ایذا دی، لیکن اس کو نماز پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا۔

(۴) ابوداؤد، "باب الامام یحکم الرجل فی خطبہ" خطبہ میں ہے کہ آپ جمعہ کے دن مہر پر تشریف لائے، لوگوں سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، حضرت ابن مسعودؓ نے مسجد میں آتے ہوئے آپ کا ارشاد سنا تو اس وقت مسجد کے دروازے میں تھے، وہیں بیٹھ گئے، حضور علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو فرمایا عبد اللہ! تم یہاں آ جاؤ۔ لیکن ان کو بھی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کو نہیں فرمایا۔ آگے علامہ بنوری کا اضافہ ہے:-

(۵) امام احمد، نسائی، ابن خزیمہ و بیہقی نے روایت کی کہ ایک شخص جو کہ ان حضورِ حایہ السلام کے خطبہ دینے کی حالت میں مسجد نبوی حاضر ہوا اور حضور سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ کہنے لگا اللہ اور اس کے رسول کی محبت، آپ نے فرمایا، اچھا تم آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گے، جس سے محبت کی ہے۔ آپ نے اس شخص کو بھی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

(۶) احادیث میں جو باب غسل الجمعہ میں حضرت عمر و عثمان کا قصہ آتا ہے وہ بھی یہاں پیش ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کے صرف وضو کر کے اور پرے آنے پر تنبیہ فرمائی، مگر تحریۃ المسجد کے لئے حکم نہیں فرمایا اور نہ اس کے بارے میں سوال کیا۔

(۷) مسند ۵/۵ میں عطاء خراسانی کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ مسلم جب جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف چلتا ہے اور کسی کو ایذا نہیں دیتا۔ پھر اگر دیکھتا ہے کہ ابھی امام خطبہ و نماز کے لئے نہیں نکلا تو جھنجی جی جی ہوتا ہے نماز پڑھتا ہے، اور اگر دیکھتا ہے کہ امام نکل آیا ہے تو بیٹھ جاتا ہے، خطبہ سنتا ہے اور خاموش بیٹھ رہتا ہے، تاکہ امام خطبہ و جمعہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو اگر اس کے سارے گناہ اس جمعہ سے اگلے تک کے معاف نہ بھی ہوں تو امید ہے کہ سابق جمعہ تک کا تو گناہوں سے کفارہ ہو ہی جائے گا۔

(الفتح الربانی ص ۷۵/۶ باب المغفل قبل الجمعة المہمہ ص ۷۵/۶)

(۸) اضافہ از راقم الحروف: حضرت قیس بن ابی حازم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ اس وقت مسجد نبوی میں پہنچ کر حضور علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے تو دھوپ میں ہی بیٹھ گئے، حضور نے ان کی طرف اشارہ کر کے سایہ میں بیٹھنے کو فرمایا، ان کو بھی آپ نے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا (الفتح الربانی ص ۷۲/۶)

الفتح الربانی ص ۷۸/۶ میں حنفیہ و لکھ اور جمہور سلف صحابہ و تابعین کے مسلک کی دلیل طبرانی کی مرفوع حدیث ابن عمرؓ کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں ایسی حالت میں آئے کہ امام منبر پر ہو تو اس وقت وہ نہ نماز پڑھے اور نہ کلام کرے حتیٰ کہ امام فارغ ہو جائے۔

(۹) اضافہ از مولانا عبد اللہ خاں صاحب علم فیضیہ: سنن بیہقی میں ہے کہ اسلام دشمن ابن ابی الحنفیہ کو قتل کر کے صحابہ کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ اس وقت جمعہ کے خطبہ کے لئے منبر پر تشریف فرما تھے، آپ نے ان کو عادی اور قتل والی تلوار کا معائنہ بھی فرمایا، مگر ان لوگوں کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

(۱۰) مسلم، بیہقی، حاکم نے ابواب الجمعہ میں روایت پیش کی کہ حضور علیہ السلام کے خطبہ دیتے ہوئے حضرت ابو رفاعہؓ آپ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ میں ایک پردیسی مسلمان ہوں، اپنے دین کی باتیں پوچھنے آیا ہوں، حضور علیہ السلام نے خطبہ چھوڑ کر ان کو دین کی باتیں سکھائیں، پھر خطبہ کو پورا فرمایا، یہاں بھی آپ نے ان کو تحیۃ المسجد پڑھنے کو نہیں فرمایا، اگر ضروری ہوتی تو سب سے پہلے اسی کی تلقین فرماتے۔

یہ سب واقعات حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے زمانہ میں پیش آئے ہیں، جن سے صحابہ و تابعین نے خطبہ کے وقت نماز نہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے، مگر اس کے باوجود امام شافعی، امام احمد، اور امام بخاری کو اصرار ہے کہ امام کے خطبہ پڑھنے کی حالت میں بھی تحیۃ المسجد پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے اور بغیر اس کے بیٹھ جانا مکروہ ہے۔ صرف یہ تاکید ہے کہ مختصر جلدی پڑھ کر پھر خطبہ سننے لگے۔

انوار المحمود ص ۳۶۹/۳ اتصا ص ۳۳۳/۱۱ اور فتح الملہم و معارف السنن و اعلاء السنن وغیرہ میں پورے دلائل اور حدیثی اباحت درج ہوئے ہیں اور ہمارے مولانا عبد اللہ خاں صاحب کرپوری (فاضل دیوبند، تلمیذ رشید علامہ کشمیری) نے مستقل رسالہ بنام ”نماز بوقت خطبہ“ میں مکمل و مدلل بحث اس مسئلہ کی کر دی ہے۔ جو اہل علم کے لئے خاصہ کی چیز ہے، اس میں رجال حدیث اور متون و اسناد کی تفصیل خوب کر دی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نیز دوسرے مجوزین تحیۃ المسجد عند الخطبہ غیر مقدمین زمانہ کے دلائل کا جواب اچھی طرح دیا ہے۔

دو بڑوں کا فرق: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاریؒ نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا شعبہ کی عمرو بن دینار سے روایت کو ابواب الجمعہ سے بنا کر باب الطوع میں ذکر کیا ہے اور عمرو بن دینار سے جو دوسرے شیوخ حدیث نے دوسری طرح روایت کی ہے، اس کو صحیح بخاری میں کہیں نہیں لائے، برخلاف اس کے امام مسلم نے اپنی صحیح کے ابواب الجمعہ (ص ۴۱۴/۲ فتح الملہم) میں بواسطہ حماد بن زید و ابوب و سفیان و ابن جریج، عمرو بن دینار سے جو روایات درج کی ہیں، ان میں صرف سلیم کا قصہ اور فعلی حدیث کا ذکر ہے، شعبہ والی حدیث کے قولی الفاظ نہیں ہیں۔ جبکہ عمرو بن دینار ہی ان سب روایات میں حضرت جابر سے حدیث روایت کرنے والے ہیں، اور ص ۴۱۸/۲ میں حضرت ابوالزبیر بھی

حضرت جابر سے صرف سلیک کا واقعہ نقل کر رہے ہیں، اس روایت میں بھی شعبہ والے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ سب قرائن اس بات کے ہیں کہ عام قاعدہ کے الفاظ شعبہ نے سلیک کے قصہ سے خود سمجھ کر روایت کر دیئے ہیں اور دوسری سب روایات مسلم میں ان کا نہ ہونا اسی وہم کو قوت دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ شعبہ کے ذہن میں دوسری حدیث ”اذا جاء احدکم المسجد فلا يجلس حتی یصلی رکعتین“ رہی ہو، جو تحیۃ المسجد کے بارے میں الگ سے مروی و مشہور ہے، اور اس کو یہاں قصہ سلیک کے ساتھ لگا دیا ہو، اور اس میں خطبہ کے وقت بھی سلیک کے خاص واقعہ کی وجہ سے نماز پڑھنے کا حکم عام سمجھ کر روایت میں داخل کر دیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

### حضرت علامہ عثمانی کے رجحان کا جواب

مولانا عبد اللہ خان صاحب دام فیضہم نے حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد صاحبؒ کے رجحان خاص کا جواب بھی دے دیا ہے، جو انہوں نے اس بحث کے سلسلہ میں ص ۲/۴۱۸ پر ظاہر فرمایا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے ابوداؤد کی اس حدیث پر بحث فرماتے ہوئے جس کا ذکر حضرت علامہ عثمانی نے اوپر کے رجحان میں کیا ہے، بذل الجود کے جواب کو پسند فرمایا ہے لہذا ہم اسی کو ذکر کرتے ہیں:-

صاحب بذل قدس سرہ نے لکھا یہ حدیث صحیح صلوٰۃ عند الخطبہ ہو سکتی ہے اور حدیث انصاف عند الخطبہ محرم ہے، لہذا محرم کو ترجیح ہونی چاہئے، دوسرے یہ کہ یہ حدیث شافعیہ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی آخر خطبہ میں مسجد پہنچے اور خطرہ ہو کہ تحیۃ المسجد پڑھنے سے نماز جمعہ کی تکمیل خیر فوت ہو جائے گی تو وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے، (کمانی الاقناع) حالانکہ یہ حدیث ابی داؤد عام ہے، جس کا اقتضا بھی عام ہے کہ خواہ کسی حالت میں بھی خطبہ کے وقت آئے تو تحیۃ المسجد ضرور پڑھے۔ ضرور کا لفظ ہم اس لئے لائے کہ شافعیہ و حنابلہ اس کو مستحب اور ترک کو مکروہ بھی بتلاتے ہیں۔ (بذل ص ۲/۱۹۴)

علامہ نوویؒ نے اس حدیث ابی داؤد کو پیش کر کے لکھا کہ یہ ایسی نص صریح ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور اس حدیث کے عام اور صریح الفاظ کے بعد بھی اس کی مخالفت یا تاویل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا، اس کے جواب میں صاحب بذل نے لکھا کہ تاویل و تخصیص میں بڑا فرق ہے، مانعین نے احکام انصاف للخطبہ کی وجہ سے تخصیص کی ہے کہ خطبہ کے وقت صلوٰۃ و کلام وغیرہ مکہ نہ ہو، جس کے لئے دوسرے آثار و تعامل جہور سلف و خلف بھی مؤید ہے، اور خود شافعی نے بھی تخصیص کا عمل جاری کیا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ آخر خطبہ میں وہ بھی تحیۃ المسجد سے مانع ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے کیا تاویل کی ہے، علامہ نووی کے قہقہے بتلائیں گے۔

افادۃ انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے صاحب بذل کا جواب مذکور نقل کر کے پھر خود ارشاد فرمایا کہ لفظ مذکور جس کو امام نووی صریح فرما رہے ہیں، وہ تو حسب تحقیق دارقطنی وہم راوی ہے کہ اس نے حدیث فعلی کو قوی سمجھ کر اور عام علم خیال کر کے ایسی تعبیر کر دی، چنانچہ دارقطنی نے سارے طرق و متون کا تتبع کر کے یہی فیصلہ دیا کہ یہ جملہ مدرج راوی ہے، اسی لئے دوسرے راویوں نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔ میرے نزدیک دارقطنی کی یہ تحقیق درست اور صواب ہے اور شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے بھی تردید کیا ہے اور اس حدیث کو دوسری جگہ لائے، اور اس میں اخرج سے شک راوی بھی بتلا گئے، جبکہ ابوداؤد میں یہ بھی نہیں ہے۔ (انوار المحمود ص ۲/۱۳۷)

غرض اس لفظ کے مطابق نہ تو شافعیہ ہی نے پوری طرح عمل کیا ہے اور نہ اس کے مطابق حضور علیہ السلام اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں عمل ہوا ہے، پھر یہ کہ اوپر دس احادیث بیان ہوئیں جن میں حضور علیہ السلام نے کسی میں بھی خطبہ کے وقت آنے والوں کو تحیۃ المسجد پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا اور صرف سلیک کو وہ بھی دوسری ضرورت سے اور خطبہ کے قبل یا خطبہ روک کر دو رکعت پڑھنے کو فرمایا، ان حالات میں خاص

طور سے خفیہ پر طعن و تشنیع کرنا اور ان ہی کو ہدف ملامت بنانا کہ وہ تجویہ المسجد سے روکتے ہیں مناسب و موزوں نہیں ہے۔

### احادیث مما نعت صلوة بوقت خطبہ

محترم مولانا عبداللہ خان صاحب عم فیضیم نے اپنے رسالہ میں سب سے پہلی حدیث عطاء خراسانی کی روایت سے مسند احمد کی پیش کی ہے جس میں ہے کہ مسجد میں نماز جمعہ کے لئے آنے والا امام کے آنے سے پہلے یعنی چاہے نماز پڑھے لیکن اس کے خطبہ کے واسطے نکلے پر بیٹھ کر صرف خطبہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کو خاموش ہو کر سنے۔ اس سے اس کے گناہوں کا آئندہ جمعہ تک کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عطاء خراسانی کو سب ہی اکابر نے ثقہ کہا ہے، مگر بڑوں میں سے امام بخاری نے اس کی تضعیف فرمادی ہے اور اس سلسلہ میں ان کے تلمیذ رشید امام ترمذی نے آپ سے بحث بھی کی، اور پھر یہاں تک بھی کہہ دیا کہ میری معلومات میں تو کسی نے بھی متقدمین میں سے عطاء خراسانی کی تضعیف نہیں کی ہے۔ (میزان و تہذیب وغیرہ) اس سلسلہ میں مولانا نے جم رفقہ راجل کی بحث کا حق ادا کر دیا ہے۔ جو اس رسالہ کی خاص چیز اور قابل مطالعہ ہے۔ (۲) حدیث طبرانی مجمع الزوائد بحوالہ فتح الباری ارشد دہلوی کہ امام منبر پر آجائے تو پھر نہ نماز پڑھی جائے نہ کلام کیا جائے (۳) حدیث تہذیبی کہ امام کا خطبہ جمعہ کے لئے نکلنا نماز کو قطع کر دیتا ہے۔ اور اس کا کلام (خطبہ) بات چیت کو قطع کر دیتا ہے۔

(۴) حدیث طحاوی شریف کہ امام منبر پر آجائے تو نماز پڑھنا گناہ ہے۔

(۵) حدیث مسلم شریف کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد گیا پھر خطبہ کی طرف کان لگائے۔ اور خاموش رہا تو اس کے گنہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ اور مزید تین دن تک کے معاف ہو جاتے ہیں،

(۶) حدیث بخاری شریف کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے پھر تیل و خوشبو لگائے اور دو شخصوں کے درمیان تفریق نہ کرے اور نماز پڑھے پھر جب امام (نماز و خطبہ کے لئے) نکلے تو خاموشی اختیار کرے تو اس کے گنہ اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک کے معاف ہو جائیں گے۔

مولانا نے مزید ۱۱۴ احادیث و آثار پیش کر کے لکھا کہ ان سب سے حضور علیہ السلام کا خطبہ کے وقت نماز کو پسند نہ فرمانا اور خلفاء راشدین و جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ دین کا بحالت خطبہ نماز کو اختیار نہ کرنا پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔ (نماز بوقت خطبہ ص ۵۵) مولانا نے اس موقع پر مسند امام احمد کی حدیث بھی پیش کی کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے وقت کلام کرے وہ مثل مگدھے کے ہے، جس پر کتا میں لادی گئی ہوں۔“

### علامہ ابن تیمیہ کا ارشاد

علامہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ ص ۳/۲۱۱ میں قراءۃ خلف الامام فی جہریہ کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا:۔ جہر سے مقصود لوگوں کا استماع ہے کہ وہ کان لگا کر قراءۃ امام کو سنیں۔ اور اسی لئے ولا الضالین پر آمین بھی کہتے ہیں، پس اگر امام کی قراءت کے وقت مقتدی بھی قراءت میں مشغول ہو جائیں تو گویا حق تعالیٰ نے امام کو ایسے لوگوں کو قراءت سنانے کا حکم دیا جو اسکو نہیں سنتے اور ایسا ہی ہوا کہ کوئی شخص دوسرے سے بات کرے، جس کو وہ نہ سنتا ہو یا امام خطبہ دے ایسے لوگوں کے سامنے جو اس کا خطبہ نہ سنیں، ایسا حکم اول درجے کی حماقت ہے جس سے شریعت مقدسہ منزہ ہے اور اسی لئے حدیث میں وارد ہوا کہ جو امام کے خطبہ کے وقت کلام کرے وہ مثل مگدھے کے ہے۔ لہذا اسی طرح وہ بھی ہوگا جو امام کی قراءۃ کے وقت قراءۃ کرے (معلوم نہیں خطبہ کے وقت لوگوں کا نماز میں مشغول ہو جانا بھی اس کے تحت آتا ہے یا نہیں؟)

بقیہ دو بڑوں کا فرق: ہم نے اوپر اشارہ دیا ہے کہ امام بخاری اپنے مسلک کی رعایت اس حد تک بھی کرتے ہیں کہ ایک ہی حدیث کے کچھ طرق کو لاتے ہیں اور دوسروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جیسا کہ مسند زیر بحث میں حدیث جابر کے لئے، حالانکہ دوسرے سب رواۃ کے

متون، متن روایت شعبہ سے بالکل مختلف ہیں، اور امام مسلم نے ان کو ایک جگہ ذکر کر دیا ہے،

اور ایسا تو امام بخاری بہت کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث متعدد رواۃ سے ہو اور الفاظ روایت بھی الگ الگ ہوں تو معنی واحد ہونے کی صورت میں وہ صرف کسی ایک راوی کے لفظ نقل کرتے ہیں، پھر یہ بہتر ہوتا کہ اس لفظ والے کی تفسیر ہی کر دیتے، تو امام بخاری یہ بھی نہیں کرتے، البتہ امام مسلم اس کا التزام کرتے ہیں اور یہی بہتر بھی ہے۔

حضرت علامہ عثمانی نے ترجیح کتاب مسلم علی کتاب البخاری کے عنوان سے مقدمہ فتح الملہم ص ۹۸ میں مذکور بالا کے علاوہ دوسری وجوہ بھی ذکر کی ہیں مثلاً:-

(۳) کسی حدیث کو مسلم سے نکال لینا بہت آسان ہے، کیونکہ امام مسلم نے ہر حدیث کے لئے ایک موزوں و مناسب باب اور مقام تجویز کیا ہے، اور اسی جگہ وہ اس کے سارے طرق و اسانید اور الفاظ مختلفہ واردہ جمع کر دیتے ہیں، جن سے طرق متحدہ اور الفاظ مختلفہ کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کسی حدیث کا نکالنا بھی سہل ہوتا ہے، بخلاف امام بخاری کے کہ وہ ان وجوہ مختلفہ کو متفرق ابواب میں لاتے ہیں اور بہت سی احادیث تو غیر مظان ابواب میں لاتے ہیں جس کی وجہ سے طرق متحدہ و الفاظ مختلفہ کی معرفت تو دور کنار حدیث کو تلاش کر کے نکالنا ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے حفاظ متاخرین کو تو اتنا دھوکہ ہوا کہ انھوں نے صحیح بخاری میں کسی حدیث کے وجود سے انکار بھی کر دیا جبکہ وہ اس میں موجود تھی اور ان کو مظان میں نہ مل سکتی تھی۔

(۴) امام مسلم نے اپنی کتاب کو اپنے شہر میں تمام اصول موجود کو سامنے رکھ کر اپنے بیشتر مشائخ کی زندگی میں لکھ لیا تھا، اسی لئے الفاظ و سیاق میں وہ پوری احتیاط کرتے ہیں بخلاف امام بخاری کے کہ انھوں نے بسا اوقات احادیث کو اپنے حافظہ سے ذکر کیا ہے۔ اور الفاظ رواۃ کو بھی تمیز نہ کر سکے۔ اسی لئے ان کو شکوک بھی پیش آئے ہیں اور خود بھی فرمایا کہ بہت سی احادیث میں نے بصرہ میں سنی تھیں اور ان کو لکھا شام میں، پھر انھوں نے احادیث سے استنباط احکام کی فکر بھی ساتھ ساتھ رکھی۔ اور ان کے لئے اپنے اجتہاد و استنباط کے مطابق ابواب قائم کئے، اس کی وجہ سے ان کو ایک ایک حدیث کے کٹڑے کر کے ان کو ابواب میں تقسیم کرنا پڑا بخلاف امام مسلم کے کہ انھوں نے استنباط احکام کی فکر اپنے ذمہ نہیں لگائی اس لئے ایک حدیث کے سارے متون مرویہ اور طرق و اسانید بھی ایک جگہ میں جمع کر دیئے۔

(۵) امام مسلم نے امام بخاری کے برخلاف احادیث پر اقتصار کیا۔ موقوفات کو صرف چند مواضع میں لائے ہیں، وہ بھی جہول مقصود، اور اس لئے شاید ابن مندہ کے شیخ امام حاکم ابو علی نساپوری نے کہا کہ ”آسان کے نیچے کتاب مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔“

(۶) بعض شراح بخاری نے باعتبار صحت کے صحیح بخاری کو دوسری کتابوں پر ترجیح دیتے ہوئے لکھا کہ امام مسلم کی صحیح کو صحیح بخاری پر زیادہ فضیلت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ سارے متون حدیث کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں اور ان کو امام بخاری کی طرح ابواب متفرقہ میں تقسیم نہیں کرتے، اور یہ بھی ہے کہ امام مسلم حدیث کے متون پورے پورے ایک جگہ ذکر کرتے ہیں اور امام بخاری کی طرح ان کے کٹڑے کٹڑے بنا کر تراجم میں نہیں بانٹتے۔ اور یہ بھی ہے کہ امام مسلم احادیث کی روایت باللفظ پر محافظت کرتے ہیں۔ اور روایت بالمعنی نہیں کرتے، اور متون احادیث الگ کر کے لاتے ہیں امام بخاری کی طرح ان کے ساتھ اقوال صحابہ و من بعدہم کو مخلوط نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں لکھا کہ امام مسلم کو اپنی صحیح کی وجہ سے وہ عظیم و عالی مرتبہ رفیعہ حاصل ہوا جو اور کسی کو حاصل نہ ہو سکا، اور اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کو امام بخاری کی صحیح پر بھی فضیلت دے دی ہے، کیونکہ اس کو صحیح طرق جوہ سیاق۔ محافظت علی اداء الفاظ کی خصوصیات حاصل ہو گئیں، اور وہ محافظت بھی ایسی کہ نہ صرف روایت بالمعنی سے محترز ہے بلکہ احادیث و متون کی نقطہ سے بھی اجتناب اختیار کیا۔“ (مقدمہ فتح الملہم ص ۹۹)

چونکہ صحیح بخاری کی شرح چل رہی ہے، مناسب سمجھا کہ صحیحین کا کچھ فرق و امتیاز بھی ناظرین کے سامنے آ جائے، اور دونوں کی عظمت اور جلالت قدر بھی ملحوظ رہے۔

## احادیث اتمام سے وجوب قراءۃ خلف الامام کا ثبوت

امام بخاریؒ نے بہت سی احادیث اتمام ذکر کر کے یہ ثابت کیا کہ جب حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ جو کچھ نماز کا حصہ تھیں مل جائے امام کے ساتھ وہ اس کے ساتھ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے بعد کو پورا کر لو۔ جس سے قراءت کا فرض رہ گیا یا قیام کا تو اتنے بعد کو پورا کرنا ہے اور صرف رکوع میں ملنے سے قراءت و قیام دونوں رہ گئے، لہذا وہ رکعت نہ ہوئی اور مقتدی کوئی رکعت بعد کو پوری کرنی چاہیے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے اتنی بہت سی احادیث میں ذکر فرمایا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ کی قراءت رکوع میں کر لے گا، جیسا کہ بعض اہل ظاہر اس کو کہتے ہیں اور خود امام بخاریؒ کے یہاں بھی رکوع و سجدے میں قرآن مجید پڑھنے کا جواز ہے (جبکہ سب اس کو ناجائز کہتے ہیں اور مسلم شریف میں بہت سی احادیث ممانعت کی وارد ہیں) تو امام بخاریؒ اس کو بھی رد کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ اس لئے صحیح نہ ہوگا کہ قراءت کا محل رکوع سے قبل کا ہے، اگر ہم اس کو قیام سے مؤخر کر کے رکوع میں جائز کر دیں گے تو یہ حدیث کی مخالفت ہوگی۔ لہذا جس طرح سجدہ رکوع سے قبل نہیں ہو سکتا، رکوع بھی قراءت سے پہلے صحیح نہ ہوگا، اور اس رکوع کو جو بے محل ہوا ہے معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔

## من ادرك رکعة سے استدلال

جزء القراءۃ ص ۲۳ و ص ۲۵ میں امام بخاریؒ نے من ادرك رکعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة کے مختلف متون متعدد اسناد سے ذکر کئے اور یہ تاثر دیا کہ ان سب احادیث میں یہ ہے کہ ایک رکعت ملنے سے جماعت کی نماز کا ثواب مل جاتا ہے، یہ نہیں ہے کہ رکوع ملنے سے رکعت مل گئی، کیونکہ کسی حدیث میں ایسا نہیں آیا کہ جس کو رکوع یا تجود یا تشہد مل گیا تو اس کو رکعت مل گئی۔

ص ۲۷ میں امام بخاریؒ نے یہ اعتراض بھی غیر موجب پر کیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے، اور ان لوگوں میں سے بعض نے یہ بھی خیال کیا کہ حضور اس لئے اس کو طویل کرتے تھے تاکہ لوگوں کو رکوع تک امام کے ساتھ ملنے سے رکعت مل جائے مگر یہ بات تو جب صحیح ہوتی کہ وہ کہتے حضور علیہ السلام رکوع کو طویل کرتے تھے، اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگوں کے رکوع میں مل جانے کی توقع ہو تو امام رکوع میں دیر لگائے، حالانکہ رکوع میں کسی کا انتظار کرنا نہ کوئی سنت ہے نہ اس میں ثواب ہے۔

پھر امام بخاریؒ نے ایسی روایت پیش کی کہ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قراءت طویل کرتے تھے، اور صحیحہ بقیع جا کر ضرورت سے فارغ ہو کر گھر آتے اور وضو کر کے آپ کے ساتھ اطمینان سے شریک ہو جایا کرتے تھے گویا قراءت طویل کرنا اس لئے نہ تھا کہ لوگوں کو رکوع میں ملنے سے رکعت مل جائے گی بلکہ لوگوں کو بسوالت اور ضروریات سے فارغ ہو کر پہلی رکعت ملنے کی غرض سے تھا۔

پہلے ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ جمہور سلف و خلف کا فیصلہ امام بخاریؒ کی اس رائے کے خلاف ہے کہ رکوع ملنے سے رکعت نہیں ملتی مگر امام صاحب برابر اپنی رائے درست ثابت کرنے کے لئے مواقع تلاش کر کے نکالتے ہیں۔

## خدا ج سے استدلال

امام بخاریؒ نے متعدد صفحات میں حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے ۱۲۰-۱۳ روایات ذکر کیں جن سے معلوم ہوا کہ بغیر قراءۃ فاتحہ کے نماز خدا ج ہوگی یا غیر تمام ہوگی، اور ص ۲۵ میں جا کر خدا ج کے وہ معنی بھی کھول دیئے جو ان کے ذہن میں تھے، فرمایا۔ ابو عبیدہ نے کہا اے خدا ج المسافۃ اس وقت بولتے ہیں جبکہ اونٹنی سقط ڈالے، اور سقط بچہ مردہ ہوتا ہے، جس کا کوئی فائدہ نہیں، گویا اسی طرح بغیر فاتحہ کے نماز بھی مردہ



بے جان، بے فائدہ یا غیر مقلدین کی تعبیر میں باطل کا عدم ہوگی۔

جواب: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حدیث خداج کے تحت لکھا: "خداج کے معنی کمی اور نقصان کے ہیں۔ امام لغت ظہل وغیرہ نے کہا کہ خد جت الناقۃ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی پوری مدت حمل سے پہلے بچہ ڈال دے اگرچہ وہ بچہ جسمانی اعتبار سے پورا ہو اور اخذ جتہ جب بولتے ہیں کہ وہ بچے کو ناقص الخلقیت جنے اگرچہ پوری مدت پر جنے۔ اور غیر تمام جن روایات میں آیا ہے۔ اس کا مطلب بھی ناقص اور کمی ہے، بہ نسبت کمال کے۔ گویا غیر تمام بطور بدل یا تاکید کے ہے اور بظاہر یہ بتلایا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز میں کمی رہے گی یا نہیں کہ وہ سرے سے باطل اور کالعدم ہو جائے گی۔

حنفیہ بھی یہ ہرگز نہیں کہتے کہ نماز بغیر اس کے جائز ہوگی، وہ بھی واجب کہتے ہیں اور اگر نہ پڑھے تو نماز کو واجب الاعدادہ بتلاتے ہیں، لہذا جن حضرات نے یہ سمجھ کر حنفیہ پر تشبیہ کی کہ وہ بغیر فاتحہ کے نماز جائز کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، البتہ امام کے پیچھے اور وہ بھی جبری میں مقتدی پر اس کو واجب نہیں مانتے۔ اور اس کے عدم وجوب میں ان کے ساتھ اور سب بھی ہیں (بخاری و ابن حزم کے) لہذا حافظ ابن حجر کا تعجب اور علامہ نووی کے تشبیہ حنفیہ پر بالکل بے محل ہے۔ الخ (اجز ص ۲۳۱/۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فصل الخطاب ص ۱۹ میں مستقل فصل احادیث خداج پر لکھی ہے اور فرمایا کہ احادیث خداج نے تو یہ بتلایا کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہوگی یہ نہیں بتلایا کہ بالکل باطل و منفی ہوگی، اور جب صحیح حدیثوں میں پوری بات ہے کہ نماز بغیر فاتحہ اور کچھ مزید قراءت کے بغیر نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف فاتحہ بلکہ ضم قراءت یا سورت بھی ضروری ہے، اس لئے حنفیہ صرف قراءت کو نماز کے لئے فرض اور فاتحہ و سورت دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں، دوسرے حضرات نے حدیث کے ایک قطعہ (نصاعد وغیرہ) کو بہت کم درجہ دیا کہ اس سے صرف سنیت و استحباب کا اثبات کیا ہے۔ حنفیہ نے احادیث کے لفظ فصاعدا اور لہما زاد اور وما تیسرو وغیرہ کے اشارات کو بھی پوری اہمیت دی ہے، اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ ان احادیث کی وجہ سے اگر کسی نے نماز میں نہ فاتحہ پڑھی نہ اس کے ساتھ دوسری قراءت کی تو اس کی نماز بالکل نہ ہوگی، حضرت نے فرمایا کہ اس قسم کے اشارات، صراحتوں سے زیادہ مقصد کی طرف مشیر ہوتے ہیں بقول شاعر "مسارل من تھوی رویدک فانزل" (یہی تو تیری محبوبہ کے گھروں کے نشانات ہیں، لہذا اپنے سفر کو موخر کر کے یہاں اتر کر کچھ دیر بیٹھا اور گزشتہ باتوں کی یاد تازہ کر)

حضرت نے پوری تفصیل و وضاحت کر کے بتلایا کہ احادیث خداج نے نماز بلا فاتحہ کو محسوس ناقص الخلقۃ بچہ سے تشبیہ دے کر اس کے حکماً ناقص ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لہذا ان احادیث سے بطلان صلوٰۃ کا فیصد نہ نا احادیث کے خشا کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان سے صرف وجوب فاتحہ اور مرتبہ واجب کا ثبوت ملتا ہے جو حنفیہ کا مسلک ہے۔ آخر میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہاں غیر تمام تمام بالمعنی المشہور سے نہیں ہے، بلکہ تمام عرب کے خاص محاورہ "ولدۃ امہ تمام" سے ہے۔ یعنی پوری مدت پر بچہ ہو مگر ناقص یا کم مدت پر ہو مگر کامل ہو۔ گویا خداج ہی کے دونوں معنی کی تاکید ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خوب واضح ہو گیا کہ امام بخاریؒ نے جو خداج کے لفظ سے نماز کو باطل محض سمجھا تھا، یا جیسے اب غیر مقلدین بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ بغیر فاتحہ کے نماز باطل اور کالعدم ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ بلا برہان ہے۔ اور امام بخاری نے مردہ بچہ ڈالنے اور میت لا یشفع بہ کا اضافہ بھی کیا، وہ لفظ کے معنی اصلی سے زائد بات ہے، اور بقول حضرت کے یہ امام بخاریؒ کے مبالغات میں سے ہے کہ جب ایک شق کو اختیار کر لیتے ہیں تو دوسری جانب کی ساری عمارتوں کو منہدم کر دینے کی سعی کیا کرتے ہیں، جس طرح علامہ ابن تیمیہ (اپنے تفردات کے اثبات میں) صرف اپنی ہی دھنٹے تھے اور دوسروں کی نہیں سنتے تھے۔

صاحب احسن الکلام نے دوسری ایسی احادیث بھی اس موقع پر پیش کی ہیں جن میں خداج یا غیر تمام کے الفاظ کسی واجب و فرض کے

ترک پر نہیں بلکہ صرف مکملات و سنن صلوٰۃ کے ترک پر فرمائے گئے ہیں (احسن الکلام ص ۲/۴۰) اور لکھا کہ جس طرح موجبین نے فصحاء و غیرہ الفاظ کو نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ اس کی روایت کرنے والے اکابر امام معمر، سفیان بن عیینہ، امام اوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ، عبد الرحمن بن اسحق مدنی، اور صالح بن کیسان ایسے جلیل القدر ائمہ ثقات اور حفاظ ہیں، اسی طرح خداج والی احادیث میں بھی اصلاً صلوٰۃ خلف الامام کی زیادتی ثقات کو نظر انداز کر دیا ہے اور جہاں خود ضرورت پیش آئی تو حضرت عبادہؓ کی حدیث صحیحین میں جبری قرآنہ خلف الامامہ اثبات کرنے کے لئے محمد بن اسحاق جیسے ضعیف راوی کے ذریعہ خارج صحیحین سے زیادتی ثابت کر لی ہے۔

### صلوٰۃ الی غیر القبلة کا جواز؟

امام بخاری نے ص ۲۷ جزء القراءۃ میں لکھا کہ حضرت زید بن ثابت سے تو یہ ثابت ہوا کہ انھوں نے غیر قبلہ کی طرف رجوع کیا ہے، مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر رکوع غیر قبلہ کی طرف کیا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ حنفیہ نے جن صورتوں میں تحریر یا بغیر تحریر کے غیر قبلہ کی طرف نماز کو درست یا نادرست کہا ہے، اس کی پوری تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور جہی کبیر (شرح منیہ) ص ۲۱۷/۲۲۵ میں تمام صورتوں کی تفصیل و احکام ہیں اس لئے مبہم طور سے کسی مسک کو گرانے کے لئے اس کو احادیث یا آثار کے خلاف کہہ دینا انصاف سے بعید ہے۔

### جہر مقتدی بالقراءۃ کی ممانعت؟

امام بخاریؒ نے ص ۲۸ میں مستقل فصل قائم کر کے یہ تاثر دیا کہ دراصل قراءت خلف الامام کی احادیث ممانعت میں نفس قراءۃ کی وجہ سے ممانعت نہیں ہے، بلکہ زور سے پڑھنے کی ممانعت ہے اور پہلی حدیث اس طرح پیش کی کہ لوگ حضور علیہ السلام کے پیچھے زور سے پڑھتے تھے، اس لئے آپ نے منع فرمایا، حالانکہ اسی فصل میں امام بخاریؒ نے جو دوسری احادیث ذکر کی ہیں، اور اس میں ظہر کی نماز کا بھی واقعہ ہے، جس میں ظاہر ہے کہ جب حضور علیہ السلام اور دوسرے صحابہ بھی قراءت زور سے نہ کرتے ہوں گے تو کسی ایک نے ہی کیوں زور سے کی ہو گی۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ ہر جگہ کے واقعات میں حضور علیہ السلام نے نماز کے بعد بھی سوال فرمایا کہ تم میں سے کس نے قراءت کی ہے؟ یہ سوال کہیں نہیں ہے کہ کس نے زور سے قراءت کی؟ لہذا ان سب احادیث کو جہر مقتدی سے متعلق کر دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### منازعت کی وجہ سے اعادہ کا حکم نہیں ہوا

امام بخاریؒ نے ص ۲۹ میں یہ باب بھی قائم کیا، جس سے ثابت کیا کہ امام کے پیچھے قراءت سے کوئی نقصان نماز میں نہیں آتا، اسی لئے تو حضور علیہ السلام نے منازعت والے کو اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں فرمایا، اور حدیث مسلم وغیرہ کے الفاظ کہ امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو ان کو زیادتی غیر ثقہ بتلایا، حالانکہ وہ کبار محدثین کے نزدیک زیادتی ثقہ ہے، پھر حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف قراءت فی الجہر یہ بات منسوب کی، حالانکہ وہ غلطی ہے اور غیر جہری کی جگہ جہری ہو گیا ہے۔ آخر میں امام بخاری نے دعویٰ کیا کہ سہم وغیرہ کی زیادتی جو ابو خالد سے نقل ہوئی ہے، اس کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، حالانکہ اس کی متابعت و تائید دوسرے متعدد ثقہ راویوں نے کی ہے۔ (پوری بحث کتابوں میں دیکھی جائے)

### سکات امام کی بحث

ص ۲۹ میں امام بخاریؒ نے مستقل باب سکات امام میں قراءت کے لئے ذکر کیا ہے، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی نفس الخطاب ص ۸۵ میں سکات پر تفصیلی بحث کی ہے، آپ نے لکھا:۔ جبکہ شریعت نے جہری نماز میں امام کے پیچھے کوئی محل و موقع فاتحہ کے لئے تجویز نہیں کیا تو امام بخاری نے سکات میں پڑھنے کی صورت نکالی ہے، اور حضرت سعید بن جبیر سے یہ بھی نقل کیا کہ لوگوں نے نئی نئی باتیں

نکال لی ہیں، سلف میں تو امام تکبیر کہہ کر اتنی دیر تک خاموش ہوتا تھا کہ اس کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اس کے پیچھے والے مقتدیوں نے فاتحہ پڑھ لی ہوگی۔ پھر وہ قراءت کرتا اور لوگ خاموش رہ کر قراءت سنتے تھے۔

اس پر حضرتؒ نے لکھا کہ یہ ان لوگوں نے خود سے بات بنالی ہے ورنہ کسی مرفوع حدیث سے ایسے بڑے سکوت امام اور قراءت مقتدی خلف الامام کا ثبوت نہیں ہے، اور خود حضرت سعید بن جبیر ہی سے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ بھی منقول ہے کہ ان سے قراءت خلف الامام کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: امام کے پیچھے کوئی قراءت نہیں ہے، اور دوسرا اثر ان ہی سے کتاب الآثار امام محمد میں بھی ہے، لیکن موجبین کی طرف سے اصرار و مبالغہ یہاں تک ہوا ہے کہ امام کے پیچھے جبری نماز میں بھی قراءت ضرور کر دخواہ اس کی قراءت سے پہلے ہو یا بعد میں یا اس کے ساتھ ہی ہو کسی حال میں بھی ترک نہ کرو، حالانکہ شارع علیہ السلام نے حدیث انسؓ میں سوال فرمایا کیا تم اپنی نماز میں امام کے پیچھے قرائے کرتے ہو جبکہ وہ قراءت کر رہا ہو؟ دوسری حدیث میں ہے کہ شاید تم امام کی قراءت کے وقت بھی قراءت کرتے ہو؟ اور حدیث ابن اکیمہ (جزء القراءۃ بخاری) میں بھی ہے کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرائت کی ہے؟ غرض اوپر جیسا اصرار و مبالغہ مناسب نہیں، اور اس کے مقابلہ میں دوسری طرف سے بھی مصنف ابن ابی شیبہ کا اثر حضرت ابراہیمؒ کی پیش ہو سکتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلی بدعت جو لوگوں نے چلائی وہ قراءۃ خلف الامام کی ہے اس سے پہلے لوگ نہ پڑھتے تھے۔

دوسری بات یہ بھی دیکھنی ہے کہ جو شخص امام کی فاتحہ ختم ہونے کے قریب نماز میں داخل ہوا تو وہ امام کے آمین کہنے پر آمین کہہ کر اقیہہ اپنی فاتحہ اگر پڑھے گا تو اس صورت میں "آمین" طالع نہ رہے گی، کہ ابوداؤد میں اس کو طالع قرار دیا گیا ہے، اور اگر آمین اپنی فاتحہ پوری کرنے کے بعد کہے گا تو امام و ملائکہ کی موافقت نہ رہے گی۔ غرض دونوں فضیلتوں میں سے ایک ضرور فوت ہو جائے گی۔ اور یہ سب غیر موزوں باتیں اس لئے پیش آئیں کہ خود احادیث کے اندر قراءۃ خلف الامام کو کوئی خاص مقام و اہمیت نہیں دی گئی ہے، اور ہم نے التزام مالا یلزم کر کے خود سے کچھ صورتیں تجویز کر لی ہیں۔

پھر فرمایا کہ امام فودی سے تعجب ہے کہ انھوں نے "الاذکار" میں سکتات کا مسئلہ اٹھایا ہے اور تیسرا طویل سکتہ آمین کے بعد نکالا جس میں مقتدی فاتحہ پڑھے گا۔ گویا انھوں نے آمین کے بعد اس کو مقتدی کے لئے بطور اصل مطرد کے تجویز کر دیا۔ الخ حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں سکتات کے اندر قراءت کو پوری طرح سے ضعیف قرار دیا ہے اور کافی دوائی بحث کر دی ہے۔

### حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد

آپ نے اپنے رسالہ "تنوع العبادات" میں لکھا: نماز میں سکتہ کے متعلق لوگوں کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ نماز میں کوئی سکتہ نہیں ہے جیسے امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک ثناء و تعوذ نہیں ہے، اور قراءت امام کے اندر بھی کوئی سکتہ نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں صرف ایک سکتہ ثناء و تعوذ کے لئے ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کیونکہ حدیث ابی ہریرہؓ عند اللہین سے اس کا ثبوت ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں دو سکتے ہیں جیسا کہ سنن کی روایات میں ہے، مگر ان میں سے دوسرا سکتہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے اور یہی صحیح ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام سورۃ فاتحہ سے فراغت پر سکتہ کرتے تھے، امام شافعیؒ اور امام احمد کے اصحاب میں سے بعض لوگوں کا قول اس روایت کی بناء پر یہ ہے کہ نماز میں تین سکتے مستحب ہیں، سورۃ فاتحہ کے بعد والے سکتہ کہ امام

ابن ماجہ میں ہے۔ قولہ احتضامہ بامین فان امین مثل الطابع علی الصحیفۃ، یعنی اپنی دعا کو آمین پر ختم کیا کرو، کیونکہ آمین ایسی ہے جیسے خط پر مہر لگ جاتی ہے، اور جس طرح شئی عزیز مہر کے ذریعہ محفوظ کر دی جاتی ہے۔ ایسی ہی دعا بھی آمین کی مہر کے ذریعہ محفوظ ہو کر حق تعالیٰ کی جناب میں پہنچی دی جاتی ہے۔ (مؤلف)

شافعی کے اصحاب اور بعض اصحاب احمد نے مقتدی کی قراءت فاتحہ کے لئے قرار دیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ صرف دو ہی سکتے مستحب ہیں۔ حدیث صحیح میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے، اور ایک روایت دو میں سے غلط ہے، ورنہ متین سکتے ہو جائیں گے۔ اور امام احمدؒ سے یہی منسوس ہے کہ صرف وہ سکتے مستحب ہیں اور دوسرا سکتہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد راحت کے لئے اور قراءت و رکوع میں فصل کرنے کے لئے ہے۔

پھر یہ کہ سورہ فاتحہ کے بعد سکتہ کرنے کو امام احمد اور امام مالک و امام ابو حنیفہؒ مستحب نہیں سمجھتے اور جمہور بھی اس امر کو مستحب نہیں سمجھتے کہ امام اس غرض سے سکتہ طویل کرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ جب امام جبر سے قراءت کرے۔ اس وقت مقتدی کے ذمہ جمہور کے نزدیک قراءت واجب یا مستحب نہیں ہے بلکہ قراءت کرنا مقتدی کو منع ہے۔

اگر امام کے ساتھ اس حالت میں مقتدی قراءت کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ امام احمد کے مذہب میں اس کے متعلق دو قول ہیں اور عامہ سلف صالحین جو امام کے پیچھے قرائے کو مکروہ کہتے ہیں یہ کہ اہت اس صورت میں ہے کہ امام جبر سے قراءت کر رہا ہو اور انٹر امز سورہ فاتحہ کے طویل سکوت نہیں کرتے تھے، اور جبری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔

اس سے تو کتاب اللہ میں بھی منع کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی، اور جمہور سلف و خلف اسی پر ہیں کہ امام کے پیچھے جبری نماز میں قراءت مکروہ ہے۔ نیز لکھا: جو لوگ امام کے ساتھ قراءت کرنے سے مقتدی کو منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف بھی ہیں اور کتاب اللہ و سنت صحیحہ بھی ہے، اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قراءت کو واجب کہتے ہیں، ان کی حدیث ابی داؤد و کواثر نے ضعیف کہا ہے، اور امام احمد و مسلم و اتفق بن راہویہ وغیرہم نے جو حدیث میں واداء قرآن صلوٰۃ کی روایت کیا ہے۔ وہ صحیح قرار دی گئی ہے۔ اور ابو داؤد والی اوپر کی حدیث صحیح کے درجہ میں شامل نہیں کی گئی اور بہت سی وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہے اور حقیقت میں وہ حضرت مہد کا قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے (تنوع العبادات ص ۸۵/۸۶)

## آخری باب اور قراءت خلف الامام

امام بخاریؒ نے باب جزاء القرائۃ میں قراءۃ ظہر کا قاننم کیا ہے جس میں وہ احادیث ذکر کیں، جن سے ظہر و عصر کی چاروں رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کا ثبوت ہے، اور اس کو سب ہی منفرد کے لئے مانتے ہیں، سوال تو فرضوں میں خلف الامام کی صورت کا ہے اور وہ بھی جبری میں، لیکن اس باب میں امام بخاریؒ نے جو سب سے پہلی حدیث حضرت جابر عبد اللہ کی پیش کی ہے، اسی میں یہ مضمون ہے کہ جو کوئی بھی بغیر قراءۃ فاتحہ کے رکعت پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی، الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، امام بخاریؒ نے اس حدیث پر کوئی کلام بھی نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صحت بھی ان کو تسلیم ہے۔ اور یہی ساری امت کے سلف و خلف کا مسلک بھی ہے کہ ہر شخص پر نمازیں قراءت فاتحہ واجب ہے، مگر یہ وجوب خلف الامام مقتدی پر نہیں ہے، لہذا وجوب خلف الامام کا مسلک رد ہو جاتا ہے۔

آگے حضرت ابو الدرداءؓ کی حدیث لائے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ ہر نماز کے لئے قراءت ضروری ہے، اور یہ بعینہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے اور یہ امام بخاریؒ وغیرہ کے خلاف ہے جو ہر رکعت کے لئے فاتحہ کو ضروری کہتے ہیں اور صرف قراءت کو کافی نہیں مانتے۔

آخر سے قبل حضرت مہد کا وہ قول یاد کی حدیث پھر لائے ہیں لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب، جس کے لئے حافظ ابن تیمیہؒ و دیگر اکابر محدثین کی رائے ہے کہ وہ قول عبادہ ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد نہیں ہے۔ رسالہ کی آخری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے کہ نماز بغیر فاتحہ اور کچھ زائد قراءت کے درست نہ ہوگی۔ یہ بھی حنفیہ کے مطابق ہے کہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت یا چند آیات پڑھنا ہر نماز کے لئے ضروری ہے اگر نہ پڑھے گا تو نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا، الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو تو اس پر قراءت فاتحہ اور مازاد واجب نہیں ہے، کیونکہ امام کی

قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ لقوله عليه السلام من كان له امام فقرأه الامام له قراءة

امام بخاری کا رسالہ ختم ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ امام بخاریؒ نے صحیح میں چند احادیث ذکر کیں مگر وہ کوئی صریح حدیث تعین فاتحہ خلف الامام کے لئے نہ لائے۔ اسی لئے ترجمۃ الاباب میں بھی اس کو نہ لائے اور مطلق قراءت کو لائے ہیں البتہ اپنے رسالہ ”جزء القراءۃ“ میں خوب توسع سے کام لیا ہے، بلکہ اس موضوع فاتحہ خلف الامام سے ہٹ کر دوسرے مسائل حنفیہ پر بھی بحث تاقدانہ و جارحانہ کلام کیا ہے، جو ان کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا، ہم نے اوپر یہ بھی بتلادیا ہے کہ بہت سے مسائل میں امام بخاریؒ نے جو نسبت امام صاحب یا حنفیہ کی طرف کی ہے، وہ صحیح بھی نہیں ہے۔

## دلائل امام بخاری ایک نظر میں

ہم یہاں ان کے خاص دلائل کو ایک جگہ بھی کر دیتا چاہتے ہیں، اور بیشتر یہی دلائل و نظریات اس دور کے غیر مقلدین کے بھی ہیں، اس لئے مختصر جواب بھی ساتھ ہی لکھ دیئے ہیں:-

(۱) حدیث عبادۃ: بخاری و مسلم میں جو حدیث حضرت عبادہؓ سے روایت کی گئی ہے وہ بالکل صحیح و قوی ہے، کہ نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، لیکن اس کو خود روایان حدیث مذکور اور امام احمد وغیرہ نے بھی صرف امام و منفرد کے حق میں قرار دیا ہے۔ مقتدی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا ہے کیونکہ حضرت جابرؓ سے مروی و موقوف ثابت ہوا کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی مگر جو امام کے پیچھے ہو (موطا امام مالک ترمذی و طیوی) پھر ایک اور حدیث صحیح سے بھی ثابت ہو کہ من كان له امام فقرأه الامام له قرآنہ کہ مقتدی کے لئے امام کی قراءت کافی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ، موطا امام محمد، مسند احمد ابن منیع وغیرہ) اور جبری میں ممانعت کے لئے سورۃ اعراف کی آیت اور حدیث مسلم اذا قرأ لخالصتوا موجود ہے۔

حضرت عبادہؓ کی دوسری حدیث جس میں قراءۃ فاتحہ امام کے پیچھے بھی ثابت کی جاتی ہے، اس کو محمد بن اسحق نے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے اور ابوداؤد میں کھول وغیرہ سے روایت کی گئی ہے جو محمد بن اسحق سے بھی کم درجہ ہیں۔

(۲) حدیث ابی ہریرہؓ: مسلم وغیرہ میں یہ حدیث ہے کہ نماز بغیر فاتحہ کے ناقص و ناتمام رہتی ہے، اول تو اس سے نماز کا ناقص ہونا ثابت ہے، باطل و کالعدم ہونا ثابت نہیں، اس کو ہم نے پہلے تفصیل سے لکھا ہے۔ دوسرے یہ بھی منفرد امام کے لئے ہے، تیسرے اس روایت میں بھی ثقہ راویوں نے الاصلۃ خلف الامام کی زیادتی نقل کی ہے

(۳) حدیث جابرؓ سے استدلال: امام بخاریؒ نے فرمایا کہ استماع وانصات کا حکم قراءت نماز و خطبہ دونوں کے لئے ہے اور جب صحیح حدیث فعلی و قوی سے خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کا حکم ثابت ہو تو اسی طرح امام کے پیچھے قراءت کے لئے بھی یہی حکم ہونا چاہئے، اس کا جواب بھی پہلے لکھا گیا ہے اور حضرت مولانا عبد اللہ خاں صاحب نے اس کی سند میں بھی کلام نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں جو زیادتی محمد بن جعفر غندر نے بطور حدیث قوی روایت کی ہے، وہ ان کا تفرد ہے، جس کی طرف امام ابوداؤد نے زاد کے لفظ سے اشارہ کیا۔ اور امام احمد نے تینوں اشخاص کی سند بیان کر کے غندر کے تفرد کا اظہار کیا ہے، (قال محمد فی حدیثہ ثم اقبل علی الناس، مسند احمد) اس طرح دوراویوں کے مقابلہ میں یہ صرف ایک کی زیادتی ہے، اور غندر کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا کہ ان میں غفلت کی علت ہے (تقریب) دوسرا نقص یہ کہ غندر نے سعید بن ابی عروبہ سے روایت کی ہے جو مدلس ہیں اور انھوں نے منعہ کیا ہے جبکہ مدلس کا منعہ مقبول نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ سعید مذکور کا حافظ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا، اور محدث عبد الرحمن بن مہدی نے تصریح کر دی ہے کہ غندر نے سعید سے روایت اختلاط و خرابی حافظ کے زمانہ میں کی ہے۔ چوتھے یہ کہ سعید ولید ابو بشر سے روایت کر رہے ہیں جبکہ یہ تصریح امام احمد ان

کو ابو بشر سے سماع ہی حاصل نہیں ہے۔ مولانا عبد اللہ خاں نے لکھا کہ اگر حضرت الاستاذ علامہ عثمانی کو ان روایتی اسقام پر تنبیہ ہوتا تو وہ فتح المہم ص ۲/۳۱۸ میں غنڈروالی قولی حدیث کی تصویب نہ فرماتے (نماز بوقت خطبہ ص ۷۷)

در حقیقت اپنے موضوع پر مولانا موصوف نے روایتی حدیثی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، اسلئے رسالہ مذکورہ ہر عالم کے لئے قابل مطالعہ ہے، اسی طرح حضرت شاہ صاحب کا رسالہ فصل الخطاب امام بخاری وغیرہ کے جواب میں محققانہ محدثانہ نقطہ نظر سے شاہ کا رد درجہ رکھتا ہے۔ نیز مولانا ظفر احمد صاحب نے اعلاء السنن اور رسالہ فاتحہ میں اور مولانا سرفراز خاں صاحب صفحہ دامت فیوضہم نے روایات مؤجبین و مانعین کا احصاء کر کے مدلل محدثانہ ناقدانہ کلام کیا ہے۔ جزا اہم اللہ خیر الجزاء۔

(۳) اثر مجاہد: امام بخاری نے جزاء القراءۃ میں حضرت مجاہد کا اثر پیش کیا کہ اگر امام کے پیچھے قراءت نہ کی تو نماز لوٹنے کا اول تو امام نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی اور بغیر سند کے ایسے اہم معاملہ میں کسی روایت کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ خصوصاً کتاب اللہ کی منعت اور احادیث کے مقابلہ میں۔ پھر قراءت بھی مجمل ہے، اس سے فاتحہ کیونکر مراد ہوگی؟ اور خود حضرت مجاہد سے ہی مروی ہے کہ آیت اذا قرأ القرآن فاستمعوا له نماز کے بارے میں اتری ہے۔ (کتاب القراءۃ تیسری ص ۷۷) اور یہ بھی وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے قرآن فی الصلوۃ کی حالت میں کسی انصاری نو جوان کی قراءت کی تو یہ آیت و اذا قرأ القرآن اتری تھی۔ (کتاب القراءۃ ص ۷۷) اس طرح تفصیل سے شان نزول بتلانے کے بعد بھی حضرت مجاہد کیونکر نماز لوٹانے کو فرما سکتے تھے؟! دوسرے یہ کہ امام احمد کا قول البغنی سے نقل کردہ مشہور ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قراءت کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور امام احمد یہ بھی فرما چکے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قراءت نہ کرنے سے نماز صحیح نہ ہوگی، (لہذا اعادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اور آپ کا یہ قول بھی پھر تازہ کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں سے امام مالک، اہل عراق میں سے سفیان ثوری، اہل شام میں سے اوزاعی اور اہل مصر میں سے لیث بن سعد، ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبد اللہ بن زبیر کا مینہ فتوے پر سند صحیح ثابت نہ تھا، یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو امام بخاری اور دوسرے اہل حدیث نے سمجھا ہے۔

(۵) اثر قاسم بن محمد: امام بخاری نے ان سے نقل کیا کہ بڑے بڑے لوگ امامت کا درجہ رکھنے والے امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، یہ اثر اس لئے حجت نہیں کہ اس کی سند میں اسامہ ہیں، جن کو امام احمد نے لیس ہشتی اور نسائی نے لیس بالقوی بتلایا۔ ابو حاتم نے کہا کہ ان سے استدلال درست نہیں، امام یحییٰ بن سعید نے ان کو ضعیف سمجھ کر بالآخر مطلقاً ترک کر دیا تھا، امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ان کی احادیث کا محمد شین نے انکار کیا ہے۔

امام دارقطنی نے کہا کہ جب انھوں نے عطاء بن جابر یہ روایت مرفوعاً بیان کی کہ ایام منیٰ کے چاروں دنوں قربانی جائز ہے (غیر مقلدین کا عمل اسی پر ہے) تو امام یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کی حدیث بالکل ترک کر دی ہے۔ دارقطنی نے یہ بھی لکھا کہ اسی حدیث کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس کو ترک کر دیا تھا۔ (تہذیب ص ۱/۲۰۹) غالباً امام بخاری نے صرف صحیح بخاری کی حد تک ان کو ترک کیا ہو گا کیونکہ باہر تو وہ ان کی سند لائے ہیں۔ ممکن ہے یہاں ہمارے سب کے خلاف محاذ مضبوط کرنے کے لئے اس ضعیف تر راوی سے ہی فائدہ اٹھانا چاہا ہو۔ واللہ اعلم عند اللہ

پھر اس روایت میں بھی قراءت مبہم ہے، اس لئے قراءت فاتحہ کے لئے استدلال درست نہ ہوا۔ اور خود قاسم بن محمد سے یہ اثر منقول ہے کہ وہ غیر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے (موطأ امام مالک) اور سری میں فاتحہ پڑھنے سے کوئی بھی نہیں روکتا۔

(۶) فاتحی الناس من کلام الزہری کا جواب۔ امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ ص ۱۳ میں نقد کیا کہ ”حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد کہ مجھ سے نماز کی قرائت میں کیوں منازعت کی جاتی ہے؟ سب لوگ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت سے رک گئے تھے۔“ یہ کلام زہری کا ہے۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ صحابی کا قول نہیں ہے، کیونکہ امام اوزاعیؒ نے کہا کہ امام زہریؒ نے یہ بھی کہا کہ حضور کے ارشاد مذکور کے بعد سب لوگوں نے نصیحت پکڑ لی اور اس کے بعد جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت ترک کر دی۔

سب سے پہلے تو گمراہی ہے کہ امام بخاریؒ نے موطاً امام مالک اور ابوداؤد دونوں کی روایت کے خلاف فقال رجل نعم کی جگہ قلنا نعم نقل کیا ہے، اس سے یہ ثابت ملتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے پیچھے قراءت کرنے والے بہت سے افراد تھے، حالانکہ وہ صرف ایک ہی شخص تھا، اور دوسرے سارے صحابہؓ نے قرائت نہیں کی تھی، چنانچہ حدیث مذکور سے محدثین نے چند فوائد اخذ کئے تھے (۱) جو لوگ حضور علیہ السلام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، وہ آپ کے امر سے نہ کرتے تھے، اور نہ آپ کو اس کا علم تھا، ورنہ آپ کو اس سوال کی ضرورت نہ ہوتی کہ یا کسی نے اس وقت میرے پیچھے قراءت کی ہے؟ (۲) سب صحابہؓ آپ کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے، کیونکہ حضور کے دریافت فرمانے پر صرف ایک شخص نہ بولتا، بلکہ دوسرے بھی کہتے کہ ہم نے قراءت کی ہے (مگر امام بخاریؒ نے قلنا نعم کی روایت کر کے اس فائدہ کو محسوس کر دیا ہے،) (۳) حضور علیہ السلام نے اس ایک شخص کی قراءت کو بھی پسند نہ فرمایا، اور آپ کی تکبر کے بعد سب ہی لوگ جہری میں قراءت خلف الامام سے رک گئے، اس کے بعد صحابہ کرام سری نمازوں میں بھی رک گئے ہوں گے، کیونکہ ایک روایت عبد اللہ بن شداد سے اس طرح آئی ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز میں حضور کے پیچھے قراءت کی، اور اس کو قریب والے صحابی نے اشارہ سے روکا، نماز کے بعد اس نے کہا کہ تو نے مجھے کیوں دہرایا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ تیرے آگے تھے تو میں نے اس کو کروہ سمجھا کہ تو حضور کے پیچھے قراءت کرے، ان دونوں کی گفتگو سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا، کی امام کی قراءت مقتدی کے لئے بھی ہے۔ یہ روایت مسند احمد بن منیع میں ہے اس کی سند شرط تخمین کے موافق ہے۔ اور کتاب الآثار امام محمدؒ میں بھی یہ روایت مفصلاً موجود ہے۔

غرض ایک بات تو یہی تحقیق طلب ہے کہ فقال رجل نعم اصح یا قلنا نعم، واللہ تعالیٰ اعلم، اس کے بعد امام بخاری کا دوسرا نقد ہے کہ لوگوں کے قراءت سے رک جانے کی بات صحابی سے نہیں بلکہ تابعی زہری سے ہے۔  
افادۃ انور: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فصل الخطاب ص ۳۳ میں مستقل فصل میں اس کا محدثانہ جواب دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث ابن اکیمہ لشی والی ان احادیث صحیحہ میں سے ہے جن سے ترک قراءۃ فی الجہر یہ کا ثبوت ہوتا ہے، اس حدیث کی تصحیح ابو حاتم اور دوسروں نے بھی کی ہے، البتہ بعض ان حضرات نے تصحیح سے پہلو تہی کی ہے جو قراءت خلف الامام کو اختیار کر چکے ہیں اور ان کی فقہی رائے حدیث نبوی تک سرایت کر گئی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں اعتراف کیا کہ حضور کی تنبیہ کے بعد لوگ غیر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے دل میں پڑھنے لگے تھے، لہذا معلوم ہوا کہ مقابلہ جہری دوسری نماز میں تھا یہ بات صحیحی کی تھی کہ حضور نے رور سے قراءت کرنے کو روکا تھا، لہذا پھر لوگ آہستہ پڑھنے لگے تھے، اور نہ یہ بات تھی کہ وہ فاتحہ کے علاوہ اور قراءت کرنے سے رکے تھے (و غیرہ تاویلات بعیدہ جو غیر مقلدین کرتے ہیں)  
پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک بات اس حدیث کے اثر کو کم کرنے کے لئے یہ بھی کہی گئی ہے کہ استہی الناس زہری (تابعی) کا کلام ہے، صحابی (ابو ہریرہؓ) کا نہیں ہے، حالانکہ ابوداؤد میں معمر سے بہ صراحت منقول ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے اور نیچے کے راوی کا مقصد یہ ہے کہ زہری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بات نقل کی ہے۔

حضرتؒ نے اس بات کو اچھی طرح مدلل کیا ہے۔ بحث دقیق ہے مطالعہ کر لی جائے۔ او جزء ص ۲۳۹/۱ اور بذل ص ۵۷/۲ میں بھی

محققانہ بحث ہے، امام بخاری نے امام اوزاعی کی نقل عن الزہری سے فائدہ اٹھانے کی سعی کی ہے، حالانکہ سارے محدثین جانتے ہیں کہ انھوں نے امام زہری سے جتنی روایات کی ہیں وہ سب کمزور ہیں۔ اور معمر جتنی روایات زہری سے کرتے ہیں وہ سب قوی ہیں۔

### یحییٰ وابن عبد البر کا نقد

امام بخاری یحییٰ بن معین کو امام نقد جال مانتے ہیں، اور یحییٰ نے کہا کہ اوزاعی زہری کے بارے میں بیس ہلاک ہیں، یعنی قوی نہیں (تہذیب ص ۶/۲۴۱) علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا کہ امام اوزاعی کی امام زہری اور یحییٰ بن ابی کثیر سے جملہ روایات ضعیف و کمزور ہیں (کتاب العلم ص ۲۰۱) ان کے مقابلہ میں معمر اشد الناس فی الزہری ہیں۔ لیکن ان کو امام بخاریؒ نے یہاں نظر انداز کرنا ہی بہتر خیال کیا ہوگا۔ احسن الکلام ص ۱/۱۴۱ میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری نے جو امام اوزاعی کی طرف بات منسوب کی ہے، اس کی سند میں حسن بن صالح ہیں، جن کو امام نسائی نے بیس بالقوی (ضعیف) قرار دیا ہے۔ (میزان ص ۱/۲۳۳) اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

### علامہ ابن تیمیہ کا فیصلہ

اگر بالفرض ہاں تھی الناس الخ کو امام زہری کا درجہ ہی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی یہ اس بات کی ایک بہت بڑی وزنی دلیل ہوگی کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام زہریؒ اپنے وقت میں سنت وحدیث (اور سیر و مغازی و اخبار زمانہ رسالت) کے بہت بڑے عالم اور امام تھے، قراءت کرنا ضروری ہوتا تو یہ مسئلہ امام زہریؒ سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟ لہذا جب امام زہریؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں لوگوں نے قراءت ترک کر دی تھی تو یہ اس بات کی مکمل اور معقول دلیل ہے کہ صحابہ تابعین امام کے پیچھے قراءت نہیں کیا کرتے تھے، اور اسی پر امام موصوف نے ان کو عامل پایا تھا۔ (فتاویٰ ص ۲/۱۳۵) •

### حدیث بلا زیادۃ زہری بھی حجت ہے

صاحب احسن الکلام نے علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت نقل کر کے آخر میں لکھا: فریق مقابل یہ بات اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ وہ جملہ امام زہری کا درجہ ہے اور روایت صالحی انما زع القرآن پر ہی ختم ہو جاتی ہے (جیسا کہ امام لیث بن سعد وغیرہ کی روایت یہیں ختم ہو جاتی ہے) تب بھی یہ حدیث جمہور ہی کی دلیل ہے کیونکہ آس حضرت ﷺ کے پیچھے قراءت کرنے والا صرف ایک ہی شخص تھا، اور اس کو بھی آپ نے گوارہ نہ فرمایا، پہلے تو نماز سے فارغ ہوتے ہی فوراً سوال فرمایا کہ کس نے قراءت کی ہے؟ پھر اس شخص کے اقرار کرنے کے بعد "صالحی انما زع القرآن" کے جملہ سے اس کی قراءت پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا، اس لئے اگر سرے سے جملہ ہاں تھی الناس نہ بھی ہو تو کیا تنبیہ مذکورہ کے بعد بھی صحابہ کرامؓ سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ پھر بھی حضور ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے رہتے، لہذا ظاہر ہے کہ جملہ مذکورہ ہو یا نہ ہو بہر صورت نتیجہ وہی صحیح ہو کر سامنے آتا ہے کہ پھر کسی نے بھی امام کے پیچھے قراءت نہ کی ہوگی۔ وهو المقصود (احسن الکلام ص ۱/۱۴۲)

### دلائل تاریکین قراءت خلف الامام ایک نظر میں

- (۱) قال تعالیٰ جل ذکرہ: - وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا (اعراف) جمہور کا براہ امت کا فیصلہ ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدیوں کا وظیفہ صرف استماع (کان لگا کر سننا) اور انصات (خاموشی) ہے۔
- (۲) حدیث سنن (بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) انما جعل الامام لیؤتم بہ الخ کہ امام اس لئے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اس حدیث کو صاحب السنن نے روایت کیا اور امام مسلم نے اس کی تصحیح کی ہے۔



(۳) حدیث بخاری و بیہقی وغیرہ کہ حضرت ابوبکرہ صحابی مسجد نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام رکوع میں جا چکے تھے انہوں نے جدی سے صف میں پہنچنے سے قبل ہی رکوع کر لیا تاکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ رکوع پالیں، اور اس طرح آگے بڑھ کر جماعت میں شرکت کر لی۔ حضور علیہ السلام نے کیفیت معلوم کر کے فرمایا کہ تمہاری دینی حرص اور زیادہ ہو مگر آئندہ اس طرح نہ کرنا۔

حضور علیہ السلام نے ان کے رکوع میں شامل ہو جانے کو رکعت طے کے لئے کافی سمجھا اور رکعت لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اور ابوبکرہ نے فاتحہ وغیرہ بھی نہ پڑھی تھی، پھر بھی ان کی رکعت صحیح ہو گئی، اس سے سارے اکابر امت نے یہ بھی سمجھا کہ رکوع میں طے سے رکعت مل جاتی ہے، مگر امام بخاری نے ساری امت سے الگ ہو کر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ رکوع میں طے سے رکعت نہ ملے گی کیونکہ اس کا قیام اور قراءت روگنی ہے۔ حضرت ابوبکرہ آخر میں اسلام لائے تھے۔ اس لئے یہ حضور علیہ السلام کا آخری فیصلہ ہے۔

لمحہ فکر یہ: امام بخاری نے بخاری ص ۱۰۳۸ کتاب الخلیل میں باب الہیۃ کے ایک مسئلہ پر لکھا کہ اس میں بعض الناس (امام ابو حنیفہؒ) نے رسول اکرم ﷺ کے فیصلہ کے خلاف رائے قائم کی ہے، اسی صفحہ پر حاشیہ میں اس طعن کا پورا جواب تحقیق والزامی درج ہے، اور ہم بھی انوار ابھاری میں اس کے موقع پر لکھیں گے، لیکن یہاں کیا صورت ہے وہ ابھی دیکھ لی جائے (۴) حضور علیہ السلام نے جو آخری نماز پڑھی ہے اور حضرت ابوبکرؓ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اگلی سورۃ پڑھ رہے تھے، کہ آپ نے تشریف لا کر امامت فرمائی اور اسی جگہ سے قراءت فرمائی، جہاں تک حضرت ابوبکر پڑھ چکے تھے، یہ حدیث تمام کتب حدیث میں ہے، اس میں خود آپ نے بھی فاتحہ نہیں پڑھی، اور بغیر فاتحہ کے آپ کی رکعت کیسے صحیح ہو گئی، بتایا جائے!! جبکہ امام بخاری اور غیر مقلدوں کا اصرار ہے کہ بغیر فاتحہ کے کوئی رکعت نہیں ہوتی اور جس نماز میں فاتحہ نہ ہو وہ باطل اور کالعدم ہے۔

(۵) حدیث مشہور من کان لہ امام الخ کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت کی ضرورت نہیں کیونکہ امام کی قراءت اس کے لئے بھی ہے۔ یہ حدیث مختلف طرق سے ثابت و صحیح ہے، موطا امام محمد، مسند احمد بن منیع، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب القراءۃ بیہقی، الجوہر النقی میں درج ہے۔ رجال کی احداث مطولات میں ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بحث و تحقیق کے درمیان ص ۹۷ فصل الخطاب میں حافظ ابن تیمیہؒ کا حسب ذیل ارشاد نقل کیا: فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے ”کہ اگر حدیث ”من کان لہ امام“ مرسل بھی ہے، تو یہ ایسی مرسل ہے جس کی تائید ظاہر قرآن و سنت سے ہو رہی ہے، اور اس کے قائل، جماہیر اہل علم صحابہ و تابعین بھی ہیں۔ پھر یہ کہ اس حدیث کا ارسال کرنے والا اکابر تابعین میں سے ہے، اور ایسی مرسل احمد اور بعد وغیرہم کے نزدیک بالاتفاق حجت ہوتی ہے۔“ حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید افادہ کیا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب مشہور سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے صرف استحباب قراءت ہے، وجوب نہیں ہے۔

### امام بخاریؒ وغیر مقلدین کا موقف؟

جبکہ امام بخاری و ابن حزم اور اس زمانہ کے غیر مقلدین جہری و سری سب ہی نمازوں میں امام کے پیچھے وجوب فاتحہ کے لئے مصر ہیں، اور دعوے کرتے ہیں کہ بغیر اس کے نماز باطل اور کالعدم ہوتی ہے پھر یہ کہ ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین جو ہندوستان و پاکستان میں حنفی کی نمازوں کو باطل بتلاتے ہیں، ان کو یہ بھی تو کہنا چاہیے کہ ساری دنیا کے تعین امامہ اربعہ کی ہی نمازیں باطل ہیں، اور خاص طور سے سعودی عرب اور حرمین شریفین کے لوگوں کی بھی، کہ خیر واللہ تو زیادہ تر امام احمد و ابن تیمیہ و ابن قیم کے تبع ہیں، اور یہ غیر مقلدین اپنے کو ان سے مسلک و مشرب میں قریب تر بتلا کر لاکھوں روپے کی سالانہ ادائیگی بھی حاصل کرتے ہیں۔

(۶) حدیث موطا امام مالکؒ و ترمذی شریف من صلی رکعۃ الخ کہ جو کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی جائے وہ درست نہ ہو گی۔ البتہ امام کے پیچھے صحیح ہوگی۔

(۷) موطا امام مالک و دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے جب سوال کیا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قراءت کی جائے تو فرمایا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قراءت کافی ہے۔ لیکن الگ پڑھے تو قراءت کرے۔ اور خود حضرت ابن عمرؓ بھی امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے۔ جس کا اعتراف امام بخاری کو بھی ہے۔

(۸) حدیث صحاح و سنن، قسمت الصلوٰۃ الخ سے بھی ثابت ہے کہ نماز کی حقیقت فاتحہ و قراءت سورۃ ہے اور اس کو پیش کرنے کا حق جماعت کی نماز میں صرف امام کو ہے۔ مقتدی خاموش ہو کر دربار خداوندی کی معروضات کو سنیں گے۔ اس کے بارے میں پوری تحقیق ہمارے استاد الاسلامہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے رسالہ میں قابل دید ہے۔ اس کے ساتھ امام اعظمؒ کا مشہور واقعہ بھی تائید میں ہے کہ چند آدمی آپ کی خدمت میں قراءت خلف الامام ہی کے مسئلہ میں بحث و مناظرہ کے لئے پہنچے تھے تو امام صاحب نے فرمایا کہ تم میں سے ایک وکیل ہو کر مجھ سے کلام کرے، انھوں نے ایک کو وکیل بنالیا تو آپ نے فرمایا کہ زیر بحث مسئلہ تو صل ہو گیا، اس نے کہا کس طرح پر؟ آپ نے فرمایا کہ جس طرح تم سب کی طرف سے کلام کے لئے مقرر ہوئے ہو، اسی طرح امام صلوٰۃ بھی سب مقتدیوں کی طرف سے دربار خداوندی میں عرض و معروض کے لئے پیش ہوتا ہے، اور اس کا کلام و قراءت سب کی طرف سے کافی ہوتی ہے۔ اس پر وہ سب لوگ لا جواب ہو کر واپس ہوئے۔

(۹) حدیث ترمذی، ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ "الامام ضامن و المؤذن مومن" (امام ضامن و کفیل ہے اور مؤذن امانت دار ہے) سب جانتے ہیں کہ کسی کا ضامن و کفیل جب اس کی طرف سے قرضہ ادا کر دیتے ہے تو قرض دار سکدوش ہو جاتا ہے، اسی طرح امام صلوٰۃ بھی مقتدیوں کی طرف سے قراءت کا فرض ادا کر کے سب کو سکدوش کر دیتا ہے، یہی حدیث کا فائدہ ہے۔

(۱۰) حدیث ابی داؤد وغیرہ فالنہی الناس عن القراءۃ والی جس پر امام بخاری کا اعتراض و جواب بھی اوپر گزرا ہے (۱۱) حدیث بخاری (عن ابن عباسؓ) کہ وہ حضور علیہ السلام کی نماز جماعت کے سامنے سے اونٹنی پر سوار گزر گئے، اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی، امام بخاری نے اس حدیث پر عنوان و ترجمہ الباب باندھا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔ علامہ عینی نے لکھا کہ ابن بطلال اور ابو عمرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اسی طرح قراءت کا مسئلہ بھی ہے)

## حافظ ابن القیم کا ارشاد

حافظ ابن القیمؒ نے کتاب الروح ص ۱۶۶ میں لکھا۔ امام کی قراءت مقتدیوں کی قراءت ہے اور امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے، اور مسند قراءۃ خلف الامام کی تحقیق کے سلسلہ میں مزید لکھا کہ آں حضرت ﷺ نے مقتدیوں پر سے سجدہ سہو ساقط کر دیا ہے بایں طور کہ امام کے پیچھے مقتدی کی کہوں سے اس پر سجدہ سہول نہ نہیں ہوتا، یعنی جب امام کی نماز صحیح ہوگئی تو مقتدیوں کی بھی صحیح ہوگئی، اسی طرح آں حضرت ﷺ نے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی ساقط کر دیا ہے کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ (ہم نے آٹھارویں جلد البعین کا ذکر، خوف طوالت ترک کر دیا ہے۔)

لطف النور: آخر میں ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے چند کلمات آخری درس بخاری شریف کے (مورخہ ۱۸۔ جون ۱۹۳۲ء) نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں۔ فرمایا: "میں اپنے رسالہ میں اول تو جواز فتحہ سری میں بتلایا ہے حدیث کی روشنی میں۔ پھر یہ بتلایا ہے کہ مرضی ہے جو بر غبت خاطر عاثر نہیں ہے حضور علیہ السلام سے، لیکن اس درجہ کی بھی نہیں ہے کہ اس کے پیچھے پڑ جائیں جو قرائت کرے سری میں۔" پھر فرمایا: "جبری میں دو چار ہی صحابہ سے قرائت فاتحہ خلف الامام منقول ہے، اور سری میں ۲۰-۳۰ سے منقول ہے، اس لئے میں اس میں نرم ہو گیا ہوں۔"

یہ حضرتؒ کے بعینہ الفاظ ہیں جو درس کے وقت احقر نے قلمبند کئے تھے۔ چونکہ حضرتؒ کی تحقیق علوم سلف و خلف کے پورے مطمحہ کے بعد ہوتی تھی، اس لئے آپ کے ایک ایک لفظ کی قدر ہوتی تھی۔ اور بقول حضرت تھ نوئی قدس سرہ آپ کے ایک ایک جملہ پر ایک رسالہ

لکھا جاسکتا ہے۔

ہم نے قرائۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر کافی طویل بحث درج کر دی ہے، صرف اس لئے کہ ایک صحیح مسلک کی تشریح و تحقیق بطور نمونہ کے سامنے آجائے۔ اور اس لئے کہ مقابل میں امام بخاری تھے ورنہ ہر جگہ اور ہر مسئلہ کی شرح و تحقیق کرنے سے بوجہ خوف طوالت معذوری ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

## باب القراءة فی الظهر

### نماز ظہر میں قراءت کا بیان

۷۱۹: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا ابو عوانہ عن عبد الملك بن عمير عن جابر بن سمرة قال سمعت كنت اصلى بهم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوات الغنى لا اخرج منها كنت اركد في الاوليين واحذف في الاخيرين فقال عمر ذلك الظن بك

۷۲۰: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا شيبان عن يحيى عن عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الركعتين الاولين عن صلوة الظهر لفاتحة الكتاب وسورتين يطول في الاولى ويقصر في الثانية ويسمع الامة احياناً وكان يقرأ في العصر بفاتحة الكتاب وسورتين وكان يطول في الاولى وكان يطول في الركعة الاولى من صلوة الصبح ويقصر في الثانية

۷۲۱: حدثنا عمر بن حفص حدثنا ابي قال حدثنا الاعمش قال حدثني عمارة عن ابي معمر قال سألنا خباباً اكان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الظهر والعصر قال نعم قلنا باي شيء كنتم تعرفون قال باضطراب لحيته

ترجمہ ۷۱۹: حضرت جابر بن عمر روایت کرتے ہیں، کہ سعد نے (حضرت عمرؓ سے) جواب اپنی شکایت کے (کہا، کہ میں کوفہ والوں کو) (بعد دوپہر) شام کی دونوں نمازیں (ظہر و عصر) رسول خدا ﷺ کی نماز میں پڑھاتا تھا، ان میں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ کرتا تھا، میں پہلی دو رکعتوں میں دیر لگاتا، اور پچھلی دو رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہاری طرف میرا بھی یہی خیال ہے۔

ترجمہ ۷۲۰: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور (کوئی اور) دوسری رکعتیں پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں بڑی سورت پڑھتے تھے، اور نماز صبح کی پہلی رکعت میں (بھی) بڑی سورت پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں (اس سے) چھوٹی سورت پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۷۲۱: حضرت ابو معمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے خباب سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ ظہر اور عصر (کی نماز) میں قرآن پڑھتے تھے، انہوں نے کہا، ہاں، ہم نے کہا، کہ تم کس طرح پہچان لیتے تھے، وہ بولے، کہ آپ کی داڑھی کی جنبش کی وجہ سے۔

تشریح: علامہ عینی نے لکھا کہ اس باب کی پہلی حدیث تو یہی ہے جو باب وجوب القرائۃ کے تحت آچکی ہے، اور امام بخاری کا مقصد اس باب سے بھی یہ تھا کہ قرائۃ کی رکینیت و فرضیت نہ صرف منفرد امام کے لئے بلکہ مقتدی کے لئے بھی ثابت کر دی جائے، حالانکہ ہم نے وہاں بھی (ص ۳۵۷ میں) بتلایا تھا کہ امام بخاری کی بات منفرد امام کے لئے سب کو تسلیم ہے لیکن مقتدی کے لئے صحیح نہیں، اور نہ احادیث

الباب سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

یہاں بھی وہی بات ہے کہ امام بخاری ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی نماز کا حوالہ دے کر حضرت سعدؓ یہاں بھی وہی پہلی بات کہہ رہے ہیں مگر ان تینوں احادیث الباب سے بھی صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام چاروں رکعت میں قرائۃ کرتے تھے لیکن یہ بات کہ وہ قرائۃ بطور رکن و فرض کے تھی محل نظر ہے، اگر یہ کہا جائے کہ جب حضور علیہ السلام ہمیشہ ہی قرائۃ چاروں رکعت میں کرتے تھے، تو یہ صورت بظاہر رکن و فرض ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے امام بخاری کا استدلال درست ہو جانا چاہئے، تو اس سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ حضور علیہ السلام سے مداومت عمل بہت سی سنن پر بھی ثابت ہے۔ مثلاً اذان و اقامت وغیرہ کہ برابر حضور علیہ السلام کی نماز جماعت میں ان کا اہتمام ہوتا رہا ہے، لہذا مداومت عمل و وجوب و فرضیت یا رکنیت کے لئے دلیل و حجت نہیں بن سکتا، حضرت گنگوہیؒ نے یہ بھی لکھا کہ رکنیت کا ثبوت تو جب ہو سکتا ہے کہ چار رکعت میں سے مثلاً کسی ایک میں بھی قرائۃ رہ جائے تو نماز فاسد ہو۔ (عمدہ و لامع ص ۱۸۲۹۶)

امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ جزء القرائۃ ص ۳۰ میں بھی مستقل باب القرائۃ فی الظهر فی الاربع کلھا قائم کیا ہے، اور یہاں بخاری میں بھی ظہر کے بعد عصر و مغرب کی نمازوں کے لئے باب لارہے ہیں، اور ان تمام روایت کو پیش کر کے یہی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ فرضوں کی ہر رکعت میں قرائۃ فرض و رکن ہونی چاہئے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام ہمیشہ پڑھتے تھے، حالانکہ ان کا مقصد اس طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ مذہب کی تفصیل: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ امام زفر و حسن فرائض کی ہر رکعت میں قرأت کو فرض بتلاتے ہیں، خفیہ دور رکعت میں۔ امام مالک تین میں اور امام شافعی چاروں میں فرض کہتے ہیں۔ حاشیہ لامع میں یہ بھی ہے کہ امام مالک سے متعدد روایات ہیں اور مشہور یہ ہے کہ ہر رکعت میں واجب ہے مگر کسی رکعت میں سہوارہ جائے تو نماز صحیح ہو جائیگی مجدد سہو کرنا ہوگا کما فی الباب۔ (لامع ص ۱۸۲۹۶)۔

علامہ بخاریؒ نے لکھا: ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ مصلی مامور بالقرائۃ ہے بقولہ تعالیٰ للفرؤا ما تیسرومنہ اور امر متقنی تکرار نہیں ہوتا لہذا پہلی رکعت ادا و فرض کے لئے متعین ہوگی، اور دوسری رکعت میں پہلی کی مشاکلت من کل وجہ کے سبب سے قرائۃ ضروری قرار دی گئی ہے۔

علامہ نے مزید لکھا کہ کچھ حضرات نے تو نماز میں قرائۃ کو صرف استحباب ہی کا درجہ دیا ہے، جن میں احمر، اصم، ابن علی و حسن ہیں۔ اور امام مالک سے بھی ایک شاذ روایت ہے کہ نماز بغیر قرائۃ کے صحیح ہو جائے گی، ابن ماجہ نے کہا کہ جس سے صبح کی یا اور کسی وقت کی نماز کی ایک رکعت میں قرائۃ رہ جائے تو نماز مجدد سہو کرنے سے درست ہو جائے گی۔

امام بیہقیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کی کہ نماز میں قرائۃ سنت ہے، امام شافعی کا قدیم قول یہ تھا کہ اگر بھول سے رہ جائے تو نماز درست ہوگی، مصنف میں بھی ہے کہ حضرت علی و ابن مسعودؓ نے فرمایا: پہلی دور رکعت میں قرائۃ کرو اور دوسری دو میں تسبیح۔ (یہ بات حضرت عائشہؓ سے بھی نقل ہوئی ہے) اسود، ابراہیم و ثورثیؒ سے بھی نقل ہوا کہ آخری دور رکعتوں میں تسبیح تجمید و تکبیر کافی ہے اور افضل قرائۃ ہی ہے۔ (مدہ ص ۳۶۱۲)

افادۃ النور: حضرت نے فرمایا: امام بخاریؒ کو چونکہ کوئی دلیل فاتحہ و سورت کے احکام میں فرق کرنے کے لئے نہیں ملی، تو باب سابق کی طرح یہاں بھی باب کے عنوان میں صرف قرائۃ کا لفظ لائے ہیں، جس میں فاتحہ اور دوسری سورتیں برابر ہیں، پھر فرمایا کہ پہلی اور تیسری حدیث الباب میں تو فاتحہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ تو کیا رکن کی شان یہی ہے کہ امام بخاریؒ بغیر اس کے ذکر و صراحت کے ہی رکن ثابت کر دیں گے؟! پھر یہ کہ اضطراب لحد سے تو قرائۃ بھی ثابت نہیں ہوتی، ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام تسبیح و تجمید فرماتے ہوں گے، لہذا ایسے الفاظ سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا، نہ اس سے کوئی خاص فائدہ؟ اس سے استدلال ہو سکتا تو بڑے طعنا و قراں دکھائے جاتے۔ اب یہ ان امور کا فیصلہ تعل و توارث سے ہوتا ہے اور ہوا ہے، اور چونکہ اس کے ذریعہ سب ہی کو تسبیح ہے کہ قرائۃ ہوتی تھی، اس لئے اضطراب والی بات پر کوئی بحث و نظریہ قیل و قال کا بھی موقع نہ ہوا۔

غرض الفاظ رواۃ پر تکیہ کر کے بحثیں اٹھانے سے بہتر یہی ہے کہ فیصلہ کی بات تعامل پر ہی رکھی جائے۔ (حنفیہ کا خاص طریقہ اثبات بھی یہی ہے کہ کتاب و سنت کے بعد آثار صحابہ و تابعین اور ان کے تعامل پر نظر کرتے ہیں) حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ بات بڑے عجائب میں سے ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف عدم قرائۃ فی العصرین منسوب کر دی گئی۔ قولہ بطول فی الاولیٰ پر فرمایا۔ "تخین (امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسفؒ) کا مذہب یہ ہے کہ سوا فجر کے سب نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں قرائۃ برابر ہو کہ استحقاق قرائۃ میں وہ برابر ہیں (فجر میں اس لئے پہلی رکعت میں قرائۃ زیادہ کرنا بہتر ہے کہ نیند و غفلت کا وقت ہے جتنے زیادہ لوگ جماعت میں شرکت کر سکیں اچھا ہے) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں قرائۃ سب ہی نمازوں میں زیادہ ہو تو بہتر ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام سے نقل ہوا کہ آپ سب ہی نمازوں کی پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے۔" تخین کہتے ہیں کہ وہ طوالت بوجہ ناشائی، قرائۃ کی وجہ سے نہ تھی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک امام محمدؒ ہی کے مسلک کو ترجیح ہے کیونکہ ابوداؤد میں احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام صبح اور ظہر و عصر کی بھی پہلی رکعت میں طوالت اختیار کرتے تھے جب تک کہ لوگوں کی آواز آتی رہتی تھی۔ اور حضرت ابوقادہؓ نے فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو پہلی رکعت مل جائے۔ (بذل النہو ص ۲۳۳) اس لئے اب بھی اگر لوگوں کے پہلی رکعت میں طے کی توقع ہو تو حدیث کے مطابق پہلی رکعت کو طویل کرنا بہتر ہے۔

## باب القراءۃ فی العصر

### نماز عصر میں راءت کا بیان

۷۲۲: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفيان عن الاعمش عن عمارۃ بن عمير عن ابي معمر قلت لخباب بن الارت اكان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الظهر والعصر قال نعم قلت باي شي كنتم تعلمون قراءته قال باضطراب لحيته

۷۲۳: حدثنا المكي بن ابراهيم عن هشام عن يحيى بن ابي كثير عن عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب سورة ويسمعنا الآية احيانا

ترجمہ ۷۲۲:- حضرت ابو معمرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خباب بن ارت سے کہا کہ کیا نبی ﷺ ظہر اور عصر (کی نماز) میں قرآن مجید پڑھتے تھے، وہ بولے، کہ ہاں، میں نے کہا، کہ تم کس طرح آپ کا کا پڑھنا معلوم کر لیتے تھے، وہ بولے، کہ آپ کی داڑھی کی جنبش سے۔ ترجمہ ۷۲۳:- حضرت ابوقادہؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ ظہر اور عصر کی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی ایک ایک دوسری سورت پڑھتے تھے، ورنہ کبھی کوئی آیت ہمیں سنائی دی جاتی تھی۔

تشریح: یہ دونوں احادیث الباب پہلے باب میں بھی آچکی ہیں اور ظہر و عصر دونوں کے احکام یکساں ہیں۔ اس لئے مزید تشریح یا بحث کی ضرورت نہیں۔ قولہ و یسمعنا احيانا پر حضرتؒ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ حنفیہ کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ اگر کوئی سری نماز میں جہر کر لے تو سجدہ سہو کتنی قرائۃ کرنے پر جواب ہوگا، ایک گلدہ کی قرائۃ سے (ایک پوری آیت سے اور کہا گیا کہ ایک سے زیادہ آیت پڑھنے پر واجب ہوگا۔ میرا مختار دوسرا قول ہے۔

پھر یہ کہ حضور علیہ السلام کا سری نمازوں میں کبھی بھی جہر کے ساتھ کسی آیت کا سنانا تعظیم قرائۃ کے لئے تھا، تعلیم جہر کے لئے نہیں تھا

جیسا کہ ظاہر ہے، اور ہمارے نزدیک تسمیہ کا جبر بھی تعظیم ہی کے لئے تھا، لہذا وہ بھی سنت نہ ہوگا اور سری میں کن آیت کا جبر سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کے لئے بھی بہتر سمجھا گیا ہے۔

## باب القراءة فی المغرب

### مغرب (کی نماز) میں قرآن پڑھنے کا بیان

۷۲۴: حدثنا عبد الله بن يوسف قال أخبرنا مالك عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن

ابن عباس انه قال ان ام الفص سمعته وهو يقرأ والمرسلات عرفاً فقالت يا بنی لقد ذكرتني بقرأ

تک هذه السورة لانها لاخرها سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بها في المغرب

۷۲۵: حدثنا ابو عاصم عن ابن جريح عن ابن ابي مليكة عن عروة بن الزبير عن مروان بن الحكم قال قال

بي زيد بن ثابت مالک تقرأ في المغرب بقصار وقد سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ بطولي الطويلين

ترجمہ ۷۲۴:- حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ (میری والدہ) ام فضل نے (ایک مرتبہ نماز میں) مجھے والمرسلات عرفاً پڑھتے سنا تو کہنے لگیں، کہ اے میرے بیٹے، تو نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلادیا کہ یہی آخری سورت ہے، جو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنی کہ آپ اس کو مغرب میں پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۷۲۵:- مروان بن حکم روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے زید بن ثابتؓ نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو حالانکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دو بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرت نے فرمایا۔ مغرب کی نماز میں مختصر قرائت مستحب ہے، اس لئے یہاں جو سورہ مرسلات پڑھنے کا ذکر ہے اس کو امام طحاویؒ نے اس پر محمول کیا کہ حضور علیہ السلام نے سورہ مرسلات کا آچھ حصہ پڑھا ہوگا، پوری نہ پڑھی ہوگی۔

میرے نزدیک اگر پوری سورت بھی مان لی جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ طویل قرائت بھی جائز ہے بشرطیکہ مقتدیوں پر بار نہ ہو اور ستارے اچھی طرح نہ نکل آئیں۔

میرا یہ خیال پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے مرض وفات کے دنوں میں مغرب کی نماز کے لئے بھی نکلے ہیں اور اس کی روایت نسائی میں موجود ہے، جس کی حافظ نے تاویل کر دی ہے کہ حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف نہ لائے تھے بلکہ اپنے بیت اقدس کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی طرف نکلے تھے۔

اس موقع پر امام ابو داؤد نے فرمایا کہ مغرب کی نماز میں طویل قرائت منسوخ ہوگئی ہے، حالانکہ آپ کی سورہ مرسلات والی نماز مذکور مرض وفات کی تھی، اس کو منسوخ کیونکر کہہ سکتے ہیں البتہ امام طحاویؒ کی اصطلاح خاص کے لحاظ سے منسوخ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن امام طحاویؒ نے ربیع

الہ مقدمہ فتح الباری میں مروان سے روایت بخاری کی حدیث میں حافظ نے حضرت عروہ بن زید کا قول نقل کیا کہ وہ حدیث کے بارے میں بہتم نہ تھا اور یہی بات تہذیب و اصا میں بھی نقل کی لیکن تاریخ کبیر بخاری ص ۳۱۳۶۸ میں ان کا قول یہ نقل کیا ہے کہ (ابو داؤد بخاری حدیث کے) میرا گمان ہے کہ مروان ہم لوگوں پر کوئی تہم نہ لگائے گا، اس میں اس کی حدیث کے بارے میں کوئی توثیق نہیں ہے۔ اس پر تاریخ کبیر کے کئی حواشی غلام نے حواشی کردہوں جملوں میں بہت تراویق ہے اور اوپر کا جملہ مطبوعہ تاریخ والا اصحاب میں ت اور سند احمد میں بھی اسی طرح ہے۔ اور حافظ نے کیا بات بھی اور کیا نقل کر دی۔ ”مؤلف“ مقدمہ فتح الباری میں مروان سے روایت بخاری کی حدیث میں حافظ نے حضرت عروہ بن زید کا قول نقل کیا کہ وہ حدیث کے بارے میں بہتم نہ تھا اور یہی بات تہذیب و اصا میں بھی نقل کی لیکن تاریخ کبیر بخاری ص ۳۱۳۶۸ میں اس کا قول یہ نقل کیا ہے کہ (ابو داؤد بخاری حدیث کے) میرا گمان ہے کہ مروان ہم لوگوں پر کوئی اتہام نہ لگائے گا، اس میں اس کی حدیث کے بارے میں کوئی توثیق نہیں ہے۔ اس پر تاریخ کبیر کے کئی حواشی ہیں۔ جب کھجک دونوں جملوں میں بہت تراویق ہے اور اوپر کا جملہ مطبوعہ تاریخ والا اصحاب میں ہے اور سند احمد میں بھی اسی طرح ہے۔ اور حافظ نے کیا بات بھی اور کیا نقل کر دی۔ ”مؤلف“

یدین کو منسوخ کہہ دیا تھا تو ان پر ہر طرف سے رافضیوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی تھی، حالانکہ ان کا روئے سخن یدین کو واجب قرار دینے والوں کی طرف تھا، اور انہوں نے وجوب کے نسخ کی بات کہی تھی جس سے نسخ جواز لازم نہیں آتا تھا، نیز یہ کہ ان کے نزدیک نسخ بمعنی رفع شریعت نہیں تھا، بلکہ کسی ایک امر کے بعد دوسرا امر اس کے خلاف ثابت ہونے پر وہ نسخ کا اطلاق کیا کرتے تھے، جیسا کہ بہت سے مواقع میں ان سے ایسا ہی ثابت ہے، تو اسی اطلاق کے مطابق امام ابو داؤد کا نسخ فرمانا بھی درست ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

### صحیح بخاری میں مروان کی روایت

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپری معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خونریز یوں کا باعث، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا ہے، اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تاکہ خود صاحب حکومت بنے، جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کون ہے جو حرم نبی پر دست درازی کرتا ہے؟ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تگوار ماری، جس سے عمارؓ گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا، اور جنگ ختم ہو گئی۔ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حدیث نبی اکرم ﷺ سے کہہ کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہوئے، مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے۔ اور کوئی میدان سے نہ جائے۔

غرض مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے اسی نے حضرت محمد بن ابی بکرؓ کے لئے بجائے فاقبلوہ کے فاقتلوہ لکھ دیا تھا۔ صرف اتنی بات اس میں تھی کہ حدیث میں اس سے جھوٹ ثابت نہیں ہوا، اسی لئے روایتیں لے لی گئی ہیں، تاہم امام مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی، اور حافظ ابن حجرؒ نے جہاں دوسرے متکلم فہم رواۃ بخاری کی طرف سے جواب دی کی ہے ص ۴۴۳ مقدمہ فتح الباری میں لکھا کہ عروۃ ابن الزبیرؓ نے کہا کہ وہ حدیث کے بارے میں بہتم نہیں تھا۔ اس کی پیدائش یوم خندق یا یوم احد میں ہوئی تھی، امام بخاری نے لکھا کہ اس سے حضور اکرم ﷺ کی زیارت نہیں کی۔ طلب خلافت کے موقع پر مروان نے یہ بھی کہا تھا کہ ابن عمرؓ مجھ سے بہتر نہیں ہیں، لیکن وہ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں اور ان کو شرف صحبت حاصل ہے، تہذیب میں حافظ نے لکھا کہ محدث اسماعیلی نے امام بخاری پر مروان سے حدیث لانے کی بنا پر فتنہ کیا ہے اور مروان کے بدترین کاموں میں سے حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کرنا لکھا ہے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، پھر خلافت حاصل کرنے کے لئے خونریزی کی بھی مذمت کی ہے۔ حافظ نے لکھا کہ میں نے تخریج بخاری کے لئے مقدمہ فتح الباری میں معذرت پیش کی ہے کہ وہ حدیث میں بہتم نہ تھا۔ (تہذیب ص ۱۰۹۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ مقبلی نے جو زیدی تھے، کہا کہ امام بخاریؒ نے حنفیہ کے ساتھ فرط تعصب کی وجہ سے امام محمدؒ ایسے حضرات سے بخاری میں حدیث نہیں لی اور جہاں مجاہدین سے روایات درج کی ہیں۔ پھر حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اشتغال بالحدیث کی برکت سے مقبلی کی زیدیت ہلکی ہو گئی تھی۔

ہمارے مولانا عبد اللہ خاں صاحب دام ظلہم نے اپنے رسالہ خطبہ میں حافظ ابن حجرؒ کی اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہ حضرت سلیمانؑ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے عمل سے بھی نماز بوقت خطبہ ثابت ہے، اول تو مولانا نے فرمایا کہ سارے اہل مدینہ میں سے صرف ایک شخص کے عمل کو پیش کرنا ہی ان کے مسلک کی موجودیت کے لئے کافی ہے، دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں مسجد نبویؐ کا خطیب مروان تھا، جو سلطنت نامرضیہ بنی امیہ کی جانب سے والی مدینہ تھا، مروان حکومت مصلطہ کا ایک رکن ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا ظالم و جابر تھا، صحابہ کرام کے ساتھ ان بد بخت حکام کا طرہ عمل بے حد گستاخانہ تھا، حتیٰ کہ خطبوں میں دل آزار کلمات کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ اور اپنے امراء کی

قصیدہ خوانی بھی کرتے تھے، اس لئے علماء کرام ان لوگوں کے خطبے سننا بھی پسند نہ کرتے تھے، اور غالباً حضرت ابوسعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ کچھ نمازی پڑھ لیں۔

اسی طرح سلیک کی نماز کے وقت تو حضور علیہ السلام نے خطبہ بنڈ فرمایا تھا، اس لئے ان کی نماز بوقت خطبہ نہ تھی اور مروان کے خطبہ کے لئے شرعی خطبہ کا حکم ہی بمشکل دیا جاسکتا تھا، اس لئے حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس وقت کی نماز کو بطور دلیل پیش کرنا بے سود ہے۔ (نماز بوقت خطبہ ص ۶)

مولانا نے ص ۲۶ میں امام بخاریؒ کی جرح بابۃ عطاء خراسانی پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری کے یہاں جرح و توثیق میں قوت و دلیل کا سوال نہیں بلکہ خود ان کے رجحان طبع پر فیصلہ ہے۔ قابلِ اعتماد سمجھ لیں تو مروان بن الحکم کو جس کی پیشانی پر اصحاب نبی ﷺ کے خون کا ٹیکہ لگا ہوا ہو، اور جس کو سفاک امت کہنا بھی بے جا نہیں، اور ضعیف سمجھ لیں تو اس ال تابعین حضرت اویس قرنیؓ کو جو ایسے خوش قسمت تھے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کی وساطت سے ان کو اپنا سلام دیا ہے، حافظ ذہبی نے امام بخاریؒ کی اس فعل پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اس کو ان کی بے تکلی حرکت قرار دیا ہے، اور لکھا کہ اگر امام بخاری ان کو ضعفاء میں ذکر نہ کرتے تو میں بھی اپنی اس کتاب میں ان کا ذکر نہ کرتا کیونکہ وہ تو اولیائے صادقین میں سے تھے۔ (میزان الاعتدال)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مروان کی حدیث کو اگر حدیث کے بارے میں مہر و سہ کر کے لے بھی لیا جائے، تب بھی ان کو ثقہ و ثبوت نہیں مانا جاسکتا اور جس نے قبل کو خط میں نقل بنا دیا ہو، وہ کیسے ثقہ ہو سکتا ہے؟ امام اعظمؒ کی یہ عظیم منقبت یہاں یاد میں تازہ کر لی جائے تو اچھا ہے کہ وہ احادیث کی روایت صرف ثقہ محدثین اور پرہیزگار لوگوں سے کرتے تھے، امام بخاری نے امام اعظمؒ پر امت کے اندر خواریزی کرانے کا الزام دھرا تھا (کمانی جزء القرآن) کیا اکابرِ حنفیہ مروان سے بھی زیادہ قصور وار تھے، کہ سارے ہی ائمہ حنفیہ اور کبار محدثین حنفیہ کو ترک کر کے مروان جیسوں سے صحیح بخاری میں روایات درج کیں۔ والی اللہ المشتکی۔ مروان کے بارے میں تاریخ کبیر امام بخاری کے حوالہ سے ایک اہم نوٹ ص ۱۱۰ میں گزرا ہے۔

## احادیث بخاری سب صحیح ہیں

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ امام بخاری نے جو ضعیف و متکلم فیرواق سے صحیح میں احادیث درج کی ہیں، وہ سب بھی اس لئے صحیح و قوی ہیں کہ باہر سے ان کی متابعات و مؤیدات مل گئی ہیں، اور اسی لئے صحیح بخاری کی ساری ہی احادیث متعلق بالقول ہو چکی ہیں۔ اس نقطہ کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

## امام اعظمؒ کی روایت کردہ احادیث اور شروط روایت

امام صاحبؒ نے اپنی کتاب الآثار کو چالیس ہزار صحیح احادیث میں سے منتخب کیا ہے اور فرماتے تھے کہ میرے پاس حدیث صحیح کے صنادیق بھر ہوئے ہیں مگر میں نے ان میں سے تھوڑی حدیث نکالی ہیں جن سے لوگوں کو نفع ہو (مراد احادیث احکام ہیں)۔

امام حدیث و کتب کا بیان ہے کہ جیسی احتیاط امام ابو حنیفہؒ سے حدیث میں پائی گئی، کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔ حافظ حدیث علی بن الجعد جویریؒ (استاذ امام بخاری و ابوداؤد) نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح آب دار ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک (ممدوح اعظم امام بخاریؒ) اور امام اہل سمرقند ابو مقاتل نے امام اعظمؒ کی مدح میں فرمایا کہ ”آپ نے روایت احادیث و آثار میں ایسی بلند پروازی دکھائی کہ جیسے شکاری پرندے بلند مقامات پر پرواز کر رہے ہوں۔ اور آپ نے ایسے معززین ثقات سے روایت کی جو بڑے وسیع علم والے اور معتد مشائخ تھے۔ امام نقدر رجال یحییٰ بن سعید القطان نے کہا کہ واللہ ابو حنیفہؒ اس امت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے جو کچھ وارد ہے اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔



امام ربانی شیخ عبد الوہاب شعرائی نے المیزان الکبریٰ میں لکھا کہ امام ابو حنیفہؒ کسی حدیث رسول اللہ ﷺ پر عمل سے پہلے یہ شرط کرتے تھے کہ اس کو قطعی لوگوں کی ایک جماعت صحابی رسول سے برابر نقل کرتی آئی ہو، اور خود امام صاحب نے بھی فرمایا کہ میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے لیتا ہوں جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہوں۔ الخ

محدث سفیان ثوریؒ نے امام صاحب کے بارے میں کہا کہ جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں نیز جو اس حضرت ﷺ کا آخری فعل ہوتا ہے یا اسی کو لیتے ہیں (امام ابن ماجہ اور علم حدیث اردو۔ ص ۱۶۳) امام اعظمؒ کی شروط روایت اور بھی کڑی ہیں، اور ان کو دیکھتے ہوئے، یہ تقریباً ناممکن ہے کہ مردان جیسے متکلم فیہ یا مجہول راویوں سے ان کے یہاں کوئی روایت مل سکے۔ کیونکہ کسی کا صرف صادق اللہجہ ہونا ان کے یہاں کافی نہ تھا، جب تک کہ اس میں زہد و ورع، تقویٰ وغیرہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ یقرأ بطولی الطبولین، اس سے مغرب کی نماز میں دو بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، جو حسب روایت ابو داؤد سورۃ اعراف ہے، اس پر علامہ عینی نے لکھا کہ اس سے امام شافعیؒ کے خلاف دلیل ملتی ہے کہ ان کے نزدیک مغرب کا وقت صرف تین رکعت پڑھنے کی مقدار ہے، ظاہر ہے کہ مغرب میں حضور علیہ السلام نے سورۃ اعراف پڑھی تو اس میں کتنا وقت صرف ہوا ہوگا، علامہ کرمانی نے کہا کہ مراد بعض سورت ہوگی، اور امام طحاوی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (عمدہ ص ۳۸۱)

## باب الجہر فی المغرب

نماز مغرب میں بلند آواز سے پڑھنے کا بیان

۷۲۶: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابن شهاب عن محمد بن جبير بن مطعم عن

ابيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في المغرب بالطور

ترجمہ ۷۲۶:- حضرت جبير بن مطعمؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو مغرب میں "والطور پڑھتے سنا۔

تشریح: آگے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث آرہی ہے کہ حضور علیہ السلام جن نمازوں میں جہر سے قرائت کرتے تھے ہم بھی کرتے ہیں اور جن میں جہر نہیں کیا ہم بھی نہیں کرتے، لہذا معلوم ہوا کہ جہر و اسرار اتباع نبوی ہے، اسی لئے اگر امام جہر کی جگہ اسرار کرے یا بالعکس تو پوری ایک آیت یا زیادہ بھول کر پڑھنے پر مجبور ہو کر ناچاہئے، اور عمدہ ایسا کرے گا تو خلاف سنت کا مرتکب ہوگا۔

## باب الجہر فی العشاء

نماز عشاء میں بلند آواز پڑھنے کا بیان

۷۲۷: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا معتمر عن ابیه عن بکر عن ابی رافع قال صلیت مع ابی ہریرۃ

العتمة فقرأ اذا السماء انشقت فسجد فقلت له قال سجدت خلف ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

فلا زال اسجد بها حتی الفاء۔

ترجمہ ۷۲۷:- حضرت ابو رافعؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، تو انہوں نے اذا

السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا، میں نے ان سے کہا (کہ یہ آپ نے کیا کیا) بولے کہ میں نے ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے (اس سورت کے اس مقام پر) سجدہ کیا ہے۔ لہذا میں ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ ان سے مل جاؤں۔

۷۲۸: حدثنا ابو الوليد قال حدثنا شعبة عن عدي قال سمعت البراء ان النسي صلى الله عليه وسلم

كان في سفر فقرا في العشاء في احدى الركعتين باليتين والزيتون

ترجمہ ۷۲۸:۔ عدی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت براءؓ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے۔ تو آپ نے عشاء کی کسی ایک رکعت میں والبتین والزیتون پڑھی۔

تشریح: اس باب میں اور سابق باب کے بارے میں بھی علامہ محدث ابن المنیر نے اعتراض کیا کہ مغرب وعشاء کی نماز میں جہر قرآن سب کے نزدیک اتنا ہی مستحب ہے۔ پھر جب کوئی اختلافی صورت نہ تھی تو امام بخاری نے ان دونوں کے لئے باب کیوں قائم کئے؟ علامہ مینی اور حافظ ابن حجر دونوں نے یہ جواب دیا کہ امام بخاری کا مقصد تو بیان احکام ہے اگر اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، تب بھی حکم بیان کرنا ہی تھا۔ (عمدہ الحجۃ الباری)

شاید علامہ ابن المنیر نے اعتراض اس وجہ سے کیا ہو کہ انہوں نے دیکھا اکثر جگہ کچھ نہ کچھ اختلافی صورتیں ہی سامنے آتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی فقہی آراء کے مطابق صحیح کو مرتب کیا ہے، اس میں بہ کثرت مواضع میں دوسرے فقہاء کے خلاف بھی رائے قائم کی ہے، دوسرے یہ کہ اتنا اختلاف تو یہاں موجود ہی ہے کہ کتنے جہر یا اسرار پر سجدہ ہوگا؟ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ امام بخاری کی اپنی رائے کیا ہے کسی نے اتنی کھوج نہیں لگائی، کیونکہ فقہ البخاری کو کسی نے مدون نہیں کیا، نہ اس کو اہمیت دی گئی۔ دوسری حدیث الباب میں ہے کہ پہلی رکعت عشاء میں حضور علیہ السلام نے والبتین پڑھی، حافظ نے لکھا کہ دوسری میں انا انزلن پڑھی تھی۔

## باب القراءة في العشاء بالسجدة

(عشاء میں سجدے والی سورت پڑھنے کا بیان)

۷۲۹: حدثنا مسدد ثنا يزيد بن زريع ثنا التيمي عن ابي بكر عن ابي رافع قال صليت مع ابي هريرة

العمرة فقرا اذا السماء انشقت فسجد فقلت ما هذه؟ قال سجدت فيها حلف ابي القاسم صلى الله عليه

وسلم فلا ازال اسجدها حتى الفاه

ترجمہ ۷۲۹:۔ حضرت ابو رافعؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے (ایک مرتبہ) حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو انہوں نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا، میں نے ان سے کہا، کہ یہ کیا کیا؟ بولے، کہ میں نے اس سورت میں ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا۔ لہذا میں اس میں ہمیشہ سجدہ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ آپ سے مل جاؤں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ اذا السماء انشقت میں بھی سجدہ ہے، اس میں امام مالکؒ کے نزدیک سجدہ نہیں ہے، علامہ مینی نے لکھا کہ علامہ ابن المنیر نے جو لکھا کہ اس حدیث کو امام مالکؒ کے خلاف حجت سمجھنا درست نہیں، کیونکہ ان کے مشہور قول سے تو فرض نماز میں کراہت معلوم ہوتی ہے اور یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے، علامہ مینی اور حافظ نے بھی دوسری روایات پیش کر کے اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت کیا، اور لکھا کہ یہ سب احادیث امام مالکؒ کے خلاف ہیں۔ (عمدہ وفتح)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں جو یہ فیصلہ ہے کہ سری نماز میں سجدہ تلاوت سے نماز فاسد ہو جاتی ہے محل نظر ہے، کیونکہ سجدہ افعال صلوٰۃ میں سے ہے، لہذا اس سے نماز فاسد نہ ہونی چاہئے، جس طرح اذکار اگر غیر محل میں ہو جائیں تو ان سے نماز فاسد نہیں

ہوتی، حالانکہ وہ بھی غیر محل و موضع میں غیر مشروع ہی ہیں، اسی طرح مجدد کا حکم بھی ہونا چاہئے۔

## باب القراءة فی العشاء

### عشاء (کی نماز) میں قراءت کا بیان

۷۳۰: حدثنا خلاد بن يحيى لنا مسعر بن عدي بن ثابت انه 'سمع البراء قال سمعت النبي صلى الله

عليه وسلم يقرأ في العشاء بالتين والزيتون وما سمعت احدا احسن صوتا منه' او قراءة

ترجمہ ۷۳۰: حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو عشاء (کی نماز) میں والتین والزيتون پڑھتے ہوئے سنا، اور میں نے آپ سے زیادہ خوش آواز یا اچھا پڑھنے والا نہیں سنا۔

تشریح: اس حدیث الباب کو امام بخاری مکرر لائے ہیں، نمبر ۷۲۸: پھر گزر چکی ہے، البتہ اس میں جملہ و ما سمعت احداً خ زائد ہے، حافظ نے لکھا کہ اس جملہ کی شرح او آخر کتاب التوحید میں آئے گی، مگر وہاں پہنچ کر ص ۱۳۹۹ (باب قول النبی ﷺ (لما هر بالقرآن الخ) میں لکھ دیا کہ اس کی شرح ہم کتاب الصلوٰۃ میں کر آئے ہیں۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایسا حافظ سے بہت جگہ ہوا ہے کہ وعدہ کر گئے ہیں آگے بیان کرنے کا اور پھر ذکر کرنا بے جا بھول گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب بطول فی الاولین ویحذف فی الاخرین

### پہلی دو رکعتوں کو طویل کرے اور پچھلی دو رکعتوں کو مختصر کرے

۷۳۱: حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن ابي عون قال سمعت جابر ابن سمرة قال قال عمر

لسعد لقد شكوك في كل شيء حتى الصلوة قال اما انالامد في الاولين واحذف في الاخرين

ولاالوما اقتديت به من صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صدقت ذاك الظن بك او ظني بك

ترجمہ ۷۳۱: حضرت جابر بن سمرةؓ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ کونے والوں نے تمہاری ہر بات میں شکایت کی ہے، یہاں تک کہ نماز میں (بھی) سعدؓ نے کہا سنئے میں پہلی دو رکعتوں میں طول دیتا تھا، اور پچھلی دو رکعتوں میں اختصار کرتا تھا اور میں (ان کی شکایت کی کچھ) پروا نہیں کرتا، جب کہ میں نے رسول خدا ﷺ کی نماز کی متابعت کی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا، سچ کہتے ہو، تمہاری نسبت ایسا ہی خیال ہے، یا (یہ کیا کہ) میرا خیال تمہاری طرف (ایسا ہی ہے)۔

تشریح: امام بخاریؒ حضرت سعدؓ کے بارے میں سابق الذکر شکایت والی طوالت نماز والی حدیث کو یہاں مختصر کر کے اختلاف اسناد وغیرہ کی وجہ سے مکرر لائے ہیں۔

## باب القراءة فی الفجر وقالت ام سلمة قرأ النبي ﷺ بالطور

۷۳۲: حدثنا ادم قال حدثنا شعبة قال حدثنا سيار بن سلامة قال دخلت انا وابي علي ابی هرزة

الاسلمی فسالناه عن وقت الصلوات فقال كان النبی ﷺ يصلي الظهر حين نزول

الشمس والعصر و يرجع الرجل الى اقصى المدينة والشمس حية وسيت ماقال في المغرب ولا يبالي  
بتاخير العشاء الى ثلث الليل ولا يحب الموم قبلها ولا الحديث بعدها و يصلي الصبح فينصرف الرجل  
فيعرف جلسه و كان يقرأ في الركعتين او احدهما ما بين الستين الى المائة

۷۳۳: حدثنا مسدد قال حدثنا اسمعيل بن ابراهيم قال اخبرنا ابن جريج قال اخبرني عطاء انه سمع  
ابا هريرة يقول في كل صلوة يقرأ لما سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمعناكم وما اخفى عنا  
اخفينا عنكم وان لم ترد على ام القرآن اجزأت وان زدت فهو خير

ترجمہ ۷۳۲: سیار بن سلامہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے باپ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس گئے اور ان سے نمازوں کے اوقات پوچھے،  
تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز جب آفتاب دھل جاتا تھا اس وقت پڑھتے تھے اور عصر کی ایسے وقت (پڑھتے تھے) کہ آدمی  
ہینڈ کی انتہا تک لوٹ کر جاسکے، اور آفتاب میں زردی نہ آئی ہو (سیار کہتے ہیں) اور میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں ابو ہریرہؓ نے کیا  
کہا اور آپ عشاء کی تاخیر میں ایک تہائی رات تک کچھ پروا نہ کرتے تھے، اور عشاء سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات کرنے کو ناپسند  
کرتے تھے، اور صبح کی نماز آپ (ایسے وقت) پڑھ لیتے تھے کہ آدمی فارغ ہو کر اپنے پاس والے کو پچھانتا تھا اور آپ دونوں رکعتوں یا ہر ایک  
میں ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتیں پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۷۳۳: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، کہ تمام نمازوں میں قرآن پڑھا جاتا ہے، جن (نمازوں) میں رسول خدا ﷺ نے (بلند آواز سے  
بڑھ کر) ہمیں سنایا (ان میں) ہم (بھی بلند آواز سے پڑھ کر) تم کو سناتے ہیں۔ اور جن میں (آہستہ آواز سے پڑھ کر) ہم سے چھپایا (ان  
میں) ہم (بھی آہستہ آواز سے پڑھ کر) تم سے چھپتے ہیں، اور اگر سورۃ فاتحہ سے زیادہ نہ پڑھو، تو کافی ہے، اور اگر زیادہ پڑھ لو، تو بہتر ہے۔  
تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قول وان لم نزد الخ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے، اگرچہ وہ بظاہر ان کے نزدیک استحباب سورۃ پر  
دال ہے، مگر مجھے یہ بات واضح ہو گئی کہ انہوں نے یہ بات مسبوک کے حق میں کہی ہے، کیونکہ موطا امام مالک میں ہے (او جز ص ۱۱۹) حضرت  
ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو رکعت کا رکوع مل گیا۔ اس کو اس کا سجدہ بھی مل گیا (رکعت پوری ہو گئی) لیکن ام القرآنؓ کی قرآنؓ رو جانے  
سے وہ خیر کثیر سے محروم ہو گیا۔

حضرت شیخ الحدیث نے لکھا کہ حضرت ام سلمہؓ کے اثر مذکور ترجمۃ الباب کو امام بخاریؒ نے کتاب الحج باب طواف النساء میں موصول کیا  
ہے، جس میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنی بیماری کا عذر کیا تو آپ نے اجازت دی کہ لوگوں کے طواف کرنے کی جگہ  
سے باہر باہر سوار ہو کر طواف کر لیں۔ پھر یہ کہ اس میں بھی نماز صبح کا ذکر نہیں ہے مگر اس کے بعد باب کے بعد اذا اقيمت الصلوة للصبح  
وارد ہے، اور ابن خزیمہ نے جو اپنی حدیث میں عشاء کا ذکر کیا ہے، وہ شاذ ہے الخ۔ (الابواب والترجم ص ۲۱۸۵)

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ صرف مستحب و افضل ہے، جو جمہور کا قول ہے اور  
وجوب کا قول بھی بعض صحابہ سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے اور اسی کے قائل بعض حنفیہ و ابن کثیر بھی ہیں مالکیہ  
میں سے، اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے۔ (فتح الباری ص ۲۱۷۱)

علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس حدیث سے شافعیہ نے ضم سورۃ کے استحباب پر استدلال کیا ہے اور ہمارے اصحاب و ابن کثیر مالکی و امام  
احمد سے وجوب نقل ہوا ہے کیونکہ اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں، پھر علامہ نے وہ احادیث نقل کیں جن میں فاتحہ کے ساتھ و ما

تیسرا اور سورۃ معہا وغیرہ الفاظ وارد ہیں۔ (حدیث ۳۱۹۱)

## باب الجهر بقرآءة صلوة الفجر وقالت ام سلمة طفت

### ورآء الناس والنبي صلى الله عليه وسلم يصلى يقرأ بالطور

۳۴: حدثنا مسدد قال حدثنا ابو عوانة عن ابی بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال الطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم طائفۃ من اصحابہ عامدین الی سوق عکاظ وقد حیل بین الشیاطین و بین خبر السماء وارسلت علیہم الشہب فرجعت الشیاطین الی قومہم فقالوا مالکم قالوا حیل بیننا و بین خبر السماء وارسلت علینا الشہب قالوا ما حال بینکم و بین خبر السماء الا شیء حدث فالنصر ف اولئک الذین توجہوا نحو تہامہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو بنخلۃ عامدین الی سوق عکاظ وهو یصلی باصحابہ صلوة الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا الہ فقالوا اھذا واللہ الذی حال بینکم و بین خبر السماء فھنالک رجعوا الی قومہم قالوا یقومنا انا سمعنا قرآنا عجبا یتدیی الی الرشد فامنا بہ ولن نشرک ربنا احداً فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم قل اوحی الی وانما اوحی الیہ قول الجن

۳۵: حدثنا مسدد قال حدثنا اسماعیل قال حدثنا ایوب عن عکرمۃ عن ابن عباس قال قرأ النبی صلی

اللہ علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر وما کان ربک نسیاً ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

ترجمہ ۳۴: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں، کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف ارادہ کر کے چلے، اور (اس وقت) شیاطین کو آسمان کی خبریں لانے سے روک دیا گیا تھا، اور ان پر شعلے پھینکے جاتے تھے، پس شیاطین اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئے، قوم نے کہا، تمہارا کیا حال ہے؟ (اب کی مرتبہ کوئی خبر نہیں لائے) شیاطین نے کہا کہ ہمارے لئے آسمان تک جانا ممنوع کر دیا گیا، اور (اب) ہمارے اوپر شعلے پھینکے جاتے ہیں، قوم نے کہا، کہ تمہارے آسمان تک جانے کی رکاوٹ کی (کوئی خاص ایسی نئی) وجہ پیدا ہوئی ہے، جو حال ہی میں ظاہر ہوئی ہے۔ لہذا زمین کے مشرق اور مغرب کی تمام جوامب میں سفر کرو اور دیکھو، وہ کیا چیز ہے جس نے تمہارے اور آسمانی خبر کے درمیان رکاوٹ ڈال دی (چنانچہ وہ لوگ اس تلاش میں نکلے) تو جو لوگ (ان میں سے) تمہارے طرف آئے تھے، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ (اس وقت مقام) نخلہ میں سوق عکاظ جا رہے تھے (چنانچہ جب یہ جنات وہاں پہنچے ہیں تو) آپ (اس وقت) اپنے اصحاب کے ہمراہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، جب ان جنوں نے قرآن کو سنا، تو اس کو سنتے رہے۔ اور کہنے لگے، کہ خدا کی قسم یہی ہے جس نے تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان میں رکاوٹ ڈال دی ہے، پس وہیں سے اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گئے، تو کہنے لگے، کہ اے ہماری قوم! (کے لوگو!) ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، جو ہدایت کی راہ بتاتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے، اور (اب) ہم ہرگز اپنے پروردگار کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیتیں نازل فرمائیں قل اوحی الی، اور آپ پر جنوں کی گفتگو نقل کی گئی۔

ترجمہ ۳۵: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جن نمازوں میں (جبر کا) حکم دیا گیا، ان میں آپ نے قرائت کی، اور جن میں (خاموشی کا) حکم دیا گیا، ان میں سکوت کیا اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے (کہ بھولے سے کوئی غلط حکم دے دے) اور یقیناً تم لوگوں کے لئے رسول اللہ (کے افعال و اقوال) میں ایک اچھی پیروی ہے۔

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ ابن رشید نے کہا حدیث ام سلمہ میں جبر کی صراحت نہیں ہے تاہم ان کے اس قول

سے کہ میں نے لوگوں کے پیچھے سے طواف کیا، جہر کی بات نکلتی ہے۔ کیونکہ اگر قرآنہ سری ہوتی تو اتنی دور سے نہ سن سکتی تھیں۔ اسی طرح حدیث ابن عباسؓ میں بھی اگچہ جہر کی صراحت نہیں ہے مگر جنوں کی قرآنہ سننے سے معلوم ہوا کہ حضور جہری قرأت فرما رہے تھے۔ (۱۱) (اب ۲۱۸۶)

**افادات انور:** حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اسباب سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کے اوپر جا کر خبریں لانے پر پابندی اور ارسال شہب کا سلسلہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے زمانہ میں شروع ہوا ہے، حالانکہ ستاروں سے ان کو مار بھگانے کا سلسلہ شروع زمانہ سے ہی رہا ہے، اس کا جواب جیسا کہ حاشیہ بخاری میں علامہ کرمانی سے منقول ہے یہ کہ پہلے سے بھی ایسا ضرور تھا مگر تم تھا، اور حضور کے زمانہ میں زیادہ ہوا اور شدید بھی ہو گیا۔ یہ کتب سیر میں بھی ہے کہ شروع بعثت میں کثرت ہوئی ہے رجم شیطین بالشہب کی۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ بظاہر سیاق قصہ سے معلوم ہوا کہ ارسال شہب اور جنوں کا زمین میں تلاش و جستجو کے لئے پھیل جانا ایک ہی زمانہ میں ہوا ہے، حالانکہ یہ بات اوائل نبوت کی تھی اور ارسال شہب اس سے بہت بعد کو ہوا ہے۔

### سائنس جدید اور شاہ صاحب رحمہ اللہ

اس کے بعد یہ سوال ہے کہ وہ شہب، نجوم و ستارے ہی ہیں یا دوسری چیز؟ اس میں تحقیق یہ ہے کہ یہ نجوم بعینہا ہیں، اور بظلمہوسی ویت کی باتیں اب غلط ہو چکی ہیں، کیونکہ جدید سائنس اور ویت مشاہدہ پر مبنی ہے اور اجسام اثریہ میں خرق و التماس بھی ثابت ہو چکا ہے اور مشاہدہ ہوا کہ ستارے بجنے اور ٹوٹنے ہیں، گرتے بھی ہیں اور ان کے ٹکڑے ملے بھی ہیں جو پہلے ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ اب دور بینی مشاہدہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ آفتاب کے اندر ہزار ہا فرسنگوں کے اونچے پہاڑ اور ہزار ہا فرسنگوں کے غشاٹ (گڑھے) بھی ہیں کیونکہ دور بینوں سے کبھی بڑے گڑھے سامنے آئے اور کبھی اونچے پہاڑ۔ یہ سب مشاہدہ کی چیزیں ہیں جو اب معلوم ہوئی ہیں۔ اس طرح ارسطو کی نفوٹ سب بیکار ہو گئیں، جو آفتاب وغیرہ کے متعلق تھیں۔

حضرتؒ نے جو سائنس جدید کے مشاہدات کا یہاں ضمنی تذکرہ فرمایا، اس سے زیادہ تفصیل سے ان کا ذکر مع دیگر معلومات جدیدہ "نظری انور" ص ۱۸۶ تا ص ۱۸۷ میں ہے۔ ملاحظہ کی جائیں۔ اس میں سورج اور نظام شمسی اور کہکشاں کا بھی ذکر ہے، اور سورج کے اندر ہزار ہا فرسنگوں کے پہاڑ اور غاروں پر حیرت نہ کی جائے، کیونکہ سورج کا قطر ۸ لاکھ ۶۶۶ فرامیل کا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کا پورا حجم کتنہ ہوگا، کیونکہ وہ زمین سے ۱۳ لاکھ گنا بڑا ہے، اور زمین سے سورج کا فاصلہ ۹ کروڑ ۲۹ لاکھ میل ہے۔

### نظام شمسی اور کہکشاں

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نظام شمسی ہمارے کہکشاں کا ایک نہایت حقیر جزو ہے، جس کے ساتھ صرف چالیس سیارے ہیں، جن کی وجہ سے نظام شمسی بولا جاتا ہے اور ہمارے کہکشاں کے اندر سورج کی طرح سے تقریباً ایک کھرب ثوابت و سیارے اور بھی ہیں اور ہمارے کہکشاں کے علاوہ اور بھی بہت سے کہکشاں ہیں، جن کی ریسرچ ہو رہی ہے، اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اس طرح کے لاتعداد کہکشاں خلا کی لاتناہی وسعتوں میں بکھرے ہوئے ہیں (اور وہ سب زمین و آسمان کے درمیان واقع ہیں)۔

ایک کہکشاں سیدیم اینڈرومیدہ دریافت ہوا ہے جو ہم سے ۸ لاکھ ۵۰ ہزار نورانی سال دور ہے۔ اور اس کا قطر ۴۵ ہزار نورانی سال ہے۔ نورانی سال: روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے، اس رفتار سے روشنی ایک سال میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسی نورانی سال کہتے ہیں۔

### سائنس جدید اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا نانوتوی قدس سرہ نے حجۃ الاسلام میں مجرہ شق القمر پر بحث فرماتے ہوئے سائنس جدید کی تحقیقات کو مان کر جواب دی فرمائی ہے اس کی تفصیل بھی نطق انور ۱۸۵۶ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

قولہ وانما اوحی الیہ قول الجن پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ حضور علیہ السلام کو جنوں کی آمد اور ان کی تلاوت مبارکہ سننے کی خبر اس وقت نہ ہوئی تھی مگر مسلم شریف باب سجدۃ التلاوة میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک درخت نے جو قریب ہی تھا، حضور علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دے دی تھی۔ یہ بخاری کی تفسیر میں بھی ہے اور مفسرین نے حضرت ابن مسعودؓ کے قول پر اعتماد کیا ہے کیونکہ وہ حضرت ابن عباسؓ سے عمر میں بھی بڑے ہیں اور شاید ابن عباسؓ کی اس واقعہ کے وقت تک پیدائش بھی نہ ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ اسناد مسلم میں حضرت معنؓ بھی ہیں جو حضرت ابن مسعودؓ کے بھتیجے ہیں، اور ان کے بیٹے قاسم امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں کافی مدت رہے ہیں، اس سے اندازہ کیا جائے کہ امام اعظمؒ کی قدر و منزلت کتنی رفیع تھی کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اتنے قریبی عزیز ان سے دینی و علمی استفادہ کرتے تھے۔

### علامہ عینی اور وجود جن کی تحقیق

علامہ نے عمدہ ص ۳۹۶ میں وجود جن پر اکابر امت کے افادات اور مکمل تحقیق درج کی ہے جو اہل مطالعہ ہے۔

باب الجمع بین السورتین فی رکعة والقراءة بالخواتیم وبسورة قل سورة و باول سورة و یذکر عن عبد اللہ بن السائب قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون فی الصبح حتی اذا جاء ذکر موسی و ہارون او ذکر عیسی اخذتہ سعة فرفع وقرأ عمر فی الركعة الاولى بمائة و عشرين اية من البقرة و فی الثانية بسورة من المثانی وقرأ الاحنف بالكهف فی الاولى و فی الثانية بیوسف او یوس و ذکر انہ صلی عمر الصبح بہما وقرأ ابن مسعود باربعین اية من الانفال و فی الثانية بسورة من المفصل و قال قتادة فیمن یقرأ بسورة واحدة فی رکعتین او یردد سورة واحدة فی رکعتین کل کتاب اللہ عز وجل و قال عبید اللہ عن ثابت عن انسؓ کان رجل من الانصار یؤمهم فی مسجد قباء و کان کلما التحت سورة یقرأہا لہم فی الصلوة مما یقرأہ الفتح بقل هو اللہ احد حتی یفرع مہا ثم یقرأ بسورة اخرى معها و کان یصنع ذلک فی کل رکعة فکلہ اصحابہ و قالوا انک تصنع بھذه السورة ثم لاتری انہا تجزئک حتی تقرأ باخری فامات قرأہا و اما ان تدعہا و تقرأ باخری فقال ہ انا بتارکھا ان احببتہم ان اؤمکم بذلک فعلت و ان کرہتم ترککم و کانوا یرون انہ من الفصلہم و کرہوا ان یؤمہم غیرہ فلما اتہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبروہ الخبر فقال یافلان ما یمنعک ان تفعل ما یمارک بہ اصحابک و ما یحملک علی لزوم ہذہ السورة فی کل رکعة فقال انی احبھا قال حبک ایاھا ادخلک الحة

(ایک رکعت میں دو سورتوں کے ایک ساتھ پڑھنے اور سورتوں کی آخری آیتوں اور ایک سورت کا قبل ایک سورت کے، اور سورت کی ابتدائی آیتوں کے پڑھنے کا بیان، عبد اللہ بن سائب سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح (کی نماز) میں سورہ مومنوں پڑھی) یہاں تک کہ جب آپ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر پہنچتے تو آپ کو کھانسی آگئی، اور آپ نے رکوع کر دیا، حضرت مرنے پہلی رکعت میں ایک سو بیس آیتیں سورہ بقرہ کی اور دوسری رکعت میں

ایک سورت مثانی کی پڑھی، اور اخف نے پہلی رکعت میں سورہ کہف، اور دوسری میں سورہ یوسف یا یونس پڑھی، اور بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ہمراہ صبح کی نماز ان ہی دونوں سورتوں کے ساتھ پڑھی ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ نے (پہلی رکعت میں) انفال کی چالیس آیتیں اور دوسری رکعت میں ایک سورت مفصل کی پڑھی، حضرت قتادہؓ نے اس شخص کے بارے میں جو ایک سورت کو (دو حصہ کر کے) دو رکعتوں میں پڑھے، یا ایک ہی سورت پوری پوری دونوں رکعتوں میں پڑھے، یہ کہا، کہ یہ سب اللہ عزوجل کی کتاب ہے (جس طرح چاہو پڑھو) اور عبید اللہ نے ثابت سے انہوں نے حضرت انسؓ سے یہ روایت کی ہے کہ ایک انصاری شخص مسجد قبا میں انصار کی امامت کیا کرتا تھا، اس کی عادت تھی کہ جن نمازوں میں قرآن (بلند آواز سے) کی جاتی ہے، ان میں جب وہ کوئی سورت شروع کرنا چاہتا کہ ان کے آگے پڑھے، تو قل هو اللہ احد سے شروع کرتا، اس کو پڑھ کر پھر کوئی دوسری سورت اس کے ساتھ پڑھتا، وہ ہر رکعت میں یہی کیا کرتا تھا اس کے ساتھ والوں نے اس سے (اس سلسلہ میں) گفتگو کی، اور کہا، کہ تم اس سورت سے ابتدا کرنے ہو، پھر تم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تمہیں کافی ہے، یہاں تک کہ دوسری سورت پڑھتے ہو، پس یا تو تم اسی کو پڑھو، (دوسری سورت نہ ملے) اور یا اس کو چھوڑ دو، اور دوسری سورت پڑھا کرو، وہ شخص بولا کہ میں اس کو نہ چھوڑوں گا، اگر تم اسی کے ساتھ مجھے اپنا امام بنانا چاہو، تو خیر، ورنہ میں تم لوگوں کی امامت چھوڑ دوں گا، اور وہ ان سب سے افضل ہے، اور وہ اس بات کو اچھا نہ سمجھے، کہ کوئی اور ان کا امام بنے، پس جب نبی کریم ﷺ (حسب معمول) ان کے پاس تشریف لے گئے، اور ان لوگوں نے یہ کیفیت آپؐ سے بیان کی، آپؐ نے فرمایا کہ اے فلاں تمہیں اس سے کرن چیز مانع ہے کہ تم وہی کرو، جو تمہارے اصحاب تم سے کہتے ہیں، اور تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے لازم کرنے پر کس بات نے آمادہ کیا ہے؟ وہ شخص بولا، کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ اس کی محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی۔

ف: قرآن مجید کی سورتوں کو باعتبار تعداد آیات کے علماء نے چار قسمیں کر دی ہیں، جن میں سو آیتوں سے زیادہ ہیں، ان کو طویل کہتے ہیں، اور جن میں سو یا سو کے قریب ہیں، ان کو ذوات المسکین کہتے ہیں، اور جن میں سو سے بہت کم آیتیں ہوں، ان کو مثانی کہتے ہیں، اور سورہ حجرات سے آخر قرآن تک جو سورتیں ہیں ان کو مفصل کہتے ہیں۔

۷۳۶: حدثنا ادم قال حدثنا شعبه قال حدثنا عمرو بن مرة قال سمعت ابا وائل قال جاء رجل الى ابن مسعود فقال قرأت المفصل الليلة في ركعة فقال هذا لهذا الشعر لقد عرفت النظائر التي كان النبي

صلی اللہ علیہ وسلم یقرن بینہن لہذا ذکر عشرين سورة من المفصل سورتين في كل ركعة

ترجمہ: حضرت ابو وائلؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے کہا کہ میں نے رات کو مفصل کی سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں اور کہا کہ میں نے اس قدر جلد پڑھیں جیسے شعر جلد پڑھا جاتا ہے، میں ان ہم سورتوں کو جانتا ہوں جنہیں نبی کریم ﷺ ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے، پھر انہوں نے مفصل کی بیس سورتیں ذکر کیں (کہ ان میں سے) دو سورتیں ہر رکعت میں (آں حضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے)۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہاں ایک بڑا عنوان و ترجمہ الباب قائم کر کے متعدد مسائل کا حل کیا ہے، چار مسائل کا حل تو ابتدائی سرخی میں ہی کر دیا ہے اور دو مسئلے درمیان میں ضمنا ذکر کئے ہیں۔

علامہ بیہقیؒ نے نہایت عمدگی سے ہر مسئلہ کی مع اس کی دلیل کے وضاحت فرمادی ہے، علامہ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے ان چار مسائل میں سے دوسرے نمبر یعنی قرآن بالخوا تیم کی دلیل پیش نہیں کی ہے اور لکھا کہ حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا کہ شروع سورتوں کے پڑھنے سے اس کی دلیل بن جاتی ہے، کیونکہ ہر ایک میں سورت کا کچھ ہے تو اس تاویل سے یہ بہتر ہے کہ قول قتادہؓ کو اس کے لئے دلیل بنایا جائے، جس میں ہے



کہ سب ہی کتاب اللہ ہے، جہاں سے بھی پڑھ لو کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدہ ص ۳۱۹۸)

(۱) پھر لکھا کہ امام بخاری نے جو چوتھا مسئلہ عنوان میں ذکر کیا ہے کہ سورت کا ابتدائی حصہ پڑھا جائے تو اس کے لئے سب سے پہلی ذکر کردہ دلیل ہے یعنی حضور علیہ السلام کا فعل مبارک۔ اس میں مسئلہ فقہی یہ ہے کہ کچھ حصہ سورت کا پڑھ کر قطع کر کے رکوع کر دینا سارے فقہاء کے نزدیک بلا کراہت کے جائز ہے۔ اگر کسی عذر سے ایسا کرے، البتہ بلا عذر کے بھی بلا کراہت جمہور کے نزدیک جائز ہے، صرف امام مالک کا مشہور مذہب کراہت کا ہے۔ (عمدہ ص ۳۱۹۹)

(۲) حضرت عمر کا فعل، علامہ عینی نے لکھا کہ اس کی مطابقت ترجمہ کے کسی جز سے نہیں ہے کہ اس سے صرف قطعی قرآن کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور نمبر اسے مطابقت اس احتمال پر ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر پہلی رکعت میں بقرہ کی ایک سو آیات کے ساتھ مفصل کی بھی سورت ملاتے ہوں، اور دوسری میں بھی اسی طرح۔ تو جمع بین السورتین فی رکعت والی صورت بنے گی، اور دوسرے احتمال پر کہ پہلی میں صرف بقرہ اور دوسری میں سورت مثنائی پڑھتے تھے، کوئی مطابقت نہ بنے گی۔ (عمدہ ص ۳۱۱۰۰)

(۳) قرأ الخاف، اس سے ترجمہ کے تیسرے جز سے مطابقت ہوگی کہ سورتوں میں ترمیم مصحف کی رعایت ضروری نہیں۔ علامہ نے لکھا کہ اسکو ہمارے اصحاب نے مکروہ کہا ہے، شرح ہدایہ میں بھی مکروہ لکھا اور یہی جمہور علماء کا قول ہے جن میں امام احمد بھی ہیں کیونکہ ترمیم مصحف عثمانی کی رعایت مستحب ہے، اور بعض نے اسکو فرائض میں مستحب قرار دیا ہے اور نوافل میں وسعت دی ہے کیونکہ ان کی ہر رکعت مستقل نماز ہے، امام مالک نے بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتلایا۔

### محقق قاضی عیاض کی تحقیق

آپ نے لکھا کہ ترمیم سورجیسا کہ باقلانی نے کہا اصح القولین میں اجتہاد مسلمین سے ہے، حضور علیہ السلام سے نہیں ہے، اور منکوسا تلاوت سے ممانعت کو پورے قرآن مجید کو اس طرح پڑھنے پر محمول کیا ہے البتہ ترمیم آیات جس طرح مصحف میں ہے، اس کو سب نے بالاتفاق توقیف من اللہ قرار دیا ہے۔ (عمدہ ص ۳۱۱۰۰)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض حضرات نے ترمیم سور کو بھی باستثناء انفال و توبہ، توقیفی قرار دیا ہے اور میرا مختار بھی یہی ہے لیکن چونکہ صحابہ کرام کے نزدیک یہ جدوجوب تک نہ پہنچی تھی اور صرف محسنات میں سے شمار کی گئی، اس سے یہ خیال عام طور سے کر لیا گیا کہ وہ ان کے نزدیک اجتہادی ہے۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ کبیری شرح منیہ میں امام بخاری کی چاروں ذکر کردہ صورتوں کو مکروہ لکھا ہے، اور امام طحاوی نے جائز لکھا ہے، میرے نزدیک طحاوی کو ترجیح ہے۔ صاحب بحر نے ترمیم سور کو ضروری لکھا ہے۔ ملا نظام الدین نے بھی تحسین کی بحر کی کہ بیشک واجبات سے ہے کیونکہ صحابہؓ نے ترمیم دی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر علماء کے نزدیک ترمیم آیات تو توقیفی ہے بالا جماع، اور ترمیم سور توقیفی نہیں ہے۔ نوافل میں حنفیہ نے قرآن کے حق میں ہر رکعت کو مستقل قرار دیا ہے (اگرچہ ویسے شفعہ بنایا ہے دودو رکعت کو) اس لئے ان میں ترمیم سور بھی نہیں ہے۔ اور سنن و فرائض میں ترمیم ضروری ہے۔

(۴) قرأ ابن مسعودؓ اس کی مطابقت بھی چوتھے جز سے ہے، جس طرح فعل نبوی کی تھی۔ کیونکہ دوسری روایات سے ان کا ابتداء سورت سے پڑھنا متعین ہو گیا ہے۔ (عمدہ ص ۳۱۱۰۰)

(۵) قال قتادةؓ، علامہ عینی نے لکھا کہ قول قتادہ کی کوئی مطابقت اجزاء ترجمہ البخاری کے ساتھ نہیں ہے، گویا اس کو امام بخاریؒ صرف اس لئے لائے ہیں کہ اس سے بھی چاروں اجزاء ترجمہ کا ثبوت ہو سکتا ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ کے ہر طرح پڑھنے کو بلا کراہت

جائز کہا ہے۔ (عمدہ ص ۳۰۱)

حافظ نے لکھا کہ ابن رشید نے کہا شاید امام بخاری تردید سورت کو نہ مانتے ہوں، اور اس لئے ترجمہ میں نہ لائے ہوں کیونکہ بعض علماء سے اس کی کراہت منقول ہے، مگر میرے نزدیک ان کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ صحبت دلیل کے بعد امام بخاری ایسی رعایت نہیں کیا کرتے، اس کے بعد حافظ نے علامہ زین بن السنیر کا قول نقل کیا ہے کہ ”امام مالک ہر رکعت میں ایک سورت پڑھنے کے قائل تھے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ہر سورت کے لئے رکوع و سجود میں حصہ مقرر ہے (کہ ہر رکوع و سجود یا رکعت کے لئے ایک سورت کامل مٹی چاہئے) اور فرمایا کہ ایک سورت کو دو رکعت پر تقسیم نہ کیا جائے اور کسی سورت کے کچھ حصہ پر اکتفا نہ کرنا چاہئے کہ باقی کو ترک کر دیا جائے، اور نہ کسی سورت کو پڑھ کر پھر اس سے قبل کی سورت پڑھی جائے کہ یہ ترتیب مصحف کے خلاف ہے، اگر ایسا کرے گا تو نماز تو فاسد نہ ہوگی، مگر خلاف اولیٰ ہوگا، پھر علامہ نے لکھا کہ امام بخاری نے جو استدلال کئے ہیں وہ امام مالک کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ وہ بیان جواز پر محمول ہیں“۔ (فتح الباری ص ۳۷۱)

علامہ مینی نے لکھا کہ قول قتادہ کے تحت ۲ مسئلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھا جائے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے نماز مغرب میں سورۃ اعراف دونوں رکعت میں پڑھی، اور حضرت ابو بکرؓ نے سورۃ بقرہ فجر کی دو رکعت میں پڑھی، یا حضرت عمرؓ نے مشائی پہلی دو رکعت میں آل عمران پڑھی، دوسرا مسئلہ یہ کہ ایک ہی سورت کو دونوں رکعت میں پڑھا جائے، جیسا کہ حضور علیہ السلام نے ایک بار نماز صبح کی دونوں رکعتوں میں ادا دلزلت پڑھی۔ معلوم نہیں کہ بھول کر یا عمداً اسی لئے ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ بعض نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے، بمسوط میں لکھا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر کر لیا تو حرج نہیں، اور افضل یہی ہے کہ فرضوں کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پوری پڑھے۔ (عمدہ ص ۳۷۱)

## (۶) حدیث الباب حضرت انسؓ:

اس سے بھی امام بخاری نے ثابت کیا کہ ایک رکعت میں دو سورت پڑھنا درست ہے۔ لہذا اس کی مطابقت بھی ترجمہ کے جزو اول سے ہے۔ علامہ مینی نے کہا کہ یہی مذہب امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا (ایک روایت میں) اور دوسرے اکابر کا بھی ہے، البتہ کچھ حضرات شفعی وغیرہ نے کہا کہ ایک رکعت میں ملاوہ فاتحہ کے ایک سورت سے زیادہ پڑھنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ مصنف عبد الرزاق میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے ایک شخص نے کہا، کہ میں نے ایک رکعت میں مفصل کی سب سورتیں پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو مفصل کی سب سورتوں کی جگہ ایک ہی سورت بنا کر نازل فرما دیتے۔ لہذا تم ہر سورت کو اس کا حصہ رکوع و سجود سے دو۔ (داخرہ الطحاوی ایضاً)

ائمہ اربعہ وغیرہم کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے خلاف حضرت عائشہ و حضرت حذیفہؓ کی احادیث وارد ہیں جن سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے ایک رکعت میں سورۃ بقرہ، آل عمران و نہ پڑھیں۔ اور آپ مفصل کی کئی کئی سورت ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ (عمدہ ص ۳۷۰۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں لا تروی ایھا تجوز تک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بھی ضم سورت کو واجب سمجھتے تھے۔

عدم اشتراط فاتحہ: علامہ عینیؒ نے لکھا کہ حدیث الباب بخاری میں سورۃ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ بھی صراحت ہے کہ وہ صحابہ کرام کے امام صاحب جوان سب میں سب سے افضل بھی تھے اور اسی لئے ان کی امامت سے وہ حضرات صرف نظر بھی نہیں کر سکتے تھے، وہ ہر رکعت کی قرآن میں افتتاح سورۃ قل هو اللہ احد سے کرتے، پھر دوسری سورت اس کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پھر نہ خود ان تمام صحابہ کو ان کے فاتحہ نہ پڑھنے پر کوئی اعتراض ہوا اور نہ حضور علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی کہ تم فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی صحت کے

لئے قرآن فاتحہ کی شرط لگانا صحیح نہیں کہ بغیر اس کے نماز ہی صحیح نہ ہوگی خواہ وہ کتنا ہی قرآن مجید پڑھ لے۔ (عہدہ ص ۳۱۰۳)

### حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نقد

آپ نے فرمایا کہ بظاہر اگرچہ حدیث الباب میں ترک فاتحہ ہے، مگر خیال ہے کہ فاتحہ بھی پڑھتے ہوں گے، ورنہ جہاں اس سے اشتراط درکیت فاتحہ کی نفی ہوتی ہے، ایجاب فاتحہ کی بھی توفی ہوگی، جو مسلک حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

### تحقیق لفظ اجزاء و صحت

حضرت نے فرمایا کہ عام طور سے فقہاء کی عبادتوں میں یہ دونوں لفظ آتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ نماز صحیح ہوگئی یا جائز ہوگئی حالانکہ وہ ان کے نزدیک بھی کراہت کے ساتھ ہوتی ہے لیکن چونکہ ان الفاظ سے بظاہر کراہت کی نفی معلوم ہوتی ہے، اس لئے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل جاتا ہے کہ ان کے نزدیک مکروہ بھی نہیں ہے، اس لئے بہتر ہوتا کہ فقہاء ان دونوں لفظوں کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کرتے، جن سے اعتراضات وارد نہ ہوتے اور مخالفوں کو تو حش بھی نہ ہوتا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ درحقیقت صحیح کا لفظ صحیح المرئض سے نہیں ہے، جو صحت باقتبار اوصاف پر دلالت کرتا ہے، بلکہ صرف اجزاء کے اعتبار سے ہے، یعنی اجزاء تو پورے ہیں اگرچہ اوصاف میں نقص اور کمی ہے، اور کبھی ایک لفظ صحت میں ایک معنی کے لئے وضع ہوتا ہے، پھر عرف میں اس معنی سے نکل جاتا ہے اور بلغاء لسان اس کو معنی اول ہی کے لحاظ سے استعمال کرتے ہیں تو عوام کو پریشانی ہوتی ہے کیونکہ وہ دوسری طرف کے لحاظ سے پہلے معنی کو بھول جاتے ہیں اور اس سے معانی کا تعدد بھی بلکہ موارد و مواقع کا تعدد ہوتا ہے جیسے لفظ مسح کو پیروں کے لئے پانی بہانے کے معنی ہیں اور سر کے لئے تراجم پھیرنے کے واسطے ہوتا ہے اور نضح المحر کا لفظ سمندر کی امواج کے لئے اور نضح النواضح اڈنیوں کے پانی ڈھونڈنے کے واسطے ہوتا ہے اور نضح الانسان پانی چھڑکنے کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح ایک ہی لفظ کے اختلاف موارد کے ساتھ معنی بدل جاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے عربی سے فارسی میں ترجمہ سید علی ہمدانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے زیادہ اچھا کسی کا نہیں دیکھا، بعینہ عربی کو فارسی کر دیتے ہیں، بغیر تقدیم و تاخیر کے۔ اور میرے نزدیک آج کل کے فقہ وغیرہ کے ترجمے قطعاً ساقط ہیں میرے نزدیک جازت کا ترجمہ رواشدن نہیں بلکہ رواں شد ہے کہ چل گئی، یعنی مثلاً نماز تا کہ اس کے نقص و کمی کی طرف اشارہ ہو جائے اجزاء کا ترجمہ یہ ہونا چاہئے کہ کچھ ہوگئی۔ جیسے کہ ابھی حضرت ابوہریرہ کا قول گزرا ہے فان لم تزد علی ام القرآن احزانت کہ یہاں بھی اجزاء ات کا لفظ نقص پر وال ہے۔

قولہ جبک ایابھا الخ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس میں نیت کی تصویب ہے، عمل کی نہیں، کیونکہ اس سے پہلے حضور علیہ السلام نے مایعک الخ سے اس پر اعتراض کیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی نماز کے لئے کسی سورت کا تعین کر لینا بہتر نہیں، جیسا کہ کنز میں ہے، البتہ ابن نجیم نے ان سورتوں کی تسبیح کو جائز بلا کراہت بتلایا ہے جو حضور علیہ السلام سے مروی ہیں۔

### امام بخاری کے توسعات

اوپر کی پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کے کبھی کبھی کے عمل سے جواز ثابت کیا ہے اور حضرت قتادہ کا یہ قول بھی پیش کر دیا کہ سب قرآن مجید ہے خدا کا کلام ہے جس طرح بھی پڑھ دو نماز ہو جائے گی مگر ہم نے اوپر حضرت ابن عمر کا قول بھی پیش کیا ہے کہ انہوں نے کئی سورتوں کو ناپسند کیا ہے، امام بخاری نے اس کو پیش نہیں کیا، کیونکہ وہ تو توسعات کے درپے ہو گئے، حالانکہ حضور علیہ السلام کا اکثری تعال وہی تھا جس کی طرف حضرت ابن عمر نے اشارہ فرمایا ہے، کہ تریب مصحف کے خلاف بھی نہ ہو، ہر رکعت کے

لئے ایک ہی سورت کامل ہو (خواہ چھوٹی ہی ہو) ایک سورت کو دو رکعتوں پر بھی تقسیم نہ کیا جائے، اور نہ ناقص سورت پڑھی جائے۔ وغیرہ ہم کچھ نہیں کہتے، حضرت ابن عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابی کی تصریحات ہی حضرت قتادہؓ کے قول سے معارض ہیں۔ یاد ہو گا اسی طرح امام بخاری نے مساجد کے اندر سارے وہ کام جائز ثابت کئے تھے جو حضور علیہ السلام کے دور مبارک میں احیاناً یا کسی ضرورت کے تحت انجام پائے تھے۔

## باب یقرأ فی الاخرین لفاتحة الكتاب

آخری دونوں رکعتوں میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھی جائے

۷۳۷: حدثنا موسى بن اسماعيل قال حدثنا همام عن يحيى عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في الظهر في الاولين بام الكتاب وسورتين و في الركعتين الاخيرين بام الكتاب ويسمعا الآية يطول في الركعة الاولى ما لا يطيل في الركعة الثانية وهكذا في العصر وهكذا في الصبح

ترجمہ ۷۳۷: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں اور (اس کے ساتھ) پڑھتے تھے اور پچھلی دونوں رکعت میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، اور ہم کو کوئی آیت (کبھی کبھی) سنائی دیتی تھی۔ اور پچھلی رکعت میں اس قدر طول دیتے تھے کہ دوسری رکعت میں نہ دیتے تھے، اور عصر اور صبح میں بھی یہی صورت تھی۔  
تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دوسری دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کے بارے میں ہمارے تین قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مجہدؒ سہو آئے گا، دوسرا یہ کہ نہیں آئے گا، تیسرا یہ کہ نہ وہ مسنون ہے نہ مکروہ ہے، یہ قول فخر الاسلام کا ہے اور اسی کو میں اختیار کرتا ہوں۔ ورنہ مشہور مذہب حنفیہ پر احادیث صحیحہ کا جواب نہ ہو سکے گا۔ فافہم۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آخری دو رکعتوں میں ضم سورت مکروہ ہے، الحدیث الباب ۱۰۱۰۸ شافعی کا قدیم قول جمہور کے ساتھ ہے اور جدید میں فاتحہ کے ساتھ سورتیں ملانے کا استہاب ہے۔ (کمافی الاوجز) لہذا امام بخاری کا ترجمہ الباب ان پر رد کے لئے ہوگا۔ (الابواب ص ۲۱۸۷)

## باب من خافت القراءة في الظهر والعصر

جس نے ظہر اور عصر کی نماز میں آہستہ قراءت کی۔ اس کا بیان

۷۳۸: حدثنا قتيبة قال حدثنا جرير عن الاعمش عن عمارة بن عمير عن ابي معمر قال قلنا لخباب اكان

رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الظهر والعصر قال نعم قلنا من اين علمت قال باضطراب لحنته

ترجمہ ۷۳۸: حضرت ابو معمر روایت کرتے ہیں کہ ہم نے خبابؓ سے کہا کہ کیا رسول خدا ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ خبابؓ نے کہا، ہاں! ہم نے کہا، تم نے کس طرح پہچانا؟ خبابؓ نے کہا کہ آپ کی داڑھی کی جنبش سے۔

تشریح: الابواب ص ۲۱۸۷ میں ہے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے، سب کے نزدیک یہی ہے اور حافظؒ نے لکھا کہ حدیث کی مطابقت ترجمہ الباب سے واضح ہے۔

## باب اذا سمع الامام الآية

۷۳۹: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا الاوزاعي قال حدثني يحيى بن ابي كثير قال حدثني عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقرأ بام الكتاب وسورة معها في الركعتين الاوليين من صلاة الظهر وصلاة العصر ويسمعنا الآية احياناً وكان يطيل في الركعة الاولى ترجمه ۷۳۹: حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ہمراہ ایک سورت اور پڑھا کرتے تھے، اور کبھی کبھی کوئی آیت ہمیں سنا دیتے تھے اور پہلی رکعت میں (زیادہ) طول دیتے تھے۔  
تشریح: سری نماز میں اگر کوئی آیت جبر سے پڑھ دی جائے تو اس سے نماز مکروہ نہ ہوگی، حافظ نے لکھا کہ یہ ان کے خلاف ہوگا جو سوہی وجہ سے پڑھنے پر یا بغیر سوہی کے بھی مجبور کرنے کو کہتے ہیں۔ (الابواب ص ۲۱۸۷)

## باب يطول في الركعة الاولى پہلی رکعت کو طویل کرے

۷۴۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا هشام بن عمار عن ابي كثير عن عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يطول في الركعة الاولى من صلاة الظهر ويقصر في الثانية ويفعل ذلك في صلاة الصبح ترجمه ۷۴۰: حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز ظہر کی پہلی رکعت طویل ادا فرماتے، اور دوسری رکعت (پہلی کے اعتبار سے) کم ہوتی تھی، اور صبح کی نماز میں (بھی) کرتے تھے۔  
تشریح: حضرت نے فرمایا کہ حدیث الباب کی اسناد میں ابو نعیم فضل بن وکیع ص ۲۱۸ ہ خفی ہیں اور امام اعظمؒ کے تلمیذ۔ ان کا نام عمرو بن حماد ہے روایت صحاح ستہ میں ہیں۔ ولادت ۱۳۰ھ میں ہوئی تھی، ۸۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، سب ہی ناقدین رجال نے ان کی توثیق و مدح کی ہے۔ میمون نے امام احمد سے نقل کیا کہ وہ ثقہ، متقیظ و عارف بالحدیث تھے۔ پھر امتحان میں بھی ایسے ثابت قدم نکلے کہ ان جیسے دوسرا نہ ہو سکا۔ (امالی الاہبار ص ۸۳۲)  
حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے حفظ و ثبت کا عجیب واقعہ بھی درس بخاری میں ذکر کیا تھا۔ جو فیض الباری ص ۲۱۴۹ میں بھی ہے، دیکھ لیا جائے۔  
باب جهر الامام بالتأمين وقال عطاء امين دعاء امن ابن الزبير ومن وراءه حتى ان للمسجد للجة وكان ابو هريرة ينادي الامام لا تفتني بأمين وقال نافع كان ابن عمر لا يدعه ويحضهم وسمعت منه في ذلك خبراً

۷۴۱: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب وابي سلمة بن عبد الرحمن انهما اخبراه عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فانته من والفق تامينه تامين الملئكة غفر له ما تقدم من ذنبه قال ابن شهاب وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول امين ترجمه ۷۴۱: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، جب امام آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو اس لئے کہ

جس کی آئین ملائکہ کی آئین سے مل جائے گی، اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ابن شہاب کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ مین کہا کرتے تھے۔  
**تشریح:** آئین کے جہر و افتاء کا مسئلہ بھی معرکہ الآراء مسائل میں سے ہے، اس میں بڑا اختلاف شافعیہ کا ہے اور بقول حضرت شاہ صاحب قدیم قول امام شافعی کا یہ تھا کہ امام و مقتدی سب آئین کا جہر کریں اور جدید قول یہ ہے کہ صرف امام جہر کرے اور مقتدی افتاء کریں۔ شافعیہ نے امام شافعی کے قول جدید کو اختیار نہ کر کے نزاعی صورت کو بڑھوا دیا ہے، حالانکہ امام کے آخری قول کو ہی ترجیح دینی چاہئے تھی، اور امام بخاری بھی چونکہ ان ہی کے ساتھ ہیں۔ اس لئے وہ بھی حسب عادت مبالغہ نہ تراجم قائم کر رہے ہیں، یہاں حدیث الباب میں جہر کی کوئی صراحت نہیں ہے، اور صرف "اذا من الامام" کے لفظ سے جہر کا اثبات مشکل ہے، جیسا کہ ہم تفصیل کریں گے۔ لیکن ترجمہ و عنوان باب میں جہر کے لفظ سے یہ تاثر دیا ہے کہ ساری مسجد لوگوں کی آئین کی وجہ سے گونج جاتی تھی۔ حالانکہ ہلکی آواز بھی اگر مجمع کی ہو تو اس کی خاص کیفیت بن جاتی ہے۔ وار دوسرا نسخہ جلد کا بھی ہے، جس کے معنی مختلف آوازوں کی ملی جلی کیفیت ہے جس کے لئے صوت مرتفع ضروری نہیں ہے۔

### استدلال جہر آئین پر نظر

امام بخاری نے ترجمہ کے اندر حضرت ابو ہریرہؓ کا قول بھی پیش کیا ہے کہ وہ ایک وقت میں جب موزن تھے تو امام سے فرماتے تھے کہ دیکھنا فتح اتنی جلد ختم نہ کر دینا کہ میری آئین رہ جائے، کیونکہ مقتدی کی آئین کا امام اور فرشتوں کے ساتھ بیک وقت ہونا مغفرت و ذنوب کا موجب ہے، لیکن اس سے بھی جہر کا اثبات نہیں ہوتا۔

اس پر حضرت شاہ صاحب نے بطور مزاح یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری یہاں جہر آئین ثابت کرنے کی فکر میں ایسے مشغول ہوئے کہ فاتحہ کی فرضیت و رکعت بھی بھول گئے، کیونکہ اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو امام کے پیچھے فاتحہ کی فکر نہ تھی بلکہ صرف آئین کی فکر تھی، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پہلوان اپنے کپڑے اتار کر اور لنگر لنگوت کس کر اکھاڑے میں اتر جائے اور وہ کشتی جیتنے کے خیال میں ایسا محو ہو کہ اس کو اپنے کپڑوں کا بھی خیال نہ رہے خواہ ان کو کوئی اٹھا کر ہی لے جائے۔

### حضرت ابو ہریرہؓ کا اثر

حضرت کا ارشاد گرامی اس لئے بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے کہ امام بخاری نے اپنے رسالہ جزء القرائۃ خلف الامام ص ۷۱ میں مسئلہ کی تائید میں خاص طور سے حضرت ابو ہریرہؓ کا اسم گرامی پیش کیا ہے کہ وہ قرائۃ خلف الامام کو ضروری و فرض سمجھتے تھے۔ یہاں تو صاف طور سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ امام کی قرائۃ فاتحہ کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے تھے، اور وہ صرف اس امر کا اہتمام فرماتے تھے کہ امام کے ساتھ آئین میں شرکت فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اقامت صفوف وغیرہ کے کام میں مصروف ہوتے تھے، اس لئے وہ امام کے ساتھ فاتحہ نہ پڑھ سکتے تھے، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ وہ بند کر دیتے کہ مجھے تکبیر کے بعد کے وقفہ میں فاتحہ پڑھنی ہے، بغیر اس کے میری نماز امام کے پیچھے نہ ہوگی، لہذا اقامت صفوف وغیرہ کا کام ایسے حضرات کے سپرد کر دیتے جو امام کے پیچھے قرائۃ فاتحہ کو رکھ کر فرض نہیں سمجھتے تھے، اور ایسے صحابہ کی تعداد زیادہ بھی تھی کیونکہ خود امام بخاری نے ہی ص ۷۱ میں اسی مقام پر کئی صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں جو امام کے پیچھے قرائۃ کو ضروری نہ سمجھتے تھے (حضرت ابن عمر وغیرہ) اور ضروری سمجھنے والوں میں صرف حضرت ابو ہریرہؓ کا نام پیش کیا ہے، اور ان ہی کا یہ حال تھا کہ خود امام بخاری کے اقرار و مذکور ہی سے ثابت ہو گیا کہ ان کو امام کے پیچھے فاتحہ کی فکر نہ تھی بلکہ صرف آئین کی فکر تھی۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے امرت سر اور کلکتہ میں بڑے مجمع میں برسر منبر اعلان کر دیا تھا کہ ذخیرہ نقل میں کہیں بھی

مقتدیوں کے لئے جہر کا حکم ثابت نہیں ہے۔

## ایک ہزار برس کا اشکال اور جواب

حضرتؒ نے فرمایا۔ اتنی مدت سے یہ اشکال حل نہ ہو سکا کہ اذا امن الامام کی صحیح غرض کیا ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ حدیث اذا قال الامام ولا الصالحین قولوا آمین سے مقتدیوں کے لئے آمین کا مقام دو وقت بتلادیا گیا ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقسیم ہے۔ لہذا امام آمین نہ کہے گا جس طرح خارج صلوٰۃ میں بھی امام یا مقتداء دعائیں کرتا ہے اور سب لوگ ان پر آمین کہتے ہیں۔ دعائیں پیش کرنا امام کا کام ہے اور آمین کہنا سننے والوں کا کام ہے۔

حنفیہ میں سے امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امام پر آمین نہیں ہے (کافی موطا الامام محمدؒ) مالکیہ نے حدیث اذا امن الامام فامنوا کا جواب یہ دیا جب امام آمین کی جگہ پہنچے تو تم آمین کہو، جیسے انجد، ایمن، اعرق اقم وغیرہ بولنے میں کہ نجد، یمن، عراق یا تہامہ کے قریب پہنچا، شافعیہ نے دوسری حدیث (اذا قال انھ) میں پس و پیش کیا ہے اور حافظہ نے فتح الباری میں خاصی تقریر کی ہے مگر شافعیہ میں نے فصل الخطاب وغیرہ میں کشف حقیقت کی ہے اور جواب اشکال، یاب۔

خلاصہ تحقیق النور: ایک حدیث ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ اور اس کو راوی حدیث کہیں پوری نقل کرتے ہیں اور کہیں اس کے کچھ ٹکڑے لاتے ہیں اور دوسرے ذکر نہیں کرتے، امام مسلم نے باب ایتھام الماموم بالامام کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث نقل کی حضور علیہ السلام ہمیں نماز سنا رہے تھے، جس میں یہ بھی فرماتے تھے کہ امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے، تم بھی کہو، جب وہ ولا الصالحین کہے تو تم آمین کہو، جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو،

نیز امام مسلم نے اس سے پہلے باب التسمیع والتحمید والتأمین میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث نقل کی کہ جب قاری غیر المفضوب علیہم ولا الصالحین کہے اور اس کے پیچھے مقتدی آمین کہیں، اور ان کی آمین آسمان والوں کے ساتھ ہو جائے تو ان کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

امام بخاری بھی آگے باب جہر الماموم بالتأمین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث نمبر ۴۳۳۷ ان الفاظ سے لائیں گے کہ جب امام غیر المفضوب علیہم ولا الصالحین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کا قول (آمین) فرشتوں کے قول آمین کے ساتھ موافق ہو جائے گا تو اس کے گزشتہ گناہ سب معاف ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ کی تمام روایات سے معلوم ہوا کہ ان میں جہاں نماز کے سارے طریقے سکھائے گئے ہیں وہاں آمین کی جگہ بھی بتلائی گئی ہے، ان احادیث میں امام کی آمین کا حوالہ دینا غیر ضروری تھا، پس اتنا ہی بتلانا تھا کہ سورہ فاتحہ نمٹ گئی، اب موقع ہے آمین کہنے کا۔

دوسری حدیث آئی ہے اذا امن الامام فامنوا چونکہ یہ اسی قدر رکڑا ہے، اور کسی بڑی حدیث کا اوپر والی حدیث کی طرح جزو نہیں ہے اور یہ حدیث صرف آمین کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے اس لئے یہ بتلانا ضروری ہو گیا کہ آمین کس وقت کہو، اور اشارہ کیا امام کی آمین کی طرف۔ پہلی کا مقصد بیان موضع ہے کہ آمین کا تلفظ کس وقت کرو۔ یہ حقیقت ہے دونوں الگ الگ حدیثوں کی، جن کی وجہ سے اختلاف مذاہب پیدا ہوا جس کی تفصیل اوپر گزری ہے مگر دونوں حدیثوں میں جہر نہیں ہے، کسی نے کہا کہ اگر امام جہر نہ کرے تو پتہ کیسے چلے گا؟ میں کہتا ہوں کہ جب یہ بتلادیا گیا کہ امام کے ولا الصالحین کے بعد آمین کہنی ہے تو اس کے جہر کی کیا ضرورت باقی رہی؟

اس کے علاوہ ایک حدیث اور ہے اذا امن القاری فامنوا جس کو امام بخاری کتاب الدعوات میں لائیں گے بظاہر وہ ان دونوں

کے ایک ہونے کا فیصلہ نہ کر سکے، اس لئے خُشبِ عادت دو جگہ لائے ہیں، حالانکہ یہ دونوں سنداً و متناً ایک ہی ہیں، میرے نزدیک ایک پیغمبر ﷺ کا قول ہے اور دوسری میں روایت بالمعنی ہے، امام بخاری نے وہ کچھ کراہی صلوٰۃ اور خارج صلوٰۃ کا حکم عام ظاہر کیا ہے۔ اور: ۱۵۱ امن الامام کو صرف داخل صلوٰۃ کے لئے سمجھا ہے۔

پھر یہ کہ میرے نزدیک اذا امن الامام سے اتحاد وقت بتلایا گیا ہے کہ سب ساتھ کہیں امام، مقتدی و ملائکہ حدیث میں ہے کہ احب الکلام عند اللہ وہ ہے جو اس نے اپنے بندوں فرشتوں کے لئے تجویز کیا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم اور سبحان الملک القدوس، معلوم ہوا کہ ملائکہ کی نماز بھی خفیہ کے موافق ہے اور وعدہ مغفرت بھی وہیں جہاں خفیہ کے موافق چیز ہے ”اذا والحق تاسمینہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ“ اور امام کی آمین بعد امانت نہیں ہے، بلکہ وہ بعد مصلیٰ ہے، وہ بھی مقتدیوں کے درجہ میں ہو کر ان کے ساتھ کہتا ہے۔

### احادیث جہر کا جواب

ابوداؤد و ترمذی میں جو یہ آیا ہے کہ جہر بھا صوتہ اس کے بارے میں خفیہ نے کہا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے، تعلیم وغیرہ کے لئے، جیسے کہ محدث ابن جریر نے بھی کہا کہ اکثر صحابہ و تابعین کا عمل آمین کا اخفاء ہی تھا۔ (الجوہر النقی ص ۱۷۳۲) جو امام مالک کے مسلک سے بھی ثابت ہوا ہے، کیونکہ وہ حتی الامکان تمام صحابہ و تابعین کو ہی لیا کرتے ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے کشف الستر میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جہاں جہر ہوا ہے وہ بھی خفیہ ہوا ہے، جو اخفاء ہی کے حکم میں ہے کہ کسی پاس والے نے یا صعب اول والوں نے سن لیا۔ جیسا کہ نسائی میں ہے اور پوری بات نہ شعبہ نے نقل کی نہ سفیان نے، شاید اسی لئے بخاری و مسلم نے ان کی روایت کو نہیں لیا۔ اور امام شافعی کا مذہب متون میں ہے کہ جہر قرائۃ سے جہر آمین کو پست کرے۔

حضرت ابو ہریرہ کی جس حدیث میں ہے کہ مسجد گونج اٹھتی تھی اور اس سے غیر مقلد استدلال کرتے ہیں، وہ حدیث ضعیف ہے، دوسرے اس میں بھی یہ ہے کہ پہلی صف والے سنتے تھے، (ابوداؤد)

ابن ماجہ میں جو حتی بسمع بھا اهل المصف الاول و یرفع بھا صوتہ۔ اس میں دونوں بے جواز لفظوں کو جمع کر دیا ہے، یہ راوی ضعیف ہے اور شاید وہ آج کل کے عامل بالحدیث کی طرح ہوگا۔

وَأَمَّا كِي حَدِيْثٍ مِّنْ يَّهْ لَفْظٌ يَّهْ ”فَلَمَّعْنَاهَا مِنْه“ جس سے معلوم ہوا کہ کبھی سن پایا ہے۔

حاصل مطالعہ: آخر میں حضرتؒ نے فرمایا کہ خارج موضوع سے جو پتے ملتے ہیں، ان سے مجھے یہی سامع ہوا ہے کہ فاتحہ خلف الامام نہیں ہے، نہ رفع یدین ہے یعنی سلسلہ ارتباط (فائیں بائیں کڑیوں کا) اور تفریع و تامل نہیں ہے کہ رفع یدین یا قرائۃ خلف الامام پر کسی نے مسائل کی بنا رکھی ہو۔

رفع یدین کے لئے تو قویٰ حدیث بھی نہیں ہے البتہ آمین کے بارے میں خارج سے بنا نکلتی ہے، جس میں خارجی حدیث سے غیر قوم کا آمین پر حسد کرنے سے جہر کی بات نکلتی ہے، مسند احمد میں ہے کہ یہود نے تم پر کسی بات میں اتنا حسد نہیں کیا جتنا کہ آمین پر کیا ہے لہذا اس کی کثرت کیا کرو، میں نے اس کا جواب بھی کشف الستر میں دے دیا ہے۔

ایک استدلال پر نظر: جہر آمین کے قائلین نے اذا امن الامام سے استدلال کیا کہ امام کا جہر تو مقتدیوں کو باخبر کرنے کے لئے ہے اور چونکہ مقتدیوں کو بھی اسی لفظ سے حکم ہوا اس لئے وہ بھی جہر کریں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر یہی اصول ہے تو حدیث میں تو یہ بھی ہے کہ جب موزن اذان دے تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، یہاں تو مثل کا لفظ بھی وارد ہوا ہے لہذا اس سے یہ حکم نکال لو کہ سارے اذان سننے والے موزن کی طرح جہارہ پر چڑھ کر اذان دیا کریں اور حدیث میں ہے کہ امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، لہذا جس طرح وہ زور



سے نکیر کہتا ہے تم بھی بلند آواز سے کہو، حدیث میں ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تمہارا لک الحمد کہو، لہذا اس کے جواب میں تم بھی دہنا لک الحمد زور سے کہا کرو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت سفیان سے روایت جبر آئین کی ہے اور شعبہ سے پست آواز سے کہنے کی ہے، حالانکہ حدیث ایک ہی ہے اور خود سفیان کا مذہب بھی اخفاء آئین کا ہے، لہذا ترجیح اخفاء کے لئے ہی ہوگی۔

پھر قرآن مجید کی آیات مبارکہ بھی یہی تلقین کر رہی ہیں کہ دعا میں اخفاء بہتر ہے، علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم نے کہا کہ آئین کے جہر و اخفا کے مسئلہ میں اختلاف مباح کا ہے۔ اور بعض مواضع میں جہر کو ترجیح بھی دی ہے، لہذا اختلاف زیادہ اہم نہیں ہے حافظ ابن حجر کی غلطی: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ نے فتح میں جو جمہور کا قول جبر آئین کا قرار دیا ہے وہ قابلِ تعجب ہے، کیونکہ امام مالک بھی اور مالکیہ سب ہی اخفا کے قائل ہیں اور جہر کی صراحت کہیں بھی نہیں ہے۔ (معارف ص ۲۱۳۹)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام شافعیؒ کی آخری تالیف کتاب الام ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور اس کے ص ۱۹۵ میں ہے کہ جب امام سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو تو آئین بلند آواز سے کہے تاکہ اس کے پیچھے والے مقتدی اس کو سن کر اقامت کریں، اور جب امام کہے تو وہ بھی کہیں، لیکن اس طرح پست آواز سے کہو اپنے آپ کو سنائیں، اور مجھے پسند نہیں کہ بلند آواز سے آئین کہیں۔ اور اگر کہہ لیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ حیرت ہے کہ امام شافعیؒ کے جدید اور آخری قول فیصل کے باوجود شافعیہ نے ان کے منسوخ شدہ قدیم قول کو اختیار کر کے نزاع کو باقی رکھا، اور امام بخاری نے اس اختلاف کو اور بھی ہوا دی، پھر اس زمانہ کے غیر مقلدین تو ”دیوانہ راہوے بس است“ کے مصداق ہیں۔ ان کو تو مقلدین کے خلاف پروکینڈہ مشنری تیز کرنے کا بہانہ چاہئے، حالانکہ بقول ان کے امام ابن تیمیہ وغیرہ کے بھی اختلاف صرف مباح کا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح شافعیہ کا امام صلوٰۃ مقتدیوں کی صحت و فساد کا ضامن نہیں بلکہ صرف ناہی اجتناع ہے، اسی طرح شایدان کا اپنے امام مذہب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہے کہ جس بات میں چاہا ان کا قول قدیم اختیار کر لیا اور جب چاہا قول جدید لے لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ وائل کی حدیث میں بھی اضطراب ہے، اور غالباً ایسا وجہ سے امام بخاریؒ اس کو اپنی صحیح میں نہیں لائے، حالانکہ وہ اثبات جبر آئین کے لئے نہایت حریص تھے، اور امام مسلم نے بھی اسی کی تخریج نہیں کی۔ تاہم وائل نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں سب آئین سکھانے کے لئے جبر کیا ہوگا، (اخر جہاد ابو بشر الدولابی فی کتاب الاسماء والکنی ص ۱۱۹) انور الہمدود ص ۱۳۲۰ میں رجال کی بحث بھی قابلِ مطالعہ ہے۔

جمہور کا اخفاء آئین: ”الرواۃ“ ص ۲۱۰۸ میں حضرت علی و عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل ہوا کہ وہ بسم اللہ تعوذ اور آئین کا جہر نہ کرتے تھے اور کنز العمال ص ۳۱۳۹ میں حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ امام چار چیزوں کا اخفا کرے:۔ تعوذ، بسم اللہ، آمین اللہم ربنا ولک الحمد۔ غرض حضرت عمرؓ، علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؓ، جمہور صحابہ و تابعین اور سارے اہل کوفہ کا مذہب اخفاء آئین ہے۔ (معارف السنن ص ۲۱۳۱)

### محقق امت حافظ ابو عمر ابن عبد البر کا ارشاد

آپ نے حدیث اذا امن الامام فامنوا سے استنباط کیا کہ امام کے پیچھے قرآن نہیں ہے کیونکہ حدیث نے بتلایا ہے کہ مقتدی امام کے آئین کہنے کا مختصر ہے، اور مختصر کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ خاموش رہے نہ کہ قرأت کرتا رہے۔ (معارف ص ۲۱۳۶)

افادات علامہ عینیؒ: آپ نے لکھا کہ امام مسلم نے اذا قال احدکم فی الصلوٰۃ کی روایت کر کے فی الصلوٰۃ کی زیادتی بتلائی جو اجمعی

زیادتی ہے اور اس پر شیخ عبدالحق نے الجمع بین المحسنین میں متنبہ کیا ہے، اس سے منفرد بھی فضیلت میں شامل ہو گیا، ورنہ امام بخاری وغیرہ نے اس زیادتی کو نہیں لیا ہے، ان کی روایات امام کے لئے یا مقتدی کے لئے یا دونوں کے لئے ہیں۔ پھر لکھا کہ ملانکہ سے کون سے مراد ہیں بعض نے کہا کہ حفاظت کرنے والے، کسی نے کہا صبح وشام کی نمازوں میں آنے والے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ سارے فرشتے مراد ہیں حفاظت کرنے والے بھی اور جو ان کے اوپر ہیں وہ بھی حتیٰ کہ عاء اعلیٰ تک اور آسمانوں میں بھی جتنے ہیں۔ (عمدہ ص ۳/۱۰۹) آگے بخاری کی حدیث میں وقالت الملائكة في السماء پر مبنی لکھا کہ اس سے بھی معلوم ہوا کہ صرف حفظ مراد نہیں ہیں۔ (ص ۳/۱۱۲)

### حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد

آپ نے فرمایا کہ امام بخاری کا حدیث الباب سے جہر آمین کے لئے استدلال تو نہایت ہی عجیب و غریب ہے، کیونکہ اس کے کسی لفظ سے بھی ان کا مقصد نہیں ثابت ہوتا، اس پر بخشی علام دامت برکاتہم نے لکھا کہ حدیث اذا امن الامام سے تو جہر کا ثبوت کسی طرح ہوتا ہی نہیں ندولۃ نہ اشارۃ۔ (لامع ص ۱/۳۱۲)

### باب فضل التامین

#### آمین کہنے کی فضیلت

۴۴۲: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابی الرناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قال احدكم امين وقالت الملائكة في السماء امين فوافقت احدهما الاخرى غفر له، ما تقدم من ذنبه

ترجمہ ۴۴۲: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے، اور ملائکہ آسمان میں آمین کہتے ہیں، پھر ان دونوں میں (جس کی) ایک دوسرے کے موافق ہوگئی تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔  
تشریح: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا: یہاں امام بخاریؒ اعرج کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث لائے ہیں، جو مطلق ہے، اور حالت نماز کے ساتھ مقید نہیں ہے اور فضیلت کے لئے حسب قول ابن المیرؒ یہی کافی ہے کہ ایک مختصر سے لفظ کے کہنے پر جس میں کوئی بھی کافرت نہیں ہے۔ مغفرت ذنوب کا وعدہ الہیہ حاصل ہو جاتا ہے، اس اطلاق سے یہ ثابت ہوا کہ جو بھی قراءت فاتحہ کے بعد آمین کہے گا، خواہ وہ نماز میں پڑھے یا خارج میں اس کو یہ فضیلت مل جائے گی، مگر مسلم شریف کی اسی سند سے روایت میں "اذا قال احدكم في الصلوة آمين" و الملائكة في السماء آمين" ہے جس سے نماز کی قید معلوم ہوتی ہے، لہذا مطلق والی روایات کو بھی مقید پر محمول کرنا چاہیے، البتہ ایک روایت ہم عن ابی ہریرہ امام احمد کے یہاں ہے جس میں اذا امن القارئ فامنوا ہے، اس کو مطلق پر اتار سکتے ہیں اور ہر قاری کی قراءت فاتحہ پر آمین کہنے کی یہ فضیلت ہو جائے گی، خواہ نماز میں ہو یا خارج میں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں قاری سے مراد بھی امام ہی ہو، کیونکہ حدیث ایک ہی ہے، جس کے الفاظ رواۃ کے ذریعہ مختلف ہو کر نقل ہوئے ہیں۔ (فتح ابوری ص ۲/۱۸۰)

حضرت شیخ احمدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ اگر ترجمہ الباب کو اطلاق پر رکھا جائے تو پھر اس سے روایت ابی داؤد کی تقویت ہوگی، جس میں ہے کہ "آمین" مثل طابع اور مہر کے ہے صحیفہ کے لئے الابواب والترجم للبخاری ص ۲/۲۸۹

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام ابو داؤد اس حدیث کو باب التامین وراء الامام کے تحت آخر میں لائے ہیں، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قراءت فاتحہ کے بعد ہی نہیں بلکہ جو دعا بھی کی جائے۔ اس کے بعد آمین کی مہر اس پر ضرور لگانی چاہیے، کہ اس سے بشارت قبولیت ملتی ہے۔ (بذل الجود ص ۲/۱۰۶)

اسی کے ساتھ یہ بھی گزارش ہے کہ حافظ نے جو کہا کہ مسلم میں اسی سند فی الصلوٰۃ کی روایت ہے، یہ تسامح ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسرے ہیں، نیز یہ کہ امام بخاری کا رجحان بھی اطلاق کی طرف ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ کتاب الدعوات کے باب التّائین ص ۹۴۷ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث لائیں گے کہ جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اور وہاں بھی نماز کی قید نہیں ہے۔ لہذا یہاں بھی امام بخاریؒ نے ارادہ مطلق کا ہی کیا ہوگا، غرض اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حدیثیں دونوں قسم کی ہیں اطلاق والی بھی اور مقید بھی، اور فضیلت دونوں ہی کے واسطے معلوم ہوتی ہے بلکہ حدیث ابو داؤد مذکور کے ذریعہ نہ صرف قرأت کے بعد بلکہ ہر دعاء حاجت پر آمین کہنے سے بشارت قبول متی ہے مگر اس کے لئے تائین ملائکہ کی موافقت کی صراحت ابو داؤد میں نہیں ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

## باب جہر الماموم بالتامین

### مقتدی کا بلند آواز سے آمین کہنے کا بیان

۷۴۳: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن سمي مولى أبي بكر عن أبي صالح اسمان عن أبي

هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا قال الإمام غير المصنوب عليهم ولا الضالين فقولوا

آمين فإنه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب امام غیر المصنوب علیہم ولا الضالین کہے، تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کا کہنا ملائکہ کے کہنے سے مل جائے گا اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے لکھا: ابن المنیر نے حدیث الباب سے ترجمہ الباب کی مناسبت اس طرح بتلائی کہ حدیث میں آمین کہنے کو کہا گیا ہے اور قول کا اطلاق خطاب کے ساتھ جب ہوتا ہے تو وہ جہری پر محمول ہوتا ہے کیونکہ اگر اسرار مقصود ہو تو اس کی قید لگا دی جاتی ہے، علامہ عینی نے اس تاویل پر نقد کیا کہ مطلق کا اطلاق تو جہر و اخفاء دونوں پر ہوتا ہے، لہذا اطلاق کی صورت میں جہر کی تخصیص بلا وجہ کا فیصلہ ہے، جو کسی طرح درست نہیں۔

ابن رشید نے یہ تاویل کی کہ اذا قال الامام فقولوا میں مقابلہ قول کا قول سے ہے اور امام جہرا کہے گا تو ظاہری یہی ہے کہ اس کی موافقت جہر میں بھی ہونی چاہئے، علامہ عینی نے لکھا کہ یہ تاویل پہلی سے بھی زیادہ بعید تر ہے کیونکہ ظاہر کلام تو یہ ہے کہ امام آمین بھی نہ کہے جیسا کہ امام مالکؒ نے سمجھا کہ یہاں تقسیم کی گئی ہے کہ امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور تقسیم شرکت کے منافی ہے، لہذا یہ کہنا کہ امام تو جہرا کہے گا ہی، سرے سے بے محل ہے کیونکہ حدیث کا ظاہر تو یہ کہہ رہا ہے کہ وہ کہے گا ہی نہیں، پھر جہر سے کہنا کیونکر مراد ہوگا؟ اور اس کی صفت جہر میں مقتدی کا اتفاق کیونکر ثابت ہوگا؟ جب کہ ذات قول کا ہی ثبوت نہیں ہے۔

ابن بطلال نے کہا کہ پہلے یہ گزر چکا کہ امام جہر سے آمین کہے گا، اور یہ بھی گذر رہا کہ مقتدی کو امام کی پیروی کرنی چاہئے، لہذا اس کو بھی امام کی طرح جہر کرنا چاہئے، علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ تاویل پہلی دو سے بھی زیادہ بعد ہے، اور جو تلازم بتلایا ہے وہ بھی ناقابل تسلیم ہے کیونکہ اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ مقتدی امام کی طرح قرائت کا بھی جہر کرے، حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں ہے، اور کرمانی نے بھی یہی تاویل کی ہے، شاید انہوں نے اس کو ابن بطلال سے ہی لیا، وہ اور ان کی تاویل باطل میں شرکت کر لی۔

غرض حدیث الباب سے کسی درجہ میں امام کا آمین کہنا تو نکل سکتا ہے، جس کو امام مالکؒ کے علاوہ حنفیہ وغیرہ نے مانا ہے لیکن جہر کا ثبات نہیں ہو سکتا۔ (عمدہ ص ۱۱۲/۳)

حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح ص ۱۸۱/۲ میں ابن بطلان کی تاویل پر یہی اعتراض کیا ہے جو علامہ عینیؒ نے کیا ہے اور دوسری تاویل کر کے کچھ بات بنانے کی سعی کی ہے، پوری بحث پہلے آچکی ہے، اس لئے اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔

## باب اذارکع دون الصف

صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لینے کا بیان

۷۴۴: حدثنا موسى بن اسمعيل قال حدثنا همام عن الاعلم وهو زياد عن الحسن عن ابي بكر انه انتهى الى النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع فركع قبل ان يصل الى الصف فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال زادك الله حرصاً ولا تعد

ترجمہ: حضرت ابو بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے قریب اس حالت میں پہنچے کہ آپ رکوع میں تھے تو انھوں نے اس سے قبل کہ صف میں شامل ہوں رکوع کر دیا، پھر اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا، آپ نے فرمایا: اللہ تمہاری شوق زیادہ کرے، مگر اب ایسا نہ کرنا۔  
تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: امام بخاریؒ کے نزدیک چونکہ مد رک رکعت نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی، اس طرح انھوں نے تو اتر سلف کے خلاف اپنی الگ رائے بڑی سختی کے ساتھ قائم کر لی ہے، لہذا یہاں حضرت ابو بکرؓ صحابی کے واقعہ کی حدیث لائے ہیں اور عنوان باب میں حکم کو حذف کر دیا ہے، کہ ایسی رکعت معتبر ہوگی یا نہیں، وہ جانتے تھے کہ سارے علماء سلف معتبر مانتے ہیں، پھر صاف طور سے کیونکر کہہ دیں کہ معتبر نہ ہوگی۔

حافظؒ نے یہاں امام بخاریؒ پر نقد کیا کہ اس بات کو بہت پہلے ابواب امامت کے ساتھ لانا تھا، جہاں عورت کو مردوں کی صفوں کے پیچھے الگ سے تنہا کھڑے ہونے کا حکم بھی مستقل باب قائم کر کے بتلایا تھا، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ امام بخاری نے کسی کتاب کے بھی ذیلی ابواب میں باہم مناسبت تامہ کی رعایت نہیں کی ہے، اسی لئے ہر باب کو سابق باب سے یک گونہ مناسبت کافی ہے، اور یہاں بھی پہلے باب میں قراءۃ فاتحہ کے بعد آمین کا باب لائے تھے کہ فاتحہ اس پر ختم ہوتی ہے اس کے بعد رکوع کو لے آئے، اتنی مناسبت کافی ہے۔

علامہ عینیؒ نے متعدد احادیث ذکر کر کے حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ تفصیل سے دکھایا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ بہت سے صحابہ نے ان کے علاوہ بھی اسی طرح جماعت میں شرکت کی ہے، اور اس رکعت و رکوع کو بغیر فاتحہ کے معتبر سمجھا ہے، بلکہ ایک واقعہ دو صحابی کا یہ بھی ذکر کیا ہے کہ دونوں نے اسی طرح رکوع میں شرکت کی تو ایک یہ سمجھ کر کہ رکوع سے رکعت نہیں ملی، کھڑا ہونے لگا کہ اس رکعت کو پڑھے، دوسرے ساتھی نے اس کو بٹھلادیا اور کہا کہ تم نے تو رکعت پالی تھی ان سب واقعات کو پڑھ کر امام بخاریؒ کا رسالہ جزء القراءات پڑھا جائے کہ کسی طرح اس رکعت کو معتبر ماننے پر تیار نہیں ہوئے، اور جمہور و سلف کے خلاف اپنی رائے پر مصر رہے۔

اس کے بعد یہ مسئلہ آتا ہے کہ صفوف رجال کے پیچھے اگر کوئی تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کا حکم کیا ہے، حافظ عینیؒ نے لکھا کہ امام ابو حنیفہؒ، ابن المبارکؒ، حسن بصریؒ، امام مالکؒ، شافعیؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ، اوزاعیؒ و ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک صحیح ہوگی مگر کراہت کے ساتھ، اور جس حدیث میں ہے کہ ایک شخص کی نماز صف کے پیچھے نہیں ہوتی اس کا مقصد یہ ہے کہ کامل نہیں ہوتی جیسے لا وضوء لمن لم یسم اور لا صلوة لجمار المسجد الا فی المسجد وغیرہ میں کمال کی نفی ہے، اور ابن ماجہ اور ابوسعہ کی حدیث ضعیف ہے۔ امام شافعیؒ نے بھی فرمایا کہ اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح ہوتی تو میں اسی پر عمل کرتا۔ علامہ خطابیؒ نے کہا کہ رکوع نماز کا جزو ہے، جب وہ صحیح ہو گیا ساری قوم سے الگ ہو کر تو اسی طرح باقی اجزاء بھی صحیح ہوں گے البتہ نماز مکروہ ہوگی، کیونکہ حضور علیہ السلام نے لاتعد فرمایا، کہ وہ ناپسندیدہ اور غیر افضل ہے۔

امام احمد، اسحق و ابن المنذر شافعی، ابراہیم نخعی وغیرہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوتی ہے۔ علامہ یعنی نے یہاں دوسری احادیث بھی ذکر کریں، جن سے تہامف کے پیچھے نماز صحیح نہ ہونے کا ذکر ہے اور علامہ نے ان کے رجال رواۃ کا ضعف ثابت کیا۔ (عمدہ ص ۱۱۶/۳) اس سے بھی معلوم ہوا کہ بقول امام شافعی اس بارے میں کوئی حدیث صحیح قوی نہیں ہے۔

## باب اتمام التکبیر فی الركوع قالہ ابن عباس عن النبی ﷺ

### وفیہ مالک بن الحویرث

۷۴۵: حدثنا اسحق الواسطي قال حدثنا خالد عن الجعري عن ابی العلاء عن عمران بن حصین قال صلی مع علی بالبصرة فقال ذکرنا هذا الرجل صلوة کنا نصلیها مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر انه کان یکبر کلما رفع وکلما وضع

۷۴۶: حدثنا عبد الله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن ابی سلمة عن ابی هريرة انه کان یصلی بهم فیکبر کلما خفض ورفع فاذا انصرف قال انی لاشبهکم صلوة برسول الله صلی الله علیه وسلم ترجمہ ۷۴۵: حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ نماز پڑھی، عمران کہتے ہیں کہ انھوں نے (یعنی علی مرتضیٰؑ) نے ہمیں وہ نماز یاد دلادی، جو ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پھر عمرانؓ نے کہا کہ وہ جب اٹھتے تھے، اور جب جھکتے تھے، تکبیر کہتے تھے۔

ترجمہ ۷۴۶: ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو جب جھکتے تھے، اور اٹھتے تھے، تو تکبیر کہتے تھے، اور جب (نماز سے) فارغ ہوتے تھے تو کہتے تھے کہ میں نماز میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ تم سب سے زیادہ مشابہ ہوں:-  
تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- ترجمہ الباب کے لفظ اتمام میں دو معنی لئے جاسکتے ہیں، ایک یہ کہ تکبیر کو لمبا کر کے پوری حرکت انتقالیہ پر بچھا دیا جائے، دوسرے یہ کہ تکبیرات صلوة کا عدد پورا کیا جائے جس میں ایک تکبیر رکوع کی بھی ہے اور اگرچہ لفظ پہلے معنی کے لئے زیادہ مناسب ہے، مگر امام بخاری کی مراد دوسرے معنی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ بنی امیہ کے بارے میں یہ بات شہرت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ تمام تکبیرات کا اتمام نہ کرتے تھے، مثلاً خفض کی حالت کے لئے تکبیر نہ کہتے تھے، اور عام طور سے بنی امیہ کے فسق و فجور پر نظر کرتے ہوئے، ان کے اس فعل کی تاویل بھی ضروری نہیں، مگر حضرت عثمانؓ سے بھی ایسی بات نقل ہوئی ہے۔ اس لئے اس کی وجہ پیش کرنی ضروری ہوگی۔  
حدیث الباب میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت علیؑ کی نماز کا ذکر مدح کے ساتھ کیا گیا ہے، کیونکہ وہ تکبیرات پوری کرتے تھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی ذکر دوسری حدیث میں آیا کہ وہ بھی ہر خفض و رفع کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔

بھریہ کہ حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر خفض و رفع پر تکبیر کہتے تھے، حالانکہ قومہ کی حالت میں بجائے تکبیر کے تسبیح و تحمید بھی مروی ہے، اس کی مزید وضاحت بھی حضرت ابو ہریرہؓ کے نقل سے آگے کر دی گئی ہے کہ وہ پوری (چار رکعت کی) نماز میں ۲۲ مرتبہ تکبیر کہتے تھے۔ یعنی ہر رکعت میں پانچ کے حساب سے تیس اور ایک تکبیر تحریر اور ایک دور رکعت کے تشہد سے اٹھنے کی ہل ۲۲ ہو گئیں علاوہ ہر رکعت کی تسبیح و تحمید کے۔ کیونکہ حدیث تکبیر کل خفض و رفع کا عموم غیر مقصود ہے، اس کا مقصد ترک تکبیر عنداخفض کا رد ہے، تسبیح و تحمید کی نفی نہیں ہے۔

افادۃ انور: حضرتؒ نے فرمایا کہ خفض یعنی جھکنے کے وقت ترک تکبیر کی بات حضرت ابن عمرؓ سے بھی نقل ہوئی ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ اس وقت رفع یدین بھی نہ کرتے ہوں گے، کیونکہ تکبیر و رفع یدین کا ساتھ ہے، اور غالباً ان کے ترک کا منشا ابوداؤد کی حدیث جہاد ہے، جس میں

ہے کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھی لشکر والے جب کسی اونچے مقام پر چڑھتے تھے تو تکبیر کہتے تھے، اور کسی وادی میں اترتے تھے تو تسبیح کرتے تھے، پھر راوی نے کہا کہ اسی طریقہ پر نماز بھی شروع ہوئی ہے۔

میرے نزدیک یہ آخری بات راوی کا اجتہاد ہے، اور جماہیر صحابہؓ کے مخالف ہے۔ نیز فرما یا کہ ایسی صورت میں ان کو اجتہاد نہ چاہیے تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کو ۲۳ سال تک نماز پڑھتے دیکھ تھا اسی طرح کرتے ہوئے۔ نیک کی چوٹی پر پہنچ کر تکبیر کہے اور بار بار کہے، پھر انحدار کے وقت اگر ابتدا اور پر ہی ہوئی ہے۔ عند الاستواء تو اسی کا اعتبار ہے خواہ کچھ حصہ انحدار کا بھی بحالت تکبیر ہو جائے۔ حضرتؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک نماز میں بھی بعد الرکوع اور بعد السجود اسی طرح ہے، لیکن ابن عمرؓ مخالف سمجھے، یہاں تسلسل ہے اور کڑیاں ہیں جو سفر والی صورت کی کڑیوں سے ملتی ہیں۔ قائل فیہ "اور بصورت تسلیم ہم کہیں گے کہ انخطاط کے وقت کی تکبیر صلوٰۃ اگرچہ ظاہر جس کے لحاظ سے تو پستی کے وقت ہے مگر شرعاً وہ بلندی کی ہی ہے، کیونکہ قوم کی تکبیر مثلاً اس کی ابتدا بھی قوم کی حالت میں ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ پھیل کر انحدار میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ تو یہ درحقیقت ابقاء کی کیفیت ہے ابتدا کی نہیں۔

حضرتؓ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ سے جو ترک دفع بین السجدتین منقول ہے، وہ بھی شاید اسی لئے ہو گا کہ وہ خفض کی حالت میں تکبیر کو بہتر خیال نہ کرتے ہوں گے اس لئے رفع بھی ختم کیا، اگرچہ رفع یدین بین السجدتین کا ثبوت بھی ضرور ہے اور وہ کسی طرح قابل رد نہیں ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ امر تکبیر عند خفض بھی جب ان کے اپنے اجتہاد کے تحت تھا، ایسے ہی رفع یدین میں بھی ان کا اجتہاد تھا کہ کہیں اختیار کیا اور کہیں ترک کر دیا۔

علامہ بنو ربیعؒ نے معارف السنن ص ۲/۳۶۶ میں تکبیر عند کل خفض و رفع کی مختصر مگر عمدہ بحث کر دی ہے، اس میں بھی امراء بنی امیہ کی طرف ترک تکبیرات عند خفض کا ذکر کیا گیا ہے، اور لکھا کہ اکابر امت نے بڑوں کے اس فعل کو ترک احیاناً اور بیان جواز پر محمول کیا ہے، اور فتح الباری میں جو مسند احمد سے حضرت عثمانؓ کو اول من ترک تکبیر کہا گیا ہے، اس کے مقابلہ میں طبرانی وغیرہ سے اول حضرت معاویہؓ یا زیاد کو دکھلایا ہے۔ اور لکھا کہ ایک جماعت اہل علم نے اس کو انفاء پر محمول کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کنز العمال ص ۴/۲۰۳ میں مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ سے حضرت انسؓ کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر، حضرت عمر و عثمان، تکبیروں میں کمی نہ کرتے تھے اور ایک لفظ میں یہ ہے کہ یہ سب تکبیروں کو پورا کرتے تھے، رکوع کے وقت بھی اور جب اٹھتے تھے اور جب بھی جھکتے تھے۔

اور ابوداؤد کی حدیث کو (جس میں حضور علیہ السلام سے تکبیر پوری نہ کرنے کا ذکر ہے) امام طحاوی نے دوسری احادیث و آثار کے مقابلہ میں گرایا ہے، حافظ نے بھی فتح ص ۲/۲۲۳ میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور امام بخاری کا قول ان کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ہمارے نزدیک باطل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری یہاں بخاری میں اتمام کی احادیث اسی لئے لائے ہیں کہ ابوداؤد کی حدیث مذکور کا رد ہو جائے۔ اور اس کا ناقابل استدلال ہونا واضح کر دیں۔ پھر بشرط تسلیم علماء نے کہا ہے کہ شاید حضور علیہ السلام نے ایسا بیان جواز کے لئے کیا ہو، یا پوری طرح جہر نہ کیا ہو، یا زیادہ کھینچ کر تکبیر نہ کہی ہو جس کو راوی نے عدم اتمام سے تعبیر کر دیا۔ (فتح ص ۲/۱۸۳)

### امام طحاوی کا ارشاد

حافظؒ نے آخر میں یہ بھی لکھ کہ امام طحاویؒ نے نقل کیا کہ کچھ لوگ صرف رفع کے وقت تکبیر کہتے تھے اور خفض کے وقت نہ کہتے تھے، اور بنو امیہ بھی ایسا کرتے تھے، ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عمرؓ اور بعض سلف سے بھی اس کو نقل کیا کہ وہ تکبیر تحریر کے علاوہ تکبیرات نہ کہتے تھے، اور بعض نے منفرد و غیر منفرد کا فرق کیا کہ تکبیر مقتدیوں کے خبر دینے کے لئے تھی تاکہ انقلابات میں امام کا اتباع کریں لہذا منفرد کو ضرورت

نہیں، لیکن بالآخر مشروعیت تکبیرات عند کل خفض و رفع پر ہی استقرار ہو گیا ہے اسی لئے جمہور کے نزدیک علاوہ تکبیر تحریرہ کے سب تکبیرات مستحب قرار پائیں۔ صرف امام احمد اور بعض اہل ظاہر نے ان سب کو واجب کہا ہے۔

## باب اتمام التکبیر فی السجود

### سجدوں میں تکبیر کے پورا کرنے کا بیان

۷۴۷: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زيد عن غيلان بن جوير عن مطرف بن عبد الله قال صليت خلف علي بن ابي طالب انا و عمران بن حصين فكان اذا سجد كبروا و اذ رفع راسه كبروا و اذا نهض من الركعتين كبر فلما قضى الصلوة اخذ بيدى عمران بن حصين فقال قد ذكرنى هذا صلوة محمد صلى الله عليه وسلم او قال لقد صلى بنا صلوة محمد صلى الله عليه وسلم

۷۴۸: حدثنا عمرو بن عون قال اخبرنا هشيم عن ابي بشر عن عكرمة قال رايت رجلاً عند المقام يكبر في كل خفض و رفع و اذا قام و اذا وضع فاخبرت ابن عباس فقال اوليس تلك صلوة النبى صلى الله عليه وسلم لام لك

ترجمہ ۷۴۷: مطرف بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو (میں نے ان کو دیکھا کہ) جب وہ سجدہ کرتے تھے، تکبیر کہتے تھے، اور جب اپنا سر (سجدے سے) اٹھاتے تھے، تکبیر کہتے تھے اور جب دو رکعتوں سے (فراغت کر کے تیسری رکعت کے لئے) اٹھتے تھے، تکبیر کہتے تھے، چنانچہ جب ہم نماز پڑھ چکے، تو عمران بن حصین نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور (مجھ سے) کہا کہ اس شخص (یعنی علی مرتضیٰؓ) نے مجھے حضرت محمد ﷺ کی نماز یاد دلادی، یا یہ کہا کہ بے شک انھوں نے ہمیں حضرت محمد ﷺ کی ہی نماز پڑھائی۔

ترجمہ ۷۴۸: حضرت عکرمہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو مقام (ابراہیم) کے پاس دیکھا کہ وہ ہر جھکنے اور اٹھنے میں، اور جب کھڑا ہوتا تھا، اور جب بیٹھتا تکبیر کہتا تھا، میں نے حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا (کہ یہ کیسی نماز ہے) انھوں نے کہا، تیری ماں نہ رہے، کیا یہ نبی ﷺ کی (ی) نماز نہیں ہے۔

تشریح: یہاں بھی اتمام تکبیر کی تشریح مثل سابق ہے، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے اس باب اور سابق میں بھی اتمام سے مراد صرف اتیان ہو، کہ نفس تکبیر کا کہنا ہی اتمام ہے اور اس کا ترک تقصیر ہے، لہذا دوسری تاویلوں کی ضرورت نہ ہوگی، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس پر حاشیہ میں کچھ تائیدی وجوہ بھی پیش کیں، لیکن یہ بھی لکھا کہ ظاہر ہے اتمام کے اپنے اصل معنی ہی امام بخاری کی مراد معلوم ہوتے ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (لا مع س ۱۵/۱)

قولہ او لیس تلك صلوة النبى ﷺ۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا دیکھا جائے کہ حضرت عکرمہ بکتنی غلط فہمی میں پڑ گئے تھے کہ ایک امر منکر (ترک تکبیر) کو سنت اور سنت (تکبیر ہر رکن) کو منکر سمجھ ہوئے تھے اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے سختی کے ساتھ اس کا رد کیا اور بتلایا کہ اصل سنت نبویہ تو تکبیرات کو پورا کرنا ہی ہے، تراجم بخاری بھی اسی طرف مشیر ہیں کہ ابوداؤد کی حدیث عدم اتمام تکبیر والی

سے غلط نہ ہو اور امام بخاری نے اپنا مختار بھی اتمام ہی بتلایا اور اس کو متعدد تراجم سے ظاہر کیا۔

## باب التکبیر اذا قام من السجود

سجدوں سے جب (فارغ ہو کر) کھڑا ہو تو اس وقت تکبیر کہنے کا بیان

۴۹: حدثنا موسى بن اسماعيل قال حدثنا همام عن قتادة عن عكرمة قال صليت خلف شيخ بمكة فبكر لثنتين وعشرين تكبيرة فقلت لابن عباس انه احمق فقال لكنتك امك سنة ابي القاسم صلى الله عليه وسلم وقال موسى حدثنا ابان قال قتادة حدثنا عكرمة

۵۰: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال اخبرني ابو بكر بن عبد الرحمن بن الحارث انه سمع ابا هريرة يقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركعة ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد ثم يكبر حين يهوي ثم يكبر حين يرفع راسه ثم يكبر حين يرفع راسه ثم يفعل ذلك في الصلوة كلها حتى يقضيها ويكبر حين يقوم من الثنتين بعد الجلوس وقال عبد الله بن صالح عن الليث ولك الحمد

ترجمہ ۴۹: حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو اس نے بائیس ۲۲ تکبیریں کہیں، میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ وہ احمق ہے، حضرت ابن عباسؓ بولے، کہ تیری ماں تجھے روئے، ابو القاسم علیہ السلام کی سنت یہی ہے، اور موسیٰ نے کہا ہم سے ابان نے یہ سہ قنادہ و کرم روایت کیا۔

ترجمہ ۵۰: حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول خدا ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے تھے، پھر جس وقت رکوع کرتے تھے۔ تکبیر کہتے تھے، پھر رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمده کہتے تھے، پھر کھڑے ہوتے ہی ربنا لک الحمد کہتے تھے پھر جب (سجدہ کے لئے) جھکے گئے، تکبیر کہتے تھے، پھر جب اپنا سر (سجدے سے) اٹھاتے، تکبیر کہتے تھے، پھر جب سجدہ کرتے تھے تکبیر کہتے تھے، پھر جب اپنا سر (سجدے سے) اٹھاتے، تکبیر کہتے تھے، پوری نماز میں اسی طرح کر کے ختم کر دیتے، اور جب دو رکعتوں سے بیٹھ کر اٹھتے تھے، (تب بھی) تکبیر کہتے تھے۔

تشریح: قولہ احمق پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسی دو روایات ہیں، ایک میں حضرت ابو ہریرہؓ ہیں دوسرے میں کوئی اور ہے۔ لہذا یہ ضروری نہیں کہ حضرت عکرمہ نے احمق کا لفظ حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے ہی کہا ہو، اور بخاری ص ۱۰۸ میں السطور میں جو خلف شیخ بمکہ کے بیچے امام طحاوی کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کو متعین کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام طحاوی نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ پھر کیا مناسب ہے کہ یہ نسبت کی جائے، اور حضرت ابو ہریرہؓ ایسے جلیل القدر صحابی کو احمق کہلوا جائے۔

ایک لفظ میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا تذکرہ کیا گیا حضرت ابن عباسؓ کے پاس تو فرمایا او لیس تلک صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سار روایت میں احمق کا لفظ نہیں ہے، دوسری حدیث خلف شیخ والی ہے اور اس میں احمق کا لفظ ہے، مگر امام طحاوی نے تصریح نہیں کی کہ وہ شیخ کون تھے۔



قوله ويكبر حين يقوم من السنتين. حضرت نے فرمایا کہ امام مالکؒ کے یہاں قاعدہ اولیٰ کے لئے تکبیر نہیں ہے بلکہ مثل رکعت اولیٰ کے کھڑے ہو کر ہے، ممکن ہے امام بخاری نے یہاں اسی کی طرف اشارہ کیا ہو اور ثابت کیا کہ یہاں بھی تکبیر ہے۔

قوله فكبر لنتين وعشرين تكبيرة پر الا بواب ص ۲۸۹۱ میں قسطلانی سے لکھا: ہر رکعت میں پانچ تکبیر ہیں لہذا چار رکعت والی نماز میں ۲۰ ہوئیں علاوہ تکبیر تحریمہ و تکبیر قیام من التشہد الاول کے اور تین رکعات والی میں سترہ دو والی میں گیارہ ہوئیں اور پانچوں وقت میں ۹۳ چورانوے تکبیر ہوئیں۔

### اذا قام من السجود تحقيق اتيق

حضرت شاہ صاحبؒ نے جو فرمایا کہ جس نے امام طحاویؒ کی طرف یہ نسبت کی کہ انہوں نے شیخ ابو ہریرہؓ کو قرار دیا، وہ صحیح نہیں ہے، اس کی گرہ عمدۃ القاری ص ۳۱۲۳ سے کھلتی ہے، کیونکہ اصل مغالطہ علامہ یعنی ہی کو ہوا ہے، انہوں نے قولہ خلف شیخ پر لکھ دیا کہ اس کو امام طحاوی نے اپنی روایت میں ابو ہریرہ بیان کیا ہے۔ اور پھر ان کی روایت بھی نقل کی مگر اس میں شیخ کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور ان کے لئے عکرمہ نے احق کا لفظ نہیں کیا ہے فرض روایات دو ہیں اور اس طرح کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ واللہ در الشیخ الانوری۔ دوسری روایت مذکورہ کا حوالہ یعنی و حافظہ دونوں نے طحاوی کے علاوہ مسند احمد و طبرانی کا بھی دیا ہے۔ (فتح ص ۲۷۸۳)

### باب وضع الاكف على الركب في الركوع وقال ابو حميد

### في اصحابه امكن النبي صلى الله عليه وسلم يديه من ركبتيه

۷۵۱: حدثنا ابو الوليد قال حدثنا شعبة عن ابي يعفور قال سمعت مصعب ابن سعد صليت الى جنب ابي فطبقت بين كفي ثم وضعتهما بين فخذى فنهاتني ابي وقال كنا نفعله، فنهينا عنه، وامرنا ان نضع ايدينا على الركب

ترجمہ: حضرت مصعب بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کے پہلو میں (ایک مرتبہ) نماز پڑھی، تو میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اپنی راتوں کے درمیان میں دالیا، مجھے میرے باپ نے منع کیا، اور کہا کہ ہم ایسا کرتے تھے، تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا، اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھ (رکوع میں) گھٹنوں پر رکھ لیا کریں۔

تشریح: امام بخاریؒ نے اس باب میں رکوع کے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی سنیت بتلائی ہے، اور تطبیق کا رد بھی کیا ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے، امام ترمذیؒ سے نقل ہوا کہ تطبیق اہل علم کے نزدیک منسوخ ہو گئی ہے اس میں کوئی خلاف نہیں۔ مگر اس کے کہ حضرت ابن مسعودؓ آپ کے بعض اصحاب ایب کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ شاید حضرت ابن مسعودؓ کو نسخ کی خبر نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بات حضرت ابن مسعودؓ سے مستبعد ہے کیونکہ وہ قدیم الاسلام ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں اکثر اوقات گزارتے تھے اور آخر تک حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو نسخ کی خبر نہ ہوئی ہو۔ اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے یہ تھی کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے میں سہولت تھی اور اس کی اجازت بطور رخصت بعد کو دے دی گئی تھی جب لوگوں پر تطبیق شاق ہونے لگی تھی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ بجائے رخصت کے عزیمت پر عامل تھے، کیونکہ عبادت میں جتنی مشقت زیادہ اتنا ہی ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا جن لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ پر اس بارے میں طعن کیا ہے، وہ افراطی التعصب ہے، (کیونکہ حنفیہ کے بہت سے مسائل میں ان کی تائید دیکھ کر وہ ان کے ساتھ بھی تعصب برتتے گئے تھے، واللہ اعلم)۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ تطبیق کا ثبوت تو حضرت علیؓ سے بھی ہے، مصنف ابن ابی شیبہؒ میں آپ کا ارشاد مروی ہے کہ جب تم رکوع کرو تو

چاہے تطبیق کرو، چاہے گھنٹوں پر ہاتھ رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ بھی دونوں کو برابر سمجھتے تھے، لہذا تطبیق کو مکروہ بہ کراہت تنزیہ بھی نہیں کہہ سکتے، نیز علامہ عینیؒ نے لکھا کہ حضرت عمرؓ نے بھی تطبیق کرنے والوں کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ (عمدہ ص ۳۱۲۶)

## باب اذالم یتم الركوع

### اگر کوئی شخص رکوع کو پورا نہ کرے

۷۵۲: حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبة عن سليمان قال سمعت زيد بن وهب قال راى حذيفة رجلاً لا يتم الركوع والسجود وقال ما صليت ولومت مت على غير الفطرة التي فطر الله محمداً صلى الله عليه واله وسلم

ترجمہ ۷۵۲: حضرت زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجدوں کو پورا نہ کرتا تھا، انہوں نے (اس سے) کہا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، اور اگر تو سرے گا، تو اس دین کے خلاف پر مرے گا، جس پر اللہ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا تھا۔ تشریح: یہاں سے امام بخاریؒ نے متعدد ابواب تعدیل ارکان کی ضرورت و اہمیت بتلانے کے لئے ہاندھے ہیں، اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جس قدر تاکید تعدیل ارکان کی نماز میں ہے اور کسی کی نہیں ہے، تقریباً پچاس حدیثیں اس میں وارد ہیں، اور اس کو فطرۃ نبیؐ بتایا ہے، جو اظہار اہمیت کے لئے کافی ہے۔

تعدیل ارکان یہ ہے کہ بدن ہیئت طبعی پر پہنچ جائے اور حرکت انتقال مبدل بہ سکون ہو جائے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا کہ طمانینہ مطلوبہ فی الصلوۃ یہ ہے کہ حرکت جاتی رہے، جیسا کہ اس کی تفسیر حدیث ابی حمید (ص ۲۱۹۵) میں آنے والی ہے (فتح ص ۲۱۸۷)۔ سبب الطمانینۃ حین یرفع راسہ من الركوع میں ابو حمید نے کہا کہ حضور علیہ السلام اپنا سر مبارک اٹھا کر مستوی ہو جاتے حتیٰ کہ ہر عضو اپنی جگہ قرار پکڑ لیتا تھا۔ (فتح ص ۲۱۹۵)

قولہ ما صلیت پر حافظ نے لکھا کہ یہ حضور علیہ السلام کے ارشادہ سنینی للصلوۃ کی نظیر ہے، آپ نے اس کو فرمایا تھا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی (فتح ص ۲۱۸۶) علامہ عینیؒ نے حافظ کا قول مذکور نقل کر کے پھر علامہ تمیمی کا قول نقل کیا کہ مراد صلوۃ کاملہ کی نفی ہے، لہذا نفی کمال صلوۃ کی ہوئی، حقیقت صلوۃ کی نہیں، اور یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کا ہے کہ رکوع میں طمانینہ فرض نہیں ہے، بخلاف امام ابو یوسفؒ کے (عمدہ ص ۲۱۲۶) (کیوں کہ وہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ وغیرہ کے ساتھ ہیں) حنفیہ کے نزدیک اگر تعدیل ارکان نہ کرے تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ دوسری حدیث سے نماز کا درست ہونا مع نقصان کے ثابت ہوا ہے جس سے وجوب کا درجہ نکلتا ہے اور ترک واجب سے اعادہ واجب ہوتا ہے، نہ کرے گا تو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ نماز ہی سرے سے نہیں ہوتی۔

## باب استواء الظهر في الركوع وقال ابو حميد في اصحابه

### رکع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم هصر ظهره

(رکوع میں پیٹھ کے برابر کرے کا بیان) اور ابو حمیدؒ نے اپنے دوستوں کے جلسہ میں یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع فرمایا اس کے بعد اپنی پیٹھ کے جھکا دیا۔

تشریح: علامہ یعنی نے لکھا کہ استواء ظہر سے مراد یہ ہے کہ بیٹھ کر رکوع میں سیدھا کر لے، اور سر کو بھی اس کے برابر کر لے نہ اونچا کرے نہ نیچا کرے۔ اس تعلیق کو امام بخاری آگے باب سنتہ الجلس فی التشہد میں موصول بھی لائیں گے۔ (عمدہ ص ۳۱۲)

## باب حدا تمام الركوع ولا اعتدال فیہ والطمانینۃ

رکوع کے پورا کرنے اور اس میں اعتدال و اطمینان کی مد کا بیان

۵۳۲ حدثنا بدل بن المحبر قال حدثنا شعبۃ قال اخبرني الحكم عن ابن ابي ليلى عن البراء قال كان

ركوع النبي صلى الله عليه وسلم وسجوده وبين السجدين واذ ارفع من الركوع ما خلا القيام

والقعود قريبا من السواء

ترجمہ ۵۳۲: حضرت براء روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ کا رکوع اور آپ کے سجدے اور سجدوں کے درمیان کی نشست اور (وہ حالت) جب کہ آپ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تھے، تقریباً برابر ہوتے تھے، بجز قیام اور قعود کے (کہ یہ طویل ہوتے تھے)۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ راوی نے یہاں چار چیزوں کا برابر ہونا بتلایا رکوع، سجود، قعود و قیام، کیونکہ حضور علیہ السلام کے قیام میں تو تنوع ثابت ہوا ہے کبھی بہت طویل بھی کیا ہے اور کبھی بہت مختصر بھی۔ حسب موقع و ضرورت چنانچہ کبھی آپ نے صبح کی نماز میں معوذتین بھی پڑھی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ طویل قرائت شروع فرمائی اور کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی تو رکوع کر دیا۔ یہ سب کچھ ثابت ہے، مگر رکوع و سجود میں غطر بود کہیں ثابت نہیں ہے، یعنی ان کا پیمانہ تقریباً یکساں ہی رہا ہے، اور مسلم شریف میں جو قیام و قعود اور ان چاروں کی برابر والی روایت ہے وہ بظاہر مسامحت ہے، اور تسویہ صرف چار ہی میں ہے۔

میرے نزدیک مراد شارع ظاہر و متعین ہو جانے کے بعد راویوں کے الفاظ پر جمود کرنا مناسب نہیں، نہ ان میں تاویل کی ضرورت اور جس نے تاویل کی اس نے تناسب کی بات نکالی ہے کہ اگر قرائت طویل ہوتی تھی تو باقی افعال میں بھی طوالت ہوتی تھی اور اگر وہ مختصر ہوتی تو باقی افعال میں بھی اختصار ہوتا تھا لیکن میرے نزدیک راجح وہی ہے جو بخاری میں ہے۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ حدا تمام غیر منضبط ہے ترجمۃ الباب میں اطمینان کے لفظ کے جو صحیح بخاری کے حوض میں ہے حضرت شاہ صاحب نے غلط بتلایا، اور فرمایا کہ صحیح طمانینت ہے۔ جو اوپر بطور نسخہ دیا ہے۔

حضرت درس بخاری شریف میں فرمایا کرتے تھے کہ اکثر مواضع میں حوض کے لفظ سے حاشیہ کا لفظ زیادہ صحیح اور راجح ہوتا ہے اور بعض اہم مواضع میں اس پر خاص طور سے تنبیہ فرمادیا کرتے تھے، جیسے کہ یہاں فرمائی۔

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب "تقید علامہ کشمیری" نے تقریباً چالیس سال بخاری شریف مراد آباد میں دیوبند میں پڑھائی ہے، ان کو ایسے مواضع خوب یاد تھے، اور حضرت شاہ صاحب کے ارشادات پر نہایت اعتماد فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی صدارت دارالعلوم دیوبند میں مراد آباد سے دیوبند آئے اور حضرت کے درس بخاری شریف میں شرکت کی، حضرت صحیح اور تیز قرائت کرنے کو بہت پسند فرماتے تھے، مولانا فخر الدین صاحب سے قرائت کے لئے ارشاد فرمایا، اور اس روز مولانا نے ہی قرائت کی۔ مولانا کو اس میں بڑی مہارت حاصل تھی کہ جو صحیح یا راجح لفظ ہوتا وہی پڑھتے تھے خواہ وہ حوض میں ہو یا حاشیہ پر، اور بڑی روانی سے پڑھ جاتے تھے، چنانچہ قرائت کے درمیان کئی جگہ مولانا نے حاشیہ کا لفظ پڑھا، حضرت نے نوکا تو کہا کہ میرے نزدیک یہی لفظ زیادہ صحیح ہے، اس لئے یہی پڑھوں گا۔ رحمہم اللہ رحمة واسعة۔

## باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتیم رکوعہ بالاعادة

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کو جو رکوع کو پورا نہ کرے نماز کے دوبارہ پڑھنے کا حکم دینے کا بیان)

۷۵۴: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سعيد عن عبيد الله قال حدثني يحيى بن سعيد عن عبيد الله قال حدثني سعيد المقبري عن ابيه عن ابي هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلي ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فرد عليه النبي صلى الله عليه وآله وسلم السلام فقال ارجع فصل فانك لم تصل فصلي ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ارجع فصل فانك لم تصل ثلاثا فقال والذي بعثك بالحق ما احسن غيره فعلمني فقال اذا قمتم الى الصلوة فكبر ثم افرا ما يسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تعتدل قائما ثم اسجد حتى تطمئن

ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم افعل ذلك صلواتك كلها ترجمہ ۷۵۴: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے، اتنے میں ایک شخص آیا، اور اس نے نماز پڑھی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے سلام عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے سلام کا جواب دے کر فرمایا، کہ جا نماز پڑھا اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، اس نے پھر نماز پڑھی، اس کے بعد پھر آیا اور نبی کریم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا، جا نماز پڑھا، اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، اسی طرح تین مرتبہ (آپ نے) فرمایا، تب اس نے کہا، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس ذات کی قسم! میں اس سے بہتر نہیں پڑھ سکتا لہذا آپ مجھے تعلیم فرمادیجئے! تو آپ نے فرمایا کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو، تو تکبیر کہہ، بعد اس کے جس قدر قرآن تجھے یاد ہو پڑھا اس کے بعد رکوع کر جب اطمینان سے رکوع کر لے تو اس کے بعد سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا، اس کے بعد سجدہ کر، جب اطمینان سے سجدہ کر چکے تو سارے بعد سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا، اس کے بعد (دوسرا) سجدہ کر، جب اطمینان سے سجدہ کر چکے تو اپنی پوری نماز میں اسی طرح کر۔ تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ بقولہ علیہ السلام ارجع فصل سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہو جائے تو اس

۱۔ نماز جماعت کی شرعی حیثیت: ہدایہ میں جماعت کو سنت مؤکدہ لکھا ہے اور طحاوی کبیر ص ۵۰۸ میں یہ تفصیل ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک فرض عین ہے بغیر عذر ترک سے نماز نہ ہوگی، اور بعض نے فرض کفایہ قرار دیا۔ امام محمدؒ نے اناصل میں کہا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے، بغیر عذر مرض وغیرہ کے اس کے ترک کی اجازت نہیں، ہرے اکثر مشائخ نے جماعت کو واجب کہا ہے۔ امام عسقلانیؒ میں بھی واجب قرار دیا ہے اور اس کو سنت کہا اس لئے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوا ہے، بدائع میں بھی عقلاء باطنین قادرین علی التعلیل پر واجب لکھا اور عذر کی حالت کو مستثنیٰ کیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں اس کا درجہ سنت مؤکدہ قریب وجوب کا ضرور ہے۔ اور جس ۲۱۴ میں علامہ ابن رشد سے نقل کیا کہ جمہور کے نزدیک جماعت کی نماز سنت یا فرض کفایہ ہے اور ظاہر یہ فرض عین کہتے ہیں۔ علامہ شافعی سے نقل کیا کہ سنت مؤکدہ ہے، جیسا کہ قدوریؒ میں ہے اور شرح ہدایہ میں ہمارے اکثر مشائخ سے وجوب نقل ہوا ہے، اور بعض نے فرض کفایہ کہا جو امام طحاویؒ وغیرہ کا بھی عقار ہے۔

حافظ نے لکھا کہ امام احمد اجماعی وغیرہ کے نزدیک فرض عین ہے، اور امام احمد کا ایک قول واجب غیر شرط کا ہے، امام شافعی فرض کفایہ کہتے ہیں اور اسی پر ان کے جمہور حنفیہ اصحاب ہیں۔ اور اسی کے قائل کثیر حنفیہ مالکیہ بھی ہیں، باقی حضرات کا مشہور مذہب سنت مؤکدہ کا ہے۔

اور جس ۲۱۵ میں لکھا۔ مالکیہ کا ظاہر مذہب سنت فی البلدہ و فی کل مسجد و فی کل محل مصلیٰ ہے اور شہر کے لوگ جماعت مسنونہ قائم کرنے میں سستی کریں تو ان سے قتال کیا جائے۔ ابن رشد و ابن بشر نے کہا کہ شہر کے لوگوں پر جماعت کا قائم کرنا فرض کفایہ ہے اور ہر مسجد میں سنت ہے اور ہر شخص کے حق میں مستحب ہے۔ جمہور نے بہت سی احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں دو یہ ہیں ایک تفاضل والی، کیونکہ نماز جماعت اور اس میں (بقید حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نماز کا اعادہ واجب ہے اور اس کا مقتضایہ ہے کہ اگر نماز جماعت سے رہ جائے تو گھر میں تنہا پڑھ لے تو اس کا بھی اعادہ ہونا چاہئے، کیونکہ جماعت بھی واجب ہے۔ ترک واجب کی وجہ سے اعادہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ یہاں واجب تعدیل ارکان کے ترک کے سبب سے حضور علیہ السلام نے نماز کا اعادہ کرایا ہے، علامہ شامی کو اس میں تردد ہوا کہ کیا حکم ہو کیونکہ نماز کا اعادہ کرائیں تو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں، دوبارہ بھی تنہا ہی پڑھے گا، اور اگر اعادہ کا حکم نہ کریں تو کلیہ مذکورہ ٹوٹتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے کوئی تردد نہیں ہے بلکہ جزم و یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اعادہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ کلیہ مذکورہ اس صورت کے لئے ہے کہ اعادہ سے فائدہ ہو یا اس کے خلاف ہو سکے، اور یہاں اعادہ بے سود ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ حدیث الباب کی وجہ سے تعدیل کو فرض کے درجہ میں بھی نہیں پہنچا سکتے، کیونکہ اعادہ کا حکم تعدیل کی فرضیت پر مبنی نہیں ہے، جیسا کہ امام بخاری نے خیال کیا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ حکم اعادہ بطور ایک قسم کی تعزیر و تنبیہ کے ہو، اور یہی بظاہر ہے بھی کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو باوجود غلطی کے بھی اسی عمل کے پھر اعادہ کا حکم دیا۔ تاکہ وہ تنبیہ ہو کر اصلاح کر لے، اور اگر سرے سے وہ عمل باطل محض ہی ہوتا جیسا کہ ترک فرض کی صورت میں ہونا چاہئے تو اس کو اعادہ کا حکم نہ دیتے، ناقص کے اعادہ کا حکم تو معقول ہو سکتا ہے، باطل محض کا نہیں۔ لہذا تعدیل کو فرض قرار دینے والوں کے لئے حدیث میں کوئی حجت نہیں ہے۔

### حنفیہ کی ایک غلطی پر تنبیہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ مسی الصلوٰۃ والی حدیث الباب کو حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ نے بھی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے تمام طرق روایات میں ”ثم اقاموا تسبیحاً من القرآن“ ہے، اور اس سے حنفیہ نے عدم رکعتیہ فاتحہ پر استدلال کیا ہے، میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ فاتحہ اگرچہ حنفیہ کے نزدیک رکن و فرض کے درجے میں نہیں ہے مگر پھر بھی وہ واجب تو ہمارے یہاں بھی ہے۔ اور یہاں تعلیم کا موقع ہے، اگر ہم مان لیں کہ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو فاتحہ کی تعلیم نہیں دی تو اس سے لازم آئے گا کہ کراہت تحریم کی (جو ترک واجب کو لازم ہے) تعلیم دی گئی، جو شائع علیہ السلام کی طرف کسی طرف کسی طرح بھی منسوب نہیں کی جاسکتی۔

دوسرے یہ کہ فاتحہ پڑھنے کا حکم اگرچہ ترمذی وغیرہ کی حدیث رفاعہ میں نہیں ہے، مگر وہ روایت ابی داؤد میں تو یہ صراحت موجود ہے، اس کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، بلکہ میرے نزدیک وہ اجمالی طور سے حدیث ابی ہریرہؓ میں بھی موجود ہے کیونکہ اصل تیسیر کا حکم جو قرآن مجید میں ہے وہ باعتبار حصص شب و طول قیام کے ہے، فاتحہ کے لحاظ سے نہیں ہے اور یہاں بھی بدوی کو سہولت اس لئے دی گئی کہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کچھ بھی قرآن مجید پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اسی لئے یہ بھی روایت میں ہے کہ یہ بھی نہ ہو سکے تو تحمید و تکبیر کر لے۔ غرض ایسی کچھ باتوں سے استدلال حنفیہ صحیح نہیں ہے۔

### حضرتؒ کی وسعت نظر اور انصاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جو نماز ہی نہ ہو فاضل نہیں ہو سکتا، دوسری روایات والی حدیث کیونکہ اگر مغربی نماز کا کوئی وجہ ہی نہ ہوتا تو نماز جماعت سے اس کو ۲۵ یا ۲۷ وجہ تک بتانا کیسے صحیح ہوتا؟ اور تقدیم عشاء (طعام شب) نماز عشاء، اور سکینہ و اطمینان کے ساتھ شکر و جماعت کے حکم سے بھی عدم فرضیت کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ واجبات و فرائض ایسی چیزوں کی وجہ سے ترک نہیں کئے جاسکتے وغیرہ۔ اور جزم میں عمل و دلیل بحث قابل دید ہے۔ پھر اعذار ترک جماعت جو شامی میں ۲۰ تک لکھے ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی نماز سبب سے ترک نہ ہو سکتی ہے مگر شرط وجوب صلوٰۃ یا فرض عین نہیں ہو سکتی۔ کیا کسی فرض عین کو بارش یا مرض وغیرہ کی وجہ سے ترک کر سکتے ہیں؟ اعذار ترک جماعت میں سے ہم چند کو یہاں درج کرتے ہیں۔ بیماری، بارش، سخت سردی، بڑھاپے کی کمزوری و معذوری، قصد سفر، کھانے کی زیادہ خواہش، رات کی تند و تیز ہوا، تاریکی، کسی بیماری کی خدمت، بول و براز کا تقاضہ، دینی فقیہی مشغولیت۔ بدائع و بحر میں یہ بھی ہے کہ کسی کی جماعت رہ جائے تو اس پر دوسری مسجد میں جا کر نماز جماعت ادا کرنے کی کوشش واجب نہیں ہے، اگر چلا جائے پھر ہے ورنہ اپنی مسجد میں ہی تنہا پڑھ لے۔ (معارف ص ۱۸۷)

ایسے مواقع میں حضرتؒ کی وسعتِ نظر اور محدثانہ باغِ نظری اور انصاف پسندی کی داد دینی پڑتی ہے، کہ کہیں بھی اور کسی سے بھی کوئی غلطی ہو، خواہ انہوں سے یا دوسروں سے، حضرتؒ اس کو برداشت نہ کرتے تھے، اور واضح فیصلہ صادر کر دیتے تھے اور حضرتؒ اس پر بھی سختی سے عامل تھے کہ بغیر سارے طرق و اسانید و متون احادیث پر نظر کئے ہوئے کوئی فیصلہ نہ کرتے تھے۔

خیال ہوتا ہے کہ شاید علامہ کوثری نے جو خود بھی بے نظیر تبحر خفی عالم تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کے مؤلفہ رسائل کا مطالعہ کر کے یہ فیصلہ صحیح ہی دیا تھا کہ شیخ ابن ہمام کے بعد سے اس پانچ سو برس کے عرصہ میں ایسے محقق محدث عالم پیدا نہیں ہوا۔

خدا کا شکر ہے راقم الحروف کو علامہ موصوف سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہوا ہے، اور ۹۰-۱۰۰ ماہ کے قیامِ مصر میں ان کی پیشتر علمی مجالس میں شرکت کا موقع میسر ہوا، وہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرح کبھی کسی کی غلط تعریف نہ کرتے تھے، اور مدح و ذم کا معیار دونوں کا یکساں تھا، اس لئے کوئی یہ خیال مگر نہ کرے کہ علامہ نے یوں ہی تعریف کر دی تھی۔ اور حضرتؒ کے علوم و کمالات کا ایک ادنیٰ ثبوت خود انوار الباری آپ کے سامنے ہے۔

حضرتؒ نے اس موقع پر شیخ ابن الہمام کی ایک تحقیق پر اصولی و حدیثی نقد بھی کیا ہے، جو اہل علم کے لئے نہایت قیمتی علمی تحفہ ہے، وہ فیض الباری ص ۲۱۳۰۰ میں بھی ہے اور اس کی تفصیل فصل الخطاب میں ہے وہاں دیکھی جائے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ امام ابن ہمام جیسا حاذق فن چاروں مذاہب میں نہیں ہے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ اصول فقہ میں امام ابن ہمام کی نظیر نہیں ہے چاروں فقہ میں علامہ قاسم سے بھی بڑھ کر ہیں۔

## باب الدعاء فی الركوع

### (رکوع کی حالت میں دعا کرنے کا بیان)

۷۵۵: حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبة عن منصور عن ابی الضحی عن مسروق عن عائشة قالت

كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی رکوعه وسجوده سبحانک اللہم ربنا وبحمدک اللہم اغفر لی

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع اور اپنے سجدوں میں کہا کرتے تھے سبحانک اللہم ربنا وبحمدک اللہم اغفر لی۔ (اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اے ہمارے پروردگار میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، اے اللہ مجھے بخش دے) جب تک سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سبح اسم ربک العظیم کا نزول نہ ہو واثق تھا، اس وقت تک حضور انور ﷺ اس قسم کی ادعیہ پڑھتے تھے، اس کے بعد سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ مقرر ہو گیا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے رکوع میں دعا کی شرعاً اجازت ہے۔ اور حدیث الباب سے بھی ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے دعاء مغفرت کی۔ امام بخاریؒ کی نظر حدیث مسلم پر ہوگی جس میں ہے کہ رکوع میں تعظیم رب کرو، اور بندہ سب سے زیادہ قریب خدا سے سجدہ میں ہوتا ہے، اس لئے زیادہ امید ہے کہ تمہاری دعا سجدہ میں قبول ہو، لیکن تعظیم رب دعا کے منافی نہیں ہے، اس لئے رکوع میں تعظیم رب بھی کرے گا اور مختصر دعا بھی کر سکتا ہے۔ تاہم اگر امام بخاری کا ارادہ صحیح مسلم کی حدیث کا اسقاط ہو تو وہ صحیح نہیں، کیونکہ اس میں تقابل مقصود نہیں ہے کہ ایک چیز ہو تو دوسری نہ ہو لہذا اگر صرف دفع وہم مقصود ہے تو ٹھیک ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

علمی وحدیثی فائدہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے جس حدیث مسلم کا حوالہ دیا ہے، اس کی ابتداء میں یہ بھی ہے کہ رکوع و سجود کی حالت میں تلاوت قرآن مجید کی ممانعت کی گئی ہے اور علامہ ابن رشدؒ نے لکھا کہ یہی سارے فقہاء امصار کا مذہب ہے، لیکن کچھ تابعین نے اس کا جواز کہا ہے اور امام بخاری کا مذہب بھی یہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کیلئے صحیح حدیث نہیں ہے، علامہ نے لکھا کہ اس کیلئے حضرت علیؓ کی حدیث

بھی ہے اور وہ بھی بقول طبری حدیث صحیح ہے۔ اور مسلم میں مستقل باب قائم ہوا نہیں ومانعت قرآن کا رکوع وجود میں، اور آٹھ احادیث صحیحہ درج کی ہیں اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری نے مسلم کی صحیح احادیث کو سارے میں ترک کر دیا ہے۔

علامہ ابن رشدؒ نے اسی موقع پر ص ۱۸۱۰ میں مزید لکھا کہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ رکوع میں دعا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ایک جماعت نے اس کو جائز کہا ہے اور امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے (ممکن ہے یہاں امام بخاری نے امام مالک کا رد کیا ہو) پھر لکھا کہ امام ابو حنیفہؒ نماز کے اندر صرف اس دعا کی اجازت دیتے ہیں جو الفاظ قرآن مجید میں ہو، امام مالک و شافعی بغیر الفاظ قرآن کے بھی دعا کو جائز کہتے ہیں، واضح ہو کہ امام مالک رکوع کے علاوہ نماز کے اندر تمام حالتوں میں اور ہر قسم کی دینی و دنیوی حاجات کے لئے دعا کو جائز فرماتے ہیں۔ (کمانی الاواب ص ۲۱۹۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بمسوط سرخسی میں فرض نمازوں کے اندر اذکار و ادعیہ سے روکا ہے، مگر میرے نزدیک ابن امیر الحاج کا قول رائج ہے کہ فرض نمازوں میں اور جماعت میں بھی اذکار و ادعیہ جائز ہیں بشرطیکہ مقتدیوں پر ان سے گرائی نہ ہو، اور فرمایا کہ "مواہب لدنیہ" میں نماز کے مواقع ادعیہ کی تفصیل خوب ہے۔ اس کی مراجعت کی جائے۔

## باب ما یقول الامام ومن خلفه اذا رفع راسه من الركوع

۷۶: حدثنا ادم قال حدثنا ابن ابي ذئب عن سعيد المقبري عن ابي هريرة قال كان النبي صلى الله

عليه وسلم اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا ولك الحمد وكان النبي صلى الله عليه وسلم

اذا ركع وادافع راسه يكبر واذاقام من السجدة قال الله اكبر

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ جب سمع اللہ لمن حمده کہتے تھے تو (اس کے بعد) اللہم ربنا ولك الحمد (بھی) کہتے، اور جب رکوع کرتے اور (رکوع سے) اپنا سر اٹھاتے تکبیر کہتے تھے، اور جب دونوں سجدوں سے (فارغ ہو کر) کھڑے ہوتے تھے، تو اللہ اکبر کہتے تھے۔

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس موقع پر لامع ص ۱۸۳۱۶ اور الاواب ص ۲۱۹۳ میں مفید علمی تحقیقات جمع فرمادی ہیں، ضروری و اہم یہ ہے کہ حدیث الباب سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے سمع اللہ لمن حمده بھی کہا اور اللہم ربنا ولك الحمد بھی، اور جب آپ نے جمع کیا تو آپ کے مقتدی صحابہ کرام نے بھی جمع کیا ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت جمع کی ہے، لیکن چونکہ اکثر احادیث میں تقسیم وارد ہے، تو آپ کا مشہور مذہب بھی تقسیم ہی ہے، اور منفرد کے لئے تو ائمہ اربعہ سے جمع منقول ہے، حافظ نے لکھا کہ امام طحاوی و ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، امام کے لئے یہ ہے کہ امام احمد، شافعی، ابو یوسف و محمد جمع کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ و امام مالک کہتے ہیں کہ امام فقط سمع اللہ لمن حمده کہے اور مقتدی عندا تجبو فقط ربنا لك الحمد کہے صرف امام شافعی اس کے لئے جمع کے قائل ہیں اور امام بخاری نے بھی اکثر شارحین کے نزدیک امام شافعی کی موافقت کی ہے الخ یہ عجیب بات ہے کہ امام شافعی کے قول جمع کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے لکھا کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے (فتح ص ۲۱۹۳) اس طرح حافظ نے امام شافعی و امام بخاری دونوں کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ والحق احق ان یقال، (مؤلف)

دوسری بحث یہ ہے کہ تحمید کن الفاظ میں افضل ہے، اور جز ص ۱۸۲۱۰ سے تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) حنفیہ: علامہ شامی نے کتب حنفیہ سے لیا کہ سب سے افضل اللہم ربنا ولك الحمد ہے۔ پھر اللہم ربنا لك الحمد

(بخذف واو) پھر رہنا ولك الحمد (بخذف اللہم واثبات واو) پھر رہنا لك الحمد (بخذف اللہم وواو) یعنی ان چاروں کلمات میں افضلیت اسی مذکورہ ترتیب سے ہے۔ (غالباً سہولت کے خیال سے مختصر کلمہ کو اختیار کر لیا گیا ہے)

(۲) حنابلہ: صاحب المغنی نے حنابلہ کے نزدیک فضل رہنا ولك الحمد لکھا (جو امام مالک سے بھی منقول ہے) اور اللہم رہنا لك الحمد۔ (۳) مالکیہ: میں سے ابن القاسم نے افضل اللہم رہنا ولك الحمد کو قرار دیا جو حنفیہ کے یہاں بھی نمبر ایک پر ہے، اور مدونہ میں ہے کہ ابن القاسم نے بیان کیا کہ مجھے امام مالک نے ایک دفعہ اللہم رہنا لك الحمد کہا اور ایک مرتبہ اللہم رہنا ولك الحمد کہا اور فرمایا کہ یہ دوسرا کلمہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔

(۴) شافعیہ: امام شافعیؒ نے رہنا لك الحمد کو اختیار کیا۔ اور فرمایا کہ واو عطف کے لئے ہوتی ہے اور یہاں کوئی صحیح چیز نہیں ہے جس پر عطف کیا جائے، اس بات کا ”درایت و روایت دونوں کے اعتبار سے رد کیا گیا ہے کہ اول تو یہ روایات میں ثابت ہے، دوسرے یہ کہ عطف مقدر پر بھی جائز ہے اور خود علامہ نووی شافعی نے لکھا کہ ولك بالواو کی صورت میں وہ ما قبل سے متعلق ہوگا، یعنی ”سمع اللہ لمن حمدہ“ ”رہنا فاستجب دعائنا ولك الحمد علی ہدایتنا“۔ حافظ نے نقل کیا کہ محقق ابن دقیق العید مالکی شافعی نے کہا کہ ”اثبات واو سے معنی زائد نکلتے ہیں کیونکہ تقدیر عبارت مثلاً اس طرح ہوگی:۔ رہنا استجب ولك الحمد، لہذا اس میں دعا اور خبر دونوں کا مضمون آجائے گا“۔ اور یہ صورت واو عطف کے لئے ہے، اور باب التکبیر اذا قام من السجود میں اس کو حالیہ قرار دینے کا قول بھی گذر چکا ہے، اور اکثر حضرات نے ثبوت واو ہی کو رائج قرار دیا ہے، اور اثر میں نے کہا کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا کہ وہ رہنا ولك الحمد میں واو کو ثابت مانتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس میں متعدد احادیث ثابت ہیں:۔ (فتح الباری ص ۲۱۹۲) اور ابن الاثیر نے واو حالیہ کے سوا دوسری صورتوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ غرض امام شافعیؒ ایسے عالم عربیت سے یہاں واو کا انکار بہت ہی عجیب ہے۔

علامہ ابن القیم کا تفرّد: آپ نے الہدی میں کہا کہ رہنا لك الحمد، یا رہنا ولك الحمد اور اللہم رہنا لك الحمد یہ تین صورتیں تو حدیث صحیح سے ثابت ہیں، باقی اللہم رہنا ولك الحمد والی صورت اللہم اور واو کو جمع کر کے صحیح نہیں ہے۔

اول تو اسی حدیث الباب بخاری میں حضور علیہ السلام ہی سے ثابت ہوا کہ آپ اللہم رہنا ولك الحمد کہتے تھے۔ پھر آگے بھی باب فضل اللہم رہنا ولك الحمد میں خود ترجمہ میں بھی بخاری میں واو پر اصلیں، سمعینی، اور مستملی تین کا مبین صحیح بخاری کے نشانات نسخوں کے لگے ہوئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان تینوں کے نسخوں میں واو موجود ہے اور اللہم بھی۔ پھر اسی باب کی حدیث الباب میں بھی ”اللہم رہنا ولك الحمد“ کی واو پر اصلیں کے نسخہ کا نشان ہے، غرض یہاں بخاری میں ہی تین مواضع میں اللہم اور واو کا اجتماع موجود ہے، اور علامہ ابن القیم نے فرمادیا کہ یہ اجتماع صحیح نہیں ہے یا صحیح میں نہیں ہے۔

اور پر بھی ہم نے بیان مذاب کے ذیل میں معتبر حوالوں کے ساتھ واضح کیا ہے کہ امام اعظمؒ اور امام مالک کے نزدیک سب سے زیادہ شرف فضیلت کلمہ اللہم رہنا ولك الحمد ہی کو حاصل ہے۔ جس میں واو بھی ہے اور اللہم بھی۔

حافظ ابن حجرؒ نے قول باب فضل اللہم رہنا لك الحمد پر لکھا کہ سمعینی کی روایت میں ولك الحمد ہے واو کے ساتھ، اور اس سے ابن القیم کا رد ہوا کیونکہ انہوں نے یقین کے ساتھ دعویٰ کر دیا کہ اللہم اور واو کے جمع کے ساتھ کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی۔ (فتح ص ۲۰۱۹۲)

علامہ محدث زرقانی شارح موطا امام مالکؒ نے لکھا کہ اللہم رہنا لك الحمد میں ایک روایت واو کے ساتھ بھی ہے جس سے ابن القیم کا رد ہوا کہ انہوں نے جزم کے ساتھ اس جمع کو غیر ثابت کہہ دیا ہے۔ (شرح الزرقانی ص ۱۸۸۲)



التاج الجا مع لوصول ص ۱۸۷۰ میں بخاری کی روایت و كان النبی ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا ولك الحمد نقل کی، اور روایت اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا ولك الحمد فانه من وافق البخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد و ترمذی پانچوں ائمہ حدیث سے نقل کی۔

علامہ محدث حاجی مالکؒ نے لکھا کہ رولینج سعید عن ابی ہریرہؓ میں اللهم ربنا ولك الحمد وارد ہے اور امام مالکؒ سے نقل ہوا کہ وہ اسی طرح کہا کرتے تھے۔ اور اسی کو ابن القاسم مالکی نے بھی اختیار کیا ہے۔ (اوجز ص ۱۲۵۳)

دیکھا جائے کہ حافظ ابن حجر، حافظ زرقانی، علامہ حاجی اور صاحب التاج ایسے اکابر محدثین جس کلمہ تحمید کا ثبوت صحیح بتلاتے ہیں اور صحیح میں مان رہے ہیں، علامہ ابن قیمؒ نے دعویٰ کے ساتھ اس کا انکار کر دیا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ان کے استاذ محترم حافظ ابن تیمیہؒ اور خود انہوں نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ کسی صحیح حدیث میں درود شریف کے کلمات میں لفظ ابراہیم و آل ابراہیم ایک سات جمع ہو کر مروی نہیں ہوئے ہیں، حالانکہ خود بخاری جیسی اصح الکتاب میں بھی یہ دونوں لفظ جمع ہو کر آئے ہیں اور اسی غلط دعا کی تردید حافظ ابن حجر نے بھی کی ہے ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۱۱۲۳، پوری تفصیل اس سلسلہ کی انوار الباری ص ۱۱۸۹ تا ص ۱۱۹۳ میں شائع شدہ ہے اور حافظ نے بھی آٹھ احادیث صحاح نقل کر کے ان دونوں حضرات کا رد کیا ہے۔ اور یہاں بھی حافظ ابن حجر کا رد ابن القیم آپ کے سامنے ہے۔

ہم نے انوار الباری ص ۱۱۸۹ میں یہ بھی لکھا تھا کہ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رجال حدیث سے کما حقہ واقف نہ تھے، ورنہ وہ حدیث ثمالیہ اوعال جیسی احادیث منکرہ شاذہ براعتاد کر کے عقائد و اصول کا اثبات ان سے ہرگز نہ کرتے۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ حافظ حدیث ابوبکر صامتی ضعیفی نے مستقل رسالہ حافظ ابن تیمیہ کی اغلاط فی الرجال پر تالیف کیا تھا اور حافظ ابن القیم کے ضعف و عدم حذاقت فی معرفۃ الرجال کی تصریح تو حافظ ذہبیؒ نے بھی المعجم المخصص میں کی ہے جبکہ وہ ان دونوں حضرات کے بڑے مداح و معتقد بھی تھے۔

### اعلام الموقعین کا ذکر

افسوس ہے کہ باوجود اس حدیثی ضعف کے بھی حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین لکھی، جس میں ائمہ مجتہدین (امام اعظم و امام مالک و شافعی) پر الزامات ترک احادیث کے لگائے ہیں، اور یہ خیال نہ کیا کہ ان اکابر امت کے پاس ان کی پیش کردہ احادیث سے زیادہ قوی و صحیح احادیث موجود تھیں، جن پر انہوں نے اپنے مسائل مختارہ کی بنیاد رکھی ہے، اور ان حضرات کی حدیث دانی اور محققانہ بصیرت اور علم بالرجال کی شہادت ساری دنیا اسلام کے محدثین کبار نے دی ہے، حافظ ابن تیمیہ اس بارے میں ابن القیم سے غنیمت تھے کہ انہوں نے اعلام الموقعین والی لمبی اڑان سے پرہیز کیا۔ اور انہوں نے ائمہ مجتہدین کی بڑی حد تک عزت بھی کی ہے، یہ اور بات ہے کہ بقول حضرت علامہ کشمیریؒ کے جب وہ کسی مسئلہ میں اپنی الگ دھنیتے ہیں تو دوسروں کی نہیں سنتے۔ اور جن مسائل میں تفر دا اختیار کیا ہے، ان میں وہ ساری امت سے الگ ہو کر رہ گئے ہیں اس اجمال کی تفصیل بہت ہے اور ہم نے کچھ زیارت نبویہ اور توسل نبوی کی بحث میں لکھا بھی ہے، ملاحظہ ہو انوار الباری جلد یازدہم۔

### اکابر امت پر جرح و تنقید

خدا کی شان کہ جو خود معرفت رجال میں ضعیف اور غیر معتد تھے، انہوں نے ائمہ مجتہدین پر مخالف حدیث کا طعن کیا حالانکہ معرفت رجال و علل حدیث کا علم، علم حدیث کا نصف مانا گیا ہے۔ اور جب تک کوئی اس فن میں کامل دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ اس کو ایسے اکابر امت پر حرف گیری کسی طرح بھی موزوں نہیں، جن کی حدیثی و فقہی بلند و برتر شان کو سارے اکابر محدثین امت نے تسلیم کر لیا ہے۔

حافظ الدین ابن حجر عسقلانی کو دیکھئے کہ بمشکل کوئی اہم اختلافی مسئلہ ایسا ہوگا جس میں وہ امام طحاوی حنفی یا ابن عبد البر مالکی کی حدیث یا

رائے کا حوالہ نہ دیتے ہوں، اور ابھی آپ نے دیکھا کہ حافظ ابن قیم کی حدیث دانی پر کیسی کڑی تنقید کی ہے، اور اسی طرح فتح الباری میں کتنی ہی جگہ حافظ ابن تیمیہ پر بھی نقد کیا ہے، اور یہ بھی ابھی گزرا کہ خود حافظ ابن حجر ایسے متعصب شافعی المسلک نے اپنے عظیم مقتدا امام شافعی کے اختیار کردہ ایک مسئلہ پر (جس میں امام بخاری بھی ساتھ ہیں) کہہ دیا کہ اس کے لئے ان کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، لیکن ان ہی جیسوں کو یہ حق پہنچتا بھی ہے، ہر ایک کو نہیں، انہوں نے تو ایک مرتبہ علی وجہ البصیرت فقہ حنفی کے اصول استنباطات کی احقیق کا اعتراف کر کے یہ بھی ارادہ کر لیا تھا کہ حنفی بن جائیں، مگر پھر ایک خواب کی بنا پر اس حقیقت کو بھی خواب میں بدل دیا تھا۔ ولا زاد لفضانہ۔

### حافظ ابن تیمیہ و ابن قیمؒ کی جلالت قدر

ہم حافظ ابن تیمیہ و ابن قیمؒ کی جلالت قدر اور علمی خدمات کا یہ دل سے اعتراف کرتے ہیں اور امت مرحومہ پر جو ان کے احسانات ہیں ان کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، مگر ان دونوں کے لئے اکابر امت کی مخالفت اور نقد و جرح کا حق ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور ان میں بڑی کمی ہے تو یہی کہ جن مسائل اصول و فروع میں انہوں نے جمہور سلف و خلف اور خود اپنے مقتدا امام احمدؒ کا بھی خلاف کیا ہے، وہ ان کے لئے موزوں نہ تھا، اور ہمارے نزدیک ان کے دلائل خلاف میں کوئی قوت و جان نہیں ہے۔ بس صرف اتنا سا ہمارا ان سے اختلاف ہے جس پر ہم آخر تک قائم رہیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ کسی بھی خوف و طمع کے تحت ابن الوقتی اختیار کر لینا ہمارے نزدیک بدترین کردار کا مظاہرہ ہے واللہ بقول الحق وهو یهدی السبیل۔

### باب فضل اللہم ربنا ولک الحمد (اللہم ربنا ولک الحمد) کہنے کی فضیلت کا بیان

۷۵۷: حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن سمی عن ابی صالح عن ابی هريرة ان رسول

الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا ولک الحمد فانه

من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذلہ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمده کہے، تو تم اللہم ربنا ولک الحمد کہو، کیونکہ جس کا قول ملائکہ کے قول سے موافق ہو جائے گا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: اس مسئلہ پر کافی بحث اوپر آچکی ہے، یہاں حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد لائق ذکر ہے کہ امام کے لئے تسبیح و تحمید کا جمع کرنا امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت میں ثابت ہے۔ اور بعض اکابر فقہائے حنفیہ نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے مثلاً حلوانی، فضل بن محمد اور ابو علی نسفی نے۔ اگرچہ مشہور روایت تقسیم ہی کی ہے۔

### قولہ من وافق قوله قول الملائكة

قول الملائكة اس لئے فرمایا گیا کہ فرشتوں کے یہاں قرآن مجید کی قرائت نہیں ہے اور ان کیسے صرف اذکار اور ادکاب سے فقط۔ (قال الشيخ الانور)

۷۵۸: حدثنا معاذ بن فضالة عن هشام عن يحيى عن ابی سلمة عن ابی هريرة قال لا فرق بين صلاة النبي

صلى الله عليه وسلم فكان ابو هريرة بقنت في الركعة الاخرة من صلاة الظهر وصلاة العشاء وصلاة

الصبح بعد ما يقول سمع الله لمن حمده فيدعو للمؤمنين ويلعن الكفار

۷۵۹: حدثنا عبد الله بن أبي الأسود قال حدثنا اسمعيل عن خالد الحذاء عن أبي قلابة عن انس قال كان القنوت في الفجر والمغرب

۷۶۰: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن نعيم بن عبد الله المجمع عن علي بن يحيى بن خلاد الزرقى عن ابيه عن رفاعه بن رافع الزرقى قال كما يوماً نصلى وراء الهبي صلى الله عليه وسلم فلما رفع راسه من الركعة قال سمع الله لمن حمده قال رجل وراءه: ربنا ولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه فلما انصرف قال من المتكلم قال انا قال رايت بضعةً ولثنتين ملكاً يتندروها ابهم يكتمها اول ترجمہ ۷۵۸: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے قریب کر دوں گا، چنانچہ ابو ہریرہؓ نماز ظہر اور نماز عشاء اور نماز فجر کی آخری رکعتوں میں سمع اللہ لمن حمده کے بعد دعا بقنوت پڑھتے تھے۔ مومنوں کے حق میں دعائے خیر اور کفار پر لعنت کرتے تھے۔

ترجمہ ۷۵۹: حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (نبی کریم ﷺ کے زمانے میں) فجر اور مغرب (کی نماز) میں قنوت پڑھی جاتی تھی۔ ترجمہ ۷۶۰: حضرت یحییٰ بن خلاد روایت کرتے ہیں کہ رفاعہ بن رافع زرقی نے کہا کہ ہم ایک دن نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو (ہم نے دیکھا کہ) جب آپؐ نے اپنا سر رکوع اٹھایا تو فرمایا سمع اللہ لمن حمده، ایک شخص نے آپؐ کے پیچھے کہا کائے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تعریف ہے بہت تعریف پاکیزہ جس میں برکت ہے، تو آپؐ نے فارغ ہو کر فرمایا، کہ یہ کلمات کہنے والا کون تھا، اس شخص نے عرض کیا کہ میں تھا، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کے لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ نے الابواب والتراجم میں لکھا کہ اکثر نسخوں میں اسی طرح یہ باب بلا ترجمہ ہے، اور بعض میں باب القنوت ہے، چونکہ پہلے باب میں بعد رکوع تسبیح و تحمید کا ذکر آیا تھا، یہاں اس کے بعد قنوت کا ذکر مناسب ہوا کہ وہ بھی بعد رکوع کے اور تسبیح و تحمید کے بعد ہوتی ہے، حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک دعا بقنوت تو صبح کی نماز میں پورے سال ہوتی ہے اور نماز وتر میں فقط اچھڑے رمضان میں ہے، لیکن یہاں حدیث الباب میں ذکر قنوت نازلہ کا ہے اور یہ حنفیہ کے نزدیک جہری نماز میں ہے، اور یہی قول امام احمد و ثوری کا بھی ہے، دوسرا قول حنفیہ کا نماز فجر کے لئے ہے اور چونکہ احادیث صحیحہ میں یہ قبل رکوع بھی ہے اور بعد رکوع بھی اس لئے اس میں بھی حنفیہ کے دونوں قول ہیں، شافعیہ کے یہاں قنوت نازلہ سب نمازوں میں جائز ہے، اور سب میں ہی قنوت کا جہر ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ سری نمازوں میں جہر قنوت کی بات بہت ہی عجیب و غریب ہے، اور اس کے لئے انہوں نے جس حدیث ابی داؤد سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔

حافظ نے قولہ فکان ابو ہریرہؓ ارغ پر لکھا کہ کہا گیا بخاری کی حدیث الباب کے مرفوع حصہ سے صرف قنوت کا وجود ثابت ہوا، مذکورہ ساری نمازوں میں وقوع ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ موقوف ہے حضرت ابو ہریرہؓ پر، اور اس کی وضاحت تفسیر نساء میں آئے گی جس میں مرفوع کی تخصیص ہے نماز عشاء کے ساتھ۔ اور ابو داؤد کی روایت اوزاعی عن یحییٰ میں بھی ایک ماہ تک عتہ کی نماز میں قنوت کا ذکر ہے اور اس جیسی روایت مسلم میں بھی ہے۔ (فتح الباری ص ۲۱۹۳)

مزید تفصیل کے لئے فتح الملکم معارف السنن اور معانی الآثار دیکھی جائے۔ امام بخاری کا رجحان سری و جہری سب نمازوں میں قنوت نازلہ جائز ہونے کا معلوم ہوتا ہے، جو امام شافعیؒ اور دوسرے بعض اہل حدیث کا بھی مذہب ہے، مگر ساری احادیث قنوت پر نظر کرنے پر اس کی تائید نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام طحاویؒ نے جو کلام قنوت نازلہ کے بارے میں کیا ہے، اس سے متوہم ہوتا ہے کہ وہ اس کے نسخ کے قائل ہیں، مگر وہ صحیح نہیں کیونکہ علامہؒ نے شرح ہدایہ میں امام طحاویؒ سے مسئلہ فقہی نقل کیا ہے کہ قنوت نازلہ حنفیہ کے یہاں بھی ہے۔ اور فرمایا کہ ہمارے

یہاں قنوت نازلہ جبرئیل میں ہے جیسا کہ شرح ہدایا میر تقی میں ہے، اور شرح شمس الدین ندوی میں مطلقاً نمازوں کے اندر جواز نقل ہوا ہے۔

قولہ رایت بضعة و ثلاثین پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک روایت میں ۱۲ فرشتوں کا ذکر ہے، میرے نزدیک دو واقعات الگ الگ ہیں۔

تجسد معانی: قولہ ان یکتبھا: فرمایا کہ مسلم میں ایہم بصدد بھا اول ہے۔ میرے نزدیک معانی کا تجسد (جسد کی صورت اختیار کر لینا) اور اعراض کا تجوہر (جوہر کی صورت اختیار کرنا) عقل و نقل سے ثابت ہے، لہذا کلمات مذکورہ کا آسمانوں کی طرف چڑھنا کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔

## نفی علم غیب نبوی کی دلیل

نیز فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر جوامت کے درود شریف پیش ہونے کی حدیث آتی ہے کہ فرشتے مقرر ہیں وہ حضور کی خدمت میں اس کو لے جا کر پیش کرتے ہیں، اس سے بعض لوگوں نے نفی علم غیب نبوی کے لئے استدلال کیا ہے، مگر میرے نزدیک وہ صحیح نہیں، اگرچہ یہ بات اپنی جگہ طے ہے اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کی نسبت علم الہی کے لحاظ سے ایسی ہی ہے جیسی ایک متناہی کو غیر متناہی سے ہوتی ہے، کیونکہ فرشتوں کے پیش کرنے کا مقصد بعینہ ان کلمات کو بطور تہذیب کے بارگاہ نبوت میں پیش کرنا ہے خواہ آپ کو ان کا علم پہلے سے ہو یا نہ ہو، جیسا کہ بارگاہ رب العزت میں ہمارے اعمال فرشتوں کے ذریعہ پیش کئے جاتے ہیں، اور اس سے حق تعالیٰ کے علم کی نفی نہیں ہو سکتی۔ لہذا کبھی تو پیش کرنے کی غرض علم ہوتی ہے اور کبھی دوسرے مقاصد ہوتے ہیں۔ اس فرق کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے اور موقع استدلال میں کبھی بات نہیں اختیار کرنی چاہئے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے نفی علم غیب نبوی کے لئے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ علم غیب جزئی تو پاگل و مجنون کو بھی ہوتا ہے یہ بھی ایک بے محل منطقی طریقہ کا استدلال تھا، جس کے جواب میں دوسری طرف سے یہ بات سننی پڑی کہ علم غیب ذاتی، اور کلی تو ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے نہیں مانتے، صرف جزئی اور وہی ہی مانتے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ وہ لوگ ایسا علم جزئی مانتے ہیں جو حضور علیہ السلام کے لئے مقصود کا پہلو رکھتا ہے اور ہم وہ مانتے ہیں جو آپ کے لئے منقبت کا درجہ بنتا ہے۔

غرض حق تعالیٰ عز اسدہ کے علم غیب کلی و ذاتی کا مسئلہ ہو، یا اس کی قدرت کاملہ غیر متناہیہ کا بیان ہو، یا امکان کذب امکان نظیر و امتناع نظیر کی بحث ہو وغیرہ وغیرہ، کسی کے لئے بھی موقع استدلال و بحث میں ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے حقائق ثابتہ پر غیر مقصود اور غلط اثرات وارد ہوں موزوں و مناسب نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امکان کذب کی تعبیر مضربہ عوام کیا سمجھیں گے کہ امکان ذاتی اور قوی میں کیا فرق ہے، وہ تو یہی خیال کریں گے کہ خدا جموٹ بول سکتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ امکان نظیر کو بھی عوام کیسے سمجھیں گے کہ وہ امتناع بالظہر کے ساتھ جمع ہونے والا امکان ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ نبوت بالذات اور بالعرض کی تعبیر بھی مجھ ادب پر ی لگتی ہے۔ مشکلات القرآن میں بھی اس پر کلام کیا ہے۔

وَفَقْنَا لِلَّهِ تَعَالٰی لِمَا يَحْبِبُ وَيَرْضٰی

باب الطمانینۃ حین یرفع راسہ من الرکوع وقال ابو حمید

رفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستوی حتی یعود کل فقال لہ مکانہ

۷۶۱: حدثنا ابو الولید قال حدثنا شعبۃ عن ثابت قال قال انس یبعت لنا صلوة النبی صلی اللہ علیہ

وسلم فكان یصلی فاذا رفع راسہ من الرکوع قام حتی نقول قدنس

۷۶۲: حدثنا ابو الولید قال حدثنا شعبۃ عن الحسن بن ابی لہی عن البراء قال کان رکوع النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجودہ، واذ رفع رأسہ من الركوع و بین السجدةین قریباً من السواء  
 ۷۶۳: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن ابی قلابہ قال کان مالک بن الحویرث یرینا کیف کان صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذاک فی غیر وقت صلوة فقام فامکن القیام ثم رکع فامکن الركوع ثم رفع رأسہ فانصب ہنیۃ قال فصلی بصلوة شیخنا هذا ابی یزید وکان ابو یزید اذا رفع رأسہ من السجدة الاخرة استوی قاعداً ثم نہض

ترجمہ ۷۶۲: حضرت انسؓ ہمارے سامنے نبی کریم ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے تھے، تو وہ نماز پڑھ کر بتاتے تھے پس جس وقت وہ اپنا سر رکوع سے اٹھاتے، تو اسنے کھڑے رہتے کہ ہم کہتے، کہ یقیناً یہ (سجدے میں جانا) بھول گئے۔  
 ترجمہ ۷۶۳: حضرت براہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا رکوع، اور آپ کے سجدے اور جب کہ آپ اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تھے، اور دونوں سجدوں کی درمیانی نشست تقریباً (سب ہی) برابر ہوتے تھے۔

ترجمہ ۷۶۳: حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ مالک بن حویرث ہمیں نماز کے وقت کے علاوہ یہ دکھایا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی نماز اس طرح ہوتی تھی، ایک دن وہ کھڑے ہوئے، اور انہوں نے پورا قیام کیا، اس کے بعد رکوع کیا اور پورا رکوع کیا، اس کے بعد سر اٹھایا اور تھوڑی دیر سیدھے کھڑے رہے، ابو قلابہ کہتے ہیں، کہ (اس وقت) مالک بن حویرث نے ہمیں ہمارے اس شیخ یعنی ابو یزید کے مثل نماز پڑھائی، اور ابو یزید جب اپنا سر دوسرے سجدے سے اٹھاتے تھے تو سیدھے بیٹھ جاتے تھے، اس کے بعد کھڑے ہوتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث الباب سے نماز کے اندر ہر رکن کو پوری طرح کرنے کا ثبوت ہے کہ جسم کا ہر عضو اپنی جگہ پر سکون سے ہو جائے، گویا شریعت کی نظر میں طول قیام کی اتنی اہمیت و اعتناء نہیں جتنا کہ مواضع ار بعد میں تعدیل کا ہے۔ اسی لئے قیام کی مقدار حالات و حاجات کے اقتضاء کے موافق قصیر و طویل ہر قسم کی وارد ہوئی ہے، لیکن مواضع ار بعد میں حضور علیہ السلام کا معمول ہمیشہ یکساں رہا ہے۔

اس پر میں نے کشف المستر میں بھی لکھا ہے۔ قولہ ”حتی نقول قد نسی“ پر فرمایا کہ اس سے جہاں تو مذکور طویل معلوم ہوا یہ بھی مفہوم ہوا کہ یہ عام عادت حضور علیہ السلام کی نہ تھی۔ پھر حضرتؒ نے ذکر کیا کہ ایک عالم دیوبند آیا کرتے تھے، جو کسی کے یہاں کھانا نہ کھاتے تھے، (لعلہ لحدۃ درعد) اور نماز بھی کسی کے پیچھے نہ پڑھتے تھے، اور بخاری کی حدیث الباب سے استدلال کرتے تھے کہ مرچہ تو مہ سے نماز نہیں ہوتی، میں نے کہا کہ لفظ نسی دلالت کرتا ہے کہ بہت کم ایسا پیش آیا ہے، عام عادت مبارکہ اس کی نہ تھی، لہذا حدیث تو اس کے خلاف بتا رہی ہے جو وہ سمجھتے تھے۔  
 جلسہ استراحت: قولہ استوی قاعدا۔ پر فرمایا کہ میرا وجدان نہیں کہتا کہ جلسہ استراحت منہب راتبہ ہو، بلکہ اجیاناً بوقت حاجت ایسا ہوا ہے، جس کو مستقل سنت سمجھ لیا گیا۔ امام حمادیؒ نے بھی اس کو ضرورت ہی پر محمول کیا ہے۔

میں نے شافعیہ کے مسلک پر یوں بھی کلام کیا ہے کہ نماز کے اندر تکبیرات کا شمار ۲۲ نقل ہوا ہے، پھر اگر جلسہ استراحت کو مان لیں تو یا تو تکبیرات بڑھ جائیں گی، یا تکبیر کا ترک لازم آئے گا، حالانکہ حضور علیہ السلام کا معمول ہر خفض و رفع کے لئے تکبیر کہنے کا تھا، اور شافعیہ نے جو تاویل کی ہے وہ بھی دیکھ لی جائے کس درجہ کی ہے کہ ایک ہی تکبیر کو جو جودہ سے اٹھنے کے وقت ہوتی ہے اس کو ہم اتنا لمبا کر دیں گے کہ وہ جلسہ استراحت پر بھی حاوی ہو اور دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے تک بھی چلتی رہے۔

حضرتؒ نے مزاحاً فرمایا کہ یہ اتنی لمبی چکر والی تکبیر شاید مصری لہجہ کی ہوگی؟! میرے نزدیک یہ بالکل منہج شریعت کے خلاف ہے۔  
 پس اگر جلسہ کرنا ہی ہے تو قیام و جلسہ کو خالی رکھو تکبیر سے، کیونکہ دو تکبیریں نہیں آئیں۔ اور نہ اس قدر تطویل مشروع ہے تکبیر میں۔

قولہ فانصب ہنیۃ: فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ بہ گئے تھوڑی دیر کے لئے، یعنی جس طرح تھوڑا پانی بہہ کر رک جاتا ہے، اسی طرح رکوع سے سر اٹھا کر اطمینان سے کھڑے ہو گئے، دوسرا نسخہ فانصت کا بھی ہے جو کان لگا کر خاموشی سے دوسرے کی بات سننے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کو راوی نے یہاں سکون اطراف کے لئے استعمال کیا۔

علی فائدہ: علامہ یحییٰ نے لکھا: کرمانی نے کہا کہ روایت لفظ فانصت کا مطلب یہ ہوگا کہ فوراً ہی سجدہ میں جانے اور جھکنے کے لئے تکبیر نہیں کہی اور کچھ دیر خاموش رہے اس پر حافظ نے نقد کیا اور کہا کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ انصت کو سکون اعضاء کے لئے کنایہ مان لیا جائے عدم حرکت کو انصت سے تعبیر کر دیا گیا، جو طمانینت پر دال ہے، میں کہتا ہوں کہ کرمانی کی تو چپہ زیادہ معقول ہے، کیونکہ خود تکبیر کی تاخیر ہی دلیل طمانینت بن جاتی ہے، اس لئے اس کو سکون اعضاء کیلئے کنایہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، اور قاعدہ کے مطابق مجاز کو صرف اسی وقت اختیار کر سکتے ہیں جبکہ حقیقت پر محمول کرنا ممکن ہو۔ (عمدہ ص ۱۳۰)

## باب یھوی بالتکبیر حین یسجد و قال

### نافع کان ابن عمر یضع یدیه قبل رکبتیہ

۷۶۳: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري اخبرني ابو بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام وابو سلمة بن عبد الرحمن ان اباه ريرة كان يكبر في كل صلوة من المكتوبة وغيرها في رمضان وغيره فيكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سمع الله لمن حمده ثم يقول ربنا ولك الحمد قبل ان يسجد ثم يقول الله اكبر حين يهوي ساجداً ثم يكبر حين يرفع راسه من السجود ثم يكبر حين يسجد ثم يكبر حين يرفع راسه من السجود ثم يكبر حين يقوم من الجلوس في الاثنتين ويفعل ذلك في كل ركعة حتى يفرغ من الصلوة ثم يقول حين ينصرف والذي نفسي بيده اني لا اقر بكم شيئاً بصلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كانت هذه لصلوة حتى فارق الدنيا قالوا وقال ابو هريرة وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين يرفع راسه يقول سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد يدعول رجال فيسميهم باسمائهم فيقول اللهم النج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ابي ربيعة والمستضعفين من المؤمنين اللهم اشد دو طائتك على مضرو واجعلها عليهم سنين كسني يوسف واهل المشرق يومئذ من مضرو مخالفون له

ترجمہ ۷۶۳: حضرت ابو ہریرہؓ ہر نماز میں تکبیر کہتے تھے، فرض ہو یا کوئی اور، رمضان میں (بھی) اور غیر رمضان میں (بھی) پس جب کھڑے ہوتے، تکبیر کہتے، پھر جب رکوع کرتے تھے، تکبیر کہتے پھر سجدہ کرنے سے پہلے سمع اللہ لمن حمده کہتے، اس کے بعد ربنا ولك الحمد کہتے، اس کے بعد جب سجدہ کرنے کے لئے جھکتے، اللہ اکبر کہتے، پھر جب سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے، تکبیر کہتے، پھر جب (دوسرا) سجدہ کرتے، تکبیر کہتے، پھر جب سجدوں سے اپنا سر اٹھاتے، تکبیر کہتے، پھر جب دو رکعتوں میں بیٹھ کر اٹھتے تکبیر کہتے (خلاصہ یہ کہ) اپنی ہر رکعت میں اسی طرح کر کے، نماز سے فارغ ہو جاتے، اس کے بعد جب نماز ختم کر چکے تو کہتے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بلاشبہ میں تم سب میں رسول خدا ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں، بلاشبہ آپ کی نماز اس وقت تک بالکل ایسی ہی تھی۔ جب

کہ حضور پر نور ﷺ نے دنیا کو چھوڑا، عبدالرحمن اور ابوسلمہ (راویان حدیث) کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول خدا ﷺ جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تھے تو سمیع اللہ لمن حمدہ (اور ربنا دیک الحمد) (دونوں) کہتے تھے (اور) کچھ لوگوں کے لئے دعا کرتے تھے، اور ان کے نام لیتے (اور فرماتے تھے کہ اے اللہ ولید بن ولید کو اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کثور مسلمانوں کو) (کفار مکہ کے بچہ ظلم سے) نجات دے۔ اے اللہ اپنی پکڑ (قبیلہ) معمر پر سخت کر دے، اور اس کو ان پر قسط سالیان بنادے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام (کے زمانے) کی قسط سالیان۔ اور اس زمانے میں (قبیلہ) معمر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف تھے۔

۷۶۵: حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا سفین غیر مرۃ عن الزہری قال سمعت انس بن مالک یقول سقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فرس وربما قال سفین من فرس فجحش شقہ الايمن فدخلنا علیہ نعودہ فحضرت الصلوۃ فصلی بنا قاعداً وقعدنا وقال سفین مرۃ صلینا قعوداً فلما قضی الصلوۃ قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا وكذا جاء به محمد قلت نعم قال لقد حفظ کذا قال الزہری ولك الحمد حفظت من شقہ الايمن فلما حرجنا من عند الزہری قال ابن جریج وانا عنده فجحش ساقہ الايمن

ترجمہ ۷۶۵:- زہری روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کی داہنی جانب چھل گئی، ہم لوگ آپ کی خدمت میں عیادت کے لئے حاضر ہوئے، اسنے میں نماز کا وقت آگیا، تو آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور ہم بیٹھ گئے (اور سفیان نے ایک مرتبہ یہ کہا کہ ہم نے بیٹھ کر نماز پڑھی) جب آپ نماز پڑھ چکے، تو فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہذا جب وہ تکبیر کہے، تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے، تو تم (سر) اٹھاؤ، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم (ربنا) ولك الحمد کہو، اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم سجدہ کرو۔ تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ جو رکوع کے بعد سجدہ کو جاتے ہوئے اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بدن بھاری تھا، اگر پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے تو بدن کا توازن بمشکل صحیح رہ سکتا تھا۔ اور اسی لئے وہ تشہد میں بھی جواز انو ہو کر بیٹھ سکتے تھے۔ (لامع ص ۱۸۳۹)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی ایسے آثار کو جن میں ہاتھ پہلے زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنے کی بات مروی ہے، حالت غدر پر محمول فرماتے تھے، کیونکہ بیماری، کمزوری یا بدن بھاری ہونے کی صورت میں بغیر ہاتھوں کے پہلے زمین پر ٹیکنے کے سجدہ میں جاننا دشوار ہوا کرتا ہے۔ اور حضرتؒ نے حدیث ابی ہریرہؓ کی ترمذی والی کو بھی اسی پر اتارا ہے، اور فرمایا کہ نماز میں بروک جمل اونٹ کی نہ ہونا چاہئے، کیونکہ نماز کے اندر کسی بھی جانور کی مشابہت نہ آنی چاہئے، لہذا ارشاد نبویؐ کا خشایہ ہے کہ اونٹ کی طرح اگلا دھڑسا را اگر اگر باقی پچھلا دھڑکھڑا رکھ کر سجدہ میں نہ جاؤ، بلکہ معذوری کی حالت میں ایسا کرو کہ زمین پر ہاتھ ٹیک کر سارا دھڑسا ساتھ ہی نیچے لے جاؤ، حضرتؒ نے فرمایا کہ ترمذی میں تو حدیث مختصر ہے۔ نسائی وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اونٹ کی طرح بروک نہ کرو، اور ہاتھوں کو ٹیک کر گھٹنے بھی زمین پر رکھ دو۔ اس طرح حدیث ابی ہریرہؓ کا مطلب لیا جائے تو اس کا مقصد ہاتھوں یا گھٹنوں کا مقدم و موخر کرنا نہ ہوگا، بلکہ صرف بروک اہل کی نفی ہوگی۔ یا دوسرا احتمال یہ ہے کہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنے سے قبل ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس صورت میں بھی ترتیب یا تقدیم و تاخیر کا بیان نہیں ہوتا، بلکہ نفی ہوگی سقوط بلا اختیار کی کہ اونٹ کی طرح نہ گر جاؤ، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر احتیاط کے ساتھ سجدہ میں جاؤ۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ”الٹھایہ“ اور ”التاج“ کی مراجعت کی جائے اور فرمایا کہ بیٹھے وقت اونٹ اپنے دونوں ہاتھ، پیرو سے پہلے زمین پر ٹیکتا ہے اگر چہ اس کے دونوں گھٹنے بھی ساکے ہاتھ میں ہی ہوتے ہیں۔  
 رواہ ابن القیم: علامہ بخاریؒ نے معارف السنن ص ۳۱۳۰ میں حضرت شاہ صاحب سے ابن القیم کے اس دعویٰ کا رد بھی نقل کیا کہ لغت میں اونٹ کے لئے رکعین فی الیدین کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور کتب لغت معتبرہ سے ثابت کیا کہ یہ بات تو اہل لغت کے یہاں بہت معروف ہے، عربی کی مشہور کتاب لغت ”اللسان“ (ص ۱۸۳۱) میں ہے کہ اونٹ کا گھٹنا اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور یہ کہ ہر چو پایہ کے گھٹنے اس کے دونوں ہاتھوں میں اور ایڑیاں اس کے پیروں میں ہوتی ہیں۔

### حدیث ابی ہریرہ ترمذی

معارف السنن ص ۳۱۳۱ میں لکھا کہ ترمذی کی حدیث الباب سے امام مالکؒ نے استدلال کیا ہے کیونکہ ان کا مسلک جمہور کے خلاف سجدہ کو جاتے ہوئے گھٹنوں سے پہلے ہاتھ ٹیکنا ہے، لیکن یہ حدیث معلول ہے، امام ترمذی نے اس کو غریب کہا اور امام بخاری نے اس کے راوی محمد بن عبد اللہ بن الحسن کے لئے لایا بیع علیہ کہا، دارقطنی نے درادوری کا تفرقہ بتلایا۔  
 امام ترمذی نے اس سے پہلے باب میں حدیث وائل بن اُکبہؓ کی ذکر کی ہے، جس میں گھٹنے پہلے ٹکانے کا ہی ثبوت ہے، اور وہی مذہب امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام احمد، ثوری، اسحاق، عامہ، فقہاء اور تمام اہل کوفہ کا ہے، اور ایک روایت امام مالک سے بھی ایسی ہے۔ پھر یہی حضرت عمرؓ حضرت ابن مسعود وغیرہ کا بھی مختار ہے (معارف ص ۳۱۳۲) امام مالک سے ایک روایت میں اور امام احمد سے بھی ایک قول تحجیر کا بھی ہے، کہ دونوں میں سے جو صورت چاہے اختیار کرے کوئی حرج نہیں (فتح ص ۲۱۴۳)

معلوم نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث الباب میں حضرت ابن عمرؓ کا اثر ان سب کے خلاف کیوں لائے ہیں، ممکن ہے کہ ان کا مختار وہی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان کا عمل بدن بھاری ہونے کی معذوری پر محمول ہو سکتا ہے اور یوں بھی حضرت عمرؓ کا عمل ان کے مقابلہ میں راجح ہے۔  
 قولہ وکان یکبر فی رمضان وغیرہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ راوی نے رمضان کا ذکر اس لئے کیا کہ رمضان کی وجہ سے کچھ زیادات کا احتمال تھا، اس کو رفع کیا کہ باپ تکبیرات میں کوئی اضافہ شروع نہیں ہوا۔

قولہ بدعو لوجال: فرمایا کہ ”بخ“ میں مسئلہ ہے اگر نماز کے اندر کسی شخص کا نام لے لیا جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن کسی کا نام لے کر اس کے لئے دعا کی جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، یہ بات بطور معمر اور چستان کے ہے کہ جز و مفید ہے اور کل مفید نہیں ہے، جس طرح اطراف کی دیت نفس کے دیت سے بڑھ جاتی ہے، اس کامل صدر الشریعہ نے شرح الوقایہ میں کیا ہے۔

### باب فضل السجود

#### سجدہ کرنے کی فضیلت کا بیان

۷۶: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني سعيد بن المسيب وعطاء بن يزيد الليثي ان اباهم روة اخبرهما ان الناس قالوا يا رسول الله صلى الله هل نرى يوم القيمة قال هل تمارون في القمر ليلة البدر ليس دونه' صحاب قالوا لا يا رسول الله قال هل تمارون في الشمس ليس دونهها صحاب قالوا لا قال فانكم ترونه' كذلك يمحشر الناس يوم القيامة فيقول من كان بعد شيئا فليتبعه فممنهم من



یتبع الشمس ومنهم من یتبع القمر ومنهم من یتبع الطواغیت وبقیٰ هذه الامة فیها منافقوها فیاتیهم الله فیقول انار بکم فیقولون هذا مکاننا حتیٰ یتأینا ربنا فاذا جاء ربنا عرفناه فیاتیهم الله عزوجل فیقول انار بکم فیقولون انت ربنا فیدعوهم و یضرب الصراط بین ظہرائی جہنم لاکون اول من یمیز من الرسل بامتہ ولا یتکلم یومئذ احد الا الرسول و کلام الرسل یومئذ اللهم سلم سلم و فی جہنم کلالیب مثل شوک استعدان هل رایت شوک السعدان فقالوا نعم فانها مثل شوک السعدان غیر انه لا یعلم قدر عظمها الا الله تخطف الناس باعمالهم فمنهم من یوق بعمله و منهم من ینخدل ثم ینجو حتیٰ اذا اراد الله رحمة من اراده من اهل النار امر الله الملائکة ان ینخرجونهم و یعرفونهم بالآثار السجود و حرم الله علی النار ان تاكل اثر السجود فینخرجون من النار فکل ابن ادم تاکله النار الا اثر السجود فینخرجون من النار قد امتحشوا فیصعب علیهم ماء الحیاة فینستون کما نبت الحبة فی حمیل السیل ثم یفرغ الله من القضاء بین العباد و یبقیٰ رجل بین الجنة و النار و هو اخر اهل النار دخلوا الجنة مقبلاً بوجهه قبل النار فیقول یارب احرف وجهی عن النار فقد قشبنی ریحها و احرقنی ذکالها فیقول هل عسیت ان فعل ذلک بک ان تسئل غیر ذلک فیقول لا و عزتک فیمعطی الله عزوجل ما یشاء من عهد و میثاق فیسرف الله وجهه عن النار فاذا اقبل به علی الجنة رای بهجتها سکت ما شاء الله ان یسکت ثم قال یارب قد معنی عند باب الجنة فیقول الله له اليس قد اعطیت العهد و الميثاق ان لا تسأل غیر الذی کنت سالت فیقول یارب لا اکون اشقیٰ مخلقک فیقول فماعسیت ان اعطیت ذلک ان لا تسأل غیره فیقول لا و عزتک لا اسالک غیر ذلک فیمعطی ربه ما شاء من عهد و میثاق فیلقده الیٰ باب الجنة فاذا بلغ بیها فرای زهرتها و ما فیها من النظرة و السرور فیسکت ما شاء الله ان یسکت فیقول یارب ادخلنی الجنة فیقول الله عزوجل و یحک یا ابن ادم ما اغدرک اليس قد اعطیت العهد و الميثاق ان لا تسأل غیر الذی اعطیت فیقول یارب لا تجعلنی اشقیٰ خلقک فیضحک الله منه ثم یاذن له فی دخول الجنة فیقول تمن فیمتنی حتیٰ اذا لقطع امنته قال الله عزوجل زد من کذا و کذا اقبل یدکره ربه حتیٰ اذا انتهت به الامانی قال الله لک ذلک و مثله معه و قال ابو سعید الخدری لابی هريرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال قال الله عزوجل لک ذلک و مثله معه قال ابو سعید انی سمعته یقول ذلک لک و عشرة امثاله

ترجمہ ۶۶۷ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، کہ ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے، آپ نے فرمایا، کیا تم کو شب بدریں چاند (کے دیکھنے) میں جب کہ اس کے اوپر ابر نہ ہو، کچھ شک ہوتا ہے، ان لوگوں نے کہا، کہ یا رسول اللہ! نہیں، آپ نے فرمایا، تو کیا تم کو آفتاب (کے دیکھنے) میں جب کہ اس کے اوپر ابر نہ ہو کچھ شبہ ہوتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا بس تم اسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھو گے، قیامت کے دن لوگ اٹھائے جائیں گے، پھر (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کہ جو (دنیا میں) جس کی پرستش کرتا تھا، وہ اس کے ساتھ ہو جائے، چنانچہ کوئی ان میں سے آفتاب کے ساتھ ہو جائے گا، اور کوئی ان میں سے چاند کے ساتھ ہو جائے گا، اور کوئی ان میں سے بتوں کے پیچھے ہو لے گا، اور یہ (ایمانداروں کا) گروہ باقی رہ جائے گا، اور اسی میں اس

کے منافق (بھی) شامل) ہوں گے، اللہ تعالیٰ (اس صورت میں جس کو وہ نہیں پہنچاتے) ان کے پاس آئے گا، اور فرمائے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو وہ کہیں گے (ہم تجھے نہیں جانتے) ہم اسی جگہ کھڑے رہیں گے، یہاں تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے پاس آجائے، اور جب وہ آئے گا، ہم اسے پہچان لیں گے، پھر اللہ عزوجل ان کے پاس (اس صورت میں) آئے گا (جس کو وہ پہنچاتے ہیں) اور فرمائے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو وہ کہیں گے کہ ہاں تو ہمارا پروردگار ہے، پس اللہ انہیں بلائے گا، اور جہنم کی پشت پر (پل بنا کر) ایک راستہ بنایا جائے گا، تمام پیغمبر جو اپنی امتوں کے ساتھ (اس پل سے) گزریں گے، ان میں پہلا میں ہوں گا، اور اس دن سوائے پیغمبروں کے کوئی بول نہ سکے گا، اور پیغمبروں کا کلام اس دن اللھم مسلم مسلم ہوگا، جہنم میں سعدان کے کانٹوں کے مشابہ آکٹڑے ہوں گے کیا تم لوگوں نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں، صحابہ نے عرض کیا، ہاں! آپ نے فرمایا، کہ وہ سعدان کے کانٹوں سے مشابہ ہوں گے البتہ ان کی بڑائی کی مقدار سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، وہ آکٹڑے لوگوں کو ان کے اعمال کے موافق اچکیں گے، تو ان میں سے کوئی اپنے اعمال کے سبب (جہنم میں گر کر) ہلاک ہو جائے گا، اور کوئی ان میں سے (مارے زخموں کے) کٹڑے کٹڑے ہو جائے گا، اس کے بعد نجات پائے گا، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں میں سے جن پر مہربانی کرنا چاہے گا، فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو اللہ کی پرستش کرتے تھے، وہ نکال لئے جائیں۔ اور فرشتے انہیں سجدوں کے نشانوں سے پہچان لیں گے، اللہ تعالیٰ نے (دوزخ کی) آگ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدے کے نشان کو کھائے، چنانچہ سجدوں کے مقام کے علاوہ جہنم کی آگ ابن آدم کے تمام جسم کو کھا جائے گی (اسی نشان سجدہ کی علامت سے) جب لوگ نکالے جائیں گے، اس وقت بالکل سیاہ (کونکہ) ہو گئے ہوں گے، پھر ان کے اوپر آب حیات ڈالا جائے گا تو (اس کے پڑنے سے) وہ ایسے نکل آئیں گے، جیسے دانہ سیل کے بہاؤ میں اگتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان میں فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا، اور ایک شخص جنت اور دوزخ کے درمیان میں باقی رہ جائے گا اور وہ جنت میں سب دوزخیوں سے آخر میں داخل ہوگا، اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا، کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میرا منہ دوزخ (کی طرف) سے پھر دے، کیونکہ مجھے اس کی ہوائ نے زہر آلود کر دیا ہے، اور مجھے اس کے شعلے نے جلا دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ کیا تو (ایسا تو نہ کرے گا، کہ) اگر تیرے ساتھ یہ احسان کر دیا جائے، تو تو اس کے علاوہ اور کچھ مانگے، وہ کہے گا، کہ تیری بزرگی کی قسم نہیں، پھر اللہ عزوجل (اس بات پر) جس قدر وہ چاہے گا، اس سے پختہ وعدہ لے لے گا (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ (کی طرف) سے پھیر دے گا، پھر جب وہ جنت کی طرف منہ کرے گا اور وہ اس کی تردید نہ کرے گا، تو جس قدر مشیت الہی ہوگی، وہ چپ رہے گا، اس کے بعد کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تو نے اس بات پر قول و قرار نہ کئے تھے، کہ اس کے سوا جو تو مانگ چکا، اور کچھ سوال نہ کرے گا، وہ عرض کرے گا، کہ اے میرے پروردگار! مجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بد نصیب نہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ ہو سکتا ہے، کہ اگر تجھے یہ بھی عطا کر دیا جائے، تو تو اس کے علاوہ اور کچھ سوال کرے، وہ عرض کرے گا کہ قسم تیری بزرگی کی نہیں، میں اس کے سوال سوال نہ کروں گا۔ پھر اپنے پروردگار کو جس قدر قول و قرار چاہے گا دے گا، تب اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا، جب اس کے دروازے پر پہنچ جائے گا، اور اس کی شگفتگی اور وہ تازگی اور سرور جو اس میں ہے دیکھے گا، تو جتنی دیر مشیت الہی ہوگی، چپ رہے گا، اس کے بعد کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے جنت میں داخل کر دے اللہ عزوجل فرمائے گا کہ اے ابن آدم تیری خرابی ہو، تو کس قدر عبد شکن ہے، کیا تو نے اس بات پر قول و قرار نہ کئے تھے، کہ اس کے سوا جو تجھے دیا جا چکا اور کچھ نہ مانگے گا، وہ عرض کرے گا، کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بد نصیب نہ کر، پس اللہ تعالیٰ اس (کی باتوں) سے ہنسنے لگے گا، اس کے بعد اس کو جنت میں لے جانے کی اجازت دے گا، اور فرمائے گا کہ (جہاں تک تجھ سے

ہو سکے) طلب کر، چنانچہ وہ خواہش کرنے لگے گا، یہاں تک کہ اس کی خواہشیں ختم ہو جائیں گی، تو اللہ بزرگ و برتر فرمائے گا، کہ یہ یہ چیزیں اور مانگ، اس کا پروردگار سے یاد دلانے لگے گا یہاں تک کہ جب اس کی خواہشیں تمام ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تجھے یہ بھی (دیا جاتا) ہے، اور اسی کے مثل اس کے ساتھ اور بھی، (یہ حدیث سن کر) ابوسعید خدری نے ابو ہریرہؓ سے کہا، کہ رسول خدا ﷺ نے (اس مقام پر) یہ فرمایا تھا، کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ تجھے یہ اور اس کے (ساتھ اس کے) مثل دس (گنے دیئے جاتے ہیں) ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ مجھے اس حدیث میں رسول خدا ﷺ سے صرف آپ کا یہی ارشاد یاد ہے کہ تجھے یہ بھی (دیا جاتا) ہے اور اسی کے مثل اس کے ساتھ اور (بھی) ابوسعید نے کہا، کہ میں نے خود آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تجھے یہ اور اسی کے دس مثل (اس کے ساتھ دیئے جاتے) ہیں۔

تشریح: امام بخاریؒ نے عجدہ کی فضیلت میں وہ حدیث ابی ہریرہؓ پیش کی ہے، جس میں عجدہ کی وجہ سے عجدہ کرنے والے کے جسم کے کچھ حصہ پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی یعنی اس پر کچھ اثر نہ کرے گی، تمام بدن اس کی آگ میں جلے گا مگر وہ حصہ محفوظ رہے گا، اور یہ صرف عجدہ اور نماز کی برکت سے ہوگا، حافظ نے لکھا کہ یہ حدیث آگے کتاب الرقاق میں بھی آئے گی، اور ہم وہاں تفصیل سے بحث کریں گے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری میں فرمایا کہ یہاں ایک مسئلہ میں امام نوویؒ اور قاضی عیاضؒ کا کچھ اختلاف بھی ہے، جس پر حافظ نے اچھا کلام اور تبصرہ کیا ہے، وہ دیکھ لیا جائے، چونکہ بعض امالی میں ضبط و تحریر کی غلطی ہو گئی ہے، اس لئے ہم یہاں اس کو صحیح طور سے اور حافظ کی بات کو بھی مختصر کر کے لکھتے ہیں۔ وہ نستعین:-

حافظ نے لکھا کہ اس بارے میں اختلاف ہوا کہ دوزخ کی آگ سے کون سا حصہ محفوظ رہے گا، علامہ نووی شارح مسلم شریف کی رائے یہ ہے کہ ساتوں اعضاء محفوظ رہیں گے، جن پر نکاح عجدہ ہوتا ہے، یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں قدم۔ قاضی عیاضؒ نے کہا کہ صرف پیشانی جس سے عجدہ ہوتا ہے وہی محفوظ ہوگی، کیونکہ مسلم وغیرہ میں یہ بھی مروی ہے کہ گنہگار لوگوں میں کچھ لوگ آدمی پنڈلی تک آگ میں رہیں گے، کچھ گھٹنوں تک، کچھ کمر تک۔ تو ظاہر ہے کہ قدم اور گھٹنے بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے، اس لئے صرف پیشانی کو محفوظ کہہ سکتے ہیں، اور حافظ نے لکھا کہ ایک دوسری حدیث مسلم سے بھی قاضی عیاضؒ کی تائید ہو سکتی ہے، جس میں ہے کہ کچھ لوگوں کو دوزخ میں عذاب ہوگا، مگر ان کے چہروں کے دائرے اس سے محفوظ ہوں گے۔

علامہ نوویؒ کا جواب حافظ نے ذکر کیا کہ یہ تو خاص لوگوں کا حال حدیث مسلم میں بیان ہوا ہے، باقی عام طور سے تو عموم حدیث الباب کے تحت گنہگار مومنوں کے تمام ہی اعضاء بخود محفوظ ہوں گے، لہذا دوزخ میں ایک مدت تک گناہوں کی پاداش اٹھانے والے مومنوں کی دو قسم ہو گئیں۔ لہذا دونوں قسم کی احادیث کے مورد الگ الگ ہیں۔

پھر حافظ نے قاضی عیاضؒ کے دوسرے استدلال کا جواب یہ دیا کہ آخرت کے احوال کا یہاں کے احوال پر قیاس نہ کرنا چاہئے ہو سکتا ہے کہ وہاں کمر تک جلنے والے کے بھی گھٹنے اور قدم دوزخ کی آگ سے بالکل متاثر نہ ہوں اور اتنے حصے جن پر عجدہ ہوتا ہے وہ محفوظ رہیں۔

پھر لکھا کہ دارات الوجوہ والی حدیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف پیشانی بلکہ چہروں کے پورے دائرے عجدہ کی برکت سے عذاب سے محفوظ رہیں گے لہذا اس لئے بھی صرف پیشانی کے استثناء والی بات قاضی عیاضؒ کی محل نظر ہے۔ (فتح الباری ص ۲۱۱۹ و ۱۱۳۶۶)

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصل اختلاف تو علامہ نوویؒ اور قاضی عیاضؒ کا ہے، اور حافظ نے کلام و استدلال کر کے اپنا میلان علامہ نوویؒ کی طرف ظاہر کر دیا ہے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کا اشارہ بھی اسی کی تصویب کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بے نمازی کا عذاب

حافظؒ نے علامہ محدث ابن ابی جرہ کا ایک نہایت مفید ارشاد بھی نقل کیا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں کو عذاب کے بعد

حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت دوزخ سے نکلوا لے گی، لیکن جو لوگ نماز کی نعمت سے دنیا کے اندر بالکل ہی محروم رہے ہوں گے، ان کی عذاب سے خلاصی کیونکر ہوگی کہ ان کے جسم پر تو سجدہ کے آثار و علامات بھی نہ ہوں گی، جن سے پہچان کر فرشتے نکالیں گے، لہذا وہ ہمیشہ ہی دوزخ کے عذاب میں جتا رہیں گے۔

علامہ نے فرمایا البتہ ان کے لئے بھی ایک حدیث نبوی ہے کہ سب سے آخر میں کہ تمام انبیاء فرشتوں اور مومنوں کی شفاعتوں کے طفیل میں لوگ دوزخ سے نکل چکیں گے، اور جنت میں داخل ہو جائیں گے، تب حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میری شفاعت رہ گئی ہے اور حق تعالیٰ ٹٹھی بھر کے ایک قوم کو دوزخ سے نکالیں گے، جس کے پاس بجز ایمان کے کوئی بھی نیک عمل نہ ہوگا (وہ حدیث بخاری کتاب التوحید ص ۱۰۷ میں آئے گی)

## فتح الباری کی اغلاط

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فتح الباری کا جو نسخہ اب چھپ کر آیا ہے وہ غلطیوں سے بھرا ہوا ہے، پانچ سو تو میں صحیح کر چکا ہوں، باقی کتنی ہیں اللہ جانتا ہے۔

## تجلیات ربانی: قوله فياتهم الله

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت الہیہ کے بارے میں جو افعال لازمہ استعمال ہوئے ہیں ان سے مراد تعلق ہوتا ہے اس صفت کا مکمل وقوع کے ساتھ اور جو افعال متعدیہ وارد ہوئے ہیں، ان سے مراد اس عمل کا پیدا کرنا ہوتا ہے جیسے قوله تعالى خلق السموات والارض چنانچہ اتیان، نزول و استواء سارے افعال لازمہ ہیں اور مراد ان صفات کا تعلق ہے عمل کے ساتھ اور استوى على العرش کا معنی یہ ہے کہ تعلق ہوا صفت استواء کا عرش کے ساتھ۔ اور یہ سب تجلیات ربانی عز اسمہ ہیں۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ استواء، قرب و معیت میرے نزدیک سب ایک ہی نوع کی چیزیں ہیں، ہم ان کی کیفیات کا ادراک نہیں کر سکتے، اور نہ ہم تشبیہ و تجسیم کے قائل ہیں جیسے کہ اہل زلف قائل ہیں، اور ائمہ اربعہ کے نزدیک اس نوع کی تمام چیزیں بلا تاویل کے اپنے ظاہر پر محمول ہیں۔ اسی طرح میرے نزدیک نماز میں مواجہہ خداوندی اور وصلہ مناجات بھی ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ سب تجلیات ہیں حق تعالیٰ جل مجدہ کی۔

قوله والكلالہب: فرمایا کہ یہ علاقہ نفس ہیں جو آخرت میں تجسد ہو جائیں گے۔ یعنی یہاں کے معاصی و شہوات نفسانیہ کا نژاد اور کٹوؤں کی طرح گتہ گاروں اور کافروں و شرکوں کو پہلے سراط جہنم پر سے گزرنے کی حالت میں اچک اچک کر دوزخ میں گرالیں گے تاکہ اس میں اپنے برے اعمال و عقائد کی سزا پائیں۔

## عبادات و معاصی کا دخول جنت و جہنم

حضرتؒ نے فرمایا کہ بظاہر حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ گتہ گاروں کے ساتھ ان کی عبادتیں بھی جہنم میں ساتھ ہوں گی اگر بیگار ہیں گی، اور ایک قول علماء کا یہ بھی ہے کہ اعمال صالحہ اس زمانہ میں باہر ہی رہیں گے، اور یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ معاصی جنت میں نہ جائیں گے۔

## باب یبیدی ضبعیہ ویجافی فی السجود

(مرد کو چاہئے کہ) سجدہ میں اپنے دونوں پہلو کھول دے اور پیٹ کو زانو سے جدا رکھے

۷۶۷: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثني بكر بن مضى عن جعفر بن ربيعة عن ابن هرم عن عبد الله بن

مالک ابن یحسینہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی فرج بین یدیه حتی یدواہماض ابطیہ

وقال اللیث حدثنی جعفر بن ربیعہ نحوه

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن خسیہ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان میں اس قدر کشادگی رکھتے تھے کہ آپ کی ہاتھوں کی سپیدی ظاہر ہوتی تھی، اور لیث نے کہا کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے اس کے مثل روایت کی۔  
تشریح: یہ باب اور حدیث الباب اسی سند سے بخاری ص ۵۶ میں بھی گزری ہے، وہاں یہ بتلایا تھا کہ بغل اور اس سے ملے ہوئے ہاتھوں کے حصے نماز میں کھلے رہیں تو وہ عدم تسبیح میں داخل نہیں ہے، یہاں یہ بتلایا کہ سجدہ کے وقت بازو کو پہلو سے جدا رکھا جائے، تاکہ وہ بھی آزادی سے مستطاب سجدہ کریں، پہلو سے بازوؤں کو ملایا تو ان کا سجدہ الگ سے تصور نہ ہوگا جبکہ منشاء شارع یہ ہے کہ نماز کے سارے اعضاء سرجمہ ہوں اور اسی لئے آگے آگے کا کہ سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں بھی قبلہ رخ ہوں کہ وہ بھی سجدہ گزار ہوتی ہیں۔ مگر قیام و قعود میں بھی ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ ہی رکھنا چاہئے، خفیہ کے یہاں قعدہ تشہد میں بھی افتراش کی جو شکل ہے، اس میں بھی بہ نسبت تورک کے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے کی حمایت زیادہ ہے۔ ان دونوں کی تشریح آگے آگے کی۔

حافظ نے لکھا کہ حدیث الباب سے بازو جدا کر کے سجدہ کرنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور حدیث ابی داؤد سے اس کا انتخاب مفہوم ہوتا ہے، جس میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے طوالب سجدہ کی صورت میں مشق سجدہ کی شکایت کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گھٹنوں سے مدلو یعنی ان پر کہنیاں ٹک کر۔ حالانکہ یہ صورت پہلی سے الگ ہے اور بازوؤں کو بحالت سجدہ عام حالات میں جدا رکھنے کا حکم کیا گیا۔ اور یہ خاص صورت ہے کہ طوالب سجدہ کے وقت ممکن رفع کرنے کے لئے گھٹنوں سے مدلی جائے، یہ گویا خاص صورت حالت عذر کی ہے۔ امام ترمذی نے استعانت بالکعب کا حکم سجدے سے قیام کے لئے اٹھنے کے وقت مراد لیا ہے، اور امام طحاوی نے قومہ کے بعد سجدہ کو جاتے ہوئے استعانت بالکعب کو لیا ہے۔ غرض یہ چاروں صورتیں الگ الگ ہیں۔ اور امام بخاری نے یہاں سجدے کی صحیح اور مشروع و مسنون صورت عام حالت کے لئے بیان کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

واضح ہو کہ ص ۵۶ کی طرح یہاں بھی خسیہ مالک کی ماں نہیں ہیں، بلکہ عبداللہ بن مالک کی والدہ ہیں۔ اور ابن خسیہ عبداللہ کی صفت ہے مالک کی نہیں، لہذا صحیح بخاری ص ۵۶ میں مالک ابن خسیہ صحیح طبع ہوا ہے، اور یہاں ص ۱۱۲ میں ابن کالف غلطی سے رو گیا ہے۔

## باب یستقبل باطراف رجلہ القبلة قالہ

ابو حمید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(سجدے میں اپنے پیروں کو انگلیاں قباہ رخ رکھے) اس کو ابو حمید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے

## باب اذا لم یتم سجودہ

(اگر کوئی شخص اپنا سجدہ پورا نہ کرے)

۷۶۸: حدثنا الصلت بن محمد قال حدثنا مہدی عن واصل عن ابی وائل عن حذیفۃ انہ رای رجلاً

لا یتم رکوعہ ولا سجودہ فلما قضی صلوٰتہ قال لہ حذیفۃ ماصلیت واحسبہ قال لومت مت علی

غیر سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۷۶۸:- حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنا رکوع پورا کرتا ہے، اور نہ اپنا سجدہ، جب وہ اپنی نماز ختم کر چکا، تو اس سے حذیفہؓ نے کہا، کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، اور (ابو اس کہتے ہیں) کہ مجھے خیال ہے کہ حذیفہؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر تو مرجائے گا۔ تو محمد ﷺ کے خلاف طریقے پر مرے گا۔

تشریح: پہلے ایک باب اذا لم يتم الركوع گزرا ہے، وہی تشریح یہاں جود کے لئے بھی ہے۔ (فتح ص ۲۱۲۰)

## باب السجود علی سبعة اعظم

### اگر کوئی شخص اپنا سجدہ پورا نہ کرے

۷۶۹: حدثنا قبيصة قال حدثنا سفيان عن عمرو بن دينار عن طاؤس عن ابن عباس قال امر النبي صلى

الله عليه وسلم ان يسجد على سبعة اعضاء ولا يكف شعراً ولا ثوباً الجبهة واليدين والركبتين والرجلين

۷۷۰: حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا شعبه عن عمرو بن طاؤس عن ابن عباس عن النبي صلى

الله عليه وسلم قال امرنا ان نسجد على سبعة اعظم ولا تكف شعراً ولا ثوباً

۷۷۱: حدثنا ادم قال حدثنا اسراء يل عن ابى اسحق عن عبدالله بن يزيد قال حدثنا البراء بن عازب

وهو غير كذب قال كنا نصلی خلف النبي صلى الله عليه وسلم فاذا قال سمع الله لمن حمده لم یحس

احد منا ظهراً حتى يضع النبي صلى الله عليه وسلم جبهته على الارض

ترجمہ ۷۶۹: طاؤس حضرت ابن عباسؓ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، کہ نبی ﷺ کو سات اعضاء کے بل سجدہ کرنے کا

حکم دیا گیا ہے، اور یہ کہ بالوں کو نہ سنوارے، اور نہ کپڑے کو روکے (وہ سات اعضاء یہ ہیں) پیشانی، دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے، دونوں پیر۔

ترجمہ ۷۷۰: حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں کے بل

سجدہ کریں، اور نہ بالوں کو روکیں اور نہ کپڑے کو۔

ترجمہ ۷۷۱: حضرت براء بن عازبؓ نے بیان کیا، اور وہ جھوٹے آدمی نہیں تھے، وہ کہتے ہیں، کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، تو

جب سمع الله لمن حمده کہتے، تو کوئی شخص ہم میں سے پیٹھ نہ جھکاتا تھا، جب تک کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی پیشانی زمین پر رکھتے نہ دیکھ لیتا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- حاصل اس باب اور اس کی احادیث کا یہ ہے کہ سجدہ کرنے والے ساتوں اعضاء مصلیٰ ہیں نہ یہ کہ

ساجد تو نمازی ہے اور یہ اعضاء اس کے سجدہ کے لئے صرف معاون اور ذریعہ ہیں، اور خارج سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نمازی کے بال بھی سجدہ

کرتے ہیں اسی لئے بندھے ہوئے بالوں کے ساتھ نماز کی ممانعت کی گئی۔ اور آثار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی کے کپڑے بھی سجدہ کرتے

ہیں، اسی لئے ان کو بھی نماز کے اندر روکنے سے منع کیا گیا ہے، جب کپڑوں اور بالوں کا یہ حال ہے تو ظاہر ہے کہ اعضاء جود کے

لئے سجدے کی شان ضرور ہی مد نظر ہوگی، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ دونوں ہاتھ سجدہ کی طرح رکوع بھی کرتے ہیں، اس وقت وہ معطل نہیں ہیں۔

پھر یہ کہ مشہور قول حنفیہ کا اگرچہ یہ ہے کہ سجدہ کے وقت صرف پیشانی اور ایک پاؤں کا زمین پر ٹکنا واجب ہے، باقی اعضاء جود کا سنت ہے، مگر

شیخ ابن ہمامؒ نے سب ہی کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے شاید حنفیہ کے مشہور قول کی وجہ یہ ہو کہ پیشانی زمین پر رکھنے کو بہ نصبت دوسرے

اعضاء کے حقیقت جود سے زیادہ اقرب سمجھا گیا جیسا کہ بعض ان دعاؤں سے بھی مفہوم ہوتا ہے جو سجدہ کے وقت کی ماثور ہوئی ہیں، لیکن بظاہر

یہ ان کا صرف فکری و نظری خیال ہوگا، باقی عمل کے لحاظ سے سارے اعضاء کا حکم یکساں وجوب ہی کا ہونا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مسئلہ میں اختلاف کی نوعیت تاحش کو کب سے اس طرح نقل کی گئی ہے شافعیہ کے اظہر القولین میں اور امام زفر کے نزدیک نیز امام احمد سے ایک روایت میں اعضاء سبعہ پر سجدہ واجب ہے، امام احمد سے دوسری روایت میں اور امام مالک و حنفیہ کے نزدیک بجز پیشانی کے دوسرے اعضاء کے لئے وجوب نہیں ہے۔ (الاواب ص ۲۸۳۹۶)

ہمارے حضرت شاہ صاحب کی نظر ہمیشہ یہ رہتی تھی کہ حنفیہ کے لئے اقرب الی الحدیث توجیہ کو ترجیح دیا کرتے تھے، اور حافظ ابن ہمام کا مزاج بھی یہی تھا، اسی لئے اوپر جو توجیہ اور وجہ ترجیح حضرت نے بیان کی ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کرتی ہے، حضرت نے اپنی عمر کے چالیس سال اسی فکر و سعی میں گزارے ہیں کہ حنفی مسلک کا اقرب الی الحدیث ہونا ثابت کریں، اور فرمایا کرتے تھے کہ محدودے چند مسائل کے علاوہ مجھے اس میں کامیابی ہوگئی ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ امام محمد، امام طحاوی، امام زلیعی، اور شیخ ابن البہام کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحب کی اس طرف کامل و مکمل توجہ مبذول ہوئی ہے جو بڑی حد تک کامیابی سے بھی ہمدوش ہوئی، یوں تو اکابر کی بہت بڑی تعداد نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ حضرت کے افادات و تحقیقات عالیہ کا اکثر و بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ اور تعلیقات آثار السنن کی صورت میں جتنا وہ موجود ہے، وہ بھی ابھی تک ناقابل انتفاع ہے۔ والا مریہ اللہ

قولہ لم یحن احد: فرمایا کہ یہ صورت اس وقت پیش آئی کہ حضور علیہ السلام کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تھا اور یہ خطرہ تھا کہ کہیں مقتدی آپ سے پہلے سجدہ میں نہ پہنچ جائیں، حالانکہ امام سے قبل کسی رکن میں جانا ممنوع ہے، لہذا اصحاب کرام اس امر کا بہت خیال رکھتے تھے، اور اسی لئے یہ مسئلہ بھی ہے کہ مقتدی ایک ہو تو اسے امام سے کچھ پیچھے رہنا چاہئے، تاکہ آگے ہو جانے کا احتمال نہ رہے کیونکہ آگے ہو جانے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ضروری نوٹ: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۳۰۹ بحث تقدم المأموم میں لکھا کہ برخلاف دیگر مذاہب ائمہ کے مالکیہ کے نزدیک اقتدا کے لئے تقدم امام شرط نہیں ہے۔ لہذا اگر مقتدی امام سے آگے ہو کر بھی نماز پڑھے گا تو اس کی نماز جماعت سے درست ہو جائے گی البتہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کثرت زائرین کے وقت دیکھا گیا کہ بہت سی صفیں مسجد نبوی سے آگے سمت قبلہ میں بھی ہو جاتی ہیں لہذا یاد رہے کہ بجز مالکیہ کے دوسروں کی نمازیں درست نہ ہوں گی۔

## باب السجود علی الانف

### ناک کے بل سجدہ کرنے کا بیان

۷۷۲: حدثنا معلى بن اسد ثنا وهيب عن عبد الله بن طائوس عن ابيه عن ابن عباس قال قال النبي صلى الله عليه وسلم امرت ان اسجد على سبعة اعظم على الجهة و اشار بيده الى انفه واليدين والركبتين و اطراف القدمين ولا تكفت الثياب والشعر

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں کے بل سجدہ کروں، پیشانی کے بل اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی ناک اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور پیروں کی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا، اور (یہ بھی فرمایا، کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نماز میں) کپڑوں اور بالوں کو نہ بيمشیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ سے جو روایت پیشانی کے بغیر صرف ناک پر سجدہ کرنے کے جواز کی ہے، اس سے

رجوع بھی ثابت ہوا ہے، لہذا صاحبین کی طرح امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہوا کہ بغیر کسی عذر کے اس طرح کرنے سے نماز نہ ہوگی، علامہ عثمانی نے لکھا کہ تینوں اکابر حنفیہ میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ امام اعظم بھی اقتصار علی الانف کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں جو کہ ترک واجب کی صورت میں ہوتا ہے اور صاحبین کا قول عدم جواز کا مطلب بھی عدم حلت ہے جو کہ اہم تحریمی کو مقتضی ہے لہذا پیشانی پر سجدہ کرنا بالاتفاق واجب ہوا اور وہی حدیث و آثار کا بھی مقتضی ہے۔

حافظ نے جوابن المندرسے اجماع نقل کیا صرف انف پر عدم جواز سجدہ کا، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ معتد بہ طریقہ پر نماز درست نہ ہوگی۔ (فتح البکرم ص ۲۱۹۸)

### حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد

آپ نے لامع میں فرمایا:۔ حدیث میں آتا ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کیا جائے جن میں پیشانی کی صراحت ہے لیکن حدیث الباب میں سات کے بعد پیشانی کیساتھ اشارہ ناک کی طرف بھی فرمایا، اور پیشانی پوری زمین پر رکھی جائے گی تو ناک بھی ضرور اس کے ساتھ ٹکے گی، نہ ٹکے گی تو پیشانی کا بھی کچھ حصہ ٹکنے سے باقی رہ جائے گا، لہذا اشارہ سے یہ بتلایا گیا کہ پیشانی پر سجدہ کی تکمیل جب ہی ہوگی کہ ناک بھی ساتھ رکھی جائے۔ محقق ابن وقیف العید نے فرمایا کہ حدیث الباب کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے پیشانی اور ناک کا بمنزلہ عضو واحد ہونا ثابت ہوا، ورنہ اعضاء جمود آٹھ ہو جاتے، لیکن اس میں نظر ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا۔ کہ سجدہ میں ناک پر بھی اکتفا کرنا جائز ہو جیسا کہ پیشانی کے کچھ حصہ پر بھی جائز ہے، اور اس سے امام ابوحنیفہؒ کے لئے استدلال کیا گیا ہے، لیکن جمہور کا مسلک اگرچہ پیشانی پر جواز اکتفا کا ہے، تاہم امام احمد و اہل حق وغیرہم پیشانی و ناک ایک ساتھ دونوں ہی پر سجدہ کو واجب کہتے ہیں، اور یہ امام شافعی کا بھی ایک قول ہے۔ (الابواب ص ۲۱۹۶) قوله ولا نکفت العیاب:۔ ممانعت نے بتلایا کہ کپڑے اور بال بھی سجدہ کرتے ہیں، اور آگے امام بخاری ایک باب عقد العیاب کا بھی لائیں گے، تاکہ اس ممانعت کو عام اور مطلق نہ سمجھا جائے، کیونکہ انکشاف ستر کا اندیشہ ہوگا تو کپڑے کو روکنا بھی پڑے گا۔

## باب السجود علی الانف فی الطین

### (ناک کے بل سجدہ کرنے کا بیان)

۷۷۳: حدثنا موسىٰ لناهمام عن يحيى عن ابي سلمة قال انطلقت الي ابي سعيد الخدري فقلت الا تخرج بنا الى النخل لتحدث فخرج قال قلت حدثني ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم في ليلة القدر قال اعتكف رسول الله صلى الله عليه وسلم العشر الاول من رمضان واعتكفنا معه فاتاه جبريل فقال ان الذي تطلب امامك فاعتكف العشر الاوسط واعتكفنا معه فاتاه جبريل فقال ان الذي تطلب امامك فقام النبي صلى الله عليه خطيباً صبيحة عشرين من رمضان فقال من كان اعتكف مع النبي فليرجع فاني رايت ليلة القدر واني نسيتهما وانها في العشر الاواخر في وتر واني رايت ... كاني اسجد في طين وماء وكان سقف المسجد جريد النخل ومانرى في السماء شيئاً فجاءت فرقة فامطرونا فصرى بنا النبي صلى الله عليه وسلم حتى رايت اثر الطين والماء على جبهة رسول الله صلى الله عليه وسلم واربته تصديق رؤياه



ترجمہ ۷۴:۔ حضرت ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس گیا، اور میں نے ان سے (کہا کہ آپ ہمارے ساتھ (فلاں) درخت کی طرف کیوں نہیں چلتے، تاکہ ہم ذکر و تذکرہ کریں، پس وہ نکلے، ابوسلمہ کہتے ہیں، میں نے کہا کہ مجھے سے بیان کیجئے کہ نبی کریم ﷺ سے آپ نے شب قدر کے بارے میں کیا سنا ہے وہ بولے کہ رسول خدا ﷺ نے (ایک بار) رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا، اور ہم لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا (اس عرصہ میں) جبریل آپ کے پاس آئے اور کہا کہ جس کی آپ کو تلاش ہے (یعنی شب قدر) اس عشرہ کے آگے ہے۔ لہذا آپ نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف فرمایا، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ پھر جبریل آپ کے پاس آئے اور کہا کہ جس کی تمہیں تلاش ہے وہ اس عشرہ کے آگے ہے، پس بیسویں رمضان کی صبح کو آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جس نے نبی (ﷺ) کے ساتھ اعتکاف کیا ہو، وہ دوبارہ پھر کرے، کیونکہ میں نے شب قدر کو دیکھ لیا، لیکن میں اسے بھول گیا، اور اب صرف اتنا یاد ہے کہ وہ آخر عشرہ میں طاق رات میں ہے، اور میں نے (خواب میں) یہ دیکھا کہ گویا میں مٹی اور پانی میں سجدہ کر رہا ہوں، اور (اس وقت تک) مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے پٹی تھی، اور (اس وقت) ہم آسمان میں کوئی چیز ابرو وغیرہ نہ دیکھتے تھے، اتنے میں ایک کھڑا بادل کا آیا، اور ہم پر پانی برساتا تو نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، یہاں تک کہ میں نے کچھ کا نشان رسول خدا ﷺ کی پیشانی، اور آپ کی ناک پر دیکھا، یہ آپ کے خواب کی تصدیق تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کچھ زیادہ دل ایسی ہو کہ اس میں چہرہ دھنس جائے تو سجدہ صحیح نہ ہوگا، لہذا نماز کو مؤخر کر دے۔

علامہ بخاری اور حافظ نے لکھا کہ یہ ترجمہ پہلے ترجمہ سے انصاف ہے، اور اس سے ناک پر سجدہ کے تاکد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود عذر کے بھی اس کو حضور علیہ السلام نے ترک نہیں کیا۔ بظاہر ترجمہ کی غرض یہی معلوم ہوتی ہے۔ مگر سابق ترجمہ میں امام بخاری نے اختلاف کی طرف اشارہ کیا تھا، اس لئے ممکن ہے یہ بتلانا ہو کہ باوجود اختلاف کے بھی سجدہ علی الانف ہر مومکد ہے، تاکہ بلا عذر کے ترک نہ کیا جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب عقد الثیاب و شدھا ومن ضم

### الیہ ثوبہ اذا خاف ان تنکشف عورتہ

۷۷:۔ حدثنا محمد بن کثیر انا سفیان عن ابی حازم عن سہل بن سعد قال کان الناس یصلون مع النبی

صلی اللہ علیہ وسلم وہم عافدوا ازہم من الصبر علی رقابہم فقیل للنساء لا ترفعن رء و سکن حتی

یسعی الرجال جلو ساً

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور وہ اپنے تہبندوں کو چھوٹے ہونے کے سبب سے اپنی گردنوں پر باندھے ہوئے ہوتے تھے اور عورتوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب تک مرد سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جائیں، اس وقت تک تم اپنے سر (سجدے سے) نہ اٹھانا۔

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا:۔ امام بخاریؒ یہاں دو باب لائے ہیں، جن کا تعلق ابواب ثیاب سے تھا اور ابواب ثیاب میں دو باب جہیزہ صلوٰۃ کے لائیں گے باب اذا لم یتم السجود اور باب یدئ ضجیہ، بعض نے کہا کہ لکھنے والوں کی غلطی سے ایسا ہو گیا، مگر میرے نزدیک یہ لفظ بخاریؒ میں سے ہے کہ وقت نظر اور ذہنوں کی تیزی و تربیت کے لئے وہ ایسا کیا کرتے ہیں، اس کے بعد

توجہ اور مناسبت نکال لینا آسان ہے، اور یہاں عقدِ ثیاب کا جواز بتلانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دوسری حدیث میں کعبِ ثیاب کی ممانعت وارد ہے، جو اس لئے ہے کہ وہ بھی سجدہ کرتے ہیں اور ان کے روکنے کیلئے میں دھیان بھی بنتا ہے جو خشوع و خضوع صلوٰۃ کے منافی ہے اور عقدِ ثیاب کا جواز کعبِ عورت سے بچنے کے لئے ہے کہ ایسی نیت بھی نہ آجائے۔

پھر یہ کہ امام بخاری نے کعبِ شعر کو تو مطلق رکھا اور کعبِ ثیاب کو نماز کے ساتھ مقید کیا، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حسب تصریح علامہ یعنی داؤدی اس کے قائل ہیں کہ حدیث سے کعبِ شعر و ثیاب کی ممانعت نماز کے اندر کی ہے، جس کو قاضی عیاض نے رد بھی کیا اور جمہور بھی اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دونوں باتیں مکروہ ہیں خواہ پہلے کر کے نماز پڑھے یا نماز کے اندر کرے (عمدہ ص ۳۱۵۵) امام بخاری نے بظاہر داؤدی کی بات ثیاب کے بارے میں اختیار کر لی ہے، تاہم اس بارے میں سب متفق ہیں کہ ان دونوں کے نماز میں کرنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (الابواب ص ۲۱۳۹)

قولہ لا ترفعن: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ ستر میں شرعاً اعتباری نفہ تسمت کا ہے، لہذا اگر کوئی دوسرا اس کے باوجود بھی غور و تعمق کر کے کسی کا ستر دیکھ لے تو وہ گنہگار ہوگا، یا نہ ہوگا، اور یہ مسئلہ کپڑوں کی وسعت و فراخی کے وقت کے لئے ہے، ورنہ حدیث میں جو ذکر ہے وہ تو بہت تنگی و کمی کا دور تھا جیسا کہ راوی حدیث مسلم نے اس کی صراحت کی ہے۔

## باب لایکف شعراً

(نماز میں بالوں کو نہ روکے)

۷۷۵: حدثنا ابو النعمان ثنا حماد بن زید عن عمرو بن دينار عن طاؤس عن ابن عباس قال امر النبي

صلی اللہ علیہ وسلم ان یسجد علی سبعة اعظم ولا یکف شعراً ولا ثوبه

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کو (خدا کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا تھا، کہ سات ہڈیوں کے بل سجدہ کریں (اور نماز پڑھنے میں) نہ اپنے بالوں کو روکیں اور نہ کپڑا (سنبھالیں)۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالوں کو اس لئے نہ روکے کہ وہ بھی سجدہ کرتے ہیں، چونکہ اس کے لئے حدیث امام بخاری کی شرط پر نہ تھی، اس لئے جو علیٰ سبعة اعظم اور کعبِ شعر کی حدیث لائے، جس سے اشارہ کیا کہ یہ ساتوں اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں لہذا یہ نہیں کہ انسان تو سجدہ کرے گا اور یہ اعضاء بخود صرف ذریعہ وجود ہوں گے۔ لہذا سر کے بال بھی سر کے ساتھ سجدہ کریں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ نماز میں سجدہ مقدسہ کے اندر ہونی چاہئے، اور عرب کے لوگ بال چھوڑے رکھتے تھے، اس لئے بالوں کو سر پر باندھنے کی صورت ان کے یہاں بھی مستحسن نہ تھی، لہذا اس سے روکا گیا۔ (شرح تراجم ابواب البخاری ص ۲۵) مگر جب بالوں کو چھوڑے رکھنے کا استحسان اس لئے ہوا کہ وہ بھی سجدہ کرتے ہیں، تو اگر کسی وقت لوگ بالوں کے باندھنے کو بھی مستحسن سمجھنے لگیں تب بھی شرعی استحسان تو ارسال ہی رہے گا، لہذا نماز کے معاملہ کو خارجی عادات و استحسان کے ساتھ مرتبط نہ کیا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔

## باب لایکف ثوبه فی الصلوٰۃ

(نماز میں کپڑا نہ سمیٹے)

۷۷۶: حدثنا موسى بن اسمعيل ثنا ابو عوانة عن عمرو بن طاؤس عن ابن عباس عن النبي صلی اللہ

علیہ وسلم قال امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف شعراً ولا ثوباً

ترجمہ ۷۷۶: حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور نہ بالوں کو سمیٹوں نہ کپڑے کو۔

تشریح: ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ ضرورت ستر وغیرہ کے لئے کپڑوں کو روکنے اور سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ستر عورت فرض ہے، اس کی رعایت مقدم ہے، یہاں بتلایا کہ دوسرے حالات میں کپڑوں کو اپنی حالت پر ہی رہنے دیا جائے، اور ان کو روکنے سمیٹنے کی طرف خیال و توجہ صرف نہ کی جائے۔

## باب التسبیح والدعاء فی السجود

### سجدوں میں دعا اور تسبیح کا بیان

۷۷۷: حدثنا مسدد قال لنا يحيى عن صفين قال حدثني منصور عن مسلم عن مسروق عن عائشة

قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يكثر ان يقول في ركوعه وسجوده سبحانك اللهم ربنا

وبحمدك اللهم اغفر لي بقاؤ القرآن

ترجمہ ۷۷۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اکثر اپنے رکوع اور اپنے سجدوں میں کہا کرتے تھے سبحانک اللهم وبحمدک ربنا وبحمدک اللهم اغفر لی بقاؤ القرآن آپ قرآن کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ سے متعدد مواضع کے اندر دعائیں ثابت ہیں، تحریرہ کے بعد قراءت سے قبل، قراءت کے بعد رکوع سے پہلے، رکوع میں، قومہ میں، سجدہ میں، دونوں سجدوں کے درمیان تشہد کے بعد سلام سے قبل، طہرائی کی روایت سے معلوم ہوا کہ فاتحہ کے بعد آمین تین بار کہی، اور ایک طرح یہ وارد ہوا کہ آمین کے بعد آپ نے اللھم اغفر لی کہا۔ پھر یہ کہ اگر کوئی مواضع مشہورہ کے علاوہ بھی دعا کرے تو اس کی بھی شارح نے تحسین کی ہے، اور کوئی ناپسندیدگی اس پر ظاہر نہیں کی، ہمارے فقہاء میں سے محقق ابن امیر الحاج نے لکھا کہ ادعیہ واذا کرب نمازوں میں درست ہیں، اور فرائض میں بھی بشرطیکہ مقتدیوں پر گرائی نہ ہو، اور فرض نمازوں میں چونکہ تخفیف کی رعایت کی گئی ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا، اس لئے ادعیہ واذا کار کا اجراء ان میں نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ان کا ذکر بھی کتب فقہ میں ترک ہو گیا اور صرف لو اقل میں ان کا ذکر رہ گیا، کیونکہ وہ متفعل کی مرضی پر ہیں، جتنا چاہے ان کو طول دے سکتا ہے، اسی سے ترقی کر کے ایسا بھی ہوا کہ بعض کتب فقہ میں مکتوبات و فرائض کے اندر واذا کار و ادعیہ کو مکروہ یا ناجائز بھی لکھ دیا گیا۔ حالانکہ وہ صرف اس وقت ہے کہ قوم پر بار ہوں۔ ورنہ نہیں چونکہ اس سے حنفیہ کے یہاں ادعیہ واذا کار کا باب بہت محدود اور تنگ ہو جاتا ہے، اور یہ حدیث کے بھی خلاف ہے، اس لئے تنبیہ کی ضرورت ہوئی۔ حضرتؒ نے اس تقریب سے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے حضرات میں سے شیخ ابن ہمامؒ کی مطرود عادت ہے کہ وہ حنفیہ کے اقوال میں سے اس قول کو اختیار کرتے ہیں جو احادیث کے موافق ظاہر۔

### شیخ ابن الہمام اور شاہ صاحبؒ کی مماثلت

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی ہو یہ ہوائی ہی عادت تھی، وہ بھی ہر وقت حدیث نبویؐ صحیح و قوی کا قرب ڈھونڈتے تھے، اور کسی تاویل بعید کو پسند نہ کرتے تھے، کاش! ہمارے زمانہ کے حضرات اساتذہ و شیوخ حدیث بھی اسی روش کو اپنائیں کہ یہی طریقہ الحق و اسلم بھی ہے۔ حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے نزدیک مفرد کے لئے رکوع و سجود میں دعا کی بھی اجازت ہے۔

قوله يتناول القرآن: فرمایا سورۃ نصر میں جو حضور علیہ السلام کے لئے استغفار کا حکم ہوا تھا، یہ اس کی تعمیل تھی کہ حسب روایت حضرت عائشہؓ حضور علیہ السلام نے تسبیح و استغفار کی آخر زمانہ میں رکوع و سجود میں بھی بہت کثرت کی تھی، اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے بھی اس کا وظیفہ کرتے تھے، کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کو قریب وفات کی خبر دی گئی تھی، اور اب بھی کوئی آخر عمر میں اس طرح کرے تو یہ اتباع سنت ہوگا، اور کوئی اگر یہ کہے کہ ایسا حکم صرف حضور علیہ السلام کے لئے تھا، ہمارے لئے نہیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بعض امالی میں سورۃ نصر کی جگہ سورۃ فتح لکھا گیا ہے، وہ صحیح نہیں کیونکہ سورۃ فتح ۲۶ ویں پارہ میں ہے۔

## باب المکث بین السجدتین

### دونوں سجدوں کے درمیانی ٹھہرنے کا بیان

۷۷۸: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد عن ايوب عن ابى قلابه ان مالک ابن الحويرث قال لاصحابه الا انبئکم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وذاك فى غير حين صلوة فقام ثم ركب فکبر ثم رفع رأسه هنيةً فصلی صلوة عمرو بن سلمة شيخنا هذا قال ايوب كان يفعل شيئاً لم اراهم يفعلونه كان يقعد فى الثالثة والرابعة فأتينا النبی صلی الله عليه وسلم فاقمنا عنده فقال لو رجعتم الی اهلکم صلوا صلوة کذا فی حين کذا صلوة کذا فی حين کذا فاذا حضرت الصلوة فلیؤذن احدکم وليؤمکم اکبرکم

۷۷۹: حدثنا محمد بن عبد الرحيم قال حدثنا ابو احمد محمد بن عبد الله الزبيری قال حدثنا مسعر عن الحكم عن عبد الرحمن بن ابي لیلی عن البراء قال كان سجود النبی صلی الله عليه وسلم ورکوعه وقعوده بین السجدتین قریباً من السواء

۷۸۰: حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زيد عن ثابت عن انس بن مالک قال الی لا الوان اصلی بکم کما رایت النبی صلی الله عليه وسلم یصلی بنا قال ثابت کان انس بن مالک یصنع شيئاً لم اراکم تصنعونه

کان اذا رفع رأسه من الرکوع قام حتى یقول القائل قدسوی و بین السجدتین حتی یقول القائل قدسوی

ترجمہ ۷۷۸:۔ حضرت ابو قلابہ روایت کرتے ہیں کہ مالک بن حویرث نے اپنے دوستوں سے کہا کہ کیا میں تمہیں رسول خدا ﷺ کی نماز (کی کیفیت) بتاؤں، ابو قلابہ کہتے ہیں، وہ وقت کسی فرض نماز کا نہ تھا، لہذا وہ کھڑے ہو گئے، پھر انہوں نے رکوع کیا اور تکبیر کی اس کے بعد اپنا سر اٹھایا، اور تھوڑی دیر کھڑے رہے اس کے بعد سجدہ کیا، پھر تھوڑی دیر کھڑے رہے اس کے بعد سجدہ کیا، پھر تھوڑی دیر اپنا سر اٹھائے رکھا، اس کے بعد سجدہ کیا، پھر تھوڑی دیر اپنا سر اٹھائے رکھا، پس انہوں نے ہمارے اس شیخ یعنی عمرو بن سلمہ کی جیسی نماز پڑھی، ایوب کہتے ہیں کہ وہ ایک بات ایسی کرتے تھے کہ ہم نے اور لوگوں کو اسے کرتے ہوئے نہیں دیکھا تیسری یا چوتھی رکعت میں بیٹھتے تھے (مالک بن حویرث) کہتے ہیں کہ ہم اسلام لانے کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کی خدمت میں قیام کیا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل و عیال میں واپس جاؤ، تو اس طرح ان اوقات میں نماز ادا کیا کرتا، لہذا جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان کہہ دے، اور تم میں کا بڑا تمہاری امامت کرے۔

ترجمہ ۷۷۹:۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ کا سجود اور آپ کا رکوع، اور آپ کا بیٹھنا دونوں سجدوں کے درمیان میں

(مضموناً) تقریباً برہی ہوتا تھا۔

ترجمہ ۷۸۰: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ میں اس بات میں کمی نہ کروں گا کہ تمہیں ویسی ہی نماز پڑھاؤں جیسی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو پڑھاتے دیکھا ہے، ثابت کہتے ہیں کہ انس بن مالک ایک بات ایسی کرتے تھے کہ میں نے تم لوگوں کو وہ عمل کرتے نہیں دیکھا وہ جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے اتنا کھڑے رہتے کہ کہنے والا کہتا کہ وہ (سجدہ کرنا) بھول گئے اور دونوں سجدوں کے درمیان میں (اتنی دیر تک بیٹھے رہتے تھے) کہ دیکھنے والا سمجھتا کہ وہ (دوسرا سجدہ) کرنا بھول گئے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ قال ایوب الخ سے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت درجہ غفلت میں آ گیا تھا اور اس پر عمل بہت کم ہو گیا تھا، تاہم روایات میں اس کے ثبوت سے انکار بھی نہیں ہو سکتا، علامہ طوائی نے اس کا جواز بھی تسلیم کیا ہے اور ہم نے جس نے اس کو مکروہ کہا ہے وہ طوالت پر محمول ہے کہ قدر متعاد سے زیادہ دیر تک کیا جائے، ورنہ کراہت یا عدم جواز کا قول حدیث ہوگا۔ شافعیہ سے بھی تطویل اعتدال کی ممانعت منقول ہے بلکہ انہوں نے اس کو مفسد صلوٰۃ بھی کہا ہے۔ (الابواب ص ۲۸۹۲)

حضرتؒ نے فرمایا:۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ اکثر حدیثوں میں جلسہ استراحت نہیں ہے، حافظ نے کہا کہ بعد کو امام احمد نے اس سے رجوع کر لیا تھا، میں کہتا ہوں کہ آخر عمر میں امام احمدؒ نے ضعف کے باعث جلسہ استراحت کیا ہوگا، جس کو حافظؒ نے رجوع بنا لیا۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ جلسہ استراحت سبب راجب نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات میں بوقت ضرورت ایسا ہوا ہے۔

## باب لا یفتش ذراعیہ فی السجود وقال ابو حمید سجد

### النبی ﷺ ووضع یدیه غیر مفتش ولا قابضھما

۷۸۱: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة قال سمعت قتادة عن انس بن

مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعتدلوا فی السجود ولا یسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب

ترجمہ ۷۸۱:۔ حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، سجدوں میں اعتدال کرو، اور کوئی شخص اپنی دونوں کہیاں (زمین پر) جس طرح کہ کتا بچھالیتا ہے، نہ بچھائے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ ابو داؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سجدہ کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ اوپر سے اٹھے ہوئے ہوں اور نیچے سے پست ہوں، افتراش کی صورت میں ظاہر ہے کہ یہ صورت ندر ہے گی تو ان کا سجدہ بھی متصور نہ ہوگا، دوسرے یہ بھی ہے کہ حدیث سے نماز میں بری ہیئت اور حیوانات کے ساتھ شبہ کو پسند کیا گیا اور افتراش (کہیاں بچھا کر سجدہ کرنے) سے کتنے کی مشابہت ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص عقب و چھکن کی وجہ سے تراویح کی نماز میں ایسا کرے تو اس کیلئے گنجائش ہے۔

## باب من استوی قاعداً فی وتر من صلوٰتہ ثم نہض

### (نماز کی طاق رکعت میں سیدھے بیٹھنے پھر کھڑے ہونے کا بیان)

۷۸۲: حدثنا محمد بن الصباح قال اخبرنا هشیم اخبرنا خالد بن الحذاء عن ابی قلابہ قال اخبرنی

مالک بن الحویرث اللیثی انه رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فاذا کان فی وتر من صلوٰتہ لم

ینھض حتی یتوی قاعداً

ترجمہ ۸۲: حضرت لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو (کیا دیکھا کہ) جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تھے تو جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے تھے۔ کھڑے نہ ہوتے تھے۔

تشریح: حضرت نے فرمایا:۔ اب امام بخاری نے صراحت کے ساتھ جملہ استراحت کا عنوان قائم کر دیا ہے، اور حافظ نے سمجھا کہ یہی امام کا مختار بھی ہے اور ان کے نزدیک سنت ہے، میرے نزدیک سنت ہونے کا حال تو اوپر ایوب کے قول سے معلوم ہو چکا ہے اور امام احمد کے اس قول سے بھی کہ احادیث میں اس کے لئے بہت کم ثبوت ہے، اور خود امام احمد بھی اس پر عمل نہیں کرتے تھے، اگرچہ آخر عمر میں بوڑھا پے کے عذر کی وجہ سے کیا ہے، اور یہ امام بخاری کا بھی مختار ہونا ضروری نہیں، نہ انہوں نے اس کی صراحت کی اور نہ کوئی اور دلیل اس پر ہے، بلکہ باب من استوی کے من سے تو اشارہ اس طرف ہوا کہ دوسرے لوگوں کے مختار کی دلیل پیش کرنا چاہتے ہیں، اور جب کسی مسئلہ میں نظر دائر و سائر ہوتی ہے تو امام بخاری اسی طرح عنوان قائم کیا کرتے ہیں اور اپنے اوپر اس کی ذمہ داری نہیں لیتے۔

دوسرے ہم پہلے بھی بتلا چکے ہیں کہ جملہ استراحت کو اختیار کرنا اس لئے بھی مکمل تامل ہے کہ جملہ کے بعد اگر اٹھتے ہوئے بکیر نہ کہے گا تو خلاف سنت معبودہ ہوگا کیونکہ ہر رفع و خفض میں بکیر ہے، اگر کہے گا تو بکیرات مقررہ سے تعداد بڑھ جائے گی اور اگر سجدہ سے اٹھتے ہوئے جو بکیر کئی تھی اسی کو اتنا طویل کرے گا کہ وہ جملہ میں بھی رہے اور اس سے اٹھنے کے وقت تک بھی چلتی رہے تو اس میں دشواری ہے، یہ سب بے اصولی کا ارتکاب محض اس لئے ہوگا کہ نماز کا جملہ استراحت فمول میں رہا ہے اور جو چیز خال و نادر ہوتی ہے اس کے لئے بحث و تحقیق، اور تاویل و تفریع نہیں ہوا کرتی، جیسے کہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کے مسائل میں بھی یہی صورت پیش آئی ہے۔

### تفصیل مذہب و تحقیق مزید

امام ترمذی نے سجدہ سے اٹھنے کی کیفیت متلائفہ کے لئے باب قائم کیا اور اس کیلئے مالک بن الحویرث کی حدیث الباب بخاری پیش کی پھر لکھا کہ اسی پر بعض اہل علم اور ہمارے اصحاب کا عمل ہے، پھر دوسرا باب قائم کر کے حدیث ابی ہریرہؓ ذکر کی جس میں حضور علیہ السلام کے سجدہ کے بعد بغیر جملہ استراحت کے کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اور لکھا کہ اس پر بھی اہل علم کا عمل ہے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام بخاری نے چونکہ عنوان باب من استوی سے قائم کیا ہے، اس لئے حضرت شاہ صاحب کا رجحان ہے کہ یہ ان کے اختیار اور رجحان کی دلیل نہیں، کیونکہ وہ عام طور سے اس طرح جب کرتے ہیں کہ خود اپنا مختار نہ ہو لہذا دوسروں کا مختار نقل کرتے ہیں۔ معارف السنن میں جو ہرقی اور تمہید ابن عبد البر سے نقل کیا کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ ان کے اصحاب اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے بغیر جلوس کے کھڑا ہو جائے اور یہی حضرت ابن مسعود، ابن عمر و ابن عباس و ابو سعید و ابن زبیر کا مختار ہے، ابو الزناد اور نعمان بن ابی عیاش نے کہا کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ اور یہی امام احمد و ابن راویہ کا مذہب ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے، اثرم نے کہا کہ میں نے امام احمد کو دیکھا کہ سجدہ کے بعد اپنے پیروں کے پنجوں پر اٹھ جاتے تھے، اور اٹھنے سے قبل جلوس نہیں کرتے تھے۔

ان سب حضرات کی دلیل حدیث ابی حمید و حدیث رفاعہ بن رافع ہے اور ابن ہبہم کی ”لو اور المظاہر“ میں اس پر اجماع نقل کیا اور صرف امام شافعی کا اختلاف بتلایا۔ علامہ موفق ضلی نے المغنی ص ۱۸۵ میں حضرت عمر و علی سے بھی جملہ استراحت کا ترک نقل کیا۔ حضرت علامہ کشمیری نے اپنی تعلیقات آثار السنن میں بحوالہ ”سعیہ“ محمد والد بن ابن تیمیہ (جد قی الدین ابن تیمیہ) سے صحابہ کا اجماع ترک جملہ استراحت پر نقل کیا۔ غرض یہی امام ابو حنیفہ و مالک و جمہور کا مختار ہے اور امام احمد سے بھی مشہور روایت و عمل ترک ہی کا منقول ہے اور جن

حضرات نے ان کا رجوع لقل کیا وہ بوجہ عذر آخری عمر کا فعل ہوگا جیسا کہ مالک بن الحویرث کی روایت کے لئے بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے کسی بیماری کے وقت یا آخری عمر وضعف کے وقت حضور علیہ السلام کا فعل دیکھ کر روایت کیا ہے، کیونکہ وہ صرف بیس ۲۰ دن حضور کی خدمت میں رہے تھے، اسی لئے ان کی تائید میں شواہد بھی، ترک کے شواہد سے کم ہیں۔

علامہ عینی نے عمدہ ص ۳۰ ۲۸ میں علامہ سفاقی کے حوالہ سے ابو عبد الملك کا قول نقل کیا کہ امام شافعی کے جلسہ استراحت والی بات کیا اہل مدینہ سے نقلی رہتی جبکہ انہوں نے دس سال تک حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں، اور حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور دوسرے صحابہ و تابعین نے بھی ان کو نمازیں پڑھائی ہیں، ایسی بڑی بات ان سب سے چھپی رہتی، یہ بہت ہی مستبعد امر ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اگر امام احمد کا رجوع صحیح ہوتا تو ان کے اصحاب کیوں جلسہ استراحت کو ترک کرتے؟ البتہ اتنی بات ممکن ہے کہ انہوں نے حدیث مالک بن الحویرث کی وجہ سے اس کی کراہت سے رجوع کر کے اباحت کا قول اختیار کر لیا ہو، لہذا سیبہ جلسہ کی طرف رجوع پھر بھی نہ ہوگا۔ (معارف ص ۸۷ ۳۱۷)

### علامہ شوکانی کا استدلال و جواب

آپ نے لکھا کہ مالک بن الحویرث بے جلسہ استراحت کی مشروعیت نکلتی ہے، امام شافعی کا مشہور مذہب یہی ہے اور امام احمد سے دو روایت ہیں، خلال نے کہا کہ انہوں نے جلسہ کی طرف رجوع کر لیا تھا، اور اکثر حضرات نے اس کو مستحب نہیں سمجھا، ان کی دلیل نعمان بن ابی عیاش کا قول ہے کہ میں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا کہ وہ بغیر جلسہ کے سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے، لیکن یہ قول اس کے سنت ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے حضور علیہ السلام نے اور صحابہ نے بھی بعض حالات میں ترک کیا ہوگا، جس سے صرف وجوب کی نفی ہوگی اور سیبہ باقی رہے گی۔ (بستان الاحبار ص ۱۸۳۷)

اعلاء السنن ص ۳۱۵۱ میں علامہ شوکانی کا نثر الاوطار ص ۱۱۶۴ سے یہ قول نقل کیا: ہم نے شرح حدیث مسنی المصلوٰۃ میں بتلایا تھا کہ جلسہ استراحت کا ذکر بخاری وغیرہ میں بھی ہے (اور علامہ نووی کا اس سے انکار کرنا غلط ہے، اس لئے ذکر رد المحتار بخاری سے وجوب پر بھی ہم استدلال کر سکتے ہیں مگر چونکہ خود امام بخاری نے ہی اس کے ذکر کو وہم بھی قرار دے دیا ہے، اور ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ وجوب کا قائل کوئی بھی نہیں ہوا ہے، اس لئے وجوب کا قول نہیں کر سکتے، یعنی سیبہ پھر بھی باقی رہی۔

مگر ظاہر ہے کہ ایسے معاملات میں جو زمانہ نبوت و بعد نبوت میں رات دن بہ کثرت پیش آئے ہیں، اختلاف کے موقع پر سب سے بہتر فیصلہ تعامل صحابہ و تابعین و سلف سے ہی ہو سکتا ہے اور وہ جمہور کے حق میں ہے۔

### صاحب عون المعبود کا استدلال و جواب

اعلاء السنن ص ۳۱۵۲ میں صاحب عون کا کلام کا ہاتھ حدیث ابن عمر نقل کر کے ان کے قلعہ علم بار جال اور متحدہ غلطیوں کو ثابت کیا گیا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

### صاحب تحفۃ الاحوذی کا نقد و جواب

آپ نے شرح ترمذی شریف مذکور ص ۱۲۳۷ میں لکھا کہ امام احمد سے دو روایتیں ثابت ہیں جن کو صاحب المغنی اور صاحب شرح کبیر ابو الفرج شمس الدین مقدسی نے نقل کیا اور ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا کہ خلال نے بیان کیا کہ امام احمد نے جلسہ استراحت کے مسئلہ میں حدیث مالک بن الحویرث کی طرف رجوع کر لیا تھا پھر لکھا کہ ”بعض حنفیہ نے تعلیقات ترمذی میں حافظ ابن حجر و ابن القیم سے امام

احمدؒ کے رجوع کی بات نقل کر کے کہا کہ میرا گمان ہے انہوں نے رجوع نہ کیا ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے گمان مذکور کا منشا محض تقلید ہے کیونکہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر جایا کرتی ہے تو اس سے ایسے ہی غلطوئیں فاسدہ پیدا ہوا کرتے ہیں۔ (واضح ہو کہ یہ تعریض حضرت علامہ کشمیریؒ اور العرف اللہی کی طرف ہے) اس پر صاحب معارف السنن نے لکھا کہ علامہ مبارکپوری نے عبارت مفتی و شرح کبیری نقل میں خیانت کی کہ ان کا کچھ حصہ نقل کر دیا اور کچھ چھوڑ دیا تاکہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ امام احمدؒ نے اثبات جلسہ استراحت کو ہی اختیار کر لیا تھا اور موفق و ابوالفرج و مارونی سے نقل کیا کہ وہ سب حدیث مالک بن الحویرثؒ کو حلیہ عذر پر محمول کرتے تھے، جیسا کہ حدیث ابی بدنت اور ترج ابن عمرؒ حلیہ عذر پر محمول ہیں۔ اور موفق نے یہ بھی لکھا کہ جمع بین الاخبار اور توسط بین القولین کے لئے یہی بہتر ہے۔ پھر لکھا کہ ابن القیم نے بھی رجوع کی بات ضرور نقل کی ہے مگر ساتھ ہی انہوں نے امام احمدؒ کے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور وہ عبارت بھی صاحب تحفہ نے چھپادی ہے، (کیا یہی اہل علم کا شیوہ ہے، جو اپنے آپ کو بڑے فخر کے ساتھ سلفی بھی کہتے ہیں) علامہ ابن القیمؒ کی زاد المعاد میں پوری عبارت یہ ہے:-

”سجدہ کے بعد حضور ﷺ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے، اسی طرح وائل اور ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے، البتہ مالک بن الحویرثؒ کی روایت سے جلسہ استراحت معلوم ہوتا ہے، اس لئے فقہاء میں اختلاف ہوا کہ آیا یہ نماز کی سنتوں میں سے ہے جس کو ادا کرنا چاہئے یا صرف عذر والے بوزھوں، ضعیفوں، بیماروں کو ایسا کرنا چاہئے۔ ضرورت کی وجہ سے۔ امام احمدؒ سے دو قول منقول ہیں۔ ایک ہی بھی ہے کہ انہوں نے مالک بن الحویرثؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، لیکن ان تمام حضرات نے جنہوں نے نماز کی پوری کیفیت و طریقہ نقل کیا ہے انہوں نے جلسہ استراحت کو نقل نہیں کیا ہے، صرف ابوجہد و مالک بن الحویرثؒ کی حدیثوں میں اس کا ذکر آیا ہے، اور اگر حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ ہمیشہ جلسہ استراحت کرنے کی ہوتی تو ہر شخص نماز کی صفت بیان کرنے والا اس کا ذکر بھی ضرور کرتا، باقی صرف آپؐ سے اس کا ثبوت یہ نہیں ملتا تاکہ وہ سنن نماز میں سے ہے الا جبکہ اس کا فضل بطور سند مقتدی بہا کے ثابت ہو۔ لہذا اگر یہ مان لیا جائے کہ اس کو آپؐ نے کسی ضرورت کے تحت کیا ہے تو اس کا سنن صلوٰۃ میں سے ایک سنت بن جانا تحقیق نہ ہوگا۔ یہی اس مسئلہ میں تحقیق منطوق ہے۔“ (معارف السنن ص ۳۷۶)

آگے معارف میں یہ بھی ہے کہ جلسہ استراحت کا ثبوت حضور علیہ السلام سے بہت ہی کم ہوا ہے اور یہ کہ وہ آپؐ کی عادت مستقرہ عامہ نہ تھی جو ہر ہفتی میں لکھا ہے کہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ ایوبؓ نے کہا کہ انہوں نے ایسی نماز پڑھائی کہ تم لوگ اس طرح نہیں پڑھتے وہ تو تیسری یا چوتھی رکعت پر بیٹھتے تھے (یہ حدیث بخاری ص ۱۱۳ ابواب المکث بین المسجدین میں گزر چکی ہے) اور طحاویؒ میں ہے کہ عمرو بن سلمہ ایسا کام کرتے ہیں جو تم نہیں کرتے، وہ سجدہ اولیٰ و ثالثہ سے اٹھ کر جس رکعت میں قعدہ نہیں تھا بیٹھ کر پھر کھڑے ہوتے تھے، علامہ طحاویؒ نے فرمایا کہ قول ایوبؓ سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اور لوگوں کو ایسا کرتے نہیں دیکھا، حالانکہ انہوں نے اجلہ تابعین کی ایک جماعت کو دیکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ صورت (جلسہ استراحت کی) سنت صلوٰۃ نہ تھی۔ الخ (معارف السنن ص ۳۷۶)

### علامہ مبارکپوری کا ریمارک

اوپر جو ریمارک ہم نے تحفۃ الاحوذی سے نقل کیا ہے، ایک محدث کی شان سے بہت بعید ہے، ان کو سوچنا چاہئے تھا کہ وہ کتنے بڑے حافظ حدیث، علامہ، محقق کے ہارے میں ایسی بات لکھ رہے ہیں، جس نے ہر مسئلہ میں نہایت انصاف سے اور صرف محدثانہ تحقیق پیش کی ہے، مقلدانہ نہیں۔ اور اگر تقلید ائمہ ایسی ہی بری چیز ہے کہ اس کو اختیار کر کے ایک بڑے سے بڑا عالم بھی صرف غلطوئیں فاسدہ کا مورد بن جاتا ہے، تو یہ ہزاروں ہزار بلکہ لاکھوں اکابر علماء امت محمدین و فقہاء پر طعن ہے، جنہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید کی ہے اور رجال و حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں، جن میں کسی کو خفی کسی کو مالک، کسی کو حنبلی و شافعی بتایا گیا ہے، اور اس وقت جو سعودی حکومت کے اکابر دایمان ہیں۔ وہ بھی سب امام



احمدؒ کے مقلد ہیں، کیا وہ اس طعن و تشنیع سے بچ جائیں گے، جن کی مالی امداد سے تحفۃ الاحوذی وغیرہ عربی نائپ سے مرین ہو کر چھپ رہی ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ آئندہ ان سلفی حضرات کی کتابوں کی اشاعت کے لئے امداد کو ایسی مضمر عبارتیں کتابوں میں سے نکال دینے کی شرط کرنی چاہئے، پھر صاحب تحفہ نے یہ بھی نہ سوچا کہ جن اکابر حنابلہ نے امام احمدؒ کے پہلے ہی قول و عمل کو ترجیح دی ہے، اور اسی کو اختیار بھی کیا ہے، اور خود ابن القیم نے بھی (جن کی ناقص عبارت نقل کر کے صاحب تحفہ نے اپنے ظن کی تائید دکھلانی ہے پوری تفصیل کر کے جلسہ استراحت کو صرف ضرورت و غرر پر ہی محمول کر دیا ہے، کیا یہ سب حضرات بھی ظنونِ فاسدہ میں ہی مبتلا ہو گئے تھے؟! ہینوا لو جو روا۔

ہمارا جہاں تک علم ہے موجودہ علماء و اعیانِ سعودیہ بھی امام احمدؒ کے قولِ اول پر ہی عمل کرتے ہیں، سلفی حضرات کو چاہئے کہ ان کے بھی ظنونِ فاسدہ کی اصلاح کریں اور امام احمدؒ کے رجوع شدہ مسلک پر عمل کرائیں۔

### صاحبِ مرعۃ کا غیر معمولی تعصب اور دراز لسانی

صاحبِ مرعۃ کے استاد محترم علامہ مبارک پوریؒ تو پھر بھی غنیمت تھے، ان کے تلمیذ نے اور بھی آگے قدم بڑھا دیا، شاید یہ سمجھا ہو کہ اسی ذریعہ سے حقیقت کو غیر مقبول بنانے کی مہم کا مایاب ہو سکتی ہے۔ اور حکومتِ سعودیہ کی مزید سرپرستی اور امداد میں مل سکتی ہیں۔ آپ نے مرعۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۶ میں ابن عبد البر کے حوالہ سے امام اعظمؒ کو سنی الحفظ لکھا، حالانکہ یہ حوالہ قطعاً غلط ہے، ابن عبد البر نے تو اس بات کو اہل حدیث کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے کہ اہل حدیث تو گویا اعداءِ امام ابو حنیفہ ہیں، (افسوس کہ اب وہ گویا کارپورہ بھی ختم ہو گیا ہے اور کھلی عداوت ہے)۔

ص ۱۵۸ میں العرف الحدی ص ۱۳۵ کے حوالہ سے حضرت علامہ کشمیریؒ پر اعتراض کیا، مگر اس کے جواب کو نظر انداز کر دیا جو ص ۱۴۶ میں موجود ہے۔ ص ۱۶۲۰ میں لکھا کہ ”علامہ کشمیریؒ کی فصل الخطاب کا رد شیخ عبد اللہ امرت سری کا ضرور پڑھنا چاہئے تاکہ حنفیہ کی تفصیلات اور ان کے مروعات جدید و سانس خیش واہیہ، اور تمویہات باطلہ مزخرف مشکشف ہوں۔“

ہم نے ابھی چند ورق پہلے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے لئے حضرت اور دیگر اکابر امت کی تحقیقات ذکر کی ہیں، ان کو پڑھ کر انصاف کیا جائے کہ مذکورہ بالا دراز لسانی اور ردِ یہ دینی کا کیا جواز ہے!

مرعۃ ص ۲۱۳۹۹ میں ”توسل نبوی“ کے مجوزین کو ”قبور بین“ کے لقب سے نوازا۔ اور بار بار اسی لقب سے ان کو مطعون کر کے تاہز بالالقب کا ارتکاب کیا ہے۔ جوازِ زیارت و توسل کی پوری بحث ہم نے انوار الباری جلد یازدہم میں ذکر کر دی ہے، اور سلفی حضرات کی تحمیب کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ مسئلہ توسل و زیارۃ نبویہ میں ان کے مقتدا علامہ شوکانیؒ بھی ان کے خلاف ہیں۔ (انوار ص ۱۱۸۵) اور مسئلہ زیارت نبویہ میں ان کے مقتدا ابن حزمؒ ظاہری ہمارے ہموا ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”سفر کسی مسجد کی طرف تو علاوہ مساجد ثلاثہ کے حرام ہے، لیکن آثار انبیاء علیہم السلام کی طرف سفر مستحب ہے۔“ (الرد علی الاختانی لابن تیمیہ۔ بحوالہ ذب الذہاب ص ۲۱۵۹) اس لئے اگر ہم سب مجوزینِ زیارت و توسل قبوری ہیں تو علامہ شوکانیؒ اور ابن حزمؒ ظاہری بھی قبوری ہیں۔ واللہ الحمد۔

### بڑوں کا ادب و احترام

صاحب تحفہ و مؤلف مرعۃ کی عبارتیں اس لئے بھی نقل کی گئی کہ ان کا رد یہ اکابر امت کی تنقیص کا دکھلا کر اس سے اجتناب کی طرف توجہ دلائی جائے، ہمارے بڑے خواہ کسی بھی مسلک سے متعلق ہوں، ہمارے لئے ان سب کا ہی احترام ضروری ہے، کیونکہ انہوں نے دینِ قیم کی

مگر افتد رخصت انجاء دی ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ تو تمام محدثین صحاح وغیرہم کے استاذ الاساتذہ کے درجہ میں ہیں، ہم نے مقدمہ انوار الباری میں اس کو ثابت کیا ہے اور علامہ ذہبی شافعی نے بھی لکھا کہ امام ابو حنیفہؒ سے محدثین و فقہاء کو اتنی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص ۱۱ طبع مصر) اور حافظ جمال الدین عزیزی نے تہذیب الکمال میں امام اعظم کے ترجمہ میں سے روایت حدیث کرنے والے پچانوے محدثین کا کو نام بنام ذکر کیا ہے۔ احقر کے پاس ان کی نقل موجود ہے۔

محدث شہیر علامہ سیوطی شافعی نے لکھا: "امام ابو حنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالک بن انسؒ نے موسیٰ کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی، اور اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں" (سمیع الصغیر فی مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۳۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)۔

کتاب تاریخ معتبرہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے، اور اس کے برعکس جو تکرار الخطا ذہبی میں نقل ہوا (جس کی وجہ سے علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کو بھی مغالطہ ہوا) وہ غلط ہے۔ پوری تفصیل مولانا عبدالرشید نعمانی نے دے دی ہے (امام ابن ماجہ اور علم حدیث اردو ص ۱۶۱)۔

بہر حال مقصد گزارش یہ ہے کہ اکابر امت کے واجب احترام کے خلاف کوئی بات چلانے کی ہم دین و علم کے لئے سخت معز ہے اور اس سے احتراز لازم ہے، واللہ الموفق۔

## باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الركعة

۷۸۳: حدثنا معلى بن اسد قال حدثنا وهيب عن ايوب عن ابي قلابه قال جاءنا مالک بن الحويرث فصلی بنا فی مسجدنا هذا فقال انی لاصلى بکم وما ارید الصلوة لکنی ارید ان اربکم کیف رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم یصلی قال ایوب فقلت لابی قلابه وکیف كانت صلوته قال مثل صلوة شيخنا هذا یعنی عمر بن سلمة قال ایوب وکان ذلک الشیخ یتیم الکبیر فاذا رفع راسه عن السجده

الثانية جلس واعتمد علی الارض لم قام

ترجمہ: ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ مالک بن حویرث ہمارے پاس آئے، اور ہماری مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں، لیکن میں نماز پڑھنا نہیں چاہتا، بلکہ میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کس طرح نماز پڑھتے دیکھا، ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ سے کہا، کہ مالک بن حویرث کی نماز کیسی تھی، وہ بولے، کہ ہمارے ان شیخ یعنی عمرو بن سلمہ کی نماز کی طرح ایوب کہتے ہیں، کہ وہ شیخ پوری تکبیر کہتے تھے، اور جب اپنا سر اپنے بچہ کے سے اٹھاتے تھے تو بیٹھ جاتے تھے، اور زمین پر ٹک جاتے تھے، اس کے بعد کھڑے ہوتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس باب پر لکھا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زمین پر ٹیک لگا کر الصلوات ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ سنت نہیں ہے، معارف السنن ص ۳۷۷ میں یہ تفصیل ہے کہ اعتماد کی دو قسم ہیں، ایک تو سجدہ کے اندر کہیں کو گھٹنوں یا رانوں پر رکھنا، جو امام ترمذی نے باب الاعتماد فی السجود میں مراد لیا ہے، دوسری یہ ہے کہ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کو دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اٹھے، جو شافعیہ کے یہاں سنت ہے، علامہ نووی نے شرح المہذب ص ۳۷۳ میں لکھا کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک سجدہ یا جلسہ اور تشہد اولیٰ سے اٹھنے کے وقت مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر کھڑا ہو۔ اس میں قوی و ضعیف اور مرد و عورت برابر ہیں۔ پھر ص ۳۷۳ میں لکھا کہ "یہی مذہب امام مالک و احمد کا بھی ہے"۔

علامہ بخاریؒ نے لکھا کہ یہ صرف امام شافعی و مالک کا مذہب ہے، اور امام احمد کا مذہب وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کا ہے، (کافی المغنی ص ۱۸۵ و الشرح الکبیر ص ۱۸۵) بلکہ حافظ ابن عبد البر مالکی نے ”العمید“ میں امام مالک کا مذہب بھی امام صاحب کی طرح نقل کیا ہے، جبکہ وہ اس کے زیادہ جاننے والے ہیں، (عمدہ ص ۳۱۶۳) اور ایسا ہی قواعد ابن رشد میں بھی ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے شافعیہ کے قول سنیف کے لئے کوئی دلیل نہیں ملی۔ البتہ امام بخاریؒ تہیقی و نووی نے مالک بن الحویرثؒ کی حدیث پیش کی ہے، جس کا جواب ابن قدامہ حنبلی اور علامہ عینی حنفی وغیرہ نے یہ دیا کہ یہ حضور علیہ السلام کی کبرنی اور مشیقہ قیام کے سبب سے ہوا ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے خود بھی فرمایا تھا کہ اب میرا بدن بھاری ہو گیا ہے لہذا رکوع و سجود کے وقت مجھ سے سبقت نہ کرو۔ اور امام صاحب و امام احمد کے لئے نسائی شریف وغیرہ کی حدیث وائل حجت ہے، جس میں گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اور ایک ہی گھٹنوں کے بل پر اٹھنے کا ذکر ہے، اور ابو داؤد میں حدیث ابن عمرؓ بھی ہے، جس میں رسول اکرم ﷺ نے نماز میں اٹھنے کے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے، اور ترمذی میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام پاؤں کے سروں پر زور دے کر اٹھتے تھے، لہذا ہمارے نزدیک گھٹنوں پر ہی اعتماد کر کے اٹھنا مسنون ہے، اور یہی مذہب امام احمد، امام مالک، اور اعلیٰ ثوری و اہل حق بن راہویہ (شیخ البخاری) کا بھی ہے، اور حضرت ابن مسعود، ابن عمر و ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے، نعمان بن ابی عیاش نے یہ بھی بتلایا کہ میں نے بہت سے اصحاب رسول اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابو داؤد نے بھی مختار حنفیہ کی تائید کی ہے، کیونکہ انہوں نے نماز کے اندر ہاتھوں پر ٹیک لگانے کی کراہت پر مستقل باب قائم کیا ہے، جس کے تحت مذکورہ بالا حدیث حضرت ابن عمرؓ کو مرفوعاً و موقوفاً روایت کیا ہے واللہ اعلم۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا: علامہ موفق نے امام احمد سے جلسہ استراحت کے بارے میں دو قول ذکر کر کے لکھا کہ دونوں روایت پر کھڑے ہونے کی صورت پاؤں کے سروں پر ہی اور گھٹنوں پر اعتماد کر کے اٹھنا متعین ہے، قاضی نے کہا کہ امام احمد سے اس کے بارے میں دوسرا قول نہیں کوزمین پر اعتماد (ٹیک) نہ کرے گا، خواہ جلسہ استراحت کے لئے بیٹھے یا نہ بیٹھے۔ (الابواب والتراجم ص ۲۱۳۹۹)

حافظ نے علامہ ابن رشید سے اعتماد علی الارض کا مطلب حکمن کے ساتھ بیٹھنا لیا ہے، جو یکدم کھڑے ہونے کے مقابل ہے، لہذا ان کے نزدیک بخاری نے باب سابق کے ترجمہ میں مشروعت کے لئے اشارہ کیا تھا۔ جلسہ استراحت کی، اور یہاں اس کا طریقہ بتلایا کہ حکمن کے ساتھ ہو، اس کو ذکر کر کے حافظ نے پھر بھی ہاتھوں کو ٹیک کر ہی اٹھنے کی بات اپنے مذہب کی لگانے کی سعی کی ہے اور حضرت ابن عمرؓ کا فعل بھی عبدالرزاق کی روایت سے پیش کیا ہے۔ (فتح ص ۲۱۳۰۵)

ہم بتلا چکے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے بھی یہ صورت اپنے بدن کے بھاری ہونے اور عذر کی وجہ سے اختیار کی تھی، اس لئے اسی کو بار بار پیش کرتا ہے سو ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

### اجتہاد حضرت ابن عمرؓ اور افادۃ النور

آپ نے فرمایا: ابو داؤد بہاب کسواۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ میں جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے وہ ہماری مؤید ہے، کہ ہم حالت قعود و نبوض میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر ٹیکتے ہیں اور شافعیان کوزمین پر ٹیکتے ہیں، وہ حضرت ابن عمرؓ کے فعل سے تائید لیتے ہیں، میرے نزدیک وہ ان کا اپنا اجتہاد تھا، جس کے مطابق وہ عمل کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ سجدے کو جاتے ہوئے یہی ہونا چاہئے کہ ہاتھوں کو سجدے میں سیدھے لے جائیں اور گھٹنوں پر ٹیک کر لے جانے کو جو دیدین کا انقطاع و نقص خیال کرتے تھے، اور پھر اسی طرح سجدے سے اٹھتے ہوئے بھی بغیر گھٹنوں پر ٹیکنے کے سیدھے اوپر لانے کو بہتر خیال کرتے تھے تاکہ دونوں صورتیں ایک طرح سے ادا ہوں۔ لیکن جب بوڑھے ہو گئے اور بدن

بھی بھاری ہو گیا تو بغیر گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنے کے مشقت و دشواری پیش آئی، اس لئے ہاتھوں کو زمین پر رکھنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ اور ایسا پیش آجایا کرتا ہے کہ جب ایک جانب کو بطور اصل کے مان لیا جاتا ہے تو فروغ میں بھی اس کو چلانے کی سعی کی جاتی ہے، اور میرے نزدیک یہی معنی ہیں اجتہاد کے، کبھی ایک جزیئی پر بہت کلیات صادق ہو سکتی ہیں اور اسی طرح ایک جزیئی بہت سے قواعد و ضوابط میں داخل ہو سکتی ہے، لہذا اس میں نظر کرنا ہی اجتہاد ہے کہ کون سی جزیئی کسی قاعدہ سے اقرب ہے تاکہ اس پر اس کا حکم جاری کر دیں۔ یہ وظیفہ صرف مجتہد کا ہے، دوسرا جس میں شرائط اجتہاد پوری نہ ہوں، اس میں غلطی کرتا ہے۔ اگرچہ غلطی مجتہد سے بھی ہو جاتی ہے، معصوم وہ بھی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا میرے نزدیک اعتماد والی صورت میں بھی ایسی ہی شکل ہوئی ہے۔ اور میرے نزدیک وہ سب نبویہ سے ثابت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

### قوله واعتمد علی الارض

حضرت نے فرمایا یہ عمرو بن سلمہ کا فعل ذکر ہوا اور مجھے پورے ذخیرہ حدیث میں یہ نہیں ملا، بلکہ اس میں صرف استعینوا بالو کب یا امسوا بالو کب ہے، اور امام ترمذی نے اس پر الاعتادی الحو کا باب باندھا ہے، اور اس میں لفظ سجود کا اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور حافظ علاؤ الدین مغلط نے کی ”تکو“ میں ترمذی کے نسخہ سے باب ما جاء فی الاعتماد اذا قام من السجود نقل ہوا ہے۔

غرض یہ کہ ترمذی کے باب مذکور کے تحت حدیث استعینوا بالو کب مروی ہے، جو عام ہے، اس میں صفت رکوع اور صفت قیام الی الركعة من السجود سب ہی شامل ہیں اور سب ہی حالتوں کے لئے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم وارد ہے، لہذا اس کو صرف حالت سجود کے لئے خاص کیوں کر کر سکتے ہیں؟ البتہ یہ بات نکل سکتی ہے کہ جو کسی عذر سے گھٹنوں کی استعانت سے کام نہ چلا سکے، وہ مجبوری میں ہاتھوں کو فیک کر بھی اٹھ سکتا ہے لہذا اس کو مسنون و مستحب قرار دینے کے لئے ذخیرہ حدیث میں کوئی صراحت نہیں ملتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ عینی نے علامہ کرمانی شافعی شارح بخاری کا قول نقل کیا کہ فقہاء (شافعیہ) نے کہا کہ جس طرح خمیر کے لئے آٹا گوندھنے والا بیٹھتا ہے، اس طرح پیشے، یا ہاتھوں پر فیک لگا کر سجدہ سے اٹھے، جس طرح حضرت ابن عمرؓ کرتے تھے، (عمدہ ص ۳۱۶۳) معلوم نہیں فقہاء شافعیہ نے یہ ہیئت مذکورہ عاجز والی کہاں سے استنباط کی؟ حافی بخاری ص ۱۱۴ میں عابن غلط چھپ گیا ہے۔

### باب یکبر وهو ینھض من السجودین

#### وکان ابن الزبیر یکبر فی نهضته

۷۸۴: حدثنا یحیی بن صالح قال حدثنا فلیح بن سلیمان عن سعید ابن الحارث قال صلی لنا ابو سعید

فجهر بالتکبیر حین رفع راسه من السجود و حین سجد و حین رفع و حین قام من الركعتین وقال

هكذا رایت النبی صلی الله علیه وسلم

۷۸۵: حدثنا سلمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا غیلان بن جریب عن مطرف قال

صلیت انا عمران بن الحصین صلوۃ خلف علی بن ابی طالب لکان اذا سجد کبر و اذا رفع کبر و اذا

نهض من الركعتین کبر فلما سلم اخذ عمران بیدی فقال لقد صلی بنا هذا صلوۃ محمد صلی الله علیه

وسلم او قال لقد ذکرنی هذا صلوۃ محمد صلی الله علیه وسلم

ترجمہ ۷۸۴: سعید بن حارث کہتے ہیں کہ ہمیں ابو سعید نے نماز پڑھائی تو جس وقت انہوں نے اپنا سر (پہلے) سجدہ سے اٹھایا اور جب

بجہ کیا۔ اور جب انہوں نے (دوسرے سجودے سے) سر اٹھایا، اور جب دو رکعتوں سے (فراغت کر کے) اٹھے تو بلند آواز سے تکبیر کہی اور کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

ترجمہ ۸۵: مطرف روایت کرتے ہیں کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک مرتبہ نماز پڑھی، تو (ہم نے ان کو دیکھا کہ) جب وہ سجود کرتے تھے، تکبیر کہتے تھے، اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تھے، تکبیر کہتے تھے، سلام پھیرنے کے بعد عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اس شخص نے ہمیں سیدنا محمد ﷺ کی سی نماز پڑھائی یا یہ کہا، کہ اس شخص نے سیدنا محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی۔ تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ شارع علیہ السلام کا مشاہدہ ہے کہ جب نماز میں ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہو تو اس پوری انتقالی حالت کو ذکر خداوندی سے معمور و مبروک کرے، لہذا امام بخاری نے اس باب میں ثابت کیا کہ سجودوں سے اٹھنے کے ساتھ ہی تکبیر شروع کر دے، اور راوی کے تکبیر جبر سے کہنے کا بھی ذکر ہوا، تاکہ بنی امیہ کے دور میں جو تکبیرات کم کر دی گئی تھیں، ان کی طرف بھی تعریض ہو جائے۔ اور امام بخاری نے شاید مالکیہ پر بھی تعریض کی ہے جو کہتے ہیں کہ سجودوں سے اٹھنے کے وقت ساتھ ہی تکبیر نہیں ہے بلکہ جب سیدھا کھڑا ہو جائے گا جب تکبیر کہے، تاکہ پہلی رکعت کی تکبیر کی طرح ہو جائے کہ اس میں بھی پہلی تکبیر کھڑے ہو کر کہی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے دونوں رکعتوں کا باہم تناسب و تشاکل تو ضرور پایا جائے گا، مگر امور شرعیہ کے اندر فقط تناسب و تشاکل پر مدار مناسب نہیں، بلکہ اس کے لئے سلف کا تعامل و اختیار رکھنا چاہئے۔

## باب سنة الجلوس فی التشهد و کانت ام الدرداء

### تجلس فی صلوٰتہا جلسة الرجل و کانت فقیہہ

(تشہد کے لئے بیٹھنے کا طریقہ، ام درداء اپنی نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں اور فقیہہ تھیں)

۷۸۶: حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن عبد الرحمن ابن القاسم عن عبد الله بن عبد الله انه اخبره انه كان يرى عبد الله بن عمر يتربع في الصلوة اذا جلس ففعلته والنا يومئذ حديث السن فنهاني عبد الله بن عمرو قال انما سنة الصلوة ان تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى فقلت انك تفعل ذلك فقال ان رجلاي لا تحملا نى

۷۸۷: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن خالد عن سعيد عن محمد بن عمرو بن حنبل عن محمد بن عمرو بن عطاء ح قال وحدثني الليث عن يزيد بن ابى حبيب ويزيد بن محمد عن محمد بن عمرو بن حنبل عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فذكرنا صلوة النبي صلى الله عليه وسلم فقال ابو حميد بن الساعدي انا كنت احفظكم لصلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم رايته اذا كبر جعل يديه حذو منكبيه واذا ركع امكن يديه من كتفيه لم يصر ظهره فاذا رفع راسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه واذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجله القبلة فاذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنى فاذا جلس في الركعة الأخيرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته وسمع الليث يزيد بن ابى حبيب ويزيد بن محمد بن حنبل وابن حنبل وابن عطاء وقال ابو صالح

عن الیث کل فقار مکانہ' وقال ابن المبارک عن یحییٰ بن ایوب قال حدثنی یزید بن ابی حبیب ان  
محمّد بن عمرو بن حلحله حدثہ' کل فقارۃ

ترجمہ ۷۸۶: حضرت عبداللہ بن عمر کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ جب وہ نماز میں بیٹھتے تھے، تو چار زانو بیٹھتے تھے، لہذا میں نے بھی ایسا ہی کیا، اور میں اس زمانے میں کم سن تھا، تو مجھے عبداللہ بن عمر نے نسخ کیا اور کہا کہ نماز کا طریقہ تو یہی ہے، کہ تم اپنا داہنا پیر کھڑا کرو، اور بائیں دو ہرا کر لو، میں نے کہا آپ جو ایسا کرتے ہیں، بولے، کہ میرے پیر (کنز ہو گئے ہیں) میرا بار برداشت نہیں کر سکتے۔  
ترجمہ ۷۸۷: محمد بن عمرو بن عطاء روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے چند اصحاب کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو ہم لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا، ابو سعید ساعدی بولے کہ مجھے تو سب سے زیادہ رسول خدا ﷺ کی نماز یاد ہے، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ نے تکبیر (تحریمہ) پڑھی تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں شانوں کے مقابل تک اٹھائے، اور جب آپ نے رکوع کیا، تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر جمائے، اپنی پیٹھ کو جھکا دیا جس وقت آپ نے اپنا سر (رکوع سے) اٹھایا، تو اس حد تک سیدھے ہو گئے کہ ہر ایک عضو (کا جوڑ) اپنے مقام پر پہنچ گیا اور جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہاتھ اپنے زمین پر رکھ دیئے، نہ ان کو بچھائے ہوئے تھے، اور نہ سینے ہوئے تھے اور پیر کی اگلیاں آپ نے قبلہ رخ کر لی تھیں، پھر جس وقت آپ دو رکعتوں میں بیٹھے تو اپنے ہاتھیں پیر پر بیٹھے، اور داہنے پیر کو آپ نے کھڑا کر لیا۔ جب آخری رکعت میں بیٹھے تو آپ نے اپنے ہاتھیں پیر کو آگے کر دیا اور دوسرے پیر کو کھڑا کر لیا، اور اپنی نشست گاہ کے بل بیٹھ گئے۔ اور لیٹنے نے یزید بن ابی حبیب سے، اور یزید نے محمد بن طلحہ سے، اور ابن طلحہ نے عطاء سے سنا ہے۔ اور ابو صالح نے لیٹ سے کل فقار مکانہ نقل کیا ہے اور ابن مبارک نے یحییٰ بن ایوب سے روایت کیا، کہ مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا، ان سے محمد بن عمرو بن طلحہ نے کل فقار کے لفظ کے ساتھ روایت کیا۔

تشریح: اس باب میں امام بخاری نماز میں بیٹھنے کا سنون طریقہ بتلانا چاہتے ہیں، اور عنوان میں ام الدرداء کا اثر بھی ذکر کیا جس سے ثابت کیا کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح بیٹھیں گی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ امام بخاری اسی کو صحیح سمجھتے ہوں گے، مگر اس دعوے کے لئے کوئی حدیث نہیں پیش کر سکے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے، مرد کے لئے افتراش ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں کو بچھائے گا اور اس پر بیٹھے گا، عورت کے لئے تو رک ہے کہ اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں ران و سرین زمین پر رکھ کر بیٹھے گی، اور یہی اس کے لئے زیادہ مترواں صورت بھی ہے، اس کے لئے ہمارے پاس مراسلی ابی داؤد میں ایک مرسل حدیث بھی ہے، امام احمدؒ نے فرمایا کہ عورت رکوع و سجدے کے وقت اپنے دونوں ہاتھ نہ اٹھائے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی نمازوں میں طرق ادا کا فرق ہے، ہم نے انوار الباری میں پہلے اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

### امام بخاری اور آثار صحابہ کی حجیت

اول تو ام الدرداء دو ہیں، ایک صحابیہ ہیں، دوسری تابعیہ، اور یہاں اختلاف ہوا کہ کوئی مراد ہیں۔ اگر صحابیہ بھی ہوں تو امام بخاری کے نزدیک آثار صحابہ حجّت نہیں ہیں، پھر ان کے اثر سے استدلال کیوں کیا؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اپنا مختار و پسندیدہ مسلک ثابت کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو کسی صحابی یا تابعی کے اثر سے بھی حجّت پکڑ لی جائے، اور وہ خلاف ہوں تو نظر انداز کر دیئے جائیں۔  
یاد ہو گا کہ کتاب العلم میں امام بخاری نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مکتوب گرامی کا ذکر کر کے اپنی طرف سے یہ عبارت بڑھادی تھی کہ

حدیث نبوی کے ساتھ اور کچھ قول نہ کیا جائے، اس پر ہم نے متنبہ بھی کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاضی ابوبکر بن حزم کو یہ بھی لکھا تھا کہ عمر و بنت عبدالرحمن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم موجود ہے، اس کو لکھ کر ان کے لئے بھیج دیں۔ (تہذیب ترمذی، ج ۱، ابوبکر حزی)

علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں امام زہری سے نقل کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سالم بن عبداللہ کو لکھا تھا کہ صدقات کے بارے میں حضرت عمرؓ کا جو معمول رہا ہے وہ ان کو لکھ کر بھیجیں، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ گذشتہ سنت اور طریقوں کا زہری سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا، (تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام زہری) حضرت شاہ ولی اللہ نے الانصاف اور حجتہ اللہ میں لکھا کہ دو راویوں کے علماء کا طرز عمل ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث سے خواہ وہ مرسل ہو یا مسند دونوں سے استدلال کیا جائے۔ نیز صحابہ و تابعین کے اقوال سے بھی استدلال کیا جائے کیونکہ ان کے علم میں یہ اقوال یا تو خود آں حضرت ﷺ کی ہی احادیث منقولہ شخص جن کو انہوں نے مختصر کر کے موقوف بنالیا تھا، اور بہت سے حضرات مثلاً ابراہیم خیمؒ اور قسطنطینؒ وغیرہ تو احادیث مرفوعہ کو بھی بطور موقوفہ ہی نقل کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ بغیر ﷺ کے بعد کے کسی شخص سے ان کو نقل کریں تاکہ روایت میں کچھ کمی بیشی ہو تو وہ بعد کے شخص پر ہی رہے، اور جب کسی مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مختلف ہوتیں، تب بھی اقوال صحابہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، اور جب صحابہ و تابعین کے مذاہب بھی کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تو ہر عالم کے نزدیک اپنے شہر کے علماء اور اپنے اساتذہ کا مذہب پسند یہ ہوتا تھا۔ (مزید بحث و تفصیل علامہ نعمانی دام النہد کی تالیف ”قیم“ امام ابن ماجہ اور علم حدیث“ اردو میں دیکھی جائے)۔

غرض یہ کہ حنفیہ میں سے امام بخاری نے اس بارے میں بھی اپنی راہ الگ ہی بنائی تھی کہ وہ آثار صحابہ و تابعین کو حجت نہ سمجھتے تھے، اور اسی لئے بحر منہج کا مجموعہ صحیح بخاری کو قرار دیا۔ لیکن جیسا کہ اس باب زیر بحث میں ہے خود امام بخاریؒ نے حدیث مرسل ابی داؤد کے مقابلہ میں ایک صحابیہ یا تابعیہ کے اثر سے استدلال کر لیا ہے، اور دوسرے مواضع میں بھی جب اپنے مسلک کی تائید کے لئے ضرورت سمجھتے ہیں تو ترجمۃ الباب کے اندر اقوال و آثار صحابہ کو لاتے ہیں اور رسالہ رفع یدین و قرآنہ خلف الامام میں تو بڑا حصہ جاری کا ہے۔

برخلاف اس کے امام اعظمؒ کی کتاب الآثار میں جو حسب اعتراف علامہ سیوطیؒ سب سے پہلی اثری تالیف ہے اور ان کے مسانید میں بھی احادیث مرفوعہ کے ساتھ آثار صحابہ بھی مذکور ہیں اور ان ہی کا اتباع امام مالکؒ نے بھی کیا کہ موطن میں احادیث کے ساتھ اقوال صحابہ و تابعی و تابعین و تبع تابعین بھی موجود ہیں۔

## عورت کا جلوس وغیرہ مرد کی طرح نہیں ہے

ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا عورت بھی مرد کی طرح تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائیگی؟ کہا نہیں وہ مرد کی طرح ہاتھ نہ اٹھائے گی، پھر اپنے دونوں ہاتھ بہت پست کر کے اور اپنے بدن سے خوب ملا کر اشارہ سے بتلایا کہ اس طرح کرے گی، اور فرمایا کہ عورت کی نماز کا طریقہ مرد کی طرح نہیں ہے۔ (باب الیٰ این ترفع یدہا مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۳۹)

دوسری روایت میں عطاء نے فرمایا کہ عورت صرف اپنے سینہ تک ہاتھ اٹھائے گی۔ حضرت حماد سے بھی ایسا ہی منقول ہے، حضرت حفصہ بنت سیرین سے نقل ہوا کہ عورت تکبیر کے وقت اپنی چھاتی تک ہاتھ اٹھائے، البتہ ام الدرداء سے نقل ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت وہ اپنے منڈھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں۔ (مصنف =) پھر محدث ابن ابی شیبہ نے ایک باب فی المرأة کیف تکون فی سجودہا باندھا اور حضرت علیؒ سے نقل کیا کہ عورت جب سجدہ کرے تو سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو پیٹ سے ملا لے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عورت اکٹھی ہو کر اور سمٹ کر نماز پڑھے، حضرت مجاہد مرد کے لئے عورت کی طرح پیٹ سے رانوں کو

طا کر سجدہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ عورت سجدے کے وقت اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا لے اور سرین نہ اٹھائے، اور نہ مرد کی طرح اعضاء جسم کو الگ الگ کرے۔ (معنف ص ۱۸۶۹) پھر باب المرأة کیف تجلس فی الصلوۃ قائم کیا جس میں حضرت خالد سے نقل کیا کہ نماز میں عورتوں کو چار زانو بیٹھنے کا حکم ہوا تھا اور یہ بھی کہ وہ مردوں کی طرح سرینوں پر نہ بیٹھیں۔ حضرت نافع سے نقل ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ کے گھر کی عورتیں نماز میں چار زانو بیٹھتی تھیں۔ ابراہیم نے کہا کہ عورت نماز میں ایک جانب پر بیٹھے، بعض حضرات نے کہا کہ جس طرح چاہے بیٹھے مگر سٹ کر اکٹھی ہو کر بیٹھے۔ (= ص ۱۸۷۰)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کی نماز میں کئی طریقوں پر فرق ہے، اور بیٹھنا بھی مرد کی طرح نہیں ہے اور مراسل ابی داؤد کی تو مرسل حدیث بھی یہی بتا رہی ہے، پھر اس سب کے خلاف ام الدرداء کے فعل سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ مگر امام بخاری کی عادت ہے کہ اپنے مختار کے خلاف احادیث و آثار کو مذکر کرتے ہیں نہ ان کا اثر لیتے ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے جو دو حدیث روایت کی ہیں، ان میں سے ایک سے تو حضرت ابن عمرؓ کا فعل تربع فی الصلوۃ کا ثابت ہوا جس کو خود انہوں نے ہی عذر پر محمول کر دیا، پھر جو سب صلوۃ ثلاثی وہ افتراش اور تورک دونوں پر محمول ہو سکتی ہے کیونکہ بائیں پاؤں کا سوزنا پھیرنا یا بچکانا دونوں میں ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ افتراش کی صورت میں اسی پاؤں پر بیٹھے ہیں اور تورک میں زمین پر بیٹھے ہیں، اور حضرت ابن عمرؓ سے ہی نسائی شریف میں یہ تفصیل ہے کہ سب صلوۃ یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا جائے اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔ اور دوسری حدیث بخاری میں پہلا تشہد تو اسی طرح ہے، البتہ دوسرا تورک والا ہے۔ حدیث مرفوعہ قولی یہ بھی نہیں ہے، صرف ابو حمید ساعدی کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز اسی طرح تھی۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے اور بظاہر امام بخاری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

تفصیل مذاہب: اوچر ص ۱۲۵۴ میں اس طرح ہے:- حنفیہ کے یہاں افتراش مسنون ہے، امام ترمذی نے لکھا کہ یہی قول ثوری ابن مبارک اور ابی کوفہ کا ہے اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ افتراش مردوں کے لئے ہے اور ہر جلسہ کے لئے ہے خواہ وہ سجدوں کے درمیان کا ہو یا تشہد اول یا ثانی کے لئے ہو، اور عورتوں کے لئے ہر جلسہ میں تورک مسنون ہے، مالکیہ کے نزدیک ہر جلسہ کے لئے تورک ہے اور مرد و عورت کا بھی کوئی فرق اس بارے میں نہیں ہے۔ البتہ بعض مالکیہ نے دونوں تشہد کے جلسوں میں حنفیہ کی طرح مردوں کے لئے افتراش کو اختیار کیا ہے۔ حنابلہ کے یہاں تورک صرف دوسرے تشہد میں ہے، باقی میں حنفیہ کی طرح افتراش ہے۔ شافعیہ کے نزدیک تمام جلسوں میں حنفیہ کی طرح افتراش ہے، صرف آخری تشہد میں تورک ہے، یعنی نماز صبح و جمعہ کے جلسہ تشہد میں مثلاً ان کے یہاں تورک ہو گا کیونکہ وہ آخری ہے اور حنابلہ کے یہاں چونکہ وہ دوسرا نہیں ہے، اس لئے وہ افتراش کے قائل ہیں۔

حنفیہ کے دلائل: (۱) مسلم شریف کی روایت حضرت عائشہؓ کہ حضور علیہ السلام داہنا پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے (۲) طحاوی سنن سعید بن منصور، ابو داؤد، نسائی، ترمذی وابن ماجہ میں وائل بن حجر سے بھی ایسی روایت ہے، (۳) نسائی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سب صلوۃ داہنا پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ کرنا اور بائیں پاؤں پر بیٹھنا ہے (۴) ابو داؤد و مسند احمد میں حدیث رفاعہ سے بھی یہی طریقہ حضور علیہ السلام سے روایت کیا گیا، اور اس پر علامہ شوکانی نے لکھا کہ ”اس حدیث کی سند میں کوئی کلام نہیں ہے، اور اس کو محدث ابن ابی شیبہ وابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، پھر لکھا کہ ان روایات سے استدلال اس طرح ہے کہ ان میں ایک ہی طریقہ تشہد میں بیٹھنے کا ذکر ہوا ہے اور کسی نے اس کو تشہد اول کے ساتھ خاص نہیں بتلایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہی صورت دونوں تشہد کے لئے مسنون ہے، اگر وہ صرف اول کے لئے ہوتی اور دوسرے کے لئے نہ ہوتی تو اس کے ذکر و تفصیل کو وہ ترک نہ کرتے، کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کی نماز کی پوری ہیئت و صورت بیان کر رہے تھے، لہذا یہی ثابت ہوتا ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کا بیان کردہ طریقہ صرف اول کے لئے نہیں



بلکہ دونوں ہی کے لئے تھا۔“ (کنزانی الملیل)

اعلاء السنن ص ۳۱۰۳ میں نیل الاوطار شوکانی سے یہ بھی نقل ہوا کہ انہوں نے لکھا:۔ خاص طور سے حضرت عائشہؓ والی حدیث سامنے رکھی جائے کہ اس میں ہر دو رکعت کے جلوس اور اس کے تنبیہ کا بیان ہوا ہے اور اس کے بعد جلوس کی ہیئت ذکر کی ہے، لہذا یہ مستبعد ہے کہ جو طریقہ آخر میں بیان ہوا ہے وہ صرف ایک جلسہ تشہد کے لئے مانا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ انہوں نے دوسرے کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ (نیل ص ۲۷۶۸)

صاحب اعلاء السنن نے دوسروں کی متادل احادیث پر بھی سند و متن کے لحاظ سے سیر حاصل کلام کیا ہے وہ بھی قاطبی مطالعہ ہے۔

(۵) اعلاء السنن ص ۳۱۰۲ میں مستدرک حاکم اور سنن بیہقی کی یہ حدیث بھی استدلال میں ذکر کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے اندر اقامہ اور تورک سے منع فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ مردوں کے لئے تورک فی الصلوٰۃ مکروہ ہے اور دونوں تشہد کے جلوس میں کوئی فرق اس بارے میں نہیں ہے۔ کیونکہ نماز کا لفظ عام ہے۔ لہذا جس طرح اقامہ (کتے کی طرح بیٹھنا) نماز میں سب کے نزدیک مکروہ ہے، اسی طرح تورک بھی مردوں کے لئے مکروہ ہونا چاہئے اور جس حدیث سے تورک ثابت ہوا اس کو عذر پر محمول کرنا چاہئے، کیونکہ جب ممانعت و امانت دونوں ایک ہی چیز کے لئے وارد ہوں تو ممانعت کو ترجیح ہوا کرتی ہے، اور امانت کو کسی ضرورت یا عذر کی حالت پر محمول کرنا بہتر ہوتا ہے۔

### بدایۃ المجتہد کا ذکر

علامہ ابن رشدؒ نے ہیئت جلوس فی الصلوٰۃ کے بارے میں اختلاف مذاہب و دلائل کا ذکر کر کے لکھا کہ یہ ساری ہیئات نماز میں جائز ہیں، اور نماز سب سے ہو جاتی ہے، لہذا اس کو جواز و عدم جواز کا اختلاف نہ سمجھا جائے۔ (ص ۱۱۱۵)

### مسئلہ تعدیل ارکان اور علامہ ابن رشد کی غلطی

علامہ کی یہ منقبت خاص طور سے لائق ذکر ہے کہ اختصار کے ساتھ سب کے دلائل انصاف کے ساتھ ذکر کر دیا کرتے ہیں، اور بیان مذاہب میں بھی ان کا قلم ہمتا ہے، مگر بعض مواقع میں ان سے غلطی ہوتی ہے، مثلاً اسی (ص ۱۱۱۵) میں اعتدال کی بحث میں یہ لکھ گئے کہ امام ابو حنیفہؒ رکوع وغیرہ میں اعتدال کو واجب نہیں کہتے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ہم نے اسی جلد کے ص ۱۳۱۳ میں حضرت شاہ صاحبؒ سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب اور امام محمد صرف فرضیت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ اس کے لئے دلیل قطعی چاہئے، لیکن وہ اس کے وجوب سے منکر نہیں ہیں، اور حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تقریباً پچاس احادیث تعدیل و اعتدال ارکان کے مؤکد ہونے کی مروی ہیں، اس لئے نماز میں اس کی ضرورت و وجوب سے کون منکر ہو سکتا ہے؟ البتہ فرض کے درجہ میں اس کو پہنچادینا مشکل ہے۔ اور ہدایۃ المجتہد ہی کی طرح کتاب الفقہ علی المذاہب الخمر (محمد جواد مغنیہ) ص ۱۳۸ میں بھی غلطی ہوئی ہے، اس میں لکھا کہ حنفیہ کے نزدیک رکوع میں صرف جھکنا کافی ہے اور طہانیت واجب نہیں ہے، اور لقیہ مذاہب میں طہانیت و استقرار واجب ہے، پھر ص ۱۳۹ میں لکھا کہ حنفیہ کے یہاں دو جہدوں کے درمیان بیٹھنا واجب نہیں ہے، اور باقی سب مذاہب میں واجب ہے۔

البتہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (شائع کردہ وزارت الاوقاف مصر) ص ۱۷۶۸ میں واجبات صلوٰۃ کے بیان میں جو نقل ہوا ہے وہ صحیح ہے۔ اس میں حنفیہ کے نزدیک ۱۹ واجبات صلوٰۃ ذکر کئے ہیں، جن میں نمبر ۳ پر اطمینان کا ارکان اصلہ رکوع و سجود وغیرہ میں واجب کہا ہے، اور آخر میں رفع من الركوع اور تعدیل ارکان کو بھی واجب بتلایا ہے۔ اور لکھا کہ یہ سب حنفیہ کے یہاں واجب ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام سے ان سب پر مواظبت ثابت ہے، لہذا جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو بھی بھول کر ترک کرے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور عدا ترک کرے گا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

اعلاء السنن ص ۳۸۹ میں لکھا کہ حنفیہ کے نزدیک طہائیت و اعتدال رکوع، سجود، قومہ و جلسہ چاروں میں واجب ہے، اور یہی رائج فی المذاہب ہے جیسا کہ رد المحتار ص ۱۳۸۳ میں ہے، بحر میں بھی ہے کہ دلیل کا مقتضی ان چاروں میں وجوب ہے اور قول بالوجوب ہی محقق ابن الہمام اور ان کے تلمیذ ابن امیر الحاج کا بھی عقار ہے، قاضی صدر شہید نے اپنی شرح میں تعدیل ارکان کے بارے میں پوری شدت اختیار کی ہے اور لکھا کہ ہر رکن کو کامل کرنا امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے، اگر ترک کرے گا تو شدید کراہت کا مرتکب ہوگا، اور اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ (ص ۱۳۸۴) امام محمد سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ اس کی نماز جائز نہ ہوگی، علامہ سرخسی نے بھی لکھا کہ ترک اعتدال کی وجہ سے نماز لوٹانا لازم ہوگا۔ (فتح القدیر ص ۱۳۶۲)

غرض یہ بڑا مغالطہ ہے کہ حنفیہ کی طرف تعدیل ارکان کے عدم وجوب کا قول منسوب کر دیا گیا، یا کسی نے اس کو صرف مسنون و مستحب لکھ دیا، اور علامہ ابن رشد ایسے محقق سے بھی اس بارے میں غلطی ہو گئی ہے۔ فلہذا لہ والہ تعالیٰ اعلم۔

## باب من لم یر التشهد الاول واجبالان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

### قام من الرکعتین ولم یرجع

۷۸۸: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعب عن الزهري قال حدثني عبد الرحمن بن هرمز مولى بنی عبدالمطلب وقال مرة مولى ربيعة ابن الحارث ان عبد الله بن بحنة قال وهو من ازد شوءة وهو حليف لبني عبدمناف وكان من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلی بهم الظهر فقام فی الرکعتین الاولین لم یجلس فقام الناس معه حتى اذا قضی الصلوة وانظروا الناس تسليمه کبر وهو جالس فسجد سجدتين قبل ان یسلم لم یسلم

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے (ایک دن) لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی، تو (بھولے سے) پہلی دو رکعتوں (کے ختم) پر کھڑے ہو گئے۔ اور قعدہ نہیں کیا تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب آپ نماز تمام کر چکے، اور لوگ آپ کے سلام پھیرنے کے منتظر ہوئے تو آپ نے بیٹھ ہی بیٹھ بکیر کبی، اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجود کئے، اور کے بعد سلام پھیرا۔

تشریح: حافظ نے اس باب پر بسط کلام کیا ہے اور امام بخاریؒ پر علامہ زین بن العسیر کے اعتراض کا بھی ذکر کیا ہے فتح الباری ص ۲۱۲۰۹ میں دیکھا جائے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ اس باب سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تشهد رکن صلوٰۃ یا فرض نہیں ہے، جس کے ترک سے نماز باطل ہو جائے، البتہ ترک واجب ہوا جس سے عجدہ سہو لازم ہوا۔

امام بخاری نے قولہ وسلم ہر جمع سے یہ بھی بتلایا کہ اگر تشهد فرض ورکن ہوتا تو حضور علیہ السلام کھڑے ہونے کے بعد بھی اس کی طرف لوٹ جاتے۔ جیسا کہ قعدہ اخیرہ کے ترک سہو پر لوٹنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ وہ فرض ہے، دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کو بلا تشهد کے کھڑے ہونے پر توجہ بھی دلائی، مگر آپ نہ بولے، لہذا یہ ترک واجب ہی کی متعین صورت تھی۔ نیز معلوم ہوا کہ متعدد واجب بھی ترک ہو جائیں تب بھی عجدہ سہو ایک ہی کافی ہوگا، کیونکہ یہاں قعدہ ادنیٰ بھی واجب تھا اور تشهد بھی، دو واجب حضور علیہ السلام سے سہو ترک ہو گئے تھے، مگر آپ نے ایک ہی عجدہ سہو کیا۔

علامہ موفقؒ نے لکھا کہ اگر دو سہو یا زیادہ ایک جنس کے ہوں تو سب کے نزدیک ایک ہی عجدہ سہو کافی ہوگا، لیکن اگر وہ مختلف جنس کے

ہوں تو ابن المنذر نے ایک قول امام احمد سے ایک ہی سجدہ سو کا کافی ہونے کا نقل کیا اور یہی قول اکثر اہل علم کا بھی ہے، جن میں امام مالک، ثوری، شافعی اور اصحاب الرائے ہیں۔

بعض حضرات نے ہر سو کے لئے الگ سجدہ قرار دیا ہے، لیکن ان کی دلیل حدیث ابی داؤد وابن ماجہ ”کل سجدتان“ کی سند میں کلام ہے، دوسرے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نماز کے لئے سجدہ ہے خواہ وہ ایک نماز میں متعدد بھی ہوں۔ اس (لامع ص ۱۸۳۳۳)۔

افادۃ النور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کے یہاں واجب کا مرتبہ نہیں ہے، اس لئے واجب بدل کر فرض مراد لیا ہے، امام بخاریؒ نے دیکھا کہ ترک تشہد کی حلافی حضور علیہ السلام کے سجدہ سو سے کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ فرض نہ تھا، ورنہ اس کے ترک سے نماز باطل اور کالعدم ہو جاتی، اور بیعت بھی شان حنفیہ کے یہاں واجب کی ہے، کہ وہ سنت سے اوپر اور فرض سے کم درجہ ہے، اگر بھول سے کوئی سنت نماز میں جوہ جائے تو اس کی وجہ سے سجدہ سو نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ مرتبہ دوسروں کے یہاں نہیں ہے اس لئے ان کے مسائل کی نوعیت عجیب ہو جاتی ہے، چنانچہ حنا بلہ نے تو فرض کی دو قسم کر دیں ایک وہ جو شرط صحت بھی ہو، دوسرا جو ایسا نہ ہو، حالانکہ یہ دوسرا ہی بیعت حنفیہ کا وجوب ہے، مالکیہ نے وجوب سنت اور وجوب افتراض دو قسم بنائیں۔ اور وجوب سنت میں وہ سجدہ سو کے قائل ہوئے ہیں، جبکہ وہ بھی حنفیہ کے وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ شافعیہ کو باب الحج میں وجوب کا درجہ مانا پڑا، کیونکہ انہوں نے جنایات کی حلافی مان کر حج کو مکمل مان لیا ہے، ہمارے نزدیک جس ضروری و اہم رکن غیر فرض کی حلافی ممکن ہو خواہ جزاء سے جیسے حج میں یا سجدہ سو سے جیسے نماز میں، اسی کو ہم واجب کا درجہ دیتے ہیں، جو فرض و سنت کے درمیان ہے۔ پھر حضرت نے شئی واجب اور واجب الہی کا فرق واضح کیا، جو حضرت کی مشہور تحقیق ہے۔

## باب التشہد فی الاولیٰ

(پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنے کا بیان)

۷۸۹: حدثنا قتیبہ قال حدثنا بکر عن جعفر بن ربيعة عن الاعرج عن عبد الله بن مالک ابن بھینہ قال

صلیٰ بنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر فقام و علیہ جلوس فلما کان فی آخر صلواتہ مسجد

سجدتین وهو جالس

ترجمہ: عبداللہ بن مالک ابن بھینہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) ہمیں رسول خدا ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، تو (دوسری رکعت کے سجدوں کے بعد) کھڑے ہو گئے، حالانکہ آپ کو بیٹھنا ضروری تھا، لیکن جب آپ نے نماز کا آخری قعدہ کیا، تو دو سجدے (سو کے) کئے۔

تشریح: پہلے باب میں امام بخاریؒ نے یہ بتلایا تھا کہ تشہد فرض نہیں ہے، یہاں یہ بتلایا کہ اگر وہ سجدہ ترک ہو جائے تو سجدہ سو کرنا چاہئے، لہذا اس کو ترک کرنا جائز نہیں اور اس کی حلافی نہ کرے گا تو نماز قاطبیٰ اعادہ ہوگی۔

## باب التشہد فی الآخرۃ

(آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کا بیان)

۷۹۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا الاعمش عن شقیق بن سلمة قال قال عبد الله کنا اذا صلینا خلف

النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلنا السلام علی جبریل ومیکائیل السلام علی فلان وفلان فالطفت

الینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ هو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ

و الصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ  
الصالحین فانکم اذا قلتموها اصابتم کل عبد اللہ صالح فی السماء والارض اشهد ان لا اله الا اللہ  
واشهد ان محمداً عبد اللہ ورسولہ

ترجمہ ۹۰: حضرت عبداللہ (بن مسعود) روایت کرتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے (نماز کے) قعدہ میں یہ پڑھا کرتے  
تھے کہ السلام علی جبریل ومیکائیل السلام علی فلان و فلان تو (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا،  
کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس پر سلام بھیجے کی کیا ضرورت) لہذا جب کوئی تم میں سے نماز پڑھے تو کہے التحیات للہ و الصلوات والطیبات  
السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ﴿﴾ کیونکہ جس وقت تم کہہ دو گے، تو  
(یہ دعا) اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گی، خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں کچھ اشہد ان لا اله الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ  
تشریح: اوپر کے باب میں درمیانی تشہد کا حکم بیان ہوا تھا، یہاں آخری تشہد کا بیان ہے، جو پہلے سے زیادہ اہم و ضروری ہے۔ اس طرح  
امام بخاری نے تینوں باب میں درجہ بدرجہ احکام کی نوعیت دکھائی ہے۔

قولہ ان اللہ هو الاسلام اس کا تعلق دوسری مفصل حدیث سے ہے جو آگے آرہی ہے اس میں ہے کہ صحابہ کرام السلام علی  
اللہ بھی کہتے تھے۔

قولہ علی جبریل پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا جبر کے معنی وقت کے ہیں اور ایل اللہ ہے لہذا جبریل کے معنی خدا کا قوی بندہ۔  
ایسے ہی میخا کے معنی دوست کے ہیں۔ لہذا میخائیل معنی خدا کا دوست۔ اسراف کے معنی مصطفیٰ کے ہیں میخائیل خدا کا برگزیدہ بندہ۔ عزرا کے  
معنی ناصر کے ہیں، عزرائیل خدا کا ناصر و مددگار بندہ۔

قولہ التحیات پر فرمایا کہ تحیات سے عبادات تو لایہ مراد ہیں، صلوات سے مراد عبادات فعلیہ اور طیبات سے مالی عبادات مراد ہیں۔ یہ کلمات  
تو حضور علیہ السلام کی طرف سے وہ معراج ہی میں جناب ہاری میں بطور تحیہ پیش کئے گئے تھے جس کے جواب میں حضرت ہاری جل ذکرہ کی  
جانب سے السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ ارشاد ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے السلام علینا الخ سے اس کی تکمیل فرمائی ہے۔

### شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرتؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحبؒ نے ”الایضاح“ میں اس سے استدلال کیا کہ جمع معرف باللام مفید استغراق ہوتی ہے، میں کہتا  
ہوں کہ ادھیہ، نذو ایمان کے بارے میں تو یہ قاعدہ مسلم ہے، کیونکہ ان سب کا مبنی فقط الفاظ پر ہوتا ہے، لیکن ان کے سوا دوسری چیزوں میں  
قطعیہ عموم و استغراق کی بات تسلیم نہیں ہے۔

### اختلاف مذاہب

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اوجز ص ۱۲۶۲ میں لکھا:۔ اہل نقل نے حکم تشہد میں علماء کا کافی اختلاف ذکر کیا ہے، اس لئے  
تفصیل ضروری ہے امام مالکؒ سے اس کی سنیہ مطلقاً منقول ہے، جیسا کہ زرقانی وغیرہ نے کہا اور اصحاب متون بھی اس کو سنن صلوٰۃ ہی سے قرار  
دیتے ہیں، جیسا کہ مختصر الخلیل اور مختصر عبد الرحمن وغیرہ میں ہے، لیکن ابن عربیؒ نے کہا کہ وہ رکن صلوٰۃ ہے مگر واجب نہیں نہ اس کا کمال واجب ہے۔  
امام احمدؒ سے زرقانی، حافظ اور نووی نے دونوں تشہد کا وجوب نقل کیا، اور صاحب نیل المآرب حنبلی نے اول کو واجب دوسرے کو رکن

قراردیا ایسے ہی صاحب المغنی نے بھی دوسرے شہد کو ارکان میں بتلایا اور اول کو واجباً میں۔

امام شافعیؒ سے زرقانی نے دوسرے میں وجوب نقل کیا، اول میں نہیں اور نووی نے بھی اول کو سنت کہا۔ حنفیہ سے بھی ان حضرات نے امام مالک کے موافق نقل کیا، مگر ہماری کتابوں میں دوسرے شہد کو واجب لکھا ہے، حافظ نے لکھا کہ معروف عند الحنفیہ وجوب ہے، فرض نہیں۔ بخلاف اس کے کہ جو ان کے مخالفین کی کتابوں میں ہے۔

علامہ عینی نے لکھا کہ شرح ہدایہ میں امام صاحب کے نزدیک قعدۃ اولیٰ کا شہد واجب لکھا ہے اور یہی مختار صحیح ہے، بعض نے سنت کہا جو قیاس کا متعین ہے لیکن وہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ اوپر کی تفصیل سے اتنی بات بقدر مشترک نقلی کہ جمہور کے نزدیک دوسرا شہد زیادہ مؤکد ہے اول سے۔ الخ۔

## باب الدعاء قبل السلام (سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنے کا بیان)

۹۱: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري اخبرنا عروة ابن الزبير عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم اخبرته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يا عوفى الصلوة اللهم انى اعوذبك من عذاب القبر واعوذبك من فتنة المسيح الدجال واعوذبك من فتنة الممات اللهم انى اعوذبك من المائم والمغرم فقال له قائل ما اكثر ما تستعبد من المغرم فقال ان الرجل اذا غرم حدث فكذب واذا وعد احلف وعن الزهري قال اخبرني عروة بن الزبير ان عائشة قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستعبد في صلوته من فتنة الدجال

۹۲: حدثنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا الليث عن يزيد بن ابى حبيب عن ابى الخير عن عبد الله بن عمرو عن ابى بكر بن الصديق رضى الله عنه انه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم علمى دعاء ادعوبه في صلوتى قال قل اللهم انى ظلمت نفسى ظلماً كثيراً ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفر لى مغفرة من عندك وارحمنى انك انت الغفور الرحيم

ترجمہ ۹۱: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے اللّٰهُمَّ انى اعوذبك من عذاب القبر واعوذبك من فتنة المسيح الدجال واعوذبك من فتنة المحيا والممات اللّٰهُمَّ انى اعوذبك من المائم والمغرم تو آپ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟) آپ نے فرمایا کہ جب آدمی قرضدار ہو جاتا ہے، تو جب وہ بات کہتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے، اور زہری نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو نماز میں قنۃ دجال سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔

ترجمہ ۹۲: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمائیے جو میں اپنی نماز میں پڑھ لیا کروں، آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو، اللّٰهُمَّ انى ظلمت نفسى ظلماً كثيراً ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفر لى مغفرة من عندك وارحمنى انك انت الغفور الرحيم۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ جو دعائیں حضور اکرم ﷺ سے مروی وثابت ہیں وہ تو نماز کے اندر سب جائز ہیں جیسا کہ بحر میں

اس کی تصریح ہے، اور جو نمازی خود سے دوسری کرے اس میں تفصیل ہے کہ قرآن مجید و ادعیہ ماثورہ حدیث کی طرح کی دعائیں جائز ہیں، اور جن امور کا سوال عام طور سے لوگوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ ایسی دعا نماز میں نہ کرنی چاہئے کہ ان سے فسادِ صلوٰۃ کا اندیشہ ہے۔ تاہم ابن بطلال اور دوسرے لوگوں نے جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہے کہ ان کے نزدیک صرف قرآن مجید کی ذکر کردہ دعائیں نماز میں جائز ہیں، یہ نقل صحیح نہیں ہے، کیونکہ کتب حنفیہ میں قرآنی ادعیہ کے ساتھ ادعیہ حدیث اور دوسری ماثورہ ادعیہ کا جواز موجود ہے، اور یہی حنابلہ کا بھی مذہب مفتی میں ہے کہ اگر تشہد میں ایسی دعائیں کرے جو احادیث میں ثابت ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ الخ اور جلد ۴۷ میں مزید اچھی تفصیل و تحقیق ہے۔

## تشہد کے بعد درود شریف اور امام بخاری

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: مجھے بہت تعجب ہے کہ امام بخاریؒ نے تشہد کے بعد دعاؤں کے ابواب شروع کر دیئے اور درود شریف کو ترک کر دیا، نہ اس پر باب قائم کیا نہ اس کا کچھ حکم بتلایا، حالانکہ ان کے پاس اس کے لئے صحیح حدیث بھی ان کی شرط پر موجود تھی، جس کو وہ کتاب الدعوات میں لائیں گے اور باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قائم کریں گے (یہ حدیث بخاری ص ۹۴۰ پارہ نمبر ۳۶ میں آئے گی)۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ نماز کے اندر آخری تشہد کے بعد درود شریف کا پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک تو فرض ہے مگر جمہور کے نزدیک سنت ہے، اس لئے اس سے کم درجہ تو کسی طرح بھی نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ امام شافعیؒ کے رد کے واسطے امام بخاریؒ نے ایسا کیا ہے، تب بھی اس کا بالکل ترک کر دینا مناسب نہیں تھا، اور میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ امام بخاریؒ کے لئے اس کے ترک کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ اگر امام بخاریؒ نے درود کو صرف دعا کے طور پر خیال کیا اور نماز کے اندر اس کو داخل نہ سمجھا تو اس کے مقابلہ میں وہ حدیث ابن مسعودؓ ہے جس میں نماز کے اندر درود پڑھنے کا سوال اور حضور علیہ السلام کا جواب بھی اسی کے لئے ہے، پھر حدیث کو اس زیادہ کے ساتھ محدث نہایتی، حاکم، ابن حبان، ابن خزیمہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور سب نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ لہذا درود کا محل صلوٰۃ ہوتا متعین ہو گیا۔ (اعلام السنن ص ۱۱۵۲)

حضرت شیخ الحدیث دامت فیوضہم السامیہ نے لکھا: شاید امام بخاریؒ نے یہاں اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس سے وجوب کا توہم ہوتا اور اس کا وجوب ان کے نزدیک صحیح نہ ہوگا، اسی لئے مطلق دعاء کے ضمن میں لائے، تاکہ اس میں یہ بھی شامل ہو جائے (لامع ص ۱۸۳۷) لیکن یہ توجیہ اس لئے بے سود ہے کہ امام بخاریؒ نماز کے سنن و مستحبات، واجبات و فرائض سب نبی تبار ہے ہیں، اگر ان کے نزدیک یہ سنت کے درجے میں ہوتا تو اس کی اہمیت متقاضی تھی کہ جو بھی اس کی حیثیت ان کے نزدیک تھی اسی کے مطابق باب قائم کر کے اس کو بتلاتے، دوسرے یہ کہ یہاں بھی تشہد کے بعد دعا کا باب قائم کیا ہے، جبکہ دعا کو کوئی بھی واجب نہیں کہتا، اگر باب قائم کرنے سے وجوب کا توہم ہوتا ہے تو کیا دعاء کے لئے یہ توہم نہ ہوگا؟ اور کیا وہ باب من لم یقرأ التہجد واجبا کی طرح ہی باب من لم یقرأ الصلوٰۃ علی النبی ﷺ واجبا نہیں لا سکتے تھے؟ بہر حال! جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا امام بخاریؒ کے اس فعل کی کوئی بہتر اور مناسب توجیہ سمجھ میں نہیں آتی، اور نہ اکابر امت میں سے کسی کی مناسب توجیہ ہماری نظر سے گذری واللہ تعالیٰ اعلم۔

## امام مسلم وغیرہ اکابر محدثین کا طریقہ

امام بخاریؒ کے بعد امام ترمذیؒ کے طریقہ سے ہمیں تعجب در تعجب ہے کہ انہوں نے بھی ارکان و سنن صلوٰۃ کے ضمن میں تشہد کے بعد درود شریف کا باب چھوڑ دیا ہے، اور آخر میں ابواب وتر کے بعد ابواب الجمعہ سے قبل اس کو لائے ہیں، حالانکہ ان کو امام شافعیؒ کی رعایت سے بھی اس کا باب تشہد کے ساتھ لانا چاہئے تھا، شاید انہوں نے ابراہیم وغیرہ چند مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی امام شافعیؒ کا مسلک کمزور اور مرجوح قرار دیا ہوگا، تاہم سنیت یا استحباب کے قائل تو وہ بھی ضرور ہوں گے، اس لئے کوئی معقول وجہ ان کے ترک کی بھی ہم نہیں سمجھ سکے۔ اس کے بعد ہم نے امام

مسلم کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ انہوں نے باب التشہد فی الصلوٰۃ کے بعد باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد بھی قائم کیا ہے، اور وہی حدیث کعب بن عجرہ پیش کی ہے جس کو امام بخاری آخر میں باب الدعوات ص ۹۴۰ میں لائیں گے۔ اور ابو حمید الساعدی کی حدیث بھی لائے ہیں، اور امام بخاری وہاں حدیث ابی سعید خدری بھی لائے ہیں، اور ان سب ہی میں درود شریف پڑھنے کی کیفیت اور طریقہ تعلیم کیا گیا ہے۔ پھر امام نسائی کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے باب التشہد کے بعد باب التسليم قائم کیا پھر باب التمجید والصلوة علی النبی ﷺ فی الصلوٰۃ کے بعد دو سراباب الامر بالصلوة علی النبی ﷺ بھی ذکر کیا۔ پھر باب الفضل فی الصلوٰۃ علی النبی ﷺ، لائے اور بہت سی احادیث صحیحان ابواب میں ذکر کیں۔ ان کے بعد باب تحجیر الدعاء صلوٰۃ علی النبی ﷺ ذکر کیا (نسائی ص ۱۸۸۹) جبکہ امام بخاری و ترمذی نے تشہد کے بعد کے سارے ابواب صلوٰۃ علی النبی والے حذف کر کے نماز کی آخری دعاؤں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ اسی طرح ہم نے دیکھا کہ امام ابو داؤد نے بھی باب التشہد کے بعد باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قائم کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی باب التشہد کے بعد باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قائم کیا ہے، (ص ۶۴) اس کی حدیث الباب کے قول قد عرفناہ پر حاشیہ بھی قابل ذکر ہے، جس میں امام بیہقی کی سنن سے نقل ہوا کہ اس میں اشارہ سلام فی التشہد کی طرف ہے، لہذا تکلیف الصلوٰۃ میں بھی مراد تشہد صلوٰۃ کے ہی درود کی طرف ہونا چاہئے، (قال السیوطی فی الترغیب)

### درود نماز کے بارے میں اقوال اکابر

ہم یہاں نو عیص مسئلہ کی مزید وضاحت اکابر امت کے ارشادات کی روشنی میں پیش کرتے ہیں، واللہ الموفق:۔ واجز ص ۲۱۶۳ میں اس طرح ہے:۔ نماز کے اندر درود شریف کے بارے میں علامہ ابن عبد البر نے نقل کیا کہ امام مالک، ثوری و اوزاعی کے نزدیک تشہد اخیر کے بعد مستحب ہے اور تارک خطا کار ہے، باوجود اس کے نماز درست ہے، امام شافعی نے کہا کہ اگر تشہد آخر کے بعد اور، سلام سے پہلے درود شریف نہ پڑھے گا تو نماز لوٹائے گا، ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا کہ صحیح مذہب کی رو سے وہ واجب ہے اور یہی قول امام شافعی و اہل حق کا ہے امام احمد کے نزدیک وہ غیر واجب ہے۔

مروزی نے نقل کیا کہ ابو عبد اللہ سے کہا گیا کہ ابن راہویہ تارک صلوٰۃ فی التشہد کی نماز کو باطل کہتے ہیں تو کہا کہ انہوں نے کتنی جرات کی؟! اور ایک موقع پر اس کو شذوذ بتلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے، اور یہی قول امام مالک، شافعی و اصحاب الرائے و اکثر اہل علم کا ہے۔ ابن المنذر نے کہا کہ یہ قول امام شافعی کے سوا سب اہل علم کا ہے۔ امام احمد کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ پہلے قول سے رجوع کر کے آخر میں وہ وجوب کے قائل ہو گئے تھے، اور نسل المآرب میں قول اللہم صلی علی محمد کو ارکان میں شمار کیا ہے۔

اصحاب امام شافعی سے یہ بھی نقل ہوا کہ درود شریف کی فرضیت نماز میں منحصر ہے، اور نماز سے باہر وہ بھی اس کو واجب نہیں کہتے۔ علامہ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ فرائض صرف ایسی دلیل سے ثابت ہو سکتے ہیں جس کا کوئی معارض نہ ہو یا ایسے اجماع سے جس کا کوئی مخالف نہ ہو، اور یہ بات اس مسئلہ میں معدوم ہے، اسی لئے امام شافعی کی دلیل کو ضعیف سمجھتا ہوں اور درود کو ہر نماز میں واجب و فرض نہیں سمجھتا، اور اس کے ترک کو بھی کسی کے لئے پسند نہیں کرتا۔

دریغ رہیں ہے کہ امام شافعی نے لفظ "اللہم صلی علی محمد" کو فرض کہا، جس پر ان کو شذوذ اور مخالفۃ اجماع کا الزام دیا گیا، ابن عابدین نے کہا کہ ان الزام دینے والوں میں امام طحاوی، رازی، ابن المنذر، خطابی، بغوی اور طبری بھی ہیں، حالانکہ یہ بات جو امام شافعی نے کہی وہ بعض صحابہ اور تابعین سے بھی نقل کی گئی ہے۔ (کذا قال النحوی فی الکبیری) اور امام احمد سے بھی وہ قول نقل ہوا جو امام شافعی کا ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال حدیث ابن ماجہ "لا صلوة لمن لم یصل علی فی صلاته" سے ہے، جس کو سارے اہل حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، اور آیت قرآنی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ سے ہے کہ مطلق امر فرضیت کے لئے ہوتا ہے، دوسرے حضرات نے اس امر کو استحباب کے لئے کہا ہے کیونکہ حضرت عمر و ابن مسعودؓ سے درود شریف کا نماز میں مسنون ہونا مروی ہے۔ الخ۔

## نماز کے علاوہ درود شریف کا حکم

امام طحاوی حنفی اور ایک جماعت حنفیہ نے اور علامہ صبی اور ایک جماعت شافعیہ نے نیز قاضی ابوبکر مالکیؒ نے کہا کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی بولا جائے یا سنا جائے تو آپ پر درود شریف پڑھنا ضروری ہے خواہ وہ مختصر الفاظ میں ہی ہو، یہی قول احوط ہے، وکذا قال الزحمری اور محدث ابن العربی نے شرح ترمذی میں لکھا کہ اس بارے میں امت میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ عمر میں ایک بار تو حضور علیہ السلام پر درود بھیجنا فرض کے درجہ میں ہے، اور یہی در مختار کا بھی مختار ہے، لہذا جس کسی نے یہ کہا کہ اس کے استحباب پر اجماع ہے، اس نے خلاف اجماع بات کہی، اس کے بعد علامہ کرنی اور امام طحاوی کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک جب بھی حضور اکرم ﷺ کے اسم گرامی کا ذکر مبارک آئے گا تو درود پڑھنا واجب ہوگا، خواہ ایک مجلس میں کتنی ہی بار تکرار ہو۔ اصح یہی ہے کیونکہ امر مقتضی تکرار ہے، اور جب بھی سبب مکرر ہوگا، وجوب بھی مکرر ہوگا، اور ترک سے دین رہے گا، کہ اس کی قضا ضروری ہوگی، کیونکہ یہ حق عباد ہے، جیسے کہ تسمیۃ عاقل، بخلاف ذکر باری عز اسمہ کے اور مذہب استحباب تکرار کا ہے، جس پر فتویٰ ہے اور معتقد قول امام طحاوی کا ہے، کذا ذکرہ الباقلائی متبعی لما صحیحہ الحنفی وغیرہ ورحمہ فی البحر با حدیث الوعیدہ وخرم ولبعا وشفاء وخیل وجماعہ۔ حافظ نے فتح الباری میں لکھا کہ جن حضرات نے آپ کے سر ذکر مبارک پر درود کو واجب قرار دیا ہے اس لئے کہ درود نہ پڑھنے پر غم، العباد وشفاء وغیرہ کی وعید میں وارد ہیں، اس کے جواب میں دوسرے حضرات (کرنی وغیرہ) نے جوابات دیئے ہیں مثلاً یہ کہ صحابہ و تابعین کے عمل سے اس کی توثیق نہ ہو سکی کیوں کہ اذان و اقامت اور دوسرے مواقع میں کسی سے ثابت نہ ہوا کہ وہ کلمہ شہادت کے ساتھ درود بھی پڑھتے ہوں، یا صحابہ نے حضور علیہ السلام سے خطاب کے وقت یا رسول اللہ کے ساتھ صلی اللہ علیک کہا ہو وغیرہ، دوسرے اس میں بڑی مشقت بھی ہے، جبکہ نص قرآن کے ذریعہ امت مرحومہ سے حرج و مشقت کی نفی آچکی ہے، تیسرے یہ کہ ایسا ہوتا تو دوسرے کاموں اور عبادتوں کے لئے وقت فارغ نہ ہو سکتا، اور احادیث و وعید کا جواب یہ دیا ہے کہ وہ تاکید و ترغیب کے لئے ہیں۔ اسباب و فرضیت کے لئے نہیں ہیں، یا ان لوگوں کے لئے ہیں جو ترک درود شریف کے عادی ہیں، بہر حال ایک ہی مجلس میں تکرار اسم مبارک کی صورت میں جو وہ مذکورہ بالا تکرار و وجوب کی بات مرحوم جرح قرار دی گئی ہے۔

علامہ طبری نے باوجود صیغہ امر کے بھی عدم وجوب پر بطور اصل شرعی کے اس امر سے استدلال کیا کہ علماء امت کے سارے متقدمین و متاخرین نے بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ ہر بار ذکر اسم مبارک کے وقت درود پڑھنا ایسا لازم و فرض کے درجہ میں قطعاً نہیں ہے کہ اس کا تارک عاصی و نافرمان قرار پائے، لہذا اس سے یہی ثابت ہوا کہ امر استحباب ہی کے لئے ہے۔ یہ ساری تفصیل او جز ص ۲۱۶۲ سے نقل کی گئی ہے۔

## ذکر باری پر تقدیس کا حکم

معارف السنن ص ۴۷۹۳ میں یہ اضافہ ہے کہ ایسا ہی اختلاف ذکر معظم اسم باری جل مجدہ کے بارے میں بھی ہے کہ جب بھی حق تعالیٰ جل ذکرہ کا اسم معظم لیا جائے یا تبت جائے تو کیا ایک ہی مجلس میں ہر بار جل ذکرہ، عز اسمہ تعالیٰ جدہ وغیرہ کہہ کر تقدیس کرنا واجب و ضروری ہے یا نہیں ہے؟ علامہ زہدلی نے لکھا کہ ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں حق تعالیٰ کا نام سن کر ہر مجلس کے لئے الگ الگ شاکلہ کہنا چاہئے لیکن اگر نہ



کہہ سکا تو وہ دین قابل ادائیگی نہ ہوگا کیونکہ باری تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہر لمحہ ہوتی رہتی ہے (اور اس کے ساتھ اس کا اسم گرامی اور یاد بھی متجدد ہوتی رہتی ہے) لہذا ہر لمحہ اور ہر آن اس کی ثناء تقدیس بھی ہونی چاہئے، جس کے لئے بندہ فارغ نہیں ہو سکتا اور اس لئے رحمت باری سے عفو و درگزر کی توقع پر ہر وقت ثناء و تقدیس لازم نہ ہوئی اور نہ دین کے طور پر اس کی قضا ضروری ہوئی! بخلاف اس کے کہ حضور علیہ السلام کے ذکر مبارک پر مختصر کلمہ درود دشوار نہیں ہے، لہذا علیہ السلام کہنا ہی چاہئے، اگر کسی مجلس میں نہ کہہ سکا تو وہ دین رہے گا، جس کی قضا ضروری ہوگی۔ (شرح المنیہ نمبر ۳۳۴)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس موقع پر صلی کبیر (شرح المنیہ) کی طرف مراجعت کی گئی تو فرق پایا کچھ لفظ طاعت میں رہ گئے ہیں اور باقی اضافہ ضروری سمجھا گیا۔

صلعم کی ممانعت: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں قسائل طبع عوام یا طلبہ یا بعض علماء زمانہ بھی جو حضور اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ صرف "یا صلعم" لکھ دیتے ہیں، یہ سخت ممنوع اور غیر پسندیدہ فعل ہے، معارف السنن ص ۲۹۳ میں التدریب ص ۱۵۴ سے نقل کیا گیا کہ لکھنے میں حضور علیہ السلام کے لئے "یا صلعم" سے اشارہ کرنا مکروہ ہے اس لئے پورا درود ﷺ یا علیہ السلام وغیرہ لکھنا چاہئے۔ اور نقل ہوا کہ جس شخص نے پہلے ایسا کیا تھا، اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا یا کٹ گیا تھا۔

علامہ عراقی نے اپنے الفیہ میں لکھا کہ مرز و حدف سے اقتباب کرو، خواہ مختصر ہی لفظوں سے ہو صلوة و سلام واضح طور پر بھیجہ جو علامہ بخاری نے بھی ابنہ عجم اور عوام طلب کے اس فعل پر تشنیع کی ہے، اور حضرت علامہ کشمیری نے امام احمد سے بھی اس پر تشنیع نقل فرمائی ہے۔ لیکن بعض نادانانہ آپ یا جناب پر بھی لگا دیتے ہیں یہ بے محل ہے۔ اسی طرح جہاں عبارت و حکایت میں یا قرآنہ حدیث کے وقت لفظ یا رسول اللہ آئے تو وہاں بھی صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ السلام لکھنا یا کہنا بے محل ہے، نہ صحابہؓ سے ایسا منقول ہے کہ وہ یا رسول اللہ کے ساتھ صلی اللہ علیہ کہتے ہوں۔ اسی لئے ہمارے حضرت شاہ صاحب درس بخاری میں قرآنہ کرنے والا طالب علم اگر یا رسول اللہ آنے پر صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتا تو آپ ﷺ اس کو روک دیتے تھے کہ تم سے زیادہ علم و ادب والے صحابہؓ سے بھی ایسا ناٹور نہیں ہے۔ غرض ان امور کو سمجھنے اور برتنے کے لئے علم و ادب، فہم و دانش سب ہی کی ضرورت ہے۔

### اکثر استغفار یا درود شریف

ہمارے حضرت شاہ صاحب اکثر فرماتے تھے اور معارف السنن ص ۴۲۹۹ میں بھی نقل ہوا کہ عفو معاصی کے لئے قبلیل و استغفار کی کثرت کرنی چاہئے، اور حضور علیہ السلام کی شفاعت کے لئے درود شریف کی کثرت کی جائے۔

### درود میں لفظ سیدنا کا استعمال

بعض علماء نجد درود شریف میں لفظ "سیدنا" کے اضافہ کو بدعت بتلاتے ہیں، اس کی تردید مختصر اہم سے انوار الباری ص ۱۱۹۲ میں بھی کی تھی، بغرض علمی افادہ و جز وغیرہ سے یہاں اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے: اسم گرامی محمد کے اول میں لفظ سیادت کے اضافہ پر اختلاف ہوا ہے، ابن رسلان نے کہا کہ ادب نبوی کے لحاظ سے تو یہ بہتر ہی ہے، در مختار میں ہے کہ سیادت کا اضافہ مندوب ہے کیونکہ واقعی امور کا اضافہ تقاضائے عین ادب ہے، لہذا وہ ترک سے افضل ہے، ربی شافعی وغیرہ نے بھی یہی کہا، اور حضور علیہ السلام سے لا تسو دونی فی الصلوۃ کی نقل جھوٹ ہے، اور بفرض صحت احتمال ہے کہ آپ نے ایسا تو اضعافا فرمایا ہو، یا اس لئے کہ مشافہ تعریف کو ناپسند کیا ہو یا اس لئے کہ وہ جاہلیت کا تہیہ تھا، قرب عہد جاہلیت کے باعث ناپسند فرمایا ہو، اور اس کے مقابلہ میں یہ ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمام اولاد آدم کا سید ہوں، اور آپ نے حضرت حسنؑ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اور حضرت سعدؓ کے لئے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ اپنے سید

کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اور حدیث نسائی میں ہے کہ سہل بن حنفیہؓ نے حضور کو یا سید کہہ کر خطاب کیا، اور حضرت ابن مسعود کے درود میں اللہم صل علی سید المرسلین وارد ہے۔ اور علامہ سیوطی نے درمنثور میں بواسطہ عبدالرزق، عبد بن حمید، ابن ماجہ وابن مردویہ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا کہ آپ نے لوگوں کو یہ درود تلقین کیا: اللہم اجعل صلواتک ورحمتک حضرات کے امثال امر بنوی سے تادبا باز رہنے کو گوارہ فرمایا، اس سے ان کے فعل کی اولویت ثابت ہوتی ہے۔ (اعلاء السنن ص ۳۱۷)

### سلطان عبدالعزیز اور حضرت مولانا خلیل احمد کا واقعہ

حضرت مولانا نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی تھی، اور وہ سعودی حکومت کا ابتدائی دور تھا، آپ نے نجدی علماء پر بہت سے مسائل میں اتمام حجت کی تھی، جن میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے جس کو ہم تذکرۃ الخلیل سے نقل کرتے ہیں۔ آپ روضہ نبوی میں حجاز کے قاضی القضاۃ امیر ابن البیہد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور سلطان عبدالعزیز ان کے برابر اس زمانہ میں جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ سیدنا استعمال کرتا، نجدی لوگ اس کو مشرک کہتے تھے، اور چار طرف حرم نبوی میں یہی صدا کان میں پڑتی تھی، حضرت نے موقع پا کر قاضی صاحب سے سوال فرمایا کہ آپ لفظ سیدنا کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ قاضی صاحب نے کچھ سکوت کے بعد کہا کہ حدیث میں کہیں نہیں آیا، حضرت نے فرمایا کہ حدیث میں تو آیا ہے۔ قاضی صاحب نے حیرت سے پوچھا کہاں آیا ہے؟ آپ نے فرمایا حدیث صحیح میں ”انا سید ولد آدم ولا فخر“ وارد ہے قاضی صاحب نے کہا ہاں اس طرح تو آیا ہے مگر نام مبارک کے ساتھ کہیں نہیں آیا، حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ جو تعالیٰ لگاتے ہیں، وہ بھی کہیں قرآن مجید میں آیا ہے، قاضی صاحب نے کہا نہیں، حضرت نے فرمایا کہ کون کہا کرتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیسی الفاظ کا استعمال کرو۔ ایک جگہ حدیث میں آگیا وہ کافی ہے۔ سلطان حجاز و نجد اس مکالمہ کو غور سے سن رہے تھے، اب انہوں نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ کہیں اس لفظ کی ممانعت آئی ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ ممانعت تو نہیں آئی۔ سلطان نے کہا کہ ایک جگہ آگیا اور ممانعت کہیں آئی نہیں۔ تو اس پر تشدد کیوں کیا جاتا ہے؟! اس کے بعد لوگوں میں اس مکالمے کا بڑا چرچا ہوا، اور پھر مشرک مشرک کی صدا ابھی کان میں نہیں آئی۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۴)

اس قسم کے واقعات اور بھی منقول ہیں کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے علماء نجد سے تبادلہ خیال کر کے ان کو متاثر کیا، اور ہم لوگ جب ۱۹۳۷ء میں حجاز حاضر ہوئے تھے، اور وہاں کے طویل قیام میں شیخ سلیمان الصنع رئیس بیئہ الامر، المعروف والنسی عن المنکر سے بہ کثرت ملاقاتوں میں اختلافی مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا تو وہ بھی اکثر مسائل میں تشدد کی راہ چھوڑ کر اعتدال کو پسند کرتے تھے، اس کے بعد رفیق محترم مولانا السید محمد یوسف البنوریؒ بھی اپنی ملاقاتوں میں اور معارف السنن کے ذریعہ بھی علماء نجد و حجاز کے سامنے جرأت مندانہ احقاق حق کرتے رہے اور اس کے بہتر اثرات بھی رونما ہوئے، مگر افسوس ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر آتا ہے اور عام طور سے مصلحت بینی اور ممانعت کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے واللہ المستعان۔

### حافظ ابن تیمیہ و ابن القیم اور درود شریف کے ماثور الفاظ کی بحث

ہم نے اس کے بارے میں انوار الباری ص ۱۱۹۰ میں بھی لکھا تھا اور یہ بھی واضح کیا تھا کہ نہ صرف ابن القیم بلکہ ان کے شیخ حافظ ابن تیمیہ نے بھی ایسا ہی غلط دعویٰ کیا ہے اب دوسرے افادات پیش ہیں۔ اوجز ۲۱۵۷ میں ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا کہ حافظ ابن القیم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”درود شریف والی اکثر احادیث میں محمد و آل محمد کا ذکر ہے، اور ان کے ساتھ صرف ابوہم یا صرف آل ابوہم کا ذکر ہے“ (علیہم السلام) اور کسی حدیث صحیح میں لفظ ابوہم و آل ابوہم ایک جگہ ساتھ وارد نہیں ہوا ہے، البتہ یہی نے بہ طریق یحییٰ عن رجل روایت کی ہے، جبکہ یحییٰ مجہول ہے اور اس کا شیخ مبہم ہے، لہذا اس کی سند ضعیف ہے۔ اور ابن ماجہ میں ضرور سند قوی سے

روایت ہے۔ مگر وہ موقوف ہے، حافظ نے اس پر لکھا کہ ابن القیم صحیح بخاری کی روایت صحیح تویہ بھی غافل ہو گئے جو کتاب الانبیاء ترجمہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں ہے، کہ اس میں کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم اور ایسے ہی کمابارکت میں بھی ابراہیم و آل ابراہیم ایک جگہ ساتھ ہیں، اور ایسے ہی طبری کی روایت میں بھی ہے۔ پھر حافظ نے دوسری روایات صحیحہ بھی ذکر کیں، جن میں دونوں لفظ ساتھ جمع ہیں۔ فتح الملہم ص ۲۳۸ میں بھی ”تنبیہ“ کے عنوان سے یہی بات لکھی گئی ہے، اور غالباً حافظ کی طرح صاحب او جز اور صاحب فتح الملہم بھی اس امر پر مطلق نہیں ہو سکے کہ بعینہ یہی دعویٰ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں کیا ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ ص ۱۱۹۰ از تحقیق مسئلہ نمبر ۱۵۳ (انوار الباری ص ۱۸۸۹ تا ۱۸۹۱ میں پوری تفصیل آچکی ہے) معارف السنن ص ۴۲۹ میں دونوں حضرات کے غلط دعویٰ کا حوالہ دے کر رد وافر کیا گیا ہے۔ واللہ بقول الحق وهو یهدی السبیل۔ اس تفصیل کے ساتھ حسب تجویز و اصطلاح حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری ”تہمین“ کے اس مشہور و معروف دعویٰ کو بھی حافظ میں تازہ رکھئے کہ جس حدیث کو حافظ ابن تیمیہ صحیح قرار دیں وہ صحیح ہے اور جس کو وہ کہیں کہ صحیح نہیں ہے تو وہ واقع میں بھی صحیح نہیں ہے۔“ اور اب تو دونوں حضرات نے دعویٰ فرمادیا کہ لفظ ابراہیم و آل ابراہیم ایک جگہ ساتھ ہو کر کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے، تو پھر خواہ صحیح بخاری میں بھی کئی جگہ موجود ہوا کرے، سمجھنا یہی چاہئے کہ وہ واقع میں موجود یا صحیح نہیں ہے۔ والی اللہ المستطیع۔

اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ آمین۔

وسو کاتک علی سید المرسلین و امام المتقین الحدیث، یہ سب دلائل اختیار لفظ سید کے لئے کافی دوائی ہیں اور علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں اس کی اولویت کی طرف میلان ظاہر کیا ہے، علامہ ابی نے بھی شرح مسلم شریف میں لکھا کہ لفظ سید اور مولیٰ کا استعمال بہتر ہے، اگرچہ وہ خاص طور سے درود کے الفاظ میں حضور علیہ السلام سے روایت بھی نہیں ہوا، کیونکہ اس بارے میں مستند حدیث صحیح ”انا سید ولد آدم“ وارد ہے۔ (او جز ص ۲۱۵) اعلاء السنن میں ہے کہ ابن عبد السلام نے سید کے اضافہ کو باب سلوک ادب سے قرار دیا۔ اور یہ اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ طریق ادب کی رعایت اقتضائے امر سے بھی زیادہ محبوب اور رائج ہو جاتی ہے، جس کی تائید حضرت ابو بکرؓ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی جگہ قائم رہنے کا حکم دیا مگر انہوں نے نہ مانا اور عرض کیا کہ ابن ابی قحافہ کی کیا مجال کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہو کر کھڑا ہو، اور ایسا ہی واقعہ حضرت علیؓ کا بھی ہے کہ صلح حدیبیہ کے صحیفہ میں حضور علیہ السلام نے کاتب صحیفہ حضرت علیؓ کو حکم فرمایا کہ اس کو کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو، حضرت علیؓ نے عرض کیا واللہ! میں آپ کا اسم گرامی ہرگز نہیں کاٹوں گا، اس پر حضور علیہ السلام نے اس کو خود کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھوایا (بخاری ص ۶۱۰) دونوں حدیثیں صحیح بخاری میں ہیں، اور حضور علیہ السلام نے جو ان دونوں حضرات کے اقتضائے امر نبوی سے تادبا باز رہنے کو گوارہ فرمایا، اس سے ان کے فعل کی اولویت ثابت ہوتی ہے۔ اعلاء السنن ص ۳۱۱۔

### سلطان عبدالعزیز اور حضرت مولانا خلیل احمدؒ کا واقعہ

حضرت مولانا نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی تھی، اور وہ سعودی حکومت کا ابتدائی دور تھا، آپ نے نجدی علماء پر بہت سے مسائل میں اتمام حجت کی تھی، جن میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے جس کو ہم تذکرۃ الخلیل سے نقل کرتے ہیں۔ آپ روضۂ نبوی میں حجاز کے قاضی القضاۃ امیر ابن البیہد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور سلطان عبدالعزیز ان کے برابر۔ اس زمانہ میں جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ سیدنا استعمال کرتا، نجدی لوگ اس کو مشرک کہتے تھے، اور چار طرف حرم نبوی میں یہی صداکان میں پڑتی تھی، حضرت نے موقع پا کر قاضی صاحب سے سوال فرمایا کہ آپ لفظ سیدنا کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ قاضی صاحب نے کچھ سکوت کے بعد کہا کہ حدیث میں کہیں نہیں آیا، حضرت نے فرمایا کہ حدیث میں تو آیا ہے۔ قاضی صاحب نے حیرت سے پوچھا کہاں آیا ہے؟ آپ نے فرمایا حدیث صحیح میں ”انا سید ولد آدم ولا فخر“ وارد ہے قاضی صاحب نے کہا ہاں! اس طرح تو آیا ہے مگر نام مبارک کے ساتھ کہیں نہیں آیا، حضرت نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ جو تعالیٰ لگاتے ہیں، وہ بھی کہیں قرآن مجید میں آیا ہے، قاضی صاحب نے کہا نہیں، حضرت نے فرمایا کہ کون کہا کرتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیسی الفاظ کا استعمال کرو۔ ایک جگہ حدیث میں آگیا وہ کافی ہے۔ سلطان جاز و نجد اس مکالمہ کو غور سے سن رہے تھے، اب انہوں نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ کہیں اس لفظ کی ممانعت آئی ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ ممانعت تو نہیں آئی۔ سلطان نے کہا کہ ایک جگہ آگیا اور ممانعت کہیں آئی نہیں۔ تو اس پر تشدد کیوں کیا جاتا ہے؟! اس کے بعد لوگوں میں اس مکالمے کا بڑا چرچا ہوا، اور پھر مشرک مشرک کی صدا بھی کان میں نہیں آئی۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۴)

اس قسم کے واقعات اور بھی منقول ہیں کہ حضرت مولانا غلیل احمد صاحب نے علماء نجد سے تبادلۂ خیال کر کے ان کو متاثر کیا، اور ہم لوگ جب ۱۹۳۷ء میں حجاز حاضر ہوئے تھے، اور وہاں کے طویل قیام میں شیخ سلیمان الصنع رئیس یدئۃ الامر، المعروف والئی عن المنکر سے بہ کثرت ملاقاتوں میں اختلافی مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوتا تھا تو وہ بھی اکثر مسائل میں تشدد کی راہ چھوڑ کر اعتدال کو پسند کرتے تھے، اس کے بعد رفیق محترم مولانا السید محمد یوسف البواری بھی اپنی ملاقاتوں میں اور معارف السنن کے ذریعہ بھی علماء نجد و حجاز کے سامنے جرأت مندانہ احقاقیق کرتے رہے اور اس کے بہتر اثرات بھی رونما ہوئے، مگر افسوس ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر آتا ہے اور عام طور سے مصلحت بینی اور مابہت کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے واللہ المستعان۔

### حافظ ابن تیمیہ و ابن القیم اور درود شریف کے ماثور الفاظ کی بحث

ہم نے اس کے بارے میں انوار الباری ص ۱۱۹۰ میں بھی لکھا تھا اور یہ بھی واضح کیا تھا کہ نہ صرف ابن القیم بلکہ ان کے شیخ حافظ ابن تیمیہ نے بھی ایسا ہی غلط دعویٰ کیا ہے اب دوسرے افادات پیش ہیں۔ او جز ۲۱۵ میں ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا کہ حافظ ابن القیم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”درود شریف والی اکثر احادیث میں محمد وآل محمد کا ذکر ہے، اور ان کے ساتھ صرف ابراہیم یا صرف آل ابراہیم کا ذکر ہے (علیہم السلام) اور کسی حدیث صحیح میں لفظ ابراہیم وآل ابراہیم ایک جگہ ساتھ وارد نہیں ہوا ہے، البتہ یہی ہے کہ طریق یحییٰ عن رجل روایت کی ہے، جبکہ یحییٰ مجہول ہے اور اس کا شیخ مبہم ہے، لہذا اس کی سند ضعیف ہے۔ اور ابن ماجہ میں ضرور سند قوی سے روایت ہے۔ مگر وہ موقوف ہے، حافظ نے اس پر لکھا کہ ابن القیم صحیح بخاری کی روایت صحیح تو یہ بھی غافل ہو گئے جو کتاب الانبیاء ترجمہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں ہے، کہ اس میں کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم اور ایسے ہی کہا بارگت میں بھی ابراہیم وآل ابراہیم ایک جگہ ساتھ ہیں، اور ایسے ہی طبری کی روایت میں بھی ہے۔ پھر حافظ نے دوسری روایات صحیح بھی ذکر کیں، جن میں دونوں لفظ ساتھ جمع ہیں۔

فتح الملہم ص ۲۱۸ میں بھی ”تنبیہ“ کے عنوان سے یہی بات لکھی گئی ہے، اور غالباً حافظ کی طرح صاحب او جز اور صاحب فتح الملہم بھی اس امر پر مطلع نہیں ہو سکے کہ بیعت میں دعویٰ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں کیا ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ ص ۱۱۹۰ زیر تحقیق مسئلہ نمبر ۱۵۳ (انوار الباری ص ۱۱۸۹ تا ۱۱۹۱ میں پوری تفصیل آچکی ہے) معارف السنن ص ۳۱۲۹ میں دونوں حضرات کے غلط دعاوی کا حوالہ دے کر رد فرمایا گیا ہے۔ واللہ یقول الحق وهو یدعی السبیل۔ اس تفصیل کے ساتھ حسب تجویز و اصطلاح حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری ”تیمین“ کے اس مشہور و معروف دعویٰ کو بھی حافظ میں تازہ رکھئے کہ جس حدیث کو حافظ ابن تیمیہ صحیح قرار دیں وہ صحیح ہے اور جس کو وہ کہیں کہ صحیح نہیں ہے تو وہ واقع میں بھی صحیح نہیں ہے۔“ اور اب تو دونوں حضرات نے دعویٰ فرمادیا کہ لفظ ابراہیم وآل ابراہیم ایک جگہ ساتھ ہو کر کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے، تو پھر خواہ صحیح بخاری میں بھی کئی جگہ موجود ہوا کرے، سمجھنا یہی چاہئے کہ وہ واقع میں موجود یا صحیح نہیں ہے! والی اللہ المشتکی۔

اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ امین۔